

# اسلامی فقہ



مولانا منہاج الدین میناکی

# اسلامی فقہ (مکمل)

مولانا منہاج الدین مینائی

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

3- کورٹ سٹریٹ، لوئر مال روڈ، لاہور



## جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

اسلامی فقہ	:	نام کتاب
مولانا منہاج الدین دینانی	:	مصنف
ستمبر ۲۰۰۸ء	:	اشاعت
۷	:	ایڈیشن
۱۱۰۰	:	تعداد
پروفیسر محمد امین جاوید (شیخ زکریا)	:	اہتمام
اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ	:	
۳- کورٹ سٹریٹ، فور مال لاہور، پاکستان	:	
042-7214974 فیکس، 042-7248676-7320961	:	فون
www.islamicpak.com.pk	:	ویب سائٹ
islamicpak@yahoo.com	:	ای میل
سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور	:	مطبع
300/- روپے	:	قیمت

## فہرست عنوانات

۵۴	آب طاہر	۳۱
۵۵	غیر طہور	
۵۶	وہ پانی جو پینے سے چھوٹا ہو گیا	
۵۷	جن جانوروں کا چھوٹا پانی ناپاک ہو جاتا ہے	۳۹
۵۸	وہ جانور جن کا چھوٹا کمرہ تنہا ہی ہے	۴۰
۵۹	کنوئیں کے پانی کے مسائل	۴۰
۶۰	انسانی جسم اور لباس کو نجاست سے پاک کنا	۴۱
۶۱	استنجاء کی تعریف	
۶۲	استنجاء (طہارت) کا طریقہ	۴۲
۶۳	استنجاء کے ارکان	۴۳
۶۴	استنجاء کا حکم	۴۴
۶۵	رفع حاجت کے آداب	۴۵
۶۶	وضو کے معنی اور تعریف	۴۵
۶۷	وضو کا حکم اور اس سے متعلق امور	۴۵
۶۸	قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا	۴۵
۶۹	شرائط وضو	۴۶
۷۰	وضو واجب ہونے کے شرائط	۴۶
۷۱	وضو صحیح ہونے کے شرائط	۴۶
۷۲	وضو واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں	۴۶
۷۳	وضو کے فرائض	۴۹
۷۴	وضو کی سنتیں	۵۰
۷۵	وضو کے مندوب و مستحبات	۵۱
۷۶	وضو کی مکروہات	
۷۷	نواقض وضو	
۷۸	غسل کے معنی اور تعریف	۵۲

دیباچہ  
فقہ کے معنی

علم فقہ

فقہ

علم فقہ کی ضرورت

احکام دین کی تحصیل

عبادت

عبادت کے معنی

طہارت کے معنی و تعریف

نجاست کی تعریف

نجاست مکی

حدیث اہل کفر کا حکم

حدیث اکبر کا حکم

نجاست حقیقی

نجاست غلیظہ کا حکم

نجاست خفیفہ

نجاست خفیفہ کا حکم

نجاست کے متعلق عام ہدایات

اعیان طاہرہ

اعیان نجسہ

نجاست کا ازالہ

پانی کی قسمیں

آب طہور

۹۰	تیم کے ارکان یا فرائض	۷۵	موجباتِ قس
۹۱	تیم کی سنتیں	۷۷	قس کی شرطیں
۹۱	تیم کے مستحبات	۷۷	قس کے فرائض
۹۱	تیم کے مکروہات	۷۹	قس کی سنتیں
۹۱	تیم کو باطل کرنے والے امور	۷۹	قس کے مستحبات
۹۲	نافذ یا مطلق ہونا	۸۰	قس کے مکروہات
۹۳	نماز یا صلوٰۃ	۸۰	قس سنون
۹۳	صلوٰۃ کی تعریف	۸۰	حالت جنابت کے متعلق احکام
۹۳	صلوٰۃ (نماز) کی غایت	۸۱	حیض کے متعلق مسائل
۹۳	نماز کی قسمیں	۸۱	حیض کی مدت
۹۳	نہر کی شرطیں	۸۲	ظہر کی مدت
۹۵	فرض نمازوں کی تعداد اور ان کی فرضیت کا حکم	۸۲	استحاضہ اور اس کی کیفیت
۹۵	نماز کے اوقات	۸۳	نفاس اور اس کی کیفیت
۹۶	اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت	۸۳	حیض و نفاس والی عورتوں کا حکم
۹۷	نمازیں تاخیر کرنا	۸۳	پانی سے طہارت حاصل کرتے وقت
۹۸	دو نمازیں ملا کر پڑھنا	۸۴	مسح کرنے کی اجازت
۹۸	نمازیں ستر ڈھانکا	۸۵	جہر و پسر مسح کرنے کا حکم
۹۸	اثنائے نمازیں ستر کھل جانے کا حکم	۸۶	جہر و پسر کے صحیح ہونے کی شرطیں
۹۹	حالت نماز کے بغیر ستر ڈھانکا	۸۶	جہرے کے مسح کو باطل کرنے والے امور
۹۹	نمازیں قبلہ کی طرف رخ کرنا	۸۷	خف (دھوئے) پر مسح جائز ہونے کی دلیل
۱۰۰	قبلہ کی تعریف	۸۷	خف پر مسح درست ہونے کی شرطیں
۱۰۰	نمازیں قبلہ رو ہونے کی دلیل	۸۸	موزوں پر مسح کا سنون طریقہ
۱۰۰	قبلہ کا رخ متعین کرنے کا طریقہ	۸۸	موزوں پر مسح کی میعاد
۱۰۱	تحریر کے باقی ہیں کچھ مسائل	۸۸	مسح کا مکروہ ہونا نا۔
۱۰۲	استقبالی قبلہ واجب ہونے کی شرطیں	۸۸	مسح باطل کرنے والے امور
۱۰۲	کبیسے کے اندر نماز پڑھنا	۸۹	تیم کا بیان
۱۰۳	سوامی پر نماز پڑھنے کے احکام	۸۹	تیم کا حکم اور اس کی مشروعیت کا حکم
۱۰۳	اولے نماز کے فرائض	۸۹	تیم کی قسمیں
۱۰۳	نماز کے ارکان	۹۰	تیم کی شرطیں
۱۰۳			تیم کرنے کے شرعی اسباب



۱۲۵	صلوۃ النعلی (نماز پاشت)	۱۰۵	نماز کے واجبات
۱۲۶	نماز اشراق	۱۰۶	نماز کی سنتیں
۱۲۶	صلوۃ البیچ	۱۰۸	نماز کے مستحبات
۱۲۶	نماز تہجد المسجد	۱۰۹	سترہ یعنی اڑ
	نماز تہجد الوضوء اور سفر سے واپسی یا سفر کو	۱۰۹	سترہ کے شرائط
۱۲۶	رواگی کے وقت نماز پڑھنا	۱۰۹	نماز کے آگے سے گزرنا
۱۲۶	نماز تہجد	۱۱۰	مکروہات نماز
۱۲۶	نماز استنارہ	۱۱۲	سجد میں کیا کیا باتیں مکروہ ہیں
۱۲۸	استنارے کی دُعا	۱۱۴	مُہلات صلوۃ
۱۲۸	نماز صحت اور آس کی دُعا	۱۱۵	وہ مورخین کے سبب نماز توڑ دینا چاہیے
۱۲۹	نماز وتر		
۱۳۱	نماز تراویح	۱۱۶	اذان کا بیان
۱۳۲	تراویح کے مستحبات	۱۱۶	اذان کی ترتیب
۱۳۳	تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا	۱۱۶	اذان کا مکمل دُعا کی مشروعیت
۱۳۳	جمعہ کا مکمل اور اس کا ثبوت	۱۱۶	اذان پچھنے کا طریقہ اور اس کے الفاظ
	نماز جمعہ کے لئے روانہ ہونے اور	۱۱۶	مؤذن کی اذان کا جواب دینا
۱۳۳	خرید و فروخت بند کرنے کا وقت	۱۱۶	اذان کی شرائط
۱۳۴	جمعہ کی شرطیں	۱۱۸	اذان دینے والے کی شرائط
۱۳۴	شرائط وجوب	۱۱۸	اذان کی سنتیں اور مستحبات
۱۳۴	شرائط صحت نماز	۱۱۸	اذان میں کیا کیا باتیں مستحباب یا مکروہ ہیں
۱۳۵	جماعت حسن کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے	۱۱۹	اقامت کی تعریف
۱۳۵	جمعہ کا خطبہ اور اس کے ارکان	۱۱۹	اقامت کی شرطیں
۱۳۵	جمعے کے دونوں خطبوں کے شرائط	۱۱۹	اقامت کی سنتیں اور مستحبات
۱۳۶	خطبہ جمعہ کی سنت	۱۱۹	اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ
۱۳۶	خطبے کی مکروہات	۱۱۹	اذان کی اجرت
۱۳۶	جمعہ کے مستحبات	۱۲۰	نماز کے علاوہ اذان دینا
۱۳۶	جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہونا	۱۲۰	اذان کے بعد درود بھیجنے کا حکم
۱۳۶	جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز	۱۲۰	نماز تطوع (معمولی ثواب)
۱۳۶	جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جماعت	۱۲۱	نماز پڑھنے کی ممکن صورت
۱۳۸	کے ساتھ پڑھنا	۱۲۴	نماز ختم ہونے کے بعد اذکار

## عیدین کی نماز کا حکم اور وقت

۱۳۹	نماز عید کی مشروعیت
۱۳۹	نماز عیدین کا طریقہ
۱۴۰	نماز عیدین کی جماعت اور ان کی قضاء
۱۴۰	عیدین کی سنتیں اور مستحبات
۱۴۱	نماز عید کی مکروہات
۱۴۱	عیدین کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے۔
۱۴۱	عیدین کے خطبوں کا بیان
۱۴۲	ایام تشریق
۱۴۲	نماز استسقاء
۱۴۳	نماز استسقاء کا حکم
۱۴۳	نماز استسقاء کا وقت
۱۴۴	نماز استسقاء کو جانے سے پہلے سب سے پہلے
۱۴۴	نماز کسوف
۱۴۴	نماز کسوف مشروع ہونے کی نکت
۱۴۵	نماز کسوف کا طریقہ
۱۴۵	نماز کسوف کی سنتیں
۱۴۵	نماز کسوف کا وقت
۱۴۵	نماز خسوف
۱۴۵	نماز کسوف و خسوف کی قضاء
۱۴۶	نماز خفوت
۱۴۶	وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا حرام ہے
۱۴۷	نواصل کی قضاء
۱۴۷	نفل پڑھنے کا افضل مقام
۱۴۸	نماز کی امامت
۱۴۸	امامت نماز کی تعریف
۱۴۸	صحت امامت کے لئے مقتدیوں کی تعداد
۱۴۸	امامت کا حکم نماز پڑھنا نہ کے لئے

۱۳۹	امامت نماز جمعہ و عیدین میں
۱۳۹	امام بننے کی شرطیں
۱۳۹	امامت کن لوگوں کی مکروہ ہے
۱۵۰	امام بننے کی ترجیحات
۱۵۰	مقتدی کے لئے احکام
۱۵۱	مستحب نماز کیسے پوری کرے
۱۵۲	لاحق نماز کیسے پوری کرے
۱۵۲	تہن افروض پڑھنے والے کے ساتھ شامل ہونا۔
۱۵۳	جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب
۱۵۳	دھوکہ کرنے والے کا تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا۔
۱۵۳	وہ معذور یاں جن سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے
۱۵۴	استحلاف فی الصلوٰۃ
۱۵۴	استحلاف کا سبب
۱۵۵	استحلاف کی شرعی حیثیت
۱۵۵	عورتوں کی جماعت
۱۵۵	سجدہ سہو کا بیان
۱۵۵	سجدہ سہو کا طریقہ
۱۵۰	سجدہ سہو کے اسباب
۱۵۰	سجدہ تلاوت
۱۵۰	سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت
۱۵۰	سجدہ تلاوت واجب ہونے کی شرائط
۱۵۰	سجدہ تلاوت کا طریقہ
۱۵۰	وہ آیات جن پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے
۱۵۰	سجدہ شکر
۱۵۰	مسافر کے لئے نماز میں قصر کرنے کی اہلیت
۱۵۰	نماز قصر کا ثبوت
۱۵۱	قصر کے معنی ہونے کی شرط
۱۵۲	مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا
۱۵۲	قصر باطل ہونے کی صورت
۱۵۲	قصر نماز کی قضاء

۱۷۲	مریض کی نماز کا بیان	۱۷۹	جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے کسی
۱۷۳	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ	۱۷۹	اور علاج میں میت کو ملے جانا۔
۱۷۳	رکوع اور ہمت سے معذوری کا بیان	۱۸۰	ایک قبر میں لگی میتوں کا دفن کرنا۔
۱۷۴	مریض کی عیادت	۱۸۰	متفرق مسائل
۱۷۵	موت کی بیماری	۱۸۱	تعزیت (پڑسہ)
۱۷۵	میت کے اعضاء کو درست کرنا	۱۸۱	قبروں کی زیارت کرنا۔
۱۷۶	غسل میت	۱۸۳	ذکر اور دعا
۱۷۶	شرائط غسل میت	۱۸۶	استغفار
۱۷۶	میت کا سر دیکھنا اور ہاتھ لگانا	۱۸۶	نبی پر درود
۱۷۸	مستحبات غسل میت	۱۸۹	صوم (روزہ)
۱۷۸	غسل دینے کے بعد میت سے نہایت غائب ہونا	۱۸۹	صوم کی تعریف
۱۷۸	میت کو غسل دینے کا طریقہ	۱۸۹	فرض روزے
۱۷۹	کفنائے کا بیان	۱۸۹	رمضان کا روزہ اور اس کا ثبوت
۱۸۰	مرد کا کفن	۱۹۰	روزے کے ارکان
۱۸۰	عورت کا کفن	۱۹۰	روزے کی شرائط
۱۸۰	کفن دینے کا طریقہ	۱۹۱	روزے کی نیت کرنے کا وقت
۱۸۱	نماز جنازہ	۱۹۱	ماہ رمضان کا تحقق
۱۸۱	نماز جنازہ کے ارکان	۱۹۲	کسی ایک علاج میں روایت بلان ثابت ہونا
۱۸۲	نماز جنازہ کی شرطیں	۱۹۲	روایت ہلال کے بارے میں حکم کا قول سند نہیں
۱۸۳	نماز جنازہ میں ثنا اور دعا	۱۹۲	چاند دیکھنے کی کوشش کرنا۔
۱۸۴	نماز جنازہ کی تکبیری	۱۹۳	جدید ذرائع خبر رسانی سے چاند گھنے کی خبر
۱۸۵	مکرر نماز جنازہ پڑھنا	۱۹۳	سحری
۱۸۵	مسجد میں نماز جنازہ	۱۹۳	اظہار
۱۸۵	شہید کا بیان	۱۹۳	حالت روزہ
۱۸۶	جنازہ اٹھانے کا طریقہ	۱۹۴	ماہ شوال کا تحقق
۱۸۶	جنازے کے ساتھ چلنے اور اس کے متعلق مسائل	۱۹۴	یوم النکاح یعنی شنگول دن کا روزہ
۱۸۶	میت کی تدفین	۱۹۴	ممنوع روزوں کا بیان
۱۸۶	قبر بنانے کا طریقہ	۱۹۴	نفسی روزے
۱۸۶	قبر پر عمارت تعمیر کرنا		



۲۱۰	صاحب مال کا آزاد ہونا اور قرض سے بری ہونا۔	۱۹۵	محرم و روزه کا روزہ
۲۱۰	وہ اموال جن پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی	۱۹۵	نقلی روزہ رکھ کر توڑ دینا
۲۱۰	اشیاء کی قیمتیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے	۱۹۵	بعض روزے جو مکروہ تشریحی ہیں
۲۱۱	جو پاؤں کی زکوٰۃ	۱۹۶	مفسدات صوم
۲۱۳	سنوے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان	۱۹۶	قضا واجب ہونے کی صورتیں
۲۱۳	سونے چاندی کی مخلوط اشیاء کی زکوٰۃ کا بیان	۱۹۶	قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے کی صورتیں
۲۱۴	سکوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ	۱۹۸	روزہ جو قضا ہو گئے ادا کرنے کا وقت
۲۱۴	کاغذی سکوں اور دوسری دھاتوں سے بنے سکوں کا بیان	۱۹۸	روزہ توڑ دینے کا کفارہ
۲۱۴	ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب	۱۹۹	روزہ توڑنے کے جائز عذر
۲۱۵	سال گزرنے کا مطلب	۱۹۹	روزہ ترک کرنے کی جائز صورتیں
۲۱۵	قرض میں دے ہوئے مال پر زکوٰۃ	۲۰۰	روزے میں سخت بھوک پیاس کا غلبہ
۲۱۶	تجارتی مال پر زکوٰۃ	۲۰۰	ضعیف العمری کے باعث ترک صوم
۲۱۶	کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ	۲۰۰	فدیہ کی مقدار
۲۱۶	زمین کی پیداوار میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں	۲۰۱	میت کے تقاض شدہ روزے
۲۱۸	عشر اور زکوٰۃ میں فرق	۲۰۱	اعتکاف کا بیان
۲۱۹	بثانی کا حکم	۲۰۱	اعتکاف کی قسمیں اور میلا
۲۱۹	عشر نہانے کا طریقہ	۲۰۲	اعتکاف کی شرطیں
۲۲۰	ہدایات	۲۰۲	مفسدات اعتکاف
۲۲۰	استدراک	۲۰۳	اعتکاف کے آداب
۲۲۱	مصارف زکوٰۃ	۲۰۳	اعتکاف کے مکروہات
۲۲۳	کن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہیے	۲۰۳	شب قدر
۲۲۳	زکوٰۃ لینے کے حقدار	۲۰۴	صدقہ فطر
۲۲۴	مال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا۔	۲۰۵	صدقہ فطر میں دی جانے والی چیزیں
۲۲۴	عشر و زکوٰۃ کی وصولی کا حکومتی ادارہ		
۲۲۴	زکوٰۃ کے مال کی حیثیت		
۲۲۶	کان اور دفینوں کا بیان	۲۰۶	زکوٰۃ کے معنی اور اس کی تعریف
۲۲۶	حج	۲۰۶	اولے زکوٰۃ کا حکم اور اس کا ثبوت
۲۲۶	حج کے معنی اور تعریف	۲۰۸	اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت
۲۲۶	حج کی اہمیت اور فضیلت	۲۰۸	وجوب زکوٰۃ کی شرطیں
۲۲۶		۲۰۹	نصاب اور ایک سال کی مدت

۲۴۳	حج کا جو تھا رکن اعرفات میں وقوت	۲۲۷	حج کے مسائل اور اس کا ثبوت
۲۴۶	حج کے مام واجبات	۲۲۸	حج سے مقصود
۲۴۷	حج کی سنتوں کا بیان	۲۲۹	حج کب فرض ہو جاتا ہے
۲۴۸	آداب حج	۲۲۹	حج واجب ہونے کی شرطیں
۲۵۱	ممنوعات حج کا بیان	۲۳۰	استطاعت کے مسائل
۲۵۱	مفسدات حج کا بیان	۲۳۱	حج کے صحیح ہونے کی شرطیں
۲۵۱	وہ باتیں جن پر فدیہ واجب ہوتا ہے	۲۳۲	ارکان حج
۲۵۳	حالت احرام میں شکار کا تاوان	۲۳۲	احرام کی تعریف
۲۵۴	عمرہ	۲۳۲	احرام کے موافقت
۲۵۴	عمرہ کی حیثیت	۲۳۳	احرام باندھنے سے پہلے جو امر مطلوب ہیں
۲۵۵	عمرہ کی شرائط اور ارکان	۲۳۴	حالت احرام میں کیا کیا کرنا منع ہے
۲۵۵	عمرہ کی میقات	۲۳۶	عورت کے لئے حالت احرام میں منہ اور سر ڈھکنے کا مسئلہ
۲۵۶	عمرہ کے واجبات ومن اور مضدات	۲۳۶	رنگین یا خوشبودار کپڑے
۲۵۶	حج قرآن نیت اور اذکار کے متعلقہ مسائل	۲۳۷	بالوں کا کٹوانا یا انھیں کسی اور طریقے سے دور کرنا۔
۲۵۷	قرآن کے مسائل	۲۳۷	حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کے مسائل
۲۵۹	نیت کے مسائل		فصد کھلوانا یعنی بگوانا نسل کرنا۔
۲۶۰	ہدی کی تعریف	۲۳۷	اپنے اوپر سایہ کرنا۔
۲۶۱	ہدی کی قسمیں		احرام والے کو سنتے میں داخل ہونے
۲۶۱	قربانی کے وقت اور جگہ کا بیان	۲۳۸	کے لئے کیا کرنا چاہیے۔
۲۶۱	قربانی کے گوشت میں سے کچھ کھانے کا بیان	۲۳۹	طوافِ قدوم
۲۶۱	ہدی کی شرطیں	۲۳۹	ارکان حج میں سے دوسرا رکن
۲۶۲	احصار اور فوات	۲۳۹	طوافِ افاضہ
۲۶۳	حج بدل	۲۳۹	طوافِ افاضہ کا وقت
۲۶۳	حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں	۲۳۹	طوافِ صدر یا طوافِ وداع
۲۶۵	حج کرنے کی وصیت کو پورا کرنا	۲۴۰	طواف کا سنون طریقہ
۲۶۵	زیارتِ روضہ اطہر	۲۴۰	طواف کی شرطیں
۲۶۷	اضحیہ کا بیان یعنی قربانی کا	۲۴۱	طواف کے واجبات اور سنتیں
۲۶۷	قربانی کا حکم	۲۴۲	طواف کی نیت
۲۶۷	شرائط قربانی	۲۴۳	حج کا تیسرا رکن (سعی)
۲۶۷	قربانی کسے وقت بسم اللہ کرنا	۲۴۳	صفادورہ کے درمیان سعی کی شرائط سنتیں اور مستحبات

## معاشرت

### صداق مہر کا بیان

۳۴۳	مہر کی تعریف	۲۸۱
۳۴۳	مہر کی شرطیں	۲۸۲
۳۴۵	مہر حقیقت سے زیادہ نہ ہونا چاہیے	۲۸۳
۳۴۶	مہر کی کم سے کم مقدار	۲۸۴
۳۴۶	مہر منحل	۲۸۴
۳۴۷	مہر کے متعلق بعض ضروری مسائل	۲۸۵
۳۴۸	خلوت صمیمہ کی تعریف	۲۸۵
۳۴۸	موائع مباشرت	۲۸۵
۳۴۹	چڑھاوے اور مجیز کا بیان	۲۸۵
۳۵۰	حرمت نکاح	۲۸۸
۳۵۱	عارضی طور پر نکاح کو حرام کرنے والی صورتیں	۲۸۹
۳۵۱	معاشرت ایسی سسرالہ شریعت کی وجہ سے حرام	۲۹۳
۳۵۲	ایک سے زیادہ بیویاں	۲۹۳
۳۵۳	کین عورتوں کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے	۲۹۳
۳۵۳	مختلف مذہب کی عورت سے نکاح	۲۹۶
۳۵۳	تین طلاق والی عورت کی حرمت	۲۹۶
۳۵۳	وقتی نکاح یا متعہ	۲۹۷
۳۵۴	رضاعت کی وجہ سے نکاح کا حرام ہونا	۲۹۷
۳۵۴	رضاعت کے اصطلاحی معنی	۲۹۷
۳۵۷	دودھ کی شربت سے نکاح کی حرمت کا حکم	۲۹۸
۳۵۷	رضاعت کی مدت اور اس کا حکم	۲۹۸
۳۵۸	مت اور ناکہ طلاق کے بعد دوبارے دودھ پینے کا حکم	۲۹۸
۳۵۸	رضاعت کا ثبوت	۲۹۹
۳۵۹	دودھ پلانے والی کی شہادت	۲۹۹
۳۵۹	رضیع کے متعلق بہن بھائی کا حکم	۳۰۰
۳۵۹	بچہ اور مطلقہ سے نکاح	۳۰۴

### اسلام کے معاشرتی احکام

اسلام کو عام کرنے کا بیان  
اسلام میں پہل کرنا اور جواب دینا  
وہ صورتیں جن میں اسلام کرنا مکروہ ہے  
چھینکنے والے کو دمانے کا بیان

### نکاح کا بیان

نکاح کے معنی	۲۸۵
نکاح کا رشتہ	۲۸۵
نکاح کی فقہی تعریف	۲۸۸
نکاح کی شرعی حیثیت	۲۸۹
نکاح کے ارکان	۲۹۳
نکاح کی شرطوں کا بیان	۲۹۳
صیغہ (ایجاب و قبول)	۲۹۳
فریقین نکاح	۲۹۶
شہادت ایسی گواہوں کی موجودگی	۲۹۶
نکاح بذریعہ ذکالت	۲۹۷
ولی کا بیان	۲۹۷
ولیوں کی ترتیب	۲۹۷
ولی کی قسموں کا بیان	۲۹۸
ولایت اجبار کے شرائط	۲۹۸
ولایت اجبار کی وجہ	۲۹۸
قریبین ولی کی موجودگی میں دوسرے ولی کو اختیار	۲۹۹
نکاح میں کفو کا لحاظ	۲۹۹
کفالت کن باتوں میں ہونا چاہیے	۳۰۰
نسب میں کفو نہ ہونے کا طریقہ	۳۰۴



۳۲۸	قسم بین الزوبات	۳۲۲	زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم
۳۲۸	نقد کی تقسیم	۳۲۳	نکاح کے باپ میں مستحب امور
۳۲۸	وقت کی تقسیم یعنی باری مقرر کرنا	۳۲۳	خطبہ (مستثنیٰ)
۳۲۹	باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق	۳۲۴	شادی کے سلسلے میں رائے دینا
۳۵۰	عورت کو اپنی باری سے دستبرداری کا حق	۳۲۴	کسی کے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں ہے
۳۵۰	سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ	۳۲۵	عقد نکاح کے لئے اعلان
۳۵۱	مرد کا فرض	۳۲۵	مقام نکاح
۳۵۲	مردوں کے حقوق ان کی بیویوں پر	۳۲۶	نکاح کے لئے بلوا
۳۵۲	شوہر کی اطاعت	۳۲۶	ولی کو لڑائی سے اجازت لینے کا طریقہ
۳۵۵	ضروریات زندگی کی طلب میں اعتدال	۳۲۶	دکیل کے ذریعہ اجازت لینا
۳۵۵	احسان شناسی	۳۲۷	قبول کرنے کا طریقہ
۳۵۵	شوہر کو تنبیہ و تادیب کا حق	۳۲۷	نکاح کا خفیہ
۳۵۷	ایلاہ کا بیان	۳۲۹	دعا
۳۵۷	ایلاہ کی شرعی تعریف	۳۲۹	دعوت ولیمہ
۳۵۸	ایلاہ کے ارکان اور شرطیں	۳۳۱	دعوت ولید کا وقت
۳۵۹	احکام متعلقہ ایلاہ	۳۳۱	دعوت ولیمہ میں لوگوں کو بلانا
۳۶۱	طلاق کا بیان	۳۳۱	دعوت ولیمہ وغیرہ کا قبول کرنا
۳۶۱	ہدق کی تعریف	۳۳۲	دعوت قبول کرنے کی شرطیں
۳۶۲	طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے	۳۳۲	تصویر کے احکام
۳۶۲	طلاق کے امکان یعنی اجزاء لازمی	۳۳۳	گانے کے مسائل
۳۶۲	طلاق کی شرطیں	۳۳۶	باہوں کو چھنے یعنی خضاب کا بیان
۳۶۶	غصہ میں طلاق دینا	۳۳۷	زناوت (سنت کی روشنی میں)
۳۶۶	طلاق کی قسمیں	۳۳۷	شوہر و بیوی کے حقوق و فرائض
۳۶۷	واجب اور حرام	۳۳۸	توام کے معنی
۳۶۷	سنی اور بدعی	۳۳۸	عورتوں کے حقوق جن کا انکارنا واجب ہے
۳۶۸	طلاق صریح	۳۳۹	نقد کا معاہدہ
۳۶۹	طلاق رجعی کی صورت	۳۴۳	سکنی کے مسائل
۳۶۹	طلاق رجعی کب بائن ہو جاتی ہے	۳۴۴	حسن سلوک
۳۶۹	طلاق کس صورت میں غلط ہو جاتی ہے	۳۴۶	ظلم اور ایذا رسانی
		۳۴۶	عورت کا حق اور دینی فرائض
		۳۴۶	ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی شرط

۳۹۰	رجوع کا حق کب ختم ہو جاتا ہے	۳۶۹	طلاق یا کفار
۳۹۳	عدت کا بیان	۳۷۰	وہ الفاظ جن کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے
۳۹۳	عدت کی تعریف	۳۷۱	مہم نظموں میں دی گئی طلاق کا صحیح بیان
۳۹۳	عدت واجب ہونے کے اسباب	۳۷۱	طلاق کی تعداد
۳۹۴	عدت کی صورتیں اور ان کے اقسام	۳۷۱	طلاق رجعی کے بارے میں ہدایات
۳۹۴	حمل کی عدت	۳۷۲	طلاق بائن کے بارے میں ہدایات
۳۹۵	غیر حاملہ کی عدت	۳۷۲	معاذ اللہ جس سے طلاق واقع نہیں ہوتی
۳۹۶	طلاق یا نذر بیوی کی عدت	۳۷۳	تعلیق یعنی طلاق میں شرط لگا دینا
۳۹۶	آنکس کی عدت	۳۷۳	تعویض طلاق
۳۹۷	زانیہ کی عدت	۳۷۳	طلاق کس لئے ناپ بنانا
۳۹۷	عدت کا شمار طلاق کی صورت میں	۳۷۵	طلاق کے لئے تحریر کے ذریعہ ناپ بنانا
۳۹۸	معتدہ کو نکاح کا پیام دینا	۳۷۵	خلع کا بیان
۳۹۸	طلاق	۳۷۵	خلع کے معنی
۴۰۰	ثبوت نسب	۳۷۶	خلع اور طلاق میں فرق
۴۰۰	نہان	۳۷۶	خلع کب درست ہے
۴۰۱	ظہار	۳۷۹	خلع کے ارکان و شرائط
۴۰۲	ظہار کا شرعی مفہوم	۳۸۰	خلع طلاق بائی ہے قس عقد نہیں ہے
۴۰۳	ظہار کے بارے میں احکام شرعی	۳۸۱	فسخ عقد
۴۰۵	کفارہ ظہار اور ادا کرنے کے طریقے	۳۸۱	ان صیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں
۴۰۵	نفقہ کا بیان	۳۸۲	تعزیری
۴۰۶	فقہی تعزیر	۳۸۳	فسخ نکاح اور تعزیری کے بارے میں فقہاء کا مسلک
۴۰۶	نفقہ کی شرعی حیثیت	۳۸۴	تعزیری کا حکم اور اس کا اثر
۴۰۷	بیوی کا نفقہ اور اس کے مسائل	۳۸۴	مفقود الخیر
۴۰۹	مقدار نفقہ کا تعین	۳۸۶	تعزیری کا اثر
۴۰۹	نقد رقم نفقہ میں دینا	۳۸۶	دوسرا نکاح ہونے کے بعد مفقود شوہر کی واپسی
۴۱۰	وجوب نفقہ کی شرائط	۳۸۷	غائب غیر مفقود
۴۱۱	نفقہ عائد ہونے کے بارے میں	۳۸۸	تعزیری کے بعد شوہر کی واپسی
۴۱۲	نفقہ کو ساقط کرنے والی باتیں	۳۸۹	رجعت
۴۱۳	دوران عدت نفقہ کا بیان	۳۸۹	رجعت کے ارکان و شرائط

۴۲۸	بیوی کی تجویز و تکفین کا خرچ	۴۱۵	غیر موجود شوہر پر نفقہ مالک ہونا
۴۲۸	جس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو اس کی تجویز و تکفین کا خرچ	۴۱۶	شوہر کا ادا کے نفقہ سے عاجز ہونا
۴۲۸	لا وارث کی تجویز و تکفین	۴۱۸	نفقہ اولاد کے لئے
۴۲۸	مورث کے ذمہ قرض	۴۱۸	باپ دادا اور قرابت داروں کا نفقہ
۴۲۸	ترکے کی تقسیم	۴۲۰	حضانت (بچے کی پرورش)
۴۲۹	محروم ہونے کے اسباب	۴۲۰	حضانت کے لئے شرائط
۴۲۹	محبوب ہو جانے والے وارث	۴۲۱	حضانت کی مدت
۴۲۹	وہ وارث جو دوسرے وارث کے باعث محبوب نہیں ہوتے	۴۲۱	حضانت کی اجرت
۴۴۰	حجب نقبان کی تفصیل		
۴۴۰	حجب حرامان کی تفصیل	۴۲۲	کتاب الیمین
۴۴۱	محبوب پوتے کا مسئلہ	۴۲۲	یمین کی خرید
۴۴۱	تیم ادا ہے سہارا لوگوں کے پاس ہیں	۴۲۲	یمین رقم کا حکم
۴۴۱	قرآن و حدیث کی ہدایات	۴۲۲	قسم کا شرعی ثبوت
۴۴۲	کم عمری اور بیوگی حق وراثت کیلئے مانع نہیں	۴۲۲	قسم کی قسمیں
۴۴۲	نافران اولاد اور حق وراثت	۴۲۶	قسم واقع ہونے کی شرطیں
۴۴۲	میت کے رشتہ دار جو وارث نہیں ہوتے	۴۲۶	لحاظاً جن سے قسم پڑ جاتی ہے
۴۴۲	شوہر اور بیوی کے قرابت داروں کا ترکہ	۴۲۸	اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کا حکم
۴۴۲	میراث کی بنیاد خدمت و احسان نہیں ہے	۴۲۹	دوسرے کی قسم کھانا یا دلانا
۴۴۵	متبنی کا میراث میں حق نہیں	۴۲۹	قسم کا کفارہ کب واجب ہوگا
۴۴۵	ناجائز اولاد وارث نہیں	۴۳۰	قسم کا کفارہ ادا کرنے کا طریقہ
۴۴۵	وہ میت جس کا وارث نہ ہو	۴۳۲	نذر کے مسائل
۴۴۵	ترکہ کی تقسیم کے مسائل	۴۳۲	نذر کی تعریف
۴۴۶	ذمی الفروض	۴۳۲	نذر کی حیثیت اور ثبوت
۴۴۶	باپ کی حیثیت اور اس کا حصہ	۴۳۳	نذر کی قسمیں
۴۴۶	دادا کی حیثیت اور اس کا حصہ		
۴۴۸	مادر کی حیثیت اور اس کا حصہ	۴۳۵	وراثت
۴۴۹	بیٹی کی حیثیت اور اس کا حصہ	۴۳۵	وراثت کے معنی
۴۵۰	پوتی اور پوتی کا ترکہ میں حصہ	۴۳۶	مورث کی وفات کے بعد
۴۵۱	استمداد	۴۳۶	وارث کے علاوہ کسی شخص کی طرف تجویز و تکفین کی پیش کش



۴۶۳	ملائی بھتیجہ	۴۵۱	شوہر کی حیثیت اور اس کا حصہ
۴۶۳	حقیقی اور ملائی بھائیوں کے پوتے	۴۵۲	بھوی کی حیثیت اور اس کا حصہ
۴۶۴	چوتھے درجہ کے عصبات کا ترکہ میں حصہ	۴۵۲	انسانی بھائی
۴۶۴	چچا کا حصہ	۴۵۳	انسانی بہن
۴۶۴	ملائی چچا	۴۵۳	حقیقی بہنیں
۴۶۴	حقیقی اور ملائی چچا کے لڑکے	۴۵۵	ملائی بہنیں
۴۶۴	باپ کے حقیقی اور ملائی چچا	۴۵۶	دادی نانی کا ترکہ میں حصہ
۴۶۵	ذوی الارحام اور میت کے ترکہ میں	۴۵۶	جدہ صمیمہ کا حکم
۴۶۵	ان کے حصے	۴۵۷	عصبات کا بیان
۴۶۶	ذوی الارحام کی حیثیت	۴۵۷	تقسیم ترکہ میں عصبات کی درجہ بندی
۴۶۶	ذوی الارحام کی درجہ بندی	۴۵۸	پہلے درجہ کے عصبات
۴۶۶	ذوی الفروض کے حقوق کا مختصر نقشہ	۴۵۸	دوسرے درجہ کے عصبات
۴۶۶	پہلی قسم کے ذوی الارحام	۴۵۸	تیسرے درجہ کے عصبات
۴۶۶	دوسری قسم کے ذوی الارحام	۴۵۸	چوتھے درجہ کے عصبات
۴۶۷	تیسری قسم کے ذوی الارحام	۴۵۹	عصبات میں تقسیم ترکہ کے اصول
۴۶۸	چوتھی قسم کے ذوی الارحام	۴۵۹	پہلے درجہ کے عصبات کو ترکہ لینے کی صورتیں
۴۶۹	میراث کے حصے لگانے کا طریقہ	۴۶۰	بیٹے کا حصہ
۴۷۰	عول کے معنی	۴۶۰	لڑنے کا حصہ
۴۷۰	عول کی ضرورت	۴۶۱	پر پوتے کا حصہ
۴۷۱	عول کا طریقہ	۴۶۱	دوسرے درجہ کے عصبات کو ترکہ لینے کی صورتیں
۴۷۱	عول کا نتیجہ	۴۶۱	باپ کا حصہ
۴۷۲	عول کس صورت میں نہیں ہوتا	۴۶۲	دادا کا حصہ
۴۷۲	رد کا بیان	۴۶۲	تیسرے درجہ کے عصبات کو ترکہ لینے کی صورتیں
۴۷۳	وہ ذوی الفروض جن پر رد نہیں ہو سکتا	۴۶۲	حقیقی بھائی
۴۷۳	رد کی صورت میں تقسیم	۴۶۳	ملائی بھائی
		۴۶۳	حقیقی بھتیجہ

## معاملات

۴۷۵	اسلامی شرعی ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ
۴۷۵	علاقائی کمیٹی کی ترغیب

## معاملات

اسلامی ہدایات

۵۴	وہ چیز جو باہر امت میں داخل ہو جاتی ہیں اور نہ ہوتی ہیں	۴۸۰	حلال اور حرام چیزیں
۵۴	خرید و فروخت میں جن باتوں کی آزادی ہے	۴۸۱	حلال اور حرام جانور
۵۰۵	شمن کا بیان	۴۸۳	دوسری حلال و حرام اشیاء
۵۰۷	بیع کا واقع ہونا	۴۸۳	پینے کی اشیاء جو حرام ہیں
۵۰۷	بیع کا فسخ کرنا	۴۸۵	زہریلی چیزیں حرام ہونا
۵۰۸	اقارہ یعنی واپسی کی شرطیں	۴۸۵	حرام و حلال لباس
۵۰۸	بیع پائمن واپسی کرنے کی دوسری صورتیں	۴۸۶	سوئے چاندی کا استعمال
۵۰۸	خیار شرط	۴۸۷	شکار اور ذبحہ اور ان میں حلال و حرام
۵۰۹	خیار وصف	۴۸۷	شکار کی اجازت
۵۰۹	خیار رویت	۴۸۹	شکاری سے متعلق شرائط
۵۱۱	خیار عیب	۴۹۰	آلات شکار کے شرائط
۵۱۳	خیار تعین	۴۹۲	حرام جانور
۵۱۳	خیار عین	۴۹۲	چند اور حرام چیزیں
۵۱۳	خیار نقد	۴۹۲	وہ چیزیں جن کا استعمال حرام ہے لیکن {
۵۱۳	باغ اور دھڑری کے لئے شرائط		خرید و فروخت حرام نہیں
۵۱۶	قیمت کی ادائیگی اور بیع کے اخراجات	۴۹۳	اسپ دونانی اور تہ اندازی کے مقابلے
۵۱۷	بیع کے جائز طریقے	۴۹۵	وہ چیزیں جو حالات کی تبدیلی سے جائز یا ناجائز ہوتی ہیں
۵۱۷	بیع نسیم	۴۹۵	چند اصطلاحیں
۵۱۹	بیع مسلم		
۵۲۱	بیع استصناع	۴۹۶	تجارت
۵۲۱	بیع کے ناجائز طریقے	۴۹۷	تہارت یا بیع کی تعریف
۵۲۱	بیع باطل	۴۹۸	باطل اور فاسد کی تعریفیں
۵۲۱	بیع فاسد	۴۹۸	زانی کی تعریف
۵۲۱	بیع مکروہ	۴۹۸	جمارت کی حیثیت
۵۲۲	سودی کاروبار	۴۹۸	خرید و فروخت
۵۲۳	سود اخلاقی حیثیت سے ناپسندیدہ	۵۰۰	بیع تعاطی
۵۲۳	بنک اور ڈاک خانے سے ملنے والا سود	۵۰۰	سودے اور قیمت کا بیان
۵۲۳	سودی کاروبار کی برائی معاشی حیثیت سے	۵۰۱	برائی پھیلی اور گھاس وغیرہ کی خرید و فروخت
۵۲۳	ادھار خریدنے اور بیچنے اور چیزوں میں کمی بیشی کی وجہ سے سود	۵۰۱	ملکیت کی تعریف
	چاندی اور سونے کا حکم	۵۰۲	ملکیت میں آنے کی صورتیں

۵۴۳	مضاربت کی قسمیں	۵۲۶	تل کرکے والی چیزوں کا بیان
۵۴۴	معاہدہ توڑنے کا اختیار	۵۲۶	پہانے سے پکے والی چیزوں کا بیان
۵۴۴	مضاربت کے شرائط	۵۲۷	گزیافت اور گنتی سے پکے والی چیزیں
۵۴۵	مضاربت فاسد ہو جانے کی صورتیں	۵۲۷	جوئے اور شرط لگانے کی حرمت
۵۴۶	رب المال اور مضارب کے حقوق و اختیارات	۵۲۸	میسر یعنی جوئے کی تعریف
۵۴۹	مضارب سے بیگ قائم کرنا	۵۲۸	بیع منابذہ
۵۵۰	<b>شرکت</b>	۵۲۸	بیع الخمار اور بیع الحماة
۵۵۱	شرکاء کی حیثیت	۵۲۹	بیمہ
۵۵۱	شرکت کی قسمیں	۵۲۹	رشوت
۵۵۲	شرکت املاک کا حکم	۵۳۰	مستقبل کے سودے
۵۵۲	شرکت عقود کی کیفیت	۵۳۰	بیع اعلیٰ کی بعض اوصورتیں
۵۵۲	شرکت عقود کی قسمیں	۵۳۱	کاروبار میں دھوکہ اور فریب
۵۵۲	مجلس النظام	۵۳۱	غیر موجود مال یا قیمت پر اُدھار کا روپار
۵۵۷	شرکت کی قسمیں اور اس کے احکام و شرائط	۵۳۲	بیع سے نہ اچک لینا
۵۵۹	شرکت اعمال یا شرکت حسنہ	۵۳۲	بیع میں ناجائز شرائط
۵۶۰	شرکت الوجوہ	۵۳۳	شرط لگانے کا قاعدہ کلیہ
	<b>قرض</b>	۵۳۳	ممنوعات بیع
۵۶۱	شریعت اسلامی کی ہدایات	۵۳۵	تصویر کی بیع
۵۶۲	قرض کے مسلسل اسلامی حکومت کی ذمہ داری	۵۳۵	ایسے سامان کو بیچنا جن سے جرائم کو برہا ملے
۵۶۵	قرض کے معنی اور تعریف	۵۳۵	بیع حینہ
۵۶۶	قرض اُدھار کا معاملہ کھلنا چاہیے	۵۳۶	بیع بخش دام پر دام لگانا
۵۶۷	قرض دینے والے کو ہدایات	۵۳۶	بیعنا یا بید و انس
۵۶۸	قرض لینے والے کو ہدایات	۵۳۷	دام کے دام یا نفع لے کر بیچنا
۵۶۹	قرض دینے والے کی چیزیں	۵۳۷	گمشد یا جرت پر اجرت مقرر کرنا
۵۶۹	ہدایات	۵۳۷	اعتسار (ذخیرہ اندوزی)
۵۷۰	<b>کفالت</b>	۵۳۸	تعمیر (بجھاؤ مقرر کرنا)
۵۷۰	اصطلاحات	۵۳۸	<b>مضاربت</b>
		۵۳۸	مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح
		۵۳۸	مضاربت کا معاہدہ

۵۸۸	نقطہ کا حکم	۵۷۱	کفالت کا طریقہ
۵۸۸	امانت کا دائرہ کننا وسیع ہے	۵۷۱	کفالت صحیح ہونے کی شرطیں
۵۸۸	ودیعت کی تعریف	۵۷۱	کفیل کی ذمہ داریاں
۵۸۹	ودیعت کا حکم	۵۷۳	کس چیزوں میں کفالت ہو سکتی ہے
۵۸۹	معادہ و وودیعت ہونے کی مدت	۵۷۴	پہنچ کر پہنچانے کا بیہ
۵۸۹	چند شرعی اصطلاحیں	۵۷۴	مردے کی طرف سے کفالت
۵۸۹	ودیعت رکھنے کے طریقے		حوالہ
۵۸۹	ودیعت کے لئے شرطیں	۵۷۵	حوالہ کے معنی اور شرعی تعریف
۵۹۰	امین کی ذمہ داریاں	۵۷۵	حوالہ ایک اخلاقی ذمہ داری
۵۹۱	امانت کی نگرانی کی اجرت	۵۷۵	حوالہ سے متعلق بعض اصطلاحیں
۵۹۱	بینک اور ڈاک خانہ میں امانت رکھنا	۵۷۶	کفالت اور حوالہ میں فرق
۵۹۱	امانت کے مال سے تجارت	۵۷۷	حوالہ کی قسمیں
۵۹۲	تاوان کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی صورتیں	۵۷۷	حوالہ کے ارکان
۵۹۳	ودیعت کی واپسی کا اختیار	۵۷۷	حوالہ صحیح ہونے کی شرطیں
۵۹۳	ودیعت کی واپسی سے انکار	۵۷۷	حوالہ کے احکام
۵۹۳	امانت رکھتے اور لیتے وقت گواہ کی ضرورت	۵۷۸	غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت
۵۹۳	تقریر		رہن
۵۹۳	تاوان ادا کرنا	۵۷۹	رہن ایک اخلاقی ذمہ داری
	عاریت	۵۷۹	رہن کے معنی اور شرعی تعریف
۵۹۵	ماحول	۵۸۰	رہن کے ارکان و شرائط
۵۹۶	عاریت کی تعریف	۵۸۱	مروجہ کی حقیقت
۵۹۶	عاریت کا حکم	۵۸۲	رہن کی ذمہ داریاں اور حقوق
۵۹۸	میر و مستغیر کے لئے ضروری ہدایات	۵۸۳	موتن کی ذمہ داریاں اور اس کے حقوق
۵۹۹	بہرہ اور بہرہ	۵۸۴	مروجہ چیز سے فائدہ اٹھانا
۶۰۰	بہرہ کا بدلہ	۵۸۵	رہن سے متعلق متفرق مسائل
۶۰۰	غیر مسلم کو بہرہ دینا اور لینا	۵۸۶	امانت
۶۰۰	بہرہ دینے اور وصول میں فرق	۵۸۶	بینک یا بینک میں رہن و عقیقہ کے اخراجات
۶۰۱	بہرہ دینے اور صدقہ میں فرق	۵۸۶	امانت کا حکم

۲۳	معابدہ اجرت کا فائدہ ہونا	۶۰۱	ہدیہ کی تعریف
۲۳	اسلامی قانون اجرت	۶۰۱	صدقہ کی تعریف
۲۳	مستاجر کے حقوق اور ذمہ داریاں	۶۰۱	ہبہ کی تعریف
۲۵	مزدوروں اور امیروں کے حقوق اور ذمہ داریاں	۶۰۱	ہبہ کی اصطلاحات
۲۶	اسٹرائٹ	۶۰۱	ہبہ کے ارکان و شرائط
۲۶	کون سی چیزیں جائز ہیں اور کون نہ جائز	۶۰۳	بجائے کو ہبہ
۲۸	محنت کش جانوروں کے حقوق	۶۰۴	ہبہ اور ہدیہ کی واپسی
۳۰	جانوروں سے سلوک کی قانونی حیثیت	۶۰۴	کن صورتوں میں ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی
۴۱	<b>زراعت</b>	۶۰۵	ہدیہ اور صدقہ کی واپسی
۴۱	زراعت زیادہ بہتر ہے یا تجارت	۶۰۵	ضروری ہدایات
۴۲	زراعت کی لغوی تعریف		
۴۳	زراعت کرنے کے طریقے		<b>اجارہ</b>
۴۳	اپنے ہاتھ سے کھیتی کرنے کے فائدے	۶۰۵	کرایہ پر لینا یا دینا
۴۵	اجارہ ارض	۶۰۶	کرایہ کا معاملہ ختم کر دینا
۴۵	مزارعت	۶۰۶	کرایہ کے بعض ضروری مسائل
۴۵	مزارعت کا خاص حکم	۶۰۹	ریل اور دوسری سواروں کے احکام
۴۶	مزارعت کے ارکان و شرائط	۶۰۹	اجیروں کی قسمیں
۴۸	اجارہ ارض کی شرائط	۶۱۸	<b>اجیر مشترک</b>
۴۸	مساقات		بعض اور شرطیں
۴۸	مساقات کے معنی اور تعریف	۶۱۱	اجیر مشترک کی اجرت اور دوسرے مسائل
۴۹	مساقات کے شرائط	۶۱۱	اجیر مشترک اجیر خاص کی ہوجاتا ہے
۴۹	مزارعت و مساقات اور اجارہ ارض کے بعض ضروری مسائل	۶۱۲	چند اصطلاحیں
۴۹	مزارعت کا معاملہ فسخ ہوجانا	۶۱۲	مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت
۴۹	مالک یا مزارع معاملہ کو فسخ کر سکتے ہیں	۶۱۳	اجرت کے بارے میں قرآنی ہدایات
۴۹	فسخ ہونے کی صورت میں کس کو کیا ملے گا	۶۱۴	<b>اجرت کا معاملہ مستاجر اور اجیر کے حقوق</b>
۴۹	<b>ملکیت</b>		اجرت ایک معاہدہ
۴۹	کس چیز کا مالک ہونے کی حیثیت	۶۱۸	معاہدہ کا فائدہ
۴۹	کن صورتوں سے ملکیت قائم ہوتی ہے	۶۲۰	ایک معاہدہ کے بعد دوسرا معاہدہ
۴۹	مباح چیزیں	۶۲۱	معاہدہ کب فسخ ہو سکتا ہے
۴۹	ان چیزوں پر کب اور کیسے لکھ لیا جاتا ہے	۶۲۱	اسٹرائٹ اور کارخانہ بندی
۴۹	پانی	۶۲۲	معاہدہ اجرت صحیح ہونے کی قانونی شرطیں
۴۹	پانی میں شکار		

۶۶۵	نقصان کرنے پر تاوان ہے	۶۴۷	رکاز اور کنز
۶۶۵	نقصان کا سبب بننا	۶۴۷	موات
۶۶۶	جاوڑوں سے نقصان ہونے کا تاوان	۶۴۸	موات کا مالک بننے کی شرطیں
۶۶۷	بے جان سواروں سے نقصان پہنچنے کا تاوان	۶۴۹	بعض دوسرے ضروری مسائل
		۶۵۰	غیر مسلم کا حکم
		۶۵۰	آپ رسائی کا انتظام
		۶۵۰	کنوئیں کے اطراف کی زمین
۶۶۷	<b>وکالت</b>		<b>حج</b>
۶۶۸	وکالت کے معنی اور اس کی ضرورت	۶۵۱	تصرف سے روکنے کا سبب
۶۶۹	وکالت کی نفی تعریف اور وکیل کی حیثیت	۶۵۱	حج کا حق کس کو ہے
۶۶۹	وکالت و قسم کی بوقی ہے	۶۵۱	حج کی جگہ اور صورتیں
۶۷۰	وکالت کے ارکان و شرائط	۶۵۳	حج کا حکم تہ وقت ہجر کی موجودگی
۶۷۲	وکیل کی برطرفی	۶۵۳	حج کے متعلق بعض ضروری مسائل
		۶۵۴	بالغ ہونے کی عمر
۶۷۳	<b>وقف</b>	۶۵۴	حج کے سلسلے میں دینی کس کو قرار دیا جائے گا
۶۷۳	وقف کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۵۵	سفہ اور مدیون کی حیثیت
۶۷۶	وقف کا حکم	۶۵۶	<b>شفعہ</b>
۶۷۶	ضروری مسائل	۶۵۶	شفعہ کے معنی اور تعریف
		۶۵۶	متعلقہ اصطلاحیں
۶۷۷	<b>وصیت</b>	۶۵۶	شفعہ کا حق
۶۷۷	وصیت کی تعریف	۶۵۷	شفعہ کے اسباب
۶۷۸	وصیت کا ثبوت	۶۵۷	حق شفعہ میں ترتیب
۶۷۸	وصیت کے ارکان و شرائط	۶۵۸	شفعہ کے شرائط اور ضروری مسائل
۶۸۰	مومن لڑے سے تعلق رکھنے والی شرطیں	۶۵۹	مسلم اور غیر مسلم کا حق برابر ہے
۶۸۱	مال وصیت کے متعلق چند شرطیں		<b>غصب</b>
۶۸۲	عمل وصیت کی شرعی حیثیت	۶۶۱	اصطلاحات
۶۸۳	رج کرانے اور قرآن خوانی کے لئے وصیت	۶۶۱	غصب کی شرعی تعریف
۶۸۴	دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہنچانے والی وصیتیں	۶۶۱	غصب کا حکم
۶۸۵	وصیت سے رجوع کر لینا	۶۶۲	<b>اتلاف مال</b>
۶۸۵	وصی کا بیان	۶۶۳	براہ راست نقصان کرنا
۶۸۶	دوا اشخاص کو دہی مقرر کرنا	۶۶۵	نقصان کے بدلے میں نقصان کرنا ناجائز نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرض نامشر

اسلامک پبلیکیشنز قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور اسلامی زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلام کی راہنمائی کی حامل کتب پچھلے تقریباً تیس سال سے شائع کر رہا ہے۔ فقہ پر اس سے قبل مولانا محمد یوسف اصلاحی کی کتاب آسان فقہ دو حصوں میں چھپ چکی ہے اور کافی مقبول ہوئی اس کا انگریزی ترجمہ بھی پاکستان اور بیرون پاکستان کافی پھیل چکا ہے لیکن اس میں معاملات کا حصہ شامل نہیں تھا۔ اب ہم مولانا منہاج الدین مینائی صاحب کی فقہ اسلامی پر پہلے مکمل اور جامع کتاب اسلامی فقہ کے نام سے شائع کر رہے ہیں اس سے قبل یہ کتاب ہندوستان میں مکتبہ الحسنات دہلی شائع کر چکا ہے۔ یہ کتاب نہایت عام فہم اور سادہ سلیس انداز میں حنفی مسلک کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے لیکن حسب موقعہ و ضرورت اس میں دوسرے ائمہ کے مسلک بھی بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کو علم ہو جائے کہ کہاں کسی امام یا آئمہ نے حنفی مسلک سے اختلاف کیا ہے۔

اس کتاب میں کم و بیش دو ہزار مسائل بیان کئے گئے ہیں اور دوسری کتب فقہ کے علاوہ اس کتاب کی ترتیب میں خصوصیت کے ساتھ علامہ جزیری کی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع سے استفادہ کیا گیا ہے معاملات کے ضمن میں اس میں کفالت، حوالہ اور امانت کے مسائل جدید حالات و ضروریات کے

مطابق بیان کر کے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا گیا ہے اسی طرح آجر اور اجیر کے معاملات اور ہڑتال اور تالہ بندی پر بھی بات کی گئی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی افادیت کافی بڑھ گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب اردو میں فقہ کے جدید ذخیرے میں ہمیشہ قیمت اضافہ ثابت ہوگی اور ایک عام مسلمان بھی اس سے روزمرہ زندگی کے معاملات میں بآسانی دینی رہنمائی حاصل کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس کو سٹش کو شرف قبولیت سے نوازے اور مؤلف اور ناشر دونوں کے لئے اسے دنیا و آخرت میں خیر اور مغفرت کا ذریعہ بنائے۔



## پیش لفظ

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ عقائد و نظریات اور عبادات سے لے کر زندگی کے اخلاقی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی اور تمدنی مسائل تک میں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کے لئے جن اصولوں اور قوانین کی تعلیم دی ہے، ان کی تفصیل و توضیح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد و عمل سے فرمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام کی توضیح بھی فرماتے تھے اور ان کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے۔ نزول احکام میں جو اصول کارفرما نظر آتا ہے وہ ہے قلت کلیف اور عدم حرج کا لحاظ یعنی لوگوں پر کم سے کم بار ڈالنا جائے اور زندگی میں تسلی کے بجائے کشادگی اور فراخی پیدا کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعلیم تبیین میں اس کا لحاظ فرماتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارے بھی کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے :-

جو اُس رسولِ امی نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے یہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں اور جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا اور بُرائی سے روکتا ہے، ان کے لئے اچھی پاکیزہ چیزوں کو حلال اور بُری ناپاک چیزوں کو حرام ٹھیسرا تا ہے ، اور اُن پر سے اُن کے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُب تک اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ  
الَّذِي آتٰهُمُ بَيِّنَاتٍ وَيُخْرِجُهُمُ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ  
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
يَأْمُرُهُمْ بِالْغَيْرِ الْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ  
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ  
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ  
عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ  
عَلَيْهِمْ ط (الاعانہ : ۱۵۷)

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے یا جس طرح آپ کو عمل کرنے دیکھتے اس کی پیروی کرتے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کم ہی دریافت کرتے۔ جن باتوں کی رہنمائی

کی انہیں ضرورت ہوتی خدا اور اس کا رسول خود ان میں ان کی رہنمائی فرمادیتے تھے ضرور پڑنے پر صحابہ اجتہاد کے بھی مجاز تھے۔ اس کی اجازت خود رسول خدا نے انہیں مرحمت فرمادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صحابہ میں تو اجتہاد کی ضرورت خاص طور سے بتی آئے لگی۔ صحابہ کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ آتا تو سب سے پہلے وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں ان کو اس سلسلہ میں کوئی حکم نہ ملتا تو وہ سنت رسول میں اس کو تلاش کرتے اور اگر سنت رسول میں بھی انہیں اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہ ملتی تو وہ خود کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرتے، پھر اگر کسی امر میں ان کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ اجماع شرعی حجت کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ اجماع نہ ہونے پر اہل افتاء صحابہ اپنے اپنے اجتہاد سے مسئلہ کا استنباط کرتے۔ اس صورت میں کسی ایک کے فتویٰ پر عمل کر لینا کافی تصور کیا جاتا تھا۔ بالعموم لوگ اپنے اپنے شہر کے صاحب افتاء صحابہ اور ان کے اکابر شاگردوں کی پیروی کرتے تھے۔

عہد نبوی کے بعد خلفاء راشدین اور جن دوسرے اہل افتاء صحابہ نے فتوے دئے ہیں ان میں سے جن مجتہدین صحابہ کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان کی تعداد ۴۹ ہے، ان میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہیں صحابہ میں سے سات ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ وہ صحابہ جن میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک چھوٹی سی جلد مرتب کی جاسکتی ہے ان کی تعداد بیس ہے۔ ایسے صحابہ جن کے فتاویٰ تعداد میں بہت کم ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں، ان سب کے فتاویٰ کو ایک چھوٹی کتاب میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ ایسے صحابہ کی تعداد ۲۲ تک پہنچتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے عہد میں فتوحات اسلامی کی وجہ سے اسلام کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا اور اکثر ایسے واقعات سے سابقہ پیش آنے لگا جن میں اجتہاد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ صحابہ نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور اس سلسلہ میں ان کے درمیان اختلافات بھی ہوئے۔ اس اختلاف کی وجہ درحقیقت وہ اختلاف ہے جو ان کے درمیان منصوص علم کی واقفیت، قرآن و حدیث کے الفاظ کے معنی کے تعین اور طریق استنباط میں واقع ہوا ہے۔

شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے عہد خلافت تک امت میں افتراق نہیں پیدا ہوا لیکن آگے چل کر حالات میں غیر معمولی انقلاب آیا۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے وسطی دور میں علماء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت وہ تھی جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کو لازم قرار دیتی تھی

جو مسائل خارج میں واقع نہ ہوئے ہوں ان پر غور و فکر کرنے کو بھی وہ جائز نہیں سمجھتی تھی۔  
 علماء کی دوسری جماعت وہ تھی جو قرآن و سنت کے ساتھ درایت پر عمل کو ضروری خیال کرتی تھی۔

پہلی صدی کے آخر میں و اضعین حدیث کے فتنے بھی اُٹھے۔ اس موقع پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیث کے تحفظ کے لئے تدوین حدیث کا فرمان جاری کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی۔ دوسری صدی کے آغاز میں فقہی اختلافات زور پکڑتے ہیں۔ اہل علم میں مختلف اہادیث کے درمیان ترجیح و تطبیق میں اور قیاس و استحسان سے استخراج مسائل کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوا۔  
 اجماع کے اصل دین ہونے اور امر و نہی کے صفوں

سے احکام کی حیثیت متعین کرنے میں بھی ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نہیں پایا جاتا تھا۔ ان وجوہ سے فقہی اختلافات بڑھتے گئے۔ ان حالات میں جب کہ تمدنی مسائل بڑھتے جا رہے تھے اور نظریہ اجتہاد اور اصولی و فروعی مسائل میں غیر منظم اختلاف میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا، ضرورت تھی کہ احکام و قوانین کی باق اعدہ تدوین ہو اور فقہ کے اصول و ضوابط مرتب کر دئے جائیں۔ اس موقع پر امام ابو حنیفہؒ کو اس ضرورت کا شدید احساس ہوا، چنانچہ وہ بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد ہی اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ تدوین فقہ کے گراں قدر کام میں مصروف ہو گئے۔

امام ابو حنیفہؒ کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے۔ وہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں وہ تحصیل علم کی جانب متوجہ ہوئے اور قرآن فہمی میں انھیں جلد ہی عبور حاصل ہو گیا۔ لیکن عمل کی دنیا میں فقہ کی بڑی اہمیت تھی۔ عوام ہوں یا خواص یا حکومت کے سربراہ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں فقہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ حضرت علیؒ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم و فتاویٰ اپنے استاد ابراہیمؒ کی ذریعہ حاصل کئے۔ فقہ میں جتہدانہ تحقیق کے لئے تحصیل احادیث کی ضرورت تھی۔ امام ابو حنیفہؒ فقہ کی تحصیل ہی کے زمانہ میں حدیث کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور کوفہ کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ حجاز کے سلسلہ میں انھیں بصرہ، شام اور دوسرے ممالک اور اصرار بھی جانا ہوتا تو وہاں کے مشائخ سے بھی حدیث کی سماعت فرماتے۔ اسی طرح حج کے سلسلہ میں حرمین شریفین لے جاتے تو وہاں کے ائمہ حدیث سے بھی حدیث کی

لے استحسان سے کہ جتہد کسی مسئلہ میں اس کے نظائر کے مطابق حکم نہ لگا کر کسی قوی تر سبب کی بنا پر ان نظائر کے خلاف قوی دے

سماعت فرماتے۔ امام ابو حنیفہؒ نے جن محدثین اور ائمہ مشاہیر سے حدیث کی سماعت کی ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ تحصیل حدیث کے ساتھ دوسرے ضروری علوم کی طرف سے بھی وہ غافل نہیں ہوئے۔

امام ابو حنیفہؒ نے جب تدوین فقہ کی طرف توجہ دی تو ایسے مسائل ہزاروں کی تعداد میں اُن کے سامنے آئے جن کے بارے میں صحیح حدیث کیا قول صحابہؓ بھی موجود نہ تھا۔ اس لئے قیاس سے کام لینا انھوں نے ضروری سمجھا۔ اور اس کے لئے انھوں نے اصول و ضوابط مرتب کئے۔ حدیث و روایت میں بھی انھوں نے درایت سے کام لینا ضروری خیال کیا اور اس کے اصول و قواعد بھی مدون کئے۔ انھوں نے کتنی ہی ایسی احادیث کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ وہ اصول و روایت کے منافی تھیں۔

تدوین فقہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ شرائع سے متعلق کتاب و سنت کی جو چیزیں اہل علم میں متفرق طور پر شائع تھیں ان میں ترتیب اور نظام قائم کیا جائے اور جو جدید مسائل پیدا ہوں ان کے سلسلہ میں شرعی احکام معلوم کئے جائیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اتنے عظیم اور ذمہ داری کے کام کو صرف اپنی رائے اور اپنی علمی معلومات پر منحصر کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ اس کے لئے انھوں نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چند قابل قدر اشخاص کو منتخب کیا۔ اس طرح تدوین فقہ کی ایک مجلس وجود میں آئی۔ اس مجلس میں تمام ہی فقہی مسائل پر غور کیا جاتا۔ اور جب تک مجلس کے تمام اراکین جمع نہ ہو جاتے کوئی مسئلہ طے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بحث و مباحثہ کے بعد آخر میں جب امام ابو حنیفہ فیصلہ فرماتے تو بالعموم وہ فیصلہ اتنا صاحب ہوتا کہ سمجھی لوگ اس کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تو سب کے اقوال قلم بند کر لئے جاتے تھے۔ تقریباً ۲۲ سال کی مدت میں مجلس نے فقہ کا مجموعہ تیار کر لیا۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار مسائل پر مشتمل تھا جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے۔ باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات، عقوبات وغیرہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تھا۔ یہ مجموعہ یوں تو مسئلہ ۱۰ میں مکمل ہو گیا تھا مگر اس کے بعد بھی برابر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ جب جیل خانہ میں قید کر دے گئے تو اس زمانہ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد ۱۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔ قوانین مرتب ہو جانے اور عدلیہ پر سے حکومت کا دباؤ ختم ہو جانے کے بعد امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کو عمدہ قضا قبول کرنے کا ارادہ دلایا۔

تقریباً پچاس سال اگر دوں نے مختلف اوقات میں یہ عہدہ قبول کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کی قدر و قیمت کا اندازہ مشہور محدث و کعب بن الجراح کے بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے جب کہ ان کے ساتھ ابویوسفؒ زفر اور محمد جیسے اشخاص تھے جو قیاس و اجتہاد میں مہارت رکھتے تھے۔ اور یحییٰ بن زکریاؒ نے ائمہ اربعہؒ میں غیاثِ حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے۔ لغت و عربیت کے ماہرین میں غلام بن معن یعنی عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے حافظانِ شریک مجلس تھے۔ اور داؤد بن نصیر طائیؒ اور فضیل بن عیاض جیسے زہد ورے عالمین بھی موجود تھے۔ پس جس کے رفتارِ کلہ اور ہم نشین اس قسم کے ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ (جامع السانید ص ۳۴ و خطبہ)

امام ابو حنیفہؒ کا طریق انتہا بطیر تھا کہ پہلے کتاب اللہ سے انتہا کی کوشش کی جاتی اگر کتاب اللہ کی عبارت النص یا دلالت النص سے یا اشارۃ النص اور اقتضای النص سے دریافت طلب امور میں رہنمائی حاصل ہو جاتی تو فیصلہ ہو جاتا اور اگر کتاب اللہ سے براہ راست فیصلہ کرنے میں ناکامی ہوتی تو پھر احادیث میں تفتیش کی جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل جس پر آپ کی وفات ہوئی اس پر امام صاحب خاص طور پر نظر رکھتے اور اسی کو اختیار کرتے۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی فروع احادیث میں اختلاف ہوتا تو اس راوی کی روایت کو ترجیح دیتے جو فقہ میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا۔

اگر احادیث نبویؐ سے فیصلہ نہ ہو پاتا تو اہل افتاء صحابہؓ اور تابعین کے اقوال اور ان کے فیصلوں کا جائزہ لیا جاتا۔ اجماع کی طرف رجوع کرتے۔ ایسے مواقع پر عراقی صحابہؓ اور تابعین کے مسلک کو ترجیح دیتے، اور اگر یہاں بھی مسئلہ کی تفتیش میں کامیابی حاصل نہ ہوتی تو پھر قیاس اور استحسان سے مسئلہ کو حل کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی دیکھتے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی کیا حیثیت ہے۔ وہ تشریعی ہے یا غیر تشریعی۔ نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ کے درمیان اگر تعارض پایا جاتا تو ضابطہ کی نص کو ترجیح دیتے اور جزئی واقعہ کی توجیہ کرتے۔ امکانی مسائل پر بھی غور و خوض کیا جاتا اور ان کے سلسلہ میں احکام مستنبط کرنے کی کوشش کی جاتی۔

امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ دوسرے بڑے ائمہ اہل ان کے فقہ کے بارے میں بھی مختصر گفتگو کر لی جائے۔

سب سے پہلے امام مالکؒ کو لیجئے۔ امام مالکؒ کی ولادت ۱۷۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ انھوں نے مدینہ ہی میں تعلیم پائی۔ امام مالکؒ کا کم و بیش پچاس سال تک درس اور افتاء سے تعلق رہا۔ امام مالکؒ

سے جو مسائل دریافت کئے جاتے وہ ان کے جوابات دیتے تھے۔ امام صاحب کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے فتاویٰ کو مرتب کیا۔ اسی مجموعہ کا نام درحقیقت فقہ مالکی ہے۔

فتاویٰ کے معاملہ میں امام مالک کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ پر، پھر ان احادیث پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد فرماتے۔ اس سلسلہ میں ان کا دار و مدار حجاز کے علماء میں محدثین کبار پر تھا۔ اہل مدینہ کے عمل کو وہ نہایت اہمیت دیتے تھے۔ وہ صحیح حدیث کو بھی اگر اس پر اہل مدینہ کا عمل نہ پائے رد کر دیتے۔ تعادل اور اجماع اہل مدینہ کے بعد وہ قیاس کو درجہ دیتے تھے۔ لیکن ان کے یہاں قیاس کی کثرت نہ تھی۔ احسان کے استحسان کی طرح مصالح و مسائل پر ان کا عمل تھا۔ مصالح و مسائل سے مراد درحقیقت وہ مصلحت ہے جس سے کسی شرعی مقصد کی حفاظت کی جائے۔ جس کا مقصد ہو نا کتاب و سنت کی کسی دلیل واحد سے نہیں بلکہ متفرق علامات قرآن اور دلائل سے معلوم ہوتا ہو۔

امام شافعی عسقلان میں بمقام غزوہ مشدہ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعی نے علماء حدیث سے ان کے طریق کی واقفیت بہم پہنچائی، طریقہ اہل حجاز کی تعلیم امام مالک اور طریقہ عراق کی تعلیم امام محمد کے ذریعہ حاصل کی۔ پھر مکہ میں انہیں مختلف اصناف سے آنے جانے والے علماء سے بھی استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے۔ امام شافعی نے قیام عراق کے دوران محدثین اور اہل حجاز اور اہل عراق سے ملتا جلتا ایک مسلک مدون کیا۔ اس پر کتابیں بھی لکھیں، اور اس کے مطابق فتوے بھی دیے، لیکن آگے چل کر مصری ماحول کے اثر سے ان کے فقہی نظریہ میں کچھ تبدیلی ہوئی جس کے پیش نظر انہوں نے اپنی عراقی فقہ سے قدرے مختلف ایک جدید فقہ مرتب کی۔

امام شافعی نے اپنے مسلک کے اساسی اصول خود اپنے رسالہ اصولیہ میں قلم بند کئے ہیں۔ وہ ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں خواہ وہ حدیث کسی بھی مقام کے علماء سے حاصل ہوئی ہو۔ بشرطیکہ وہ متصل ہو اور رواۃ ثقہ ہوں کسی حدیث کے بارے میں وہ کسی ایسے تعامل کی قید نہیں لگاتے جس سے اس حدیث کی تائید و توثیق ہوتی ہو۔ حدیث کے بارے میں وہ اس کی فہرت کی قید بھی نہیں لگاتے۔ حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں، اور جب قرآن و حدیث اور اجماع سے کام نہیں چلتا تو پھر وہ قیاس سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ کوئی اصل ضرور موجود ہو۔ استحسان اور استصلاح کی انہوں نے مخالفت کی ہے۔ البتہ استدلال پر جو تقریباً اس کے مشابہ ہے ان کا عمل تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ سلسلہ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حدیث کی تحصیل کی طرف خصوصی توجہ دی۔ امام شافعیؒ عراق آئے تو ان سے فقہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فقہ حنفی کی کفایت انھوں نے امام ابو یوسف سے بہم پہنچائی۔ تکمیل علم کے بعد وہ درس و تدریس کے کام میں مصروف ہوئے اور اسی زمانہ میں انھوں نے اپنا خاص نظریہ فقہ قائم کیا۔ اور اس کے مطابق فتوے بھی دینے لگے۔

امام حنبلؒ کی فقہ انتہائی سادہ ہے۔ ان کا طریقہ اصحاب حدیث سے ملتا جلتا ہے جس میں درایت اور عقل و عدل سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ قرآن اور حدیث پر عمل کا دار و مدار رکھا جائے۔ درایت، شیعہ اور قیاس سے حتی الامکان انھوں نے احتراز ہی کیا ہے بلکہ تعارض اہل مدینہ کے اصول کو بھی وہ حجت قرار نہیں دیتے۔ وہ مرفوع و موقوف احادیث کو ہر موقع پر معمول پر قرار دیتے ہیں۔ یہی خاص وجہ ہے کہ احادیث مختلفہ کی صورت میں ان کی فقہ میں بہیں جوابات بھی مختلف ملتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ قیاس سے انتہائی مجبوری کی حالت ہی میں کام لیتے ہیں۔ امام حنبلؒ نے درحقیقت امت کے سامنے مصالحت کی راہ پیش کی ہے۔ تقریباً ہر اختلافی پہلو کے حوالہ کی گنجائش اپنی وسیع معلومات کی روشنی میں انھوں نے پیدا کی۔ فقہی اختلاف اگر خطرناک صورت اختیار کرنے سے محفوظ رہے تو اس میں امام احمد بن حنبلؒ کا بڑا دخل ہے۔

تدوین فقہ اسلامی کی تاریخ کے اس سرسری جائزے سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں ائمہ کی کیا کوششیں رہی ہیں اور ان میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ فقہ کی تدوین میں امام ابو حنیفہؒ کا کارنامہ نہایت عظیم ہے جسے کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن دوسرے ائمہ کی خدمات بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں اور وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں تنگی کے بجائے وسعت اور فراخی پائی جاتی ہے اور ذہن انسانی کے لئے اس کے اندر وسیع میدان ہے۔ یہ وسعت امت کے لئے حجت بھی ہے اور فکر انسانی کی ترقی کا ذریعہ بھی۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: الناس کلہم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ "تمام لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے تابع ہیں"

امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد مزنیؒ فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی، انھوں نے احادیث کے درمیان فقہ کی مستقل کتاب تالیف کی، اس کی ترویج کی، اس کی

ابتدا طہارت سے، پھر نماز، پھر دوسری عبادات، پھر معاملات کے مسائل مرتب کئے۔ یہاں تک کہ فرائض (وراثت کے مسائل) کے ساتھ کتاب ختم کی۔

فقہ حنفی کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یوں تو اس فقہ کو امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ ہی میں مقبولیت حاصل ہو گئی تھی اس کے اجزائے جس قدر تیار ہوتے تھے ملک میں اس کی اشاعت اسی وقت ہو جاتی تھی لیکن تیسری ہجری سے دنیائے اسلام میں اسے عام مقبولیت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس کے بعد تو بالعموم ہر زمانے میں حکومت اور عام لوگوں کی اکثریت کا یہی مسلک رہا ہے۔ ملا علی قاری دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی کے آغاز میں لکھتے ہیں:

الحنفية ثلثي المومنين احناف كل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں

(مرقات ص ۴۴ ج ۲)

فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو اس میں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں چند خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔

- فقہ حنفی کی تدوین کا عظیم کارنامہ حکومت کے دباؤ اور افرات سے آزاد رہ کر انجام دیا گیا۔
- فقہ حنفی میں معاملات کے باب میں وسعت اور باقاعدگی دوسری فقہوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ متدین معاشرے کیلئے یہ چیز ضروری بھی ہے۔
- امام ابو حنیفہؒ نے دلائل کی قوت پر وزن دیا ہے اور اس کا پورا الحاح بھی رکھا ہے جس کی وجہ سے غور و فکر سے کام لینے والوں کے لئے ان کی فقہ بڑی قدر و قیمت کی حامل ٹھہرتی ہے۔
- فقہ حنفی کے مسائل مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں۔ وہ روایات کے ساتھ اصولِ درایت سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔

• اس فقہ میں غیر مسلم رعایا کے حقوق نہایت فیاضی کے ساتھ مقرر کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے نظمِ مملکت میں مہولت حاصل ہوتی ہے۔

• مجموعی اعتبار سے یہ فقہ آسان اور قابلِ عمل ہے۔

ایمان کے بعد اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عمل کی ہے۔ زندگی کے عام مسائل میں علمِ فقہ سے واقفیت کے بغیر عمل ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف ہمیشہ خصوصی توجہ دی گئی۔ عربی زبان میں فقہ کی تعدد و کتابیں موجود ہیں۔ ضرورت تھی کہ عام ضروریات کا لحاظ



کرتے ہوئے آسان اور زبان میں فقہ کی کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس سے عام مسلمان آسانی استفادہ کر سکیں۔

شکر ہے کہ مکتبہ الحسنات دہلی نے اس ضرورت کے پیش نظر اردو زبان میں ”اسلامی فقہ“ مرتب کر کے شائع کی۔ اسلامی فقہ کے لایق و فاضل مولف مولانا منہاج الدین مینائی صاحب نے کوشش کی ہے کہ تمام ہی ضروری اور علمی مسائل اس میں آجائیں۔ چنانچہ کم و بیش دو ہزار مسائل پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ کتاب کی ترتیب کے وقت مؤلف کے سامنے فقہ کی بیشتر مستند کتابیں رہی ہیں۔ لیکن جس کتاب سے خاص طور سے انھوں نے استفادہ کیا ہے وہ علامہ جزیری کی کتاب ”کتاب الفقہ علی المذاہب اربعہ“ ہے۔ چونکہ یہاں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروی ہے اس لئے انھوں نے اپنی کتاب میں متفق علیہ مسائل میں صرف حنفی فقہاء کے مسلک کو اختیار کیا ہے اور جہاں ائمہ کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے وہاں دوسری رائے بھی نقل کر دی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اس میں انشاء اللہ تعالیٰ اُس طرح تشنگی محسوس نہیں ہوگی جو اس طرح کی تالیفات میں بالعموم لوگوں کو محسوس ہوتی ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

خاکسار

محمد فاروق خان

## دیباچہ

اللہ تعالیٰ نے آخری اور مکمل دین جو اپنی انسانی مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے وہ اسلام ہے (مائدہ، آیت ۳) اس دین کی تعلیمات بڑی وسیع اور جامع ہیں، ہر زمانے کے مقتضیات اور اور حوادث کے لئے اُن میں رُشد و ہدایت ہے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی گزارنے کا دستور العمل ہے۔ معاشی، معاشرتی اور کاروباری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہدایات ہیں، حلال و حرام اور معروف و منکر اور اخلاقِ حسنہ و سیئہ کی تفصیل ہے، جسم اور روح کی طہارت اور پاکیزگی کی تعلیم ہے، اللہ سے رشتہ جوڑا رکھنے اور اُس کا قرب تلاش کرنے اور اُس کے اوامر کو بجالانے اور نواہی سے اجتناب کرنے کے واضح احکام ہیں۔

دین کا علم ہر مسلمان مرد و عورت کو ہونا تمام علوم سے افضل و اشرف ہے کیونکہ اس کے بغیر اللہ کے پسندیدہ طریقے پر زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے، باقی تمام علوم اس سے فروتر ہیں۔ بد قسمتی سے آج کل مسلمانوں نے اپنی توجہ اس علم سے ہٹا لی ہے اور مختلف دنیاوی علوم کی طرف انہماک زیادہ ہے، دین کے علم کی اہمیت اُن کی نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ علماء کرام نے اپنی عمریں اسی علم کو سکھنے اور سکھانے میں صرف کر دیں اور ہمارے لئے کتاب و سنت کی روشنی میں تفصیلی قوانین مرتب کر گئے، جو صدیوں تک نافذ رہے۔ عربی مدارس میں اُن کا درس دیا جاتا رہا۔ پھر عربی سے اردو زبان میں ان کی کتابوں کے ترجمے گئے۔ آج بھی مختصر و مطول کتابیں موجود ہیں۔ لہٰذا اپنی استعمار کے نتیجے میں دنیا کے اسلام میں مغربی قانون رائج ہو گیا، نظام تعلیم بھی بدل گیا۔ فقہ کی تعلیم صرف اُن مدارس میں باقی رہ گئی جو حکومت کے اثر سے باہر تھے۔ حکومت کے زیر اثر مدارس

میں فقہ اسلامی کی تعلیم یا تو یکسر ختم کر دی گئی یا اُس کا تھوڑا سا مضامہ باقی رکھا گیا اور اُسے بھی اختیاری  
 مضمون بنا دیا گیا کہ جو چاہے اس مضمون کو اختیار کرے رفتہ رفتہ اُس کی ضرورت کا احساس بھی  
 کم ہوتا چلا گیا اب حالت یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے جو مسلمان تعلیم پا کر نکل رہے ہیں  
 اُن میں تمام طبیعی علوم ریاضی و مساحت اور علم النفس حتیٰ کہ مصوری و موسیقی تک کے جاننے  
 والے تو ملیں گے لیکن فقہ یعنی دینی مسائل کے جاننے والے مشکل سے ملیں گے۔ درس گاہوں میں  
 مسلمان معلمات اور معلمین مختلف علوم میں مہارت کی ڈگریاں حاصل کر کے درس و تدریس میں  
 مصروف نظر آئیں گے لیکن دینی مسائل کو سمجھانے کی صلاحیت سے عاری ہوں گے، علم دین  
 باوجود اپنی اہمیت اور جلالت کے بے اعتنائی کی دیر چادر میں روپوش ہوتا جا رہا ہے، ہونا تو یہ  
 چاہیے تھا کہ ہمارے مسلمان معلم سب سے پہلے اسلامیات میں باخ نظر ہوتے اور اُس کے بعد  
 دوسرے علوم پر اُن کی نظر پڑتی۔ اس صورت حال کا افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ درس گاہوں سے  
 فارغ ہونے والے طلباء دین سے اتنے ہی دور ہیں جتنے بے پڑھے لوگ، لڑکے ہوں یا لڑکیاں جب  
 وہ اپنے اُستادوں اور اُستانیوں کو غیر اسلامی روش پر پاتے ہیں تو وہ بھی وہی طریقے  
 اپناتے ہیں، اسلام کی اخلاقی قدروں سے ناواقف حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تفریق سے  
 نااہل مغرب کی مادہ پرستانہ زندگی جو اسلامی طرز زندگی سے قطعاً مختلف ہے اُسے اختیار کرنے  
 میں کوئی تباہت انھیں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ اب مغربی معاشرت خود اہل مغرب کے لئے عذابِ عظیم  
 بن چکی ہے اور اسلامی زندگی میں ہی عافیت نظر آ رہی ہے، یورپ اور امریکہ کا باشعور طبقہ اسلام  
 کے دامن میں پناہ ڈھونڈ رہا ہے، وہاں کے نو مسلم ایشیائی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں  
 سے زیادہ اچھے مسلمان بن رہے ہیں اُن کی عورتیں مسلمان ملکوں کی خواتین سے زیادہ باحیا اور  
 ساتر لباس میں رہتی ہیں، اللہ نے مسلمانوں کو دنیا کی پیشوائی کا منصب عطا کیا تھا کیونکہ وہ دینِ  
 اسلام کے حامل تھے۔ مقامِ عبرت ہے کہ اسلام کی تعلیمات سے اعراض کر کے وہ خود اِس  
 منصب سے معزول ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے جس کو بدلنا چاہیے  
 ہر وہ شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہے اُسے علم دین کو سیکھنا اور اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں  
 مددِ اہانت اور مجل پوری اُمت کے لئے تباہ کن ہے، ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَخْلُ فَاسْتَأْذِنْ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَسْتَأْذِنُوا سَبِيلًا فَيَسْتَأْذِنُ لَكُمْ  
غَيْرَ كُفْرَةٍ لَكُمْ وَتَأْمُرُوا بِالْإِيمَانِ ۚ

(سور محمد آیت ۳۸)

جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں ہاں  
تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے  
گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ دین کی تعلیم دوسروں تک پہنچانا ان کا فرض مطہری ہے،  
انہیں اپنے کو اس منصب سے معزول نہ سمجھنا چاہیے اور خود کو اسلامی تعلیم کا نمونہ بنا کر غیر مسلموں  
اور اپنوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے، ان ان تقریر سے زیادہ عمل سے متاثر ہوتا ہے یہ مانی ہوئی انبیائی  
حقیقت ہے کہ علی بنو نے اصلاح و تربیت کے لئے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

اردو زبان میں اسلامی فقہ پر کتابیں موجود ہیں اور اہل علم حضرات حسب توفیق اس علم کو  
پھیلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ موجودہ صدی میں مصر کے نامور فقیہ علامہ عبدالرحمن الجزیری  
کی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کامیاب ترین کوشش ہے، اس میں فقہ کے چاروں ساطین  
(حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہم)  
کی کاوش و تحقیق کو جو انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں کی ہے تفصیل سے تحریر کیا ہے، اس  
کتاب کا ترجمہ جناب منظور حسن صاحب عباسی نے اردو میں کیا ہے، پانچ ضخیم جلدوں میں یہ  
کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے، ہم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، لیکن چاروں ائمہ کے  
مسائل علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بجائے حنفی مسلک کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ برصغیر کے مسلمان  
زیادہ تر حنفی مسلک کے پیرو ہیں، ساتھ ہی ساتھ اہم اور اصولی مسائل میں دوسرے تینوں ائمہ  
کی رائے بھی تحریر کر دی ہے، ایسا اس لئے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ  
فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی) (سورہ حج، آیت ۷۸) تو  
اہل علم حضرات کتاب و سنت کی واضح دلالت اور مسئلہ کی ناصح نوعیت کے بیش نظر کسی کی رائے  
کو رائج یا مرجع قرار دینے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں البتہ عام لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ پیچیدہ  
مسائل (مثلاً فتوہ البحر شریہ کی بیوی کا نکاح یا طلع اور طلاق کی بعض مشکلی صورتوں) میں محض اس

کتاب کو پڑھ کر کوئی فیصلہ کر لیں ایسے مسائل ہمیشہ قاضی کی عدالت سے یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو کبھی مستند دارالافتا سے رجوع کرنا چاہئیں اور تحریری حکم یا فتویٰ حاصل کرنے کے بعد علدرآمد کرنا چاہیے، جیسے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیع سلم وغیرہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔

تمام فقہی مسائل کا ماخذ اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ہے، اس لئے ہر بیان کی ابتدا میں قرآن اور حدیث سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔  
کتاب کی زبان آسان اور سلیس استعمال کی گئی ہے تاکہ معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھنے میں دقت محسوس نہ کریں۔

اصطلاحی الفاظ کے معنی اور مطلب کو جہاں وہ آئے ہیں بیان کر دیا گیا ہے ان کا صحیح تلفظ زیر زبر اور پیش کے ساتھ لکھا گیا، لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت بھی بتا دی گئی ہے۔  
ابواب کی ترتیب میں علامہ عبدالرحمن الجزیری کا تتبع کیا گیا ہے، شکار کا بیان حلال و حرام کے ضمن میں اور قربانی کا ذکر حج کے ضمن میں کیا گیا ہے اور نماز تراویح کا بیان نماز ہی کے ضمن میں کیا ہے روزہ کے ضمن میں نہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ نماز ہی کی صورت ہے اگرچہ وہ صرن ما و صہام میں پڑھی جاتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے محرک رسالہ الحسنات کے مدیر اعلیٰ جناب محمد عبدالحی صاحب اور ان کے فرزند جناب عبدالملک فہیم صاحب (نالتم مکتبہ الحسنات دہلی) ہیں۔ ان حضرات نے مجھ سے فرمائش کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون و مرتب کروں جس میں تمام فقہی مسائل عام فہم اردو زبان میں بیان ہو جائیں۔ اور کوئی بھی مسئلہ جو انسانی زندگی میں پیش آسکتا ہے چھوٹے نہ پائے۔ انسانی دسترس کی حد تک میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو فرمائش اور ضرورت کے مطابق پورا کر سکوں۔

آخر میں خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمارے بھائیوں بہنوں بیٹوں اور بیٹیوں کو دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق دے اور انھیں ہدایت دے کہ وہ دین حنیف کے راستے کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر نہ چلیں اور زندگی کے ہر موڑ پر خدا اور رسول کے حکموں کی پیروی کریں۔

اے اللہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کے دلوں میں اطاعت الہی اور اطاعت رسول کا جذبہ پیدا فرما دے اور جو کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں انہیں معاف فرما دے ، ناشر و معاونین کتاب اور راقم اسطور کی سعی کو شرف قبولیت عطا فرما۔

ربنا تقبل مِنَّا اِنَّكَ انت السميع العليم۔

اللہ کی رحمت کا امیدوار  
منہاج الدین مینائی



# عبادات

طہارت

نماز

روزہ

زکوٰۃ

حج

قربانی







# فقہ کے معنی

فقہ عربی زبان کا لفظ ہے اور علم کا مراد ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم محض جانتے کو کہتے ہیں اور فقہ سمجھ بوجھ کر اور حقیقت سے پوری طرح واقف ہو کر جاننے کو کہتے ہیں لغت میں اَلْفَقْہُ کے معنی المَحْدَقُ وَالْفَطَنَةُ اور فقیہ کے معنی شَدِيدُ الْفَهْمِ اور عالمِ دُکّی کے ہیں، فَقْہُ الْکَلَامِ اِلے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جس نے بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو۔

## علم فقہ

اسلامی شریعت کی اصطلاح میں علم الفقہ کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے ”العلم بان حکام الشرعیۃ العلمیۃ من اَدِلَّتْہَا التَّفْصِیْلِیۃ“ یعنی احکامِ دین کا تفصیلی علم حاصل کرنا اور اُن کی دلیلوں اور حکمتوں سے واقف ہونا۔ اس علم کے ذریعے وہ قوانین اور ضابطے جو اللہ اور اُس کے رسول نے اللہ کے حقوق ادا کرنے اور صحیح طریقے سے اُس کی اطاعت کرنے کے مقرر فرمائے ہیں اور جو ہدایات اپنے نفس کا حق ادا کرنے، اپنے گھر والوں اور گھر سے باہر کے لوگوں کے حقوق ادا کرنے، اُن کے ساتھ معاملات کرنے اور آپس میں تعلقات قائم رکھنے کے لئے دی ہیں اور ان سب باتوں کے لئے جو آداب و شرائط مقرر کئے ہیں اُن کا تفصیلی علم حاصل ہونا ہے۔ یہ الفاظ دیگر سارے انفرادی و اجتماعی معاملات سے متعلق قرآن و سنت نے جو احکام دیئے ہیں اور اسلامی زندگی بسر کرنے کا جو ضابطہ ہمارے لئے منظور فرمایا ہے، اُسی کے جاتے کا نام علم فقہ ہے۔

## فقہ

یہ نام اصطلاح میں اُس شخص کا ہے جو علم فقہ کا جاننے والا ہو، قرآن و سنت پر گہری نظر رکھتا ہو، شریعت کی حکمتوں اور اُس کے مزاج سے واقف ہو اور زندگی میں پیش آنے والے مسائل معاملات میں قرآن و سنت کے احکام و ہدایات کے مطابق عمل کرنا جانتا ہو۔

## علم فقہ کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ يُرِدِ اللَّهُ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (اللہ جس بندے کی بھلائی چاہتا ہے اُسے دین کی سوجھ بوجھ عطا کرتا ہے) دین ہی دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ اور آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول اور اُس کی ناراضی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے تو جو شخص دین کا علم حاصل نہ کرے دین کے مزاج اور اُس کی روح کو نہ جانے تو وہ ہر خیر سے محروم ہے کیونکہ اس کے جانے بغیر نہ اسلام کے احکام پر صحیح عمل کرنا ممکن ہے اور نہ وہ اپنے مقصد پر پیدائش کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انسان کی پیدائش کا مقصد:

### عبادت

ہے قرآن مجید میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، یعنی زندگی گزارنے کے جو طریقے اور جو راہیں میں نے بتادی ہیں صرف انہیں راستوں پر چلیں۔ تو ہر انسان پر واجب ہو گیا یہ جاننا کہ عبادت کیسے کہتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے یہ جانے بغیر وہ اپنے دنیا میں آنے کا مقصد ہی پورا نہیں کر سکتا۔

عبادت کے معنی لغت میں عبادت کے معنی بندگی، فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر وہ کام عبادت ہے جو دین کا حکم سمجھ کر قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق اللہ کی اطاعت گزاری کے جذبے سے انجام دیا جائے،

کیونکہ اللہ کی خوشنودی اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ حج ہو یا زکوٰۃ، خانگی تعلقات ہوں یا معاشی مصروفیات، محنت مزدوری ہو یا کھیتی باڑی، جماعتی کام ہو یا دستکاری حتیٰ کہ کھانا پینا اور صاف ستھری زندگی گزارنا سبھی کچھ عبادت ہے، اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق انہیں انجام دیا جائے۔ آدمی اگر اپنے ہر معاملے میں اور ہر عمل میں خدا کی رضا اور اجر و ثواب کو مقصود بنالے تو وہ اپنے سونے جاگنے اور نفسانی خواہش کی تکمیل کو بھی عبادت بنا سکتا ہے اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے، احادیث میں یہ بات متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے جو ”الادب المفرد“ میں ہے:

كَوْضَعٌ فِي الصَّامِ اَلْكَيْسُ كَانَ عَلَيْهِ وُضْعًا فَخَذَ اِلَيْكَ اِنْ وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ لِي كَانَ لَهُ اَجْرٌ۔  
 اگر وہ حرام جگہ اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا اُس پر گناہ نہیں ہوتا ہے تو اسی طرح اگر وہ حلال جگہ اپنی خواہش پوری کرے تو اس کا اجر و ثواب ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور کتاب و سنت کے مطابق زندگی کے ہر معاملے میں کس طرح عمل کرنا چاہیے یہ علم فقہ سے معلوم ہوتا ہے، علم فقہ کی تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ ”احکام دین کا تفصیلی علم قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔“

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ دین کے احکام، مجالناہی و عبادت احکام دین کی تقسیم ہے، اسلام نے اس کا ایک ہمہ گیر پروگرام دیا ہے جو انسان کی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس پروگرام کا ایک حصہ وہ ہے جس میں انسان اپنی ذات یعنی اپنی روح اور قلب و دماغ میں یک سوئی، اعتدال اور سکون پیدا کر کے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی عبادت اور اطاعت میں گزار دینے کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے، اس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اعمال شامل ہیں، اس حصے کو فقہ کی اصطلاح میں عبادات کہا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انسان آپس کے رابطے اور تعلقات مثلاً ماں باپ کی خدمت، اولاد کی تربیت، نکاح، طلاق، خاندان اور معاشرے کے حقوق و فرائض ادا کرنے میں دین کے

احکام بجالاتا ہے، اور تیسرا حصہ اُن باتوں سے متعلق ہے جو انسان کو معاشی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کرنا پڑتی ہیں مثلاً خرید و فروخت، کاروباری لین دین، کھیتی باڑی، محنت مزدوری، رہن، قرض، ہبہ اور دوسرے تمام مل جل کر کرنے والے کام احکام شریعت کے مطابق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان دونوں حصوں کو فقہ کی اصطلاح میں معاملات کہا جاتا ہے۔

اس کتاب میں پہلے عبادات پھر معاشرتی معاملات اور بعد میں کاروباری معاملات سے متعلق احکام اور ان کے شرائط و آداب قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ مسائل عام طور پر حنفی مسلک کے مطابق مذکور ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک میں اگر کسی خاص مسئلہ میں کوئی جداگانہ موقف اختیار کیا گیا ہے تو اُس کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ ذرائع آمد و رفت اور موصلاتی سہولتوں کے پیش نظر متاخرین فقہائے جو موقف رویت ہلال کی شہادت اور مفقودہ الخیر شوہر کے انتظار کی مدت میں اختیار کیا ہے اُس کو متقدمین کی رائے پر ترجیح دی گئی ہے۔

---

## عبادات

عبادات میں سب سے مقدم اور اہم نماز ہے، قرآن میں جس تکرار کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تاکید نماز کو قائم کرنے یعنی کسی حال میں ترک نہ کرنے کی کی ہے اُس سے اس فرض میں کی اہمیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”نماز دین کا ستون ہے اور جس نے اس ستون کو گرا دیا اُس نے گویا دین کی عمارت کو ڈھادیا۔“ دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ ”کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل نماز ہے،“ تو اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو مگر نماز نہ پڑھتا ہو تو وہ اور کافر ایک جیسے ہیں۔ نماز ادا کرنے کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے لہذا قبل اس کے کہ نماز کے مسائل بیان کریں اُن شرائط کا ذکر ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط طہارت ہے۔

**طہارت کے معنی اور تعریف** طہارت کے لغوی معنی نجاست و کثافت سے پاک صاف ہونے کے ہیں خواہ ظاہری ہو یا باطنی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مریض کی مزاج پرسی کو جاتے تو فرماتے ”لا یاس طہور ان شاء اللہ“ یہاں طہور کے معنی ہیں گناہوں سے پاک کرنے والا۔ ترجمہ یہ ہوا ”کوئی بات ہمیں بیماری انشاء اللہ گناہوں سے پاک کرنے کا سبب ہوگی۔“ گناہ باطنی نجاست ہے۔ طہارت ضد ہے نجاست کی، نجاست کے معنی گندگی کے ہیں خواہ ظاہری ہو یا باطنی قرآن میں آیا ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (مشرکین نجس ہیں) یعنی باطن گندہ ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں طہارت کی تعریف حَدَّثُ یا خُبْتُ سے پاک ہونا ہے یعنی گندگی نظر آ رہی ہو اُسے پانی سے دھو کر پاک کر لیا جائے یا نظر نہ آ رہی ہو مثلاً ریاح کا خارج ہونا یا جسم سے خون نکل آنا تو یہ حَدَّثُ اصغر کہلاتا ہے جو وضو کرنے سے یعنی ہاتھ پیر اور مُنہ کو دھو لینے اور سر پر مسح کر لینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر مادہ تولید کا اخراج سوتے یا جاگتے میں ہو جائے تو اس سے پورا جسم منکف ہوتا ہے، اسے حَدَّثُ اکبر کہتے ہیں جو پورا غسل کر لینے سے پاک ہو جاتا ہے تو دونوں قسم کی (ظاہری اور باطنی) پاکی حاصل کرنے کو شریعت میں طہارت کہتے ہیں اور جب تک دونوں طرح کی طہارت حاصل نہ ہوں تاہیں پڑھی جاسکتی، پاک و صاف رہنے کو نبی علیہ السلام نے نصف ایمان فرمایا ہے، قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

پاک و صاف رہنے والوں کو خدا پسند فرماتا ہے

چونکہ طہارت نام ہے نجاست کو دور کرنے کا اس لئے نجاست کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

نجاست کی تعریف

لغت میں نجاست ہر گندگی کو کہتے ہیں جیسا کہ طہارت کے

ضمن میں ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اصطلاح شریعت میں یہ دو طرح کی ہوتی ہے (۱) نجاست حکمی اور (۲) نجاست حقیقی یا نجاست معنی۔ نجاست حقیقی یا معنی وہ گندگی ہے جس میں رنگ و بو بھی ہو اور ذائقہ بھی ہو، اور نجاست حکمی وہ گندگی ہے جس میں رنگ و بو نہ ہو، جسامت و ذائقہ نہ ہو جیسے پیشاب جو خشک ہو گیا ہو اور اس کا رنگ بھی محسوس نہ ہوتا ہو، یہ وہ تعریف ہے جو شافعی فقہانے کی ہے۔ حنبلی اور مالکی فقہاء کے نزدیک نجاست حکمی وہ ہے کہ پہلے سے کسی پاک چیز میں لگ کر اُسے گند کر دے۔ حنفی فقہاء کے یہاں نجاست حکمی حَدَّثُ اصغر اور حَدَّثُ اکبر کو کہتے ہیں یہ ایک عارضی کیفیت ہے جو بعض اعضاء جسم کو لاحق ہو تو حَدَّثُ اصغر کہلاتی ہے اور نہام بدن کو لاحق ہو تو حَدَّثُ اکبر کہلاتی ہے۔ یہی نجاست معنی یا حقیقی تو یہ نفس گندگی ہے جس کو نجس (جیم پر زبر کے ساتھ) کہتے ہیں اس لفظ کا اطلاق مارضی نجاست پر نہیں ہوتا لیکن نجس (جیم کو زیر کے ساتھ) کا اطلاق عارضی اور ذاتی دونوں نجاستوں پر ہوتا ہے مثلاً کپڑا جو نجاست لگنے سے ناپاک ہو گیا ہو اُسے صرف نجس (جیم کے زیر سے) کہتے ہیں لیکن خون نجس بھی ہے اور نجس بھی۔

نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں (۱) غلیظہ اور (۲) خفیفہ۔ اسی طرح نجاست حکمی کی دو قسمیں۔

ہیں (۱) حدّث اکبر اور (۲) حدّث اصغر۔ اب ان کی الگ الگ تفصیلی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔  
**نجاست حکمی** جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ وہ نجاست ہے جو نظر سے نہ دکھے بلکہ شریعت کے حکم سے اس کیفیت کو نجس قرار دیا گیا ہو مثلاً بے وضو ہو جانا غسل واجب ہونا، بے وضو ہونے کی کیفیت کو:

۱۔ حدّث اصغر کہتے ہیں 'یہ کیفیت چھ صورتوں میں پیدا ہوتی ہے (۱) پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد (۲) ریح خارج ہونے کے بعد (۳) بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ بہنے کے بعد (۴) نماز میں آواز سے ہنسنے کے بعد (۵) چار پائی یا زمین پر لیٹ کر یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر سو جانے کے بعد (۶) منہ بھر کھرتے ہو جانے کے بعد۔ ان سب صورتوں میں حدّث اصغر والی نجاست عائد ہوتی ہے۔

**حدّث اصغر کا حکم** اس صورت میں نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے نہ قرآن پاک کو باتحویں سے چھوا جاسکتا ہے تاوقتیکہ وضو نہ کر لیا جائے وضو کر لینے سے حدّث اصغر والی نجاست دور ہو جاتی ہے، پھر وہ نماز بھی پڑھ سکتا ہے اور قرآن پاک کو ہاتھ سے چھو سکتا ہے بے وضو کی حالت میں نہ بانی قرآن پڑھے تو اس کی اجازت ہے، چھونے کی اجازت بھی اُن بچوں کو ہے جو قرآن کا بڑھنا سیکھ رہے ہوں۔

۲۔ حدّث اکبر: وہ کیفیت ہے جو عورت سے مباشرت کرنے پر یا سونے میں مادہ منویہ خارج ہو جانے پر یا عورت کو حیض و نفاس کا خون آجانے پر پیدا ہوتی ہے۔

**حدّث اکبر کا حکم** جب تک غسل نہ کر لے یا غسل سے نقصان پہنچنے کی صورت میں تیمم نہ کر لے تو نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ قرآن کو چھوا جاسکتا ہے نہ اُسے نہ بانی پڑھا جاسکتا ہے۔ مسجد کے اندر داخل ہونا بھی منع ہے، سوائے اس صورت کے کہ غسل خانے میں جانے کا راستہ مسجد کے صحن یا اُس کے کسی حصے سے ہو تو اس صورت میں تیمم کر کے مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔

**نجاست حقیقی** اوپر بتایا جا چکا ہے کہ صحنی یا حقیقی نجاست وہ ہے جو بذات خود گندگی ہو اور نظریں آنے والی ہو۔ یہ ایسی چیز ہے جس سے فطرۃ انسان کو نفرت



ہوتی ہے اور وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بچاتا ہے۔ ایسی گندگی کو نجاست غلیظہ کہتے ہیں۔ مثلاً انسانی پیشاب یا پاخانہ، خون، مادہ تولید، شراب، تارسی، سوری ہر چیز، کتے کا لعاب دہن۔ چرندوں کا پاخانہ جیسے بیل، بھینس اور گائے کا گوبر، بھیڑ بکری کی میٹھی گھوٹے گدھے وغیرہ کی لید، کتے جلی اور دوسرے تمام حرام جانوروں کا پیشاب یا خانہ، مرغی اور بٹ کی بیٹ، تو ایسی گندگیوں کو نجاست غلیظہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

**نجاست غلیظہ کا حکم** پیشاب، شراب، خون وغیرہ جہاں لگ جائے تو وہ اُس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک اُسے کسی پاک سیال چیز سے نہ دھویا جائے۔ اگر یہ نجاست کمتر مقدار میں یعنی ایک درہم کی گولائی سے کم لگی ہو اور بغیر دھوئے نماز پڑھ لی تو نماز تو ہو جائے گی مگر قصد ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو بغیر دھوئے نماز نہیں ہوگی اور دھونے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

اگر گاڑھی نجاست مثلاً پاخانے یا گوبر کی چھینٹ پڑ گئی تو اگر وہ جونی بھر سے زیادہ نہ ہو اور بغیر دھوئے نماز پڑھ لی گئی تو نماز ہو جائے گی مگر قصد ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہے تو نماز نہیں ہوگی اور دھونے کے بعد دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ نجاست غلیظہ بعض صورتوں میں کھرج دینے سے بھی زائل ہو جاتی ہے مثلاً جو تے میں گاڑھی نجاست پاخانہ یا گوبر لگ جائے اور اُسے رگڑ کر صاف کر دیا جائے یا خشک ہو جانے پر کھرج دیا جائے تو جو تے پاک ہو جائیں گے اور انھیں پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر پیشاب یا گندی نالی کا پانی لگ گیا ہو تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوں گے۔

کپڑوں کا بدن کا یا برتن وغیرہ کا بہر صورت دھونا ضروری ہے خواہ نجاست گاڑھی ہو یا پستلی۔ جس جگہ نجاست لگی ہو اُس کو خوب رگڑ کر اور مل کر دھویا جائے تاکہ دھبہ بھی باقی نہ رہے لیکن اگر اچھی طرح دھو دھو کر بچوڑنے کے بعد بھی دھبہ کا نشان رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ نجاست کو دور کرنے کے بعد اُس جگہ کو تین بار اچھی طرح سے دھویا جائے، کپڑا ہو تو تین دفعہ بچوڑ کر دھویا جائے محض شک کی وجہ سے بار بار دھوتے رہنے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ پانی کے استعمال میں اسراف ناپسندیدہ ہے۔ نجاست غلیظہ کھانے کے برتن

یا پانی کے گھڑے میں ذرا سی بھی پڑ جائے تو وہ نجس ہو جائے گا۔

**نجاست خفیفہ** ایسی نجاستیں جن کا حکم ہلکا اور نرم ہے وہ نجاست خفیفہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً گائے، بیل، بھینس، بکری جیسے حلال جانوروں کا پیشاب مرغی اور بٹ کے علاوہ دوسرے پرندوں کی بیٹ، چمگاڈر، کوا، چیل اور دوسرے حرام پرندوں کا پیشاب اور بیٹ اگر لگ جائے تو ہلکی ناپاکی واقع ہوتی ہے۔

**نجاست خفیفہ کا حکم** اگر نجاست خفیفہ بدن، کپڑے یا کسی اور چیز کے چوتھائی حصے سے کم لگی ہو اور نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس سے زیادہ لگی ہو تو وہ نا ضروری ہے۔ یہ حکم بدن یا کپڑے وغیرہ کا ہے لیکن اگر نجاست خفیفہ کا کوئی حصہ کھانے یا تھوٹے پانی میں پڑ جائے تو وہ بہر صورت ناپاک ہو جائے گا۔

**نجاست کے متعلق عام ہدایات** وہ کپڑے جن میں جوڑ ہوئے ہیں ان میں ہر جوڑ ایک الگ حصہ سمجھا جائے گا مثلاً کرتے کی آستین، کلی اور دامن، اسی طرح باجائے پائے یا مہریاں الگ الگ حصے ہیں، اسی طرح بدن کا ہر عضو بھی ایک حصہ ہے تو کسی ایک حصے یا ایک عضو میں نجاست خفیفہ لگ جائے جو اس حصے یا عضو کے چوتھائی سے کم ہو تو وہ معاف ہے لیکن اگر پورے بدن یا پورے کپڑے کا چوتھائی حصہ اس نجاست سے آلودہ ہو جائے تو معاف نہیں ہے۔

۲۔ غلے سے بھوسا جدا کرنے کے لئے اس پر بیل چلائے جاتے ہیں اگر اس حالت میں وہ پیشاب کر دیں تو غلہ ناپاک نہیں ہوتا لیکن اگر بھوسا الگ کر دینے کے بعد پیشاب کریں تو ناپاک ہو جاتا ہے۔

۳۔ پانی کی طرح پتلی چیز سے (اگر پانی موجود نہ ہو) تو نجاست دھوئی جاسکتی ہے لیکن وضو اور غسل صرف پانی ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ گوبر سے لپی ہوئی زمین ناپاک ہے اس پر کچھ بچھائے بغیر بیٹھنا اور نماز یا قرآن پڑھنا درست نہیں ہے۔

۵۔ کوئی کپڑا دو تہہ کا ہے اور ایک تہہ میں نجاست لگ گئی، تو اگر دونوں تہیں سلی ہوئی ہیں تو اُس پر نماز پڑھنا درست نہیں اگر سبلا ہوا نہیں ہے تو جو تہہ پاک ہے اُس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۶۔ اگر زمین پر کوئی نجاست لگ گئی ہو اور خشک ہو کر اُس کا نشان مٹ گیا ہو تو اُس پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، مگر اُس جگہ کی مٹی سے تیمم نہیں کیا جاسکتا۔

۷۔ اگر ایسی چیزوں پر نجاست لگ جائے جن کو پھوٹا نہیں جاسکتا مثلاً تخت، چائپائی، چبوترہ، زمین وغیرہ تو اُس کو رگڑ کر پانی بہا دینا کافی ہے، احتیاطاً تین دفعہ بہا دینا چاہیے۔

۸۔ مکھی، مچھر اور کٹھنل کا خون نجس نہیں ہے۔ مچھلی کا خون اگر لگ جائے تو وہ بھی نجس نہیں ہوتا۔  
۹۔ گوبر، لیسہ اور میٹگنی گونا پاک چیزیں ہیں لیکن وہ آگ میں جل کر راکھ بن جائیں تو راکھ ناپاک نہیں ہوتی۔

۱۰۔ اگر تیل یا گھی میں ناپاکی پڑ جائے تو اُس میں پانی ڈال کر ہلایا جائے جب چمکنائی اوپر آجائے تو اُسے اوپر سے پسایا جائے۔ ایسا تین بار کرنے سے پاک ہو جائے گا۔

۱۱۔ پیشاب کی باریک چھٹیں جو دکھائی دینے والی نہ ہوں اگر کپڑے پر پڑ جائیں تو وہ ناپاک نہیں ہوگا، محض خشک کی بنا پر دھونے کی ضرورت نہیں ہے (شرح التقایہ)

۱۲۔ روئی کا گدہ، توشک یا لحاف پر اگر بچے کا پیشاب، پاخانہ یا کوئی اور گندہ لگ جائے تو اس کو پانی سے دھونا چاہیے اگر پھوٹنے میں دقت ہو تو اس پر تین دفعہ اچھی طرح سے پانی بہا دینا چاہیے۔ روئی نکال کر دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳۔ کتے کا لعاب ناپاک ہے اگر کسی خشک چیز میں وہ منہ ڈال دے تو جہاں تک منہ ڈالا ہے وہ حصہ نکال کر چھینک دینا چاہیے اور باقی کا استعمال جائز ہے۔ کتے کا بدن اگر گیلانہ ہو اور وہ کپڑے یا بدن سے چھو جائے تو نہ جسم ناپاک ہوگا نہ کپڑا، اگر اُس کا بدن گیلہ ہو تو جس جگہ وہ چھو گیا ہے اُسے دھو ڈالنا چاہیے۔ اگر کتا کسی سیال چیز میں منہ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جائے گی اور برتن جس میں منہ ڈالا تھا اسے سات بار

دھونا چاہیے اور ایک بار مٹی سے ملنا چاہیے۔

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ یہ تھا کہ نجاست غلیظہ اگر لگ جائے تو اُسے کس طرح پاک کیا جاسکتا ہے، اسی طرح نجاست محکمہ کے بارے میں بتایا گیا کہ حدثِ اصغر وضو کرنے سے اور حدثِ اکبر غسل کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور آدمی پاک ہو جاتا ہے، طاہر چیزوں اور نجس چیزوں کے فرق کو یوں بھی جان لینا چاہیے کہ بعض چیزیں اللہ نے پاک پیدا کی ہیں وہ اُس وقت تک ناپاک نہیں ہوتیں جب تک نجاست (حقیقی یا حکمی) نہ لگ جائے، ایسی چیزوں کو اعیانِ طاہرہ کہتے ہیں اور بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے نجس ہی پیدا کی ہیں وہ ہمیشہ نجس رہتی ہیں اور پاک چیزوں کو ناپاک کر دیتی ہیں ایسی چیزوں کو اعیانِ نجسہ کہتے ہیں۔

وہ چیزیں جو اصل میں پاک ہیں یعنی اُن کا نجس ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

۱۔ انسان زندہ ہو یا مردہ پاک ہے خدا نے فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا بَنِي آدَمَ (ہم نے انسان کو محکوم بنایا، تو انسان بحیثیت بنی آدم پاک ہے، اب اگر وہ خدا کا بندہ اپنے کو نہ سمجھے تو یہ ناپاکی اُس کے دل و دماغ میں پیدا ہوئی، جسم خدا کا بنایا ہوا تو پاک ہے کیونکہ وہ بنی آدم کا جسم ہے سو رکنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ اِنَّمَا الْتَمِشْ كُوْنُ نَجِسًا (مشرک نجس ہیں) تو یہاں نجاست معنوی مراد ہے، نجاست جسمانی نہیں۔

۲۔ جمادات۔ ہر وہ جسم جس میں جان نہ ہو خواہ وہ جامد (نہ پہنے والا) ہو یا مائع (پہنے والا) اس میں تمام زمینی اجزاء خواہ وہ معدنی ہوں یا اُگنے والے شامل ہیں۔ جامد کی مثال سونا، چاندی، تانبہ، سیسہ، لوہا، کوئلہ، پتھر وغیرہ اور مائع کی مثال پانی، تیل، ہر جاندار کا آئسو، پسینہ اور دودھ انسان کا یا کسی حلال جانور کا۔ منجملہ پاک جمادات کے اٹھا بھی ہے جو گندہ نہ ہوا ہو۔

۳۔ نباتات اُگنے والی چیزوں کو کہتے ہیں یہ سب پاک ہیں خواہ وہ خشک ہوں جیسے ہر قسم کا غلہ یا تر جیسے پھل جن سے عرق نکالا جاتا ہو مثلاً گنے، کارس، سرکہ، پھولوں کا عرق، عطر وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں پاک ہیں لیکن انھیں چیزوں میں جب کوئی چیز ایسی ہو جو عقل و

عوام کو خراب کر دے تو وہ حرام ہو جاتی ہے، اور یہ حرمت مفسد ہونے کی وجہ سے ہے بغیر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

شراب جو سرکہ بن جائے یعنی اُس کی ماہیت بدل جائے تو پاک ہو جاتی ہے اور وہ بہتر ہے بھی جس میں وہ رکھی تھی پاک ہو جاتا ہے۔ مالکی اور حنفی فقہاء کا اتفاق ہے کہ شراب خواہ از خود سرکہ بن جائے یا کسی پاک چیز مثلاً نمک یا پانی وغیرہ ملانے سے نہ بنے تو وہ پاک ہو جاتی ہے لیکن شافعی اور حنبلی فقہاء کی رائے میں جب تک از خود سرکہ نہ بن جائے وہ پاک نہ ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اُحْلَلْتُ لَنَا مِيتَتَانِ ذَوَاتَانِ الشَّمْنُ وَالْخِرَاءُ وَالْكِبْدُ وَالْإِطْحَالُ یعنی دو مردار اور دو خون ہمیں حلال ہیں مچھلی اور مٹی۔ مگر اور تلی، ایسے مرے ہوئے جانور بھی پاک ہیں جن میں بہتا ہوا خون نہ ہو جیسے مکھی، دیک، چیونٹی، پسو، ہر جانور سوائے سور کے اور کتے کے پاک ہے۔ کتے کی ناپاکی سور سے کم ہے، کتے کا جسم اگر جھیکا ہو انہ ہو اور کسی چیز سے مس ہو جائے تو وہ چیز نجس نہیں ہوگی بخلان سور کے جو نجس العین ہے۔

منجملہ پاک استیہار کے وہ جانور ہیں جن کا گوشت کھانا حلال ہے، پر، بال، روئیں اور اون حلال جانور کے ہوں یا حرام جانوروں کے زندہ کے ہوں یا مردہ کے پاک ہیں جبکہ یہ بال و پر وغیرہ قبضی سے کاٹے گئے ہوں ہونڈ کر یا بال صفا دوا لگا کر علیحدہ کیے گئے ہوں لیکن نیچے ہوئے نہ ہوں۔ نوچنے سے اُن کی جڑیں پاک نہیں ہوں گی۔

نجاست کی تعریف اور اُس کی قسمیں بیان کی جا چکی ہیں وہ چیزیں جن کا ناپاک ہونا نص صریح سے ثابت ہے بیان کی جاتی ہیں۔

### اعیانِ نجسہ

- ۱۔ خون خواہ وہ انسان کا ہو یا کسی اور جاندار کا ناپاک ہے۔
- ۲۔ تمام مردہ جانور جو خشکی میں زندگی گزارتے تھے اور جن کے جسم میں خون تھا اور زخم لگنے سے بہتا تھا۔ ناپاک ہیں۔ اس تعریف سے مردہ انسان، مٹی، چیونٹی، دیک مکھی اور پسو خارج ہو گئے جو پاک ہیں۔

- ۳۔ کتا اور سور زندہ اور مردہ اور اُن سے خارج ہونے والی ہر چیز (لعاب، رینٹ، پلینڈ، ہنس)
- ۴۔ قح (پیپ) اور صدید (کچھو)

۵۔ آدمی خواہ بڑا ہو یا بچہ، کا فضلہ یعنی پیشاب یا نائفہ اسی طرح ان جانوروں کا فضلہ جو خون والے ہیں۔

۶۔ انسان اور دوسرے جاندار کا مادہ تولید۔ مندی اور ودی۔

۷۔ تھے یعنی وہ غذا جو معدے میں جا کر پھر منہ سے نکل آئے، یا پانی جسے معدہ تلی کے ساتھ الٹ دے، جگالی کرنے والے جانوروں کی جگالی بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ بھی معدے سے نکلی ہوئی چیز ہے۔

۸۔ زندہ جانور کا گندہ اندہ اور ان کے بدن کا کوئی حصہ جو جسم سے الگ کر لیا جائے (لیکن شنگ اور اس سے وابستہ کھال، نافہ) دونوں پاک ہیں)

۹۔ حرام جانوروں کا دودھ۔

۱۰۔ نجس اشیاء کا دھواں جب وہ جلانی جا رہی ہوں۔

۱۱۔ شراب جس کو اللہ تعالیٰ نے نجس فرمایا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ

نجاست حقیقی اور نجاست حکمی کے بارے میں شریعت کا حکم اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ نجاست کو نائل (دور) کرنے والی چند چیزیں

ہیں جن سے مختلف طریقوں سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔

۱۔ پاک کرنے والا پانی۔ پاک پانی اور پاک کرنے والے پانی میں فرق ہے جس کو عن قریب بیان کیا جائے گا۔

۲۔ پاک مٹی۔ دکھائی دینے والی نجاست مٹی سے دور کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ ایسی چیزیں نہ ہوں جو جذب نہ کر سکتی ہو۔

۳۔ دھوپ یا ہوا میں خشک کرنا۔ فرشِ زمین اور اس پر اُگی ہوئی گھاس وغیرہ پر بڑی نجاست کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

۴۔ چھاننا۔ مٹی یا پتھر کا برتن دھونے کے بعد تپا لیا جائے تو نجاست بھاپ بن کر دور ہو جائے گی۔

۵۔ چھینا دکھڑنا، لکڑی پر لگی ہوئی نجاست جھیلنے سے دور ہو جائے گی۔

۶۔ رگڑنا (گھٹنا) لمبے پتیل تانے یا شیشے پر لگی نجاست کو رگڑنے سے دور کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ جوش دینا۔ شہد میں نجاست بڑ جائے تو اتنا حصہ نکال دینا چاہیے۔ باقی اثر پانی ڈال کر جوش دینے سے دور ہو جائے گا۔

۸۔ پونچھنا۔ تلوار، آئینہ، ناخون اور ہڈی اور کوئی چکنی چیز جس پر نجاست لگ گئی ہو پونچھنے سے پاک ہو جائے گی۔

۹۔ دھسکنا۔ ناپاک، دئی دھسکنے سے پاک ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں خاص خاص باتیں یہ ہیں۔

۱۔ کپڑا یا ایسی چیز جس کو نچوڑا جاسکتا ہے اگر پانی سے کسی برتن میں دھویا جائے گا تو پاک نہ ہوگا۔ بلکہ وہ پانی اور برتن دونوں ناپاک ہو جائیں گے۔ پانی سے تین بار دھونا اور ہر بار نچوڑنا ضروری ہے۔ یا تو بہتے ہوئے پانی میں دھویا جائے یا ہر بار صاف ستھرا پانی اُس پر بہایا جائے، یہاں تک کہ نجاست کا رنگ اور بوباقی نہ رہے۔

۲۔ کپڑے کے علاوہ فرش یا زمین پاک کرنا ہو تو اس برتن میں بار پانی بہایا جائے اور ہر بار پاک کپڑے سے پونچھ لیا جائے یا اُس پر اتنا پانی بہا دیا جائے کہ نجاست کا کوئی ظاہری اثر باقی نہ رہے۔

۳۔ دو برتن جس پر سے نجاست دھوئی گئی ہو لیکن یہ احتمال ہو کہ اس میں جذب بھی ہو سکتی ہے تو تپا کر اُسے پاک کرنا ہوگا۔

۴۔ جوتے یا مونرے پر لگی نجاست کو زمین پر رگڑ کر دور کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا اتى احدكم المسجد

فليقلب نعليه فان كان

بهما اذى يمسحهما

بالارض فان الارض

تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو اُسے

اپنے جوتوں کو پلٹ کر دیکھ لینا چاہیے۔

اگر اُن میں نجاست لگی ہوئی ہو تو اُسے زمین

پر رگڑ کر صاف کر لینا چاہیے کیونکہ زمین

۱۔ لہما طہوس!۔ انہیں پاک کرنے والی چیز ہے۔

۵۔ زمین کی ناپاکی سوکھنے سے دور ہو جاتی ہے جو آنحضرتؐ کے ارشاد سے ثابت ہے:

ذکاة الارض یبہا فتصح نجاست آلودہ زمین خشک ہو کر پاک

الصلوة علیہا ولکن لا یجوز ہو جاتی ہے اس پر نماز درست ہے لیکن

منہا التیمم۔ اس سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

بعض زمین جو نجس ہو گئی ہو سوکھنے سے خود پاک ہو جاتی ہے لیکن پاک کرنے والی

نہیں ہوتی۔ جیسے استعالیٰ پانی سے وضو نہیں ہو سکتا جبکہ وہ خود پاک ہوتا ہے۔

۶۔ خشک مادہ تولہ کو مل کر صاف کیا جاسکتا ہے لیکن گیلے کو دھونا واجب ہے۔ آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے فرمایا تھا:

فاغسلیہ ان کان رطبا وافرکیہ اے دھو ڈالو اگر تر ہے اور خشک ہو تو

ان کان یا بسا۔ مل کر جھاڑ دو

اس اجازت کا صرف آدمی کے عاڈے سے تعلق ہے ہر جاندار سے نہیں۔

۷۔ نجاست خفیفہ (جیسے دو سال سے کم عمر لڑکے کا پیشاب) اگر تھوڑا سا لگ جائے تو اس جگہ

پر پانی چھڑک کر خشک کر لینے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔ لیکن دودھ پیتی بھی کپیشاب

کو بہر حال دھونا ضروری ہے، ارشاد نبوی ہے:

یغسل من بول الجارية لڑکی کے پیشاب کو دھو یا جائے اور

ویرش من بول الغلام۔ لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے۔

یہ اسی صورت میں ہے جب صرف دودھ پیتا بچہ ہو، غذا کھانے والے بچے کا پیشاب

بھی نجاست غلیظہ ہے۔

۸۔ شراب کی ماہیت بدل کر سرکہ ہو جائے یا خون بہرن کا مشک بن جائے تو دونوں

چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

۹۔ مردار جانور کی کھال مسالہ وغیرہ لگا کر دباغت کر لینے سے پاک ہو جاتی ہے مگر سور کی

پاک نہیں ہوتی۔ امام مالک اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما صرف سوکھی چیزوں کے لئے



مدبوغ کمال کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں۔

## پانی کی قسمیں

کس پانی سے نجاست دور کرنا درست ہے اور کس سے نہیں؟ اس لحاظ سے پانی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ٹھور۔ (پاک کرنے والا) پانی

۲۔ طاہر۔ (پاک) پانی

۳۔ غیر ٹھور متنجس (پاک نہ کرنے والا گند) پانی۔

**آب ٹھور** پاک کرنے والا پانی وہ ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہو یا زمین کی سوت سے جاری ہوا ہو اور اس کی تین علامتوں میں سے کسی علامت میں فرق نہ آیا ہو یعنی رنگ، ذائقہ اور بو میں۔

**آب طاہر** وہ پانی جو پاک کرنے والا تھا اگر اسے استعمال میں اس طرح لایا جائے کہ رنگ یا خوشبو یا ذائقہ کسی پاک شے کے شامل ہو جانے سے بدل جائے جیسے دودھ، گلاب کا عرق، آٹے کا دھوون تو پانی تو پاک رہے گا لیکن وصف ٹھوریت جاتا رہے گا اس سے وضو یا غسل صحیح نہیں ہے پینے یا کھانا پکانے میں استعمال کیا جاسکتا ہے، چنانچہ دودھ ملا ہو یا عرق گلاب ملا ہو یا پانی پیسا جاسکتا ہے اس سے آٹا گوندھا جاسکتا ہے لیکن وضو اور غسل نہیں کیا جاسکتا ایسے پانی کے ٹھور ہونے کی صفت تب ہی زائل ہوگی جب ذائقہ رنگ یا بو میں سے کوئی وصف بدل جائے۔ یہ تو طاہر غیر ٹھور پانی کی ایک قسم تھی۔ دوسری قسم وہ استعمال شدہ پاک پانی جو کم مقدار میں ہو، یعنی دو قلوں —

سے مقدار میں کم ہو، اس جگہ کا رقبہ جس میں دو قلو پانی آتا ہے، مربع ہونے کی صورت میں سوا ہاتھ مکعب کے برابر گول ہونے کی صورت میں چوڑائی ایک ہاتھ، گہرائی ڈھائی ہاتھ اور دوسرا ہاتھ۔ مثلث ہونے کی صورت میں ڈیڑھ گز چوڑائی اتنی ہی لمبائی اور دو گز گہرائی۔

تو استعمال شدہ پانی اگر دوقلوں سے کم ہو تو وہ پاک کرنے والا نہیں ہے یعنی وضو یا غسل میں اُس کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

طاہر غیر طہور پانی کی تیسری قسم وہ پانی ہے جو سبز یوں میں سے نکلے خواہ وہ عرق کشید کرنے کے طریقے سے نکالا جائے یا اس کے بغیر جیسے تربوز کا پانی تو یہ پانی طاہر ہے اسے پیا جاسکتا ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے وضو اور غسل نہیں کیا جاسکتا۔

استعمال شدہ پاک پانی وہ ہے جس سے کسی قسم کی نجاست نہ دھوئی گئی ہو نہ اُس پانی میں نجاست ملی ہو بلکہ اُس پانی سے نماز پڑھنے، حج کی نیت کرنے، قرآن شریف کو چھونے یا کسی عبادت کرنے سے پہلے اعضائے وضو دھوئے گئے ہوں یا جسم پر پانی بہایا گیا ہو اور وہ ایک جگہ جمع ہو گیا ہو تو ظاہر ہے کہ پانی اپنی جگہ پاک ہے لیکن اُس سے دوبارہ پاک کرنے کا کام نہیں لیا جاسکتا اسی لئے اُسے طاہر غیر طہور کہتے ہیں۔

**غیر طہور** نجاست آلود پانی پاک نہیں ہے۔ لیکن نجاست اگر کثیر پانی میں مل جائے اور اور اس سے اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں فرق نہ آئے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کم مقدار میں پانی نجس شے کی آمیزش سے ناپاک ہو جائے گا خواہ رنگ و بو اور ذائقے میں فرق آئے یا نہ آئے۔ دریا یا چشمے کا پانی جو ہمیشہ بہتا رہتا ہے اور سمندر کا پانی جو بہت زیادہ ہوتا ہے نجاست گر جانے سے گندا نہیں ہوتا۔

اوپر پانی کی تینوں قسموں کی تعریف اور اُن کا حکم بیان کیا گیا، اب اسی سے متعلق عام باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر پانی کا مزہ، بو یا رنگ صرف رکھے رہنے لگی وجہ سے بدل جائے یا پتیاں گر جانے کی وجہ سے مزہ یا رنگ بدل گیا ہو تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، اسی طرح اگر ذرا سی مٹی مل جانے سے پانی کا رنگ مثیل ہو جائے تو بھی طہارت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اگر ان چیزوں کی وجہ سے پانی کا ٹھاہ ہو جائے تو اس سے پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ کھیتوں کی سبنجائی کے لئے جو پانی کنوؤں یا ٹیوب ویل سے نالیوں کے ذریعے لیا جاتا ہے اُس کا حکم بھی جاری پانی کا ہے اگر اس میں نجاست گر جائے تو ہٹ کر دوسری

جگہ وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے البتہ اگر اتنی نجاست ہو کہ رنگ وغیرہ بدل جائے تو اس سے ظہارت ناجائز ہوگی۔

۳۔ اگر کوئی پاک چیز مثلاً صابن، زعفران، کپڑا رنگنے کا رنگ پانی میں مل جائے اور ہلکا سا رنگ آجائے لیکن پانی کا پتلا پن جوں کا توں رہے تو پاکی حاصل کرنے میں مانع نہیں ہے البتہ اگر رنگ شوخ ہو گیا یا سرکہ اور دودھ ملانے سے اس کا رنگ نظر آنے لگا تو وضو اور غسل درست نہیں ہے۔

۴۔ پانی میں بیکری پتی ڈال کر پکا گیا ہو تو اگر ہلکا سا رنگ آگیا اور پانی گاڑھا نہیں ہو تو اس سے غسل اور وضو کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ گلاب اور دواؤں کا عرق، سوڈا واٹر، گنے کا رس یا کسی قسم کا شربت اور پھلوں کا پانی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو پی جاسکتی ہیں لیکن وضو اور غسل کرنا درست نہیں۔

۶۔ غیر مرد کا جھوٹا پانی عورت کے لئے یا غیر عورت کا جھوٹا پانی مرد کے لئے مکروہ ہے۔

وہ پانی جو پینے سے جھوٹا ہو گیا انسان مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کا پیا ہوا پانی پاک ہے سوائے اس صورت کے کہ کوئی ناپاک چیز

مثلاً سور یا مردار کھا کر یا شراب پی کر پانی جھوٹا کر دیا ہو۔ چرند یا پرند حلال جانور نے اگر کسی برتن سے پانی پی لیا تو اس کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے بشرطیکہ کوئی نجس چیز نہ کوئی ہوئی نہ ہو، گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے، دریائی جانوروں کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے خواہ وہ حلال جانور ہوں یا حرام۔ اگر یہ یقین ہو کہ منہ یا پنجہ جو پانی کو لگا اس میں گندگی تھی تب ہی پانی ناپاک مانا جائے گا۔

جن جانوروں کا جھوٹا پانی ناپاک ہو جاتا ہے کتے، سور اور درندے جیسے شہیر بھیر یا وغیرہ کا پیا ہوا پانی مکروہ تحریمی یا ناپاک ہے لیکن بہت ہوا پانی اگر پی لیں تو اس جگہ سے ہٹ کر پانی سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

وہ جانور جن کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے حرام جانور جو عام طور پر مکانوں میں رہتے ہیں جیسے بلی، چوہا، چھپکلی یا حرام پرندے جیسے کوا

چیل، ٹنکر یا بازو وغیرہ یا ایسے حلال جانور جو آزادانہ گندی چیز کھانے کے عادی ہوں جیسے مرقاں، گائے بیل، بھینس وغیرہ تو یہ اگر پانی میں منہ ڈال دیں تو کراہت تنزیہی آجائے گی اور اگر منہ میں نجاست لگی ہو تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔

## کنویں کے پانی کے مسائل

نجاست خفیفہ ہو یا غلیظہ اگر کنویں میں گر جائے تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہو جائے گا، مثال کے طور پر گائے بھینس کا گو بڑ گھوڑے کی لید، آدمی کا پاخانہ، پیشاب، خون، پیپ، مرغی یا بط کی بیٹ اور شراب۔

اسی طرح اگر کوئی جاندار پانی میں گر پڑے جس کے جسم میں خون ہو تو بھی کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے گا، جاندار کے گرنے کے بعد تین حالتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی حالت یہ کہ مر کے جسم بھول اور پھٹ گیا یا اعضاء کھڑ گئے اور پرد بال جھڑ گئے۔

دوسری حالت یہ کہ مر گیا لیکن بھولا پھٹا یا بکھرا نہیں۔

تیسری حالت یہ کہ جو جاندار گرا وہ مر نہیں بلکہ زندہ نکال لیا گیا۔

اب ہر حالت کی تفصیل اور اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے:

پہلی حالت میں کنواں نجس ہو جائے گا اور جو ڈول اس میں ڈال گیا وہ اور اس کی رتی بھی ناپاک ہو گئی اگر کنویں کا تمام پانی نکالنا ممکن ہو تو اس کے بغیر وہ پاک نہ ہوگا لیکن جب تک اس مرے ہوئے جسم کو پہلے نہ نکالا جائے، پانی نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو ڈول پانی نکالنے کے بعد کنواں پاک ہو جائے گا، ڈول وہ ہوتا چاہیے جو بالعموم استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح پانی نکال دینے سے تمام کنواں اس کی دیواریں ڈول رسی اور نکالنے والے کے ہاتھ سب چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

دوسری حالت میں اگر مرنے والا انسان یا بکری ہے تو اس کی لاش نکالنے کے بعد پانی نکالنے کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ جب تک سارا پانی یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسو

ڈول نہ نکالے جائیں وہ کنواں پاک نہ ہوگا نہ ڈول اور رستی پاک ہوگی۔ اگر گر کر مرنے والا چھوٹا جانور ہو جیسے بلی، مرغی یا کبوتر تین مٹر اگلا نہیں اور پردہ بال بھی الگ نہیں ہوئے تو کنویں کا پانی نجاست آلود متصور ہوگا اور جب تک اس جانور کو نکالنے کے بعد چالیں ڈول پانی نہ نکالا جائے وہ پاک نہ ہوگا۔ اگر گرنے والا جانور چڑیا یا چوہا جیسا ہو تب بھی کنویں کا پانی نجاست آلود ہو جائے گا اور مری ہوئی چیز کو نکالنے کے بعد میں ڈول پانی نکالے بغیر پاک نہ ہوگا۔

تیسری حالت گرے ہوئے جاندار کا زندہ نکلنا ہے اگر تو اگر وہ جانور نجس العین ہے تو سارا پانی نکالنا یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول نکالنا ضروری ہے جیسے پہلی حالت میں بیان کیا گیا۔ اگر وہ جانور نجس العین نہیں ہے تو اگر اس کے بدن پر نجاست غلیظہ و غیرہ لگا تھا تو نجس العین کی طرح سے کنویں کو پاک کرنا ہوگا لیکن اُس کے بدن پر اگر نجاست نہیں تھی تو میں ڈول پانی نکال دینا مستحب ہے۔

ایسے جانور جن میں خون نہیں ہوتا یا صیڈک یا پھلی وغیرہ اگر کنویں میں مر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مالکی فقہاء کے نزدیک خشکی کا ہر جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اگر اس کے مرنے سے پانی میں تبدیلی آگئی تو کنویں کا پانی نجس ہو جائے گا، تبدیلی سے مراد اوصاف نہ گانہ کا تغیر ہے یعنی مزہ، رنگ اور بو۔

**انسانی جسم اور لباس کو نجاست سے پاک رکھنا** انسان برخلات دوسرے جانداروں کے اس بات کا

مکلف ہے کہ اپنے جسم کو اور کپڑوں کو ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پاک رکھے اور اس کا خاص اہتمام کرے کیونکہ یہ عبادات کی بجا آوری کی اولین شرط ہے، پیشاب اور فضلہ خارج ہونا ایک فطری عمل ہے اور اس کی حاجت ہر جاندار کو پیش آتی ہے۔ انسان پر یہ خاص ذمہ دار ہے کہ رفع حاجت کے بعد گندگی خارج ہونے کے مقامات کو کھلودہ نہ رہنے دے اگر ایسا نہیں کرے گا تو جسم کے ساتھ لباس بھی نجاست آلود ہو جائے گا۔ لہذا یہ لازم ہے کہ جہاں جہاں سے گندگی خارج ہوئی ہے اُس کو خشک اور پاک کیا جائے اس عمل کو اصطلاح میں استنجاء، استطابت اور استجمار کہتے ہیں۔

**استنجا کی تعریف** لفظ استنجا عربی زبان کے ایک فقرے سے ماخوذ ہے نَجَوْتُ النَجَسَ (میں نے درخت کو جڑ سے کاٹ دیا) استنجا کا مفہوم بھی یہ ہے کہ

پلییدی کو جڑ سے کاٹ دیا جائے۔ استنطابت کے معنی ہیں راحت اور خوشی حاصل کرنا۔ گندگی دور ہو جانے سے بھی راحت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ استنجا جہاں سے ماخوذ ہے یعنی جھوٹی ٹکڑیاں، یہ اصطلاح ڈھیلے یا پتھر کے ٹکڑے استعمال کرنے کے لئے بولی جاتی ہے۔

**استنجا (طہارت) کا طریقہ** اصل طریقہ استنجا کا پانی سے کسی جگہ کو پاک کر دینا ہے پہلی امتوں کی شریعت میں پانی سے طہارت کرنے کا حکم تھا

چنانچہ روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے پانی سے طہارت حاصل کی وہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اسلام نے مہولت کے پیش نظر ڈھیلے وغیرہ جیسی چیزوں سے جن میں کوئی ضرر نہ ہو طہارت کی اجازت دی ہے۔

**استنجا کے ارکان** (۱) مستنجا۔ یعنی گندگی کو دور کرنے والا شخص (۲) مستنجا منہ۔ وہ گندگی جس سے جسم آلودہ ہو۔ (۳) مستنجا بہ۔ وہ چیز جس سے گندگی کو دور کیا جائے۔ (۴) مستنجا فیہ۔ وہ جگہ جس کو پاک و صاف کرنا ہے۔

**استنجا کا حکم** ہر نجس شے یا ہر نجاست جو انسان کے جسم سے خارج ہو جیسے پیشاب یا پاخانہ جو معمول کے مطابق خارج ہوتا ہے۔ یا غیر معمولی جیسے خون ودی،

یامندی تو اس سے پاک ہونا واجب ہے، یہ استنجا اُسی وقت ضروری ہے جب نجاست کا خارج ہونا بند ہو ورنہ استنجا بیکار ہوگا۔ جو نجاست مخرج کے دہانے پر ہو اور آگے نہ بڑھی ہو

خواہ وہ پیشاب یا پاخانہ ہو یا مندی، ودی اور خون وغیرہ تو اُسے زائل کرنا سنت مؤکدہ ہے، اسی کو استنجا اور استنجا کہتے ہیں، یہ ڈھیلے سے بھی دور ہو جاتی ہے اور پانی سے بھی لیکن اگر

نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا ازالہ فرض ہوتا ہے اُس کو استنجا نہیں بلکہ ازالہ نجاست کہتے ہیں، متجاوز نجاست کو پانی سے دھونا واجب ہے خواہ اس کی مقدار ایک درہم کے برابر نہ

ہو، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست کی مقدار ایک درہم سے زیادہ نہ ہو تو پانی سے دھونا بہتر ہے البتہ واجب نہیں ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے یہی حکم

ہے، مرد پر استبراء بھی واجب ہے عورت پر نہیں ہے، استبراء سے مراد پیشاب کا وہ آخری قطرہ جو فراغت کے بعد مخرج پر ٹکا ہوا ہو اُسے پورے طور پر خارج ہونے دیا جائے۔ عورت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے، البتہ بیٹھنے میں جو حصہ نمایاں ہو تساہے اُسے پورا دھونا ضروری ہے۔

**رفع حاجت کے آداب** رفع حاجت فطری اعمال میں سے ہے اور ہر جاندار اُسے فطرت کے مطابق ہی انجام دیتا ہے لیکن انسان اور

غیر انسان میں فرق ہے، شریعت نے انسانوں کے لئے جو آداب مقرر فرمائے ہیں وہ حفظانِ صحت اور ستمرائی کے تقاضوں کے مطابق ہیں شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں وہ معاشرے کی بہبود اور انسان کی بھلائی کے لئے ہیں ایک اُن میں سے استبراء ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا، بعض اشخاص کی عادت ہوتی ہے کہ پیشاب کر کے فوراً کھڑے ہو جانے یا چلنے پھرنے یا کوئی کام کرنے سے پیشاب کے رُکے ہوئے قطرے نکل جاتے ہیں تو ایسے لوگوں پر بطور خود استبراء واجب ہے یعنی جب گمان غالب ہو جائے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تب ہی استبراء کرے۔

۲۔ جہاں ٹھہرا ہوا پانی ہو وہاں پیشاب یا پاخانہ کرنے کی ممانعت ہے۔ طبی نقطہ نظر سے اس کی افادیت ظاہر ہے اس کے علاوہ پانی کو آئندہ کرنا بذاتِ خود ایک مذمومِ خلعت ہے۔ ایسی جگہوں پر جہاں سے پانی بہہ کر آتا ہو یا جہاں لوگوں کی آمد و رفت ہو یا کوئی سایہ دار جگہ ہو جہاں لوگ آرام لینے بیٹھ جاتے ہوں رفع حاجت کرنا حرام ہے۔ اوداؤد نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا الملاعن الثلاث  
البراز فی الموارِد وقارعة  
الطریق والظل۔  
لَعْنَةُ التِّينِ مَوَارِدُ سَجْوٍ لَعْنَةُ  
الْبَرَازِ فِي الْمَوَارِدِ لَعْنَةُ  
الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ۔

(ابوداؤد) (کرنے سے)

معلوم ہوا کہ ان مقامات پر رفع حاجت کرنا گویا اپنے آپ کو بدینِ لعنت بنانا ہے۔ مقبروں پر۔ یعنی وہ جگہ جہاں لوگ اس لئے جاتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں اور آخرت کو یاد کریں ایسے مقامات کو پیشاب یا پاخانہ کی جگہ بنانا منع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

لَا تَجْلِسْ أَحَدًا كَمَا عَلِيَ  
كُوْنِي الْكَارِءَ بِرَيْطُجَةٍ جَاءَتْ جَسَّعَ كَيْلِ  
جَهْرَةً فَتَحْرَقْ شِبَاهَهُ فَتُخْلَصْ  
جَلْ جَائِسٍ أَوْ كَهَالِ جَلْسِ جَاءَتْ يَرِ اس  
اَلِ جِلْدَ لَا خَيْرَ لَهُ مِنْ  
سَ بَہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔  
ان بیچس علی قبر۔

تو جب کسی قبر پر بیٹھ کر گپ شپ کرنا اس درجہ مغضوب ہے تو پھر بول و براز کرنا تو اس سے کہیں زیادہ برا ہے۔

۵۔ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے رفع حاجت کرنا گناہ ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک میدان میں ایسا کرنا گناہ ہے۔ لیکن گھروں میں بنے ہوئے پافانوں میں ایسا کرنا حرام نہیں ہے، استنجا کرتے یا ڈھیلہ استعمال کرتے وقت بھی ایسا کرنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو ہر حالت میں مکروہ تحریمی فرماتے ہیں چاہے میدان ہو یا گھر۔ رسول اللہ کی یہ حدیث کہ:

اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَالِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوْا (یعنی جب پافانے جاؤ تو پیشاب یا پاخانہ القبلة ولا تسند بر وھا کرنے میں قبلہ کی جانب نہ منہ کرو بیول ولا غاٹظ۔ نہ پیٹھ۔

اپنے مفہوم میں عام ہے لہذا امام صاحب اس میں جگہ کی تخصیص نہیں فرماتے۔

۶۔ ہوا کے رخ منہ کر کے فراغت کرنا مکروہ ہے۔ جدھر سے ہوا کا جھونکا آ رہا ہو تو پیشاب کی چھینٹ الٹ کر آ سکتی ہے اور رفع حاجت کرنے والے کو نجس کر سکتی ہے۔ شارع علیہ السلام نے اسی مصلحت کے پیش نظر اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ لوگوں کو پاک صاف رہنے کی ترغیب ہو۔

۷۔ رفع حاجت کی حالت میں بولنا مکروہ ہے۔ یہی نہیں کہ ایسا کرنا خود کلام کی توہین ہے، یہ امکان بھی ہے کہ دوران گفتگو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کا نام یا ایسا ہی کوئی مقدس لفظ زبان پر آجائے۔ البتہ اگر ضرورت بولنا پڑ جائے مثلاً پانی کا لوٹا مانگنے یا ڈھیلہ اٹھا کر



دینے کے لئے یا کسی بچے یا نابینا کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے یا مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے تو ایسے ہی کسی کام کے لئے بولنا مکروہ نہیں ہے۔

۸۔ سورج یا چاند کے سامنے بیٹھ کر رفع حاجت کرنا مکروہ ہے، دونوں اللہ کی قدرت کی نشانی اور اُس کی نعمت ہیں جن سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے نعمت کا احترام اور اس کی قدر کرنا مخلوق پر لازم ہے۔ طبی نقطہ نظر سے بھی سورج کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا مضر ہے۔

۹۔ استنجا بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے کیونکہ دایاں ہاتھ بالعموم کھانا وغیرہ کھانے یا مشروب ہاتھ میں لے کر پینے کے لئے ہے۔ پاک منی، کنکر، پتھر یا کچی اینٹ کے ٹکڑے سے جو بالکل خشک ہوں ان سے استنجا کیا جاسکتا ہے، ہڈی، گولہ، کپڑا یا ایسی چیز سے جو کھانے کے کام میں آتی ہو استنجا کرنا مکروہ ہے، گو بر خشک ہونے پر بھی پاک کرنے والا نہیں ہے۔ نجس اشیاء کو ڈھیلے کے طور پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔ چکناشقان پتھر، سنگ مرمر، شیشہ اور ان جیسی چیزوں کا استعمال جائز نہیں۔

۱۰۔ کسی اور کی ملوکہ دیوار سے ڈھیلے کر استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ڈھیلے سے اُسی نجاست کا ازالہ ہو سکتا ہے جو خشک نہ ہو گئی ہو۔ پیشاب پوسے حشفہ پر نہ پھیل گیا ہو اور پاخانہ صفحہ تک نہ پھیلے ہو (صفحہ کولے کے وہ حصے جو کھڑے ہونے میں مل جاتے ہیں اور حشفہ وہ حصہ ہے جو ختنے کی جگہ سے اوپر ہو) یعنی سپاری عورت کے لئے ڈھیلے سے استنجا جب صحیح ہوگا کہ کنواری کی نجاست اُس حصے سے آگے نہ لگئی ہو جو بیٹھنے وقت کھل جاتا ہے اور شادی شدہ کی نجاست اندرونی حصے سے آگے نہ پھیلی ہو، بصورت دیگر خصوصیت سے پانی کا استعمال کرنا ہوگا جس طرح غیر ختنہ شدہ مرد کا استنجا پانی سے لازم ہوتا ہے، ڈھیلے سے استنجا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تین بار سے کم نہ ہو اور ہر بار پوری جگہ کو صاف کیا جائے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ جسم یا لباس پر لگ جانے والی نجاستوں سے پاک کرنے کے متعلق تھا۔ لیکن نجاست حکمی خواہ حدث اصغر کی وجہ سے لاحق ہو یا حدث اکبر کی وجہ سے انھیں احکام پر عمل کرنے سے رفع ہو سکتی ہے جو شریعت نے دیکھے ہیں۔

نجاستِ حلی کے ضمن میں حدیثِ اصغر کا حکم بیان کرتے ہوئے بتایا جا چکا ہے کہ اس حالت میں نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے نہ قرآن پاک کو ہاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے تا وقتیکہ وضو نہ کر لیا جائے۔ ذیل میں وضو کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ فقہی اصطلاحات فرض، سنت، واجب، مستحب اور مکروہ وغیرہ کی تشریح بھی ان مسائل کے ذکر میں آئے گی۔

**وضو کے معنی اور تعریف** لغت میں اس لفظ کے معنی خوبی اور پاکیزگی کے ہیں چنانچہ وَضًا وَضَاءَةٌ کے معنی ہیں ”وہ اچھا ہو گیا اور پاک ہو گیا“ یہ معنی عمومیت کے حامل ہیں۔ شرع میں خاص طریقہ پاکیزگی کو کہتے ہیں جس سے ظاہری حسی اور باطنی معنوی دونوں طرح کی پاکیزگی (یعنی وضائے حاصل ہوتی ہے۔ اصطلاح فقہ میں وضو سے مراد چہرے، ہاتھوں سر اور پیروں کو ایک خاص ڈھنگ سے دھونا اور مسح کرنا ہے جس کی تفصیل فرائض وضو اور اس کی سنتوں اور مستحیات کے بیان میں آئے آ رہی ہے۔

**وضو کا حکم اور اس سے متعلق امور** وضو کا فعل انجام دینے سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کیفیت یکسر دور ہو جاتی ہے جس کی تشریح حدیثِ اصغر میں بیان کی گئی ہے، شارع علیہ السلام نے حدیث دور کرنے کا یہی طریقہ بتایا ہے جس کے بعد ہی فرض اور نفل نمازیں، سجدہ تلاوت، سجدہ شکر، طواف کعبہ (فرض یا نفل) ادا کیا جاسکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

أَتَطَوَّاتُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِمِّثْلُ  
الضَّلَوةِ إِلَّا أَنْكُمْ مُتَكَلِّمُونَ  
فَبِهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمُ  
إِلَّا بِخَيْرٍ (ترمذی)

کہے کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے سو اس کے کہ طواف میں تم باتیں بھی کرتے ہو تو جب کوئی بات کرے تو بھلائی کے سوا کچھ نہ کہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی طرح ان اعمال کے لئے بھی وضو واجب ہے۔ یہی حکم قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کا ہے خواہ پورا قرآن ہو یا اس کا کوئی حصہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَمْسُكُوا بِالْأَيْدِيكُمْ إِلَى الْمَظْهَرِ

قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھوئیں

قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مکلف شخص قرآن پاک یا اس کے کسی حصے کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ اگر وہ جزدان یا رمل پر ہو تو اس جزدان اور رمل کو بھی بغیر وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے، قرآن کی جلد اگر اصل کتاب سے الگ ہو جائے تب بھی وہ محترم ہے جب تک وہ قرآن کی جلد کہی جاتی رہے۔ اگر گھر یا مسلمان سے کسی شے یا کپڑے پر قرآن رکھا ہو اور اس کو مع قرآن کے اٹھانا ہو تب بھی با وضو ہاتھ لگانا چاہیئے۔

حسب ذیل صورتوں میں بے وضو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے :

- (۱) تباغ پیچے ہوئے قرآن سیکھتے ہوں تو قرآن ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔
- (۲) غلاف کعبہ جس پر قرآنی آیات لکھی ہوں بے وضو ہاتھ میں لیا جاسکتا ہے۔
- (۳) وہ کتابیں جن میں بطور حوالہ قرآنی آیات تحریر کی گئی ہوں بے وضو چھوئی جاسکتی ہیں۔
- (۴) وہ آیات قرآنی جن کو کپڑے میں پیٹ کر تعویذ بنایا گیا ہو۔
- (۵) مسکے جس پر قرآنی آیت منقوش ہو۔
- (۶) قرآن شریف کو پانی میں ڈوبنے یا آگ میں جلنے سے بچانے کے لئے بے وضو اٹھالینا جائز ہے۔
- ۷۔ اگر قرآن عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھا ہوا ہو تو اسے بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔
- ۸۔ کتاب اللہ کو ہاتھ لگائے بغیر تلاوت بے وضو جائز ہے۔ حائضہ عورت کو اور اس شخص کو جس پر غسل واجب ہے ایسا کرنا حرام ہے۔

وضو کی شرطیں تین طرح کی ہیں :

## شرائط وضو

- (۱) واجب کرنے والی شرطیں یعنی جن کی موجودگی میں مکلف انسان پر وضو کرنا واجب ہوتا ہے اگر وہ شرطیں یا ان میں سے کچھ نہ پائی جائیں تو وضو واجب نہ ہوگا۔

(۲) وضو صحیح اور درست ہونے کی شرطیں یعنی وہ شرائط جن کے بغیر وضو ہو ہی نہیں سکتا۔

۳۔ واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں یعنی اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پوری ہو تو وضو واجب بھی نہیں ہوتا اور اگر کر لیا جائے تو درست بھی نہیں ہوتا۔

وضو واجب ہونے کے شرائط (۱) بالغ ہونا۔ جو شخص (مرد یا عورت) بلوغ کی حد کو نہ پہنچا ہو اُس پر وضو واجب نہیں لیکن اگر وضو کر لے تو وہ صحیح تصور ہوگا۔ مثلاً کسی نے وضو کیا اور وہ بالغ نہیں تھا پھر وہ بالغ ہو گیا تو اُسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ صورت اگرچہ نادر الوقوع ہے لیکن جہاں پانی کیاب ہو یا مسافت کی حالت میں پیش آئے تو قابل عمل ہے۔

(۲) نماز کا وقت آ جانا۔ کسی نماز کا وقت آ جائے تو مکلف پر اُس وقت کی نماز ادا کرنا واجب ہے اور چونکہ نماز بغیر وضو ادا نہیں کی جاسکتی اس لئے وضو بھی ساتھ ہی ساتھ واجب ہو جائے گا۔ نفل نماز کے لئے بھی وضو واجب ہے اس لئے جب بھی نفل نماز کا ارادہ کیا جائے اُسی وقت وضو بھی واجب ہو جاتا ہے۔

۴۔ پہلا وضو باقی نہ رہنا۔ یعنی کوئی امر ناقض وضو صادر ہو جائے اور وضو باقی نہ رہے تو پھر سے وضو کرنا واجب ہے ورنہ نماز ادا نہ ہوگی۔ اور وضو کرنے میں حدث لاحق ہو جائے تو دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔

۵۔ وضو کرنے کا مقدور حاصل ہونا اس شرط سے وہ صورت خارج ہو گئی کہ مرض کے سبب پانی کو استعمال کرنے سے عاجز ہو یا پانی وضو کے لئے میسر ہی نہ ہو۔ تیمم کے مسائل میں اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

وضو صحیح ہونے کے شرائط ۱۔ صاحب تمیز ہونا۔ جو بچہ سن تمیز کو نہ پہنچا ہو یا جو مضبوط الحواس ہو اُس کا وضو صحیح نہیں ہے یہی حال اس شخص کا بھی ہے جس کو وضو کرنے کی صحیح تعلیم نہ دی گئی ہو۔

۲۔ اعضائے وضو پر کوئی ایسی شے نہ ہو جو وضو کا پانی بدن پر پہنچنے سے مانع ہو۔ اگرچہ ہر یا ہاتھ پر موم یا کسی قسم کی چکنائی جم کر رہ گئی یا آٹا چپک گیا ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ وضو کرنے کی نیت سے وضو کے فرائض پورے کرنا اس کے بغیر وضو صحیح نہ ہوگا۔

وضو واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں  
۱۔ پانی کا طہور پاک کرنے والا ہونا، غیر طہور پانی  
سے نہ تو وضو صحیح ہوگا اور نہ واجب  
کی تکمیل ہو پائے گی۔

۲۔ عقل۔ صحت وضو اور وجوب وضو کے لئے ضروری ہے لہذا مجنون، مرگی زدہ، مضبوط الحواس  
پر وضو واجب نہیں ہے اور اگر وضو کرے تو صحیح نہ ہوگا۔ اگر کسی فاجر العقل نے وضو  
کر لیا اور بخوشی دیر کے بعد اس مرض سے نجات ہو گئی تو اس وضو سے نماز درست  
نہ ہوگی۔

۳۔ عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔ کیونکہ اس حالت میں عورت پر نہ وضو واجب  
ہے نہ درست ہے، اگر حالت حیض میں کسی عورت نے وضو کیا پھر وہ پاک ہو گئی تو اس  
وضو کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ درست ہی نہ تھا۔ البتہ حائضہ عورت کے لئے مستحب  
یہ ہے کہ نماز کے وقت وضو کر لیا کرے اور اپنی جانناز پر پہنچے جایا کرے اس سے غرض  
صرف یہ ہے کہ نماز چھوٹ جانے کی حالت میں اس سے غفلت پیدا نہ ہو جائے۔

۴۔ نیند اور غفلت کی حالت میں نہ ہونا۔ بعض سوئے ہوئے شخص نیند میں کھڑے ہو جاتے  
اور چلتے پھرتے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں وضو کر لینا  
نہ تو صحیح سمجھا جائے گا نہ واجب۔

۵۔ مسلمان ہونا۔ ظاہر ہے کہ غیر مسلم سے وضو کا مطالبہ نہیں۔ اب اگر کوئی کافر باجمہ منہ اور پیر  
ھوئے تو اسلام کا پیر وہ ہونے کے سبب اس پر وضو واجب ہی نہ تھا۔ اور اگر بعد  
میں وہ مسلمان ہو گیا تو اس کا وہ وضو صحیح متصور نہ ہوگا۔

وضو کے فرائض فرض کے معنی لغت میں کاٹنے یا شگاف کرنے کے ہیں فرضت الغنۃ  
امیں نے لکڑی میں شگاف ڈال دیا اور فرضت الحبل میں نے

رسی کاٹ دی، شریعت میں ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے میں ثواب، اور نہ کرنے میں  
عذاب کا یقین ہو (بے شک و شبہ) فرض رکن کے برابر ہے اس میں اور شرطیں فرق یہ ہے  
کہ فرض کسی چیز کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے جبکہ شرط ماہیت میں داخل نہیں ہوتی مثلاً

تکبیر، رکوع، سجدہ وغیرہ نماز کے فرائض ہیں اور نماز کی ماہیت میں داخل ہیں، ان کے بغیر نماز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، جبکہ ”وقت“ نماز کے لئے شرط ہے ماہیت میں داخل نہیں ہے لیکن لازم ہے جب تک وہ نہیں پائی جائے گی نماز نہیں ہوگی۔ فرض کی تعریف فقہاءوں بھی کرتے ہیں کہ وہ حکم جو قرآن میں یا قرآن وحدیث دونوں میں ہو یا متعدد حدیثوں سے ثابت ہو اُس کا منکر کافر اور اُس کا بلا عذر چھوڑنے والا ناسی ہوتا ہے۔ وضو کے فرائض قرآن کریم میں چار ہیں پہلے چہرے کا دھونا، دوسرے ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔ تیسرے سر یا اُس کے کچھ حصے کا مسح کرنا چوتھے پیروں کا ٹخنوں تک دھونا۔ یہ چاروں فرائض اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَجْزَلِ الْأُجُجِ

(مائدہ-۶)

اے ایمان والو! جب تم نماز کو کھڑے ہو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھو لو اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو ٹخنوں تک دھو لو۔

حنفی فقہاء کے نزدیک یہی چار فرائض ہیں شافعی فقہاء کے نزدیک نیت اور ترتیب (جیسی قرآن کریم میں ہے) ابھی فرض ہے، مالکی فقہاء دھونے میں اتنی جلدی کرنا کہ کوئی عضو خشک نہ ہونے پائے اور دھوتے میں اُس حصے کو ملتے جانا ابھی فرائض میں داخل قرار دیتے ہیں۔ حنفی فقہاء چار فرائض کے علاوہ باقی باتیں یعنی نیت ترتیب موالاة (لگا تار دھونا) اور مکمل مکمل کے دھونا سنت کہتے ہیں جبلی اور مالکی فقہاء پورے سر کا مسح واجب کہتے ہیں لیکن حنفی اور شافعی فقہاء سر کے کچھ حصے کا مسح فرض اور پورے سر کا مسح سنت قرار دیتے ہیں۔

شافعی، مالکی اور جبلی فقہاء کے نزدیک چہرے کو دہاں سے جہاں سر کے بال بالعموم مڑتے ہیں تھوڑی کے آخر تک بے ریش انسان کے لئے اور داڑھی کے سرے تک بارش انسان کے لئے دھونا واجب ہے حنفی فقہاء کے نزدیک اُس جگہ تک دھونا ضروری ہے جہاں تھوڑی ختم ہوتی ہے اگر داڑھی تھوڑی کی بلد سے نیچے تک پہنچی ہو تو اُس کا دھونا واجب نہیں ہے۔ دونوں کانوں کے اوپر کا حصہ شافعی اور حنفی فقہاء چہرے میں شامل کہتے ہیں اس لئے اُس کا دھونا واجب ہے، لیکن مالکی اور جبلی فقہاء اس خالی جگہ کو سر کا حصہ قرار دیتے ہیں اور مسح کرنا کافی

کہتے ہیں۔ ضعیفی علما کا انوں کو بھی چہرے کا حصہ کہتے اور ان کو دھونے کا حکم دیتے ہیں جبکہ باقی تین ائمہ فقہ کا انوں کو چہرے میں شامل نہیں کہتے۔ دائرہ کی بال حکم ہوں کہ نیچے کی سطح نظر آتی ہو تو اس کا خلل کرنا واجب ہے تاکہ کھال تک پانی پہنچ جائے لیکن اگر بال گھنے ہوں تو صرف اوپری سطح کا دھونا واجب ہے خلل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، مالکی فقہاء کے نزدیک گھنی دائرہ کی ہاتھ سے ہلانا واجب ہے۔

**وضو کی سنتیں** سنت کے لغوی معنی طریقہ یا عمل کے ہیں جو عام طور پر کیا جاتا ہو، اصطلاح میں وہ فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو یا کئے کا حکم دیا ہو سنت کہلاتا ہے، حنفی فقہاء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں۔ سنت مؤکدہ اور سنت غیر مؤکدہ۔ سنت مؤکدہ وہ عمل ہے جسے نبی علیہ السلام نے ہمیشہ کیا ہو اور بلا عذر کبھی نہ چھوڑا ہو ان کے نزدیک یہ واجب کے مانند ہے، فرائض کے بیان میں وضو کے لئے چار فرضوں کا ذکر کیا گیا ہے باقی باتیں جو دوسرے ائمہ فقہ کے یہاں واجب قرار دی گئی ہیں وہ حنفیوں کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں۔ واجب کا ترک کرنے والا حنفی مسلک میں ایسا گنہگار نہیں ہوتا جیسا فرض کا تارک، لہذا واجب کا تارک عذاب و دوزخ کا سزاوارتو نہ ہو گا لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے معروم رہے گا۔ تو حنفی علما جس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اس سے مراد وہی واجب ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ سنت کی دوسری قسم غیر مؤکدہ ہے اس کو مندوب کہتے ہیں اس کا کرنے والا ثواب پاتا ہے نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا۔

وضو میں چند امور سنت مؤکدہ ہیں ان میں سے ایک تسمیہ (بسم اللہ کہنا) ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تسمیہ کے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں **بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ**۔

وضو بجالانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو تین بار دھولینا سنت ہے۔ اسی طرح تین تین بار تھکی کرنا اور تین بار ناک میں پانی پہنچانا بھی سنت مؤکدہ ہے۔

ہاتھ پیر کی انگلیوں کی گھائیوں میں خلل کرنا بھی سنت مؤکدہ ہے۔ اعضاء وضو میں سے ہر عضو پر ایک بار پوری طرح پہنچانا تو فرض ہے دوسری اور تیسری بار دھونا

سنت موکدہ ہے۔

سر کے چوتھائی حصے کا مسح تو فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت موکدہ ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے انگلیوں کے سرے ملا کر اگلے حصے سے مسح کرتے ہوئے پیچھے گردن تک لے جایا جائے تاکہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔

دونوں کانوں کا مسح کرنا بایں طور کہ کان کے بیرونی حصے کا مسح انگوٹھے کے اندرونی حصے سے اور داخلی حصے کا مسح کھلے کی انگلی سے کیا جائے۔

نیت وضو کرنے کی ہونا حنفیوں کے نزدیک سنت، شافعی اور مالکی فقہاء کے نزدیک فرض اور حنبلی فقہاء کے نزدیک شرط ہے۔ نیت کا تعلق دل سے ہے اور نیت کا وقت وہ ہے جب منہ دھویا جائے اگر نیت کے الفاظ منہ سے ادا کئے جائیں تو یہ مستحب ہے جیسے نَوَيْتُ أَنْ اتَوَضَّاءَ لِلصَّلَاةِ تَقَرُّبًا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى (میں وضو کرنے کی نیت کرتا ہوں نماز کے لئے تاکہ قرب الہی حاصل ہو) یا نَوَيْتُ رَفْعَ الْحَدَاثِ (ناپاک دور ہونے کی نیت کرتا ہوں) یا نَوَيْتُ الطَّهَارَةَ (پاک ہونے کی غرض سے وضو کی نیت کرتا ہوں) یا نَوَيْتُ اسْتِبَاحَةَ الصَّلَاةِ (نماز روا ہونے کے لئے وضو کی نیت کرتا ہوں)

اسی ترتیب سے وضو کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یعنی چہرہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں تک پھر سر کا مسح کرنا اور آخر میں دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا سنت موکدہ میں سے ہے۔ اعمال وضو میں تسلسل سے کام لینا جسے موات کہتے ہیں یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ پہلے دھویا ہوا عضو خشک ہو جائے یہ بھی حنفیوں کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

سنت موکدہ میں سے مسواک کرنا ہے کسی بھی کڑوے درخت کی مسواک منہ کو خوشبودار کرنے کے لئے مفید ہے، اس سے مسوڑھے اور دانت صاف ہوتے ہیں، معدہ قوی ہوتا ہے، دانت کی جھریوں کا میل پھیل مٹے ہیں نہیں جاپاتا۔ مستحب طریقہ مسواک کرنے کا یہ ہے کہ اس کو دائیں ہاتھ میں اس طرح پکڑیں کہ انگوٹھا سرے پر مسواک کے نیچے اور چھٹا گلیا آخر میں نیچے کی جانب رہے، باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔ کلی کرتے وقت مسواک کرنا چاہیے



لیٹے لیٹے سواک کرنا مکروہ ہے۔

**وضو کے مندوب و مستحبات** غیر مؤکد و سنتوں میں بہت سی وہ باتیں ہیں جن کو بعض اکملہ فقہ مندوبات، مستحبات، تطوع اور فضیلت میں شمار کرتے ہیں، مثلاً مرد اگر ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہو تو وضو کرتے وقت اسے ہلائے جلائے تاکہ پانی پہنچ جائے۔ یہ باتیں بھی وضو کے مندوبات میں ہیں۔

وضو کرتے وقت قہیل کی طرف منہ کرنا اور پاک جگہ پر وضو کرنا اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا، دائیں کو بائیں پر مقدم رکھنا، کان کے سوراخ میں ترچھٹکلیا پھرنا، دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی کو بائیں پر مقدم رکھنا، کان کے سوراخ میں ترچھٹکلیا پھرنا، دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا، پہلے پانی کے بیان میں اس کے مکروہ ہونے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوران وضو میں بے ضرورت کوئی بات نہ کرنا۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ والحمد للہ علی دین الاسلام کہنا اور اکملہ شہادت پڑھنا اور حسب ذیل دعائیں پڑھنا:

گنتی کے وقت :- اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحَسْبِ عِبَادَتِكَ  
ناک میں پانی پہنچاتے وقت :- اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِخْنِيْ رَائِحَةَ النَّارِ  
چہرہ دھوتے وقت :- اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَبْيِضُ وُجُوهٌُ وَكَسُوْهُ وُجُوهٌُ  
دایاں ہاتھ دھوتے وقت :- اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِمِيْمِنِيْ وَحَاسِبِيْ حِسَابًا لَا يُسِيْرُ  
بایاں ہاتھ دھوتے وقت :- اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِسِسَارِيْ وَلَا مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِيْ  
سرہ مسح کرتے وقت :- اَللّٰهُمَّ اِظْلِمْنِيْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ  
کانوں کو مسح کرتے وقت :- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْتَمْعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحَدَهُ  
گردن کا مسح کرتے وقت :- اَللّٰهُمَّ اَعِزَّنِيْ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّاسِ  
دایاں پاؤں دھوتے وقت :- اَللّٰهُمَّ كَثِّبْ قَدَمِيْ عَلَى الصَّوْطِ يَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ  
بایاں پاؤں دھوتے وقت :- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَسَعْيِيْ مَشْكُوْرًا وَتَجَلِّدْنِيْ  
وضو سے فارغ ہونے کے بعد سورۃ قدر کا تین بار پڑھنا اور وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہو کر یہ کہنا  
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

لَهُمْ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ۔

تیا من یعنی اعمال و نیکو کارائیں ہاتھ سے اور دائیں جانب سے شروع کرنا عام طور پر فقہ کی کتابوں میں مستحب لکھا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے اس کو سنت قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں فالاصح انہ سُنَّةٌ لِمَا وَظَلَّتْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَلِقَوْلِهِ اِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدُؤْا بِمِائِئْتِمْ رَوَاهُ ابُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَہُ وَابْنُ خُزَیْمَہُ وَابْنُ حِبَّانَ (یعنی زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ آنحضرتؐ ہمیشہ دائیں طرف سے ابتدا کرتے تھے اور آپؐ کا ارشاد ہے کہ جب تم لوگ وضو کرو تو اپنی دائیں طرف سے شروع کرو)

**وضو کی مکرو بات** کراہت کی دو قسمیں ہیں کراہت تنزیہی اور کراہت تحریمی۔ مکروہ تحریمی یہ ہے کہ سنت مکروہ ہیں کسی سنت کو یا امر واجب کو جو فرض سے کم ہے ترک کرنا اور مکروہ تنزیہی یہ ہے کہ مندوب مستحب امور میں سے کوئی امر ترک کر دیا جائے جس کے نہ کرنے سے عذاب تو نہیں ہوگا لیکن کرنے میں ثواب ہے۔ مثلاً چہرہ دھوتے وقت پانی کو چھینٹا زور سے مارنا کہ اس کی چھینٹیں اڑیں، یا بائیں ہاتھ سے ناک میں پانی پہنچا کر دائیں ہاتھ سے صاف کرنا، سر یا کان کا مسح تین تین بار پانی لے کر کرنا، وضو کا کوئی برتن مخصوص کر لینا کہ اس کے سوا کسی اور برتن سے وضو نہ کیا جائے، گندمی جگہ پر وضو کا پانی گراتا، اٹنا کئے وضو میں کوئی اور بات چیت کرنا، جتنا پانی وضو کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا، یہ جب کہ وضو کرنے والا وضو کے پانی کا مالک ہو۔ لیکن اگر وہ پانی وضو کے لئے وقف کیا گیا ہو تو اس کا استعمال مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے بشرطیکہ وہ پانی کسی حوض میں نہ ہو۔ روزہ دار کا کھلی میں مبالغہ کرنا یا ناک، میں زور سے پانی کیہ چھیننا بھی مکروہ ہے۔

**نواقض وضو** جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انھیں نواقض وضو کہتے ہیں نقص کسی چیز کو یا سد یا خراب کرنے کو کہتے ہیں۔ نواقض وضو چند اقسام کے ہیں :

۱۔ انسان کے آگے یا پیچھے (یعنی پشت یا پاخانے کے مقامات) سے کوئی چیز خارج ہونا۔ عادت انسانی کے مطابق جیسے پاخانہ، پیشاب، ریا ح یا غیر مطابق جیسے کچھ،

کیڑا یا اور کوئی چیز۔

۲۔ وہ امور جو ان مقامات سے کسی چیز کو نکالنے کا موجب ہوں۔ مثلاً عفتل کا جھٹا رہنا، شہوت کے ساتھ کسی عورت یا کسی عورت جیسے مرد کو چھونا۔ عضو مخصوص اور دوسرے حس اعضا کو مس کرنا جبکہ کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو۔

۳۔ جسم کی کسی اور جگہ سے کوئی چیز خارج ہونا جیسے خون اور پیپ (بلغم یا تھوک جو بالعموم ہر انسان کے منہ سے خارج ہوتا رہتا ہے یا نزلے کا پانی اور آنکھ سے آنسو تو یہ چیزیں ناقض وضو نہیں ہیں)

آگے سے خارج ہونے والی چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن غسل واجب نہیں ہوتا پیشاب، مذی اور ودی ہیں۔ مذی ایک رقیق مادہ ہے جس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے اور شہوانی احساس کے ساتھ خارج ہوتا ہے لیکن وہ مادہ تولىبہ نہیں ہوتا جو لذت کے ساتھ خارج ہوتا ہے اور غسل کو واجب کر دیتا ہے، اور ودی سفید رنگ کا گاڑھا مادہ ہے جو پیشاب کرنے کے بعد اکثر نکل آتا ہے، عورتوں کو بھی ولادت سے پہلے یہ صورت پیش آ جاتی ہے۔ یہ چیزیں آگے کے راستے سے ہی خارج ہوتی ہیں ان کے خارج ہوتے ہی وضو باقی نہیں رہتا۔

یہیچھے سے خارج ہونے والی چیزوں میں پاخانہ اور ریاح ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کے ناقض وضو ہونے کی بابت اجماع ہے، ان دونوں راستوں سے غیر عادی طور پر خارج ہونے والی چیزوں میں کچھ لہو پیپ، یا کیڑا یا کسکری ہے تو ان چیزوں کے نکلنے سے بھی وضو قائم نہیں رہے گا۔

ان دونوں راستوں سے خارج ہونے کے علاوہ جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ چار ہیں:-

۱۔ وضو کرنے والے کی عفتل جاتی رہے خواہ جنون سے، مرگی سے، بے ہوشی سے، نشہ آور چیز پینے یا کھانے سے اور نیند سے۔ نیند بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ اس لئے کہ اس حالت میں وضو توڑنے والی بات لاحق ہو سکتی ہے اور یہ تین حالتوں میں ہوتا ہے :

پیٹھ کے سہارے چت لیٹ کر، یا پیٹھ کسی چیز سے ٹیک لگا کر سو جانے سے یا کہ وہیں سے کسی کو لپے پر سہارا کر کے سونے سے لیکن اگر بیٹھا رہا اور کو لپے جگہ سے نہیں ہٹے تو وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح کھڑے کھڑے یا رکوع کی حالت میں یا سجدے میں سر رکھنے کی حالت میں اگر نیند آگئی تو بھی وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ ان حالات میں انسان اپنے کو سنبھالے ہوئے ہوتا ہے، آنحضرت کا ارشاد ہے:

ان الوضوء لا یجب الا من سونے سے وضو اسی حالت میں واجب

نام مصطلحاً فانہ اذا اضطجع ہوتا ہے جب کوئی لیٹ کر سو جائے

استترخت مفاصلہ (الوداؤد ترمذی) کیونکہ لیٹنے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اضطجاع دو طرح کا ہوتا ہے، پیٹھ کے بل چت لیٹ کر یا کہ وہیں سے بل کر وٹ سے لیٹ کر۔ بیٹھے ہوئے یا سجدے میں اگر گہری نیند آگئی تو بھی وضو ٹوٹ گیا۔

۲۔ شہوت انگیز وجود کو چھونا۔ فقہا کی اصطلاح میں لفظ مَسّ بھی آیا ہے اور لمس بھی ہوتا ہے ہاتھ سے چھونے کو اور لمس دو جسموں کے اعضا باہم مل جانے کو کہتے ہیں۔ عام بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے اعضائے بدن کو چھونے تو اس میں استلذاذ کا خیال نہیں ہوتا لیکن بعض ایسی احادیث ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگائے (غالباً لذت حاصل کرنے کے لئے) تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ جو شخص اپنے جنسی عضو کو مس کرے اُسے

فَلْيَتَوَضَّأْ جہا پیچے کہ وضو کرے۔

علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے باقی تینوں امام اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو مطلقاً ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ امام اعظمؒ کو اس سے اختلاف ہے وہ اُن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو ابن ماجہؒ کے سوا دوسرے محدثین نے روایت کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں حکم معلوم کیا گیا جو نہانے کے دوران اپنے جنسی عضو کو ہاتھ لگائے۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا:

ہل هو الا بضعۃ منك (وہ بھی تمہارے جسم کا ایک حصہ ہونے کے سوا اور کیا ہے)

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں جو روایات آئی ہیں اُن میں یہ روایات سب سے زیادہ حَسَن ہے۔ یہ بات قرین عقل ہے کہ اگر کھجلی وغیرہ ہونے سے کوئی شخص بے اختیار ہاتھ لگائے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے جسم کے کسی حصے کو بھی انسان چھوئے کیونکہ مقصود استلذاذ نہیں بلکہ وقتی تکلیف کو رفع کرنا ہے۔ یہ اس حالت کا ذکر ہے جب ایک شخص خود اپنے عضو کو چھوئے، رہا دوسرے شخص کے عضو کو چھونا تو وہ لاس کہلائے گا اس کا حکم آگے بیان ہو رہا ہے۔

۳۔ مرد کا عورت کو بلا واسطہ شہوت کے ساتھ چھونا اللہ یہ کہ دونوں بائغ ہوں۔ اگر لاس بائغ ہے اور ملموس نابائغ تو لاس کا وضو ٹوٹ جائے گا ملموس کا نہیں، عورت کے اجزائے بدن میں سے بال دانت ناخن مستثنیٰ ہیں ان کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح محرم کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ محرم وہ ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے خواہ نسب سے یا دودھ یا نکاح کے رشتے سے۔ بیوی کی بہن، بھوپھی یا خالہ وغیرہ جو عاضی محرم ہوتی ہیں اُن کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ جس طرح مرد کا عورت کو ہاتھ لگانے کا حکم ہے اسی طرح عورت کا مرد کو ہاتھ لگانے کا حکم ہے۔ مرد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یا عورت عورت کو چھوئے، یا محنت محنت کو چھوئے تو یہ چھونا ناقض وضو نہیں ہے، لمس میں منہ چومنا داخل ہے لیکن یہ اُسی وقت ناقض وضو ہے جب محض لذت کی خاطر ہو۔ رخصتی کے وقت یا ازراہ شفقت و اظہار خلوص و عقیدت سے چومنا وضو کا نہیں توڑتا۔ اگر مس نہیں کیا بلکہ خیال کرنے یا دیکھنے سے استادگی ہو کر مندی خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ ۴۔ دونوں راستوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے خارج ہونے والی چیزوں سے وضو جاتا رہتا ہے مثلاً قحہ ہو جانا۔ بھوڑے سے پیپ نکلنا۔ زخم وغیرہ سے خون بہنا، یہ سب نجس چیزیں ہیں، ان کے نکلنے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ جنبی فقہاء کے نزدیک ان نکلنے والی چیزوں کی مقدار زیادہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا جہالت زدہ لوگ جو مغلوب الغضب ہو کر کلمات کفر کہتے ہیں اور دین سے مرتد ہونے والے الفاظ بول دیتے ہیں ایسے اشخاص با وضو ہوں تو اُن کا وضو جاتا رہتا ہے۔

حنفی فقہاء کے نزدیک نماز میں آواز کے ساتھ ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ ہنسی ایسی ہو کہ صرف خود کو سنائی دے لیکن پاس کا آدمی نہ سن سکے تو وضو نہیں جاتا مگر نماز باطل ہو جاتی ہے کسی بڑے جانور (مثلاً اونٹ وغیرہ) کا گوشت کھانے اور میت کو نہلانے سے وضو نہیں جاتا۔ حنبلی فقہاء کو اس سے اختلاف ہے۔ حدیث لاحق ہونے میں اگر شبہ ہو جائے تو محض تنک سے وضو نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ اسے یہ یاد ہو کہ وہ پہلے با وضو تھا۔

اوپر جو مسائل بیان ہوئے وہ اُس نجاست حکمی کو دور کرنے سے متعلق تھے جو حدیث اصغر سے لاحق ہوتی ہے۔ حدیث اکبر سے لاحق ہونے والی نجاست دور کرنے کا طریقہ اسلامی شریعت میں غسل کرنا ہے کیونکہ یہ وہ کیفیت ہے جس سے سارا جسم منکلیف ہوتا ہے۔

**غسل کے معنی اور تعریف** لغت میں غسل اس عمل کو کہتے ہیں جو بدن پر پانی بہانے اور اُسے مل کر دھونے کی صورت میں کیا جائے۔ (غسل وہ چیز جس سے کسی چیز کو دھویا جائے جیسے صابون وغیرہ اور غسل وہ پانی جو دھونے میں استعمال کیا جائے) شرع کی اصطلاح میں اس سے مراد آب طہور کا تمام بدن پر ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ تمام بدن کے فقرے سے وضو کا عمل خارج ہو گیا کیونکہ اُس میں پانی کا استعمال بدن کے چند اعضا پر ہوتا ہے۔

**موجباتِ غسل** غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگر مرد کے عضو جنسی کا سرا جیسے سیبڑی بھی کہتے ہیں، عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو (شرم گاہ پیشاب کی جگہ) اور پاخانے کی جگہ دونوں کو کہتے ہیں) تو سیبڑی کے داخل ہوتے ہی غسل واجب ہوتا ہے خواہ مادہ تولید وغیرہ خارج ہو یا نہ خارج ہو۔ حکم یہ ہے کہ جب مرد کے فتنے کی جگہ دوسرے کی شرم گاہ کے اندر داخل ہو جائے تب غسل واجب ہوتا ہے یہی مطلب ہے اس ارشاد کا اذاللتقی الختانان فقد وجب الغسل۔ فقہائے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ داخل کرنے اور کرانے والے جماع کے قابل ہوں یعنی بالغ ہوں اور درمیان میں ایسی کوئی دینے والے سائل نہ ہو جس سے داخل ہونے والی چیز کی گرمی محسوس نہ ہو تو دونوں پر غسل واجب

ہو جائے گا، لہذا اگر دونوں میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ مثلاً اگر عورت بالغ ہو اور دس سال کا لڑکا یا عجل کرے تو عورت پر غسل واجب ہوگا لڑکے پر نہیں ہوگا۔ لیکن اسے بھی غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسے نہار پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس پر فرض نہیں ہوتی۔ نابالغ لڑکی کا بھی یہی حکم ہے جو نابالغ لڑکے کا ہے۔

۲۔ غسل واجب ہو جاتا ہے اگر مرد یا عورت کی منی (وہ مادہ جسے مادۂ تولید کہتے ہیں) خارج ہو۔ انزال منی نام ہے مادۂ تولید کے حرکت کرنے کا اس کی وہ حالتیں ہیں۔ انزال عالم بیداری میں ہو خواہ مجامعت کرنے سے یا چھڑچھاڑ کرنے، چٹپٹے اور بوسہ لینے وغیرہ کسی عمل سے۔ لذت کے ساتھ انزال ہو جائے تو غسل واجب ہوگا، دوسری حالت خواب میں انزال ہونے کی ہے اس کو احتلام کہتے ہیں۔ اگر بیدار ہونے کے بعد انزال کی لذت یاد نہ آئی لیکن اس نے کپڑے یا عضو مخصوص پر تری پانی تو بھی غسل واجب ہے اگرچہ یہ شبہ ہو کہ منی ہے یا ندی ہے لیکن اگر یہ یقین ہو جائے کہ وہ تری منی کی نہیں ہے تو غسل واجب نہ ہو گا مرد نے بیوی سے جماع کیا پھر پیشاب کئے بغیر یا مزید انتظار کئے ہوئے غسل جنابت کر لیا اور غسل کے بعد باقی منی خارج ہو گئی تو دوبارہ غسل کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر پیشاب کر لیا تھا اور چلا پھر اٹھا اور منی نکل جانے کا انتظار کر کے نہایا تھا تو دوبارہ غسل واجب نہیں ہے۔

اس باب میں عورت کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر جماع کے بعد غسل کر لیا اور پھر منی خارج ہوئی تو دیکھنا چاہیے کہ نہانے سے پہلے انزال ہوا تھا یا نہیں اگر نہیں ہوا تھا تو دوبارہ غسل واجب نہیں کیونکہ غسل کے بعد جو چیز نکلی وہ صرف مرد کی تھی۔ لیکن اگر اُسے انزال ہوا تھا تو ضرور اُس کا پانی مرد کے پانی سے مل گیا تھا اور اب جو کچھ نکلا ہے اس میں اُس کی منی بھی شامل ہے اس لئے دوبارہ غسل واجب ہے۔

۳۔ عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے حیض یا نفاس کا خون آنے کے بعد حیض اور نفاس کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی، یہاں موجبات غسل کا ذکر مقصود ہے تو جس عورت کو حیض یا نفاس کا خون آئے اُس کے بند ہوتے ہی غسل کرنا واجب ہے، اگر سچہ خون

آئے بغیر ہی پیدا ہو جائے تو اس کی ولادت ہی کو نفاس تصور کیا جائے گا، ایسی عورت کو بچے کی ولادت کے بعد غسل کر لینا واجب ہے۔

۴۔ غسل واجب ہو جاتا ہے اُس مسلمان مرد و عورت پر جو وفات پا جائے موائے اس صورت کے جب کہ وہ شہید ہوا ہو۔ شہید کو غسل دینا واجب نہیں ہے، شہید کی تعریف اور اُس کے متعلق مسائل جنازے کے باب میں آگے آئیں گے۔

۵۔ اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اُس پر غسل واجب ہے کیونکہ کفر اور شرک بذات خود نجاست ہے لیکن اگر موحد ہو (جیسے عیسائی یا یہودی) اور حالت جنابت میں نہ ہو اور مسلمان ہو جائے تو غسل واجب ہے۔ یہ صرف مستحب ہے۔

**غُسل کی شرطیں** وضو واجب ہونے کی جو شرطیں بیان کی جا چکی ہیں وہی غسل کے لئے ہیں بجز چند باتوں کے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ وضو کی ایک شرط مسلمان ہونا ہے غسل میں یہ شرط اُس وقت ضروری نہیں جب کسی مسلمان کی بیوی کتا بید ہو، تو کتا بید بیوی حیض و نفاس سے فارغ ہو کر جب تک غسل نہ کر لے مسلمان شوہر کو اس کے پاس جانا حلال نہیں ہے بخلاف مسلمان بیوی کے جو اگر حیض و نفاس سے فارغ ہو کر نہ نہائی ہو تب بھی حیض میں دس دن کے بعد اور نفاس میں چالیس دن کے بعد جانا حلال ہے البتہ اگر اس سے کم عرصوں میں خون بند ہو گیا تو شوہر کے لئے بیوی کے پاس جانا حلال نہ ہو گا جب تک وہ غسل نہ کر لے۔

۲۔ وضو کے لئے پہلے استنجا کر لینا ضروری ہے اگر پیشاب وغیرہ کیا ہو لیکن غسل جنابت سے پہلے پانی یا ڈھیلے سے استنجا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ "حالت جنوں میں وضو کرنا" صحیح وضو نہیں تصور ہوتا ہے بخلاف غسل کے اگر کسی دیوانی عورت کو حیض آیا اور پھر جب اس نے غسل کیا تو بھی جنون کی حالت تھی تو غسل صحیح ہو گا۔ شوہر کو اس کے پاس جانا حلال ہے۔

**غسل کے فرائض** امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل میں صرف ایک بات فرض ہے اور وہ ہے تمام جسم پر پانی پہنچانا، منہ اور ناک جسم میں داخل



ہیں، انہیں اسی طرح دھونا چاہیے جیسے وضو میں واجب ہے، اسی طرح بالوں کے درمیان پانی پہنچانا ضروری ہے۔

امام شافعی غسل کے فرائض دو فرماتے ہیں (۱) غسل کی نیت اور (۲) تمام بدن پر پانی پہنچانا۔ غسل میں سب سے پہلے جس عضو کو دھویا جائے اُس کے ساتھ ہی غسل کی نیت ہونا چاہیے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غسل کے تین فرض فرماتے ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) تمام بدن کو پانی سے دھونا۔

امام مالکؒ کے نزدیک غسل کے پانچ فرائض ہیں (۱) نیت کرنا (۲) تمام جسم پر پانی ڈالنا۔ (۳) جسم کے ہر عضو کو پانی ڈالنے کے ساتھ ملتے جاتا (۴) اعضاء کو یکے بعد دیگرے جلدی جلدی دھونا (۵) بالوں میں پانی کے ساتھ خلل کرنا۔

تمام ائمہ اس امر میں متفق ہیں کہ پانی تمام بدن پر پہنچانا فرض ہے اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ ناف کا گڑھا اور کان میں جو گڑھے ہوتے ہیں سب میں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو پہنچانا ضروری ہے، اس پر بھی سب متفق ہیں کہ جسم کے کسی حصے میں سوراخ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ملکی یا سلائی سے پانی پہنچایا جائے۔ اس امر میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ بال اگر چھدرے ہوں تو خلل کر کے پانی جلد تک پہنچانا چاہیے نیز وہ چیزیں جو پانی کو جلد تک پہنچانے میں مانع ہوں انہیں ہٹا دینا چاہیے۔ مثلاً آٹا اور موم۔ انگوٹھی یا چھلّا اگر انکلی میں ایسا تنگ ہو کہ اُس کے نیچے سے پانی نہ گزر سکے تو اُسے پانی ڈالتے وقت ہٹا نا چاہیے، گندھے ہوئے بالوں کے لئے علماء فقہ کے ارشادات یہ ہیں :-

حنفی فقہاء جو ٹی کھولنے کو واجب نہیں کہتے البتہ بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہے جو بالوں کو ہلکا کر ان کے اندر داخل کیا جاسکتا ہے۔ سر پر غورتیں ایسا مسالہ لگا لیتی ہیں جو پانی کو جڑوں تک پہنچنے میں مانع ہوتا ہے، نہاتے وقت اُسے دور کرنا واجب ہے سوائے مالکی فقہاء کے تمام دوسرے فقہاء اس بارے میں متفق ہیں۔ مالکی فقہاء لہسن کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ سالہ اور سنگار کی استیاء نہاتے وقت بھی لگی رہنے دیں۔ شافعی فقہاء کا قول یہ ہے کہ اگر

بغیر چوٹی کھولے پانی اندر تک نہ پہنچ سکے تو اُسے کھول دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ جنبلی فقہاء کے نزدیک مردوں کے بال اگر گندھے ہوئے ہوں تو کھول دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ عورتوں کے لئے غسل جنابت میں چوٹی کھولنا واجب نہیں ہے۔ حیض و نفاس کے غسل میں واجب ہے۔

**غسل کی سنتیں** فقہائے احناف حسب ذیل امور کو غسل کی سنتوں میں شمار کرتے ہیں۔  
۱۔ دل میں نیت کر کے غسل شروع کرنا کہ غسل جنابت یا کوئی اور غسل جس کا ارادہ ہو اُس کی نیت کرتا ہوں۔

۲۔ غسل کا آغاز تسبیح (بسم اللہ کہنے) سے کرنا۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک تین بار دھونا۔

۴۔ جہاں کہیں کوئی نجاست لگی ہو پہلے اُسے دھو ڈالنا اور پاخانے پیشاب کے مقامات کو دھونا خواہ نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

۵۔ غسل سے پہلے وضو کرنا جس طرح نماز کا وضو ہوتا ہے لیکن اگر کھڑاؤں وغیرہ نہ ہو تو پیر کو بعد میں دھویا جاسکتا ہے۔

۶۔ غسل کا آغاز پہلے تین بار سر دھونے سے کرنا۔ پہلی بار دھونا فرض ہے باقی دو بار سنت۔

۷۔ جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے بدن کو ملنا اور ہر جانب تین تین بار دھونا۔

۸۔ تیامن یعنی دھونے میں دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم رکھنا۔

۹۔ موالات یعنی اعضائے غسل کو تسلسل کے ساتھ دھونا کہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

۱۰۔ غسل میں اُس ترتیب کا لحاظ رکھنا جو اوپر مذکور ہیں۔

**غسل کے مستحبات** وہ تمام باتیں جو وضو میں مستحب ہیں غسل میں بھی مستحب ہیں۔ بجز دعائے مأثورہ کے۔ منجملہ مستحب باتوں کے ستر کو ڈھکا رکھنا اور بالوں اور انگلیوں میں خمدال کرنا ہے اور ایسی جگہ نہانا جو پاک ہو اور جہاں پانی کے چھینٹے اڑ کر نہ پڑیں۔

**غسل کے مکروہات** غسل کی سنتوں میں سے کسی سنت کو ترک کر دینا مکروہ ہے۔  
 اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ غسل کرنے کے سلسلہ میں تھا اور غسل کے  
 موجبات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں جن سے غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔  
**غسل مسنون** وہ غسل جو فرض نہیں مگر سنت ہے چار ہیں۔  
 ۱۔ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا۔

- ۲۔ عیدین کی نماز کے لئے غسل کرنا۔
- ۳۔ حج یا عمرے کا احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا۔
- ۴۔ عرفات میں قیام کے لئے غسل کرنا۔

**حالت جنابت سے متعلق احکام** کوئی ایسا شرعی کام جو بغیر وضو کے نہیں کیا جاسکتا  
 حالت جنابت میں غسل کرنے سے پہلے اُس کا کرنا  
 حرام ہے۔ ایسی حالت میں نماز پڑھنا۔ قرآن شریف پڑھنا حرام ہے، اُس کو چھونا بدرجہ اولیٰ  
 حرام ہے کیونکہ پاک شخص کو بھی بغیر وضو قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے  
 متعلق بھی یہی حکم ہے اگرچہ بغیر وضو کے داخل ہونا منع نہیں ہے حیض و نفاس والی عورت  
 جب تک غسل نہ کر لے جنابت کی حالت میں ہوتی ہے اور اُس پر بھی یہی احکام عائد ہوتے  
 ہیں؛ اس حالت میں اس سے مباشرت کرنا مرد کے لئے حلال نہیں ہے۔ جو شخص حالت جنابت  
 میں ہو (مرد یا عورت) اُسے زبان سے بھی تلاوت نہ کرنا چاہیے، اگرچہ بے وضو کے زبانی پڑھنے  
 کی اجازت ہے۔ شارع نے حالت جنابت میں کسی قدر قرآن پڑھنے اور مسجد میں جانے کی  
 اجازت بعض مخصوص صورتوں میں دی ہے اور وہ یہ ہیں:

اگر کھانا کھاتے وقت بسم اللہ کہہ لے یا سبحان اللہ، الحمد للہ کسی اچھی بات پر کہے تو  
 اس کی اجازت ہے یا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی دلیل کے طور پر ایک یا آدھی آیت کا  
 حوالہ دینا پڑے تو بھی جائز ہے، ان کے علاوہ کسی اور صورت میں قرآن شریف کا کچھ بھی پڑھنا  
 حالت جنابت میں حلال نہیں ہے۔ اسی طرح بلا ضرورت مسجد میں داخل ہونا بھی حالت جنابت  
 میں حلال نہیں ہے۔

ضرورت کا تعین حالات بد موقوف ہو گا مثلاً مسجد کے سوا کہیں سے غسل کا پانی نہ مل سکتا ہو یا کسی خطرے کے خوف سے مسجد میں داخل ہونا پڑے تو ایسی حالت میں لازم ہے کہ تیمم کر لیا جائے لیکن اس تیمم سے قرآن پڑھنا یا نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

**حیض کے متعلقہ مسائل** لغت میں حیض کے معنی بہنے کے ہیں، حاض الوادی کے معنی ہیں وادی بہنے لگی اور حاضنت الشجرۃ اس وقت کہتے ہیں جب درخت سے سرخ رنگ کا گوند نکلے اسی طرح جب عورت کو حیض کا خون پیشاب گاہ سے آئے تو کہا جاتا ہے حاضنت المرأة۔

دم حیض اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کی شرمگاہ سے از خود (قدر رقی طور پر) اس عمر میں نکلتا ہے جب اس میں استقرار حمل کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ مالکی فقہاء کے نزدیک یہ تین رنگوں کا ہو سکتا ہے بالکل زرد یا سرخ یا مثیلاً۔ اس تعریف سے واضح ہو گیا کہ جو خون از خود نہ نکلے بلکہ کسی سبب سے نکلے وہ دم حیض نہ ہو گا، اسی طرح اگر بہت چھوٹی عمر میں نکلے یا ایسی عمر میں نکلے جب ماہواری خون کا آنا بند ہو چکا ہو تو وہ بھی دم حیض نہیں ہو سکتا

**حیض کی مدت** وہ عرصہ جس کے دوران عورت حائضہ منصور ہوتی ہے، حنفی فقہاء کے نزدیک اُس کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس رات دن ہے، ہر عورت کے یہ ایام اُس کی عادت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً اگر کسی کو ایام حیض کی عادت تین دن سے بڑھ کر چار دن ہو جائے تو چوتھا دن بھی حیض میں شمار ہو گا اور یہی صورت دس دن کی مدت تک رہے گی۔ ایام عادت کا تحقق ایک ہی بار میں ہو جاتا ہے۔ اگر ایام حیض کی عادت چار دن ہے اور پانچویں دن بھی خون آگیا تو اب ایام عادت پانچ دن شمار ہوں گے البتہ اگر خون دس دن سے زیادہ تک رہا تو عورت مستحاضہ خیال کی جائے گی صرف عادت کے دنوں کو حیض کے دن شمار کیا جائے گا یعنی حیض کے ایام وہی ہوں گے جو عادت کے ہیں اور زیادہ دن جن میں خون آیا وہ استحاضہ ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

**ٹہر کی مدت** یعنی وہ زمانہ جس میں عورت کو حیض نہیں آتا کم سے کم پندرہ دن ہے بشرطیکہ دو حیضوں کے درمیان ہو، پاکی کی حالت (یعنی ٹہر) کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے چنانچہ اگر حیض کا خون بند ہو گیا اور پھر نہ آیا تو اس عورت کو ٹہر کی حالت میں شمار کیا جائے گا اگر کسی عورت کو حیض کا خون آیا اور تین دن کے بعد بند ہو گیا اور ۴۱ یوم تک بند رہا اور پھر خون آگیا تو وہ حیض کا خون نہیں ہے البتہ اگر پندرہ دن گزرنے کے بعد حیض آیا تو یہ درمیانی عرصہ ٹہر ہے۔

**استحاضہ اور اُس کی کیفیت** اُسے استحاضہ کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم مدت حیض سے بٹ کر خون آئے یا حیض کی عمر (عام طور پر نو برس) سے پہلے خون آئے تو وہ استحاضہ ہے۔ ایام حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ لہذا دس دن کے بعد آنے والا خون بلاشبہ استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا۔ جو عورت معتادہ ہو (یعنی عادت اُسے تین چار دن حیض کا خون آتا ہو) تو حیض کا تعین عادت کے مطابق کر لیا جائے گا اور باقی دنوں کا خون استحاضہ شمار کیا جائے گا یہ اُس صورت میں جبکہ اُسے ایام عادت یعنی وقت اور مقدار یاد ہو لیکن اگر وہ متحیرہ ہے یعنی وقت و مقدار یاد نہیں مگر قومی و ضعیف خون میں امتیاز کر سکتی ہے تو قومی خون حیض ہوگا اور ضعیف خون استحاضہ۔ وہ عورت جس کو پہلی بار اس سے سابقہ پیش آئے اور دس دن سے زیادہ خون جاری رہے تو ایام حیض کس دن ہی شمار ہوں گے مہینے کے باقی میں دن ٹہر کے اور آئندہ مہینوں میں بھی اسی طرح۔ نفاس کی صورت میں پہلے چالیس دن نفاس کے شمار ہوں گے پھر بیس دن ٹہر کے اس کے بعد دس دن حیض کے اور آئندہ مہینوں میں بھی اسی طرح (یعنی ۱۰ دن حیض کے اور ۲۰ ٹہر کے) اس طرح زمانہ ٹہر میں جو خون جاری رہا وہ استحاضہ کہلائے گا۔

استحاضہ والی عورت صاحب عذر ہے، استحاضے کی حالت میں اُن امور کی مانعت نہیں ہے جو حیض و نفاس کی حالت میں منع ہیں مثلاً قرآن شریف کا پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، کعبے کا طواف کرنا بلکہ ان باتوں کا کرنا یا نماز ادا کرنا وضو پر منحصر ہے غسل پر نہیں۔

نفاَس اور اُس کی کیفیت      نفاس اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو بچے کی پیدائش کے وقت یا اُس کے بعد آئے۔ پیدائش کی علامت یعنی در ذرہ کے ساتھ جو خون خارج ہو حنبلی فقہاء سے بھی نفاس قرار دیتے ہیں جبکہ شافعی فقہاء اُس خون کو نفاس کہتے ہیں جو رحم سے ولادت سے فارغ ہونے کے بعد خارج ہو حنفی فقہاء کے نزدیک نفاس وہ خون ہے جو بچے کا بیشتر حصہ باہر آنے پر یا اُس کے پورے باہر آ جانے پر نکلے لیکن وہ خون جو بچے کا کچھ حصہ نکلنے پر یا اس سے پہلے خارج ہو وہ مرض کا خون ہے نفاس کی حالت نہیں سمجھی جائے گی لہذا وہ سب کام کئے جاسکتے ہیں جو پاک عورتوں کے کرنے کے ہیں۔

ساقط شدہ حمل جس نے بعض اعضائے جسمانی کی شکل اختیار کر لی ہو بچہ تصور کیا جائے گا بلکہ لو تھڑے کی شکل جس کو دائیاں آدمی کی بنیاد قرار دیں اُس کے خارج ہونے پر بھی اگر خون نکلا تو عورت نفاس والی سمجھی جائے گی۔ جڑواں بچوں کی پیدائش ہو تو نفاس کی مدت پہلے بچے کی ولادت سے شروع ہوگی اور دونوں کی ولادت کے درمیان کچھ وقفہ رہا تو دونوں بچوں کی ولادت کا خون یکجائی طور پر نفاس ہوگا۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر یہ وقفہ چالیس دن سے زیادہ مثلاً ساٹھ دن کا ہو تو دونوں بچوں کی پیدائش کا خون جدا گانہ مستقل نفاس ہے۔ نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے اگر ولادت کے بعد ہی خون بند ہو گیا یا بالکل آیا ہی نہیں تو نفاس پورا ہو گیا اور عورت پر وہ تمام فرائض عائد ہوں گے جو پاکی کی حالت میں ہوتے ہیں لیکن خون آنے کی صورت میں نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن کی ہے۔

نقائے متخلل۔ نفاس کے خون آنے کے دوران غلا واقع ہونے کو کہتے ہیں مثلاً کسی دن خون آجائے اور کسی دن نہ آئے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک یہ غلا یا م نفاس میں شمار ہوگا۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر غلا کی مدت پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہو تو وہ طہر ہے اور اس کے بعد جو خون آئے وہ نفاس نہیں بلکہ حیض ہے لیکن اگر یہ مدت پندرہ دن سے کم ہو تو تمام مدت نفاس ہے، یہی مسلک مالکی فقہاء کا بھی ہے، ان کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت

کو جوڑ کر نکالا جائے گا یعنی جتنے دنوں خون آیا، انھیں جمع کر کے پاکی کے دنوں کو گھٹا دیا جائے یہاں تک کہ ایام نفاس جو ان کے نزدیک زیادہ سے زیادہ ساٹھ دن ہیں پورے ہو جائیں ایسی صورت میں خون بند رہنے کے ایام طہر شمار ہوں گے جن میں وہ تمام امور جو پاکی کی حالت میں واجب ہوتے (نماز روزہ وغیرہ) انجام دینا واجب سمجھے جائیں گے۔

**حیض و نفاس والی عورتوں کا حکم** حیض و نفاس کا خون بند ہونے کے بعد فوراً نہا کر نماز شروع کر دینا چاہیئے۔ حیض و نفاس کی حالت میں ان تمام امور دینی کا انجام دینا حرام ہے جو حالت جنابت میں حرام ہیں جیسے نماز، قرآن شریف کو ہاتھ لگانا، قرآن کا پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، کعبے کا طواف کرنا، نفل یا نفل روزے کی نیت کرنا۔ اگر روزہ رکھا گیا تو وہ صحیح نہ ہوگا، نہ اس حالت میں اعتکاف صحیح ہے، ایام حیض و نفاس میں جو نمازیں فوت ہوئیں ان کی قضا واجب نہیں لیکن رمضان شریف کے روزوں کی قضا واجب ہے یہ فرق اس لئے ہے کہ دینی امور کی بجائے آدمی میں دشواری نہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

مردوں کو شریعت نے حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت کی ہے جس کے مسائل طلاق کے بیان میں آئیں گے، مردوں کو عورتوں سے حیض و نفاس کی حالت میں مقاربت کرنا حرام ہے تا وقتیکہ خون بند نہ ہو جائے اور عورت غسل نہ کر لے۔ اگر کسی عورت کو غسل کرنے سے مجبوری ہو تو واجب ہے کہ پہلے تیمم کر لے۔ عورت کے لئے حلال نہیں کہ ایام حیض و نفاس میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ جسم سے شوہر کو استفادہ کا موقع دے اور نہ مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ بیوی کو اس پر مجبور کرے خواہ درمیان میں کوئی حائل ہی کیوں نہ موجود ہو (مثلاً فریج لیدر وغیرہ) اس فعل کے مرتکب گنہگار ہوں گے۔ البتہ اس حصہ بدن کے علاوہ باقی تمام حصوں سے استفادہ جائز ہے۔

**پانی سے طہارت حاصل کرتے وقت مسح کرنے کی اجازت** وضو کے بیان میں نہ کا مسح کرنے کی تفصیل آچکی ہے جو بوجہ وضو میں فرض ہے اور جس کی ذہنیت فقہ آں کے الفاظ

وَالْمُسْحُوۡاۤ اِبْرُوۡا سِبْۡحَہٗ سے ثابت ہے۔ شریعت نے سر کے علاوہ بعض خاص مواقع پر بھی مسح کرنے کی اجازت دی ہے جس میں سے زخم پر یا اس پر لپٹی ہوئی بیٹی پر مسح کرنا اور خُف (موزوں) پر مسح کرنا ہے۔ ان مسائل کو سمجھنے کے لئے مسح کی تعریف، جبیرہ (یعنی بیٹی) کی تعریف اور خُف کی تعریف جاننا ضروری ہے۔

۱۔ مسح کے معنی لغت میں کسی چیز پر ہاتھ بھرنے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں کسی خاص عضو یا اس پر بندھے ہوئے کپڑے پر معینہ وقت میں ہاتھ کو تر کر کے پھیرنا مراد ہوتا ہے اُن شرائط کے مطابق جو آئندہ بیان کی جا رہی ہیں۔

۲۔ جبیرہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بدن کے کسی مریض عضو پر باندھی جائے یا دوا کا لپٹ ہو اُس عضو پر کیا جائے۔ جبیرہ کا اطلاق اسی صورت میں ہوگا جب بیٹی بندھے ہوئے عضو کو کوئی مرض لاحق ہو خواہ زخم ہو یا شکستگی یا جوڑوں کا درد وغیرہ۔

۳۔ خُف، وہ موزہ ہے جو دونوں پیروں میں ٹخنوں تک پہننا جائے خواہ چمڑے کا بنا ہو یا نمدے کا یا اون کا یا اور کسی سخت کپڑے (کینوس وغیرہ) کا۔ جو موزہ چمڑے کا نہیں ہوتا اُسے جراب کہتے ہیں۔ جراب میں جب تک تین ہاتھ نہ ہوں اُسے موزہ نہیں کہنا جاسکتا (۱) دینر ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے (۲) قدموں پر بغیر تشمہ باندھے قائم رہے (۳) ایسی شفاف چیز کی بنی نہ ہو کہ اُس کے اندر سے پاؤں یا پاؤں پر لپٹی ہوئی چیز نظر آتی ہو۔ تو اگر کسی جراب میں یہ شرائط موجود ہوں تو اُسے ایسا ہی موزہ سمجھا جائے گا جیسے چمڑے کا بنا ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ جراب اگر دینراون کی ہو جس میں مذکورہ شروط پائی جائیں تو اُسے موزہ قرار دیا جائے گا۔

جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم کسی مکلف انسان کے ایسے عضو پر جس کا دھونا وضو یا غسل میں ضروری ہے اگر کوئی دھبی بندھی ہوئی ہو یا دوا لگی ہوئی ہو اور اس کا دھونا نقصان دہ یا موجب اذیت ہو تو اُس پر مسح کر لینا فرض ہے۔ اگر دوا پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر دھبی لپیٹ پر مسح کر لیا جائے غرض اس مریض عضو پر مسح کر لینا اور اس کے ارد گرد کو پانی سے دھو لینا ضروری ہے۔



جسیرہ پر مسح کے صحیح ہونے کی شرطیں پہلی شرط یہ ہے کہ متاثرہ عضو کا دھونا مقصود نہ ہو۔ اگر متاثرہ عضو پر دو انگلی ہو اور پٹی نہ ہو اور دوبارہ مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر کپڑے کی کترن اس طرح رکھی جائے کہ نقصان دہ نہ ہو! پھر اس پر مسح کر لیا جائے اور دوسری شرط یہ ہے کہ پورے جسیرے پر مسح کیا جائے یہ اس صورت میں جب جسیرہ صرف اسی جگہ ہو جو مرض سے متاثر ہے اگر پٹی کی بندش مجبوراً مریض حصے سے آگے تک ہو تو ساری پٹی کا مسح واجب ہے اگر متاثرہ جگہ وہ ہے جس پر دونوں مسح ہی کیا جاتا ہے یعنی سر تو اگر تمام سر میں زخم ہو اس کا حکم وہی ہے جو دھلنے والے اعضاء کا ہے یعنی اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر مسح واجب ہے ضرر کا اندیشہ ہو تو پٹی پر مسح کر لینا چاہیے۔ اگر سر کے کچھ حصے پر مرض نہیں ہے اور اس حصے کی مقدار سر کے ایک چوتھائی کے برابر ہے تو اس حصے پر مسح کر لینا فرض ہے باقی جسیرے پر مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن امام مالک کے نزدیک پورے عملے یا ٹوپی پر ہاتھ پھرنا بھی ضروری ہے۔

جسیرے کے مسح کو باطل کرنے والے امور پٹی اگر اپنی جگہ سے اتر جائے یا اگر جائے گا۔ اگر زخم مندمل ہوئے بغیر ہی پٹی اتر گئی تو اسے پھر سے اس جگہ رکھ کر مسح کر لیا جائے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا قول یہی ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح باطل نہ ہو گا خواہ نماز کے اندر اترے یا باہر۔ اگر نماز پڑھنے میں زخم پھر جانے کی وجہ سے پٹی اتر جائے خواہ وہ قعدہ یا خیمہ کیوں نہ ہو تو نماز جاتی رہے گی اور اس جگہ کو جہاں پٹی بندھی تھی پاک کر لینے کے بعد نماز دوبارہ پڑھنی چاہیئے۔

خُف (موزے) پر مسح جائز ہونے کی دلیل امام بخاری، مسلم اور دوسرے راویان حدیث صحیحہ نے اس باب میں جو

حدیثیں روایت کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں کا دھونا اس صورت میں فرض کیا ہے جبکہ موزہ نہ پہن رکھا ہو۔ اگر موزہ ہو تو دھونا فرض نہیں موزوں پر مسح کرنا فرض ہے۔ ان حدیثوں کے منہجہ وہ حدیث ہے جو بخاری نے مفیرہ بن شعبہ سے روایت

کی ہے کہ آنحضرتؐ رفع حاجت کے لئے نکلیے اور میں ایک چرمی ظرف میں پانی لے کر آپ کے پیچھے گیا، جب حضورؐ حاجت سے فارغ ہو گئے تو میں نے پانی ڈالا اور آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ دوسری حدیث میں حضرت مغیرہ کے یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے موزے اتار دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انھیں رہنے دو میں نے پاؤں پاک کر کے ان میں ڈالے تھے پھر آپ نے اُس کے اوپر مسح کر لیا۔"

(۱۱) موزوں نے پیروں کو ٹخنوں تک ڈھک لیا  
خف پر مسح درست ہونے کی شرطیں  
ہو اگر موزہ اوپر سے کھلا ہوا ہے لیکن اُس میں گھنٹیاں یا کپ ایسے لگے ہوں جن سے اُس کو بند کیا جاسکے تو بھی مسح درست ہے۔

۲۔ موزہ نہیٹا ہوا نہ ہو جس سے پیر کا کچھ حصہ نظر آتا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کچھٹی ہوئی جگہ تین چھوٹی انگلی سے زیادہ نہ ہو تو مسح کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

۳۔ اُن کو بہن کر چلنا پھرنا اور قطع مسافت کرنا ممکن ہو۔ موزہ اتنا ڈھیلہ نہ ہو کہ چلتے میں پیر سے اُتر جائے۔

۴۔ موزہ پہننے والا شرط اُس موزے کو پہننے کا حق رکھتا ہو یعنی چوری کا یا ناجائز قبضہ کیا ہوا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے موزے کا پہننا تو صحیح نہیں ہے لیکن یہ بات مسح کے صحیح ہونے کے منافی بھی نہیں ہے۔

۵۔ موزوں کا پاک ہونا: نجاست آلود موزوں پر مسح صحیح نہیں۔ استنجاء کے بیان میں بتایا جاسکا ہے کہ کس قدر نجاست معاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسح کرنا صحیح ہے لیکن اگر وہ نجاست قابلِ درجہ نہیں ہے تو نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

۶۔ موزوں میں پیر طہارت کے بعد ڈالے گئے ہوں۔ یعنی موزے پہننے سے پہلے وضو پانی کے ساتھ کیا جاسکا ہو۔ تیمم کے بعد جو موزہ پہنا جائے اُس پر مسح صحیح نہیں ہے۔

۷۔ موزے کے تلے پر مسح جائز نہیں، اوپر کی طرف ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کیا جائے۔ ایک انگلی سے مسح درست نہ ہو گا۔ مسح کئے جانے والے حصے پر کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جو

موزے پر بھیگا ہاتھ پیر نے میں مانع ہو۔

۸۔ اگر پاک پانی یا بارش کا پانی موزے کے مسح کئے جانے والے حصے پر بہہ گیا تو مسح کے لئے کافی ہے۔

موزوں پر مسح کا مسنون طریقہ دائیں ہاتھ کی تراٹھکیوں کو دائیں موزے کے اگلے حصہ پر اور بائیں ہاتھ کی تراٹھکیوں کو بائیں موزے کے اگلے حصے پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو پینٹلی کی طرف ٹخنوں سے اوپر تک کھینچا جائے۔ انگلیاں کسی قدر کھلی رہیں۔

موزوں پر مسح کی میعاد مقیم شخص کے لئے ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات تک موزوں پر مسح کرنا صحیح ہے اس کے بعد پیروں کو دھونا ضروری ہے یہ میعاد اس وقت سے شروع ہوگی جب موزہ پہننے کے بعد پہلی بار حدث لاحق ہو۔

مسح کا مکروہ ہو جانا اگر موزے پر نجاست یا گندگی لگ گئی ہو تو مسح کرنا مکروہ ہے تا وقتیکہ موزے کو صاف یا نجاست کو دور نہ کر لیا جائے اور پھر دوبارہ مسح کیا جائے۔

مسح باطل کرنے والے امور غسل واجب کرنے والی کوئی صورت لاحق ہو جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔ موزہ پیر سے اتر جائے یا اتنا بھٹ جائے کہ تین انگلیوں کے برابر شگاف نمایاں ہو جائے۔ یا مسح کی مدت گزر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔

تیمم کا بیان لغت میں تیمم کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں چنانچہ آیت لَا تَمْتَعُوا الْحَيٰثِیۡۃَ مِنْهُ تَنْفَعُوْنَ کے معنی ہیں ”اس میں سے بُری چیز کو اچھے کام میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو“ شریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے ”ہدایت کی نیت سے چہرے اور بازو پر پاک مٹی کے ساتھ ہاتھ پھیرنا“ یعنی پاک مٹی پر ہاتھ رکھا جائے پھر اس ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پاکی کی نیت سے پھیر لیا جائے۔

تیمم کا حکم اور اس کی مشروعیت کی حکمت جب پانی دستیاب نہ ہوتا ہو، یا پانی کا استعمال ضرر رساں ہو تو وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرنے کا حکم ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

فَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَتْكُم مِّنَ الْمَاءِ فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَسْتَعِذُّ بِالْحَمْدِ لَكُمْ وَلَهُ يَكُونُ مَعَكُمْ مِمَّا تَعْمَلُونَ (۶۰)

اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا رفع حاجت کر کے آئے ہو یا عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو (ماخذ ۶۰) پھر تمہیں (وضو یا غسل کے لئے) پانی نہ ہاتھ آئے تو تم پاک مٹی سے کام لو، پس مٹی لگے ہاتھوں کو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لو۔ کیونکہ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ (دین کے معاملے میں تم کو کوئی دشواری یا تنگی ہو۔)

جن صورتوں میں وضو یا غسل واجب ہوتا ہے اُن کا ذکر فرما کر پانی نہ ملنے یا اُس کے استعمال سے معذور ہونے کی حالت میں اداۓ عبادت کے لئے تیمم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مصلحت بھی بیان فرمادی ہے یعنی عبادت کی بجا آوری میں تنگی اور زحمت سے محفوظ رکھنا، طہارت کی نیت سے مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ اور ہاتھوں پر پھیر لینا، اُس وقت تک وضو اور غسل کا قائل قائم ہے جب تک پانی استعمال کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو جائے، یہ مشروعیت سہولت کی بنا پر دی گئی ہے اور قلب میں پاکی کا احساس برقرار رکھنے کے لئے ہے۔

**تیمم کی قسمیں** تیمم ہر اس بات کے لئے فرض ہے جس کے لئے وضو یا غسل فرض ہے، اسی طرح تیمم ہر اُس کام کے لئے مستحب ہے جس کے لئے وضو مستحب ہے۔ واضح ہو کہ لفظ صید مٹی اور زمین کے اجزاء دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاف ستھری ریت، پتھر یا کنکریوں پر بھی تیمم کے لئے ہاتھ رکھا جاسکتا ہے۔

**تیمم کی شرطیں** ۱۔ ایک میل یا اس سے دور پانی نہ مل سکتا ہو۔

۲۔ پانی کا کنواں ہو لیکن پانی نکلانے کا کوئی سامان نہ ہو۔

۳۔ پانی کے پاس کوئی دشمن یا موذی جانور ہو جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۴۔ پانی کے استعمال سے مرض پیدا ہو جائے یا بگڑ جائے کا خون ہو یا کسی ایسی بیماری

ہر سفر کر رہا ہو جس سے اُتر نہ سکتا ہو اور اس پر پانی موجود نہ ہو یا وضو کرنے کے لئے جگہ نہ ہو یا اندیشہ ہو کہ وضو کرنے کے لئے سواری سے اُتریں گے تو وہ چھوٹ جائے گی۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن سے تیمم کا جو انبیدار ہو جاتا ہے اور نماز کے وقت یا قرآن پڑھتے وقت طہارت کی نیت کے ساتھ تیمم کرنا اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو (۱) بالغ ہو (۲) مٹی کے استعمال پر قادر ہو اور (۳) اُس کو حدت (وضو توڑنے والا واقعہ) لاحق ہو گیا ہو۔ تیمم کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ اعضائے تیمم (یعنی منہ اور ہاتھوں) پر موم یا تیل وغیرہ لگانا نہ ہو۔ ہاتھ سے مسح کے لئے تین یا زیادہ انگلیوں سے کام لیا جائے پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح کیا جائے، دوران مسح کوئی امر منافی تیمم (جیسے حدت وغیرہ) لاحق نہ ہو۔ عورت کے لئے حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی صحت تیمم کے لئے ضروری ہے، اسی طرح پاک مٹی کا دستیاب ہونا بھی شرط ہے اگر وہ موجود نہیں ہے تو نہ تیمم واجب ہو گا نہ صحیح۔

**تیمم کرنے کے شرعی اسباب** جن باتوں سے تیمم کا جواز ہوتا ہے وہ اوپر بیان کیے گئے ہیں ان باتوں کے علاوہ پانی کا اتنا کم موجود ہونا جو طہارت کے لئے کافی نہ ہو یہ بھی شرعی سبب ہے۔ اسی طرح یہ سبب بھی تیمم کا جواز پیدا کر دیتا ہے اگر پانی موجود ہو لیکن پینے کے لئے اُسے اٹھا کر کھنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کُتّا بھی پیسا ہو تو اُس کے لئے پانی کو چھوڑ دینا اور تیمم کر لینا جائز ہے۔ پانی کی ٹھنڈک سے ڈر کر وضو کے بجائے تیمم کرنا درست نہیں ہے البتہ اگر حدت اکبر لاحق ہو جائے اور نہ ناسا واجب ہو اور ٹھنڈے پانی سے مضرت کا اندیشہ یقینی ہو جائے تو تیمم کر لینا درست ہے بشرطیکہ پانی کو گرم کر لینا ممکن نہ ہو۔

**تیمم کے ارکان یا فرض**

- ۱۔ دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا یعنی پھوس مٹی پر۔
- ۲۔ منہ اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اچھی طرح مسح کرنا۔
- ۳۔ نیت۔ مثلاً کسی فرض نماز کو ادا کرنے کے لئے تیمم کیا تو امام ابوحنیفہؒ کو چھوڑ کر دیگر ائمہ کے نزدیک اس سے صرف ایک فرض اور اس کے ساتھ کی نیتیں اور نقلیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ دوسری نمازیں کیلئے پھر نیت کر کے تیمم کرنا ہوگا، نیت اس وقت کی جائے جب تیمم کے لئے مٹی پر ہاتھ رکھا جائے۔

ہاتھوں میں کنگن یا انگوٹھی ہو تو مسح کرتے وقت اُتار دینا چاہیے (صرف وضو میں ہلانا کافی ہوتا ہے) تیمم کے فرائض میں جنبی فقہاء نے ترتیب اور موالات کا اضافہ کیا ہے۔

تیمم کی سنتیں  
۱۔ دونوں ہاتھوں کی پٹلیوں سے مٹی پر ضرب (مارنا)

۲۔ مٹی پر ہاتھ مارتے وقت انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

۳۔ ہاتھ مارتے وقت بسم اللہ کہنا۔

۴۔ دونوں ہاتھوں کا جھاڑنا۔

۵۔ ہاتھوں کو مسح کرتے وقت آگے پیچھے بے جانا۔

۶۔ دائیں طرف سے شروع کرنا۔

۷۔ ترتیب یعنی پہلے چہرے کا پھر ہاتھوں کا مسح کرنا (شافعی اور جنبی فقہاء اس کو فرض قرار دیتے ہیں)

۸۔ موالات یعنی پے درپے بلا توقف تیمم کا عمل پورا کرنا۔

تیمم کے مستحبات  
تیمم کرتے وقت قیہ رخ ہونا۔ بجز ذکر الہی کے اور کچھ نہ بولنا۔  
تیمم میں تاخیر کرنا اُس کے لئے مستحب ہے جسے گمان غالب ہو کہ

نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی کا دستیاب ہونا ممکن ہوگا۔

تیمم کے مکروہات  
مسح کا بار بار عمل کرنا اور سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

تیمم کو باطل کرنے والے امور  
جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اُنہی باتوں سے تیمم بھی باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی نے حالت

جنابت سے نکلنے کے لئے تیمم کیا پھر اسے حدث اصغر لاحق ہو گیا تو اُسے حدث اصغر کی حالت میں قرار دیا جائے گا، حدث اکبر کی حالت میں نہیں۔ جو تیمم غسل کے لئے کیا گیا تھا وہ وضو

ٹوڑنے والی شے لاحق ہونے سے باطل نہیں ہوتا تا وقتیکہ حدث اکبر پھر لاحق نہ ہو۔ الغرض جس عذر کی بنا پر تیمم کیا گیا ہو اگر وہ باقی نہ رہے تو تیمم باطل ہو جائے گا مثلاً پانی دستیاب

نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تھا اور پانی دستیاب ہو گیا یا پانی کے استعمال کرنے سے معذور تھا لیکن اب قادر ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں اب تیمم باقی نہ رہے گا۔

جو شخص وضو اور تیمم دونوں سے معذور ہو اُسے فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ جو شخص کسی شدید مرض کے باعث نہ وضو کر سکے نہ تیمم یا کسی ایسی جگہ قید ہو جہاں نہ تو وضو کے لائق پانی میسر ہو نہ پاک مٹی تو اُسے نماز کی ظاہری صورت عمل میں لانا چاہیے یعنی قبلہ رو ہو کر خشوع کے اظہار کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اس ظاہری عمل صلوٰۃ سے مقصد اپنے رب کے سامنے جھکنا اور سر بہ سجود ہونا ہے۔ فرض سا قط نہیں ہوتا۔ جب وضو کے لئے پانی یا تیمم کے لئے پاک مٹی دستیاب ہو جائے تو فرض کو ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر حالت جنابت ہو تب بھی یہ نماز کی ظاہری صورت جائز ہے۔

---

## نماز یا صلوٰۃ

عبادات کے عنوان سے شروع میں نماز کی اہمیت اور ساری عبادتوں میں اس کا سب سے مقدم ہونا بیان کیا جا چکا ہے۔ طہارت چونکہ ادائے نماز کا وسیلہ ہے اس لئے اس کے مسائل پہلے بیان کئے گئے ہیں، طہارت کی بنیادی غرض جسم کو اور عبادت کی جگہ کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔ گندگی سے امراض پیدا ہوتے اور عفونت پھیلتی ہے اس لئے انسانی معاشرے کے لئے بھی طہارت بے حد ضروری ہے۔ نماز اللہ کے سامنے جھکائی، بری باتوں سے روکتی اور انسان کے نفس کو پاکیزہ بناتی ہے اس لئے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی طہارتیں نماز سے حاصل ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

مثلاً الصلوٰۃ الخمس کمثل	پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی
نہر عذیب غمر باب احد کہ	شخص کے دروازے پر شفا پانی کی
یقتحم فیہ کل یوم خمس مرات	برابر نہر جاری ہو اور وہ شخص اس میں
نہاترون ذلک یبقی من	ہر روز پانچ بار غوطہ لگاتا ہو کیا تم سمجھتے ہو
درنتہ قالوا لا شیئی قال	اُس پر میل کپیل کچھ باقی رہے گا؟ سب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	نے عرض کیا کچھ بھی نہیں رہے گا، آپ نے
وسلم فان الصلوٰۃ الخمس	فرمایا یہ پانچ نمازیں بھی گناہوں کو اسی
تذهب الذنوب کما یدھب	طرح دور کرتی ہیں جس طرح پانی میل
النہاء الددن۔	کچھیل کو دور کرتا ہے۔



صلوٰۃ کی تعریف صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے خیر کے ہیں۔ قرآن میں ہے ”وَصَلِّ عَلَيْهِمْ“ یعنی اے پیغمبر اُن کے لئے دعا کرو۔ دوسرے معنی ہیں رحمت نازل کرنے کے جیسے ”اللہم صل علی محمد“ یعنی اے اللہ حضرت محمدؐ پر اپنی رحمت نازل فرما اصطلاح فقہ میں صلوٰۃ اس پورے عمل کو کہتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو لہذا قیام رکوع اور قعود مفہوم صلوٰۃ میں داخل ہیں صرف بعدۃ تلامذات خارج ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :  
**صلوٰۃ (نماز) کی غایت** **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ**  
 (بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے باز رکھتی ہے)  
 دوسری جگہ ارشاد ہے : **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي**  
 نماز کو اللہ کی یاد میں پوری طرح نہمک ہو کر ادا کرو۔

انسان اپنے پروردگار کے سامنے اُس کی کبریائی و قاہری اور اُس کی بے پناہ قدرت کے سامنے سرنگوں اور خشوع و خضوع سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ حاضر ہو تو وہی اپنے گناہوں سے تائب اور احکام الہی پر قائم اور بُری باتوں سے مجتنب ہو گا اور جس کا دل اپنے رب کی یاد سے غافل ہو وہ حقیقی معنوں میں نمازی نہیں ہوتا۔ نماز وہی ہے جس میں بندہ اپنے رب کی عظمت کا اعتراف کرے اُس کے عذاب سے ڈرے اور اُس کی رحمت کا امیدوار ہو۔

حنفی فقہاء :  
**نماز کی قسمیں** ۱۔ فرض عین : جیسے پانچ وقتہ نمازیں جو ہر مسلمان مرد و عورت عاقل و بالغ پر فرض ہیں اُن کا منکر کا فرور بلا عذر ترک کرنے والا فاسق اور گنہگار ہے۔

۲۔ فرض کفایہ : جیسے نماز جنازہ جسے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت ادا کر دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے لیکن اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ادا نہ کرے تو سارے مسلمان جو مرنے والے کے حلقے میں رہتے ہیں گنہگار ہوں گے۔

۳۔ واجب : جیسے نماز وتر اور عیدین کی نماز اور وہ نوافل جو شروع کرنے کے بعد ٹوٹ گئے ہوں۔

۴۔ نفل، خواہ وہ سنت ہو یا مستحب یعنی فرض عین، فرض کفایہ اور واجب نمازوں کے علاوہ ہر نماز۔

نماز کی شرطیں نماز واجب ہونے کی چند شرائط ہیں اور چند شرائط نماز صحیح ہونے کی ہیں۔ حنفی فقہاء کے نزدیک نماز واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، حیض و نفاس سے عورت کا پاک ہونا ضروری شرائط ہیں۔ اور نماز صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں، جسم حدث سے اور نجاست سے پاک ہو۔ کپڑا نجاست سے پاک ہو اور نماز ادا کرنے کی جگہ نجاست سے پاک ہو، نماز کا وقت آگیا ہو، ستر ڈھکا ہوا ہو، نماز کی نیت کی گئی ہو اور منہ قبلے کی طرف ہو۔

فرض نمازوں کی تعداد اور اُن کی فرضیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سال پہلے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر۔ فرض ہونے کے بعد سب سے پہلی نماز ظہر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الْقُلُوبَ كَانَتْ عَلَى النَّبِيِّينَ كَسْبَاقُ قَوْمٍ (النساء آیت ۱۱۳)

(بے شک نماز ایمان والوں پر فرض ہے جس کے وقت مقرر رہیں) اوقات کا علم رسول اللہ کو شب معراج میں دے دیا گیا تھا جس کو حضور نے قول و فعل سے لوگوں کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر اُس کی توثیق فرمادی:

وَأَشَکُّمُ الرَّسُولَ فَعَلَا مَا نَالَكُمْ عَنْهُ فَلَا تَمُوتُوا (حشر آیت ۷)

”جو کچھ رسول تمہیں (حکم) دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو ہم نے اوپر (نماز کی تعریف سے پہلے) نقل کی ہے اُس میں ”الصلوة الخمس“ پنج گانہ نماز فرض ہونے کی واضح دلیل ہے۔

**نماز کے اوقات** احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور نسائی میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہیں قدرتی علامات کے ذریعے جن کا تعلق آسمانی تقویم اور ہمیشہ پیش آنے والے منضبط اوقات سے ہے، نمازوں کے وقت کی تفصیل بتائی گئی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

۱۔ ظہر کا وقت سورج کا زوال شروع ہوتے (یعنی بیچ آسمان سے مغرب کی طرف جھکتے) ہی آجاتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز (درخت دیوار وغیرہ) کا سایہ اُس چیز کی بلندی کے برابر نہ ہو جائے۔

نوٹ: زوال کے وقت کو جاننے کی صورت یہ ہے کہ دوپہر سے پہلے ایک سیدھی لکڑی یا سلاخ زمین میں گاڑ دی جائے گا محالہ اُس کا سایہ ہوگا اور آہستہ آہستہ کم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کو ذرا سا سایہ چڑ کے پاس رہ جائے گا اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہ استواء کا وقت ہے یعنی سورج بیچ آسمان پر آجاتا ہے اب جب پھر سایہ بڑھنے لگے تو زوال شروع ہو گیا (یعنی سورج بیچ آسمان سے جھکا) یہیں سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب اُس چیز کا سایہ (اُس سایہ کے علاوہ جو استواء کے وقت تھا) اُس چیز کی لمبائی کے برابر ہو جائے۔

۲۔ عصر کا وقت: جب کسی شے کا سایہ (وقت استواء کے سایہ کو چھوڑ کر) اپنی لمبائی سے زیادہ ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور سورج کے زرد پڑ جانے تک رہتا ہے (یعنی سورج ڈوبنے سے چند لمحے پہلے تک) ظہر کا آخر وقت اور عصر کا ابتدائی وقت اتنی دیر مشترک رہتا ہے کہ قیم چار رکعت نماز اور مسافر دو رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔

۳۔ مغرب کا وقت: جب سورج غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت ہو جاتا ہے اور شفق کی سرخی غائب ہونے تک رہتا ہے۔

۴۔ عشاء کا وقت: شفق کی سرخی غائب ہونے کے بعد سے صبح صادق کے نمودار ہونے تک رہتا ہے۔

۵۔ فجر کا وقت: صبح صادق سے شروع ہوتا ہے (یعنی پوپھٹے وقت کی روشنی جو پہلے شرق کی جانب نمودار ہوتی ہے اور پھر پھیلتی جاتی ہے) فجر کا وقت سورج کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے عین طلوع کے وقت نماز پڑھنا منوع ہے اسی طرح عین غروب کے وقت بھی نماز پڑھنا منع ہے۔

صبح کا وقت نماز کے تعیین میں کوئی اعتبار نہیں ہے یہ وہ روشنی ہے جو پھیلتی نہیں ہے یہ ایک مستقل سفید دھاری ہوتی ہے جس کے دونوں جانب تاریکی نظر آتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے  
**اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت** اول الوقت رضوان اللہ یعنی اول وقت

میں نماز ادا کرنا فضل الہی کا موجب ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فضیلت کا وقت یہ ہے کہ کسی نماز کا وقت شروع ہوتے ہی نماز کی تیاری اور اس تیاری کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کو مہیا کرنے اور اُنھیں پورا کرنے اور پھر نماز پڑھنے میں جتنا وقت لگ سکتا ہے اس مقدار وقت کے گزر جانے کے بعد وقت فضیلت ختم ہو جاتا ہے۔ فجر اور مغرب کی نمازیں اول وقت ہی میں ادا کرنا چاہئیں۔

ظہر کی نماز سخت گرمی کے موسم میں اتنے توقع سے پڑھنا مستحب ہے کہ دھوپ کی نماز تلکی پڑ جائے اور لوگ دیواروں کے سائے میں مسجدوں تک آسکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

ابردوا بالنظھرفان نماز ظہر کے لئے ذرا وقت کو ٹھنڈا ہونے

شدۃ الحر من قیح دور گرمی کی شدت جہنم کی مجلسا ہٹ کا

چھٹہ۔ حصہ ہے۔

سردی کے موسم میں اول وقت بہتر ہے۔ عصر کی نماز میں اول وقت سے تاخیر مستحب ہے مگر اتنی نہیں کہ سورج کا رنگ بدل جائے کیونکہ یہ تاخیر مکروہ ہے۔ عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے پڑھ لی جائے۔ اگر جماعت ترک ہوتی ہو تو بہر حال جماعت کے ساتھ ہی پڑھنا چاہئے، فجر کی نماز میں اس قدر تاخیر کرنا مستحب ہے

بشرطیکہ جماعت فوت نہ ہوتی ہو، اسفار کا مطلب روشنی نمایاں ہونا ہے۔ سورج طلوع ہونے سے اتنا پہلے کہ اگر اتفاقاً وضو جاتا رہے تو دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کی جا سکے وقت جواز بہ کرا ہے، یہی حال عصر میں سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد اتنے وقت کا ہے جب اس کے غروب ہونے میں صرف نماز پڑھنے بھر کا وقت رہ جائے۔

**نماز میں تاخیر کرنا** بغیر کسی عذر کے تاخیر کرنا جائز نہیں بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جب نماز میں تاخیر کرنا ضروری ہو جاتا ہے، مثلاً جب مناسک حج میں سے کسی منسک کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا کسی ڈوبنے کو بچانا ہو یا کسی میت کے پھونسنے پھینکنے کا ڈر ہو۔ اسی طرح کسی کو کھانے کی خواہش ہو رہی ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیے اور نماز میں تاخیر کر دینا چاہیے۔

**دو نمازیں ملا کر پڑھنا** آسمان پر گھٹا چھائی ہو اور دو نمازوں (ظہر و عصر یا مغرب و عشاء) کے لئے الگ الگ مسجد میں پہنچا نہ جا سکتا ہو تو چاہیے کہ عصر کا وقت قریب آ جانے تک ظہر میں تاخیر کی جائے، اسی طرح عشاء کا وقت قریب آ جانے تک مغرب میں تاخیر کی جائے تاکہ ایک ہی بار جانا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج میں ہے اور غروب آفتاب تک مزدلفہ پہنچنا ہے اسے دو نمازوں کا جمع کرنا مباح ہے۔

**نماز میں ستر ڈھکنا** نماز صحیح ہونے کی شرطوں میں ستر پوشی یعنی جسم کے متعین حصوں کا ڈھکنا ہے جن بدن کے حصوں کو چھپانے کا حکم ہے انہیں اصطلاح میں ستر عورت کہتے ہیں۔ اگر وہ کھلا رہے تو نماز نہیں ہوگی، الایہ کہ وہ ایسا لاچار ہو جس کے پاس تن ڈھانکنے کو نہ ہو۔

۱۔ "ستر عورت" مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک ہے۔ باندھی کے بیٹ اور بیٹھا اور نان سے گھٹنے تک ستر عورت ہے۔ آزاد عورت کا تمام جسم مع بالوں کے ستر میں شمار ہوگا بجز بھرے اور ہاتھوں کے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک انہیں دو حصوں کو ستر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ہتھیلیوں اور دونوں پیروں کی پشت کو ستر سے مستثنیٰ کہا ہے بخلاف پشت دست اور تلووں کے جو ان کے

نزدیک ستر ہیں داخل ہیں۔

اشنائے نماز میں ستر کھل جانے کا حکم اگر دوران نماز بغیر ذاتی عمل کے ستر کا ایک چوتھائی کھل گیا مثلاً ہوا کے جھونکے سے پڑا مٹ گیا اور اتنی دیر کھلا رہا کہ نماز کا ایک رکن ادا کیا جاسکے تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر اسی قدر حصہ یا اس سے کم خود نماز پڑھنے والے کے عمل سے کھل گیا تو نماز اُسی وقت فاسد ہو جائے گی۔ اگر نماز شروع کرنے سے پہلے ہی ستر کا حصہ کھل گیا ہو تو نیت ہی نہیں بندھے گی۔ ستر بچے اگر ایسی باریک ہے جس میں سے جسم کی رنگت نظر آسکتی ہے خواہ پہلی نظر میں یا بغور دیکھنے کے بعد تو اس کا حکم بھی ستر کھل جانے کی طرح ہے۔ مالکی فقہاء کی رائے میں اگر بغور دیکھنے سے حصہ جسم نظر آتا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی صرف مکروہ ہوگی لہذا وقت میں گنجائش ہو تو اُسے ڈھیر لینا مستحب ہے۔ اگر ستر کپڑا بارش سے بھیگ کر یا تیز ہوا چلنے سے بدن سے چپٹ کر حصہ ستر کی حدود کو نمایاں کر دے تو نماز کا ڈھیرانا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر نماز پڑھنے والے کو خود اپنا ستر کپڑے کے اندر سے نظر آجائے تو بھی نماز ڈھیرانا ضروری نہیں۔

ریشم کا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا حرام ہے لیکن اگر ستر ڈھانکے کے لئے سواۓ ریشمی کپڑے کے اور کوئی چیز نہ ہو تو مجبوراً نماز پڑھ لی جائے لیکن نجاست آلود کپڑے اور سور کی کھال کے سوا اگر کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس سے ستر کو ڈھک کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اتنا کپڑا دستیاب ہو جس سے ستر کا کچھ ہی حصہ چھپ سکے تو اگلی پچھلی شرمگاہوں کو ڈھانک کر نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ اوپر سے یا پہلو سے ستر نظر نہ آئے۔ لیکن اگر پاک کپڑا اور کوئی پاک چیز بالکل ہی میسر نہ ہو تو برہنہ حالت میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

حالات نماز کے بغیر ستر ڈھانکنا پابند شریعت انسان پر واجب ہے کہ اپنے ستر کو ہر وقت ڈھکا رکھے، صرف ضرورت کے مطابق مثلاً استنجا، رفع حاجت، غسل یا علاج وغیرہ کے لئے تنہائی میں کھولنا جائز ہے کہ کسی کی نظر نہ پڑے اسی طرح بے ضرورت کسی کی ستر کی طرف دیکھنا بھی حلال نہیں۔ نامحرم مرد اور غیر مسلم عورت کے سامنے عورت کا تمام جسم (ہاتھوں اور چہرے کے سوا) ستر ہے۔ محرم مرد کے سامنے بھی عورت کے

چہرے، سر، گردن، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے علاوہ تمام جسم عورت کا ستر ہے۔ جس حصہ ستر کو دیکھنا حرام ہے اس کو بلبلا واسطہ ہاتھ لگانا بھی حرام ہے۔ کم عمر بچے (یعنی چار سال یا اس سے کم عمر کے لڑکے) طرکیان ستر کی قید سے مستثنیٰ ہیں اس عمر سے آگے اگر ان کے ستر کو دیکھنے سے کوئی بُرا خیال پیدا ہو تو مکمل وہی ہے جو بالضرہ عورت کے ستر کا ہے۔

نماز کے لئے جس طرح وقت کی موجودگی اور ستر پوشی کی شرط ہے اسی طرح قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی شرط ہے۔

**قبلہ کی تعریف** قبلہ کعبہ کو یا کعبہ کی سمت کو کہتے ہیں۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا سینہ کعبے کے محاذ میں ہو۔ مکہ مکرمہ میں رہنے والے یقینی طور پر عین کعبے کے سامنے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے مکلف ہیں ان پر لازم ہے کہ ٹھیک کعبے کی طرف اپنا رخ نماز میں رکھیں، اگر مکہ میں کوئی شخص کسی اونچی عمارت یا کسی پہاڑی پر ہو اور ٹھیک کعبے کے مقابل ہونا ممکن نہ ہو تو کعبے کی بالائی فضائی طرف یا اگر کسی نشیبی وادی میں ہو تو کعبے کی زیریں فضائی جانب رخ کر لینا کافی ہے۔ امام مالک کا قول یہ ہے کہ نمازی کے بلورے جسم کو کعبے کے رخ ہونا چاہیے خواہ وہ بلند جگہ پر ہو یا نشیب میں۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی محراب کی جانب رخ کرنا ٹھیک کعبے کی طرف رخ کرنا ہے یہ محراب وحی الہی سے عین کعبے کی رخ تعمیر ہوئی تھی۔ ستر سے دور دراز نماز پڑھنے والوں کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اس سمت رخ کریں جس سمت میں کعبہ واقع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کافی نہیں بلکہ گان غالب میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ عین کعبے کے سامنے ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "وَكُنْ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" اس بات کی دلیل ہے کہ

یہ صحت نماز کے لئے شرط ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لہذا اجماع سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس باب میں حدیثیں بھی موجود ہیں۔

**قبلہ کا رخ متعین کرنے کا طریقہ** قبلہ کا رخ جاننے کے وسائل بہت سے ہیں البتہ اب

یہ ضروری نہیں رہا کہ سورج یا ستارے سے ہی قبلہ کی سمت معلوم کی جائے، پہلے زمانے میں جو لوگ بحری سفر کیا کرتے یا ریگستانوں اور صحراؤں کو عبور کرتے اور ان کے پاس قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا ذریعہ نہیں ہوتا وہ دن میں سورج اور رات میں ستاروں سے سمت متعین کرتے تھے۔ قبلہ کا رخ مختلف مقامات پر تبدیل ہوتا رہتا ہے، چنانچہ مصر میں رہنے والوں کے لئے قبلہ کا رخ مشرق کی طرف کسی قدر دائیں جانب مڑ کر ہے اور ہندوستان میں مغرب کی طرف کسی قدر بائیں جانب مڑ کر ہے۔ سورج کے طلوع و غروب سے مشرق و مغرب کی سمتیں معلوم ہوجاتی ہیں اور ان سے شمال و جنوب کا رخ متعین ہوجاتا ہے۔

قطب تارے سے بھی ہر جہت میں قبلہ کے رخ کا پتہ لگایا جاتا ہے مثلاً مصر میں نمازی اُس کو اپنے بائیں کان کے پیچھے رکھ کر مدینہ منورہ اور قدس میں اس ستارے کو بائیں ہونڈھے کی جانب رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر لیتا ہے۔ قطب نما اگر صحیح بنا ہوا ہو تو اُس سے ہر وقت تعین قبلہ ممکن ہے۔ فقہانے تعین قبلہ کے لئے جو اصول بتائے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جن شہروں اور قصبوں میں ایسی مسجدیں موجود ہیں جن کو صحابیوں یا تابعیوں نے تعمیر کرایا ہو جیسے قدس میں مسجد عمرو مشق میں مسجدی اموی اور مصر میں مسجد عمرو بن عاص تو جس رخ ان کی محرابیں ہیں وہی قبلہ کا رخ ہے اُس رخ سے ہٹ کر نماز پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی۔ یہی حکم ان مقامات کا ہے جہاں مسلمان بادشاہوں نے مسجدیں بنوائی ہیں۔

۲۔ جہاں ایسی مسجدیں نہ ہوں لیکن مسلمان موجود ہوں تو کسی نمازی شخص سے قبلہ کا رخ دریافت کر لینا کافی ہے۔ کافر، بدکار اور بچے سے دریافت کرنا صحیح نہیں ہے اگر وہ بتائیں بھی تو نہیں ماننا جائے گا۔ اگر ایسا شخص مل جائے جس سے دریافت کیا جاسکتا ہے پھر اپنی رائے سے قبلہ کا رخ طے کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ جہاں نہ تو مسجد نظر آئے نہ ایسا شخص ملے تو اپنی سوچ سمجھ سے قبلہ کا تعین کرے اور جدھر گمان غالب ہو اُس رخ نماز پڑھاں درست ہوگی، اصطلاح میں اس کو تحریری



کہتے ہیں۔

ہم اگر کوئی مسافر ہو اور ایسی جگہ ٹھہرے جہاں کوئی آبادی نہ ہو یا ق ودق صحرا ہو تو اگر سورج چاند اور ستاروں کے ذریعے قبلے کا رخ جان سکتا ہے اُس جان کاری سے کام لے یا کوئی دوسرا شخص جو اس کام میں ہوشیار ہو اُس سے پوچھے پھر اگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں تو تحری کرے یعنی اپنی سوجھ بوجھ سے قبلہ کا رخ پہچاننے کی کوشش کرے اور جدھر گمان غالب ہو اُدھر رخ کر کے نماز پڑھے۔

تحری کے بارے میں کچھ مسائل ایسا تحری کرنے والا جو کسی ایک سمت کو دوسری سمت پر ترجیح نہ دے سکا مگر ایک طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہوگی اُسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ تینوں امام علاوہ امام شافعیؒ کے اس پر متفق ہیں۔

ایک شخص نے تحری کے بعد ایک طرف منہ کر کے نماز شروع کر دی۔ دوران نماز اسے احساس ہوا کہ فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے یا اُس کا گمان غالب ہوا کہ قبلے کا رخ کوئی اور ہے تو چاہیے کہ حالت نماز میں اُسی طرف مڑ جائے اور باقی نماز پوری کر لے، حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک یہ نماز صحیح ہوگی، باقی دو امام نیت توڑ دینے کی رائے دیتے ہیں۔

ایک شخص نے تحری کر کے ایک سمت قبلہ متعین کی اور پوری نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رخ صحیح نہ تھا تو بھی نماز صحیح ہوگئی دوبارہ نہیں پڑھنا ہوگی۔ شافعی فقہائے نزدیک اگر محض گمان ہے تو دوبارہ پڑھنا لازم نہیں لیکن اگر یقینی طور پر رخ غلط تھا تو دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

کسی شخص نے اپنی رائے سے کام ہی نہ لیا حالانکہ وہ ایسا کر سکتا تھا اور کسی شخص کی پیروی کر کے یا بغیر پیروی کے ایک طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی تو وہ نماز صحیح نہ ہوگی اگرچہ یہ تحقیق ہو جائے کہ جو سمت قبلہ اُس نے بے سوچے سمجھے بنائی تھی وہ صحیح تھی۔ تین امام متفق الراء ہیں لیکن حنفی فقہاء کو اس رائے سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ خیال کر کے نماز پڑھی تھی کہ ادھر قبلہ ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ اُسی رخ تھا تو نماز صحیح ہوگی اسی طرح اگر قبلہ

کے تعین میں شک تھا پھر بھی نماز پڑھ لی تھی پھر علم ہوا کہ وہ نماز صحیح رخ سے پڑھی گئی تب بھی نماز صحیح ہوگی البتہ اگر دوران نماز شک دور ہوا تو نماز باقی رہی پھر سے پڑھنا واجب ہے۔

ایسا شخص جو خود اس قابل ہو کہ اپنی رائے سے سمت قبلہ متعین کر سکے اُسے دوسرے کی پیروی نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر وہ اس قابل نہیں ہے تو جس نے اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رخ متعین کر لیا ہو اُس کی تقلید کرے اگر یہ دونوں باتیں میسر نہ ہوں تو پھر جس جانب دل گواہی دے اُس کو سمت قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لے ایسی نماز کو چھوڑ ہرانے کی ضرورت نہیں ہے حنفی اور حنبلی فقہاء کی یہی رائے ہے۔ مالکی کسی کی تقلید اُسی وقت جائز سمجھتے ہیں جب اُس کی رائے صحیح ہونے کا اطمینان ہو اور شافعی فقہاء ایسی نماز کو دُور ہرانے کی رائے رکھتے ہیں۔  
استقبال قبلہ واجب ہونے کی شرطیں ۱۔ قدرت۔ اگر کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے خود قبلہ کی طرف نہیں مڑ سکتا اور

کوئی شخص جو اُس کا منہ قبلہ کی جانب موڑ دے نہیں ہے تو یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے لہذا جس طرف بن پڑے نماز پڑھ لے۔

۲۔ تحفظ۔ جب قبلہ رخ ہو جانے میں کسی انسان سے یا کسی اور شے سے جان و مال کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُس کا قبلہ بھی وہی ہے جس طرف بھی وہ سکون سے نماز پڑھ سکتا ہو دونوں حالتوں میں پڑھی ہوئی نمازوں کا دُور ہانا واجب نہیں ہے۔

کعبے کے اندر نماز پڑھنا کعبہ ہی قبلہ ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اب اگر کوئی شخص کعبے کے اندر نماز پڑھے گا تو پورے کعبے کی طرف رخ نہیں ہوگا اس لئے اُس کے اندر نماز ادا ہونے کے بارے میں فقہاء کے مسلک جُدا جُدا ہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک اگر کعبے کے اندر کوئی شخص کنارے پر کھڑا ہو یا باہر کھڑا ہو اور دونوں صورتوں میں سجدہ کعبے کے اندر کرے تو نماز ہو جائے گی لیکن اگر سجدہ کنارے پر کیا تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ رخ کعبے کی طرف نہیں ہے گا، حنفی فقہاء کعبے کے اندر اُسر اس کی سطح پر نماز پڑھنا صحیح قرار دیتے ہیں لیکن کعبے کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ کہتے ہیں۔ مالکی فقہاء کعبے کے اندر فرض اور سنت نماز پڑھنا مکروہ کہتے ہیں اور کعبے کی جہت پر فرض نماز ادا کرنا باطل۔

صرف نقلی غیر موکدہ نماز اندر پڑھنے کی اجازت ہے شافعی فقہاء کہتے ہیں حجت پر نماز صرف اس حالت میں صحیح کہتے ہیں جب سامنے آدمی کے دو تہائی ہاتھ کے برابر اونچی کوئی شے ہو۔

کشتی، دفائی گاڑیوں، ہوائی جہازوں پر نماز فرض سواری پر نماز پڑھنے کے احکام یافتہ حتی المقدور قیلہ رخ ہو کر پڑھنا چاہیے۔ کسی اور جانب پڑھنا درست نہیں ہے یہاں تک کہ وہ ان نماز اگر کشتی یا اسٹیمر گھوم جائے تو نماز کو کسی قبیلہ کی طرف مڑنا چاہیے البتہ اگر رخ صحیح جانب کرنے سے معذری ہو تو بعد ہر پندرہ نماز پڑھی جائے۔ یہ اجازت اس حالت میں ہے کہ سواری کو ایسی جگہ پہنچنے میں وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو جہاں پوری طرح نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

اگر سواری کا جانور ہے یا ایسی سواری ہے جسے ٹھہرانے کا اختیار ہے تو طبعی ہوئی سواری پر نماز صحیح نہ ہوگی۔ فرض نماز کا سواری پر بغیر مجبوری کے ادا کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ حرکت میں ہو یا کھڑی ہو، یہی حنفی فقہاء کا مسلک ہے۔ مالکی کہتے ہیں کہ سواری کی پشت پر فرض نماز کی ادائیگی تب ہی صحیح ہوگی جب گھسان کی جنگ ہو رہی ہو دشمنوں کا ہجوم ہو یا کسی گھیرے جنگل سے گزر رہا ہو جہاں اترنا پس میں نہ ہو یا کسی درندہ جانور کا خوف ہو یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ سواری سے اترنا ہی نہ جاسکے۔

ادائے نماز کے فرائض فرض یا ارکان نماز سے مراد وہ اجزائے نماز ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی یعنی اگر ان اجزائیں سے کسی جزء کو نکال دیا جائے تو اس کو نماز نہیں کہا جائے گا، مثال کے طور پر تکبیر تحریمہ نماز کا ایک رکن یا ایک فرض ہے، اگر یہ ترک کر دی جائے تو وہ نماز ہی نہیں ہوئی یہی حال تمام اجزائے فرض یا ارکان کا ہے۔

نماز کے ارکان (۱) تکبیر تحریمہ۔ یعنی نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا دیت کو حنفی فقہاء شرط قرار دیتے ہیں باقی تین مسلوں کے فقہاء اس کی رکیت کے فائز ہیں (۲) اس کو تکبیر تحریمہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مباح امور اس کے بعد حرام ہو جاتے ہیں مثلاً کسی کی بات کا جواب دینا یا کوئی ایسا کام جس سے نماز میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔

۲۔ قیام۔ سیدھے کھڑے ہونا اگر کوئی عذر نہ ہو فرض نماز میں فرض ہے۔ نفل نماز بیٹھ کر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۳۔ قرأت قرآن: کم سے کم چھوٹی تین آیتوں کے برابر یا ایک بڑی آیت پڑھنا لیکن مقتدی بدر قرأت لازم نہیں ہے۔

۴۔ رکعت کرنا: پشت کو اس قدر خم کرنا کہ سر اور کھٹا ایک سطح پر آجائیں۔

۵۔ دوبار سجدے کرنا: یعنی دو وقت ہاتھ، گھٹنے، پیروں کی ٹخیاں، پشتانی، منہ تک خراب رکھنا۔

۶۔ قعدہ اخرو میں اتنی دیر بیٹھنا جس میں تشہد پڑھا جائے۔

ان میں سے کوئی رکن اگر ادا نہ ہوا تو نماز نہیں ہوگی مثلاً اللہ اکبر نہیں کہا۔ قیام رکوع و سجود میں سے کوئی فرض چھوٹ گیا تو نماز ادا نہیں ہوئی۔

نماز کے واجبات جو چیزیں نماز میں واجب ہیں ان میں سے کوئی واجب چھوٹ جانے یا بھول جانے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی لیکن کئی ضرورہ جاتی

ہے جسے دور کرنے کے لئے شریعت نے سجدہ ہو و واجب کیا ہے لیکن اگر قصد ترک کرنے کی صورت ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ وہ واجبات یہ ہیں:-

۱۔ فرض نماز کی پہلی رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرأت قرآن میں دوسری سورت کا ملانا واجب ہے۔

۲۔ تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل واجب ہے۔

۳۔ نفل اور وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا یا اس کی تین آیتوں کا

پڑھنا واجب ہے اور فرض نمازوں میں صرف پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے دوسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ سنت ہے۔

۴۔ سورہ فاتحہ کا دوسری سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے۔

۵۔ تمام ارکھان کو پے در پے ادا کرنا، اگر ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کی ادائیگی میں

اتنی دیر ہو گئی جتنی ایک سجدے یا رکوع کرنے میں ہوئی ہے تو سجدہ ہو و واجب ہوگا۔

۶۔ قیام، قنات، رکوع اور سجود میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے۔ اگر ترتیب بدل

گئی تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔

۷۔ رکوع اور سجدے میں اتنی دیر ٹھہرنا کہ المینان سے سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جا سکے واجب ہے۔

۸۔ قومہ: یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح سے سیدھا کھڑا ہونا اور پھر سجدے میں جانا واجب ہے۔

۹۔ جلسہ: یعنی دو سجدوں کے درمیان اچھی طرح بیٹھنا۔

۱۰۔ قعدہ اوئی یعنی پہلی دو رکعتوں کے بعد بقدر تشہد بیٹھنا۔

۱۱۔ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا (التحمیات للہ سے کلمہ شہادت تک پڑھنے کو تشہد کہتے ہیں)۔

۱۲۔ تعدیل ارکان: تمام ارکان (قیام و رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، قعدہ وغیرہ) کو المینان سے یکسوئی سے ادا کرنا یا اس طور کہ کوئی بات جھوٹ نہ پائے۔

۱۳۔ ستری نمازوں (یعنی ظہر و عصر) میں آہستہ قرآن پڑھنا اور چہری نمازوں (مغرب و عشاء فجر، جمعہ اور عیدین وغیرہ) میں آواز سے قرآن پڑھنا۔

۱۴۔ قعدہ اخیرہ میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم کرنا۔

۱۵۔ وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا اور پھر دعائے قنوت پڑھنا۔

ان میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے گا تو سجدہ سہو کرنا واجب ہوگا۔

۱۶۔ عید کی نماز میں چھ تکبیریں زائد کہنا واجب ہے لیکن اگر بغیر قصد کے جھوٹ جائیں تو سجدہ سہو لازم نہیں۔

نماز کی سنتیں سنت کے معنی لغت میں راہ و روش اور عادت کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں پیغمبر اسلام اور آپ کے صحابہ جس طریقے سے فرائض و واجبات

ادا کرتے تھے اُس کو سنت کہتے ہیں اُس طریقے پر عمل کرنا باعث ثواب ہے اگر ترک کر دے

تو مواخذہ نہیں۔ نماز کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے جس کا خوب تر طریقہ وہی ہے جو

نبی علیہ السلام کا تھا۔ لہذا ثواب کی طلب رکھنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ نماز

کی ضروری سنتیں یہ ہیں۔

۱۔ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا، مردوں کو کانوں تک اور عورتوں کو مونڈھوں تک۔ مرد اگر مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں تو بھی سنت ادا ہو جائے گی کیونکہ نبی علیہ السلام نے کبھی کانوں تک اور کبھی مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے ہیں۔

۲۔ ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیاں کھلی اور قبضہ کی طرف رکھنا۔

۳۔ امام کو ہر رکن ادا کرتے وقت تکبیر کہنا۔

۴۔ پہلی رکعت میں تکبیر کے بعد ثنا (یعنی سبحانک اللہ) آہستہ پڑھنا اور

۵۔ تعوذ (یعنی اعوذ باللہ) پڑھنا (۶) سورہ فاتحہ کی ابتدا تسمیہ (یعنی بسم اللہ) سے کرنا۔

۷۔ سورہ فاتحہ ختم کر کے آمین کہنا (بالکل آہستہ سے یا تھوڑا الٹی آواز سے دونوں باتیں سنت ہیں۔

۸۔ نیت باندھتے وقت دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑے ہونا، مردوں کو ناف کے برابر اور عورتوں کو سینے کے اوپر ہاتھ رکھنا چاہیے، اگر کوئی مرد بھی سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو یہ بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

۹۔ رکوع میں جلتے وقت اللہ اکبر کہنا۔

۱۰۔ رکوع کی حالت میں سر کو پیٹھ کے برابر رکھنا اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔

۱۱۔ رکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ تین بار کہنا۔

۱۲۔ قومہ یعنی رکوع سے اُٹھتے وقت امام کو تسبیح اللہ لمن حمد کہنا اور امام و مفتدی دونوں کو ”ربنا لك الحمد“ کہنا۔

۱۳۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنوں کو پھر ہاتھوں کو پھر پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا۔

۱۴۔ سجدے میں جاتے وقت اور پھر سجدے سے اُٹھتے وقت ”اللہ اعلیٰ“ کہنا۔

۱۵۔ دونوں سجدوں میں تین تین بار ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہنا۔

۱۶۔ سجدے کی حالت میں ہاتھ کے دونوں پہنچوں کو ناک کے برابر رکھنا (مردوں کو ران اور

پیٹ ملانا نہیں چاہیے جبکہ عورتوں کو ران اور پیٹ ملا کر سجدہ کرنا چاہیے۔ مردوں کو دونوں

کہنیاں ران سے ہٹا کر زمین سے اونچی رکھنا اور دونوں پیروں کو کھڑا رکھنا چاہیے جبکہ عورتوں کو اپنے پیر زمین پر بچھا دینا چاہیے۔

۱۷۔ جلسے اور قعدے میں مردوں کو بیٹیاں پر بچھا کر اس کے اوپر بیٹھنا چاہیے اور عورتوں کو دونوں پیر داہنی جانب نکال کر بیٹھنا چاہیے۔

۱۸۔ تشهد میں استشهد ان لا اله الا الله پر شہادت کی انگلی اوپر اٹھانا۔

۱۹۔ قعدہ اخیرہ میں تشهد کے بعد درود شریف پڑھنا۔

۲۰۔ درود کے بعد کوئی دعا پڑھنا۔

۲۱۔ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

۲۲۔ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔

**نماز کے مستحبات** مندرجہ ذیل آداب نماز دو باتیں ہیں جن کا نماز میں لحاظ رکھنا پسندیدہ ہے لکن اگر جھوٹ جائیں تو اس کی وجہ سے کوئی فرق

نماز کے ادا ہونے میں واقع نہیں ہوتا۔ لہذا آداب صلوٰۃ میں سے یہ ہے کہ :

۱۔ حالت نماز میں کسی ایسی چیز پر نظر نہ رکھے جو توجہ کو نماز سے ہٹا دے مثلاً کوئی لکھی ہوئی

عبارت یا نقش و نگار۔ پس کھڑے ہونے کی حالت میں سجدے کی جگہ پر، رکوع کی

حالت میں دونوں پیروں پر، جلسے اور قعدے کی حالت میں اپنی گود پر اور سلام پھیرتے

وقت اپنے مونڈھوں پر ہی نگاہ نہ پڑھائیے۔

۲۔ کھانسی کو طاقت بھر روکے۔ بخیر کسی سبب کے کھانسی جس میں کسی حرف کی آواز پیدا ہو جائے

نماز کو باطل کر دیتا ہے، یہی حکم ڈکار کا ہے۔ جاہلی روکنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ان الفاظ میں روایت کیا گیا ہے :

التقاوب فی الصلوٰۃ من

الشیطان فاذا اتفانک احداک

قلیکضمہ ما استطاع۔

نماز میں جاہلی لینا شیطان کی نسل اندازی

ہے پس تم میں سے کسی کو جاہلی آئے تو

حقی تلفدور اُسے روکنے کی کوشش

کرے۔

اگر نہ رُکے تو نہ بد ہاتھ رکھ لینا چاہیے۔

۲۔ منجملہ آداب صلوٰۃ کے مرد کو تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ باہر رکھنا اور عورت کو دوپٹے کے اندر ہی رکھنا ہے۔

۳۔ سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان بسم اللہ کہنا بھی مستحبات میں سے ہے۔  
 ۴۔ اقامت کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جانا اور قد قامت الصلوٰۃ کہنے پر امام کا نماز شروع کر دینا مستحب ہے۔  
 ۵۔ رکوع اور سجدے میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح پڑھنا صرف منفرد کے لئے مستحب ہے۔

**سترہ یعنی آڑ** سترہ اس چیز کو کہتے ہیں جو نماز کے آگے اس لئے رکھ لے کہ نماز پڑھنے میں کوئی شخص آگے سے نہ گزرے۔

**سترہ کے شرائط** کسی شے کو بھی سترہ بنایا جاسکتا ہے جس کی اونچائی ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو، وہ شے سیدھی ہو ٹیڑھی میڑھی نہ ہو۔ سترہ نماز کے پیروں سے تین گز کے فاصلے تک ہونا چاہیے کسی ضخیم چیز کا سترہ بنانا بڑے تو اسے سانسے چوڑان میں رکھنا بہتر ہے اگر کوئی شے سترہ بنانے کے لئے نہ ملے تو زمین پر ایک ٹکڑی پلائی شکل کی بنائی جائے۔ بیٹھے ہوئے آدمی کی پیٹھ کا سترہ یا ٹیٹا درست ہے یعنی پیٹھ کے نیچے نماز پڑھی جاسکتی ہے آدمی کا سترہ نماز کی جانب نہیں ہونا چاہیے اور وہ کلاخ شخص یا اجنبی عورت نہ ہو۔ کسی عینس شے کو بطور سترہ استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہی حکم منسوب چیز کا ہے۔ مالکی فقہاء منسوبہ شے کا سترہ بنانا درست اور نجس شے کا سترہ بنانا نامکروہت کہتے ہیں جبکہ حنبلی فقہاء منسوبہ شے کا سترہ بنانا صحیح نہیں کہتے اور نجس شے کا سترہ صحیح قرار دیتے ہیں۔

**نماز کے آگے سے گزرنا** نماز کے آگے سے گزرنے والا اگر گھبرا ہو گا جب کسی اہل طہارت سے گزرنے کی گنجائش ہو اور پھر بھی نماز کے آگے سے

گزرے ہو۔ لیکن اگر کسی اور طرف سے گزرنے کی گنجائش ہی نہ ہو تو گناہ کا رکنہ ہو گا مگر خلافِ اولیٰ کا مرتکب ضرور ہو گا۔ نماز پڑھنے والے کو بغیر سترہ رکھے ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں اس کے سامنے آمد و رفت ہوتی ہو منع ہے اگر اس کے آگے سے کوئی گزر جائے تو اس پر اس بات کا



گناہ ہوگا کہ اُس نے ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں لوگوں کو سامنے سے گزرنا پڑا۔ مستور نہ رکھنے کا گناہ نہ ہوگا، کیونکہ مستور رکھنا بذاتِ خود امرِ واجب نہیں ہے۔ اگر دونوں میں سے کسی ایک طرف سے کوتاہی ہوئی تو ایک ہی شخص گنہگار ہوگا لیکن اگر نمازی کی وجہ سے رکاوٹ نہ تھی اور جانے والے کو کسی اور جانب سے گزرنے کی گنجائش نہ تھی تو کسی کو گناہ نہ ہوگا۔ اس کے برعکس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے۔

اگر نمازیوں کی صف میں سے کہیں نکلنے کی جگہ نہ ہو تو نمازی کے آگے سے چلنا ناجائز ہے اسی طرح خانہ کعبہ کے طواف کے دوران نمازی کے سامنے سے گزرنا ناجائز ہے۔

یہ امر کہ نمازی کے آگے کتنے فاصلے سے گزرنا حرام ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بڑی مسجدوں یا مسیدانوں میں نمازی کے قدم اور سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور چھوٹی مسجد میں نمازی کے پیروں سے چار ہاتھ کے فاصلے تک پہنچ سے گزرنا حرام ہے۔ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے سے گزرنے والے کو اشارے سے روک سکتا ہے اور اشارہ سر سے ہو یا آنکھ سے یا تسبیح (یعنی سبحان اللہ) کہہ کر۔ عورت دو ایک بار ہاتھ پر ہاتھ مارے۔ یہ اجازت نہیں ہے کہ اشارے کی حد سے تجاوز کرے۔

**مکروہات نماز** وہ باتیں جو حالت نماز میں ناپسندیدہ ہیں یہ ہیں ان سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی لیکن کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۔ سَدَل (یعنی چادر کا کندھوں پر ٹھکانا) نماز میں مکروہ ہے، اسی طرح کرتے خیر وافی وغیرہ کو آستینوں میں ہاتھ ڈالے بغیر کندھوں پر ڈال لینا یا لگوبند کے دونوں سروں کو لٹک کر نماز پڑھنا، چادر یا دوپٹہ اس طرح اوڑھنا کہ اُس کا پتو دوسرے کندھے پر نہ ہو سَدَل کی تعریف میں ہے۔ اصطلاح بھی حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے یعنی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لاکر بائیں بازو پر ڈالنا اور دوسرے بازو کو کھلار کھنا) ۲۔ اَشْتِمَال الصَّامِر (یعنی کپڑے کو لپیٹ کر خود کو ڈھک لینا کہ ہاتھوں کو باہر نکال نہ جاسکے۔ یا چادر کا درمیانی حصہ دائیں بازو کے نیچے رکھ کر دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال لینا، نماز میں مکروہ ہے، مرد کو بغیر کسی معذوری کے اپنا منہ چادر وغیرہ میں ڈھک لینا

بھی مکروہ ہے۔

۳۔ حالت نماز میں آنگے یا پیچھے سے کپڑے کو اونچا کرنا اور کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹنا مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امرو ان اسجد علی سبعة مجھے حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اعظم وان لا اکت شعرا ولا ثوبا اور یہ کہ بال یا کپڑے کو نہ اٹھاؤں۔

پیشانی کے بالوں کو مٹی سے بچانے کے لئے اٹھانا یا منہ سے مٹی اور گرد کو بار بار اچھونکنا مکروہ ہے، اگر سجدے کی جگہ لنگری ہو تو اس کو ہٹانے کے لئے ایک ہاتھ چلائے یا منہ سے ہچوٹک دینے میں ہرج نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بدن یا کپڑے یا دارِ محی سے بے ضرورت کھیلنا اور اسی طرح کی اور باتیں نماز میں مکروہ ہیں۔ پیشانی سے پسینہ یا نئی کو صاف کرنے کے لئے ہاتھ پھیر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔

۵۔ نماز کی حالت میں انگلیاں چٹکانا یا ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ میں ڈالنا مکروہ ہے۔

۶۔ کمر یا گولھے پر بے ضرورت ہاتھ رکھنا اور رخ موڑنا نماز میں مکروہ ہے۔ آنکھ سے دایں بائیں دیکھ لینے میں ہرج نہیں ہے، مگر دن موڑنا روا نہیں۔

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقعار (یعنی کولہوں کو زمین پر ٹکاتا اور گھٹنوں کو اٹھائے رکھنا) اقرار دیکھوئے مارے کی طرح سجدے کرنا اور اتفات (ادھر ادھر دیکھنے یا منہ موڑنے سے) منع فرمایا ہے۔

۸۔ مکروہات کے منجملہ (افتراش) ذرائع (ہاتھ کو بچھانا) اور استینا (ہاتھ پر سمیٹنا) بھی ہے۔ ۹۔ حالت نماز میں اشارہ کرنا، بجز اس صورت کے کہ نماز کے آگے سے گزرنے والے کو روکنے کے لئے کیا جائے مکروہ ہے۔

۱۰۔ عقیص (یعنی سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا) باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۱۔ سورۃ فاتحہ یا کسی دوسری سورہ کا رکوع میں پہنچ کر تمام کرنا مکروہ ہے اسی طرح رکوع میں جا کر اللہ اکبر کہنا یا پورے طور پر کھڑا ہو چکنے کے بعد سمیع اللہ کہیں حمد کہ نہیں کہنا چاہئے۔ یہ دونوں اکلمے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے

وقت اور میلانی عرصے کے اندر ہادا ہونا چاہیے۔

۱۲۔ نماز کے دوران آنکھیں بند کر لینا یا آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی چیز سے توجہ ہٹانے کے لئے آنکھیں بند کی جائیں یا آیاتِ سادہ سے عبرت حاصل کرنے کے لئے آنکھ اوپر اٹھائی جائے تو کراہت نہیں۔

۱۳۔ تنگیس یعنی قرآنی ترتیب جو سورتوں کی ہے اُس کا لحاظ نہ رکھنا بھی مکروہ ہے پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی اُس کے بعد کی سورت دوسری رکعت میں پڑھنا چاہیے اگر اُس نے پہلی کی سورت دوسری رکعت میں پڑھی تو یہ تنگیس ہے، دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کا پڑھنا یا بار بار کسی رکعت میں سورت کا دہرانا بھی مکروہ ہے خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ ایک قول یہ ہے کہ نفعی نماز میں سورت کی تکرار مکروہ نہیں ہے، دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت زیادہ طول دینا بھی مکروہ ہے۔

۱۴۔ آتشزدہن یا تھوڑے روغن ہوں اُس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کسی جاندار کی تصویر نمازی کے سر کے اوپر یا آگے ہونا مکروہ ہے، جھوٹی تصویر جو لوگوں پر بنی ہو مکروہ نہیں ہے۔

۱۵۔ انگلی صاف میں جگہ جوتے ہوئے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۶۔ گزرگاہ۔ کوشا پھینکنے کی جگہ، جانور ذبح کرنے کی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۷۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو یا ایسے قبرستان میں جہاں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص جگہ نہ ہو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مذکورہ باتوں کے علاوہ بھی مکروہات ہیں مثلاً بیتاب، پامانہ یا ریح خارج کرنے کی حاجت ہوتے ہوئے نماز پڑھنا یا کھانا موجود ہو اور کھانے کی خواہش ہوتے ہوئے نماز پڑھنا کسی ایسے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جو اُس کی طرف منہ کئے بیٹھا ہو یا ستانی نماز کو فی معمولی حرکت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مسجد میں کیا کیا باتیں مکروہ ہیں؟ مسجد میں بے عذر راستہ بنا لینا یا اُس کے درمیان سے گزرنا۔

۲۔ غیر محتلف کو مسجد کے اندر سونا اور مسجد میں کھانا۔ مسافر کے لئے کراہت نہیں ہے۔  
 ۳۔ بلند آواز سے بات کرنا اور اونچی آواز سے ذکر کرنا جس سے دوسرے نمازیوں کو پریشانی ہو۔  
 ۴۔ خرید و فروخت کا سودا طے کرنا مکروہ ہے۔ مہبہ کرنا مکروہ نہیں اور عقد نکاح کرنا مستحب ہے۔  
 ۵۔ نجس یا نجاست آلود چیز کا مسجد میں داخل کرنا جو تے اگر اُس سے نجاست جھڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو اندر لائے جاسکتے ہیں۔

۶۔ بچوں اور فاجر اطفال شخص کو مسجد میں داخل کرنا اگر یہ گمان غالب ہو کہ وہ مسجد کو نجس کر دیں گے۔

۷۔ تھوک، رینٹ اور بلغم سے مسجد کی دیوار، فرش یا چٹائی کو آلودہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔  
 ۸۔ مسجد میں گم شدہ چیز کے متعلق پوچھ گچھ کرنا قطعاً مکروہ ہے۔  
 ۹۔ اشعار پڑھنا جن میں قامت و رخسار اور زلف و کمر کا ذکر ہو یا کسی کی مذمت ہو یا اور کوئی بیہودگی ہو مکروہ ہے۔

۱۰۔ مسجد میں نہ سوال کرنا جائز ہے نہ سائل کو خیرات دینا و اسے صرف صدقہ عطا کرنا جائز ہے۔  
 مسجد کے اوپر کی عمارت مسجد میں داخل نہیں ہے لیکن مسجد کے حصن کا فرش مسجد میں داخل ہے، لہذا اجوامور مسجد کے اندرونی حصے میں مکروہ یا حرام ہیں وہ فرش مسجد میں بھی مکروہ اور حرام ہیں۔ مسجد میں علوم کی تعلیم، درس قرآن، وعظ و نصیحت نیز شرعی احکام باری کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

مسجد کی دیواروں پر کسی قسم کی تحریر ہونا مکروہ ہے۔ امام مالک قبیلے کے رخ تحریر ہونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اوقات نماز کے علاوہ مسجد کو مقفل کر دینا مباح ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد کو اسی حالت میں بند رکھنا مباح ہے اگر سامان چلے جانے کا اندیشہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔

ایک جگہ کی مسجد کو دوسری جگہ کی مسجد سے بذات خود افضلیت نہیں ہے تاہم معنوی خوبی کے باعث سب سے افضل مکہ مکرمہ کی مسجد حرام پھر مدینہ منورہ کی مسجد نبوی پھر بیت اللہ کی مسجد اقصیٰ پھر مسجد قبا ہے۔ ان کے علاوہ ہر مقام پر سب سے قدیم مسجد کو

پھر سب سے بڑی مسجد کو پھر اُس مسجد کو جو نمازی سے قریب تر ہو فضیلت ہے جس مسجد میں دینی تعلیم دینے کا انتظام ہو وہ اُس مسجد سے افضل ہے جس میں یہ انتظام نہ ہو۔ محلہ کی مسجد کا وہاں رہنے والوں پر حق ہوتا ہے کہ اُسے آباد رکھیں اور بار و نفع بنائیں۔

وہ باتیں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں اور دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے یہ ہیں :

### مبطلاتِ صلوٰۃ

۱۔ نماز میں قصدِ آیانِ ادا نہ بات کر لینا۔ (۲) سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا (۳) جھینک آنے پر الحمد للہ کہنا یا الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) بُری خبر سن کر انا للہ پڑھنا۔ (۵) خوشی کی یا تعجب کی بات پر الحمد للہ یا سبحان اللہ کہنا (۶) کسی غیر شخص کی دعا پر آمین کہنا۔ (۷) درۃ حکیت یا رنج کی وجہ سے آہیں بھرنا اُت یا ہائے کہنا (۸) بے سبب کھانسناسب سے حرث کی آواز پیدا ہو (۹) قصدِ ایسا بھول کر کوئی شے کھاپی لینا (۱۰) نماز سے باہر قرآن پڑھنے والے کو غلطی بتانا یا لقمہ دینا (۱۱) عملِ کثیر (یعنی ایسا کام جس میں حرکت زیادہ کرنا پڑے) کرنا (۱۲) سینے کو قبلہ کی طرف سے موڑ لینا (۱۳) چوتھائی ستر کا اتنی دیر کے لئے کھل جانا کہ ایک سجدہ کیا جاسکتا ہو (۱۴) آواز کے ساتھ ہنس پڑنا (۱۵) قرآن پڑھنے میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی بدل جائیں (۱۶) اہل علم سے پہلے رکوع کر کے یا سجدہ کر کے اٹھ جانا (۱۷) حالتِ نماز میں حدّث واقع ہونا۔ تیمم والے کو پانی مل جانا، زخم بھر کر پٹی اتر جانا، مسح کرنے والے کے پیر سے موزہ اتر جانا، بے ہوشی کا طاری ہونا، دیوانگی کا دورہ پڑنا، ان سب باتوں سے نماز جاتی رہے گی۔ (۱۸) عورت کا مرد سے مل کر کھڑا ہو جانا اگر اتنی دیر ہو جتنی دیر میں ایک سجدہ کیا جاتا ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح :- حنفی فقہائے نزدیک اگر عورت مُشْتَهَاۃ (یعنی مرد کے لئے جاذبِ توجہ) ہو اور مرد کے برابر یا آگے کھڑی ہو جائے تو اُس کی نماز باطل ہو جائے گی، برابر ہونے سے مطلب یہ ہے کہ پنڈلیاں یا ٹخنے برابر میں ہوں اور دونوں ایک ہی امام کے مقتدی ہوں دُعیان میں ایک ہاتھ سے کم فاصلہ ہو جگہ اونچی نیچی نہ ہو، لہذا اگر وہ مرد کی پنڈلی اور ٹخنے سے نیچے ہے اور کسی اور امام کے پیچھے پڑھ رہی ہے اور فاصلہ ایک ہاتھ یا زیادہ ہے اور عورت مرد سے اونچی جگہ پر ہے تو اُس کی نماز باطل نہیں ہوگی اُسی طرح اگر برابر میں ہوتے

ہوئے ایک مسجد یا ایک درگاہ کے بعد رخصت نہ لگا ہو تو بھی نماز نہیں خراب ہوگی۔  
 اگر نماز میں کھٹکار ناپاگلگلا صحت کرنا آواز ٹھیک کرنے کیلئے ہو تا کہ قرأت صحیح کر سکے یا امام  
 کو قہر دے سکے تو ایسا کرنے سے نماز میں خرابی نہیں آئے گی۔  
 نماز میں اگر اللہ کے خوف سے روئے یا کسی مرض کی تکلیف سے کراہٹ کی آواز نکل جائے  
 تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر نماز میں تیمم، موزوں کا مسح، زخم کی بیٹی کا مسح ٹوٹ جائے یعنی پانی بے سر آبلے یا موزہ  
 پیر سے اتر جائے یا زخم بھر جانے کے بعد پٹی گر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر قعدہ اخیرہ میں  
 بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد ایسا ہو تو نماز ہو جائے گی۔ یہی حکم آواز سے ہنسی کے بارے میں  
 بھی ہے۔

نماز ختم ہونے سے پہلے قصد اسلام پھیر دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر سہواً  
 یہ سمجھ کر کہ نماز پوری ہو گئی اسلام پھیر دیا تو نماز باطل نہیں ہوگی جب تک عمل کثیر نہ کیا ہو اور نہ بولا ہو۔

وہ امور جن کے سبب نماز توڑ دینا چاہیے نماز پڑھتے وقت کوئی موزہ یا جاور مثلاً سانپ یا  
 بچھو سامنے آجائے یا پھڑکھڑے میں گھس جائے  
 تو نماز توڑ کر انہیں مار دینا چاہیے۔ بلی مرغی کو پکڑ لے یا گھی یا دودھ میں منہ ڈالنے کا اندیشہ ہو تو نماز  
 توڑ کر ان چیزوں کو محفوظ کر دینا چاہیے، اسی طرح کتا، بندر اگر نماز پڑھنے میں گھس آئے اور کسی  
 چیز کو نقصان پہنچ جانے کا خوف ہو تو نماز توڑی جاسکتی ہے۔ مسجد میں سامان یا جوتا وغیرہ ایسی  
 جگہ چھوڑا جہاں سے وہ چوری کیا جاسکتا ہو یا گھر میں کوئی قیمتی چیز ایسی جگہ رکھ دی جہاں وہ محفوظ نہیں  
 ہے تو نماز پڑھنے میں ان کا خیال آتے ہی نماز توڑ کر انہیں صحیح جگہ رکھنے کے بعد اطمینان سے نماز  
 پڑھنا چاہیے۔ ریل یا بس وغیرہ سے سفر کرنے میں اگر کسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور سواری چھوٹنے  
 لگے تو نماز توڑ دینا چاہیے۔ حالت نماز میں پیشاب یا غائے کی ضرورت پڑ جائے اور بغیر فراغت کے چاہو  
 نہ ہو تو نماز کو توڑ دینا چاہیے۔ کسی کو ہلاکت یا تباہی سے بچانے کے لئے نماز توڑ دینا فرض ہے مثلاً  
 کوئی دھبہ رہا ہو، کپڑوں میں آگ لگ گئی ہو، کسی اندھے کے راستے میں کنواں یا گڑھا ہو، ریل یا  
 بس آ رہی ہو اور وہ اس کی زد میں ہو، کوئی شخص مدد کے لئے پکار رہا ہو، ایسی حالتوں میں اگر نیت

نہیں توڑے گا تو گناہ سنگار ہوگا۔ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اُس کے ماں، باپ یا دادا، دادی اور نانا، نانی میں سے کوئی بھی ضرورت سے بلائے اور کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو نماز توڑ کر جانا چاہیے۔

## اذان کا بیان

**اذان کی تعریف** اذان کے معنی اطلاع دینے کے ہیں "أَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" (اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے آگاہی دی جاتی ہے) "أَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" (حج کے متعلق سب لوگوں میں اعلان کر دو) اذان اصطلاح میں نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دینا ہے (جس کے لئے خاص الفاظ ہیں)

**اذان کا حکم اور اس کی مشروعیت** اذان نماز کی سنتوں میں سے ایسی سنت ہے جو نماز سے خارج ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذِّنُوا لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (جمعہ، آیت - ۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے (اذان دی جائے) تو اللہ کی عبادت کے لئے چل پڑو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی شخص اطلاع کے لئے اذان دے۔

اذان ہجرت کے پہلے ہی سال شروع ہوئی جس کی تفصیل حدیث کی کتابوں ابو داؤد، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے۔ مردوں کے لئے ہر فرض نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے کوئی ایک شخص اذان کہہ لے تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے لہذا مکملہ کے لوگوں کے لئے یا جماعت کے لئے اذان سنت مؤکدہ کفایہ ہے، سفر میں بھی حضر میں بھی خواہ ادا ہو یا قضا۔ شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کو اذان دینا، اس لئے ضروری نہیں ہے کہ محلہ کی اذان کافی ہے۔ و تہرجاگرچہ واجب ہے اس کے لئے بھی اذان مسنون نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے عشا کی اذان کو کافی سمجھا گیا ہے۔

جنازہ، عیدین، سورج گرہن، استسقا اور تراویح کے لئے اور سنتوں کی نماز کے لئے اذان دینا مسنون نہیں ہے۔

اذان دینے کا طریقہ اور اُس کے الفاظ مسنون طریقہ کسی اونچی جگہ کھڑا ہونا، دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈال کر بلند آواز سے یہ الفاظ کہنا ہے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ چار بار اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو بار اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهُ دو بار حَتّٰی عَلَى الصَّلٰوةِ دو بار حَتّٰی عَلَى الْفَلَاحِ دو بار، پھر اللّٰهُ اَكْبَرُ دو بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک بار۔

فجر کی اذان میں حَتّٰی عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النُّوْمِ دو بار کہنا سنت ہے اذان کے بعد مؤذن کو اور ہر اذان سننے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور پھر یہ دُعا پڑھنا چاہیئے:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَنْتَ مُحَمَّدٌ الْوَسِيْلَةُ وَالْفَضِيْلَةُ وَالْعَتَّةُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَنِيْ اِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

اذان سننے والوں کو مؤذن کے الفاظ کے جواب میں مؤذن کی اذان کا جواب دینا وہی الفاظ دہرانا مستحب ہے لیکن جب مؤذن حَتّٰی

عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَتّٰی عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو سننے والوں کو جواب میں یہی الفاظ نہیں بلکہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیئے اور فجر کی نماز میں جب مؤذن الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النُّوْمِ کہے تو سننے والوں کو جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَکَاتُکَ کہنا چاہیئے۔ سننے والا اگر نماز میں پیشاب یا پھانے سے فراغت کر رہا ہو، بیوی سے مقاربت میں مصروف ہو، خطبہ جمعہ میں مشغول ہو۔ کھانا کھا رہا ہو، قرآن کی تلاوت کر رہا ہو، علم دین پڑھ رہا ہو تو اُس کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں۔

اذان کی شرائط اذان درست ہونے کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں:

(۱) اذان کی نیت سے الفاظ اذان ادا کرنا۔



(۲) الفاظ اذان یکے بعد دیگرے اس طرح ادا کرنا کہ بیچ میں لمبا وقفہ نہ ہو اور نہ گفتگو کی جائے۔

(۳) اذان عربی الفاظ میں ہو اس کا ترجمہ دوسری زبان میں نہ ہو۔

(۴) نماز کا وقت آجانے پر ہی اذان دی جائے۔

(۵) الفاظ کی ترتیب آگے پیچھے نہ کی جائے۔

(۱) اذان دینے والا مسلمان ہونا چاہیے۔

**اذان دینے والے کی شرائط** (۱) صحیح العقل ہونا چاہیے، دلوانگی یا نشے یا بے ہوشی

کی حالت میں اذان دینا صحیح نہیں۔ (۳) مرد ہونا چاہیے۔ عورت اور مختف کی اذان درست

نہیں (۴) وہ نابالغ لڑکا جس میں تینہ کامادہ ہو خود یا کسی بالغ مؤذن کے اذن سے اس کے بجائے

اذان دے سکتا ہے۔

اذان دیتے وقت با وضو ہونا۔ آواز بلند اور دل پسند

ہونا، اونچی جگہ کھڑے ہو کر اذان دینا بیٹھ کر نہیں۔

**اذان کی سنتیں اور مستحبات**

قبلہ رخ رہنا۔ حتیٰ علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں طرف اور حتیٰ علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف

چہرے اور گردن کو اس طرح موڑنا کہ سینہ اور قدم نہ مڑے۔ تکبیر کے وقت ہر دو تکبیر کے بعد

ٹھہرنا اور باقی ہر جگہ پر توقف کرنا مستحب ہے، اس کو ترشیل کہتے ہیں۔

حالت جنابت میں اذان دینا منع ہے۔ عورتوں

کا اذان دینا بھی منع ہے۔ حدیث اصغر کی حالت

**اذان میں کیا باتیں منع یا مکروہ ہیں**

میں اذان دینا۔ فاسق (بدکار) کا اذان دینا۔ حالت اذان میں قبلہ کی طرف سے منہ ہٹانا (حتیٰ علی

الصلوٰۃ اور حتیٰ علی الفلاح کہتے وقت کے علاوہ اذان کے دوران کوئی اور بات کہنا۔ بلا حذر

بیٹھ کر اذان دینا۔ غیر مسافر کا سواری پر اذان دینا۔ اذان میں راگ اور لے پیدا کرنا یعنی زیر و بم

کے ساتھ آواز کو اونچا نیچا کرنا (مکروہ ہے) وقت سے پہلے مثلاً طلوع صبح صادق سے پہلے فجر کی۔

سورج ڈھلنے سے پہلے ظہر کی اور غروب آفتاب سے پہلے مغرب کی اذان دینا بھی مکروہ ہے جمعہ کی

پہلی اذان کے بعد کوئی دنیاوی کام کرنا بھی مکروہ ہے۔

**اقامت کی تعریف** نماز کے لئے کھڑے ہو جانے کی اطلاع دینے کا نام "اقامت" ہے۔ اس کے الفاظ اذان کے الفاظ کی طرح ہیں حتیٰ علیٰ الغلّاح کے بعد الفاظ "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" دو بار مزید کہے جاتے ہیں۔ دونوں کالوں میں انگشت شہادت ڈالنے اور حتیٰ علیٰ الغلّاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ کرنے کی قید نہیں ہے۔ حنفی مسلک یہی ہے۔ باقی ائمہ کے مسالک میں مجبوس دو دو بار اور باقی الفاظ ایک ایک بار اور قدامت الصلوٰۃ دہر کہنے سے اقامت کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

**اقامت کی شرطیں** اقامت کے شرائط وہی ہیں جو اذان کے ہیں۔ اقامت نماز سے متصل ہوتی ہے لہذا اقامت کے بعد کوئی اور کام کرنے لگنا صحیح نہیں۔ لیکن اگر اقامت کہہ چکنے کے بعد امام نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو اقامت کو دہرایا نہ جائے۔ اقامت سن کر مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہیے اس کا کوئی تعین نہیں ہے۔

**اقامت کی سنتیں اور مستحبات** جو باتیں اذان میں بیانی کی جا چکی ہیں ان میں سے اقامت ادنیٰ جگہ پر کھڑے ہو کر اذان سنت ہے، اقامت نہیں ہے۔ الفاظ اذان کا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا سنت ہے، اقامت میں جلدی جلدی ادا کرنا سنت ہے پھرے اور گردن کا جن الفاظ اذان میں ٹوٹا سنت ہے اقامت میں نہیں ہے۔ اقامت کہنے والا جب حتیٰ علیٰ الصلوٰۃ کہے مقتدی کو کھڑا ہونا چاہیے۔ حنفی علماء کا مسلک یہی ہے۔

**اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ** افضل وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اذان دینے کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ لوگ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لیں مستحسن ہے لیکن مغرب کی نماز میں اذان و اقامت کا درمیانی وقفہ مختصر ہونا چاہیے پس اتنا کہ اس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں۔

**اذان کی اجرت** اگر کوئی متطوع (بغرض ثواب اذان دینے والا) نہ موجود ہو تو بیت المال یا وقف مال سے اجرت مقرر کی جاسکتی ہے، یہی حکم اقامت کہنے والے اور اقامت کرنے والے کے لئے بھی ہے۔

نماز کے علاوہ اذان دینا بچے کی پیدائش پر اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہنا مستحب ہے۔ اسی طرح آگ لگ جانے، جنگ چھڑ جانے، مسافر کے پھڑپھڑانے پر اُدھ کی غم زدہ یا مرگی کے دورے میں مبتلا شخص کے کان میں اذان دینا مستحب ہے۔

اذان کے بعد درود بھیجنے کا حکم اذان دینے کے بعد مؤذن کو اور اذان سننے والوں کو اذان کے بعد درود پڑھنے اور پھر دعا پڑھنے کا ذکر کیا جا چکا ہے اور الفاظ اذان کے جواب میں جو الفاظ سننے والوں کو کہنا مسنون ہیں انھیں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا عني" (جب مؤذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو) حدیث میں آہستہ آواز یا بلند آواز سے درود بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر مؤذن اونچی آواز سے پڑھے تو اس لئے مستحق ہے کہ دوسروں کو یاد آجائے گا۔

نماز تطوع (حصولِ ثواب) وہ نمازیں جو فرض نمازوں کے ساتھ یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں دو قسم کی ہیں۔

راتبہ (مقررہ) اور غیر راتبہ۔

راتبہ رکعتیں دن اور رات میں دس ہیں۔ نماز ظہر میں دو رکعتیں فرض کے پہلے اور دو رکعتیں فرض کے بعد۔ مغرب میں فرض کے بعد دو رکعتیں۔ عشاء میں فرض کے بعد دو رکعتیں اور نماز فجر میں فرض سے پہلے دو رکعتیں۔ یہ تفصیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔ انھوں نے فرمایا: كَفَّلْتُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَسْ رَكَعَتَيْنِ يَأْخُذُ بِهِنَّ فِي النَّهْرِ وَفِي اللَّيْلِ وَفِي الْغَدَاةِ وَفِي الْمُمْسَاةِ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر دس رکعتیں یاد رکھی ہیں۔

اور ان کی تفصیل (مذکورہ بالا) بیان کی۔

یہ نمازیں سنتِ موکدہ ہیں۔ اگر یہ رہ جائیں تو ان کی قضا کی جائے لیکن اگر یہ نمازیں منہض نمازوں کے ساتھ چھوٹ جائیں اور ان چھوٹی ہوئی نمازوں کی تعداد زیادہ ہو تو انھیں بطور قضا پڑھنا لازم نہیں ہے، فجر کی سنت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی قضا پڑھنا چاہیے اور قضا پڑھنے

کا وقت نزول آفتاب سے پہلے ہے اس کے بعد ان کی قضا جائز نہیں۔ فجر کی جماعت شروع ہوگئی ہو تو اگر جماعت میں شامل ہو جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو اگر جماعت لینے کی امید نہ ہو تو اُسے ترک کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد ان سنتوں کی قضا نہیں ہے (ان سنتوں کی قضا فرض کے ساتھ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا) یہ منفی مسلک ہے جو فجر کے فرض پڑھ لینے کے بعد سنتیں پڑھنا مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن شافعی مسلک میں مکروہ نہیں ہیں، اگر فرض کے بعد بھی پڑھی جائیں۔

نماز پڑھنے کی مکمل صورت نماز شروع کرنے وقت دل کو دنیا کے کاموں اور خیالات سے فارغ کر کے اللہ کے سامنے حاضر کر لینا چاہیے اور یکسو ہو کر کہنا چاہیے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلدِّیْنِ فَطَرَالسَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

میں نے اپنا منہ پوری توجہ کے ساتھ اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

پھر سیدھے کھڑے ہو کر یہ نیت کرنا چاہیے کہ کہ کون سی نماز اور کتنی رکعت پڑھنے جا رہا ہے اور اس کا رخ کبے کی طرف ہے (کبے کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور یکسوئی پیدا کرنے میں معاون ہوگا) دل سے نیت کرنا ضروری ہے زبان سے بھی کہہ لے تو بہتر ہے جیسے:

تَوْنِیْتُ اَنْ اُصَلِّیْ رُكْعَتَیْ صَلَوةِ الْفَجْرِ فَرَضًا لِلّٰهِ تَعَالٰی مَنَحْجَهَا اِلٰی جِهَةِ الْكُعْبَةِ اِسْتِیْقَةً۔

(میں دو رکعت نماز فجر پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جو اللہ کے واسطے مجھ پر فرض ہے اور میں

کعبہ شریف کی طرف اپنا رخ کئے ہوئے ہوں)

کھڑے ہونے میں نہ لو گردن جھکی ہوئی ہو اور نہ تنی ہوئی ہو، دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ کم سے کم چار انگلی یا اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔ نگاہ سجدے کی جگہ پر رہنا چاہیے، پھر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے ہوئے سجیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہے۔ ہتھیلیاں قبلہ رخ رہیں، سجیر کہنے کے بعد ہاتھ نات سے اوپر اس طرح باندھے جائیں کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر

دانے ہاتھ کی ہتھیلی سے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے  
 پر گرفت ہو۔ ہاتھ باندھنے کے فوراً بعد اللہ کی تسبیح اس طرح کہی جائے: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ  
 وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ" (اے اللہ تو ہر نقص  
 سے پاک اور ہر تعریف کا مستحق ہے تیرا نام برکت والا ہے تیری بزرگی سب سے برتر ہے اور  
 تیرے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے) اس کے بعد تَعُوذ (یعنی اعوذ باللہ) اور تسمیہ  
 (یعنی بسم اللہ) کہہ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور ختم کرنے پر آہستہ سے آمین کہے پھر قرآن کی کوئی سورہ  
 یا تین آیتیں کم از کم تلاوت کرے، اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور پھر پھر تین  
 بار "سبحان ربی العظیم" پڑھے۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے اپنے  
 گھٹنے پکڑے، دونوں بازوؤں کو پہلو سے ملائے رکھے، سر کو زیادہ نہ جھکائے، نہ پیٹھ کو زیادہ اونچا  
 رکھے بلکہ سر سے گولہوں تک سطح برابر رہے تسبیح کم سے کم تین بار ورنہ پانچ یا سات بار بھی پڑھی جاسکتی ہے  
 ہے۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے سَمِیعُ اللہ لَمَن حَمْدُہ کہتا ہوا اکھڑا ہوا جائے۔ اور کھڑے ہو کر  
 تمجید (یعنی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے، دونوں نفروں کا ترجمہ یہ ہے (خدا نے اس کو سنا جس نے  
 اس کی حمد کی) (۱)۔ پروردگار تیرے ہی لئے ساری تعریف ہے) امام کو دونوں فقرے  
 کہنا چاہیں پہلا بلند آواز سے اور دوسرا آہستہ سے اور ہندی کو صرف دوسرا فقرہ آہستہ سے کہنا چاہیے۔  
 سجدے میں اس طرح جانا چاہیے کہ پہلے گھٹنے فرش پر ٹکیں پھر دونوں ہاتھ کے پنجے کانوں کے  
 برابر رکھ کر پیشانی فرش پر ٹکی جائے اس طرح گناہ بھی زمین کو چھوتی رہے۔ ہاتھوں کی انگلیاں  
 ملی ہوئی اور پیروں کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رہنا چاہیے زمین سے اٹھی ہوئی نہ ہوں، کھائی اور  
 کہنی فرش سے اٹھی ہوئی اور پیٹ اور راتوں سے الگ رہنا چاہیے سجدے میں سر رکھ کر تین بار  
 "سُبْحَانَ رَبِّیْ اَلْعَلِیِّ" (میرا بلند تر پروردگار ہر گئی اور نقص سے پاک ہے) پڑھے۔ اس کے  
 بعد اللہ اکبر کہہ کے سر اٹھائے پھر اچھی طرح بیٹھ جانے کے بعد دوسرا سجدہ کرے، بیٹھے کا وقفہ  
 اتنا ہو جس میں یہ دعا پڑھی جاسکے: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي  
 وَانصُرْنِي وَاجْعَلْنِي وَامْرَأَةً نَّحِيَّةً" (اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر، میرا قصور  
 معاف کر، مجھے سیدھی راہ پر چلا، مجھے ملامت رزق دے، میری ننگستہ مالی دور کر اور مجھے اونچا اٹھا)

دونوں سجدے کرنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے یعنی پہلے پیشانی فرشتے سے اٹھے، پھر دونوں ہاتھ اٹھ کر ران پر آئیں، پھر گھٹنے زمین سے اٹھیں، دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھے، صرف تسبیح و تَعَوُّذ کو نہ دہرائے کیونکہ وہ پہلی رکعت ہی میں ضروری ہے۔ پھر حسب سابق تکبیرات کے ساتھ رکوع، قومہ، سجدہ اولیٰ، جلسہ اور سجدہ ثانیہ کرنے کے بعد اس طرح بیٹھے کہ داہنا پیر انگلیوں پر کھڑا ہے، انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور بائیں پیر موڑ کر اس پر بیٹھ جاوے، دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر تشہد پڑھے، اس بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں۔ تشہد کے الفاظ یہ ہیں۔ ا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالطَّيْبَاتُ	دل و جان سے اور صبر و مال سے کی جانے والی
اَسْلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ	بندگان اللہ کی کے لئے ہیں۔ اے نبی آپ
رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَسْلَامٌ	پر سلام ہو اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں
عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ	ہوں۔ ہم پر اور خدا کے تمام نیک بندوں پر
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ	سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔	خدا نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

تشہد پڑھتے ہوئے جب لفظ اَشْهَدُ پڑھیں تو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کو مل کر ملکہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو لفظ لَا اِلَهَ کہتے وقت اٹھائے اور اَلَا اللہ کہتے وقت گرا دے پھر ہاتھ کو اسی طرح رہنے دے جب تک بیٹھے۔ اگر چار رکعت والی نماز کی نیت کی تھی تو یہ قعدہ والی کہلائے گا اور تشہد پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہونے کے بعد تیسری رکعت اسی طرح پڑھے جس طرح دوسری پڑھی تھی، سنت اور نفل نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعتیں اسی طرح پڑھی جاتی ہیں جس طرح دوسری رکعت لیکن فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع کرے۔ دوسری رکعت والی نماز ہو تو پہلے ہی قعدے میں اور چار رکعت والی ہو تو قعدہ ثانیہ میں تشہد پڑھنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے سب درودوں میں سے یہ درود پڑھنا خود آنحضرتؐ نے تلقین فرمایا ہے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ  
 مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ  
 وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ  
 تَجِيدُ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ  
 وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ  
 عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِهِمْ  
 آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ تَجِيدُ  
 اے اللہ حضرت محمد اور آپ کی آل پر رحمت  
 نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم  
 اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی بیشک  
 تو ہی لائق تعریف اور حقیقی بڑائی والا  
 ہے اے اللہ حضرت محمد اور آپ کی آل  
 کو برکت عطا فرما جیسی تو نے حضرت ابراہیم  
 اور ان کی آل کو برکت عطا فرمائی بیشک  
 تو ہی لائق تعریف اور بڑائی والا ہے۔  
 (بخاری)

درود کے بعد یہ دعا پڑھے جو رسول اللہ نے تعلیم فرمائی تھی۔ دوسری دعائیں بھی آپ  
 پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا  
 كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ  
 إِلَّا أَنْتَ فَاعْرِضْ لِي مَغْفِرَةً  
 مِنْ عِنْدِكَ وَأَمْسِكْ بِئْسَ الْكَاذِبُ  
 أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ  
 اے اللہ مجھ سے بہت سی غلطیاں سرزد  
 ہوئی ہیں اور میرے علاوہ کوئی گناہوں کو  
 بخش نہیں سکتا پس تو مجھے اپنی خاص  
 خطاؤں کی صفت سے بخش دے اور مجھ  
 پر رحم فرما اور بیشک تو ہی بخشنے والا اور  
 رحم کرنے والا ہے۔  
 (مسلم، ترمذی)

دعا پڑھنے کے بعد دائیں طرف منہ پھیر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر بائیں طرف منہ  
 کر کے یہی کہے (کہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) سلام بھیجتے وقت تمام مسلمانوں کی  
 نیت کرے اور فرشتوں کی جو دائیں بائیں ہر وقت موجود ہیں۔

نماز ختم ہونے کے بعد اذکار ہر فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاص وظائف پڑھنے  
 کا ذکر آیا ہے ان کے بعد تیس بار سُبْحَانَ اللَّهِ  
 تَقْسِ بِارِ الْحَمْدِ لِلَّهِ تَقْسِ بِارِ اللَّهِ أَكْبَرُ اور ایک بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهَذِهِ لَأَشْرَفُ لَكَ  
 السُّلُوكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھنا ہے، وظائف کے الفاظ

کا ترجمہ یہ ہے :

پاک ہے اللہ ہر نقص یا کوتاہی سے (۲۲ بار) ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے  
(۲۲ بار) اللہ سب سے بڑا ہے یا ساری بڑائی اسی پر ختم ہے (۲۳ بار) ذات واحد  
کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں ۱۰ اسی کی بادشاہت ہے وہی تعریف  
اور شکر کا مستحق ہے اور ہر چیز اُس کے قبضہ قدرت میں ہے (ایک بار) اس کے بعد کہے :-  
اَللّٰهُمَّ لَا مَالٍ لَّعَالَمٍ لَّيْسَ لَكَ شَيْءٌ وَلَا تُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ خَالِكَ مِنْكَ الْجِدُّ  
”اے اللہ تو جو کچھ عطا کرنا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز سے تو روک دینا چاہے  
اسے کوئی بے نہیں سکتا اور کوشش کرنے والے کی کوئی کوشش تیرے سامنے بے سود ہے۔

یہ اذکار فرض پڑھ چکنے کے بعد ہی شروع کر دینا چاہیے یا سنت و نوافل کے بعد۔ امام  
حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرض کے بعد ادرستوں سے پہلے پڑھنے کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہ  
کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان اتنی دیر سے زیادہ توقف کرنا مکروہ ہے جتنی دیر میں یہ کہاتے

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَاكَتْ يَا اَذْنَابُ الْجَلَالِ وَالْاَكْرَامِ

(اے اللہ تیری ذات سلامتی کا سرچشمہ ہے تیری ہی طرف سے ہر ایک کو سلامتی

ملتی ہے اور اے بڑائی والے اور احسان کرنے والے تیری ذات ہی بابرکت ہے۔

ستحب یہ ہے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد تین بار استغفار کرے، آیتہ الکرسی اور معوذتین بار  
پڑھے پھر تسبیح و تحمید و تکبیر و تہلیل (جس کا بیان کیا جا چکا) کہے۔ آنحضرتؐ اپنی دعائیں پڑاتے  
تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ قُلُوْبٍ لَا یَخْشَعُ (اے اللہ میں ایسے دل سے پناہ  
مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔)

یہ نماز تین اماموں کے نزدیک سنت اور امام مالکؒ کے  
صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) نزدیک مستحب تاکید ہے، اس کا وقت سورج کے  
ایک نیزہ بلند ہونے سے زوال سے پہلے تک ہے اور افضل یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گزرنے  
پر پڑھنا شروع کرے۔ اس نماز کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ امام  
ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سولہ رکعتیں تک پڑھی جاسکتی ہیں۔ دو دو یا چار چار ایک تسلیم



سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو پڑھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض اور نفل نمازوں کا ذکر حدیث میں آیا ہے مثلاً:

(۱) نماز اشراق علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جو سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ

(۲) صلوٰۃ التیمم جو تسبیحات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے یعنی سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کو ہر رکعت میں اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ سورۃ

فاتحہ سے پہلے پندرہ بار اور سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ اُس کے ساتھ پڑھنے کے بعد دس بار پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس بار پھر قوہ میں دس بار پھر سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار پھر سجدے سے سر اٹھانے کے بعد دس بار پھر دوسرے سجدے میں دس بار۔ چار رکعتیں اسی طرح پڑھی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم حضرت عباسؓ کو دی تھی اس لئے سنت ہے۔

نماز تہجیۃ المسجد کوئی نماز مسجد میں داخل ہوا تو مسکت یہ ہے کہ دو رکعت نماز تہجیۃ المسجد کی نیت سے پڑھے، جتنی علماء اس کی دو یا چار رکعتیں کہتے ہیں اور چار رکعتیں دوسے

افضل تسلیم کرتے ہیں۔ شرائط اس نماز کے لئے یہ ہیں کہ مسجد میں داخل ہونا ممنوعہ اوقات میں نہ ہو مثلاً سورج نکلنے کے وقت یا نماز عصر کے بعد۔ حالت حدث میں نہ ہو۔ ایسے وقت میں داخل نہ ہوا موجب جماعت کے لئے اقامت بھی جاری ہو یا خطیب جمعہ کے خطبے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

نماز تہجیۃ الوضو اور سفر سے واپسی یا سفر کو روانگی کے وقت نماز پڑھنا صغیر سے پاک

ہونے کے بعد دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے، سفر پر جانے وقت اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے، آنحضرتؐ علیہ وسلم نے فرمایا: ما خلف احدکم عند اہلہ افضل من رکعتین یوکیھا عندہ حیث یرید سفرًا (طبرانی) یعنی جب کوئی شخص سفر کا قصد کرے تو مسب سے بہتر خیر موجودہ اپنے کہنے میں پھوڑ سکتا ہے وہ رکوع والی دو رکعتیں ہیں جو جانے سے پہلے پڑھی جائیں) امام مسلم نے کعب بن مالکؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کو

دوپہر کے وقت سفر سے واپس آیا کرتے تھے اور پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر بیٹھتے تھے۔

رات میں عشا کے بعد سے صبح صادق تک جو نفل نمازیں ادا کی جائیں وہ تہجد کی نماز شمار تہجد بھی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو تین گھنٹے سو کر پھر اٹھا کرتے اور تہجد کی نماز پڑھتے۔ طبرانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے،

لَا بَدَّ مِنَ الصَّلَاةِ بَلِيلٍ وَ لَوْ حَلَبَ شَاةُ (رات کی نماز ضروری ہے خواہ اتنی ہی دیر ہو جس میں بکری دو ہی جاسکے) رات کی نفل نمازوں کی نفل نمازوں سے افضل ہے امام مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: اَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ (فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔ اس نماز کی رکعتیں متعین نہیں ہیں۔ چار، چھ، آٹھ جو بھی ہو سکیں پڑھنا چاہیے، یہ نماز خدا سے تعلق جوڑنے، بکسوئی اور طہانیت قلب پیدا کرنے، نفس کی اصلاح اور مصائب پر صبر کرنے کی طاقت عطا کرنے میں معاون ہوتی ہے، سورہ مزمل میں ارشاد درباری ہے:

إِنَّ نَاسِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا (بیشک رات کے اُٹھنے میں نفس کی پامالی اور دل و زبان کا میل بہت خوب ہوتا ہے اور بات (دعا) خوب

درست ادا ہوتی ہے)

نماز استخارہ استخارے کے لئے دو رکعتیں پڑھ کر دعا کرنا حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے ثابت ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ تمام محدثین نے روایت کیا ہے وہ روایت ترجمے کے ساتھ درج ذیل ہے:

مَنْ رَسَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا أَلَا سَتَمُنَا فِي الْأُمُورِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں استخارے کا طریقہ اس طرح سکھا یا جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے آپؐ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے پھر
كَلِمَاتٍ كَلِمَاتٍ يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنْ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هُمْ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ	

مِنْ غَيْرِ الْمَرْيُتَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ - یہ دعا پڑھے۔

## استخارے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ  
وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ  
اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ  
فَاِنَّكَ قَدِیْرٌ وَ لَا اَقْدِرُ وَ  
تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ  
الْغُیُوبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ  
تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ  
فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَتِیْ  
اَمْرِیْ (یا۔ عَاجِلْ اَمْرِیْ وَ اَجِلْهِ)  
فَاَقْدِرْ لِّیْ وَ یَسِّرْ لِّیْ ثُمَّ بَارِكْ  
لِیْ فِیْهِ وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ  
اَنَّ هَذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ  
وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَتِیْ اَمْرِیْ  
(یا۔ عَاجِلْ اَمْرِیْ وَ اَجِلْهِ)  
فَاَصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْ بَیْنَ  
عَنِّهِ وَ اَقْدِرْ لِّیْ الْخَیْرَ  
حَیْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِیْ بِهِ

اے اللہ میں تیرے علم سے غیر کا طالب  
ہوں اور تیری قدرت سے طاقت مانگتا  
ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوالی ہوں بیشک  
مجھے سب قدرت ہے اور مجھے کچھ قدرت  
نہیں مجھے سب علم ہے اور مجھے کچھ بھی علم  
نہیں تو ہی غیب کی باتوں کو خوب جانتا  
ہے، اے اللہ اگر یہ کام میرے دین میری  
زندگی میرے انجام کے لئے (یا جلد یا بدیر  
میرے حق میں) بھلا ہے تو مجھے اُسے کرنے  
کی طاقت دے میرے لئے اُس کو آسان  
کرنے بھر اُس سے مجھے برکت عطا کر اور اگر  
تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی  
اور میرے انجام کے لئے (یا جلد یا بدیر  
میرے حق میں) بُرا ہے تو اس سے مجھے باز  
رکھ اور ایسا عمل کرنے کی توفیق دے جو  
میرے لئے اچھا ہو اور پھر تو بھی اس سے  
راضی ہو۔

آپ نے فرمایا کہ "یہ کام" کہتے وقت کام کا نام لینا چاہیے۔

اگر کسی کی کوئی ضرورت (جو شرعاً جائز ہو) اٹنی ہوئی  
ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے۔ ترمذی میں عبد اللہ بن

نماز حاجت اور اس کی دعا

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ حَاجَةٌ  
أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ  
فَلْيَتَوَضَّأْ وَيَجْسِنِ الْوَضوءَ ثَمَّ  
لِيَصِلْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُشْنِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى  
وَلِيَصِلْ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ لِيَقُلْ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ  
الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ  
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ  
رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ  
وَالْعِزِّ مِمَّنْ كُلُّ بَرٍّ وَاسْتِلاَمَةٍ  
مِنْ كُلِّ إِنْسٍ لَا تَدْعُ إِلَى دِينِهَا  
إِلَّا عَقَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا  
فَرَجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ بِي  
بِرَأْسِهَا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ  
الرَّاحِمِينَ۔

جسے اللہ سے کوئی احتیاج ہو یا کسی آدمی  
سے کوئی کام لینا ہو تو اُسے چاہئے کہ وضو  
کرے اور اچھی طرح سے کرے پھر دو رکعتیں  
پڑھے پھر اللہ کی ثنا اور رسول اللہ پر درود  
کے بعد یوں دعا پڑھے۔  
خدا کے حلیم و کریم کے سوا کوئی معبود  
نہیں۔ اللہ کی ذات ہر نقص سے پاک ہے  
وہ عرش عظیم کا مالک ہے اللہ تمام تعریفوں کا  
مستحق اور سائے جہان کا پروردگار ہے خدایا  
میں تجھ سے تیری رحمت کی توجہ تیری مغفرت  
کی نظر ہر طرح کی خیر میں اپنا حصہ اور ہر گناہ  
سے حفاظت مانگتا ہوں میرا کوئی گناہ ایسا  
نہ ہے جس کو تو نے معاف نہ کر دیا ہو اور  
کوئی نعم ایسا نہ رہے جسے تو نے دور نہ  
فرما دیا ہو اور میری کوئی پسندیدہ نعم ہنسی ہی  
نہ رہ جائے جو تو پوری نہ کر دے اسے سب

سے بڑے رحم فرمانے والے خدا۔

تین امام و ترکی نماز کو سنت اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب کہتے ہیں اس  
نماز و ترکی کی تین رکعتیں ایک تسلیم سے پڑھی جاتی ہیں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے  
ساتھ کوئی سورہ یا کم از کم تین آیات پڑھنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم و ترکی پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ، دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھا  
کرتے تھے، تیسری رکعت میں قرأت کے بعد ہاتھ اٹھا کر کبیر کہی جاتی ہے پھر دعائے قنوت پڑھ کر

رکوع میں جایا جاتا ہے، قنوت ہر اس دعا کو کہتے ہیں جو اللہ کی ثنا اور دعا پر مشتمل ہو۔ سنت یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اللَّهُمَّ إِنَّا لَسْتَ عَيْنَيْكَ وَلَسْتَ هَدْيَكَ  
وَلَسْتَ غُفْرَكَ وَتَوَكَّلْ عَلَيْكَ  
وَنُذْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرُ وَنَشْكُرُكَ  
وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكَ  
مَنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ إِنَّا بِكَ  
نَعْبُدُ وَلَكَ لُصَلِّي وَنَسْجُدُ  
وَإِلَيْكَ لَسْعَى وَنَحْفِدُ  
وَنَرْجُو سَحْمَتَكَ وَنَخْشَى  
عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ  
يَا لَكُمْنَا سِرْمُحٌ مُلْحِقٌ اللَّهُمَّ  
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى  
آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اے اللہ ہم تیری اعانت اور تیری ہدایت  
کے طلبگار ہیں تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں  
تجھ پر ایمان لائے ہیں اور تیرے اوپر ہی  
بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی سے اچھی  
شنا کرتے ہیں تیرا شکر کرتے اور تیری  
نا فرمانی نہیں کرتے ہیں جو تجھ سے روگرداں ہوتا  
ہے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اے اللہ ہم  
تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے لئے  
نماز پڑھتے تیرے سامنے پیشانی جھکاتے  
تیری طرف ہی دوڑتے تیری رحمت کی  
امید رکھتے اور تیرے عذاب سے ڈرتے  
ہیں بیشک تیرا عذاب ناشکروں پر  
نازل ہونے والا ہے، اے اللہ حضرت محمد  
اور ان کی آل پر رحمت و برکت نازل فرما۔

وتر کو نماز عشاء کے بعد پڑھنا واجب ہے۔ اس کا وقت طلوع فجر تک ہے، وتر میں دعائے  
قنوت پڑھنا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے اور جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو وہ  
”سَبَّحْنَاكَ يَا رَبِّ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ آذَنَّاكَ ابْنَ النَّاسِ“ پڑھے (اے ہمارے  
پروہ کار ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے)  
اور یہ بھی یاد نہ ہو تو تین بار اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا کہے یعنی بار الہا ہماری مغفرت کر۔ اگر وتر کی تیسری  
رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا پھر یاد آیا کہ دعائے قنوت  
پڑھنے سے رہ گئی، اور رکوع سے کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھ لی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو

نماز پوری ہو جائے گی، اگر دوبارہ قنوت کے لئے کھڑا نہ ہوا ہو تو سلام کے بعد سجدہ ہو کر لے اگر غلطی سے سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو لازم ہے کہ سورت اور قنوت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور دونوں چیزیں پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے اور آخر میں سجدہ ہو بھی کرے۔ نماز وتر کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ماہ رمضان کے سوا مشروع نہیں ہے۔

مصائب کے پیش آنے پر صرف نماز فجر میں قنوت پڑھنا سنت ہے، یہ رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے، قنوت نازلہ کا پڑھنا امام کے لئے سنت ہے منفرد کے لئے نہیں ہے۔ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اُس میں یہ الفاظ حدیث میں منقول ہوئے ہیں:

اللَّهُمَّ اهْدِنَا فِي مَنْ هَدَيْتَ  
وَعَاوِنَا فِي مَنْ عَاوَيْتَ وَتَوَلَّنَا  
فِي مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِي  
مَا أَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ  
إِنَّكَ يَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْهِ  
إِنَّهُ لَا يَبْدُلُ مَنْ وَالَيْتَ وَلَا يَحِلُّ  
مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ  
تَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنُتُوبُ إِلَيْكَ  
اللَّهُمَّ إِنَّا نَسُودُ بِرِضَاكَ وَمِنْ  
سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ  
وَيْلٌ مِنْكَ -

اے اللہ ہمیں راہ ہدایت پر چلا، اپنی  
عافیت میں پناہ دے، ہماری رضا کو اپنی  
رضا کے مطابق فرما دے جو کچھ تو نے عطا فرمایا  
ہے اُس میں برکت دے اپنے عذاب کی  
سختی سے ہمیں محفوظ رکھ، حکم دینے والا  
تو ہی ہے اور تجھ پر کوئی مالک نہیں بیشک تو  
نے جسے پسند کر لیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور  
جس پر تیرا عتاب ہوا اُسے عزت نہیں مل سکتی  
اے پروردگار تو بابرکت اور صاحب عظمت ہے  
ہم تجھی سے مغفرت مانگتے اور توبہ کرتے ہیں ہم  
تیری ناراضی سے بچنے کے لئے تیری رضا کی پناہ  
پکڑتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈر کر تیری عافیت  
کا سایہ مانگتے ہیں اور تجھ سے تیری ہی حمایت  
کے طالب ہیں

نماز تراویح نماز تراویح سفت مؤکدہ ہے اور جماعت سے پڑھنا سنت کفایہ ہے ہل محلہ

کے لئے یا کسی گاؤں کے لوگوں کے لئے۔ یعنی اگر گاؤں یا محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت کچھ لوگوں نے بھی نہ قائم کی تو وہاں کے رہنے والے بھی لوگ قابل ملامت ہوں گے۔

نماز تراویح رمضان کے مہینے میں پڑھی جاتی ہے اور اس کا وقت نماز عشاء پڑھنے کے بعد صبح صادق تک ہے۔ اس کی رکعتیں بالاتفاق بیس ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی تین متفرق راتوں (تیسری، پانچویں اور ستائیسویں شب) کو سب کے ساتھ نماز تراویح ادا فرمائی پہلے دن آپ نے سب کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھیں، باقی رکعتیں سب نے اپنے اپنے گھروں میں ادا کیں چنانچہ ان کی آوازیں شہد کی گتھی کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں، دوسرے دن آپ نے مسجد میں پہلے دن سے طویل اور تیسرے دن اتنا طویل قیام فرمایا کہ بعض صحابہ کو سحر کی چھوٹ جانے کا خوف ہوا، حضورؐ اس کے بعد تراویح کے لئے نہیں نکلتے کہ مبادا یہ فرض نہ کر دی جائے۔ اس کی رکعتوں کی تعداد بیس ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے واضح ہوتا ہے جس کی موافقت تمام صحابہ نے کی اور بعد کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جو ۱۶ رکعتیں پڑھا کر ۳۶ رکعتیں کر دی تھیں اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ میں ہر چار رکعت کے بعد طواف کیا جاتا تھا، آپ نے دوسری مسجدوں میں ہر طواف کے عوض چار رکعتیں پڑھا دینا مناسب جانا۔ ورنہ تراویح کی رکعتیں امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیس ہی ہیں اور اسی کو جمہور امت نے اختیار کیا ہے۔ ہر چار رکعت کے بعد ترویجہ یعنی تھوڑا آرام لینا اور اس دوران ذکر الہی کرنا مستحب ہے۔

جماعت سے تراویح پڑھنے والوں کو ترویجہ جماعت سے پڑھنا بہتر ہے۔

**تراویح کے مستحبات** ترویجہ یعنی جلسہ استراحت ہر چار رکعت کے بعد کرنا صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل سے ثابت ہے اور اسی لئے مستحب

ہے اس میں کوئی وظیفہ یا کلمہ طیبہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ دُعایا مانگا حدیث میں نہیں آیا۔

ہر دو رکعت کے بعد سلام بھیجنا مستحب ہے، چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا یا تمام رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں، باقی اماموں

کے نزدیک ہر دور رکعت کے بعد قعود کیا گیا ہو تو نماز درست ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی۔

تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا تراویح میں ایک بار پورا قرآن پڑھنا سنت ہے پڑھنے میں اس کا لحاظ ہونا چاہیے کہ مقتدیوں پر بار نہ ہو اور وہ خوش دلی سے سن سکیں۔ اتنی جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے جس سے نماز میں قفل واقع ہو۔ ہر دور رکعت کے آغاز میں نیت کرنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے دعائے افتتاح (سبحانک اللہم و بھمدک.....) پڑھنا چاہیے۔

جمعہ کا حکم اور اس کا ثبوت ہر مکلف اور قدرت رکھنے والے پر جو نماز کی شرائط کو پورا کرتا ہو، جمعہ کی نماز فرض ہے۔ یہ نماز جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن ظہر کی جگہ پڑھی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے۔  
صلوة الجمعة رکعتین تمام (جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے غیر قصر علی لسان نبیکم بموجب جمعہ کی نماز پوری دو رکعتیں ہیں اور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ قصر نہیں ہے۔)  
قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّخَذُوا آلَ الْاُثْمٰنِ الْجُمُعَةَ وَسَبْعًا وَقُلُوا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ تَسْلِيمًا (جمعہ، آیت ۹)

اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کی عبادت کے لئے چل پڑو اور خرید و فروخت بند کر دو۔

نماز جمعہ کے فرض عین ہونے پر سب کا اجماع ہے اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے۔ نماز جمعہ کے لئے روانہ ہونے اور خرید و فروخت بند کرنے کا وقت جمعہ کی دوسری اذان جو خطیب

کے سامنے کہی جاتی ہے سنتے ہی روانہ ہو جانا چاہیے اس وقت خرید و فروخت حرام ہے یہ تینوں اماموں کا مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو اذان ماذنہ (اذان دینے کی جگہ ہی جاتی ہے اُسے سنتے ہی چل پڑنا چاہیے اور خرید و فروخت اُس کے بعد نماز ختم ہو جانے تک منوع ہے۔



علاوہ اُن شرائط کے جو نماز کے لئے پہلے بیان کی جا چکی ہیں کچھ شرطیں جمعہ کی شرطیں جمعہ کی نماز سے متعلق اور ہیں۔ اور وہ دو قسم کی ہیں، جمعہ واجب ہونے کی شرطیں اور نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرطیں۔

۱۔ مرد ہونا۔ (عورت پر واجب نہیں ہے۔ تاہم اگر جماعت میں شامل ہو جائے تو نماز درست ہوگی) شرائط وجوب

(۲) آزاد ہونا۔ (غلام اور مملوک کے لئے وہی حکم ہے جو عورت کے لئے بیان ہوا)

(۳) صحت مند ہونا۔ (مریض یا نابینا جس کا مسجد تک پہنچنا ممکن نہ ہو ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)

(۴) ایسی آبادی میں سکونت ہونا جہاں نماز جمعہ ہوتی ہو (مسافر پر واجب نہیں ہے)

(۵) ہوش و حواس والا ہونا (مجنون پر واجب نہیں ہے۔)

(۶) بالغ ہونا (نابالغ بڑے پر واجب نہیں ہے)

شرائط صحت نماز (۱) جگہ ایسی ہو جس پر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہو (شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے سارے مسلمان نہ سما سکیں، یہ یا کم سے کم آبادی والی بستی میں بارہ آدمی عاقل و بالغ نماز پڑھنے والے ہوں اور وہاں روزمرہ استعمال کی چیزیں مل جاتی ہوں تو جمعہ کی نماز بجائے ظہر کی نماز کے پڑھنا صحیح ہے۔

۱۔ وقت کا موجود ہونا۔ یعنی اگر ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ نماز سے پہلے خطبہ کا ہونا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

۳۔ جماعت کا ہونا (اس کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے) تنہا جمعہ کی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔

۴۔ امام کا ہونا (امام کے شرائط آگے بیان کئے جا رہے ہیں)

۵۔ صحت جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں ہے بلکہ میدان میں بھی درست ہے بشرطیکہ شہر سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ سے زیادہ نہ ہو اور حاکم شہر (امیر یا امام) نے وہاں نماز جمعہ کی اجازت دی ہو۔

جماعت جس کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے درست نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ جماعت کی تعداد میں راہیں مختلف ہیں۔ حنفی علماء کے نزدیک جماعت کی کم سے کم تعداد امام کے سوا تین ہونا چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ وہ سب مرد ہوں، دوسری شریعت یہ ہے کہ سب امام کے ساتھ سجدہ اولیٰ ادا کرنے تک جماعت میں شریک رہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی بھی امام کو چھوڑ کر چلا گیا تو اس کی نماز باطل ہوگی، دوسروں کی باطل نہ ہوگی لیکن اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سب ہی چلے گئے تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جماعت کا خطبہ اور اُس کے ارکان  
 جمعہ کے خطبے کا آغاز حمد الہی سے ہوتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے۔ پھر قرآن کی کوئی ایسی آیت تلاوت کی جاتی ہے جس میں کوئی حکم یا نصیحت ہو، عذاب الہی سے خوف دلانا اور ثواب کی بشارت دینا خطبے کے مضمون میں شامل ہوتا ہے۔ امام احمد حنبلؒ نے ان چاروں باتوں کو خطبہ کے ارکان بتایا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تحذیر و تمثیر کو خطبہ کا رکن سمجھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر الہی کو خطبہ کا رکن فرماتے ہیں۔

جمعے کے دونوں خطبوں کے شرائط  
 پہلے خطبہ کے بعد خطیب کو تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنا، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ پڑھنا اور دونوں خطبوں کا نماز سے پہلے ہونا۔

۲۔ خطبے کی نیت سے خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا۔ اگر نماز کے خطبہ کی نیت نہیں کی تو وہ عام تقریر شمار ہوگی۔

۳۔ خطبہ عربی زبان میں ہونا۔ اگر کسی آیت یا حدیث کا مفہوم یا کوئی دینی حکم مقامی زبان میں سمجھا دیا جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن اس کا لحاظ رہے کہ وہ عربی میں کہی ہوئی باتوں کا ہی اعادہ ہو، الگ سے کوئی بات نہ ہو، نیز خطبے کو نماز سے لمبا نہ کیا جائے۔

۴۔ دونوں خطبے وقت کے اندر ہوں۔ اگر خطبے وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھے گئے

اور نماز وقت آنے پر پڑھی تو یہ درست نہیں ہے۔

۵۔ خطبہ بلند آواز سے ہونا تاکہ حاضرین سن سکیں، اگر کوئی شخص بہرے پن کی وجہ سے

یا بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے نہ سن سکے تو اس کے لئے سننے کی شرط نہیں ہے۔

۶۔ دونوں خطبوں کے درمیان یا خطبوں اور نماز کے درمیان تسلسل قائم رکھنا بھی شرط

ہے، درمیان میں کوئی غیر متعلقہ عمل درست نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ تاخیر جائز

ہے جس میں دو لمبی رکعتیں پڑھی جاسکیں۔

خطبہ کا حالتِ حدث سے پاک ہونا۔ خطبہ کا ممبر پر اذان

خطبہ کے وقت بیٹھا ہونا، خطبے کے وقت دائیں ہاتھ سے

اپنی تلوار یا عصا برٹیک لگا کر کھڑا ہونا، خطبے کے وقت رُخِ حاضرین کی جانب رکھنا،

دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر کے لئے بیٹھنا جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں، پہلا

خطبہ دل میں اعوذ باللہ پڑھ کر اونچی آواز سے شروع کرنا اور خطبہ کے ارکان متذکرہ بالا

کے مطابق خطبہ دینا، دوسرے خطبہ میں حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد ائمہ اسلام اور

حاکم وقت نیز ایماندار مردوں اور عورتوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا۔ تائید الہی اور

اور توفیقِ عمل کی دعا مانگنا سنت ہے۔

خطبے کے دوران سننے والوں کا کلام کرنا یا امام جمعہ کا کسی سے

گفتگو کرنا۔ مذکورہ سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

جمعہ کے روز جو مہرِ تحب ہیں اُن میں اپنی ہیئت کو اچھا بنانا

ہے مثلاً ناخن ترشوانا، موچیں کتر دانا، بغل وغیرہ کے بال

لینا، غسل کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا، جمعہ کے روز سورۃ کہف پڑھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا اور دعائیں مانگنا۔ مسلم شریف

میں آنحضرت کی حدیث مروی ہے کہ:

جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے جس

میں کوئی مسلمان بندہ اللہ سے جو دعائے

ان فی الجمعة ساعة لا

یوافقہا عبد مسلم یسأل

اللہ تعالیٰ شیئا الا اعطاه  
ایاہ واسئاسہ بیحدہ  
مانع وہ قبول ہو کر رہتی ہے۔ حضور نے  
ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ بہت  
تھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن مسجد میں جانے کے لئے جلدی کرنا چاہئے۔ نماز میں شامل ہونے کے لئے صف  
کو چیر کر جانا جس کو تمنطی الرقاب (مونڈھے پر سے پھاند کر جانا) کہتے ہیں جائز نہیں اور خطبہ  
شروع ہو جانے کے بعد ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، الا یہ کہ بغیر مونڈھے پر سے پھاندے  
بیٹھنے کی جگہ ہی نہ مل سکتی ہو تو یہ کرنا مباح ہے اور اس صورت میں بھی مباح ہے جب  
ایسا کرنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے یعنی نہ لباس کھلا جائے نہ بدن پر گر لگے۔ خطبے کے بعد  
اور نماز سے پہلے خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے پھاند کر جانا جائز ہے۔

جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہونا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص پر  
جمعہ کی نماز لازم ہو اُسے جمعہ کے دن فجر کے بعد سفر  
کرنا جائز ہے۔ بجز اس صورت کے جب یہ گمان ہو کہ راہ میں جمعہ کی نماز مل جائے گی یا پھر یہ  
کہ وہ سفر واجب ہو مثلاً حج کا سفر۔ حنفی علماء جمعہ کی پہلی اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے  
سے پہلے سفر کے لئے نکلنا مکروہ کہتے ہیں، زوال سے پہلے سفر کے لئے جانا مکروہ نہیں ہے۔  
جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جس شخص پر نماز جمعہ واجب ہے اور بلا عند نماز جمعہ  
سے غیر حاضر رہا تو اُس کے لئے نماز ظہر اُس وقت  
تک درست نہیں جب تک امام جمعہ کی نماز سے سلام پھیر کر فارغ نہ ہو جائے اگر نماز  
جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی تو امام شافعی اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ  
نماز نہ ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں نماز تو ہو جائے گی لیکن جمعہ کو ترک  
کرنے کا گناہ ہوگا اگر ارادۂ ایسا کیا گیا ہو لیکن اگر بھول کے نماز ظہر پڑھ لی پھر یاد آیا کہ  
جمعہ تھا اور جمعہ کے لئے چل پڑا اور امام نماز جمعہ سے فارغ نہ ہوا تھا تو اُس پر واجب  
ہے کہ نماز جمعہ میں شامل ہو جائے، اس صورت میں پڑھی ہوئی ظہر کی نماز نفی ہو جائے  
گی ہاں اگر اُس وقت روانہ ہو کہ امام نماز ختم کر چکا تھا تو اس سے ظہر کی نماز باطل ہے۔

نہیں ہوگی۔

صاحبِ عذر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، اُسے ظہر کی نماز پڑھ لینا درست ہے۔  
 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جمعہ کے ختم ہونے تک نماز ظہر میں تاخیر کرنا سنت ہے۔  
 جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا <sup>حنفی علماء کہتے ہیں کہ جس</sup> شخص کی نماز جمعہ کسی معذوبی  
 سے یا بلا عذر رہ گئی ہو اُسے شہر کے اندر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں  
 جس جگہ جمعہ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں وہاں جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں  
 تو جائز ہے۔



## عیدین کی نماز کا حکم اور وقت

عید الفطر اور عید الاضحیٰ سال میں ایک ایک بار آتی ہیں یعنی عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ کو اور عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو دونوں عیدوں میں نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہے، فرق یہ ہے کہ نماز جمعہ میں ”خطبہ“ نماز سے پہلے اور عیدین میں نماز کے بعد ہوتا ہے۔ عید کی نماز میں جماعت واجب ہے ترک کرنا گناہ ہے۔ نماز عید کا وقت طلوع آفتاب کے بعد نفل نماز کے جائز ہونے کے وقت سے زوال آفتاب تک رہتا ہے لیکن اس کے ابتدائی وقت سے تاخیر کرنا سنت نہیں ہے۔ شافعی اور مالکی فقہاء ان نمازوں کو سنت مؤکدہ اور جنبی فقہاء قریش کفایہ کہتے ہیں۔

**نماز عید کی مشروعیت** یہ نماز پہلے سال ہجری میں شروع ہوئی حضرت انسؓ سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے ہیں حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں، لوگوں نے کہا کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں ان دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں سے بہتر دن۔ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر عطا فرمائے ہیں“ لہذا اسلام میں صرف یہی دو دن تہوار اور خوشی منانے کے دن ہیں، ان کے علاوہ مسلمانوں کو عید منانا جائز نہیں۔

**نماز عیدین کا طریقہ** عید کی نماز دو رکعت اس نیت کے ساتھ کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی دو رکعت نماز واجب چھکے دوں کہ اس امام کے پیچھے قبلہ رخ ہو کر پڑھتا ہوں، اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لئے جائیں اس کے بعد امام اور مقتدی ثنا پڑھیں، ثنا کے بعد امام بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جائے اور پھر چھوڑ دے ایسا تین مرتبہ کرے اور تمام مقتدی امام کی پیروی کریں تیسری بار ہاتھ چھوڑیں نہیں بلکہ باندھ لیں تعویذ اور تسمیہ آہستہ پڑھ کر امام بلند آواز سے سورہ فاتحہ اور کوئی سورت

بٹھے پھر رکوع اور سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پوری کرے اور دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، آہستہ سے بسم اللہ پڑھ کر بلند آواز سے سورہ فاتحہ اور اُس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے پھر تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کاٹوں تک لے جائے اور چھوڑ دے، یہ تکبیرات رکوع کی تکبیر کے علاوہ تین ہیں، ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھایا جائے، پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے اور باقی نماز صبح دستور پوری کی جائے۔ یہ زائد تکبیریں، تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہر رکعت میں تین ہیں، ہر تکبیر کے بعد اتنا توقف کرنا چاہیے جتنے عرصے میں تین تکبیریں کہی جاسکیں۔

اگر کوئی شخص نماز عید میں اس وقت شریک ہو جب امام تکبیریں کہہ چکا تھا تو اُسے نیت کے بعد تین تکبیریں فوراً کہہ لینا چاہئے، اگر وہ رکوع میں ملا ہے تو رکوع میں جاتے ہوئے تین تکبیریں بغیر ہاتھ اٹھائے کہہ لینا چاہئے۔

نماز عیدین کی جماعت اور اُن کی قضا عیدین کی نماز درست ہونے کے لئے جماعت شرط ہے جس طرح جمعہ کے لئے شرط ہے، اگر امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جاسکی تو شرعاً اس کی قضا کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس کی قضا تنہا پڑھنا چاہے تو چار رکعتیں بغیر زائد تکبیرات کے پڑھ لے۔

عیدین کی سنتیں اور مستحبات عیدین کی شب میں عبادت، درود اور تلاوت قرآن کرتے رہنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث طبرانی نے اس طرح نقل کی ہے:

من احيا ليلة الفطر وليلة  
الاضحى محسبا لم يميت قلبه  
يوم تموت القلوب۔  
جو شخص عیدین کی راتوں میں خلوص دل سے شب بیداری کرے اس کا دل مردہ نہ ہو گا جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔

عیدین کے دن غسل کرنا حنفیوں کے نزدیک سنت اور باقی ائمہ کے یہاں مستحب ہے۔ اس دن خوشبو لگانا، بہترین لباس زیب تن کرنا خواہ نیا ہو یا صاف دھلا ہوا حنفیوں کے نزدیک سنت ہے، مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے۔ لیکن وہ عورتیں جو نماز عید میں شریک ہونے کے لئے جائیں اُن کے لئے یہ امور مستحب نہیں کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ

ہے۔ عید الفطر کے دن عید گاہ کو جانے سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے مثلاً کھجوریں یا چھوٹے طاق عدد میں کھانا۔ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ہی دے دینا چاہیے۔ عید گاہ کی طرف پیدل چل کر جانا اور جاتے ہوئے تکبیر کہتے جانا مستحب ہے، یہ تکبیر نماز کے شروع ہونے تک جاری رہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ ایک راستہ سے عید گاہ میں آئے اور دوسرے راستے سے واپس جائے جس کسی مسلمان سے ملے تو چہرے سے خوشی اور بشارت کا اظہار ہو۔

عید الاضحیٰ میں عید گاہ جاتے وقت آواز کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے جانا۔ نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد قربانی کے گوشت میں سے کھانا یا جو چیز میسر ہو اُسے کھا لی جانا چاہیے۔ نماز عید سے پہلے امام اور مقتدی کے لئے نفل پڑھنا مکروہ ہے نماز عید کی مکروہات اور عید گاہ میں عید کی نماز کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے گھر میں مکروہ نہیں ہے، احناف کے نزدیک امام کو خطبہ اول شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے بخلاف خطبہ جمعہ کے اس میں خطبہ اول سے پہلے کسی قدر بیٹھنا سنت ہے۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے نماز عید کے لئے نوافل ہے نہ اقامت۔ مستحب

یہ ہے صَلَوة جَامِعَةً کہہ کر اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز تیار ہے۔

عیدین کے خطبوں کا بیان عیدین کے خطبے بالاتفاق سنت ہیں اس خطبے کے امکان وہی ہیں جو جمعے کے خطبوں کے ہیں۔ آغاز خطبہ عیدین میں

تکبیر سے اور جمعہ میں حمد سے ہوتا ہے۔ ذکر الہی خطبے کا رکن ہے خواہ تلبیل ہو یا کثیر یہ جہتی علماء کا قول ہے، مالکی علماء کے نزدیک تحذیر و تبشیر عذاب الہی سے ڈرانا، ثواب آخرت کی خوشخبری دینا خطبے کا رکن ہے، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا لفظ صلوة کے ساتھ، قرآن حکیم کی کسی آیت کی تلاوت کرنا، تقویٰ اور اطاعت الہی کی ترغیب دینا اور دوسرے خطبے میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا رکان خطبہ میں داخل کرتے ہیں۔



**ایام تشریق** عید الاضحیٰ کے بعد یعنی ۱۱ ذوالحجہ سے ۱۳ ذوالحجہ تک کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ تشریق کے معنی ہیں گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ (یا کاٹ کر خشک کرنا) منیٰ کے مقام پر قربانی کا گوشت انہیں ایام میں کانا جاتا ہے، ان ایام میں پانچوں وقت کی نماز کے بعد تکبیر کہنا سنت ہے اور حنفی علماء کے نزدیک واجب ہے۔ ان لوگوں پر جو شہر میں رہتے ہوں یہ تکبیریں واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ تنہا پڑھنے والے پر واجب نہیں۔  
 ۲۔ جماعت مردوں کی ہو، اور فرض نماز ہو، کوئی اور نماز ہو تو تکبیر واجب نہیں۔ عورت اگر مقتدی ہو تو آہستہ سے تکبیر کہے بلند آواز سے نہ کہے۔

۳۔ مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ شہر میں ہو۔ مسافر یا قریہ میں رہنے والے پر واجب نہیں۔  
 تجکیرات تشریق عرفہ کے دن نماز فجر سے شروع ہو جاتی ہیں اور عید کے چوتھے دن نماز عصر پر ختم ہو جاتی ہیں۔ تجکیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔ یہ تکبیر سلام پھیرنے کے فوراً بعد کہنا چاہیے، اگر نماز کے بعد کلام کیا یا ارادۂ کوئی امر ناقض وضو کیا تو تکبیر ساقط ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔ یہ تکبیر نماز و تراویح اور نماز عید کے بعد نہیں کہی جائے گی۔ اگر فرض قضا ہو جائے تو جب اسے پڑھا جائے اس کے ساتھ تکبیر بھی کہی جائے گی۔ اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی تکبیر کہیں۔

**نماز استسقاء** استسقاء کے معنی ہیں پانی مانگنا۔ شریعت کی اصطلاح میں مندوں کا اللہ کی جناب میں پانی برسانے کی دعا کرنا۔ یہ دعا دو رکعت نماز کے بعد مانگی جاتی ہے اس کو نماز استسقاء کہتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو عیدین کی نماز کا ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ صرف اتنی ہی تکبیریں جتنی نماز دو گانہ میں مطلوب ہیں کافی کہتے ہیں جبکہ امام شافعی اور امام حنبلی رحمہما اللہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں ۵ نماز تکبیروں کے قائل ہیں، نماز کے بعد امام وقت یا اس کا نائب دو خطبے پڑھے۔ امام زمین پر کھڑا ہو، ہاتھ میں کمان تلوار یا عصا ہو، خطبہ اول کا کچھ حصہ پڑھ کر اپنی چادر امام کو پٹ لینا یا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر لینا چاہیے۔ خطبوں سے فارغ ہو کر حاجزی کے

ساتھ استغفار کر کے دعا مانگنی چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے یہ الفاظ نقل ہیں:

اَللّٰهُمَّ اسْتَعِنَا غِيَاثًا مُسْتَعِيْنًا  
هَبْنِيْآ مَرْغِيًّا مَرْغِيًّا عِنْدَنَا عَجَلًا  
مُحِيْطًا طَبَقًا اَدْبَانَا عَجَلًا عَزْا جَل  
اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْزِلْ  
عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاجْعَلْ  
مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوْتًا وَبَلَاغًا  
اِلٰى حِيْنٍ۔

بار الہا ہمیں فائدہ بخش بارش ت سیراب  
کر خوش گوار خوش منظر طراوت بخش موسلا  
دھار چھا جانے والی اور لعل بخش جلد  
برسنے والی جس میں دیر نہ ہو اسے اللہ تیرے  
علاوہ کوئی مالک نہیں ہم پر برکتیں نازل  
فرما اور جو تو برسے وہ ہماری روزی کا سبب  
ہو اور ہمارے لئے کافی ہو۔

مؤمنین ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی کے لئے دعا فرماتے تو کہتے  
اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَكَ  
وَالنَّشُوْرَ رَحْمَتَكَ وَاُخِيْرَ بَلَدَكَ  
اَلْمَيِّتَ۔

خداوند! اپنے بندوں اور مویشیوں کو  
سیراب فرما، اپنی رحمت کو پھیلا دے اپنے  
مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔

نماز استسقاء کا حکم قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِسْتَسْقِْ وَاَسْرِبْكُمْ اِنَّهٗ كَانَ  
عَفَاثًا يُرْسِلُ السَّمَآءَ عَلٰیكُمْ  
مِدْرَارًا۔ (سورہ نور: ۱۰)

اپنے پروردگار سے مغفرت کے طالب ہو  
وہ مغفرت فرمانے والا ہے تمہارے لئے  
موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔

کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ یہ مغفرت الہی کی خواستگاری۔ اللہ کی حمد و ثنا اور دُعا  
ہے، رہی نماز تو وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امر مستحب ہے۔ باقی ائمہ اس کو سنت موکدہ کہتے  
ہیں۔ یہ تنہا پڑھنے والے کے لئے بھی بغیر جماعت کے مشروع ہے۔

نماز استسقاء کا وقت وہ اوقات جن میں نفل نماز پڑھنا مباح ہے انہیں اوقات میں  
نماز استسقاء بھی پڑھی جاتی ہے اگر ایک بار پڑھنے میں بارش نہ ہو  
تو متواتر تین دن پڑھنا مستحب ہے۔

نماز استسقاء کو جانے سے پہلے مستحب امور سے پہلے لوگوں کو استسقاء  
پڑھنے، صدقہ دینے اور ظلم کی ہر بات سے برہیز کرنے کی تلقین کرے۔  
۲۔ آپس کی دشمنی دور کرنے کا حکم دے۔

۳۔ لوگوں سے کہے کہ تین دن روزہ رکھیں اور چوتھے دن امام سب کو لے کر نماز کے  
لئے باہر نکلے۔

۴۔ پرانے معمولی لباس پہن کر نکلیں۔

۵۔ بوڑھے مردوں اور عورتوں اور مویشیوں کو بھی ساتھ لے کر نماز کے لئے نکلیں، باشعور  
بچوں کا نکلنا بھی مباح ہے۔

نماز کسوف کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الشمس والقمر آیتان  
یعنی سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں ہیں  
من آیات اللہ لا یتلسفان  
سے دو نشانیاں ہیں کسی موت یا زندگی پر  
لموت أحد ولا لحياتیم فاذا  
نہیں گہناتے ہیں اگر تم انہیں گہناتا دیکھو  
رأيتنم ذلک فصلوا وادعوا  
تو نماز پڑھو اور دعا مانگو یہاں تک کہ یہ  
حتی ینکشف ما بکم (بخاری و مسلم)  
کیفیت دور ہو جائے۔

نماز کسوف شروع ہونے کی حکمت مذکورہ حدیث اس عقیدے کے غلط  
ہونے کی دلیل ہے کہ کسی مخلوق کی

موت یا زندگی سے گہن کا کوئی تعلق ہو، دراصل سورج اور چاند دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں  
میں ہیں جن پر مخلوق کی زندگی کا انحصار ہے۔ گہن لگنا اس امر کا ثبوت ہے کہ اُن نعمتوں کو  
عطا کرنا اور سلب کر لینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، لہذا اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار  
خالص توحید کا اقرار اِنما سوا اللہ کی معبودیت کا انکار نماز ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

**نماز کسوف کا طریقہ** حنفی فقہاء کے نزدیک نماز کسوف کی دو رکعتیں مسلمان مسجد میں جمع ہو کر باجماعت پڑھیں اس میں اور نفل نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ چار رکعتیں ایک تسلیماً یا دو تسلیوں سے پڑھی جائیں۔ باقی تین ائمہ دو رکعتوں پر متفق ہیں اگر یہ نماز گھن چھوٹ جانے سے پہلے ختم ہو جائے تو اس وقت تک دُعا مانگتے رہنا چاہیے جب سورج گھن سے نکل آئے۔ اُن کے نزدیک ہر رکعت دو رکوع اور دو قیام پر مشتمل ہوگی، حنفی مسلک میں ایک ہی قیام اور ایک ہی رکوع ہر رکعت میں ہونا چاہیے۔

**نماز کسوف کی سنتیں** سنت یہ ہے کہ نماز کسوف میں بحالت قیام لمبی قرات کی جائے، دونوں رکعتوں میں رکوع و سجود کا طویل کرنا بھی سنت ہے۔ اس نماز میں اذان و اقامت نہیں ہے، اَلصَّلٰوۃُ جَامِعۃٌ (نماز تیار ہے) کہہ کر آواز دی جائے۔ آہستہ قرات کرنا مستحب ہے۔ امام منیل رحمۃ اللہ علیہ اونچی آواز سے قرات کرنے کو سنت کہتے ہیں۔ جماعت میں امامت کے لئے شرط یہ ہے کہ جمعہ کا امام ہو یا حاکم وقت نے کسی کو امامت کرنے کا اذن دیا ہو، نماز جامع مسجد میں پڑھی جائے، تنہا گزار کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نماز ادا کرے۔

**نماز کسوف کا وقت** صلوٰۃ کسوف کا وقت گھن گئے سے سورج کے صاف ہو جانے تک ہے۔ اگر ایسا وقت ہو جس میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے تو صرف دُعا پر انحصار کرنا چاہیے۔

**نماز خسوف** چاند گرہن کی نماز کے مسائل اور طریقے وہی ہیں جو نماز کسوف کے لئے ہیں۔ یہ نماز مستحب ہے، اس میں جماعت مشروع نہیں ہے اور نہ جامع مسجد میں پڑھنا سنت ہے، بلکہ وہ گھروں میں منفرد پڑھی جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرات آواز سے کرنا چاہیے۔ اگر چاند گھن کی حالت میں چھپ جائے جب بھی طلوع آفتاب تک نماز پڑھتے رہنا چاہیے۔

نماز کسوف و خسوف کی فضیلت: اگر یہ نمازیں کوئی نہ پڑھ سکے تو اُن کی قضاء نہیں ہے۔

نماز خوف اندھی اٹھے کہ اندھیرا چھا جائے۔ تیز اور طوفانی ہوا میں چلنے لگیں یا ایسی ہی کوئی اور ڈراونی صورت حال پیش آئے جو عذاب الہی جیسی ہو تو دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے کیونکہ یہ قدرت کی وہ نشانیاں ہیں جن کا ظہور فرما کر اللہ تعالیٰ بندوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کریں اور طاعت الہی کی طرف مائل ہوں تو ان اوقات میں اللہ کی جانب رجوع ہو کر عبادت میں مصروف ہو جانا چاہیے تاکہ دنیا اور آخرت میں خوش نجات حاصل ہو۔ اس نماز کی حیثیت بوالاقل جیسی ہے نہ اس کی جماعت ہے نہ خطیبہ اور نہ مسجد میں ادا کرنا سنت ہے بلکہ گھروں میں ادا کرنا افضل ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا اس پر اتفاق ہے۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے نماز کے بیان کے آغاز میں فرض نمازوں کے اوقات کا ذکر کیا جا چکا ہے، اگر وقت نماز نکل گیا اور حرام وقت میں نماز پڑھی یا مکروہ وقت میں نماز پڑھی تو گناہ یا امر مکروہ کا ارتکاب لازم آئے گا۔ اماموں میں سے تین اصحاب اس امر کے قائل ہیں کہ وقت آجانے پر جب بھی نماز پڑھی جائے تو صحیح ہوگی لیکن تین اوقات ایسے ہیں جن کے بارے میں حنفی علماء فرض نماز مطلق نہ ہو سکنے کا حکم دیتے ہیں وہ تین وقت یہ ہیں:

۱۔ سورج طلوع ہوتے وقت۔

۲۔ وہ وقت جب سورج نصف النہار پر ہو۔

۳۔ وہ وقت جب سورج غروب ہونے سے پہلے مَرخ ہو جائے۔

پہلی صورت میں جب تک آفتاب بلند نہ ہو جائے نماز ممنوع ہے لہذا اگر کسی نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر شروع کر دی اور ابھی ختم نہیں کی تھی کہ سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں زوال آفتاب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ زوال کے وقت پڑھنا ممنوع ہے۔

تیسری صورت میں سورج سرخ ہو جانے پر صرف اُس روز کی عصر اگر پڑھی نہیں گئی ہے تو پڑھی جاسکتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور کوئی نماز غروب آفتاب تک پڑھنا ممنوع ہے۔  
سجدہ تلاوت کا حکم بھی اس بارے میں وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے اور نماز جنازہ کا یہی حکم ہے۔

وہ اوقات جن میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے یہ ہیں :-

- ۱۔ نماز فجر سے پہلے صبح صادق کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے صرف فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔
- ۲۔ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۳۔ عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوب جانے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۴۔ جب خطیب خطبہ کے لئے آجائے تو نفل پڑھنا مکروہ ہے۔
- ۵۔ جب نماز فرض کی اقامت کہی جانے لگے تو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ فجر کی سنت پڑھی جاسکتی ہے۔

۶۔ عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد بھی نفل پڑھنا ممنوع ہے۔

**نوافل کی قضاء** فجر کی دو سنتوں کے جن کی قضا طلوع آفتاب کے بعد سے زوال کے وقت تک پڑھ لینا چاہیے۔ نفل نماز شروع کر کے توڑ دی گئی ہو تو اس کی قضا لازم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :  
**نفل نماز پڑھنے کا افضل مقام** صَلُّوا اِيْهَا النَّاسُ فِيْ بَيْتِهِمْ

ذَانِ اَفْضَلِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةَ السَّمْعِ فِيْ بَيْتِهِ اِلَّا الْمَلَكُوتِيَّةَ (بخاری و مسلم)

یعنی اسے لوگو! فرض نمازوں کے سوا اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو کیونکہ مرد کے لئے سب سے بہتر وہ نماز ہے جو اپنے گھر میں ادا ہو۔ اس حکم سے وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں جن کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مشروع ہے مثلاً تراویح۔

# نماز کی امامت

امامت نماز کی تعریف جب کوئی شخص یا چند اشخاص اپنی نماز کو یعنی قیام، رکوع، سجود اور طہوس وغیرہ کو ایک امام کی اقتدار پر ہی ہے مربوط کر دیں تو مقتدیوں کا امام سے یہ ربط امامت کہلاتا ہے۔ اگر مقتدی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے اُس کی نماز باطل ہو جائے تو امام کی نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اگر امام کی نماز باطل ہوگئی تو مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی کیونکہ اُن کی نماز امام سے وابستہ ہے۔

صحّت امامت کے لئے مقتدیوں کی تعداد کسی ایک فرد یا زیادہ افراد کے شریک امام ہو جانے سے امامت صحیح ہو جاتی ہے خواہ وہ ایک فرد مرد ہو یا عورت اس میں سب کو اتفاق ہے۔ لیکن اگر وہ لڑکا ہو جو سن شعور کو پہنچ چکا ہو تو بھی امامت درست ہوگی، یہ رائے حنفی اور شافعی فقہاء کی ہے مالکی اور حنبلی فقہاء ایک لڑکے کے امام کے ساتھ شریک ہو جانے کو جماعت قرار نہیں دیتے۔ امامت کا حکم نماز پنجگانہ کے لئے اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ تمام فرض نمازوں میں امامت مطلوب ہے۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے“ میرے جی میں آتا ہے کہ میں لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں اور وہ اکٹھی کی جائے پھر نماز کا حکم دوں جس کی اذان دی جائے پھر کسی کو نماز پڑھنے کا حکم دوں پھر میں لوگوں کا پیچھا کروں جو لوگ گھروں میں ہیں اُن کے گھروں میں آگ لگا دوں۔“ اس حدیث سے جماعت کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام کے زمانے کی ہے اور اس کے اختتامی جملہ میں نماز عشا میں حاضری کا مذکور ہے۔ علاوہ ازیں یہ ارشاد نبویؐ کہ صَلَوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعَشْرِينَ

دس جگہ (جماعت سے نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بد نسبت ۲۷ گنا افضل ہے) جماعت کی فرضیت کو منسوخ کرتا ہے اور افضلیت کی تائید کرتا ہے، حنفی فقہاء کے نزدیک پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں "جماعت" سنت عین ہو کہ وہ یعنی واجب ہے ماقبل آزاد اور تندرست مردوں کے لئے لیکن ان معذوروں کے لئے جو کسی بیماری میں مبتلا ہوں یا ان کے پاس کپڑے نہ ہوں تو ایسے لوگوں کے لئے سنت نہیں ہے۔

جمعہ کی نماز اور عید کی نماز میں جماعت شرط ہے۔ امامت نماز جمعہ و عیدین میں نماز تراویح اور نماز جنازہ میں سنت کفایہ ہے اور نفل نمازوں میں مکروہ ہے۔

۱۔ امامت کے لئے پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔  
۲۔ دوسری شرط بالغ ہونا ہے۔

۳۔ عورت اور خنثی مُشْتَكَل کی امامت صحیح نہیں ہے۔

۴۔ بے عقل آدمی یا جنون زدہ کی امامت صحیح نہیں ہے۔

۵۔ ناخواندہ شخص کا خواندہ کی امامت کرنا صحیح نہیں ہے، خواندہ کو کم از کم اتنی قرأت سے واقف ہونا ضروری ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔

۶۔ جو شخص کسی معذوری میں مبتلا ہو مثلاً مسلسل بول کا یا دائمی عیث کامریض ہو۔ ریاح مسلسل خارج ہوتے ہوں، نخیمہ جاری رہتی ہو تو ایسے اشخاص کی امامت کرنا صحیح نہیں جو ان امراض سے مبرا ہوں۔

۷۔ اگر مقتدی کے مسلک کی رو سے امام کی نماز صحیح نہیں ہے تو امامت صحیح نہیں ہے۔

۸۔ ہلکے آدمی یا تلفظ غلط کرنے والے کی امامت بھی صحیح نہیں ہے۔

۹۔ مقتدی امام سے آگے بڑھ جائے تو امامت اور نماز دونوں باطل ہیں۔

۱۱۔ بدعتی کی امامت مکروہ ہے یعنی وہ شخص جو بدعتوں کا مرتکب ہوتا ہے مثلاً تعزیرہ دار، قبروں پر بھول اور چادر چڑھانے والا، غیر اللہ سے حاجت مانگنے والا۔



۲۔ فاسق یعنی وہ شخص جو کتاب و سنت کے خلاف عمل کرتا ہوا اور گناہ کے کاموں سے اجتناب نہ کرتا ہو۔

۳۔ جاہل جو قرآن و سنت کا علم نہ رکھتا ہو۔

۴۔ اندھا آدمی (جو نہ عالم ہو نہ حافظ قرآن)

۵۔ حرام کھانے والا مثلاً ہود خوار رشوت خور وغیرہ۔

امام بنانے کی ترجیحات پہلے امامت کا مستحق وہ ہے جو قرآن و سنت کا عالم بھی ہوا اور عامل بھی اس کے بعد وہ جو گو علم زیادہ نہ رکھتا ہو

مگر متبع سنت ہو۔

علم دین رکھنے والے اگر موجود نہ ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ صحیح اور اچھا قرآن پڑھتا ہو اس کے بعد وہ جو معاشی ضروریات حلال طریقے سے پوری کرتا ہو۔

پھر جس کی عمر زیادہ ہو۔

پھر جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔

پھر وہ جو زیادہ باوقار اور معزز ہو۔

مقتدی کے لئے احکام مقتدی کو نماز کے فرائض میں امام کا اتباع کرنا فرض ہے

لیکن جو چیزیں واجب سنت یا مستحب ہیں ان کا اتباع ضروری نہیں ہے۔ جیسے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا یا امام آہستہ سے آمین کہنا ہے مقتدی زور سے یا امام نوافل کے پاس ہاتھ باندھتا ہے اور مقتدی سینے کے پاس تو مقتدی کی نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی۔ لیکن اگر مقتدی تجھ پر تحریمہ بھول گیا یا رکوع یا سجدہ چھوٹ گیا تو دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔

مقتدی تین طرح کے ہوتے ہیں، مدبرک، مسبوق اور لاحق۔

مدبرک وہ ہے جو شروع سے آخر تک امام کے ساتھ نماز میں شریک رہا ہو۔

مسبوق وہ ہے جو ایک یا دو رکعتیں ہو جانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا۔

لاحق وہ ہے جو شروع سے نماز میں امام کے ساتھ شریک رہا لیکن درمیان میں وضو لوٹ

گیا اور جماعت سے نکل گیا اور پھر وضو کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔

**مسبق نماز کیسے پوری کرے** مسبق کو چاہئے کہ جتنی رکعتیں امام کے ساتھ ملی ہیں انہیں امام کے ساتھ پوری کرے جب امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو جائے اور جھوٹی ہوئی رکعتیں پوری کرے جس ترتیب سے وہ جھوٹی ہیں اگر دو رکعت والی نماز ہے اور اس کی ایک رکعت جھوٹ گئی ہے تو امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا ہو جائے، سورہ فاتحہ اور اُس کے ساتھ کوئی سورہ پڑھ کر رکوع اور سجدہ اور قعدہ ادا کر کے سلام پھیرے، اگر دونوں رکعتیں جھوٹ گئی ہوں (یعنی قعدہ اخیرہ میں شریک ہوا ہو تو پہلی اور دوسری رکعت سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ کے ساتھ اور رکوع و سجدہ کر کے پوری کرے اور دوسری رکعت میں قعدہ کرے اور تشہد اور دُعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

اگر چار رکعت والی نماز ہے اور دو رکعت تک جھوٹ گئی ہے تو اُسی ترتیب سے ادا کرے جو اوپر بیان کی گئی ہے لیکن اگر ایک رکعت جھوٹ گئی ہو تو امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر جھوٹی ہوئی رکعت اسی طرح پوری کرے جس طرح ایک رکعت جھوٹ جانے کی صورت میں اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن اگر تین رکعتیں جھوٹ گئی ہیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر رکوع اور سجدوں کے بعد بیٹھ جائے کیونکہ وہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے لہذا یہ اُس کی دوسری رکعت ہوئی، اس میں بیٹھنا واجب ہے۔ تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ بھی پڑھے، کیونکہ قرآن پڑھنے کے اعتبار سے یہ اُس کی دوسری رکعت ہے اور امام کے ساتھ ملی ہوئی رکعت کے اعتبار سے تیسری ہے اس لئے اس میں سجدے کے بعد نہ بیٹھے بلکہ جوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔ اگر تین رکعت والی نماز (یعنی مغرب کی نماز) ہے اور دو رکعتیں جھوٹ گئی ہوں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پوری طرح پڑھ کر بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر کھڑا ہو کیونکہ یہ اُس کی دوسری رکعت تھی، کھڑا ہو کر سورہ فاتحہ مع سورت کے پڑھے اور پھر رکوع اور سجدہ کر کے قعدہ اخیرہ ادا کرے اس طرح تینوں رکعتوں میں بیٹھنا پڑے گا۔

مصبوق کو چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے اگر سہواً ایک طرف سلام پھیرا اور غلط ہی یاد آگیا کہ رکعت چھوٹ گئی ہے تو دوسرا سلام نہ پھیرے اور کھڑا ہو جائے۔ اگر دونوں طرف سلام پھیر دیا پھر یاد آگیا یا کسی نے یاد دلایا تو بغیر بات کئے ہوئے کھڑا ہو جائے اور رکعت پوری کرے اور سجدہ سہو بھی کر لے لیکن اگر بات چیت کر لے تو نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

اگر امام رکوع میں تھا جب مقتدی شریک نماز ہوا یہ اس طور کہ نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں شامل ہو گیا تو وہ رکعت اُس کو مل گئی۔

لاحق نماز کیسے پوری کرے امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے اگر مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ جماعت سے نکل کر باہر آجائے کسی سے بات چیت نہ کرے اور وضو کر کے پھر امام کے ساتھ مل کر اپنی نماز پوری کر لے اگر وہ رکوع یا پہلے سجدے میں تھا اور وضو کی ضرورت ہو گئی تو وہ رکعت دوبارہ آکر وہیں سے نماز میں ادا کرے جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا اگر وضو کے لئے آنے جانے میں اتنی دیر ہو گئی کہ جماعت ختم ہو گئی تو پوری نماز اسی طرح پوری کرے جس طرح امام کے ساتھ پوری کرتا یعنی اس میں اس طرح قرآن نہ پڑھے جس طرح مصبوق پڑھتا ہے البتہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھنا ہے۔

تہنہ فرض پڑھنے والے کے ساتھ شامل ہونا اگر ایک شخص تہنہ فرض نماز شروع کر دے اور کوئی دوسرا اُس سے آکر مل جائے تو اُس پہلے شخص کو چاہیے کہ اگر جہری نماز ہے تو زور سے پڑھنا شروع کر دے رکوع اور سجدوں کی تکبیرات بھی زور زور سے کہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب اگر جماعت سے نماز پڑھنے والے صرف دو ہوں یعنی ایک امام دوسرا مقتدی تو آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ مقتدی امام کے داہنی جانب ذرا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اب اگر کوئی تیسرا شخص بھی جماعت میں شامل ہو تو اگر امام کے آگے جگہ ہو تو اُس کو آگے بڑھا کر وہ مقتدی کے برابر کھڑا ہو جائے۔ اگر امام کے آگے جگہ نہ ہو تو مقتدی کو پیچھے لے آئے اور اسی

کے برابر خود کھڑا ہو جائے اگر آگے پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کے بائیں جانب کھڑے ہو جانا چاہیے اگر وہ تیسرا شخص امام کو آگے بڑھانا یا مقتدی کو پیچھے کھینچنا بھول جائے تو امام کو خود آگے بڑھ جانا چاہیے یا مقتدی کو پیچھے ہٹ آنا چاہیے۔ اگر امام کی اقتدار کرنے والوں میں ایک مرد اور ایک باشعور لڑکا ہو تو بھی اسی طرح کرنا چاہیے لیکن اگر ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت اُس مرد کے پیچھے کھڑی ہو۔ اگر دو یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام کو شروع نماز ہی سے آگے کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر صف بھر چکی ہو اور کوئی ایک آدمی جماعت میں شامل ہونے کے لئے آئے تو چاہئے کہ پیچھے اکیلا کھڑا نہ ہو بلکہ کسی نمازی کو صف سے کھینچ کر اُس کے ساتھ کھڑا ہو، مقتدیوں کو خوب مل کر کھڑا ہونا چاہئے اور صف ٹیڑھی نہ ہو جانے کا دھیان رکھنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر صف ٹیڑھی ہوگی تو دونوں میں بھی ٹیڑھا بن پیدا ہوگا۔ امام کو چاہئے کہ وہ صف کے آگے درمیان میں کھڑا ہو، دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہے۔ اہل جماعت میں جو افضل ہوں انھیں صف اول میں کھڑا ہونا چاہئے تاکہ اگر امام کو حدث وغیرہ لاحق ہو جائے تو وہ امامت کے اہل ہو سکیں اس کو "استخلاف" کے بیان میں آگے ذکر کیا گیا ہے۔

مقتدیوں کی صف بندی اس طرح ہونا چاہئے کہ آگے مردوں کی صف ہو اُن کے پیچھے لڑکوں کی اور اُن کے پیچھے عورتوں کی۔ اگر بالغ مرد موجود نہ ہوں تو لڑکے اگلی صف کو پورا کریں۔ امام کو مقتدیوں سے اونچی جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہئے اور نہ ایسی جگہ پر جہاں پہلی صف کے لوگ اُسے نہ دیکھ سکیں۔

وضو کرنے والے کا تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا اگر امام کسی وجہ سے ہے یا اُس نے وضو کرتے وقت موزے یا پٹی پہنچا دیے یا کسی مجبوری سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔

وہ معذوریات جن سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے شدید بارش ہو، سخت سردی پڑ رہی ہو یا رات

میں اس قدر کچڑ ہو جو اذیت کی موجب ہو۔ کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ مسجد تک جانا دشوار ہو کسی ظالم سے اندیشہ ہو، نابینا ہو اور کوئی ساقی نہ ہو ان جیسی صورتوں میں جماعت چھوڑی جاسکتی ہے۔  
**استخلاف فی الصلوٰۃ** کوئی امام جماعت کے ساتھ ایک یا دو کہنیں یا اس سے کم یا زیادہ بڑھے پھر کوئی ایسا امر پیش آئے جو مقتدیوں کے ساتھ نماز پوری کرنے سے مانع ہو جیسے نکیر پھوٹ جائے یا حدث لاحق ہو جائے یا ایسا ہی کوئی امر مانع نماز ناگہاں آن پڑے تو امام کو اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے کسی کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دینا چاہیے تاکہ وہ باقی نماز مقتدیوں کے ساتھ پوری کرے اگر امام ایسا نہ کر سکے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ اپنے میں سے کسی کو امام کی جگہ کھڑا کر دیں نہ تو بولیں اور نہ قیلے کی طرف سے رخ پھیریں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو استخلاف کہتے ہیں، امام یا مقتدی دونوں کو لحاظ رکھنا چاہیے کہ امام کا نائب کوئی نیک آدمی ہو اور امام کی بجائے نماز پڑھا سکتا ہو۔

شریعت اسلامی میں نماز کو احترام کا بلند مقام حاصل ہے جب رب کائنات سے رابطہ قائم ہو جائے اور بندے خشوع و خضوع سے اپنے رب کے حضور کھڑے اور سجدہ ریز ہوں تو جب تک نماز سے فراغ نہ حاصل ہو اس میں خلل نہ پڑنا لازم ہے اگر اس دوران کسی ایک سے ہو جو جائے یا کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کا اثر جماعت پر پڑ سکتا ہو تو حتی الامکان جماعت کو باطل ہونے سے محفوظ رکھا جائے اور سجدہ ہو کر کے اس کی تلافی کی جائے۔

**استخلاف کا سبب** علمائے احناف کے نزدیک اگر امام کو بے اختیاری کی حالت میں حدث لاحق ہو جائے یا خون یا کوئی نجس چیز جسم سے

خارج ہونے لگے تو امام اپنا خلیفہ کسی کو بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر نجاست لگ جائے جو نماز جاری رکھنے سے مانع ہو یا امام کا ستر کھل جائے اور اس حالت میں نماز کا کوئی رکن ادا ہو جائے تو وہ باطل ہوگا، امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ساتھ ہی مقتدیوں کی نماز بھی جاتی رہے گی۔ یہ یا ایسی ہی کوئی اور صورت میں کسی کو نائب بنانا صحیح نہ ہوگا۔ اگر امام زور سے ہنسے یا جنون یا بے ہوشی طاری ہو جائے تب بھی وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔

کسی کو خلیفہ بنانا اس وقت جائز ہے جبکہ امام مقلد فرض قرأت کرنے سے عاجز ہو۔ اگر

امام کو خود کسی مضرت کا یا مالی نقصان کا اندیشہ پیش آجائے تو اُسے نماز توڑ دینا چاہیے کسی کو ناب بنانا جائز نہیں ہے۔ مقتدیوں کو از سر نو نماز پڑھنا ہوگی۔

**استحلاف کی شرعی حیثیت** امام شافعی، امام مالک اور امام محمد بن حنفیہ کے نزدیک نماز میں خلیفہ امام بنانا ایک امر مستحب یا ایک امر جائز ہے۔ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ امام کا کسی کو اپنا خلیفہ بنانا افضل ہے اور اگر نماز کا وقت تنگ ہو تو واجب ہے۔ اگر امام نے کسی کو اپنا خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے کسی اور کو اپنا امام بنالیا تو امام کے بنائے ہوئے خلیفہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر مقتدیوں میں سے کوئی شخص خلیفہ بنائے بغیر آگے آگیا اور پوری نماز پڑھادی تو نماز درست ہو جائے گی۔

**عورتوں کی جماعت** عورتوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر کے اندر تنہا نماز پڑھیں۔ عورتیں اگر گھر کے اندر جماعت کرنا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں، امام اور مقتدی دونوں عورتیں ہوں تو جو عورت امام بنے اُس کو آگے نہیں بلکہ عورتوں کے پیچ میں کھڑا ہونا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام مرد ہو تو اُس کو آگے اور عورتوں کو پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، مرد تنہا عورتوں کی امامت اسی وقت کر سکتا ہے جب نمازیوں میں کوئی محرم عورت مثلاً ماں بہن بیٹی وغیرہ ہو۔

**سجدہ سہو کا بیان** سجدہ سہو سرافنگی اور عاجزی کے معنی میں ہے، اصطلاح میں پیشانی زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ سہو کے معنی بھول کر کسی بات کے رہ جانے کے ہیں۔ نماز میں بھول جب ہی ہوتی ہے جب توجہ اللہ کی طرف سے ہٹ جائے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب شیطان نماز میں تمہاری توجہ ہٹا کر بھلا دے میں ڈالے تو نماز کے آخر میں دو سجدے کر لیا کرو، کا تبتا تو غیبا للشیطان (اسلم شریعت) یہ دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں۔

**سجدہ سہو کا طریقہ** سجدہ سہو یہ ہے کہ نماز کے آخر میں صرف دائیں جانب سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور ان کے بعد تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔

وہ صورتیں جن میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یہ ہیں :

## سجدہ سہو کے اسباب

(۱) نماز میں رکعتوں کا زیادہ پڑھنا یا کم پڑھنا اور نیک میں پڑھنا۔ مثلاً کوئی شخص نظر کی چار رکعتیں پڑھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا اور پھر دھیان آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو بہتر یہ ہے کہ بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے اور سجدہ سہو کرے، اسی طرح اگر صرف تین رکعت پڑھ کر قعدہ کیا تب یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے تو چاہیے کہ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اُسے پورا کر کے تشہد اور درود پڑھے پھر سجدہ سہو کرے۔ شک کی صورت میں جس طرف گمان زیادہ ہو اُس کے مطابق عمل کرنا چاہئے پھر سجدہ سہو کر لینا چاہئے۔

اگر نماز ختم کرنے کے بعد شک ہو کہ تین پڑھیں یا چار تو اس کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر یقین کے ساتھ یاد آجائے کہ کوئی رکعت جھوٹ گئی ہے اور اُس نے بات چیت نہیں کی ہے اور وضو بھی ہے تو ایک رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کر لے لیکن اگر بات چیت کر لی یا وضو ٹوٹ گیا تو پھر سے نماز پڑھنا چاہئے۔ فرض نمازوں میں بھول ہو جانے کی صورتیں یہ ہو سکتی ہیں۔ اگر دو رکعت فرض کی نیت تھی لیکن بھول کر تیسری رکعت بھی پڑھ لی یعنی رکوع اور سجدہ بھی کر لیا پھر یاد آیا کہ یہ رکعت زیادہ پڑھ لی تو کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تو یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور فرض نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ اگر سجدے سے پہلے یاد آگیا ہو تو بیٹھ کر نماز پوری کر لینا چاہئے۔

اگر چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ یعنی دوسری رکعت کے قعدے میں تشہد کے بعد تھوڑا درود بھی پڑھ لیا پھر یاد آیا کہ یہ تو دوسری رکعت تھی تو فوراً کھڑے ہو کر باقی دو رکعتیں پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ اگر بھول کر سلام بھی پھیر دیا تو بھی بات چیت کرنے سے پہلے کھڑے ہو کر نماز پوری کرے اور سجدہ سہو کرے۔

اگر چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعتیں بیٹھنا یا تشہد پڑھنا بھول جائے اور کھڑا ہونے لگے لیکن یاد آجائے کہ یہ دوسری رکعت ہے یا مقتدی بیٹھ جانے کا اشارہ کر دیں تو فوراً بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہئے اور نماز پوری کر لینا چاہئے، اس میں سجدہ سہو کی ضرورت نہیں

سہ البتہ اگر پورا کھڑا ہو گیا ہو تو پھر نہ بیٹھے بلکہ نماز پوری کر لے اور آخری رکعت کے بعد سجدہ ہو گئے۔ ایک صورت جو بہت شاد و نادر پیش آ سکتی ہے یہ ہے کہ چار رکعت فرض پوری پڑھ لی اور آخری رکعت میں تشہد پڑھ کر یہ سو ہو گیا کہ دوہی پڑھی ہیں اور کھڑا ہو گیا تو اگر اس پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے غلطی یاد آجائے تو بیٹھ جانا چاہیے اور سجدہ سو کر کے نماز سے باہر آ جانا چاہیے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو بیٹھنا نہ چاہیے بلکہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لیتا چاہیے اور چھ رکعتیں پوری پڑھ کر سجدہ سو کر لینا چاہیے یہ آخری دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی اور چار رکعت فرض ہو جائے گی دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ سنت اور نفل کی ہر رکعت میں اور فرض کی صورت پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی کم از کم تین آیتیں پڑھنا ضروری ہیں اگر انھیں پڑھنا بھول جائے تو سجدہ سو کرنا چاہیے۔

۳۔ نماز کے کسی رکن کو ادا کرنے میں مثلاً قرات کے بعد رکوع میں جانے یا تشہد پڑھ چکنے کے بعد دوسرا رکن ادا کرنے میں اتنی تاخیر ہو جائے جس میں تین آیتیں پڑھی جا سکتی ہوں تو سجدہ سو کرنا واجب ہے۔

نہ۔ کسی کو سجدہ سو کرنا ضروری تھا مگر بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اگر اس نے بات چیت نہیں کی تو فوراً سجدہ سو کر کے اور پھر تشہد اور دو اور دعا پڑھ کر دوبارہ سلام پھیرے۔

۵۔ اگر ایک نماز میں کئی سو ہو جائیں تب بھی ایک ہی بار سجدہ سو کرنا ضروری ہے۔

۶۔ نماز میں جو چیزیں سنت یا مستحب ہیں ان کو چھوڑنے سے سجدہ سو کرنا واجب نہیں ہوتا، مثلاً ثنا پڑھنا یا نہ ربا، رکوع یا سجدے میں تسبیح پڑھنا بھول گیا، درود اور دعا پڑھنا یا وہ نہیں آیا۔ فرض نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی قرآن کی آیت پڑھ لی تو سجدہ سو نہیں ہے، لیکن نفل یا وتر کی کسی رکعت میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورت نہیں پڑھی تو سجدہ سو کرنا واجب ہے۔



۱۔ دماغے قنوت ترک ہو جائے تو سجدہ سہو کرنا چاہیے۔

۲۔ سجدہ سہو میں امام کی پیروی واجب ہے۔

**سجدہ تلاوت** بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے اور جب سجدے والی سورت پڑھتے تو سجدہ فرماتے اور ہم بھی ساتھ ہی سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض شخص کو پیشانی ٹکے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ صحیح مسلم میں آنحضرت کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

اذا قرع ابن آدم السجدة فوجد  
اعتزل الشيطان يبكي يقول  
يا ويله امر ابن آدم بالسجود  
فوجد قلبه الجحشة و امرت  
بالسجود فغصت فكنى النار۔  
ابن آدم جب آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا  
ہے تو شیطان ایک طرف ہٹ کر روتا اور  
کہتا ہے ہائے غضب ابن آدم کو سجدے کا  
حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے  
جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم ہوا میں  
نے وہ حکم نہ مانا تو میرے لئے جہنم ہے۔

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں بعض خاص خاص مقامات ایسے ہیں جن کے پڑھنے پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اسی کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔

**سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت** سجدے کی آیت پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ نہ کرے گا تو گناہ

ہوگا۔ سجدہ تلاوت کا موجب نمازیں ہو یعنی نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھی گئی ہو تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے یعنی اس سے زیادہ وقفہ نہ ہو جس میں تین آئیں پڑھی جا سکیں بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھتے ہی سورت ختم کرنے سے پہلے سجدہ کر کے کھڑا ہو پھر سورت کو پورا کر لے اور تب رکوع میں جائے۔ اگر سجدہ تلاوت نماز سے باہر واجب ہو تو اس کی ادائیگی میں گنجائش ہے تاہم تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اگر اس نے حالت نماز میں نماز سے باہر تلاوت کرنے والے کے منہ سے آیت سجدہ سنی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کر لے۔

**سجدہ تلاوت واجب ہونے کی شرائط** حدث و نجاست سے پاک ہونا، عقل کا ہونا، سجدہ تلاوت کے لئے شرط ہے

جس طرح نماز کے لئے شرط ہے۔ البتہ آیت سجدہ سننے والے پر اگر وہ بطور ادا یا بطور قضا سجدہ کرنے کا اہل ہو تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے جو شخص نشے یا ناپاکی کی حالت میں ہو اس پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بطور قضا اس کے بجالانے کا اہل ہے ہاں اگر پڑھنے والا کوئی مجنون ہے یا بچہ ہے جو حد شعور کو نہ پہنچا ہو تو اس کے منہ سے سن کر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا کیونکہ صحت تلاوت کے لئے تیز (شعور) ہونا شرط ہے، اسی طرح طوطا آیت سجدہ پڑھے یا فو نو گران (الہ ضبط صوت) سے سنائی دے تو سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ اگر سجدے کی ایک آیت کئی بار پڑھی گئی جیسے قرآن یاد کرتے وقت تو ایک سجدہ کرنا ہوگا بشرطیکہ وقت اور جگہ نہ بدلے۔

اگر ایک ہی جگہ کئی آیات سجدہ پڑھی گئیں تو جتنی آیتیں پڑھی جائیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

**سجدہ تلاوت کا طریقہ** اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ کیا جائے پہلی تکبیر پیشانی کو زمین پر رکھتے وقت اور دوسری تکبیر سجدے سے اٹھتے ہوئے۔ سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہیے اس سجدے کے بعد تشهد اور سلام نہیں ہے۔

**وہ آیات جن پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے** قرآن مجید میں چودہ مقامات ایسے ہیں جہاں سجدے کی آیتیں ہیں۔

۱۔ سورہ اعراف کی آخری آیت نمبر ۲۷	۲۷	رکوع
۲۔ سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۵	۱۵	رکوع
۳۔ سورہ نحل کی آیت نمبر ۴۹	۴۹	رکوع
۴۔ سورہ اسراء کی آیت نمبر ۱۰۹	۱۰۹	رکوع
۵۔ سورہ مریم کی آیت نمبر ۵۸	۵۸	رکوع
۶۔ سورہ حج کی آیت نمبر ۷۷	۷۷	رکوع
۷۔ سورہ فرقان کی آیت نمبر ۶۰	۶۰	رکوع

۲	۲ رکوع	۲۵	۸۔ سورہ نمل کی آیت نمبر
۲	۲ رکوع	۱۵	۹۔ سورہ سجدہ کی آیت نمبر
۲	۲ رکوع	۲۴	۱۰۔ سورہ صٰہ کی آیت نمبر
۵	۵ رکوع	۳۸	۱۱۔ سورہ نجم کی آیت نمبر
۳	۲ رکوع	۶۲	۱۲۔ سورہ نجم کی آخری آیت نمبر
۱	۲ رکوع	۲۱	۱۳۔ سورہ الشقاق کی آیت نمبر
۱	۲ رکوع	۱۹	۱۴۔ سورہ علق کی آخری آیت نمبر

آیات متذکرہ میں ہر ایک کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

**سجدہ شکر** سجدہ تلاوت کی طرح یہ بھی ایک ہی سجدہ ہے۔ یہ سجدہ کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی بُری بات کے ٹل جانے پر کیا جاتا ہے اور نماز سے باہر ادا کیا جاتا ہے۔ یہ سجدہ ایک امر مستحب ہے۔

**مسافر کے لئے نماز میں قصر کرنے کی اجازت** ایسے مسافر کو جس کی صفت آگے بیان کی جا رہی ہے چار رکعتوں والی نمازوں میں قصر کرنا (یعنی بجائے چار کے دو پڑھنا) جائز ہے، امام شافعیؒ اور امام حنبلیؒ کا قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام مالکؒ اسے سنت مؤکدہ فرماتے ہیں۔ اب اگر کوئی مسافر بجائے قصر کے پوری نماز پڑھتا ہے تو واجب کا ترک لازم آتا ہے جو مکروہ ہے اور سنت کے ثواب سے محرومی ہے۔

**نماز قصر کا ثبوت** قرآن، حدیث اور اجماع سے نماز میں قصر کرنا ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ

(نہار۔ آیت۔ ۱۰۱)

جب زمین پر سفر کے لئے نکلو تو نماز قصر کرنے میں کوئی ہرج نہس ہے درآنحالیکہ تمہیں کافروں سے فتنے کا اندیشہ ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں قصر کرنے کا حکم خوف و شغل کے حالات میں ہے۔ امن کی حالت میں اس کی مشروعیت صحیح حدیثوں اور اجماع سے ثابت ہوتی ہے یعلیٰ بن امیر سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ مَا لَنَا نَقْصِرُ وَقَدْ اَمْنَا اس کی حالت میں ہمارے لئے قصر کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ (مسلم)  
اس بارے میں میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا تھا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک صدقہ (عنایت) ہے جو اللہ نے تم پر فرمائی ہے تو اس کی عطا کو قبول کرو۔  
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔

صَحِبْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَالْوَبْكَرِ سَهْرًا وَعَثَمَانُ كَذَلِكَ  
میں آنحضرتؐ کا ہم سفر رہا ہوں حضورؐ نے کبھی دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ بھی ثابت ہے کہ نبیؐ نے ہجرت کے بعد اہل مکہ کے ساتھ چار رکعت والی نماز پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر لوگوں کی طرف منہ صاف ہو کر فرمایا:

اَلَيْسَ مَا صَلَّوْا تَكُمُ فَاَنْتُمْ سَفَرٌ تَمَّ لَوْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ فِي سَفَرٍ  
قصر کے شرعی حکم ہونے میں امت کا اجماع ہے۔

وہ مسافر جو اپنے گھر سے ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرے قصر کے صحیح ہونے کی شرط جو اس کے گھر سے نہ مہ میل دور ہو۔ ایک شخص اتنی مسافت یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کی نیت سے جوں ہی اپنی بستی سے باہر نکلے گا قصر نماز پڑھنے کا مجاز ہو جائے گا خواہ یہ فاصلہ کسی تیز سواری سے جلد ہی کیوں نہ طے ہو جائے۔ مثلاً ہوائی جہاز سے تب بھی قصر کرنا صحیح ہوگا۔ (رد المحتار و فتاویٰ عالمگیری)

قصر صرف فرض نمازوں میں ہے سنت اور نفل نمازوں میں نہیں ہے

جب تک سفر کی نیت نہ کی جائے قصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نیت کرنے والے کو کسی دوسرے کے ارادہ سفر کا تابع نہیں ہونا چاہیے اگر ایسا ہے تو اُس کی نیت سے قصر عائد نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوران سفر کسی جگہ پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو جب تک سفر میں ہے قصر واجب ہوگا، جب تک اقامت نہ کر لے، اگر دوران سفر کسی معصیت کا صدور ہو جائے تو یہ امر قصر سے مانع نہیں ہے۔

**مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا** قصر کرنے والا مسافر اگر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو پوری نماز پڑھنا واجب ہے مقیم مقتدی اگر مسافر امام کے پیچھے ہو تو اُسے بہر حال اپنی نماز پوری پڑھنا چاہیے۔ مسافر امام کو سلام پھیرنے کے بعد کہہ دینا چاہیے کہ میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔

**قصر باطل ہونے کی صورت** مسافر جب گھر واپس آجائے یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو وہ مقیم متصور ہوگا اور قصر باطل ہو جائے گا۔

**قصر نماز کی قضا** اگر حالت سفر میں کوئی نماز قضا ہو جائے اور گھر پہنچ کر اُسے پڑھے تو قصر ہی پڑھنا چاہیے اسی طرح گھر پر اگر کوئی نماز قضا ہو گئی اور حالت سفر میں اُسے ادا کرنے کا موقع ملا تو پوری نماز پڑھے۔

**مریض کی نماز کا بیان** اگر کوئی شخص مریض ہے اور فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کے قابل نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر کھڑا ہو سکتا ہے لیکن اس سے کسی اور مرض کے لاحق ہو جانے کا یا مرض میں زیادتی ہونے یا شفا پانے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اگر کسی کو مسلسل بول کا مرض ہو، کھڑے ہونے سے پیشاب آجاتا ہو لیکن بیٹھ کر پڑھے تو طہارت باقی رہتی ہو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ ایک تندرست آدمی جسے کھڑے ہونے سے بہوشی یا سر جکڑانے کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہو تو بھی بیٹھ کر پڑھے اگر کوئی شخص بغیر سہارا کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے، سہارا خواہ دیوار کا ہو یا لکڑی وغیرہ کا جب اس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو تو

بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔

جو شخص کھڑے ہونے سے معذور ہو اور بیٹھ کر نماز  
بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ پڑھے تو حنفی فقہاء کے نزدیک قرأت اور رکوع کی حالت  
جس طرح بھی بہ آسانی بیٹھ سکتا ہو بیٹھے لیکن سجدے اور شہد کی حالت میں دو زانو ہو کر  
بیٹھنا چاہیے، اگر کوئی ہرج اور دشواری نہ ہو۔ بصورت دیگر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں  
زیادہ آسانی ہو۔

اگر کوئی شخص رکوع اور سجدہ یا ان میں  
رکوع اور سجدے سے معذوری کا بیان سے کسی ایک کے کرنے سے معذور ہو  
تو جس کے ادا کرنے سے معذوری ہو اُسے اشارے سے ادا کرے۔ اب اگر کوئی شخص کھڑے  
ہونے اور سجدہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے مگر صرف رکوع نہیں کر سکتا تو اُسے واجب ہے  
کنیت باندھے اور قرأت کھڑے کھڑے کرے اور رکوع کا صرف اشارہ کر لے پھر سجدہ کرے اگر  
سجدے سے بھی عاجز ہو تو بیٹھ کر اشارے سے سجدہ کرے۔ یعنی ایسی صورت میں جبکہ وہ کھڑے  
ہونے اور بیٹھ سکنے سے معذور نہ ہو تو رکوع کا اشارہ کھڑے ہو کر اور سجدے کا اشارہ بیٹھ کر کرنا  
چاہیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک کھڑے ہو کر اشارے سے رکوع اور سجدہ اُسی وقت صحیح ہے جبکہ  
بیٹھنے سے معذوری ہو بصورت دیگر بیٹھ کر رکوع و سجدہ کا اشارے سے کرنا افضل ہے۔  
اگر کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع و سجدہ کا اشارے سے کیا جائے اور سجدے  
کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکنا واجب ہے۔

اگر کوئی شخص افعال نماز میں سے کوئی فعل ادا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اشارہ کرے  
یا دل میں اجزائے نماز کا تصور کرے تو ایسا ہی کرنا واجب ہے۔ اگر آنکھوں سے اشارہ کرنے کی  
قدرت ہے تو محض افعال نماز کا تصور دل میں کر لینا کافی نہیں ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جو  
شخص محض آنکھ بلک یا دل سے اشارہ کر سکتا ہے تو ایسی حالت میں نماز سے بری الذمہ مقصور  
ہو گا خواہ عقل قائم ہو یا نہ ہو اور ایسے مریض پر قضا واجب نہیں ہے بشرطیکہ فوت شدہ نمازوں  
کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو جائے بصورت دیگر قضا واجب ہے۔

اگر کوئی مریض نماز پڑھنے میں شفا یاب ہو جائے تو اس نماز کو جاری رکھے اور حسب طرح ادا کرنے کی قدرت ہوئی ہے اسی طرح نماز کو پورا کرے۔ جو شخص معذوری کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور اسی اثنا میں کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا تو نماز کو جاری رکھے اور کھڑا ہو کر باقی نماز پوری کرے۔ اگر کوئی شخص بیٹھ کر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اسی دوران وہ رکوع سجود کے قابل ہو گیا تو اگر یہ تبدیلی ایک رکعت نماز اشاروں سے پڑھ لینے کے بعد ہوئی تو اسی نماز کو جاری رکھے۔ لیکن اگر رکعت پوری نہیں پڑھی ہے تو نماز توڑ دے اور از سر نو نماز شروع کرے اسی طرح اگر کوئی شخص پہلو کے بل لیٹ کر نماز اشارے سے پڑھ رہا ہو اور دوران نماز بیٹھنے کے قابل ہو جائے تو اسے بھی از سر نو نماز پڑھنا چاہیے۔

**مریض کی عیادت** بیمار کی عیادت کرنا اسلامی شریعت میں سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلم غیر مسلم، امیر غریب سب کی عیادت کے لئے جانا چاہیے۔ نبی عسید السلام یہودیوں اور منافقوں کی عیادت کرنے بھی جایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:

۱۔ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کی جائے اور

۲۔ جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کی جائے۔

عیادت میں مریض کی خدمت کرنا اور اسے تسلی دینا بھی شامل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کرتے جاتے تو کبھی کبھی مریض سے فرماتے "یا اے باؤس! طہوس ان شاء اللہ گجراؤ نہیں ان شاء اللہ یہ بیماری تمہیں گناہوں سے پاک و صاف کر دے گی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ہم میں سے جب کوئی بیمار پڑتا تو آپ اپنا دایا ہاتھ مریض کے بدن پر بچھتے اور اوپر اس کے لئے دعا فرماتے:

أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ  
وَأَشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شَفَاءَ  
إِلَّا بِشِعَائِكَ شَفَاؤُكَ يَكْنَادُ  
مُسْقِمًا۔

پروردگار عالم اس درد اور تکلیف کو دور کر اور  
شفا عنایت کر تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے  
سوا کوئی شفا دینے والا نہیں اور شفا ایسی  
عنایت کر جو بیماری کو باقی نہ رکھے۔

**موت کی بیماری** جب اللہ کسی کی اجل پوری کر دے اور موت کی علامتیں معلوم ہونے لگیں تو اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا چاہیے۔ سنت یہ ہے کہ جب کسی کا وقت قریب آجائے تو اس کا رخ قبیلے کی جانب کر دینا چاہیے، بایں طور کہ اس کو دائیں کروٹ دلا دی جائے اور منہ قبیلے کی جانب کر دینا چاہیے، بشرطیکہ ایسا کرنے میں اس کو تکلیف نہ ہو۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو تو چپٹے لیٹے رہنے دیا جائے اور پاؤں قبیلے کی جانب کر کے سر کسی قدر اونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبیلے کی طرف ہو جائے، مالکی کہتے ہیں ایسا کرنا مستحب ہے۔ سنت نہیں ہے۔ کلمہ شہادت کی تلقین کرنا چاہیے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت، پہلے کے کانوں تک پہنچے تاکہ وہ بھی سنے اور اپنی زبان سے کلمہ ادا کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ      یعنی مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا  
فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ مُسْلِمٍ يَقُولُهَا      کرو کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو موت کے  
عِنْدَ الْمَوْتِ إِلَّا أَنْحَتَهُ      وقت یہ کہے اور دوزخ سے نجات کے بغیر  
مِنَ النَّارِ      رہ جائے۔

اس حدیث کو حفص بن شاہین نے باب الجنائز میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے:

لَقِنُوا مَوْتَكُمْ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ      اپنے مرنے والوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو  
تلقین کی صورت یہ ہے کہ کلمہ شہادت پڑھ کر سناتے رہیں تاکہ وہ خود بھی پڑھے اس  
سے پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے۔ اس کے پاس سورہ لیس پڑھنا بھی مستحب ہے اور پاس  
بیٹھنے والے لوگوں کو اس کے حق میں دعائے خیر کرنا چاہیے، کیونکہ اس وقت کی جانے والی دعا  
پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

**میت کے اعضاء کو درست کرنا** جان نکل جانے کے بعد فوراً اس کے اعضاء درست  
کر دینا چاہیے، آنکھوں کو ڈھانک دینا چاہیے ہاتھ  
پیروں کو سیدھا کر دینا چاہیے، ایک کپڑے کی چٹ لے کر پیر کے دونوں انگوٹھوں کو ملا کر



باندھ دیا جائے اور ایک چٹ لے کر اس کی داڑھی کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر لے جا کر باندھ دیں تاکہ دونوں ٹانگیں برابر رہیں پھیلنے یا کھڑی ہونے نہ پائیں اور منہ بند رہے اس کے بعد ایک چادر سے اس کا پورا بدن ڈھک دیا جائے، اعضا درست کرنے وقت یہ پڑھنے رہنا چاہیے **بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّتِہٖ رَسُوْلِ اللّٰہِ**۔ اس کے قریب کوئی خوشبودار چیز جلا دی جائے جیسے لوبان یا اگر بتی وغیرہ۔ حیض و نفاس والی عورتوں اور ناباک مردوں کو قریب نہیں جانا چاہیے جب تک غسل نہ دیدیا جائے میت کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

میت کو غسل دینا زندوں پر فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگوں نے اس فرض **غسل میت** کو انجام دے لیا تو دوسرے اشخاص اس سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔

غسل دینا صرف ایک بار فرض ہے نہ اس طور کہ تمام بدن پر پانی پہنچ جائے اور تین بار غسل دینا سنت ہے لیکن مالکی فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔

**شتر الطّٰ غسل میت** (۱) مسلمان کو غسل دینا فرض ہے۔ کافر کو غسل دینا فرض نہیں ہے۔ محض ستمرائی کے طور پر دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ استقاط شدہ بچے کو غسل دینا فرض نہیں ہے استقاط سے مراد مدت حمل پوری ہونے سے پہلے بچے کا رحم مادر سے خارج ہو جانا ہے۔ اب اگر اُس میں جان پڑ گئی تھی یا اعضا بن گئے تھے لیکن مردہ پیدا ہوا تو دونوں صورتوں میں امام شافعیؒ کے نزدیک غسل دیا جائے گا۔

۲۔ میت کے جسم کا کچھ حصہ مل گیا ہو تب بھی غسل دیا جائے گا۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جسم کا بیشتر حصہ یا نصف حصہ مع سر کے پایا جانا ضروری ہے اس سے کم ہو تو غسل دینا فرض نہیں ہے۔

۳۔ میت شہید کی نہ ہو یعنی اُس کی جو اللہ کا نام بلند کرنے میں قتل کر دیا گیا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کے متعلق فرمایا:

لَا تَغْسِلُوْهُمْ فَاَنْ کُلَّ جَبْرَحٍ  
اَوْ کُلَّ دِمٍ یَفْجَحُ مَسْکَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ  
اَوْ کُلَّ غَیْطٍ یَنْفُثُ  
وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْہِمْ  
انہیں غسل نہ دو ان کا ہر زخم قیمت کے  
روز رشک کی طرح ہلکتا ہو گا ان کی ناز  
نازہ بھی آپؐ نے نہیں پڑھی۔

یہ حدیث احمد نے روایت کی ہے۔

اگر پانی دستیاب نہ ہونے یا نہ ملنے کے قابل نہ ملنے کے باعث میت کو غسل دینا دشوار ہو تو اس کی بجائے تیمم کیا جائے۔ اگر کوئی شخص جل کر مر گیا اور نہ ملنے میں جسم بکھر جانے کا اندیشہ ہو تو جسم نہ دھونا چاہیے، اگر پانی بہانے سے جسم کے بکھرنے کا اندیشہ نہ ہو تو تیمم نہ کیا جائے بلکہ صرف پانی بہا کر غسل دیا جائے۔

**میت کا ستر دیکھنا اور ہاتھ لگانا** میت کے ستر کا ڈھکنا واجب ہے۔ نہ ملنے والے یا کسی شخص کو نہ تو دیکھنا حلال ہے نہ ہاتھ لگانا۔

نہ ملنے والے پر واجب ہے کہ ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مقام ستر کو دھوئے، خواہ ستر خفیف ہو یا ستر غلیظ ہو، رہا باقی جسم تو اسے ہاتھ پر کپڑا لپیٹے بغیر دھونا درست ہے۔ کسی مرد کا عورت کی میت کو غسل دینا یا اس کے برعکس حلال نہیں ہے، ہاں میاں بیوی کا ایک دوسرے کی میت کو غسل دینا حلال ہے، مالکی اور شافعی مسلک اس مسئلہ میں متفق ہیں اس شرط کے ساتھ کہ بیوی طلاق یافتہ نہ ہو۔ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر عورت کا انتقال پہلے ہو جائے تو مرد کو غسل دینے کا حق نہیں ہے کیونکہ نکاح سے جو حق مرد کا عورت پر ہو جاتا ہے وہ موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر شوہر مر جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ اس وقت وہ عدت میں ہوگی اور اس کی زوجیت اس عورت کے حق میں باقی متصور ہوگی، اگرچہ مرنے سے پہلے طلاق رجعی دے دی ہو۔ ہاں جس کو طلاق بائن مل چکی ہو اسے جائز نہیں ہے۔ حنفی فقہا کی رائے بھی یہی ہے۔

اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پائے جہاں کوئی اور عورت نہیں ہے صرف مرد ہیں۔ خواہ وہ بھی نہیں ہے اور کسی غسل دینے والی عورت کا ملنا بھی دشوار ہے۔ یہ صورت حال دوران سفر میں پیش آ سکتی ہے، ایسی صورت میں حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس کا محرم کوئی مرد بھی موجود ہو تو کہنیوں تک اس کا تیمم کرے اور اگر محرم نہ ہو تو اجنبی مرد یا بچہ لپیٹ کر اسی طرح تیمم کرے لیکن کہنیاں دیکھنے سے آنکھ بند رکھے۔

اسی طرح اگر کوئی مرد ایسی جگہ وفات پا جائے جہاں عورتوں کے سوا کوئی مرد نہ ہو اور بیوی بھی نہ ہو تو چاہیے کہ کسی بے نفس معصوم طبع عورت کو غسل کا طریقہ سکھا کر غسل دلوادیں اور اگر ایسی عورت بھی موجود نہ ہو تو وہی عورتیں کہنیوں تک اس میت کا تیمم کر دیں۔

صغیر السن بچے کی میت کو عورت کا غسل دینا اور بچی کو مرد کا غسل دینا جائز ہے۔

**مستحبات غسل میت** تین بار میت کے پورے جسم پر پانی پہنچانا۔ اس میں پہلی دفعہ کا غسل فرض ہے۔ آخری غسل دیتے وقت پانی میں

خوشبو ملانا (مثلاً کافور) افضل ہے۔ بشرطیکہ میت حالت احرام میں نہ ہو۔ دوسرے غسل کے پانی میں میل دور کرنے والی شے (بیری کے تپے وغیرہ) ملا لینا چاہیے۔ نیم گرم پانی سے نہ ملانا افضل ہے۔ غسل دینے کے بعد میت کے سر اور داڑھی میں خوشبو لگائی جائے۔ پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں، آنکھوں، کانوں اور بغل کے نیچے خوشبو لگانا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کافور ہو۔ خوشبو لگانے کا عمل اس حالت میں صحیح نہیں ہے جب میت نے حالت احرام میں ناک پانی ہویت کے قریب خوشبودار چیز کی دھونی دینا مستحب ہے۔ تحنہ غسل بر لٹاتے وقت تین یا پانچ بار تخت کے چاروں طرف دھونی کے برتن کو پھرایا جائے اور کفن پہناتے وقت بھی اسی طرح کیا جائے۔ غسل کے وقت میت کے تمام کپڑے، ستر ڈھکنے والے کپڑوں کے علاوہ اتار لئے جائیں پھر میت کو اسی طرح وضو کرایا جائے جیسے زندہ انسان نہانے کے وقت وضو کرتا ہے۔ کئی اور ناک میں پانی ڈالنے کی جگہ گلہ کی، انگلی اور انگوٹھے پر جھبی پیٹ کر پانی سے ترکر کے میت کے دانتوں، سوڑھوں کا مسح کیا جائے اور نتھنوں کا مسح کیا جائے۔

میت کے سر اور داڑھی میں کنگھی کرنا یا مونچھ اور بغل وغیرہ کے بالوں کا تراشنا مکروہ ہے بلکہ اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز الگ ہو جائے تو بھی اسے ضائع نہ کیا جائے بلکہ کفن کے ساتھ رکھ کر دفن کر دینا چاہیے۔

**غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہونا** اگر غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہو اور

بدن یا کفن آلودہ جائے تو صرف اس نجاست کا صاف کرنا واجب ہے دوبارہ غسل نہ دیا جائے۔

**میت کو غسل دینے کا طریقہ** اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت کسی اونچی چیز مثلاً نہلانے کے پڑے پر رکھا جائے۔ دھونی

دینے اور کپڑے اتارنے کا طریقہ بھی بتایا جا چکا ہے، میت کے پاس غسل دینے والے اور اس

کے معاون کے سوا کسی کو نہ ہونا چاہیے۔ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا پیٹ کر تر کے پہلے اگلی کھچلی شرمگاہوں کو دھوئے پھر وضو کرے، وضو میں ابتدا چہرے کے دھونے سے ہونی چاہیے، ہلکی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ممکن نہیں اس کے بجائے کپڑے کی دھجی سے دانتوں، مسوڑھوں اور نखٹوں کی صفائی کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ — سر اور داڑھی کے بالوں کو وضو کے بعد خوب مل کر کسی میل کاٹنے والی چیز (مثلاً صابن وغیرہ) سے دھونا چاہیے، پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا دیا جائے اور دائیں پہلو کو دھویا جائے اور سر سے پاؤں کی طرف تین بار پانی بہلایا جائے، پیٹھ دھونے کے لئے صرف پہلو کی جانب اس طرح ہلایا جائے کہ پانی تمام جگہ پہنچ جائے پھر دائیں کروٹ لٹا کر بائیں پہلو کو اسی طرح ہلکے ہلکے بدن کو مل کر دھویا جائے اور سر سے پیر تک تین بار پانی بہلایا جائے یہ دو غسل ہو گئے، نہلانے والے کو چاہیے کہ میت کو اپنے سہارے پر رکھ کر بٹھائے اور آہستہ آہستہ پیٹ پر ہاتھ پھیرے اور جو کچھ خارج ہوا اسے دھو ڈالے اس کے بعد میت کو بائیں کروٹ پر لٹا دیا جائے اور بہ طریق سابق پانی بہلایا جائے یہ تیسرا غسل ہو گیا۔ ابتدائی دو غسل گرم پانی سے اور میل کاٹنے والی شے مثلاً پیری کے پتے اور صابن کے ساتھ دئے جائیں تیسرے غسل کے وقت پانی میں کا فور استعمال کیا جائے اس کے بعد میت کے بدن کو پونچھ کر خشک کر لیا جائے اور اس پر خوشبو مل دی جائے۔ پھر وہاں سے دوسری جگہ بٹھا کر کفنا دینا چاہیے۔

**کفن نامے کا بیان** میت کو کفنا نامہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، کفن اتنا ہونا چاہیے کہ میت کا تمام بدن ڈھک جائے اگر اس سے کم ہوا تو فرض کفایہ مسلمانوں کے ذمہ سے ادا نہ ہو گا۔ میت کا کفن اس کے خاص ذاتی مال میں سے ہونا چاہیے جس کے ساتھ کسی غیر کماحقہ والستہ نہ ہو۔ اگر اس کا خالص مال موجود نہ ہو تو جس پر اس کی زندگی میں اس کا نفقہ واجب تھا، کفن اس شخص کے ذمہ ہے اگر ایسا شخص بھی موجود نہ ہو تو بیت المال سے کفن کا خرچ لیا جائے بشرطیکہ مسلمانوں کا بیت المال ہو اور اس سے لینا ممکن ہو ورنہ صاحب مقدر مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسے مہیا کریں، جنازے کے دوسرے اخراجات اور دفنانے کے مصارف اسی میں شامل ہیں۔

**مرد کا کفن** ایک چادر (لغاف) ایک تہ بند (ازار) ایک کرتنا (کفن) مرد کا کفن ہے۔ چادر مرد کے قدم سے ایک ہاتھ زیادہ ہونا چاہئے اور چوڑائی اتنی کہ پورا جسم اُس میں لپیٹا جاسکے۔ ازار کی چوڑائی چادر کے برابر اور لمبائی چادر سے بالشت بھر کم رکھی جائے۔ کرتے کی چوڑائی چادر اور ازار کی چوڑائی کے برابر اور لمبائی گردن سے شرمگاہوں تک، اس کو بیچ سے اتنا پھاڑ دیا جائے کہ اس میں سر چلا جائے۔

**عورت کا کفن** تین مذکورہ بالا کپڑوں کے علاوہ دو کپڑے اور ہونے چاہئیں ایک سر بند دوسرے سینہ بند، سر بند ایک گز سے کم چوڑا اور ایک گز سے کچھ زیادہ لمبا ہونا چاہئے۔ سینہ بند کی لمبائی بغل سے گھٹنے تک اور چوڑائی ازار کی چوڑائی کے برابر ہے۔ اس طرح مردوں کے کفن کے لئے زیادہ سے زیادہ ۱۲ گز اور عورتوں کے کفن کے لئے ۱۰ یا ۱۱ گز کپڑا کافی ہے۔ غسل دینے کے لئے دستانے اور تہ بند کے کپڑے اس کے علاوہ ہیں، اسی طرح عورت کے پردے کے لئے چادر بھی اس کے علاوہ ہے۔

**کفن دینے کا طریقہ** پہلے کسی صاف تخت، چارپائی یا چٹائی پر چادر بچھا دی جائے، اس کے اوپر ازار والا کپڑا بچھا دیا جائے، اُس کے اوپر کرتے کا نصف حصہ بچھا دیا جائے اور نصف لپیٹ کر سر بانے چھوڑ دیا جائے۔ پھر میت کو غسل کے تختہ سے اٹھا کر اُس پر لے آئیں، کرتے کا نصف لپیٹا ہوا حصہ سر میں ڈال کر شرمگاہ تک پھیلا دیں پھر ازار کی چادر کا بایاں حصہ پھر دایاں حصہ لپیٹ دیں، ایسا کرتے وقت وہ تہ بند جو بناتے وقت بندھا تھا نکال دیا جائے۔ اسی طرح چادر کو بھی لپیٹ دیں اور اُس کے دونوں سروں کو ایک چٹ سے باندھ دیں تاکہ کھٹنے نہ پائے، عورت کے کفن میں کرتا پہنانے کے بعد اُس کے سر کے بالوں کو دو حصوں میں کر کے سپنے کے اوپر لے آئیں اور سر بند کو اُس کے اوپر ڈال دیں، ازار کو پیٹنے کے بعد سر بند کو لپیٹ دیں، بعد میں چادر کو اس طرح لپیٹا جائے کہ بائیں جانب کا کنارہ دائیں جانب اور دائیں جانب کا بائیں جانب ہو۔ سب سے زیادہ پسندیدہ کفن وہ ہے جو سفید کپڑے کا ہو خواہ نیا ہو یا پرانا، ہر ایسا لباس جس کا پہننا مردوں کو زندگی میں مباح ہے، مرنے کے بعد اُس کا کفن بھی مباح ہے اور ہر ایسا لباس جس کا پہننا زندگی میں مکروہ ہے اُس کا کفن بھی مکروہ ہے لہذا مردوں کو

ریشم، زرد یا زعفرانی رنگ کے کپڑوں میں کفن دینا مکروہ ہے جبکہ عورتوں کو ایسا کفن دینا جائز ہے کفن کی تمام چادروں میں حنوط (خوشبو) لگانا بہتر ہے۔

**نماز جنازہ** جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے اگرستی کے بعض لوگوں نے پڑھ لی اور کچھ نے نہیں پڑھی تو سب کے ذمے سے فرض ادا ہو گیا البتہ ثواب نماز پڑھنے والوں ہی کو ملے گا۔

**نماز جنازہ کا طریقہ** نماز پڑھانے والا میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو پھر نماز جنازہ ادا کرنے کی نیت اللہ کی عبادت کے لئے ہر نماز پڑھنے والا کرے پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہے اور ثنا **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھے۔ دوسری تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے کہے اور دو دہرے پڑھے، پھر تیسری تکبیر بھی بغیر ہاتھ اٹھائے کہے اور میت کے حق میں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے، اُس کے بعد چوتھی تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے کہے، پھر سلام پہلے دائیں جانب اُس کے بعد بائیں جانب پھیرے، سلام میں میت کو سلام **سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ** دے بلکہ دائیں بائیں کے لوگوں کی نیت کی جائے تکبیر کے علاوہ تمام نماز آہستہ ادا کی جائے۔ نماز سے پہلے صفیں درست کرنا اور کم سے کم تین صفیں بنانا چاہیے، زیادہ سے زیادہ جتنی بھی ہو جائیں۔

**نماز جنازہ کے ارکان** پہلا رکن نیت ہے۔ امام اعظم اور امام حنبلی رحمہما اللہ نیت کو شرط مانتے ہیں، رکن نہیں جس طرح دوسری نمازوں میں نیت لازمی ہے اسی طرح جنازے کی نماز میں بھی لازمی ہے۔ بعض فقہانیت میں یہ تعین بھی ضروری کہتے ہیں کہ میت مرد ہے یا عورت یا نابالغ یا نابالغ کی لڑکی یا نابالغ کی لڑکی کو معلوم نہ ہو سکے تو یہ نیت کرے کہ میں اُس کے لئے جنازے کی نماز پڑھ رہا ہوں جس کے لئے امام پڑھ رہا ہے اور دعا جو تیسری تکبیر کے بعد مانگی جاتی ہے اُس میں بھی میت کی نیت کی جاتی ہے۔ دوسرا رکن تکبیرات ہیں ان کی تعداد تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار ہے، ہر تکبیر ایک رکعت کے برابر ہے اور تکبیروں کے رکن ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

تیسرا رکن پوری نماز کا حالت قیام میں پورا کرنا ہے۔ بلا عذر بیٹھ کر اگر نماز پڑھی تو نماز جنازہ ادا نہیں ہو گی اس میں بھی سب کا اتفاق ہے۔

چوتھا رکن میت کے حق میں دعا کرنا ہے جو بالغ اور نابالغ کے لئے الگ الگ طریقے سے پڑھی جاتی ہے۔

پانچواں رکن سلام ہے۔ سلام جو سختی تکبیر کے بعد پھیرا جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واجب ہے رکن نہیں ہے لہذا اگر یہ روئے جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔

دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا بھی حنفی فقہاء کے نزدیک سنت ہے رکن نہیں ہے۔ سورۃ فاتحہ کی نماز جنازہ میں تلاوت حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ شافعی اور حنبلی فقہاء اُس کا تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا افضل کہتے ہیں۔

**نماز جنازہ کی شرطیں** ایک شرط یہ ہے کہ میت مسلمان کی ہو۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ اور قرآن عظیم پر ایمان نہ رکھنے والوں کے لئے اللہ کا ارشاد ہے :-

وَلَا تَقْرَأُ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيهِمْ (سورۃ توبہ آیت ۸۵)

ان کفار میں سے جو مر جائے اُس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

ایک شرط میت کا نماز جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے موجود ہونا ہے۔ آنحضرتؐ کا نجاشی کی غائبانہ نماز پڑھنا آپؐ کا مخصوص عمل تھا، حنفی اور مالکی فقہاء میت کی موجودگی کو شرط قرار دیتے ہیں جبکہ شافعی اور حنبلی فقہاء غائبانہ نماز جنازہ کو جائز کہتے ہیں اگر میت اس شہر کی نہ ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت کو غسل دے کر یا تیمم سے پاک کیا جا چکا ہو اس سے پہلے نماز جنازہ جائز نہیں اس پر سب متفق ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت نماز پڑھنے والوں کے آگے ہو تیچھے نہ ہو اس پر بھی سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت گاڑی پر یا کسی سواری پر رکھی ہوئی نہ ہو، حنفی اور حنبلی فقہاء کا یہی قول ہے جبکہ شافعی اور مالکی فقہاء نماز جنازہ اس صورت میں بھی جائز کہتے ہیں اگر میت

کسی جانور پر یا ہاتھوں پر ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ شہید کی میت نہ ہو کیونکہ شہید کو غسل دینا اور نماز جنازہ پڑھنا دونوں معاف ہیں۔

نماز جنازہ میں ثنا اور دُعا تحکیم تحریر کے بعد ثنا پڑھنے میں وہی الفاظ ادا ہوں جو عام نمازوں میں کہے جاتے ہیں "وَتَعَالَى جَدُّكَ" کے بعد وِجَلِ ثناؤں بھی پڑھنا چاہیے۔ دوسری تحکیم کے بعد درود جس طرح عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے پڑھا جائے۔ تیسری تحکیم کے بعد دعا کے الفاظ بالغ مرد اور عورت کے لئے یہ ہیں:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيَّتِنَا وَمَيِّتِنَا وَ  
شَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا  
وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اللَّهُمَّ  
مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِتَّا فَاحْيِهِ عَلَى  
الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِتَّا  
فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ۔

اے اللہ ہمارے زندوں ہمارے مردوں ہمارے  
حاضر ہمارے غائب ہمارے چھوٹوں ہمارے  
بڑوں ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو  
بخش دے اے اللہ ہم میں سے جس کو تو  
زندہ رکھے اُس کو اسلام پر زندہ رکھ اور  
جس کو موت دے اُس کو ایمان کے ساتھ موت

دے۔

احادیث میں یہ دُعا بھی آئی ہے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَ  
غَايِبِهِ وَاعْتَمِرْ عَنْهُ وَارْحَمْ نَزْلَهُ  
وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَأَغْسِلْهُ بِالمَاءِ  
وَالسَّلَاحِ وَالْبُرْدِ وَلَقِّهِ مِنَ  
الْخَطَايَا كَمَا يَنْتَقِي الثَّوْبُ  
الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ  
دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا  
خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَنَزْوًا خَيْرًا

اے اللہ تو نے بخش دے اُس پر رحم کر اس کو  
معاف کر دے اور اس کو اپنی حفاظت میں لے  
لے اور اس کو اچھا ٹھکانا دے اور اس کی  
قبور وسیع کر اور اُسے پانی برن اور ازلے  
سے دھو دے اُس کو گناہوں سے ایسا پاک مٹا  
کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک  
صاف ہوتا ہے اُس کو دُنیا کے گھر سے اچھا  
گھر اور اس کے گھر والوں سے اچھے گھر



مِنْ تَرَوْجِهٍ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ  
وَأَعَدَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
وَعَذَابِ النَّارِ۔  
والے اور یہاں کی شریک زندگی سے اچھی  
شریک زندگی نصیب کر اس کو جنت میں  
داخل کر اور قبر اور دوزخ کے عذاب سے  
اس کو بچالے۔

یہ تو بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے دعا تھی، نابالغ لڑکے کے لئے یہ دعا پڑھے۔  
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّ  
اجْعَلْهُ لَنَا اُجْرًا وَّ ذَخْرًا وَّ  
اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا۔  
اے اللہ اس لڑکے کو ہماری مغفرت کا ذریعہ  
بنا اور اس کو ہماری لئے اجر اور آخرت کا  
سامان بنا اور اس کو ہمارا سفارش بنایا  
سفارش جس کی سفارش قبول کی جائے۔

اگر نابالغ لڑکی ہو تو یہ دعا پڑھی جائے گی  
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْهَا  
لَنَا اُجْرًا وَّ ذَخْرًا وَّ اجْعَلْهَا  
لَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً۔  
اے اللہ اس لڑکی کو ہماری بخشش کا ذریعہ  
بنا اور اس کو ہماری لئے اجر اور ذخیرہ آخرت  
بنا اور اس کو ہمارا شفاعت کنندہ بنا اور  
اور ایسا شفاعت کنندہ جس کی شفاعت  
مقبول ہو۔

نماز جنازہ کی تکبیریں  
نماز جنازہ کی تکبیریں جیسا کہ بیان کیا جا چکا کل چار  
ہیں نہ زیادہ نہ کم۔ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے  
تو مقتدیوں کو مزید تکبیروں میں امام کی پیروی نہیں کرنا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے کہ سلام  
پھیرے اس طرح سب کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر امام نے چار سے کم تکبیریں کہیں تو اس  
کی اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔ اگر سہواً تکبیر چھوٹ گئی تو اس کی تلافی نماز  
میں کمی کی تلافی کی طرح کر لی جائے لیکن اس میں سجدہ ہو نہیں سکتا ہے۔

اگر کوئی مقتدی نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہو جب کہ امام ایک یا زیادہ  
تکبیریں کہہ چکا ہو تو اس مسئلے کے متعلق حنفی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ امام

کی تکبیر کا انتظار کرے اور اُس کے ساتھ تکبیر کچے۔ مسبوق کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی تکبیریں کو پورا کرے۔

**مکرر نماز جنازہ پڑھنا** دوسری بار میت پر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، یہ مسلک حنفی اور مالکی علماء کا ہے۔ شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک جس نے پہلی بار نماز جنازہ نہیں پڑھی اُسے دوسری بار نماز پڑھنا جائز ہے خواہ دفن کے بعد پڑھے مسجد میں نماز جنازہ مسجدوں میں میت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مسجد میں جنازہ لانا بھی مکروہ ہے، صرف شافعی مسلک میں مسجد کے اندر نماز جنازہ کو مستحب کہا گیا ہے، قبر کو سامنے کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

**شہید کا بیان** شہید وہ ہے جس کو ظلم سے ناحق قتل کیا گیا ہو خواہ جنگ میں قتل ہوا ہو یا کسی باغی نے، کسی دشمن نے، کسی رہبر یا چور نے قتل کیا ہو۔ خواہ اپنے جان و مال کی حفاظت میں یا مسلمانوں یا ذمیوں کی حفاظت میں شہید کیا گیا ہو تو وہ دنیا و آخرت کا شہید یعنی شہید کامل ہے۔ مسلک یہ ہے کہ ایسے شہید کو غسل نہ دیا جائے لیکن خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگ جائے تو اُسے دھونا چاہیے۔ شہید کو اُس کے اپنے لباس میں دفن کر دینا چاہیے۔ شہید کامل کے لئے عقیقہ، بلوغ، اسلام اور حدیث اصغر و اکبر سے پاکی، عورت کے لئے حیض و نفاس سے پاکی شرط ہے اور یہ کہ سبب ہلاکت وارد ہونے کے بعد بغیر کچھ کھائے پئے یا سوئے موت آگئی ہو، نہ قتل کی جگہ سے زندگی کی حالت میں کسی خیمے یا گھر میں منتقل کیا گیا ہو نہ نماز کا پورا وقت گزرنے پایا ہو اور اُس کے قتل پر قصاص واجب ہوتا ہو (اگر کسی وجہ مثلاً صلح ہونے سے حکم قصاص مرتفع ہو جائے تو بھی وہ شہید کامل ہے) اُسے خون آلود لباس کے ساتھ ہی دفن کیا جائے، اگر اس کے جسم پر ایسی اشیاء ہوں جو کفن کی حلاکت نہیں رکھتیں مثلاً فروئی دارلباس، ٹوپی، جراب، ہتھیار اور زرہ تو انھیں اتار لیا جائے بخلاف پاجامے کے اُسے نہیں اتارا جائے اور اگر جسم پر کوئی اور لباس نہ ہو تو فروئی دارلباس بھی نہ اتارا جائے، علمائے احناف شہید کے جنازے پر نماز پڑھی جانے کا حکم دیتے ہیں۔

دوسرا شہید وہ ہے جو صرف شہید آخرت ہو، یہ وہ ہے جو شرائط سابقہ میں سے کوئی شرط

پوری نہ کرتا ہو۔ مثلاً ظلم سے قتل کیا گیا ہو لیکن ناپاکی کی حالت میں یا سبب ہلاکت وارد ہونے کے متبادل موت نہ آئی ہو۔ نابالغ یا مجنون ہو یا نادانستہ طور پر قتل ہوا ہو، ایسے لوگوں کو شہید آخر کہا جائے گا۔ قیامت میں ان کا وہی اجر ہے جس کا وعدہ شہداء کے لئے کیا گیا ہے، شہید آخرت کے زمرے میں وہ بھی ہیں جو ڈوب یا جل کر یا غریب الوطنی کی حالت میں یا دوائی امراض یا استغنا یا ہمیش یا نمونیا و منہ، سر یا دق (یعنی تپ محرقہ) کے مرض میں یا زہریلے جانور کے کاٹنے یا ایسے ہی کسی سبب سے وفات پا جائیں۔ طلب علم کے دوران اور جمعہ کی رات کو مرنے والا بھی ایسا ہی ہے۔ ایسے شہداء کو غسل دیا جائے گا کفنا یا جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اگرچہ آخرت میں ان کا جزا شہداء جیسا ہے۔

تیسرے قسم "شہید دنیائے محض" کی ہے اس سے وہ منافق مراد ہے جو مسلمانوں کی صف میں قتل کیا گیا ہو اس کو غسل نہیں دیا جائے، اسی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے اور اس کی لٹاہری حالت کے پیش نظر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اوپر کچے گئے مسائل جنسی مسلک کے مطابق ہیں۔

**جنازہ اٹھانے کا طریقہ** میت کو لے کر قبرستان تک جانا بھی غسل دینے تکفیر پہنچانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی طرح فرض کفایہ ہے، اس کا مسنون طریقہ حنفی مسلک میں یہ ہے کہ چار آدمی اول بدل کر جنازے کو قبرستان تک لے جائیں یا اس طور کہ ہر طرف سے جنازے کو کاندھے پر لے کر دس دس قدم چلیں بہتر یہ ہے کہ پہلے دائیں پہلو کا سر ہاتھ پیر دیکیں پہلو کی پائنتی پھر بائیں پہلو کا سر ہاتھ پیر بائیں پہلو کی پائنتی کاندھے پر لے کر دس دس قدم چلا جائے، دودھ پیتے، پیچے یا دودھ چھڑائی کے بعد فوت ہو جانے والے بچے کا جنازہ ہاتھوں پر اٹھالیا جائے اور اسی طرح باری باری سے لوگ اُسے ہاتھوں پر اٹھا کرے جن میں عورت کے جنازے کو اوپر سے ڈھکا ہوا ہونا چاہئے، اسی طرح قبر کو بھی عورت کو دفن کرتے وقت ڈھکا رکھا جائے یہاں تک کہ لمحہ میں آمارنے سے فراغت حاصل ہو جائے کیونکہ عورت چوٹی سے پاؤں تک تمام پردے کی چیز ہے۔

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس کے متعلقہ مسائل جنازے کے ساتھ جانا سنت ہے اور افضل یہ ہے کہ پیدل

چلے، اگر کسی وجہ سے پیدل نہ جاسکتا ہو تو سواری پر چلنے میں مضائقہ نہیں لیکن جنازے سے آگے جانا مکروہ ہے، افضل یہ ہے کہ جنازے کے پیچھے رہا جائے، دائیں بائیں چلنا خلاف اولیٰ ہے، عورتوں کا جنازے کا ساتھ جانا مکروہ تحریمی ہے۔ جنازے کے ساتھ خاموش چلنا چاہیے، اگر ذکر اذکار کرنا چاہے تو آہستہ آہستہ کرے، جنازے کے ساتھ شمعوں کا روشن کرنا اور خوشبو کی دھونی ساتھ لے کر جانا بھی مکروہ ہے، روایات میں آیا ہے:

لَا تَتَّبِعُوا الْجَنَازَةَ بِصَوْتٍ اُس جنازے کے ساتھ جس میں عبدالمند  
ولا نازہ۔ ہو یا آگ جلائی جائے شامل نہ ہو۔

نماز جنازہ سے پہلے واپس آ جانا مطلقاً مکروہ ہے، ہاں نماز کے بعد اگر اہل میت اجازت دیں تو واپس آنا مکروہ نہیں ہے۔ جنازہ رکھ جانے سے پہلے بلا ضرورت بیٹھ جانا خلاف سنت ہے، جنازہ گزرتے وقت بیٹھے ہوئے لوگوں کا کھڑا ہو جانا نین اس مول کے نزدیک مکروہ ہے، شافعی فقہاء کا قول مختار یہ ہے کہ کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔

میت پر آواز سے رونے، مٹینے، گریبان بھاڑنے کی ممانعت ہے، بغیر آواز نکالے آنسو بہانے میں کوئی مضائقہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ لَطَمَ الْخَدَّ وَدَّ  
وَشَقَّ الْجَبْوَوبَ وَدَعَا يَدْعُو  
جو شخص اپنے ہاتھوں پر طمانچے مارے اور  
گریبانوں کو بھاڑے وہ ہم میں سے  
الْبَاهِلِيَّةُ۔ نہیں ہے۔

میت کی تدفین اگر کوئی شخص سمندر میں ساحل سے دور رشتی کے اندر دفن کیا  
پاگیا اور کشتی کا ایسے مقام پر ٹھہرانا جہاں زمین میں دفن کیا  
جاسکے دشوار ہو تو چاہئے کہ میت کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر غرق کر دیا جائے۔

میت کو دفن کرنے کے لئے قبر انبی گہری ہونا چاہیے کہ جو کم سے کم  
قبر بنانے کا طریقہ اوسط درجہ قدوالے انسان کے نصف قد آدم کے برابر ہو اور

اس سے زیادہ گہرائی ہونا افضل ہے، یہ حنفی فقہاء کا قول ہے شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ قبر کی گہرائی اتنی ہونا سنت ہے کہ اوسط درجے کے قد کا آدمی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس میں کھڑا ہو جائے۔ قبر کی لمبائی چوڑائی کم سے کم اتنی ہو جس میں میت کی اور قبر میں اتارنے والے کی گنجائش ہو۔ اگر زمین سخت ہے تو اس میں لحد (بغلی قبر) بنانا سنت ہے۔ لحد یہ ہے کہ قبر کے نچلے حصے میں قبیلے کی جانب والے پہلو میں اتنا لمبا چوڑا گڑھا کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جاسکے۔

صندوق نما قبر میں میت کو رکھنے کے بعد اوپر سے چھت بنا دینا چاہیے۔ میت کو قبر میں رکھ کر رخ قبیلے کی طرف کر دینا واجب ہے، میت کو قبر میں دائیں پہلو کے بل رکھنا سنت ہے، قبر میں رکھنے والا اس وقت کہتے ہیں **بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** یہ کہنا تمام ائمہ کے نزدیک سنون ہے، مالکی مسلک میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ یہ بھی کہا جائے **اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ بِأَحْسَنِ قَبُولٍ** (اے اللہ اس کی بہترین پذیرائی فرما) ایک اضافہ ہے کہ میت کو قبر میں لٹانے کے بعد اس کا داہنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا جائے۔ قبر کو بند کرنے کے بعد حاضرین جنازہ کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لپ بھر کر مٹی تین بار قبر کے اوپر ڈالیں اور ایتداس بار سربانے کی طرف سے کریں پہلے لپ بھر نے میں کہیں **مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ** (ہم نے تم کو اس مٹی سے بنایا) دوسرے لپ بھر نے میں کہیں **وَبِهَا نَعِيدُكُمْ** (اسی میں تم کو لٹائیں گے) اور تیسرے لپ بھر نے میں کہیں **وَمِنْهَا نُنْخِصُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ** (دوسری بار پھر تم کو اسی سے اٹھائیں گے)۔

قبر اونٹ کی بیٹھ کی طرح ابھری ہوئی اور ایک بالشت اونچی رکھنا مستحب ہے، قبر پر چوٹے گچ سے سفیدی پھیرنا مکروہ ہے البتہ مٹی سے لسانی کرنے میں مضائقہ نہیں قبر کے اوپر چھریا لکڑی وغیرہ بطور زینت لگانا ناجائز ہے۔ شافعی علما یہ بیان کی غرض سے سربانے کی طرف پتھر وغیرہ رکھ دینا سنت کہتے ہیں۔ قبر پر کتبہ لگانے کو تمام ائمہ مکروہ کہتے ہیں اور قرآن کی آیت لکھنا مالکی فقہاء کے نزدیک حرام ہے، اگر قبر کا نشان مٹ جانے کا اندیشہ ہو اور یہ بیان کے لئے کوئی چیز یا کتبہ جس پر کسی بزرگ عالم یا بہت نیکی کرنے والے کی تاریخ وفات اور نام لکھا ہو امتیاز کی خاطر لگا دیا جائے تو حنفی اور شافعی علماء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے جبکہ مالکی اور حنبلی

علماء کے نزدیک عالم اور عامی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

**قبر پر عمارت تعمیر کرنا** گنبد یا اور اسی قسم کی عمارت یا چار دیواری قبر پر بنانا مکروہ ہے اور اگر تفاخر مقصود ہو تو اس نیت سے جو شخص مکان، مدرسہ، مسجد، قبر کو زینت دینے کے لئے بنائے گا وہ فعل حرام کا مرتکب ہو گا وہ زمین جو دفن اموات کے لئے وقف کی گئی ہو یا اس کام کے لئے فی سبیل اللہ چھوڑ دی گئی ہو جسے مسبلہ کہتے ہیں اس میں مکان بنانا حرام ہے۔

قبر پر بیٹھنا یا سونا مکروہ منفرہ ہی ہے اور پیشاب وغیرہ کرنا حرام ہے۔ قبروں پر چلنا مکروہ ہے البتہ اگر میت کو قبر تک پہنچانا بغیر اس پر چلے ممکن نہ ہو تو روا ہے۔

**جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے کسی اور علاقے میں میت کو لے جانا** مستحب کہ میت کو اسی علاقے میں دفن کیا جائے جہاں موت واقع ہوئی۔ دفن سے پہلے ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لاش میں بویہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ دفن کرنے کے بعد نکال کر لے جانا حرام ہے، بجز اس صورت کے جبکہ اُسے کسی ایسی زمین میں دفن کیا گیا ہو جو ناجائز طور پر غصب کی ہوئی ہو یا کسی نے بذریعہ حق شفعہ لی ہو اور زمین کا مالک میت کے وہاں مدفون رہنے پر راضی نہ ہو یا میت کے ساتھ کچھ مال قصداً یا بے خبری میں دفن ہو گیا ہو تو قبر کھول کر وہ مال نکال لینا جائز ہے۔

**ایک قبر میں کئی میتوں کا دفن کرنا** بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایسا کرنا ضروری ہو جائے، مثلاً جگہ کی تنگی ہو تو ایک قبر میں ایک سے زیادہ میتوں کو دفن کرنا جائز ہے اگر ایسی صورت درپیش آئے تو اموات میں جو افضل ہو اُسے قبلے کی جانب رکھیں اس کے بعد دوسرے درجے کی میت کو رکھا جائے، بڑے کو چھوٹے پر اور، مرد کو عورت پر تقدم حاصل ہے، مستحب یہ ہے کہ ہر دو میت کے درمیان مٹی رکھ دی جائے محض کفن کا فرق کافی نہیں ہے۔

**متفرق مسائل** جنازے کی نماز میت کا رشتہ میں قریب ترین مرد پڑھائے اور اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو تو پھر محلے یا بستی کا امام پڑھائے کسی دوسرے کو ولی

کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھانا چاہیے۔

اگر ایک وقت میں کسی جنازے ہوں تو ہر ایک کی الگ الگ نماز پڑھنا چاہیے لیکن اگر میتوں کے ولی ایک ساتھ نماز پڑھائی جانے پر متفق ہوں تو ایسا کرنا جائز ہے۔

نماز جنازہ میں اس لئے دیر کرنا کہ آدمی زیادہ ہو جائیں مکروہ ہے۔

قبرستان میں گپ شب باتیں کرنا روا نہیں بلکہ موت کو یاد رکھنا اور اپنے اسی انجام کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔

دفن کرنے کے بعد کچھ دیر کھڑے ہو کر میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پانچ سو سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جانا چاہیے۔

زندگی میں اپنے لئے کفن تیار رکھنا تو جائز ہے لیکن قبر بنا رکھنا مکروہ ہے اُسے کیا معلوم کہ وہ کہاں مرے گا۔

مرنے کے بعد مرنے والے کی بُرائیاں یا دُعا دلائی جائیں اگر کسی نے اُس کی برائی کو مثال سمجھ کر خود ہی بُرائی اختیار کی ہو تو اس کی قباحت قرآن وحدیث کے حوالے سے بتا دینا ضروری ہے۔  
**تعزیت (پُرسا)** جن گھر والوں کے بیچ سے کسی آدمی کا انتقال ہو گیا ہو تو یقیناً ان پر رنج و غم طاری ہو گا لہذا ان کے تعزیت کرنا مستحب ہے، یعنی تسلی و تشفی دینا اور صبر و شکر کی تلقین کرنا۔ حنفی علماء میت کے گھر والوں سے ان الفاظ میں تعزیت کرنا مستحب کہتے ہیں:

عَفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَيِّتِكَ وَ  
تَجَاوَزَ عَنْهُ وَتَعَمَّدَهُ بِرَحْمَتِهِ  
وَمَرَّرَ قَلْبَ الصَّبْرِ عَلَى مُصِيبَتِهِ  
وَالْجَوْتَ عَلَى مَوْتِهِ۔

اللہ تعالیٰ مرنے والے کی مغفرت لے اُس  
کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اُس کو اپنے  
دامن رحمت میں ڈھک لے اور اس حادثہ  
بہ اللہ آپ کو صبر سے اور اُس کی موت کا رنج  
سہنے بہ آپ کو اجر دے۔

اس موقع پر سب سے اچھے الفاظ وہ ہیں جو رسول اللہ نے فرمائے۔

إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أُعْطِيَ      اللہ کو اختیار ہے جو چاہے لے لے اور جو  
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَكَ بِأَجَلٍ      چاہے دے دے ایک مقررہ وقت ہر شے  
مُسَمًّى۔      کو اسی کے پاس جانا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ تعزیت دفن کے بعد کی جائے۔ میت کے تمام اقربا مرد عورت چھوٹے بڑے سب سے تعزیت کی جائے البتہ جوان عورت سے محرموں کے سوا کوئی اور تعزیت نہ کرے۔ اہل میت کا پُر سائینے کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے خواہ اپنے گھر میں ہو یا کسی اور کے گھر میں ہو۔ پُر سائینے کے لئے سر راہ بیٹھنا اور فرش وغیرہ بچھنا جیسا کہ عام طور پر دستور ہے بدعت اور ممنوع ہے۔ تین دن کے بعد تعزیت کے لئے جانا بھی مکروہ ہے البتہ باہر سے آنے والوں کے لئے تین دن کی قید نہیں ہے۔

مکروہات بدعت میں سے وہ رہیں ہیں جو جنازہ گھر سے نکلنے وقت یا قبر پر کی جاتی ہیں مثلاً: جانور ذبح کیا جانا یا کھانا تقسیم کیا جانا اگر میت کے دنیا میں ایسے افراد موجود ہوں جو ابھی بالغ نہیں ہوئے تو ایسا کرنا مکروہ ہی نہیں مکہ حرام ہے۔

مستحب یہ ہے کہ بڑوسی اور احباب اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کر کے بھیجیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت پر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو، ان پر ایسی مصیبت آن پڑی ہے کہ رنج و غم میں کھانا بھولے ہوئے ہیں، لہذا احباب اور بڑوسیوں کو چاہیے کہ اہل میت کو اصرار کر کے کھانا کھلائیں کیونکہ شدت غم میں کھانا کھانا نہیں جاتا۔ تین وقت سے زیادہ کھانا نہ بھیجنا چاہیے۔ بعض عورتیں میت کے گھر میں تین دن تک چولہے میں آگ جلانے کو برا سمجھتی ہیں۔ یہ خیال بالکل جاہلانہ ہے اس کو دلوں سے نکال دینا چاہیے۔

قبروں کی زیارت کرنا      قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے اور آخرت کی یاد دلانے کی غرض سے مستحب ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے روز اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد۔ علمائے امت نے جمعرات کو عصر کے وقت سے لیکر



ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک کے وقت کو ترجیح دی ہے۔ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا اور نزاری اور حصول عبرت میں مصروف رہے اور میت کے لئے تلاوت قرآن کر کے رحمت مغفرت کی دعا کرے اس سے میت کو اجر ملتا ہے، حدیثوں میں آیا ہے کہ قبر کی زیارت کرتے وقت یوں کہے:-

اللَّهُمَّ رَبَّ الْأَرْوَاحِ الْبَاقِيَةِ	اے اللہ تو رب ہے باقی رہنے والی روحوں
وَالْأَجْسَامِ الْبَالِيَةِ وَالشَّعْوِ	ورفتا ہونے والے جسموں کا بکھرے بالوں
الْمُتَشَرِّقَةِ وَالْمَجْلُودِ الْمُتَقَطِّعَةِ	پھٹی کھالوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا جو اس
وَالْعِظَامِ الْمُخْرَجَةِ السَّحَى	دنیا سے گئیں اور تیرے سپرد ہیں
خَرَجَتْ مِنَ الدُّنْيَا وَهِيَ	اُن پر اپنی روح نازل فرما اور میرا سلام
بِكَ مُؤْمِنَةٌ أَنْزِلْ عَلَيْهَا رَوْحًا	اُن کو پہنچا۔
مِنْكَ وَسَلَامًا مَنِيًّا	

قبرستان میں آکر اس طرح کہنا بھی حدیث میں روایت ہوا ہے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ذَا رَأْفَتٍ	اے ایمان داروں کی بستی والو! تم پر
مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا نَسْتَأْذِنُ اللَّهَ بِكُمْ	سلام، انشاء اللہ ہم بھی تمہاری
لَا حِشْوَنَ	ساتھ آ لیں گے۔

قبرستان اگر دور ہوں تو سفر اختیار کر کے زیارت کرنا مستحب ہے، اور نبی کریم کی قبر کی زیارت بہت زیادہ موجب قربت ہے، مردوں کی طرح عمر رسیدہ عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے جن کے باہر نکلنے میں کسی قتنے کا اندیشہ نہ ہو لیکن اگر ایسا ہو تو قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کا جانا حرام ہے۔

قبر کی زیارت احکام شریعت کے مطابق ہونا چاہیے، یعنی نہ تو قبر کا طواف کرنا چاہیے نہ استلام ہو اور نہ دعا کے مذکورہ کے علاوہ کوئی اور مراد زیارت گاہ میں مانگنا چاہیے۔

## ذکر اور دعا

اوقات نماز میں توبہ اپنے پروردگار سے رجوع ہو کر اُس کے ارکان مخصوص ہدیت اور شرائط کے ساتھ بجالاتا ہے اور فرض و سنت ادا کرتا ہے۔ لیکن اللہ کو ہر وقت یاد کرنا ایک بندہ مومن کا شعار ہے، وہ گھر میں ہو یا گھر سے باہر سفر میں ہو یا حضر میں بیٹھا ہو یا لیٹا ہو اکر و بار کی تنگ و دو میں ہو یا میدان جہاد کی ہماہمی میں وہ ہر وقت ہر آن اور ہر موقع و محل پر اُس کو دل سے اور زبان سے یاد کر سکتا ہے، ان عبادتوں کو تسبیح و تہلیل، تحمید و تحمیر ذکر اور دعا، استغاثہ اور استغفار کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کے دیکھنے والوں کی شہادت ہے کہ بیدار کرکل احیائے (آپ ہر وقت خدا کی یاد کرتے تھے) ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسی بات بتا دیجئے جس پر میں دائمًا عمل پر رہوں آپ نے فرمایا:-

لا يزال لسانك رطبا من  
ذكر الله۔  
خدا کے ذکر سے ہر وقت تمہاری  
زبان تر رہے۔

سورۃ آل عمران میں ہے :-

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَن جَمُوعٍ

(آل عمران - آیت ۱۰۱)

اہل عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے :

أَذْكُرُ اللَّهَ وَتَمْرًا كَثِيرًا ۖ وَ سَبَّحَهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (احزاب ام - ۴۲)

اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو

عبادت کا مغز دعا ہے "الدعاءُ صُغى العبادۃ" (حدیث) ترمذی اور ابوداؤد نے

یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ دعا ہی عبادت ہے۔

یہ فرمانے کے بعد آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَقَالِ ذٰلِكَمُ الَّذِیْنَ اسْتَجِیْبُ لَكُمْ اِنْ اَلَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَذٰلُکُوْنَ جَهَنَّمُ  
ذٰلِیْقَوْمٌ (مومن - آیت ۶۰)

تمہارے رب نے کہا کہ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے  
مرتنا ہی کرتے ہیں، عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَمْ یَسْأَلِ اللّٰهَ یَقْضِیْ جَوْشَنُ اللّٰہِ سے نہیں مانگا اللہ اس سے  
علیہ (ترمذی) غفے ہوتا ہے۔

دعا فطرت انسانی کی پکار ہے، قرآن نے اس فطرت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ فَذُرِّهُ رَبَّهُ فَنِیْبًا یَّذِیْبُ (نمر - آیت ۸)

جب انسان کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے رب کو پوری طرح رجوع ہو کر پکار  
اُٹھتا ہے۔

وہی شخص ذکر و دعا میں مصروف رہتا ہے جس کے دل میں یہ پس گیا ہو کہ حاجت روا کرنا اور قسم کی  
تکلیف رفع کرنا صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے تاکہ اس کی عظمت اور اسی سے محبت کا جذبہ دل  
میں ہر وقت بیدار رہے، اس کے حضور عاجزی و بے چارگی کتر سی اور افتقار کی وہ کیفیت پیدا  
ہو جو ایمان کی روح اور اسلام دینی کامل پیردگی کا تقاضہ ہے۔ آدمی اپنا درد و غم اُسی سے  
کہے جو کچھ مانگے اُسی سے مانگے، اس کی نظر اللہ کے سوا اور کسی طرف نہ اٹھے۔ نماز کے ہر کمن اور  
اُس کی ہر ہیئت قیام، قعود، رکوع و سجود اور اس میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے سب میں انہی کیفیات کا  
اظہار ہوتا ہے، بالخصوص سجدے کی ہیئت اور سورۃ فاتحہ کی قرات ان کیفیات کو زیادہ نمایاں  
کرتی ہے اسی لئے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری قرار دیا گیا اور سجدے دو فرض کئے گئے  
ہیں جبکہ دوسرے ارکان ایک رکعت میں ایک ہی بار ادا کرنا فرض ہیں۔ سورۃ فاتحہ کی اس حیثیت  
کا اندازہ اس حدیث قدسی کے الفاظ سے ہوتا ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان  
مبارک سے ادا ہوتے تھے، وہ امام مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کئے ہیں:

قسمت الصلوة بلبی و بین  
عبدی نصفین ولعبدی ماسأل  
فاذا قال الحمد لله رب العلمین  
قال الله حمدنی عبدی و اذا  
قال الرحمن الرحیم قال اننی  
علی عبدی فاذا قال مالک  
یوم الدین قال معبدی عبدی  
و کسۃ قوض الی عبدی  
فاذا قال ایاک نعبد و ایاک  
نستعین قال هذا بلبی و بین  
عبدی ولعبدی ماسأل فاذا  
قال اهدنا الصراط المستقیم  
صراط الذین انعمت علیهم  
غیر المغضوب علیهم ولا الضالین  
قال الله هذا لعبدی و  
لعبدی ماسأل۔

اللہ نے فرمایا) میں نے نماز کو اپنے اور  
اپنے بندے کے درمیان برابر سے تقسیم کر دیا  
ہے اور میرے بندے نے جو مانگا وہ اُسے  
ملا جب وہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو  
اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد  
بیان کی جب وہ الرحمن اور رحیم کہتا ہے تو  
اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری  
شناخت کی پھر جب وہ کہتا ہے مالک یوم الدین  
تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری  
برتری اور بزرگی بیان کی (ایک حدیث میں  
ہے کہ) میرے بندے نے خود کو میرے حوالے  
کر دیا۔ پھر جب ایک نعبد و یا ک نستعین  
کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے  
کے راز و نیاز کی بات ہے جو اُس نے مانگا وہ  
اُسے مل گیا۔ پھر جب وہ اهدنا الصراط المستقیم  
سے ولا الضالین تک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا  
ہے کہ یہ سارا میرے بندے کا حصہ ہے اور جو کچھ اُس نے مانگا وہ میرے  
بندے کو دے دیا گیا۔

بندے کی اس عاجزی و خاکساری کا اظہار سب سے زیادہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔  
یہ حالت قرب خداوندی کا سب سے مؤثر ذریعہ بنتی ہے ارشاد نبوی ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ  
رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَإِنْ كُنْتُمْ  
الدُّعَاءَ «الَّتِي يَرْجُو سَلَامَ الْوَلَدِ وَدَوْدَ

سجدہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب  
سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس  
حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

تمام عبادات جن میں اللہ کا ذکر اور دعائیں شامل ہیں ان سب کا مقصد بندے کو اپنے رب سے قریب کرنا اور اُس سے گہرا تعلق قائم کرنا ہے تاکہ حاجت مند یوں اور نیاز مند یوں کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ کر خالق سے جڑ جائے اور اس کے دل میں خدا کی عبدیت کا احساس اتنا راسخ ہو جائے کہ وہ اپنے تمام مراسم عبودیت اپنے جسم و جان اپنی زندگی اور موت اور اپنی تمام خواہشیں محض اللہ کے لئے وقف کر دے اور اس کی عظمت کے آگے سرنگوں ہو جائے اگر ذکر و دعا پورے شعور اور جذبہ محبت کے ساتھ دل اور زبان سے نکلے تو اس سے ایمان میں جلد اور حلاوت، اطاعت و عبادت میں استقامت اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ذکر و دعا کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اور حدیث کی کتابوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو دعائیں اور اذکار منقول ہیں ان کو پورے شعور اور حضور قلب کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کیا جائے تو ہر قسم کی پریشانی اور بے چینی میں اطمینان قلب اور سکون حاصل ہوگا آپ ایسا محسوس کریں گے کہ آپ کے اور خدا کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹ گئے ہیں اور آپ براہ راست بارگاہ الہی میں کھڑے ہوئے عرض کر رہے ہیں، اللہ آپ سے درابھی دور نہیں ہے۔

”نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ“ (سورۃ قیامت) یعنی میں بندے کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ ”أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا“ (سورۃ بقرہ)

ذکر اور دعائیں فرق یہ ہے کہ ذکر میں اللہ کی ثنا اور اُس کی عظمت کا اعتراف اُس کے احسانات پر شکر اور اس سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے، اس سے غیر معمولی سکون قلب حاصل ہوتا ہے، اللہ سے قربت کا احساس قوی ہوتا ہے، دل میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ دعائیں اپنی غرض اور حاجت کی طلب بھی شامل ہوتی ہے، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

الذکر افضل من الدعاء	ذکر دعا سے افضل ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ
فالذکر تناءى على الله عز وجل	کی تمام صفتوں اور نعمتوں پر اُس کی
يجتمع اوصافه والائتائه	تعریف کا نام ہے اور دعا بندے کا

الدعاء سؤال العبد حاجته  
فاین هذا من هذا و لهذا  
جاء فی الحدیث من شغلہ  
ذکر ی عن مسئلتی أعطیتہ  
افضل ما اعطى السائلین و  
لهذا کان المستحب فی الدعاء  
ان یبدأ الداعی بحمد اللہ  
تعالیٰ و الثناء علیہ بین یدی  
حاجتہ۔

اپنی حاجت مانگنے کے لئے سوال ہے تو  
دو لوں کا کیا مقابلہ؟ اسی لئے حدیث  
(قدسی) میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل  
ہوا ہے کہ جو شخص میرے ذکر میں مشغول  
ہو کر اپنی حاجت مانگنے سے رہ جائے  
تو اُسے ہم مانگنے والوں سے بھی زیادہ  
دیں گے اور اسی بنا پر دُعا مانگنے والے  
کو پہلے اللہ کی حمد اور ثنا کرنا اور اُس کے  
بعد دُعا مانگنا چاہئے۔

(الواہل الصیب)

بہت سی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا  
آغاز ذکر الہی، تسبیح و تہلیل اور حمد و ثناء سے ہو۔

**استغفار** اللہ نے نبی کو معصوم بنایا ہے (عصمت کے معنی نفس کو مضبوطی سے تھامنے اور  
اُسے گناہ سے باز رکھنے کے ہیں، عزت و ناموس کے معنی میں اسی لئے استعمال  
ہوتا ہے کہ نفس کو بُری خواہشات سے اور عیب سے پاک و صاف رکھنا ہی عزت اور حفظ ناموس  
کہلاتا ہے) باوجود انتہائی پاکیزہ نفس ہونے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب  
میرے دل پر گرد و غبار آجاتا ہے تو میں استغفار کرتا ہوں تو یہ اور استغفار میں فرق یہ ہے کہ تو یہ  
گناہ سرزد ہو جانے کے بعد کی جاتی ہے لیکن گناہ کا خیال اور اُس کا ذرا سا میل بھی آجانا  
بجائے خود عصمت کے منافی ہے، اسی لئے استغفار کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے جس کے جامع  
کلمات یہ ہیں: اَسْتَغْفِرُ اللہَ سَبَّحْتَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوبُ اِلَيْهِ اَس سے دل کا میل  
صاف ہو جاتا ہے اس میں بندہ اپنے رب سے اپنی ادنیٰ بھول پر بھی معافی طلب کرتا ہے۔

نبی علیہ السلام پر درود  
خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان وہ مرحِ چشمہ ہدایت ہیں  
جنہیں اُس نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست دکھانے

کے لئے مبعوث فرمایا اور جنہیں ہمارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا یہ وہ ذات گرامی ہے جو تمام ظاہری اور معنوی احسانات کی جامع ہے اس لئے خدا کی یاد کے بعد اس مقدس ہستی کی یاد مسلمان کے ایمان کا جز ہے، یہ یاد اذان کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور اقامت کے ذریعے بھی، نماز میں تشہد کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور درود کے ذریعے بھی جس طرح خدا کی یاد کے ساتھ اُس سے محبت بھی ضروری ہے، اسی طرح تمام جہان کے لئے جس ہستی کو اس نے رحمت بنا کر بھیجا یعنی خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کے ساتھ بھی آپ کی ذات سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے، آپ کے نام نامی سے قلب میں ٹھنڈک، روح کو فرحت اور زبان کو لذت ملتی ہے جس طرح پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پینے سے جسم و جان کو سکون حاصل ہوتا ہے آپ پر درود و سلام بھیجنے سے وہی سکون روح انسانی کو نصیب ہوتا ہے، آپ سے محبت کا طریقہ آپ کی ایک ایک سنت کا اتباع ہے، اس اتباع میں کیفیت و سرور پیدا ہوتا ہے درود کی کثرت سے۔

آپ نے فرمایا ہے :

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّىٰ عَلَىٰ خَمْسِينَ مِنْ خَلْقٍ مِثْلِي

اللہ علیہ عشیۃ (مسلم) اُس پر دس بار نگاہِ رحمت ڈالتا ہے۔

کسی مجلس میں آپ کا نام مبارک لیا جائے اور سننے والا آپ پر درود نہ پڑھے تو اُس کو

آپ نے تجلیل فرمایا ہے۔ الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرَتْ عَنْدهُ فَلَمْ يَصِلْ عَلَيَّ (ترمذی) اور

یعنی بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔

ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل ہوئی ہے :-

اِنَّ الدَّاعِيَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالدَّارِضِ دُعَا اُس وقت تک زمین و آسمان کے درمیان ٹھہری

لا یصعد منها شیءٌ حتیٰ تصلیٰ علی نبیِّک رجتی ہے اور اوپر نہیں جاتی جب تک تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو

سب سے افضل اور بہتر درود وہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے حدیث کی کتابوں میں اور

بھی درودوں کا ذکر ہے جن الفاظ سے بھی آپ پر درود و سلام پڑھا جائے وہ سب باعثِ نجات

میں اور دل کو سکون اور راحت عطا کرتے ہیں۔





کاہینہ پائے اُسے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ (سورہ بقرہ ۱۸۳، ۱۸۵)

احادیث جن سے روزے کی فرضیت ثابت ہے اُن میں سے ایک حدیث جسے بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یہ ہے:-

بني الاسلام على خمس - اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) اس  
شهادة ان لا اله الا الله و بات کا اعتقاد کہ اللہ کے سوا کوئی معبود  
ان محمد ارسول الله و انہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں  
الصلوة و ايتاء الزكاة والصدقة اور (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا  
وصوم رمضان - (۴) حج کرنا اور (۵) ماہ رمضان کے

روزے رکھنا۔

رہا اجماع تو تمام امت محمدیہ اس پر متفق ہے کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے مسلمانوں میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا یہ دین کی مسلمہ بات ہے اس کا منکر کافر ہے۔

امام الجعفیہ اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک روزے کے ارکان کارکن صرف ایک ہے اور وہ ہے روزہ توڑنے والے امور سے باز رہنا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نیت روزہ کو بھی رکن کہتے ہیں، حنفی فقہانیت کو شرط کہتے ہیں رکن نہیں کہتے۔

روزے کی شرطیں تین قسم کی ہیں (۱) روزہ واجب ہونے کی شرطیں۔ روزے کی شرائط (۲) روزہ ادا کرنے کی شرطیں (۳) روزہ صحیح ہونے کی شرطیں۔

۱۔ روزہ واجب ہونے کی شرائط اسلام عقل اور بلوغ ہیں لہذا جو شخص مسلمان نہ ہو یا مسلمان تو ہو لیکن فاقر العقل (مجنون یا بے ہوش) ہو یا صغیر السن بچہ ہو تو روزہ واجب نہیں ہوگا۔

۲۔ ادا کئے روزہ کا وجوب صحت اور مقیم ہر ہے، مریض اور مسافر پر نہیں ہے لیکن مرض دور ہو جانے اور سفر تمام ہو جانے کے بعد قضا ضروری ہے۔

۳۔ روزہ صحیح ہونے کی شرطیں دو ہیں حیض و نفاس سے پاک ہونا اور روزے کی نیت کرنا۔

روزے کی نیت کرنے کا وقت نیت کا وقت ہر روز آفتاب غروب ہونے کے بعد سے اگلے روز کے نصف النہار سے پہلے تک ہے۔

ماہ رمضان میں ہر روز روزے کی نیت کرنا چاہیے۔ سحری کھانا بھی نیت ہے لیکن اگر کھاتے وقت روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو وہ سحری کھانا نیت میں شمار نہ ہوگا۔

نذر معین کے روزے اور نفلی روزے کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ رات کو نیت کی جائے اور روزہ متعین کر دیا جائے، اگر اگلے روز روزہ رکھنے کی نیت کی خواہ نذر روزے کی یا نفلی روزے کی اور مہینہ رمضان کا ہے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ البتہ اگر حالت سفر میں کسی واجب روزے کی نیت کی (رمضان کے اندر) تو وہی واجب روزہ ادا ہوگا کیونکہ حالت سفر میں رمضان کے روزے ترک کر دینے کی اجازت ہے۔

ماہ رمضان کا تحقق دو طرح سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ رمضان شروع ہو گیا۔  
(۱) چاند نظر آجائے، مطلع صاف ہو۔ بادل دھند یا غبار چاند دیکھنے سے مانع نہ ہو۔

(۲) شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں یہ اس صورت میں جب مطلع صاف نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صوموا لبرکۃکم و افطروا لبرکۃکم  
فان عمہ علیکم فاکملوا عذۃ  
چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ  
توڑ دو، اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس  
شعبان ثلاثین (بخاری بروایت ابوہریرہ) دن پورے کرو۔

اگر آسمان صاف ہو یعنی رویت ہلال سے مانع کوئی چیز نہ ہو تو ضروری ہے کہ ایک مجمع کثیر نے اُس کو دیکھا ہو۔ دیکھنے والے امام یا قاضی کے سامنے یہ لفظ کہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ماہ رمضان کا چاند دیکھ لیا۔

اگر آسمان صاف نہ ہو (رویت ہلال سے مانع کوئی چیز موجود ہو) اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اُس نے چاند دیکھ لیا اور وہ شخص مسلمان، راست باز، عاقل اور بالغ ہے تو اُس کی شہادت کافی ہوگی۔ مطلع ناصاف ہو تو رویت ہلال کے ثبوت کے لئے ایک مجمع کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

ایسا شخص جو مقبول الشہادۃ ہو ماہ رمضان کا چاند دیکھے تو اُس پر واجب ہے کہ قاضی کے پاس آکر اُس کی شہادت دے اگر شہر میں ہے۔ اور اگر قریہ میں ہے تو اُس مقام کی مسجد میں جا کر سب لوگوں کو مطلع کر دے خواہ چاند دیکھنے والی کوئی بردہ نشین عورت ہی کیوں نہ ہو۔

یہ مسائل ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے سے متعلق ہیں اگر چاند دکھائی نہ دے تو سمجھ لینا چاہیے کہ شعبان تیس دن کا ہے اور تیسواں دن گزار کر روزہ رکھ لینا چاہیے۔

**کسی ایک علاقہ میں رویت ہلال ثابت ہونا** امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رویت ہلال جب کسی علاقے

میں ثابت ہو جائے تو وہاں سے ہر طرف کے قرب و جوار کے علاقے میں اس ثبوت کی بنا پر روزہ رکھنا واجب ہوگا، قریب کے علاقے وہ مانے جائیں گے جو چاند دکھائی دینے والے علاقے سے چوبیس فرسخ کے اندر واقع ہوں، دور کے علاقے دالوں پر روزہ واجب نہیں ہو جاتا کیونکہ باہم مطلع کا اختلاف ہوتا ہے۔

ستارہ شناس کی بات رویت ہلال کے بارے میں منجم کا قول سند نہیں

نہیں ہے اس کے حساب کی بنا پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے کیونکہ تارخ علیہ السلام نے روزے کو مقررہ علامتوں کے ساتھ وابستہ کیا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی وہ علامتیں ہیں ہلال رمضان کا نظر آنا یا ماہ شعبان کے تیس دن کا پورا ہو جانا۔

**چاند دیکھنے کی کوشش کرنا** مسلمانوں پر یہ امر بطور فرض کفایہ عائد ہوتا ہے کہ شعبان اور رمضان کی انٹیس تاریخ کو غروب

آفتاب کے وقت چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

رویت ہلال کا تحقق ہوجانے کے بعد پھر حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر حاکم کسی طریقے سے جو اُس کے مسلک پر مبنی ہو فیصلہ کر ہی دے تو تمام مسلمانوں پر روزہ واجب ہوگا اگرچہ اُس کا فیصلہ ایک ہی معتبر شہادت کی بنا پر ہو۔

جدید ذرائع خبر رسانی سے چاند ہونے کی خبر  
اگر دیندار اور پرہیزگار مسلمانوں کے توسط سے ریڈیو یا ٹیلی ویژن اور ٹیلیفون سے چاند رکھنے کی خبر پہنچانے کا باقاعدہ انتظام ہو جائے کہ شک و شبہ باقی نہ رہے تو اس کی خبر مان لی جائے گی بشرطیکہ دونوں جگہوں میں اتنی دوری نہ ہو کہ چاند نظر آنے میں ایک دن کا فرق پڑ جاتا ہو جیسے حجاز اور ہندوستان میں ہے۔ حجاز کی رویت کا ہندوستان میں اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح دوسرے ممالک کو بھی سمجھنا چاہیے۔

(یہ جامعہ ازہر کے شیخ علامہ عبدالرحمن تاج کی رائے نقل کی گئی ہے)

جو کھانا یا پانی صبح صادق سے پہلے روزہ رکھنے کی نیت سے کھایا یا پیا جائے اسے **سحری** سحری کہتے ہیں۔ سحری کھانا سنت ہے اور سنت کا ثواب ملتا ہے خواہش نہ ہونے پر بھی کچھ سحری کی نیت سے کھالینا چاہیے اور سحری دیر کر کے کھانا سنت ہے تاکہ کھانے کے فوراً بعد صبح صادق شروع ہو جائے۔ سحری نہ کھانے کی بنا پر روزہ ترک کرنا گناہ ہے اگر آنکھ دیر میں کھلی سحری کا وقت گزر گیا اور روزہ نہیں رکھا تو بھی دن بھر روزہ داروں کی طرح گزرا ناپا جائے اور رمضان کے بعد اس کی قضا ضروری ہے۔

**افطار** سورج ڈوبنے کے بعد روزہ کھولنے کو افطار کہتے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا سنت ہے۔ یعنی جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ سورج غروب ہو گیا تو فوراً روزہ افطار کر لینا چاہیے دیر کرنا مکروہ ہے جھوٹے یا کھجور یا پانی سے افطار کرنا بہتر ہے افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَ عَلَى رِزْقِكَ  
اَتَقَطَّرْتُ لِي رَوْزِي سَے افطار کیا۔

اگر یہ یقین ہو گیا کہ سورج ڈوب گیا اور افطار کر لیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی سورج نہیں ڈوبا تھا تو اس روزے کی قضا رکھنی پڑے گی۔

**حالت روزہ** جیسا کہ شروع میں تعریف بیان کی جا چکی ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک خود کو کھانے پینے اور مباشرت سے باز رکھنے کا نام روزہ ہے کھانے

پینے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی اور طریقے سے بھی غذا یا دوا اسم میں داخل نہ ہو، مہاسرت میں تمام صورتیں جو بالا راہ ہوں شامل ہیں۔ احتلام اس حکم سے خارج ہے کیونکہ اُس میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔ روزے کی حالت میں قرآن کی تلاوت، نفل نماز، تبلیغ اور جہاد میں وقت گزارنا بہتر ہے۔ فضول باتوں میں لگے رہنے سے سونا اچھا ہے۔

**ماہ شوال کا تحقق** عید کا چاند نظر آجائے تو قدرتی طور پر شوال کا مہینہ ثابت ہو جائے گا۔ ۲۹ رمضان کو چاند دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مطلع صاف ہو تو مجمع کثیر کو چاند نظر آئے گا لیکن اگر بادل وغیرہ کے باعث مطلع صاف نہ ہو تو دو معتبر مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے رویت ثابت ہو جاتی ہے جو شخص چاند کی شہادت دے وہ یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آج چاند دیکھا اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

**یوم الشک یعنی مشکوک دن کا روزہ** یوم شک سے مراد شعبان کا آخری دن (۳۰ تاریخ) ہے جس کے متعلق رمضان کی پہلی تاریخ ہونے کا احتمال ہو اور اُس کی رات کو مطلع ابراؤور ہا ہو (یعنی ۲۹ شعبان گزرنے کی شب کو) تو ایسی صورت میں اگر بلا ثبوت شرعی یہ یقین کر کے کہ یہ دن رمضان کا ہے روزہ رکھ لیا جائے تو وہ روزہ مکروہ تحریمی ہو گا اور اگر اس تردد کے ساتھ روزہ رکھا کہ روزہ رکھے لیتا ہوں اگر رمضان ہو تو بہتر ورنہ افطار کر لوں گا تو یہ روزہ باطل ہے۔

**ممنوع روزوں کا بیان** عیدین کے روز اور ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے البتہ حج کرنے والا یہ روزے رکھ سکتا ہے، حنفی مسلک یہی ہے شافعی فقہاء ان دنوں میں روزہ مطلقاً حرام کہتے ہیں۔

کسی عورت کا اپنے شوہر کی اجازت یا اُس کی رضامندی کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے سوا اُس صورت کے کہ شوہر موجود نہ ہو یا حالت احرام یا اعتکاف میں ہو۔

**نفلی روزے** ماہ محرم کی نو اور دس تاریخ کے روزے حنبلیں تا سوعا اور عاشورا کہتے ہیں یہ روزے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب اور باقی تین ائمہ

کے نزدیک سنت ہیں۔ نفلی روزوں کے بخلاف ہر ماہ کے تین روزے ہیں اور مستحب یہ ہے کہ یہ روزے ایام بیض میں ہوں یعنی عربی مہینے کی ۱۳-۱۴ اور ۱۵ تاریخ۔

ہر مہینے دو شنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب ہے ان روزوں سے جو صحت جسمانی حاصل ہوتی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نفل روزوں کی اقسام میں سب سے افضل روزے یہ ہیں کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور دوسرے دن نہ رکھا جائے۔ رجب اور شعبان کے مہینوں میں روزے رکھنا مستحب ہیں لیکن امام احمد بن حنبلؒ پورے ماہ رجب کا روزے سے گزارنا مکروہ کہتے ہیں درمیان میں ناغہ کیا جائے تو مکروہ نہیں ہے، باقی اشہر حرم میں ہر مہینے تین روزے رکھنا (جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو) مستحب ہے، واضح ہو کہ اشہر حرم چار ہیں، ذوالفقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک مہینہ رجب کا۔

ماہ شوال کے چھ دن یعنی (مشش عید) کے روزوں کے متعلق حنفی اور مالکی مسلک یہ ہے کہ یہ روزے متفرق دنوں میں ہوں مثلاً ہر ہفتے میں دو دن۔

**یوم عرفہ کا روزہ** ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو جسے عرفہ کا دن کہا جاتا ہے روزہ رکھنا مستحب ہے۔ یہ روزہ ان کے لئے مستحب ہے جو حج میں نہیں ہیں۔ حج کرنے والے کو عرفہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے اگر اس سے کمزوری لاحق ہوتی ہو اسی طرح یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ بھی مکروہ ہے۔

**نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینا** نفلی روزہ رکھ لینے کے بعد اگر توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے، حنفی علماء نفلی روزہ توڑ دینے کو مکروہ تحریمی اور اس کی قضا نہ رکھنے کو بھی مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ مالکی فقہاء کے نزدیک وہ روزہ جو کسی نے بطور تطوع رکھا ہو اور اس کے ماں باپ میں سے کوئی یا شیخ بر بنائے شفقت روزہ افطار کر لینے کا حکم دیں تو توڑ دینا جائز ہے اور اس کی قضا نہیں ہے۔

**بعض روزے جو مکروہ تنزیہی ہیں** یوم عاشور کا روزہ جس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ نہ ملایا گیا ہو مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح یوم نذر اور یوم ہجران کے روزے ہیں بشرطیکہ یہ اس دن واقع

نہ ہوئے ہوں جس دن وہ شخص پہلے سے روزہ رکھتا آ رہا ہو۔ دائمی روزے رکھنا جس سے جہانی فزوری لاحق ہو جاتی ہے اور صوم وصال یعنی مسلسل رات دن کھانے پینے وغیرہ سے خود کو باز رکھنا بھی مکروہ ہے۔ مسافر کو روزہ رکھنا جبکہ روزہ اُس پر شاق ہو مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن روزہ عید کے مشابہ ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔ مریض اور مسافر کی طرح اگر حاملہ عورت، دودھ پلانے والی اور عمر رسیدہ مرد و عورت جن پر روزہ رکھنا باعث مشقت ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو انہیں بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے کسی فرض روزے کی قضا واجب ہوتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ فرض کی ادائیگی نفل سے زیادہ ضروری ہے۔

جن باتوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے **مفسداتِ صوم** صرف قضا لازم آتی ہے، دوسری وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

**قضا واجب ہونے کی صورتیں** کوئی ایسی شے کھا لینا جو غذا کی طرح نہیں کھائی جاتی لیکن غذا کے حکم میں ہے مثلاً کچا چاول، آٹا، کھجور کی گٹھلی، کنسروی بالوہا اگر نگل گیا یا کوئی دوا پیٹ میں بند ریعہ جفتہ یا ناک سے پہنچائی گئی یا کان میں تیل ڈالا گیا یا تھے منہ میں آئی اور پھر ارادہ نگلی اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ اگر منہ بھر کتے نہیں آئی تو روزہ نہیں جائے گا کھجور کا کوئی حصہ دانتوں کی جھری میں رہ گیا اور اُسے کھالیا تو اگر اُس کی مقدار چنے کے برابر ہے تو قضا واجب ہوگی اور اگر اس سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر لعاب دہن نگل گیا یا کلتی کے بعد منہ میں تری باقی رہ گئی اور سٹوک کے ساتھ وہ بھی انر گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن چاہیے یہ کہ کھلی کرنے کے بعد پہلے سٹوک لیا جائے، سٹوک نے میں زیادہ مبالغے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر منہ میں بارش کا قطرہ پڑ گیا یا برف آن پڑی اور اسے ارادہ نہیں مٹھا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ سچوے سے کچھ کھاپی لیا اُس کے بعد یہ سوچ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا دوبارہ کھاپی لیا یا صبح صادق کے بعد یہ خیال کر کے سحری کھالی کہ ابھی وقت باقی ہے یا غروب آفتاب سے پہلے اس خیال سے روزہ افطار کر لیا کہ سورج ڈوب چکا

ہے، ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک روزہ قضا کارکھنا پڑیگا۔  
**قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے کی صورتیں** بغیر کسی عذر شرعی کے کوئی غذا  
 یا غذا جیسی کوئی نغہ استعمال  
 کی یعنی کھائی یا پی اور پیٹ کی طلب پوری کی یا خواہش نفسانی کی طلب پوری کی ان دونوں صورتوں  
 میں بشرط ذیل کفارہ واجب ہوگا:

پہلی شرط یہ کہ روزہ دار مکلف ہو اور اس نے رات سے روزہ رمضان کی نیت کر لی ہو۔  
 دوسری شرط یہ کہ کوئی ایسا امر لاحق نہ ہوا جو جس میں روزہ توڑ دینا روا ہے مثلاً سفر یا عجز۔  
 تیسری شرط یہ کہ روزہ اپنے ارادے سے بخوشی خاطر رکھا ہو۔ مجبور کر کے روزہ رکھوایا  
 نہ گیا ہو۔

چوتھی شرط یہ کہ روزہ بالارادہ توڑا ہو بھولے یا غلطی سے نہ ٹوٹ گیا ہو۔

اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو کفارہ واجب نہ ہوگا مثلاً رات سے روزہ رمضان کی نیت  
 نہیں کی ہو یا کسی پچھلے روزے یا گزشتہ رمضان کے روزے کی قضا کی نیت ہو اور روزہ رکھ  
 کر توڑ دیا ہو یا سفر اختیار کرنے کے بعد روزہ توڑ دیا ہو یا بھولے سے یا کسی غلطی سے روزہ ٹوٹ  
 گیا ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح اگر مباشرت بالارادہ نہ کی گئی ہو شرکاء ہیں باہم نہ  
 ملی ہوں تو بھی کفارہ کسی پر واجب نہ ہوگا نہ اس عورت پر کفارہ واجب ہوگا جس نے اپنے نفس  
 بدمرد کو اختیار نہ دیا ہو۔ نہ مساحقہ کرنے والی عورتوں پر کفارہ واجب ہے لیکن انزال ہو جانے  
 کی صورت میں قضا واجب ہوگی۔

دھواں دینے والی اشیاء حرقہ، سگریٹ وغیرہ پہلی قسم کے نواقض صوم میں ہے کیونکہ اس  
 سے طبیعت کی خواہش پوری ہوتی ہے، اسی طرح حصول لذت کے لئے عورت کا بوسہ کر  
 لعاب دہن جو سنا بھی اسی حکم میں ہے، تو ان باتوں کے بالارادہ کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔  
 روزے میں کوئی ایسا کام کیا جس کا کرنا جائز ہے جیسے سر میں نیل ڈالنا، خوشبو سونگھنا  
 بہوی کا بوسہ لینا، ان میں سے کسی عمل سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر بھول کر پیٹ بھر کھانا کھالیا اور عورت  
 سے بٹلگیر ہوا اور انزال ہو گیا تو صرف روزے کی قضا لازم ہوئی لیکن اگر اوپر بیان کئے گئے کسی عمل



کے بعد روزہ اس خیال سے قصد افطار کر لیا یا جماعت کر لی کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے تو قضا اور کفارہ دونوں ادا کرنا پڑے گا۔ رمضان میں اگر غیر عمدی طور پر روزہ ٹوٹ جائے تو واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں نوافل صوم سے باز رہے۔

**روزہ جو قضا ہوا اُسے ادا کرنے کا وقت** مہینوں کے اندر کی جاسکتی ہے، رمضان میں کسی دوسرے روزے کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر گذشتہ رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہو اور دوسرا رمضان آجائے تو پہلے اس رمضان کے روزے رکھے پھر قضا روزے پورے کئے قضا روزہ رکھنے میں دیر نہ کرنا چاہئے اگر زیادہ ہوں تو مسلسل رکھنا ضروری نہیں ایک یا دو ناغہ کر کے پورے کئے جاسکتے ہیں۔

**روزہ توڑ دینے کا کفارہ** (۱) بلا عذر نہ ہی قصد آٹوڑے ہوئے روزے کا کفارہ ایک روزے کے بدلے میں دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے سے پورا ہوتا ہے اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو پھر سے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے، اگر یہ روزے قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کئے گئے تو اس پورے مہینے کے اور اس کے بعد کے قمری مہینے کے روزے رکھنا چاہئے اور اگر قمری مہینے کے وسط سے شروع کئے گئے تو اس مہینے کو پورا کر کے اگلے پورے ماہ کے روزے رکھنا اور پھر تیسرے مہینے میں اتنے دن روزے رکھنا چاہئے کہ پہلے مہینے کے دن ملا کر پورے تیس دن ہو جائیں، اس کا خیال رکھا جائے کہ زیچ میں کوئی ایسا دن نہ پڑتا ہو جس میں روزہ رکھنا حرام ہے مثلاً عید الاضحیٰ کے تین دن۔ غلو کا تسلسل امر واجب ہے اس پر تین امور، کا اتفاق ہے، صرف جنہی علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شرعی عذر سے روزہ ترک ہوا جیسے سفر پیش آگیا تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) کفارے کے روزے رکھنے کے درمیان میں اگر عورت کو حیض آجائے تو حیض کی مدت ختم کر کے فوراً روزے شروع کر دینا چاہئے چونکہ یہ قدرتی اور دائمی عذر ہے اس لئے صرف ایسی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے۔ البتہ اگر نفاس کی وجہ سے روزے چھوٹ جائیں تو کفارہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ عذر ہر مہینے پیش نہیں آتا۔ (شرح الترمذی ج ۲ صفحہ ۹۵۷)

۳۱) اگر کسی میں لگاتار دو مہینے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دو دنوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا پھر صد قنطریں قنطاریں بھنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا غلہ یا اس کی قیمت ہر ایک مسکین کو دیدے اگر اکٹھا ساٹھ مسکین نہ مل سکیں تو جتنے بھی مل سکیں روزانہ انھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا رہے یہاں تک کہ ساٹھ کی تعداد پوری ہو جائے۔ ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن کھانا کھلانا یا روزانہ ایک دن کا غلہ دینا بھی جائز ہے مگر ایک آدمی کو ساٹھ دنوں کا اکٹھا غلہ یا اس کی قیمت ایک ہی دن دیدینے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اگر ایک آدمی کے تین چار روزے ایک رمضان میں چھوٹ گئے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہے اگر یہ روزے دور رمضان کے ہوں تو دو کفارے دینے ہو گے۔ رمضان کے علاوہ اگر کوئی نفل روزہ توڑ دے تو کفارہ واجب نہیں ہے اس کی قضا پوری کر لینی چاہیے۔

**روزہ توڑنے کے جائز عذر** مرض یا شدت تکلیف کے سبب روزہ توڑنا روا ہے اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا یا جلد آرام نہ ہوگا یا سخت تکلیف کا موجب بن جائے گاتینوں امام امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ متفق ہیں کہ روزہ توڑ دینا جائز ہے امام حنبلؒ کے نزدیک روزہ توڑ دینا سنت اور رکھنا مکروہ ہے، اگر بلاغت یا شدید مصرت کا قوی گمان ہو تو روزہ توڑ دینا واجب اور رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔

سفر کی حالت میں روزہ ترک کرنا مباح ہے بشرطیکہ سفر اتنا ہو جس میں قصر واجب ہوتا ہے یعنی ۸ میل (۴ کلومیٹر سے زیادہ) سفر پیدل ہو یا ریل کا یا ہوائی جہاز کا لیکن اگر سفر میں تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے، ارشاد خداوندی یہی ہے: **وَأَنْ تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ** (یعنی اگر حالت سفر میں) روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

جس مسافر نے رات سے روزے کی نیت کی ہو اور طلوع فجر کے بعد سفر شروع کیا ہو تو روزہ توڑنا حرام ہے اگر توڑ لیا تو قضا واجب ہے کفارہ نہیں ہے، جنفی مسلک یہی ہے۔

**روزہ ترک کرنے کی جائز صورتیں** حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنا اس کی اپنی جان کے لئے یا بچے

کے لئے یاد دہانیوں کے لئے مسرت رساں ہو گا تو اس کو روزہ ترک کرنا جائز ہے ایسی عورتوں پر بشرط طاقت قضا کرنا واجب ہے، نہ فدیہ واجب ہے اور نہ مسلسل قضا کے روزے رکھنا واجب ہیں۔ دودھ پلانے والی بچے کی ماں ہو یا اجرت پر دودھ پلانے والی عورت دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ماں ہے تو شرفاً اس پر دودھ پلانا واجب ہے اور اگر اجرت پر رکھا گیا ہے تو معاہدے کی رو سے دودھ پلانا واجب ٹھہرا ہے۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ ترک کر دینا واجب ہے اور روزہ رکھنا حرام لیکن جوں ہی پاک ہو جائے اُسے روزہ شروع کر دینا چاہیے اور جو روزے چھوٹ جائیں اُن کو رمضان کے بعد پورا کر لینا چاہئے۔

**روزے میں سخت بھوک یا پیاس کا غلبہ** اگر بھوک یا پیاس کی اتنی شدت ہو کہ اس حالت میں روزہ رکھنا برداشت سے باہر ہو جائے تو ایسی حالت میں روزہ توڑ دینا جائز ہے اور قضا واجب ہوگی۔

**ضعیف العمری کے باعث ترک صوم** عمر رسیدہ نحیف و ناتواں شخص جو سال بھر میں کسی وقت بھی روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو روزہ ترک کر سکتا ہے اس پر واجب ہے کہ ہر دن کے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلائے یہی حکم اُس مریض کا ہے جسے صحت کی توقع نہ ہو۔ فدیہ دینے کے بعد پھر قضا واجب نہیں۔ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں روزہ رکھنے سے عاجز ہو لیکن اُس کی قضا کسی اور وقت میں رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اُس وقت قضا رکھے اس کے لئے فدیہ نہیں ہے۔

**فدیہ کی مقدار** ایک محتاج کو اتنا غلہ دینا جتنا غلہ صدقہ فطر میں دیا جاتا ہے یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت۔ اگر گیہوں اور جو کے علاوہ کوئی اور غلہ فدیہ میں دیا جائے تو جو قیمت پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو کی بنتی ہو اسی قیمت کا دوسرا غلہ دیا جاسکتا ہے۔

فدیہ میں اگر غلہ نہ دے بلکہ ایک محتاج کو دو دنوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے تو اس سے بھی فدیہ ادا ہو جائے گا مگر وہی کھانا ہو جو خود کھاتا ہے۔ فدیہ کا غلہ یا غلے کی قیمت کئی محتاجوں کو

دینا بھی جائز ہے۔

**میت کے قضا شدہ روزے**  
اگر مرنے والے نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر دی ہو تو اُس کے وارثوں کو چاہیے کہ اُس کے ایک جہائی مال سے فدیہ ادا کر دیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو اور وارث بالغ ہوں تو انہیں فدیہ ادا کر دینا چاہیے اس سے میت کو آخرت میں فائدہ اور وارثوں کو ثواب حاصل ہوگا مگر نابالغ وارثوں کے حصے سے فدیہ نہ ادا کرنا چاہیے۔

**اعتکاف کا بیان**  
مسجد میں خاص طریقے سے عبادت کے لئے رہنا اعتکاف کہلاتا ہے جسے دن اعتکاف میں رہنے کی نیت کی گئی ہو اتنے دنوں دنیاوی کاروبار اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر نماز کی جگہ ٹھہر کر گزارے جاتے ہیں اس کا فائدہ یہ ہے کہ تمام دنیاوی کاموں اور نفسانی خواہشات سے الگ ہو کر ہمہ وقت خدا کے ذکر اور اُس کی عبادت میں مصروف رہنے سے تعلق باللہ استوار تر ہوتا ہے قلب و دماغ میں نور پیدا ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن مسجد میں اعتکاف فرماتے اور صحابہ کرام بھی آپ کی سنت پر عمل کرتے تھے، یہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے کسی بستی میں ایک شخص بھی اعتکاف کر لے گا تو یہ سنت ادا ہو جائے گی۔ اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے گا تو پوری بستی کے لوگ ایک سنت مؤکدہ کو ترک کرنے کا گناہ اپنے سر لیں گے۔ اس سنت کو رمضان میں ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ۲۰ رمضان کو عصر کی نماز پڑھ کر مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جائے اور ایک پردہ باندھ کر اس گوشے کو ایک حجرے کے مثل بنالے۔ جماعت کے وقت پردہ نمازیوں کے لئے اُٹھا دیا کرے۔ دس دن تک اسی طرح گزارے اسی جگہ کھانا پینا اور سونا ہوا اور بے ضرورت باہر نہ جایا جائے۔ جب عید کا چاند نظر آجائے تو اعتکاف کو ختم کر دیا جائے عورتیں گھر کے کسی بھی صاف ستھرے حصے میں اعتکاف کر سکتی ہیں ان کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

**اعتکاف کی قسمیں اور میعاد**  
(۱) اعتکاف واجب ہے اگر اُس کی نذر مان لی گئی ہو۔  
(۲) اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے رمضان کے آخری

عشرے میں (۳) اعتکاف مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور دنوں میں اعتکاف کے لئے کوئی

میں اور وقت مقرر نہیں ہے۔ مالکی مسلک میں ایک دن اور ایک رات کم سے کم میعاد ہے۔

**اعتکاف کی شرطیں** اعتکاف کی شرطوں میں پہلی شرط مسلمان ہونا ہے اور دوسری شرط صاحب شعور ہونا ہے، لہذا کافر کا، مجنون کا اور بے شعور

بچوں کا اعتکاف درست نہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہو۔ مسجد بھی وہ جہاں بخود نماز باجماعت ہوتی ہے، امام اور مؤذن مقرر ہوں یہ حکم مرد کے لئے ہے عورت اپنے گھر میں جو جگہ نماز کے لئے بنائی گئی ہو وہاں اعتکاف کر سکتی ہے، جماعت والی مسجد میں عورت کا اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ اُس مقام کے علاوہ جو گھر میں نماز کے لئے بنائی ہے کسی اور جگہ اعتکاف کرے۔ شرائط اعتکاف میں نیت بھی ایک شرط ہے جس کے بغیر اعتکاف درست نہیں ہے۔ جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی اعتکاف کے لئے شرط ہے حنفی مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ جنابت سے پاک ہونا اعتکاف رد ہونے کی شرط ہے، یعنی ایسی حالت جنابت میں اعتکاف کرنا حرام ہے حیض و نفاس سے پاک ہونا اعتکاف واجب کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اعتکاف واجب وہ ہے جس کی نذر مافی ہوا میں روزہ رکھنا بھی شرط ہے اور روزہ حیض و نفاس سے پاک ہونے کے بغیر رکھا نہیں جاسکتا۔ واضح ہو کہ عورت کا اعتکاف کرنا بغیر شوہر کی اجازت کے درست نہیں ہے۔

وہ باتیں جن سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے یہ ہیں:

## مفسدات اعتکاف

(۱) مباشرت کرنا (۲) مسجد سے بلا ضرورت باہر آجانا (۳) جنون اور بے ہوشی (۴) نشہ آور اسٹیم یا شش کر دینے والی چیزوں کا استعمال (۵) گناہ کبیرہ کا ارتکاب (۶) ارتداد۔

مباشرت خواہ قصداً ہو یا سہواً، مسجد کے اندر ہو یا باہر مفسد اعتکاف ہے۔ وہ تمام اعمال جو اس جانب تحریک پیدا کریں مکروہ تحریمی ہیں۔ مسجد سے باہر نکلتا طبعی ضرورتوں یا شرعی ضرورتوں کے علاوہ مفسد اعتکاف ہے۔ کھانا پینا، پیشاب پاخانہ، غسل جنابت طبعی ضرورتیں ہیں ان کے لئے اگر مسجد سے باہر آنا پڑ جائے تو ان ضرورتوں کو پورا کر کے فوراً مسجد کے اندر آ جانا چاہئے۔ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا اور نماز جنازہ پڑھانا (اگر کوئی دوسرا آدمی پڑھانے والا نہ ہو) شرعی ضرورتیں ہیں۔ اگر جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا ہو تو سنت پڑھنے کے جانا

چاہیے اور خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر فوراً واپس آ جانا چاہیے، فرض کے بعد پڑھی جانے والی سنت نماز مقام اعتکاف میں پڑھنا چاہیے۔ جنازہ کی نماز ختم ہوتے ہی لوٹ آنا چاہیے۔ باہر ٹھہرنا یا کسی سے باتیں کرنا معتکف کے لئے منع ہے۔

**اعتکاف کے آداب** اعتکاف کرنے والے کو اچھی بات کے سوا اور کوئی کلام نہ کرنا۔

زیادہ تر وقت تلاوت کلام اللہ، ادا کے نوافل اور ذکر الہی میں گزارنا، احادیث رسول اور علوم دینی کا مطالعہ کرنا۔ اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار کثرت سے کرتے رہنا، اعتکاف کے آداب ہیں۔ یہ امر بھی آداب اعتکاف میں سے ہے کہ اعتکاف کے لئے اُس مسجد کا انتخاب کیا جائے جو سب سے اچھی ہو، دنیا میں سب سے اچھی مسجد مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ پھر ہر شہر کی وہ مسجد جس میں سب سے زیادہ نمازی جمع ہوتے ہوں اور امام مؤذن مقرر ہوں۔

**اعتکاف کے مکروہات** اس خیال سے چپ رہنا کہ ثواب زیادہ ملے گا مکروہ ہے۔

پیشہ و رانہ شغل (خواہ وہ تدریس ہی کیوں نہ ہو) میں زیادہ مصروف رہنا بھی مکروہ ہے۔ مسجد کے قریب گھر ہونے کے سبب اُس میں جانا یا مریض کی مزاج بُری کے لئے جانا، خرید و فروخت کرنا یا تجارتی معاہدہ کرنا، بیچنے کی غرض سے مال مسجد میں لانا یہ سب باتیں اعتکاف کی حالت میں کرنا مکروہ ہیں۔

**شعب قدر** رمضان کے آخری دس دنوں میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں بڑی فیروہ برکت ہے اس کا ذکر قرآن کی ایک سورۃ میں ہے جسے سورۃ قدر کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

تحۃ الیلة القدسی الیوتر لیلۃ العدر کو رمضان کی آخری دس من العشر الاواخر راتوں میں تلاش کرو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مقدس رات رمضان کی انیس۔ تیس۔ پچیس۔ ستائیس یا انیسویں شب کو ہوتی ہے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے دو تین دن پہلے فرمایا کہ رمضان کا ہمینہ آ رہا ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے

جو شخص اس رات سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا۔

اللہ تعالیٰ نے نہ تو اس رات کو متعین طور پر ظاہر کیا ہے نہ اس کی پہچان بتائی۔ اس لئے بندوں کو اس کی تلاش و جستجو ان راتوں میں کرنا چاہئے جن کا ذکر اوپر بھی حدیث میں کیا گیا ہے۔ ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ یاد الہی میں مشغول رہنا چاہئے جب اس کے قلب پر فرحت و سرور اور توجہ الی اللہ کی کیفیت غالب ہوگی تو اس کا ذوق اور وجدان محسوس کر لے گا کہ یہی لیلۃ القدر ہے، اس رات نفل نمازوں کے علاوہ یہ دعا کثرت سے پڑھنا چاہئے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ اے اللہ تو مہربان عفو ہے اور معاف کرنا تجھے پسند  
فَاعْفُ عَنِّي۔ ہے تو میری خطاؤں سے درگزر فرما۔

یوں تو رمضان کے مبارک مہینے میں ہر نیکی کا اجر کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر صدقہ فطر رمضان کے روزے ختم ہونے پر دینا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عباس دو جلیل القدر صحابیوں سے روایت ہے،

فَرَمَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طَهْرًا بِصَيَّامٍ مِنَ الْفَقْرِ وَالرَّقَّتِ وَطَعْمَةً لِلْمَسْكِينِ۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر دینا لازم قرار دیا ہے تاکہ رمضان میں جو غلطی سے بیکار بائیں ہو گئی ہیں یا بُرے خیالات آئے ہوں ان سے روزے پاک ہو جائیں اور غریبوں کے کھانے کا سامان بھی ہو جائے۔ (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر جو صاحبِ مقدر ہو واجب ہے، اس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس سال دیا جس سال رمضان میں روزہ رکھنا فرض ہوا، چنانچہ عبد الرزاق نے صحیح اسناد کے ساتھ عبد بن ثعلبہ سے اخراج فرمایا ہے کہ حضور نے یوم فطر سے ایک یا دو روز پہلے خطبہ دیا اور فرمایا۔

اَدُّوا صَاعًا مِنْ تَبَرٍّ اَوْ كِسْفٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمَرٍ اَوْ سَعْيِيرٍ عَنْ  
ایک صاع بُریاق (گیہوں کی دو قسمیں) یا ایک صاع کھجور یا جو آزاد اور غلام کی طرف

کل حر او عبد صغير او کبير سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادا کرو۔

فقہائے احناف صدقہ فطر کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں کہتے۔ واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) حاجاتِ اصلیہ سے بقدر نصاب، فاضل مال کا مالک ہونا۔ صدقہ فطر میں بقدر نصاب فاضل مال کے خاص عرصے تک باقی رہنے کی قید نہیں ہے جس طرح زکوٰۃ میں ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص صدقہ فطر واجب ہونے کے بعد نصاب کا مالک تھا مگر اس کو ادا کرنے سے پہلے وہ مال جاتا رہا تو اس کے ذمہ سے وہ صدقہ فطر ساقط نہ ہوگا، اسی طرح بالغ اور عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، بچے اور فاقر اقل کے مال میں بھی صدقہ فطر واجب ہے، یہاں تک کہ ان کے ولی اگر صدقہ فطر نہ نکالیں تو مرتکب گناہ ہوں گے اور بالغ ہونے یا جنون سے افاقہ پانے کے بعد مسکینوں کو صدقہ فطر دینا واجب ہوگا۔

صدقہ فطر عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا اس سے پہلے اور بعد میں بھی درست ہے، تاہم مستحب یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر نکال دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اغتنوہم عن السؤال فی محتاجوں کو عید کے روز سوال سے بے نیاز

ہذا اليوم کر دو۔

صدقہ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اپنے خادم اور ایسے بڑے بچے کی طرف سے جو مجنون ہو واجب ہے، بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے لیکن اگر دے دے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا، اسی طرح ماں پر بچوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔

ہر قسم کا اناج گیہوں، جو، چنا، دھان صدقہ فطر میں دی جانے والی چیزیں اور باجرہ اور پھلوں میں کھجور اور منقہ صدقہ فطر میں دیا جاسکتا ہے تو جو کوئی گیہوں یا اس کا آٹا دے تو اس کو ۷۰ تولے کے سیر سے بچنے



دو سیر گیہوں یا اٹا دینا چاہیے اور اگر جو دے تو ۸۰ تولے کے سیر سے اس کا دو گنا یعنی ساٹھ تین سیر جو یا اٹا دینا چاہیے۔

گیہوں اور جو کے علاوہ اور جتنے اناج ہیں ان سب کا حکم یہ ہے کہ پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو کی قیمت لگائیں پھر اس قیمت سے وہ غلہ خریدیں جو صدقہ فطر میں دینا ہے جتنا ملے اتنا ہی دیدینا چاہیے۔ گویا اصل چیز پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا اس کی قیمت ہے غلہ اگر نہ دیں اور یہی قیمت صدقہ فطر میں دیدیں تو بھی جائز ہے بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے اس سے مساکین کو زیادہ فائدہ ہے۔

چند لوگوں کا صدقہ فطر اجتماعی طور پر کسی ایک محتاج کو دینا جائز ہے جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک شخص کا صدقہ فطر چند مسکینوں کو دیا جائے۔ صدقہ فطر کے مصارف میں ہیں جس کا ذکر آیت "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" میں ہے اور جو باب زکوٰۃ میں آگے آ رہا ہے۔

## زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنی اور اس کی تعریف عربی میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے اور نپو (ترقی) پانے کے ہیں، دونوں معنوں میں استعمال کی مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں :-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ نَرَّحَاهَا      جس نے اپنے نفس کو گندگی سے پاک کیا  
وہ بیشک فلاح یاب ہوا۔

نسہا الزرع      زراعت میں نشوونما ہوئی

شریعت کی اصطلاح میں اس کے معنی مخصوص مال کو خاص شرائط کے ساتھ کسی مستحق شخص کو اس کا مالک بنادینے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نصاب زکوٰۃ کے مالک ہیں یعنی ان کا مال رکھتے ہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو ان پر فرض ہے کہ دوسرے حقداروں کو جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے اپنے مال میں سے ایک مقدار خاص کا مالک بنادیں۔ یہ خاص مقدار مال زکوٰۃ کہلاتی ہے، اس کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے آدمی کا بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اور اس کی نیکی میں نمو اور ترقی ہوتی ہے۔

ادائے زکوٰۃ کا حکم اور اس کا ثبوت زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جو شرائط کو پورا کرتا ہو جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ زکوٰۃ سترہ میں فرض ہوئی اس کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، قمرآن میں ہے: **وَآتُوا الزَّكَاةَ** (زکوٰۃ ادا کرو) اور **رَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَتّٰی مَعْلُوْمٌ لِّسَاكِلٍ وَّالْمَحْرُوْمِ** (لوگوں کے مال میں سوال کرنے والوں اور ناداروں کا مقررہ حق ہے) (سورہ معارج آیت ۲۴)

سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مراد ہے، آپ نے فرمایا نبی الاسلام علی خمس (اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے)، ان میں سے ایک ایثار و سخاوت کا ذکر فرمایا۔ خطبہ حجتہ الوداع میں آپ نے فرمایا:

اتقوا الله واصلوا خمسكم      الله سے ڈرتے رہو اپنی چھ گناہیں بڑھا  
وصوموا شهرکم وادوا      کرو تمہارا رمضان آگے تو روزہ رکھو اور  
نمازکاموا والکم      اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو

اجماع یعنی تمام امت اس پر متفق ہے کہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جس کی خاص شرائط ہیں۔

**اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت**  
نماز روزہ اور زکوٰۃ تینوں فرض عبادتیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی دو عبادتیں جسمانی ہیں اور تیسری مالی، دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی دو عبادتیں ہر امیر و غریب خوش حال و بد حال سب پر فرض ہیں لیکن زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جو کھانے پینے سے مطمئن ہوں اور روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے بعد کچھ بچ بھی رہتا ہو۔ تیسرا فرق یہ ہے نماز اور روزہ صرف خدا کا حق ہیں اور زکوٰۃ میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا حق بھی ہے۔ نماز بڑھانے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید قرآن میں کثرت سے کی گئی ہے۔ اَتَقِمْوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) بارہا قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔ زکوٰۃ سے مقصود مال کی حرص اور محبت دل سے نکالنا اور بخل کی مذموم صفت سے نفی کو پاک رکھنا ہے۔ مال و دولت کے حریفوں کو سخت عذاب کی وعید (دھمکی) اللہ نے دی ہے:-

الَّذِينَ يَكْتُمُونَ الثَّغَبَ وَالْوَقْصَةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِي سَبِيلِ الْمِلَّةِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْدٍ

(سورۃ توبہ آیت ۱۰۴)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو بڑے دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے جو لوگ مال رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ اپنے لئے قیامت میں بڑا عذاب تیار کر رہے ہیں

**وجوب زکوٰۃ کی شرطیں**  
بالغ ہونا زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط ہے، کوئی بچہ مالدار ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایک شرط عاقل ہونا ہے لہذا

مجنوں پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ حنفی علماء کہتے ہیں کہ ان کے دلیوں سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا البتہ ان کے مال سے قرض اور نفع کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں تاہم عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) اور صدقہ فطر واجب ہے۔  
فاتر العقل کے مال کا وہی حکم ہے جو بچے کے مال کا ہے ایک شرط یہ ہے کہ ملوک مال نصاب کو پہنچ گیا ہو اور اس پر ایک سال کی مدت گزر چکی ہو اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحب مال آزاد ہو۔

**نصاب اور ایک سال کی مدت** سونا یا چاندی یا مال و اسباب کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُسے شریعت میں نصاب کہتے ہیں اور جس کے پاس وہ مقدار موجود ہو اُس کو صاحب نصاب کہتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے بادن تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اُس کو چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا ہوگا۔ غرض مال کی وہ مقدار جس کو صاحب شریعت نے وجوب کی حد قرار دیا ہو خواہ وہ نقد زر و سیم کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں وہی نصاب کی مقدار ہے۔ مختلف اموال پر زکوٰۃ کا نصاب جدا جدا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ایک سال کی مدت گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک واجب ادا نہیں ہوتی ہے جب تک کسی شخص کو اُس مال کا مالک بنے رہنے کی مدت ایک سال نہ ہو جائے۔ سال سے مراد قمری حساب سے سال ہے شمسی حساب کا سال نہیں۔ قمری حساب سے ایک سال تین سو چوبیس دن کا ہوتا ہے، وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ سال کے دونوں سونوں پر نصاب پورا ہو رہا ہو قطع نظر اس کے کہ سال کے درمیان نصاب کامل رہا ہو یا نہ رہا ہو لہذا اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں پورے نصاب کا مالک تھا اور اسی حال میں پورا سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر سال کے دوران میں مال میں کمی ہوئی اور اخیر سال میں وہ کمی پوری ہو گئی تب بھی بدستور زکوٰۃ واجب ہوگی یاں اگر مال کی کمی اخیر سال تک جاری رہی اور سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں نصاب کا مالک تھا پھر دوران سال مال میں اور اضافہ ہوا تو اُس کو اصل مال میں شامل کیا جائے گا اور سب

بزرکوة واجب ہوگی۔

پورا سال گزر جانے کی شرط کھیتی اور پھیلوں کے علاوہ دوسری اشیاء کے لئے ہے، کھیتی اور پھیلوں کے لئے سال گزر جانے کی شرط نہیں ہے۔

صاحب مال کا آزاد ہونا اور قرض سے بری ہونا آزاد سے مراد کسی کا غلام نہ ہونا ہے لہذا دقیق بزرکوة

واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ مکاتب ہو (ہمارے زمانے میں اس طبقے کے لوگ پائے نہیں جاتے) اسی طرح صاحب مال کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قرض واجب الادا اس کے ذمہ نہ ہو پس اگر کسی پر اتنا قرض ہے جو مال نصاب کے برابر ہو یا اتنا ہو کہ ادا کے قرض کے بعد بمقدار نصاب مال باقی نہ رہے تو اس شخص پر زکوة واجب نہیں ہے۔

وہ اموال جن پر زکوة عائد نہیں ہوتی سکونتی مکانات، سامان خانہ، پہننے کے کپڑوں، سواری کے جانوروں، استعمالی

سہتیا۔ وہ اور ایسے ظروف جو سدا ط کھینے ہوں اور سونے چاندی کے نہ ہوں ان سب چیزوں پر زکوة واجب نہیں ہے، اسی مرت جو اہل اہل مکتب ہوتی یا قوت زبرد وغیرہ بزرکوة نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ پیشہ وسانہ آلات اور علمی کتابوں پر زکوة نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔

اشیاء کی قسمیں جن پر زکوة واجب ہے وہ چیزیں جن پر زکوة واجب ہوتی ہے پانچ قسم کی ہیں:

۱۔ جو پائے یعنی پالے جانے والے جانور۔

۲۔ سونا، چاندی یا سونا چاندی کے بجائے چلنے والے سکے۔

۳۔ سامان تجارت۔

۴۔ کان سے نکلی ہوئی اشیاء اور دھینے۔

۵۔ زرعی پیداوار اور پھل۔

ہر ایک قسم کا بیان اور زکوة ادا کرنے کا طریقہ الگ الگ لکھا جاتا ہے۔

**چوپاؤں کی زکوٰۃ** واضح ہو کہ صرف گھریلو جانوروں پر زکوٰۃ ہے، وحشی جانور مثلاً نیل گائے اور ہرن وغیرہ پر نہیں ہے۔ اونٹ، گائے، بھینس اور بکری (خود نر ہوں یا مادہ) ان پر زکوٰۃ عائد ہونے کی دو شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ وہ ساٹھ ہوں یعنی سال کے زیادہ تر حصے میں میدان یا جنگل کی گھاس چر کر یا درختوں کی پتی کھا کر جیتے ہوں اور ان کو چارہ کبھی کبھی دیا جاتا ہو اور دوسری یہ کہ ان سے بار برداری، سواری، کھیتی باڑی کا کام نہ لیا جاتا ہو جیسے گھوڑے، خچر اور بیل وغیرہ۔

اونٹ	تعداد جس پر زکوٰۃ ہے	شرح زکوٰۃ
کم سے کم تعداد	۱ سے چار تک	کچھ نہیں
جس پر زکوٰۃ	۵ سے ۹ تک	ایک بکری یا بکریا اس کی قیمت
عائہ بنتی ہے	۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا دو بکرے۔
پانچ ہے	۱۵ سے ۱۹ تک	تین
	۲۰ سے ۲۴ تک	چار
	۲۵ سے ۳۴ تک	اونٹ کا یکسالہ مادہ بچہ یا اس کی قیمت
	۳۵ سے ۴۴ تک	اونٹ کا دو سالہ
	۴۵ سے ۵۹ تک	اونٹ کا تین سالہ
	۶۰ سے ۷۹ تک	اونٹ کا چار سالہ
	۸۰ سے ۹۹ تک	دو سال کے دو بچے
	۱۰۰ سے ۱۱۹ تک	تین تین سال کے دو بچے

۱۲۰ اونٹوں کے بعد بھر اسی طرح حساب چلے گا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری اور ہر دس پر دو بکریاں بڑھتی جائیں گی یعنی ۱۲۵ اونٹوں پر ۳ سال کے دو اونٹ کے بچے اور ایک بکری زکوٰۃ میں دینا ہوگی اور ۱۳۰ اونٹوں پر تین تین سال کے دو اونٹ کے بچے اور تین بکریاں ہوں گی اس طرح جتنے اونٹ بڑھتے جائیں گے زکوٰۃ اسی حساب سے بڑھتی رہے گی۔

گائے بھینس وغیرہ کی زکوٰۃ کا نصاب      تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے      شرح زکوٰۃ

ابتدائی نصاب تیس	۱ سے ۲۹ تک	کچھ نہیں
ہے اس سے کم پر	۳۰ ہوں تو	ایک سال کا بچہ یا اس کی قیمت
زکوٰۃ نہیں ہے	۴۰ ہوں تو	پورے دو سال کا بچہ
	۶۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچے
	۸۰ ہوں تو	دو سال کا ایک اور ایک سال کا ایک بچہ
	۹۰ ہوں تو	۲ سال کے دو بچے
	۱۰۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے تین بچے
		دو سال کا ایک اور ایک سال کے دو بچے

جتنی تعداد بڑھتی جائے گی اُن کی زکوٰۃ بھی زیادہ ہوتی رہے گی۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ ۳۰ اور ۴۰ کو معیار بنالیا جائے اور ساتھ سے زیادہ جتنی تعداد ہو ان پر ۳۰ اور ۴۰ کے اعتبار سے زکوٰۃ نکالی جائے، مثلاً ۷۰ میں ایک سال کا ایک بچہ جو ۳۰ کی زکوٰۃ ہے اور دو سال کا ایک بچہ جو ۴۰ کی زکوٰۃ ہے دینا چاہیے، دہائی کے درمیان کی تعداد پر زکوٰۃ شمار نہ کی جائے بلکہ صرف ۳۰، ۴۰، ۷۰، ۱۰۰ کی زکوٰۃ دی جائے گی مثلاً ۱۲۰ ہوں تو یا ۱۰۰ بچے ایک ایک سال کے دے جائیں یا تین بچے دو دو سال کے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ پر نصاب	تعداد جس پر زکوٰۃ فرض ہے	شرح زکوٰۃ
نصاب کی تعداد چالیس سے	۱ سے ۳۹ تک	کچھ نہیں
شروع ہوتی ہے اگر تمام بھیریں	۴۰ سے ۲۰ تک	ایک
ہوں تو زکوٰۃ میں خصوصیت	۲۱ سے ۱۰۰ تک	دو
سے بھیڑ دینا ہوگی اور اگر تمام	۲۰۱ سے ۳۹۹ تک	تین
بکریاں ہیں تو زکوٰۃ میں بکری نکالی	۴۰۰ پورے ہوں پر	چار
جائے گی اگر مشترک ہوں تو جن کی تعداد	۴۰۰ سے زیادہ ہوں تو	ہر سو پر ایک
زیادہ ہوگی زکوٰۃ میں دی جائے گی اگر تعداد برابر ہے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ دو قسمیں		

میں سے جو قسم چاہے وصول کرے اور یہی جو تعداد زکوٰۃ فرض ہونے کی لکھی گئی ہے ان فریضوں کے درمیان کی تعداد معاف ہے۔

سو نے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان  
 ادبیر ”نصاب اور ایک سال کی مدت“ کے  
 عنوان سے سو نے چاندی کی وہ مقدار جس پر  
 زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بیان کی جا چکی ہو۔ سو نے کے نصاب کی مقدار میں متقال ہے اور چاندی  
 کے نصاب کی مقدار ۲۰۰ درہم متقال اور درہم کا وزن تولوں اور ماشوں میں لانے کی علماء  
 نے جو تحقیق کی ہے اُس کے مطابق ۲۰ متقال کو ساڑھے سات تولے کے برابر اور دو سو درہم کو  
 ساڑھے باون تولہ کے ہم وزن مانا گیا ہے، بہشتی زیور مؤلف مولانا اشرف علی صاحب ہیں یہی  
 وزن قابل اعتماد لکھا ہے۔ پس جو شخص سو نے اور چاندی کے ان نصابوں کا مالک ہو اُس پر  
 واجب ہے کہ ان کی زکوٰۃ دسویں حصے کی ایک چوتھائی (دہیم) نکالے قطع نظر اس کے کہ سونا،  
 چاندی سکے کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔ نصاب مذکورہ بالاسے کم سو نے یا چاندی پر زکوٰۃ فرض نہیں  
 ہے، یعنی دونوں میں سے جو چیز نصاب کو پہنچ جائے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ سو نے اور چاندی کی  
 بنی ہوئی جتنی چیزیں ہوں اُن سب کا حکم سو نے اور چاندی کا ہے، مثلاً زیورات خواہ وہ مردوں  
 کے ہوں یا عورتوں کے تراش کر بنے ہوں یا بچھلا کر، برتن ہوں یا سجا گونا، پچکا یا سو نے چاندی کے  
 تار کا کام پٹروں پر کیا ہو، خواہ یہ چیزیں استعمال کی جاتی ہوں یا نہ کی جاتی ہوں اگر بقدر نصاب  
 ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب وزن کے اعتبار سے ہے قیمت کے اعتبار سے  
 نہیں ہے۔ سو نے اور چاندی کی زکوٰۃ میں سونا اور چاندی دی جائے یا اُس کی قیمت دونوں  
 صورتیں جائز ہیں۔

سو نے چاندی کی مخلوط اشیاء کی زکوٰۃ کا بیان  
 اگر سونا یا چاندی کسی اور دھات  
 مثلاً تانبا، پیتل یا نکل میں مخلوط  
 ہو تو اُن پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی تا وقتیکہ محض سو نے یا چاندی کی مقدار جو دوسری دھات میں شامل  
 ہے نصاب کو پورا نہ کرے۔ ملاوٹی اشیاء میں اس دھات کا لحاظ کیا جائے گا جس کی مقدار  
 زیادہ ہو خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور دھات، لہذا سو نے کے ساتھ چاندی ملی ہوئی اشیاء



میں اگر سونا زیادہ ہے تو سونے کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس پوری شے کو سونا تصور کیا جائے اور اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو اس پوری شے کو چاندی تصور کیا جائے گا۔ اگر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔

سکوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ کے سچے (جیسے ڈالر، پونڈ، ریاں، دینار وغیرہ) دوسرے کاغذی سچے (مثلاً نوٹ اور بانڈ وغیرہ) تیسرے دھاتوں کے سچے (جیسے ریز گاری میں روپے دو روپے اور اس سے کم کے سچے رائج ہیں) سونے اور چاندی کے سکوں کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

کاغذی سکوں اور دوسری دھاتوں سے بنے سکوں کا بیان اگر نوٹ، بانڈ، سیونگ، ٹریفکٹ یا دوسری دھاتوں سے بنے ہوئے سکے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں جن سے بقدر نصاب چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس کا پالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکال دینا چاہیے، اگر قدر نصاب سے زائد چاندی مل سکتی ہو جس کی قیمت سو روپے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو جتنی بھی بیشی ہوگی اس کا ہر زکوٰۃ میں نکالا جائے گا مثلاً سو میں ڈھائی روپے ہزار میں ۲۵ روپے۔ دو ہزار میں ۵۰ روپے دس ہزار میں دو سو پچاس روپے وعلیٰ ہذا القیاس۔ روپیوں کی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ نکالنا اُسی وقت واجب ہوگا جب یہ دو باتیں پائی جائیں:

۱۔ یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہو۔

۲۔ یہ کہ اس روپے کو اُس کے پاس آئے ہوئے ایک سال ہو چکا ہو۔

ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب ضروریات و دوطرح کی ہوتی ہیں ایک بنیادی ضرورتیں جیسے کھانا، کپڑا، مکان، علاج، پیشہ ور آدمی کے اوزار۔ تو اگر کسی کا مکان بارش میں گر گیا ہے اور اُس کو ہوا نہ یا مرمت کرانے کے لئے رکھے ہیں تو اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یا مکان تنگ ہے اور اُس میں توسیع کی

ضرورت ہے، یا کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے جس کے علاج کے لئے روپے جمع کرنا ضروری ہیں  
 ماوہ پیشہ ور ہے جس کے لئے آلات خریدنا ضروری ہیں، غرض کہ بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے  
 کے لئے جو روپیہ رکھا گیا ہو اُس روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ صاحب درمختار کے اس  
 جلد (دفا سرغ عن حاجتہ الاصلیہ) کی تشریح علامہ شامی نے یہی کی ہے۔

دوسری غیر بنیادی یا کم اہم ضرورتوں مثلاً شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ یا اور کوئی تقریب کرنے  
 کے لئے روپے ہیں تو سال گزرنے پر ان کی زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح اگر حج کرنے، کتا یا  
 خریدنے یا بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے روپیہ جمع کیا جائے تو اس صورت میں بھی روپوں  
 کی زکوٰۃ واجب الماد ہے۔

سال گزرنے کا مطلب جوئے سال بھر ایک شخص کے پاس ان روپیہ بیع رہا ہو جس پر  
 زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری باتیں وجوب  
 زکوٰۃ کے شرائط میں بیان کی جا چکی ہیں۔

قرض میں دیئے ہوئے مال پر زکوٰۃ اگر کسی شخص کا قرض دوسرے پر ہے اور اُس  
 کی مقدار نصاب کے برابر ہے اور اس پر ایک  
 سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے کے احکام یہ ہیں۔

۱۔ اگر نقد روپے قرض دیئے ہیں یا سامان بیچ دیا ہے اور اُس کی قیمت آنا باقی ہے تو اس  
 روپے کی زکوٰۃ اس وقت دینا ہوگی جب وہ اُس کو واپس مل جائے، اب اگر وہ کئی برس  
 کے اکٹھا وصول ہوئے تو ان تمام برسوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جتنے دن مقروض کے پاس  
 رقم باقی رہی تھی اور اگر تھوڑی تھوڑی کر کے وصول ہوتا تو وہ بیہ وصول ہوتا جائے  
 اُس نے کی زکوٰۃ دیتے جانا چاہیے۔ البتہ اگر یہ وصول ہونے والی رقم نصاب زکوٰۃ کے واسطے  
 بھی کم ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۲۔ قرض کی دوسری صورت یہ ہے کہ مقروض پر ایسی چیز کی قیمت باقی ہو جس پر زکوٰۃ نہیں ہے  
 مثلاً گھڑ، کافرینج، پینے کے کپڑے، سواری کا گھوڑا، بل جوتے کا بیل۔ اب اگر ان میں سے  
 کوئی چیز بیچ دی اور قیمت باقی ہے اور وہ بقدر نصاب ہے یعنی اُس سے بقدر نصاب چاندی

خریدی جاسکتی ہے تو جب قیمت وصول ہو زکوٰۃ دینا چاہیے، اگر اکٹھا اتنی مقدار وصول نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں، اگر قدر نصاب سے زیادہ رقم باقی ہو مگر کئی سال کے بعد وصول ہو تو ان تمام برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سال گزرنے کی مدت کا اعتبار اُس وقت سے کیا جائے گا جب سے کہ وہ نصاب کا مالک ہوا نہ کہ اُس کے وصول ہونے کے وقت سے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مال اس کے قبضے میں تو نہ ہو لیکن ملنے کی توقع ہو جیسے ہر کار و پیر یا الغام کار و پیر تو اس پر اس وقت سے زکوٰۃ واجب ہوگی جب ملنے کے بعد ایک سال گزر جائے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قرض ہو مگر اُس کے ملنے کی امید نہ ہو مثلاً پھلدار درختوں کی شجرکاری کے لئے قرض دیا گیا ہو تو ایسے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے، اگر بعد میں وصول ہو جائے تو پوری مدت کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

**تجارتی مال پر زکوٰۃ** وہ سامان جو تجارت کے لئے ہو خواہ وہ کسی دھات کا بنا ہوا ہو یا لکڑی کا میوہ ہو یا مسالہ، کاغذ ہو یا کتابیں، کپڑے پلے ہوں یا بے سلع اور

تمام وہ سامان جو کسی کارخانے میں تیار ہو تو ان تمام چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ ان پر پورا سال گزر جائے اور وہ تجارت کی نیت سے رکھی گئی ہوں۔ پورا سال گزرنے کا مطلب ”صاحب نصاب ہونے کے بعد ایک سال پورا ہونا“ ہے تجارت کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں اپنے استعمال کے لئے یا آرائش کے لئے جمع نہ کی گئی ہوں۔ اگر کسی نے اپنے گھر کے لئے بڑی بڑی ٹیبلے، پتیلیاں، فرنیچر، دنی اور سوتی قیمتی کپڑے، قلعہ اور مسالہ وغیرہ رکھا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر کارخانے میں کوئی مال تیار کیا جاتا ہو تو جتنا مال فروخت ہوا اور جو اسٹاک کیا گیا سب پر زکوٰۃ واجب ہے البتہ مشینوں یا سامان تیار کرنے کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح پیشہ و صنعت کار مثلاً گھڑی ساز، طرھی، لوہار، موٹروں اور سائیکلوں کی مرمت کرنے والے اور ان جیسے دوسرے پیشہ وروں کے استعمالی اوزار پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سامان تجارت کا نصاب یعنی وہ حد جہاں سے زکوٰۃ کا وجوب ہوتا ہے وہی ہے جو دیے پیسے کے لئے ہے۔ یعنی تجارتی سامان کی قیمت اتنی ہو کہ اُس سے بعد نصاب چاندی خریدی جاسکتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس کے بعد جتنا مال بڑھتا جائے گا سب کی قیمت کا پل زکوٰۃ میں

نکالا جائے گا، سونے کے نصاب کے مطابق مال تجارت کی قیمت لگانا بھی جائز ہے لیکن غریبوں اور مسکینوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے کے لئے چاندی کے نصاب کی قیمت سے حساب کرنا زیادہ مناسب ہے۔ واضح ہو کہ اصل مال تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، تمام مال کی قیمت لگا کر باہم اکٹھا کر لینا چاہیے خواہ وہ مال مختلف نوعیت کے ہوں مثلاً:۔  
 کپڑا اور تانبے پتیل کا سامان، اسی طرح ہر دوران سال مال تجارت سے جو نفع حاصل ہو اس کو بھی مال کی قیمت میں شامل کر لیا جائے نیز تجارت کے علاوہ کسی اور طریقے سے جو مال حاصل ہو مثلاً: وراثت یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ منافع اور یہ مال سب کو ملا کر نصاب کا مالک سب کی زکوٰۃ سال پورا ہو جانے پر نکلے بشرطیکہ سال کے خاتمہ پر نصاب پورا ہوا ہو اور کم نہ ہو گیا ہو۔ غرض زکوٰۃ کے واجب ہونے کا انحصار پورے سال بھر تک نصاب کے قائم رہنے پر ہے۔

**کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ** زمین سے اُگنے والی چیزوں پر زکوٰۃ کی فرضیت علاوہ اس عام دلیل کے جو شروع میں بیان ہوئی، کتاب و سنت سے

ایک خاص حکم کے ذریعے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورۃ انعام آیت ۱۴۲)

وَاتُخْلَفَہُ یَوْمَ حَصَادِہِ یعنی فصل کاٹنے کے وقت اُس کا حق دیا کر۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا سَقَتِ السَّمَاءُ فِیْہِ الْعَشْرُ یعنی جو کھیتی آبِ باراں سے سیراب ہو اس پر دسواں

وَمَا سَقَتِ غَرْمًا (دلو) اود الیہ حصہ اور جو ڈول یا چرسا سے سیرجی گئی ہو اُس میں

(دولاب) فِیْہِ نِصْفُ الْعَشْرِ دسویں حصے کا نصف (ہم) واجب ہے۔

اس حدیث میں مذکورہ آیت کی تفصیل ہے۔

زمین کی پیداوار سے جو زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اُسے شریعت میں عشر کہتے ہیں اس کو ادا کرنا

ہر اُس مسلمان پر فرض ہے جو زمین سے پیداوار حاصل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا نابالغ بچہ۔

ماثل ہو یا مجنون۔

**زمین کی پیداوار میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں** زمین کی پیداوار میں ہر وہ چیز شامل ہے جو زمین سے

اُگتی ہے اور اس سے آدمی فائدہ حاصل کرتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

(بقرہ آیت ۲۶۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں ان اچھی اچھی چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے جو تم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔ ہر قسم کا غلہ ہر قسم کے پھل اور میوے اور مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں جن میں ترکابیاں، خربوزہ، تربوز، انگڑی، شکر قند گنا وغیرہ شامل ہیں سب میں عشر واجب ہے، قرآن مجید میں ان چیزوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا ذَاتَ الشَّجَرِ وَالزُّمَانُ مَثَابِلُهُ وَغَيْرُ مَثَابِلِهِ مَلْأَ مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَافْجَاءَ يَوْمَهُ ذُكَاؤُهُ وَلَا تَسْخَرُوا مِنْهُ لَاحِبِ السُّخْرِينَ ۚ (سورۃ النعام آیت ۱۳۲)

وہی اللہ جس نے باغات پیدا کئے وہ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جلتے ہیں (جیسے انگور وغیرہ) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار باہم مشابہ بھی اور غیر مشابہ بھی ان سب کی پیداوار کا واجب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق شرع سے واجب ہے وہ اُس کے کاٹنے اور توڑنے کے دن (سکینوں کو) دیا کرو اور حد سے مت گزرؤ! یقیناً اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

**عشر اور زکوٰۃ میں فرق** سامان تجارت، سونا چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ اور عشر میں فرق یہ ہے کہ عشر کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور نہ ایک

سال کا گزرنا عشر واجب ہونے کے لئے شرط ہے جبکہ روپے پیسے کی زکوٰۃ میں یہ دونوں باتیں شرط ہیں۔ ترکاری وغیرہ چند دن سے زیادہ باقی نہیں رہ سکتیں، مگر ان میں عشر ہے۔ زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے، اگر کوئی فقیص دوسرے کا کھیت لگان پر لے کر جوتتا ہے یا کسی قسم کے پھل یا میوے کے باغ کو پھل اور میوہ تیار ہونے کے زمانے تک خریدتا ہے تو دونوں صورتوں میں فصل کی کٹائی کے وقت اور پھل توڑنے وقت عشر دینا ضروری ہے۔ یہ مسائل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

مسلک کے مطابق ہیں، دوسرے ائمہ کا مسلک آگے استند اک کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔  
 بٹائی کا حکم بٹائی پر کھیتی کرنے کی صورت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کا عشر الگ الگ دینا چاہیے اور اگر اکٹھا ہی پورے خلعے کا عشر نکال کر باقی غلہ تقسیم کر لیں تو یہ بھی جائز ہے۔

**عشر نکالنے کا طریقہ** اگر پیداوار بارش کے پانی سے یا بغیر پانی کے ہوئی ہے مثلاً مہان یا باہرا جوار ا رہر، اور خریف کی دوسری فصلیں۔ یا دریا کے کنارے اور ترائی کی زمین میں ربیع کی پیداوار، یا باغات کے پھل تو ان تمام چیزوں میں دسواں حصہ (عشر) نکالنا فرض ہے، یعنی دس من میں ایک من یا دس پھل میں ایک پھل کے حساب سے عشر نکالا جائے گا۔ اگر یہ پیداوار سینچائی کے ذریعے ہو رہی ہے، مثلاً، کنویں سے ٹول یا رہٹ کے ذریعے یا تالا سے پانی کھینچ کر یا ٹوب وبل یا نہر سے قیثا پانی لیکر کھیت یا باغ کی سینچائی کی گئی ہو تو ان تمام صورتوں میں بیسواں حصہ یعنی نصف عشر دینا فرض ہے یعنی ۲۰ من میں ایک من۔ جہاں ربیع کی فصل جو، گہوں، مٹر وغیرہ سینچائی کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں ان سب میں بیسواں حصہ ہے۔ لیکن اگر پانی پہنچانے کے لئے کوئی انتظام آب رسانی کا نہ کرنا پڑے بلکہ تالاب، چشمہ یا ندی سے کاٹ کر کھیت میں پہنچا دیا جائے تو اس میں دسواں دینا ہوگا بیسواں نہیں۔

جہاں دونوں صورتیں جمع ہوں یعنی اگر کوئی فصل ایسی ہو جس میں سینچائی بھی کی گئی ہو اور بارش کے پانی سے بھی فائدہ پہنچا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر اس فصل کا زیادہ حصہ سینچائی کی وجہ سے ہوا ہے تو بیسواں دینا ہوگا۔ سینچنے کے بعد اگر بارش ہو بھی جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر سینچا نہیں تھا کہ بارش ہو گئی اور اسی بارش سے فصل تیار ہو گئی تو بیسواں (یعنی نصف عشر) کے بجائے دسواں حصہ دینا ہوگا (یعنی عشر)۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زیادہ حصہ بارش کے پانی سے یا بغیر بارش کے ہوا ہو آخر فصل میں یا شروع فصل میں ایک آدھ بار پانی چلا دیا گیا ہو تو پھر اسے دسواں (عشر) ہی دینا

ہوگا جیسا کہ دھان کی فصل میں ہوتا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ خریف کی فصل جو جی اور بڑھی تو ہو بارش کے پانی سے لیکن آخر میں دو تین بار پانی دینا پڑا ہو ایسی صورت میں عشر کے بجائے نصف عشر (۱۲) دینا پڑے گا۔

۱۔ عشر یا نصف عشر (جیسی بھی صورت ہو) پوری پیداوار سے لیا جائے گا۔

## ہدایات

ہل ہیل، سینچائی، مزدوری اور بیج وغیرہ کا خرچ وضع نہیں کیا جائے گا (مختار)

۲۔ جس پیداوار میں سے عشر دینا واجب ہے اُس کو استعمال کرنے سے پہلے عشر نکال دینا ضروری ہے اگر بغیر عشر نکالے استعمال کرے گا تو اس کے لئے ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر عشر نکالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو پھر ناجائز نہیں ہے۔

(جواہر النیرہ میں ہے) اَلَا اِذَا كَانَ الْمَالِكُ عَازِمًا عَلَى اَدَاءِ الْعَشْرِ

۳۔ اگر کوئی شخص عشر ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اسلامی حکومت اُس کے چھوٹے ہوئے مال سے عشر وصول کر لے گی یا اُس کے ورثہ دیدیں تو سب سے بہتر ہے۔

۴۔ فصل کاٹنے سے پہلے یا باغ کے پھل توڑنے سے پہلے فصل کو یا پھلوں کو بیچ دیا تو اُس کی دو صورتیں ہیں (۱) اگر اس نے کھیتی اور پھلوں کو پکھنے سے پہلے بیچا ہے تو عشر خریدار پر واجب ہوگا (۲) اگر پک کر تیار ہو جانے کے بعد بیچا ہے تو بیچنے والے پر عشر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۵۔ عشر پیداوار میں سے ہی نکالاجائے گا۔ چاہے اُسی کو عشر میں دیا جائے یا اُس کی قیمت کو دونوں صورتیں جائز ہیں۔

۶۔ گھر کے اندر لگائے ہوئے درخت کے پھل یا گھر کے صحن میں بونی ہوئی ترکاری میں عشر نہیں ہے۔

۷۔ پیداوار عجمی ہو ویسی ہی عشر میں دینا چاہیے اور حتی الامکان اچھا مال دینا چاہیے۔

## استدراک

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کا اور

امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کاسلک یہ ہے کہ پانچ دسق سے

کم پیداوار پر زکوٰۃ (یعنی عشر) واجب نہیں ہے۔ پانچ دسق کا وزن اتنی تولے والے سیر سے

۲۵ من پونے ۲۴ سیر ہوتا ہے۔ ترکاریوں کے بارے میں بھی ان حضرات کی رائے ہے کہ اس پر زکوٰۃ (عشر) نہیں لینا چاہیے کیونکہ ایک حدیث میں ترکاری کا عشر سے مستثنیٰ ہونا ثابت ہے۔ لیکن عام فقہاء امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ حدیث میں یہ مطلق حکم موجود ہے کہ ”جو کچھ زمین سے پیدا ہو اُس میں صدقہ ہے“ دوسرے ائمہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ نے حکم کے بعد ترکاریوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے زرعی اجناس اور بھجلیوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے دو شرطیں بڑھائی ہیں: ایک یہ کہ وہ شے ذخیرہ کرنے کے قابل ہو، دوسرے یہ کہ وہ شے نصاب کی مقدار کو پہنچ گئی ہو اور نصاب کی مقدار پانچ وسق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَيْسَ فِي حَبِّ وَلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ      یعنی دانوں (اناج) میں اور کھجور میں صدقہ  
حَتَّىٰ تَبْلُغَ خُمُسَهُ اَوْ سَقَىٰ.      نہیں ہے جب تک پانچ وسق کی مقدار نہ پہنچ جائے۔

اور ایک وسق کی مقدار ساٹھ صاع کے برابر بتائی ہے جو ان دنوں مدینے میں رائج تھا۔

**مصارف زکوٰۃ** جس طرح قرآن و حدیث میں زکوٰۃ ادا کرنے کے احکام ہیں اسی طرح زکوٰۃ کے حقداروں کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آٹھ قسم کے لوگوں کو اس کا مستحق قرار دیا گیا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَكَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِبِينَ

فَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَبْنَاءَ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (سورہ توبہ آیت ۶۰)

زکوٰۃ کے حقدار میں فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے کے کارندے اور جن کے دلوں کو مٹانا مقصود ہو اور زکوٰۃ کو غلام آزاد کرانے، قرضداروں کا بار ہکا کرنے اور اللہ کے راستے میں نکلنے والوں اور غریب الوطن مسافروں کی مدد کرنے کے لئے خرچ کیا جائے یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ان آٹھ اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور ان کے متعلقہ احکام یہ ہیں:

**فقراء**۔ فقیر کی جمع ہے جس سے وہ شخص مراد ہے جس کے پاس مال نصاب سے کم یا نصاب کے برابر ہو اور اُس کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو۔ مقدار نصاب کا مالک ہونا فقیر کے زمرے سے خارج نہیں



کو تانا صاحب علم فقر و حقیق ذرائع آمدنی پر گزر کر رہتے ہیں اُن پر خرچ کرنا زیادہ اچھا ہے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے کاموں میں مصروف ہوں اور زمین میں چل پھر کر روزی کمانے کا موقع کم ملتا ہو فقر کے لفظ سے یاد کیا ہے اور اُن کا حال یہ بیان کیا ہے کہ:

يَسْتَكْفِفُ الْغَاةِلَ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ اَلْعَاةِلَ (بقرة: آیت ۲۷۳)

ناواقف لوگ ان کو نہ مانگتے کی وجہ سے مطمئن اور مالدار سمجھتے ہیں تم غور کرو تو اُن کے چہرے بشرے

سے پہچان لو گے کہ وہ مطمئن نہیں ہیں لیکن وہ گڑا گڑا کر کسی سے نہیں مانگتے۔

**مساکین**۔ مسکین کی جمع ہا س سے وہ شخص مراد ہے جو بے روزگار ہو۔ گذارہ کرنے اور تن ڈھاننے کے لئے کچھ نہ ہو یا کسی حادثہ کی وجہ سے تہی دست ہو گیا ہو یا خود روزی کمانے کی صلاحیت کھو چکا ہو۔ بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے۔ ایسے شخص کو سوال کرنا حلال ہے بخلات فقیر کے کہ اگر اس کے پاس ایک دن کی خوراک اور تن ڈھاننے کو پڑا ہے تو اسے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔

**عاملمین**۔ عامل وہ شخص کہلاتا ہے جس کو امام (حکومت) نے کسی کام پر لگایا ہو، یہاں زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والے کارندے مراد ہیں، کام کی نوعیت کے مطابق اُن کی اجرتیں زکوٰۃ کی مدد سے دی جاتی گی، اگر ایسا نظام سننا بتائیں۔

**مؤلفۃ القلوب**۔ وہ لوگ جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا دلجوئی کرنے یا انھیں دشمنوں کے فتنے سے باز رکھنے کے لئے کچھ دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر سے دیا جاسکتا ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا

**رقاب**۔ یہ رقبہ کی جمع ہے، رقبہ کے معنی گردن کے ہیں یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے مثلاً جنگ میں گرفتار شدہ قیدی یا غلام جن کی رہائی بغیر معاوضہ ادا کئے ممکن نہ ہو، اُن کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

**غارمین**۔ غارم وہ شخص ہے جس پر کوئی بار یا بوجھ ہو مثلاً قرض کا یا ضمانت کا بار اور اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ ادا کے قرض یا ضمانت کے بعد بقدر نصاب مان رہ سکے، ایسے شخص کی مدد زکوٰۃ سے کی جائے گی۔

**فی سبیل اللہ**۔ مراد ایسے ماحقہ منداختاس ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے متعلقین کو

کو چھوڑ کر نکلے ہوں یا کسی دینی کام کے لئے جا رہے ہوں تو ایسے نیک کام میں ان کی مدد از زکوٰۃ سے کی جائے گی۔

ابن السبیل، وہ ہے جو غریب الوطنی میں اپنے مال سے جدا ہو کر رہ گیا ہو اور مسافرت کی حالت میں ضرورت پیش آگئی ہو گو وہ گھر کا مالدار ہی کیوں نہ ہو اس کی مدد زکوٰۃ سے کرنی چاہیے حاجت کے مطابق ہی دینا جائز ہے، ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی شرط نیست ادائے قرض ہے۔ زکوٰۃ نکالنے والے کو اختیار ہے کہ سب ہی قسم کے مستحقین کو جن کا اس آیت میں ذکر ہے دے یا بعض کو دے یا کسی ایک ہی قسم کے مستحق کو ادا کرے، مگر زکوٰۃ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو صرف ایک ہی شخص کو دینا بہتر ہے۔ ادائے قرض کے لئے جس کو زکوٰۃ دی جائے تو مستحق سے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ مال زکوٰۃ کو قرض ادا کرنے کے لئے کام میں لائے۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہیے اپنی اصل کو یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور نہ اپنی شاخ یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نو اسوائی اور ان سے نیچے کے لوگوں کو دینا جائز ہے۔ اسی طرح بیوی کو زکوٰۃ دینا روا نہیں ہے اگرچہ وہ زوجیت علیحدہ ہو کر حدت میں ہو اور بیوی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال اپنے شوہر پر خرچ کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہیں چاہئے، مالدار آدمی کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ مال زکوٰۃ کا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر، نیک کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت، میت کی تعمیر و تکفین میں اور ہر ایسی شکل میں جس میں مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک نہ بنایا گیا ہو صرف کرنا جائز نہیں۔

زکوٰۃ لینے کے حقدار سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ دار مثلاً بھائی، بھتیجے، بھتیجیاں، بہن، بہنوئی، بھانجے، بھانجیاں، چچا، چچی، خالو، خالو، چھو، چھو، بھائی، بھائی، ممانی، ماس، سسر، سسرالے، داماد، سوتیلے، باب، سوتیلی ماں۔ ان کے علاوہ جو بھی قریبی عزیز ہوں ان کو دینے میں دھڑکنا واجب ہے، ایک زکوٰۃ دینے کا، دوسرا صلہ رحمی اور نیک سلوک کا، ان لوگوں کے بعد پڑوسیوں اور احباب کا حق ہے پھر اپنے شہر یا آبادی میں دوسرے مستحقوں کا پھر حق کو دینے میں دین کا فائدہ ہو مثلاً ظالمین، مبلغوں اور مبلغوں کو۔ کسی مالدار کے بالغ لڑکے

کو جو فقیر (ماجھند) ہو یا مال دار کی بیوی کو جو محتاج ہو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

مال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا زکوٰۃ جہاں نکالی جائے وہیں خرچ کی جائے، ایک

شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا مکروہ ہے بجز اس صورت کے کہ کوئی عزیز یا دوست دوسرے مقام پر رہتا ہو یا کسی وجہ سے چلا گیا ہو اور مدد کا مستحق ہو یا کوئی طالب علم گھر چھوڑ کر دوسرے شہر میں علم حاصل کرنے گیا ہو۔ ادا کئے زکوٰۃ کے لئے اس جگہ کو ملحوظ رکھا جائے گا جہاں پر مال زکوٰۃ ہے یہاں تک کہ اگر مالک کسی اور شہر میں ہے اور مال قابل زکوٰۃ دوسرے شہر میں تب بھی زکوٰۃ کی تقسیم وہاں کی جائے گی جہاں مال ہے۔ زکوٰۃ کا مال رشتہ داروں کے بچوں یا کسی خوش خبری دینے والے کو انعام وغیرہ میں اگر دیا جائے تو جائز ہے تقاریب اور عیب کے مواقع پر محتاج مردوں اور عورتوں کو مال زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے البتہ ذمیوں کو صدقہ کا مال تو دیا جاسکتا ہے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حلال نہیں ہے بخلاف نفل صدقات اور مال دقت کے کہ یہ سادات کو دے جاسکتے ہیں۔

عشر و زکوٰۃ کی وصولی کا حکومتی ادارہ اگر کہیں اسلامی حکومت کی طرف سے عشر و زکوٰۃ اکٹھا کرنے کا انتظام ہو

تو اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالے کر دینا چاہیے جہاں مناسب ہو گا وہ خرچ کرے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماملین کو عشر و زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے تقسیم کرنے کا حکم دیتے تو فرماتے:

تَوْخِذْ مِنْ غَنِيَانِهِمْ وَتَرُدُّ اُسے اُن کے غریبوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

زکوٰۃ کے مال کی حیثیت زکوٰۃ میں جو مال نکالا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے حقداروں کا ہوتا ہے اس لئے زکوٰۃ نکالنے والے کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے

کہ یہ مال اُس کا محتاجی نہیں اور وہ اُسے مستحقین کو پہنچا کر احسان نہیں کر رہا ہے بلکہ اللہ کا

حائد کردہ فرض بجالا رہا ہے، احسان مند تو وہ خود اللہ کا ہے جس نے اس کو زکوٰۃ نکالنے کی توفیق عطا فرمائی اور اُس کو ذریعہ بنایا غریبوں اور مستحقوں کو مدد دینے کا۔ زکوٰۃ نکالنے والا اللہ سے اجر و ثواب پانے کا سزاوارتہ ہی ہے جب وہ زکوٰۃ ادا کر کے اپنے دل میں سمجھے اور زبان سے بھی کہے کہ اُس نے صرف فرض ادا کیا ہے کسی پر احسان نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو اجسردے گا:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَا وَاَدَّىٰ وَهُمْ  
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (سورہ بقرہ - ۲۷۲)

جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ لینے والے کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے ان کو نہ خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

جو لوگ صدقہ دے کر احسان جتلاتے اور تکلیف دیتے ہیں ان کے بائے میں کہا گیا ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ تُتْبَعُهَا آذَىٰ وَاللَّهُ عَنِّي حَلِيمٌ (بقرہ - ۲۷۳)

ایک بھلی اور مسطحی بات اور کسی کی غلطی کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کوئی تکلیف دہ بات کہی جائے، اللہ بے نیاز اور بڑا بردبار ہے۔

اللہ تمہاری نغزشوں اور کوتاہیوں کو دیکھتا ہے اور دگنڈہ کرنا رہتا ہے، تمہاری گرفت کر کے ذلیل نہیں کرتا۔ اسی طرح تم بھی کچھ مال کسی کو دے کر اُس کو ایدانہ پہنچاؤ، اور احسان جتا کر اس کی اہانت نہ کرو۔ اس سے تمہاری زکوٰۃ و خیرات برباد ہوگی اور نیکی کا اجر پانے سے محروم ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے بڑی بلیغ مثال دے کر یہ بات فرمائی ہے:

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِيقًا وَالنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ مَثَلَةٌ تَسْلُفٌ صَفْوَانٍ مَّكِيَّةٍ ثَرَابٌ فَلَصَابَةٌ وَلَئِنْ دَرَكْتُمْ مَلَدًا

(سورہ بقرہ ۲۷۴)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ پہنچا کر برباد نہ کرو اُس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اُس کو نہ تو خدا پر یقین ہوتا ہے نہ آخرت

برائے اس کی مثال پتھر کی چٹان جیسی ہے جس پر مٹی جمی ہو اور بارش ہو پڑے۔ تو وہ صاف چٹان رہ جائے (جس پر کچھ بویا نہ جاسکے)

اگر صدقہ و خیرات میں خالص عبادت کی نیت اور خدا کی رضا مقصود نہ ہو اور احسان دھرنایا ضرورت مند کا استحصا کرنا نہ نظر ہو تو ایسا صدقہ اور خیرات محض دکھاوا ہے اور ایسا ہی بیکار ہے جیسے چٹان کے اوپر مٹی، اسی لئے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ زکوٰۃ کار و پیہ مستحقین کو دیتے وقت یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کار و پیہ ہے اور نہ حلی الا ملکان دینا چاہیے یہ بھی بہتر طریقہ ہے کہ بچوں کو انعام یا عید می وغیرہ کے نام سے دیا جائے لیکن بالکل نا بکج بچوں کو دینا درست نہیں ہے، متوسط احوال کے بعض لوگ جو واقعی مستحق ہوتے ہیں لیکن زکوٰۃ نہیں مانگتے اور اس نام سے کوئی دے تو ان کو تکلیف ہوتی ہے ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی بہانے سے دینا پسندیدہ ہے، احسان اور رحم کا جذبہ ہر مسلمان میں ہونا چاہیے اور دوسروں کی غربت و تکلیف کو سمجھنا چاہیے۔ صدقہ فطر بھی زکوٰۃ کی ایک شکل ہے جو ماہ رمضان کے آخر میں دینا واجب ہے اس کا ذکر روزہ کے بیان میں کیا جا چکا ہے۔

**کان اور دفتینوں کا بیان** ائمہ فقہ کی راہیں کان سے نکلنے والی چیزوں کے بارے میں مختلف ہیں۔ سونا اور چاندی اگر قدرتی کان سے برآمد ہو تو تین اماموں کی رائے میں اگر ان کی مقدار نصاب کو پورا کرتی ہو تو زکوٰۃ کا حکم نافذ ہوگا لیکن اگر دفتینہ ہے یعنی سابق زمانے میں زمین میں دفن کیا گیا سامان ہے خواہ کیسی ہی چیزیں اس میں سے برآمد ہوں انھیں مال غنیمت قرار دے کر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔ حنفی فقہا کان اور دفتینہ سے برآمد ہونے والی اشیاء پر زکوٰۃ کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ ان میں زکوٰۃ کی شرطیں نہیں پائی جاتیں۔ لہذا کان سے نکالی جانے والی وہ اشیاء جو بگھلائی جاسکتی ہوں ان پر خمس نکالنے کا حکم دیتے ہیں۔ مالِ اشیاء مثلاً کونار، تیل اور نمک اور آگ میں نہ بگھلائی جانے والی اشیاء مثلاً جواہرات، پتھر اور جوئے پر کچھ مطالبہ عائد نہیں کرتے، رہا دفتینہ تو اس میں تمام وہ چیزیں شامل ہیں جو زمین کے اندر سے دستیاب ہوں مثلاً ہتھیار، اوزار، گھڑے، سامان برتن وغیرہ تو ان تمام پر خمس واجب ہوگا اور جو چیزیں تمندر سے نکالی جائیں جیسے عطر، موتی، مونگا، پھل وغیرہ اس پر کوئی مطالبہ نہیں۔ خمس بھی اس وقت واجب ہوگا جب دفتینہ غیر اسلامی عہد کا ہونا ثابت ہو جائے۔

# ج

حج ایسی عبادت ہے جس میں جہانیاں اور مال و دولت دونوں خرچ کرنے پڑتے ہیں جب یہ دونوں چیزیں کسی مسلمان مرد یا عورت کو میسر ہوں تو اس پر حج کرنا فرض ہے۔

**حج کے معنی اور تعریف** لغت میں حج کے معنی کسی "بڑے مقصد کا ارادہ کرنا" ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ سے وہ خاص اعمال مراد ہیں جو مخصوص ایام میں ایک خاص جگہ اور خاص طریقے سے ادا کئے جائیں۔

**حج کی اہمیت اور فضیلت** نماز روزہ اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو اگلی شریعتوں میں بھی فرض تھیں جس کی شہادت قرآن سے ملتی ہے اسی طرح حج بھی فرض تھا چنانچہ عرب جو حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے اس فریضے کو ادا کرتے چلے آئے تھے اور باوجود اس کے کہ شرک ان میں راہ پا گیا تھا ارات دن قتل و غارتگری اور شراب نوشی اور دوسری برائیوں میں مصروف رہتے تھے پھر بھی حج کے زمانے میں قتل و خون ریزی سے باز رہتے اور امن و سکون کے ساتھ حاجیوں کے قافلوں کا خیر مقدم کرتے اور ایام حج میں دشمنوں کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہ ہونے دیتے۔ حج کے ایام میں بھی کچھ نامناسب روایات انھوں نے داخل کر رکھی تھیں مثلاً لباس دودھ کر کے طواف کرنا اور حدود حرم میں شترگوئی کی منگیلیں منع کرنا وغیرہ۔ شریعت محمدیؐ میں بھی حج کو فرض کر دیا گیا اور جو نئی باتیں انھوں نے از خود اعمال حج میں بڑھا رکھی تھیں ان سے اس کو پاک کر دیا۔

**حج کے مسائل اور اس کا ثبوت** حج عمر بھر میں ایک بار ہر مسلمان پر مرد و ہو یا عورت بشرط استطاعت ادا کرنا فرض ہے اور اس کی

فضیلت قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

(زال عمران - ۵۷)

وَيُؤْخِلُ النَّاسَ حَتَّىٰ الْيَقِينِ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللَّهِ يَجِدْكَ

خالص خدا کی خوشنودی کے لئے اُن لوگوں پر اللہ کے گھر کا حج مکرم فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

بہت مشہور حدیث ہے ”نبی الاسلام علی خمس“ یعنی اسلام پانچ ترکوں پر قائم کیا گیا ہے

اس حدیث میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے بعد جس رکن کا ذکر ہے وہ حج ہے، رہا اجماع تو تمام امت کا اس کے فرض ہونے پر اتفاق ہے لہذا اس کا منکر کا فرض جیسا کہ اوپر لکھی آیت یعنی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۹۷ آخری فقرہ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ سے ظاہر ہے (جو شخص اس فرضیت کا منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہے)

اس بات کا ثبوت کہ حج عمر بھر میں ایک بار فرض ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا ایہا الناس قد فرض علیکم	اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہذا
الحج فحجوا، فقال سراج	حج کیا کرو، اس پر ایک شخص نے کہا
أَكُلْ عَامٍ يَأْسُؤُونَ اللَّهَ فَسَكَنَ	”کیا ہر سال یا رسول اللہ؟“ آپ خاموش
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّىٰ	رہے اُس نے تین بار اپنی بات کو دہرایا
قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ	تب آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا
وَاسْتِلَامٌ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوْ جَلَبْتُ	تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے
وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ۔	نہ ہو سکتا۔

صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج کی فرضیت کے مقاصد میں سے ایک حج سے مقصود

مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ہی خطہٴ ارض میں جمع ہو کر خدا کے واحد کے حضور میں اپنی عبادات اور جذبہٴ اطاعت و فرماں برداری کے پیش کرنے کا موقع فراہم ہو۔ دین اسلام اخوت اور باہمی تعاون کا دین ہے، حج نیکی اور پرہیزگاری میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی تربیت دیتا ہے، رنگ و نسل اور وطن کے اختلافات کو مٹا کر سب کو ایک دین کے رشتہ میں پروتا ہے، حج کے مناسک اور ارکان حج کرنے والوں کے

ذہن میں یہ شعور پیدا کرتے ہیں کہ وہ ایک بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے حضور میں حاضر ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور رزق دیا اور اپنی بے شمار مخلوقات پر برتری اور فضیلت عطا کی۔ یہ فریضہ حج یاد دلاتا ہے کہ موت ضرور آئے گی اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جہاں صرف اعمال صالحہ اور ہر حالت میں خدا کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کے جذبے کو دیکھا جائے گا، قیامت کے دن سب یکساں حالت میں اٹھیں گے۔ اُسی کا نمونہ حاجیوں کا یکساں لباس پیش کرتا ہے اور میدان حشر کا تصور آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ سب اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اُس سے محبت اور فرماں برداری کا اقرار کرتے ہیں۔

**حج کب فرض ہو جاتا ہے** جس مسلمان مرد اور عورت میں اس فریضے کے واجب ہونے کی پوری شرائط پائی جائیں اُسی وقت اُس پر حج فرض ہو جاتا ہے اب اگر وہ اُسی سال جس میں حج فرض ہوا ہے۔ بغیر کسی معقول حذر کے حج کرنے میں تاخیر کرے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی تینوں امام اس تاخیر کو گناہ فسترار دیتے ہیں۔

**حج واجب ہونے کی شرطیں** ایک مسلمان کا بالغ، عاقل، آزاد ہونا اور صاحب استطاعت ہونا حج کے واجب ہونے کی شرطیں ہیں۔ لہذا جو بچہ سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اس پر حج واجب نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایما صبی حج عشی حجج ثم کسی بچے نے دس حج بھی کئے پھر بالغ ہوا تو بَلِّغْ فَعَلَيْهِ حَجَّةُ الْاِسْلَام۔ اس پر لازم ہے کہ اسلام نے جو حج فرض کیا ہے اُسے ادا کرے۔

مجنون (فاتر العقل) پر حج واجب نہیں وہ اس بارے میں بے شعور لڑکے کی طرح ہے۔ آزاد ہونا بھی ایک شرط ہے چنانچہ غلام پر حج واجب نہیں ہے، اگر اس طبقے کے لوگ اب بھی کسی خطہ زمین میں پائے جائیں تو اُن پر حج کرنا واجب نہیں ہوگا۔



## استطاعت کے مسائل

جس میں استطاعت نہ ہو اس پر حج واجب نہیں ہے۔ اس بارے میں سورہ آل عمران کی آیت ۹۷ کا حوالہ دیا جہاں چکا ہے استطاعت کے معنی ہیں قادر ہونا، مطلب یہ ہے کہ سفر اور سواری کے خرچ کا ملق ہو اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب بنیادی ضرورت سے فاضل مال ہو۔ بنیادی ضروریات کی تفصیل میں کیا گیا آتا ہے، مثلاً، قرض واجب الادا، رہنے کا گھر، ضروری مولیٰ، پیشہ ورانہ آلات، ہتھیار، نیز اتنا مال کہ گھر سے جانے اور واپس آنے تک اہل و عیال یا اُن لوگوں کے نان نفقہ کے لئے کافی ہو جن کی ذمہ داری اُس پر ہے سواری کے تعین میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ سواری اس شخص کی عادت اور عام رواج کے مطابق ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص اونٹ کی پیٹھ پر سوار نہیں ہو سکتا اور محل کا کرایہ ادا نہیں کر سکتا اور صرف یہی سواری ممکن الحصول ہے تو اس شخص پر حج واجب نہیں ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب کوئی شخص مکے سے تین یوم یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو لیکن جو شخص قریب ہے اس پر حج واجب ہے گو سواری کا بندوبست نہ کر سکے لیکن چلنے کی طاقت اور لازمی اخراجات کے علاوہ زاد راہ موجود ہونا چاہیے۔

اگر کوئی شخص اپنا حج یا فالج زدہ یا اتنا ضعیف العمر ہو کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا ایسے لوگوں پر یہ بھی واجب نہیں کہ اپنے بدلے میں کسی اور سے حج کرنے کے لئے کہیں۔ نابینا شخص جو زاد راہ اور سواری کا بندوبست کر سکتا ہے لیکن کوئی راہبر میسر نہیں اُس پر نہ خود حج کرنا واجب ہے نہ حج بدل کرانا۔

دوسرے وجوب حج کے لئے ضروری ہے کہ راستہ محفوظ ہو یعنی بالعموم سلامتی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا ہو خواہ وہ سفر بری ہو یا بحری۔

تیسرے صورت کی صورت میں ثوبہ کا یا گھٹی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ نکاح حرام ہے خواہ نسب کی وجہ سے یا ازدواجی رشتے سے۔ محرم کا معتمد اقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے، یہ حکم بھی اس صورت میں۔ تین یوم یا اس سے زیادہ مسافت پر ہو۔

جو تھے یہ کہ عورت عدت میں نہ ہو، عدت میں حج کہنا منع ہے۔

**حج کے صحیح ہونے کی شرطیں** حج کے صحیح ہونے کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے خواہ وہ خود حج کرے یا اُس کی جانب سے کوئی اور کرے، دوسری شرط تمیز (یعنی باشعور ہونا) ہے، چنانچہ صبی میسر (باشعور لڑکا) اگر حج کرے اور اعمال حج بجالائے تو حج صحیح ہوگا جس طرح نماز صحیح ہوگی لیکن جو بچہ ہنوز ذی شعور نہیں ہوا تھا یا کوئی مجنون (فائر العقل) ہے تو اُس کا حج صحیح نہ ہوگا، نہ اُن کا احرام درست ہے اور نہ اعمال حج میں سے کوئی عمل ٹھیک ہوگا لیکن ایسے اشخاص کے ولی پر لازم ہے کہ اُن کی طرف سے احرام باندھے اور بہ دوران حج ہر موقع پر اُن کو ساتھ رکھے، طواف اور سعی اُن کو ساتھ لے کر کرے اور عرفات ساتھ لے کر جائے۔ تیسری شرط صحت حج کی اعمال حج کو اُن کے خاص اوقات میں ادا کرنا ہے۔ اس سے مراد وہ اوقات ہیں جو وقوف بہ عرفات اور طواف زیارت کے لئے مقرر ہیں۔ وقوف کا وقت یوم عرفہ کے زوال شمس کے بعد سے یوم نحر کے طلوع فجر تک ہے اور طواف زیارت کا وقت یوم نحر کی فجر سے شروع ہوتا ہے یعنی طواف زیارت عرفات میں وقوف کے بعد کسی وقت بھی ہو سکتا ہے پس اگر کوئی شخص طواف زیارت سے پہلے عرفات میں نہیں پھرا تو طواف زیارت صحیح نہ ہوگا۔ وہ وقت جس سے پہلے اعمال حج میں سے کسی فعل کا کوئی نادرست نہیں وہ یکم ماہ شوال سے ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہے اگر اس سے پہلے طواف کیا یا سعی کی تو درست نہیں ہے لیکن احرام اس سے مستثنیٰ ہے تاہم ان اوقات سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ وقوف کے لئے مقام عرفات اور طواف زیارت کے لئے مسجد حرام کا ہونا شرط صحت ہے اور احرام باندھنا بھی شرط ہے، حنفی مسلک کے مطابق صحت حج کی تین شرطیں ہیں:

(۱) احرام یعنی نیت حج کا مخصوص لباس (۲) حج کا وقت اور (۳) حج کی جگہ

یہ شرائط واجب حج کے لئے بھی ہیں۔ رہا صاحب شعور ہونا۔ ہر چند کہ بعض ائمہ اس کو صحت حج کی شرط قرار نہیں دیتے لیکن حقیقت میں یہ شرط ہی ہے کیونکہ جو صاحب شعور نہ ہو اس کا احرام باندھنا حنفی فقہاء کے نزدیک درست نہیں۔

**ارکان حج** حج کے ارکان چار ہیں، احرام، طواف، زیارت جس کو طواف افاضہ کہتے ہیں۔ صفا و مودہ کے درمیان سعی اور عرفات میں وقوف۔ ان ارکان میں سے

اگر کوئی ایک رکن بھی رہ جائے تو حج باطل ہو جائے گا، تین اماموں کا اس پر اتفاق ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کے صرف دو رکن ہیں (۱) عرفات میں وقوف کرنا (۲) طواف زیارت کا بیشتر حصہ (یعنی سلت میں سے چار چکر) رکن ہے۔ باقی حصہ (تین چکر) واجب ہے۔ رہا (۳) احرام تو وہ صحت حج کی شرائط میں سے ہے رکن نہیں ہے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اور (۴) صفا و مودہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے رکن نہیں ہے۔

**احرام کی تعریف** اصطلاح شرع میں احرام کے معنی حج و عمرہ میں شامل ہونے کی نیت کرنا ہے۔ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ 'احرام' عبارت ہے خاص امور کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے اور احرام دو باتوں سے بندھ جاتا ہے، ایک نیت کرنا دوسرے اس کے ساتھ تلبیہ کہنا یا قربانی کے جانور کے گلے میں قلاوہ ڈال کر قربانی کے لئے پیش کر دینا (یہ بھی تلبیہ کا قائم مقام ہے)۔ اگر محض نیت کی اور **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ** لبیک نہ کہا اور نہ قربانی کے لئے جانور پیش کیا یا تلبیہ کیا اور نیت نہ کی تو احرام نہ ہوگا، اسی طرح محض قربانی کا جانور پیش کرنے کے اعمال سے بلا نیت حج کے احرام نہیں بندھے گا۔

تلبیہ کہنا احرام باندھنے کے متصل ہی سنت ہے، دونوں میں فاصلہ نہ ہونا چاہیے۔

**احرام کے مواقیت** میقات کے معنی وہ مقام ہے جہاں پر حاجی حج کا احرام باندھتے ہیں۔ احرام کے میقات مکانی بھی ہیں اور زمانی بھی۔ میقات

زمانی ابھی اوپر بتائے جا چکے ہیں۔ میقات مکانی چاروں طرف سے آنے والے حاجیوں کی سمتوں کے اعتبار سے مقرر ہیں، چنانچہ مصر، شام، مغربی ممالک اور اہل اندلس و روم کا میقات **جُحْفہ** ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے یہ جگہ اُجڑا چکی ہے لیکن اس کے قریب رابیع نام کا قصبہ ہے یہیں پر احرام باندھنا بلا کراہت درست ہے، سمندر کے راستے آنے والے لوگ جب اس مقام کے محاذ میں آتے ہیں تو یہیں احرام باندھتے ہیں۔ اہل عراق اور دوسرے اہل مشرق کے لئے مقام ذاب عرق میقات ہے، یہ مکے سے دو منزل کے فاصلے پر ایک بستی ہے جو

پہاڑی وادی میں واقع ہے اس پہاڑی کا نام برقی ہے اور وادی کا نام وادی عقیق ہے۔  
 مدینہ والوں کے لئے میقات ذوالخلیفہ ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے قبیلہ بنی حشم کے لوگ  
 پانی لیا کرتے تھے اس کا مدینہ منورہ سے پانچ میل سے کم فاصلہ ہے یہ میقات مکہ کے لئے  
 سب سے زیادہ دور واقع ہے کیونکہ دونوں مقامات کے درمیان نو منزل کا فاصلہ یعنی نو دن کی  
 مسافت ہے۔ اہل ہند اور اہل یمن کے لئے میقات یثلم ہے یہ کوہستان بہتانہ کی ایک  
 پہاڑی ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے نجد والوں کے لئے میقات قرن ہے  
 یہ بھی ایک پہاڑی ہے جو عرفات میں واقع اور مکہ سے دو منزل کی مسافت پر ہے اسے قرن النہل  
 بھی کہتے ہیں۔ لہذا جو شخص ان میقات یا ان کے محاذ سے بہ ارادۂ اعمال حج گزرے تو وہاں پر  
 احرام باندھنا واجب ہے۔ بغیر احرام باندھے میقات سے گزرنا حرام ہے اور اس کی تلافی میں  
 قربانی دینا لازم ہے بشرطیکہ اس کے آگے جہاں سے اس کو گزرنا ہے کوئی اور میقات نہ ہو اور  
 اور افضل یہی ہے کہ پہلے ہی سے احرام باندھ لے بشرطیکہ وہ اپنے نفس کی طرف سے پورا  
 اطمینان رکھتا ہو کہ منافی احرام کوئی حرکت سرزد نہ ہوگی اگر یہ اطمینان نہ ہو تو آخری میقات پر  
 جہاں سے اُسے گزرنا ہے احرام باندھا جائے جو شخص مکہ میں ہو خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا  
 نہ ہو اس کے لئے شہر مکہ ہی میقات ہے جو شخص مواقیت کے آگے اور مکے سے پہلے رہتا ہے  
 اُس کے لئے وہی میقات ہے جہاں وہ رہتا ہے۔

حج کے لئے احرام باندھنے سے پہلے جو امور مطلوب ہیں پہلے کچھ امور مطلوب ہیں جن میں  
 سے بعض سنت ہیں اور بعض مستحب ہیں چنانچہ غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے گو محض وضو کر لینا  
 اصل سنت کا قائم مقام عمل ہے لیکن غسل افضل ہے یہ غسل ستھرائی کے پیش نظر ہوگا  
 پاک ہونے کے لئے نہیں حیض و نفاس کی حالت میں بھی احرام کے لئے غسل کرنا چاہئے۔  
 اگر پانی دستیاب نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا اس کے بجائے تیمم کرنا مشروع نہیں ہے،  
 کیونکہ ستھرائی جو غسل سے مطلوب ہے وہ تیمم سے حاصل نہیں ہوتی۔ ناخن تراش لینا اور  
 بالوں کا کٹنا جن کے کاٹنے کا حکم ہے نہانے سے پہلے مستحب ہے ورنہ بالوں میں گنگھا کر لینا

چاہئے، یہ بھی مستحب ہے کہ اگر کوئی امر مانع ہو تو بیوی سے ہم بستری کر لے تاکہ زیادہ عرصہ گزرنے سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو احرام کو فاسد کر دے۔ جامۂ احرام ایک انزار اور ایک بڑا داپہن لے، انزار سے مراد وہ کپڑا ہے جو نان سے لے کر گھٹنوں سمیت ڈھک لے اور ردائے مراد وہ چادر ہے جو پیٹھ سینے اور دونوں مونڈھوں پر ڈال لی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ انزار اور ردائے کپڑے کی ہوں یا کھلا ہوا پاک کپڑا ہو اور سفید ہو، خوشبو اگر دستیاب ہو تو اس کا لگانا مستحب ہے بشرطیکہ خوشبودار چیز کا نشان بدن اور کپڑوں پر نہ رہنے پائے پھر دو رکعت نماز ادا کرے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو یہ نماز سنت ہے، افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھی جائے، اگر احرام کوئی فرض نماز ادا کر کے باندھا گیا ہو تو وہی نماز اس کی قائم مقام ہے اور یہ کہ زبان سے اور دل میں بھی یہ کہنے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُمرِیدُ الْحَجَّ فَبَسِّطُوْهُ لِیْ وَ تَعَقِّلْهُ مِنِّیْ (بار الہا میں نے حج کا ارادہ کیا ہے تو اسے مجھ پر آسان کر دے اور میرا حج قبول فرما) اس کے بعد تلبیہ کہتے تنبیہ کے الفاظ یہ ہیں لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَسْتُ اَنْتَ الْحَمْدُ وَالْبَعْمَةُ لَكَ وَ اَلْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ (ہاں لے میرے اللہ! ہاں بے شہد تمام تعریفیں اور خوبیاں تیرے لئے ہیں۔ بادشاہت تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں) تلبیہ کرنے کے بعد آہستہ آواز سے درود پڑھے اور ہر فرض نماز کے بعد جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ تلبیہ کرے، اسی طرح جب کوئی سواری نظر آئے یا چڑھائی پر چڑھنے لگے یا دادی میں اترنے لگے اور ہر صبح کو اس کو کنزت سے کہتا رہے، نیند سے بیدار ہو کر سواری پر بیٹھتے یا اترتے وقت بھی تلبیہ کرے اور ہمیشہ اونچی آواز سے پڑھے لیکن پوری طاقت لگا کر نہیں۔

حالات احرام میں کیا کیا کرنا منع ہے  
جماع، شکار، خوشبو یہ وہ خاص امور ہیں جو حالت احرام میں ممنوع ہیں منجملہ ان باتوں کے جن سے صاحب شریعت نے احرام کی حالت میں منع فرمایا ہے ان میں سے بعض حلال نہیں ہیں اور بعض مکروہ ہیں۔ احرام کی حالت میں تین اماموں کے نزدیک عقد نکاح حرام ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ احرام باندھنا عورت کو عقد نکاح کی صلاحیت سے مانع نہیں ہوتا البتہ ہم بستی ممنوع ہے، عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے، جماع کی طرح حالت احرام میں دواعی جماع مثلاً بوسہ لینا، بدن سے بدن ملانا، اسی طرح تمام وہ امور جو حج کے علاوہ اور دنوں میں بھی حرام ہیں حالت احرام میں ان کی ممانعت زیادہ سخت ہے۔ اپنے ساتھیوں اور نوکروں سے اُلجھنا بھی حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ قَرَضَ فَرَسًا مِمَّا فِی الْبَيْتِ فَلَا يَتَّقِ وَلَا يَتَّقِ وَلَا يَتَّقِ وَلَا يَتَّقِ وَلَا يَتَّقِ وَلَا يَتَّقِ (سورہ بقرہ - ۱۱۶)

جن ایام میں حج فرض کر لیا تو بدوران حج زُفْتِ فسوق اور جدال کی اجازت نہیں ہے۔ رفت کے معنی جماع اور اُس پر اُبھارنے والی کوئی حرکت اور فحش کلامی کے ہیں۔ فسوق کے معنی حکم الہی کی نافرمانی اور راستی سے روگردانی کے ہیں۔ اور جدال لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں۔

بری جانوروں کے شکار کے درپے ہونا اُنھیں مارنا اور ذبح کرنا بھی حرام ہے اور اگر شکار نظر آ رہا ہو تو اشارے سے اُسے بتانا یا نظر نہ آتا ہو تو اُس کا رستہ بتانا یا کوئی اور حرکت مثلاً انڈوں کو توڑنا حرام ہے خواہ وہ جانور حلال ہو یا نہ ہو، البتہ دریائی جانور کا شکار حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعْلَمَةُ مَتَاعَاتِكُمْ وَلَمَّا تَزَارَ وَخَوِزَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ مَا فَصَّلَ

(مائدہ، آیت - ۹۶)

حُرْمَتُ

تمہارے لئے حالت احرام میں دریائی جانوروں کا شکار اور اُس کا کھانا حلال ہے تاکہ تمہیں اور دوسرے مسافروں کو فائدہ مند ہو لیکن خشکی کے جانوروں کا شکار بدوران احرام حرام ہے۔

بری جانور وہ ہیں جن کا توالد و تناسل خشکی میں ہو گو وہ بانی میں بھی رہتے ہوں۔ بحری جانور ان کے برعکس ہیں (یعنی جن کا توالد و تناسل دریا میں ہو گو وہ خشکی میں بھی رہتے ہوں) تین اماموں کی یہی رائے ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک بحری جانور وہ ہے جو پانی کے سوا کہیں نہ رہ سکے۔

حالت احرام میں خوشبو کا استعمال کرنا مثلاً مشک کا کپڑوں پر ملنا حرام ہے اس کے علاوہ ناخن اور بال ترشوانا، مردوں کو سلعے ہوئے کپڑے پہننا یا جو بدن پر پیٹے جاتیں جیسے قمیص یا جامہ، پگڑی، قبا یا اچکن وغیرہ اور خف (چرمی موزے) پہننا حرام ہے، سر اور چہرے کا پودا یا نمی قدر حصہ ڈھلنا بھی حنفی اور مالکی مسلک میں حرام ہے۔

**عورت کیلئے حالت احرام میں منہ اور سر ڈھکنے کا مسئلہ** عورت کے لئے جائز ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو ڈھک لے بشرطیکہ غیروں سے منہ چھپانا مقصود ہو لیکن چہرے کے سامنے کسی چیز کی آڑ کر لینا جائز ہے جو چہرے سے نہ لگنے پائے۔

عورتیں بھی انہیں آداب کے ساتھ احرام باندھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے صرف تین باتوں میں ان کے اور مردوں کے احکام میں فرق ہے۔

(۱) عورتیں احرام کی حالت میں بھی سلاہ یا کپڑا اسی طرح پہنیں جس طرح احرام سے پہلے پہنتی تھیں ان کے کپڑوں میں کوئی ایسی خوشبو نہ لگی ہو جو دور تک پھیلے۔

(۲) عورتوں کو جس طرح پہلے سر اور بالوں کا کھولنا حرام تھا اسی طرح حالت احرام میں بھی حرام ہے بلکہ زیادہ گناہ ہے اگر کھل جائے، البتہ چہرہ کھلا رہنا جائز ہے۔ نامحرم کے سامنے کسی چیز سے آڑ کر لینا جائز ہے مگر چہرے پر کپڑا وغیرہ ڈالنا یا لپیٹنا منع ہے۔

(۳) مرد تبلیہ بلند آواز سے کہیں اور عورتیں آہستہ آہستہ ان کی آواز نامحرم کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

**رنگین یا خوشبودار کپڑے** ایسے رنگین کپڑے پہننا احرام میں حرام ہے جس میں خوشبو ہو (عصفر یعنی گل خیر و) کی کلیوں یا دوس (جو عین میں پیدا ہونے والی سرخ رنگ کی بوٹی ہے) یا زعفران یا اور خوشبودار چیزوں سے رنگے ہوئے کپڑے کا پہننا بھی حرام ہے ہاں اگر اسے اس قدر دھویا جائے کہ اس کی خوشبو جاتی رہے تو اس کا پہن لینا احرام کی حالت میں جائز ہے۔

عطر منگھنا یا اس کو پاس رکھنا حالت احرام میں مکروہ ہے۔ ایسے مکان میں ٹھہرنا جہاں عطر

کی خوشبو لمبی ہوئی ہو اِحرام باندھنے کے بعد مکروہ ہے عورت کے لئے مہندی لگانا بھی مکروہ ہے ایسی چیز جس میں خوشبو ملائی گئی ہو کھانا اِحرام والے کو جائز نہیں نہ ایسا سرمہ لگانا جائز ہے جس میں خوشبو ڈالی گئی ہو۔

بالوں کا کٹوانا یا انھیں کسی اور طریقے سے دور کرنا حالت اِحرام میں بالوں کا منڈوانا، کترانا خواہ وہ کسی جگہ کے ہوں حرام ہے اگر کسی شخص کی آنکھ میں پر بال ہو اور وہ اُسے تکلیف کے سبب نکلا دے تو جائز ہے مگر اس کے لئے ایک قربانی عائد ہوگی۔

احرام والے کو مہندی کا خضاب کرنا جائز نہیں خواہ وہ سر میں ہو یا ہاتھوں میں ہو یا جسم کے کسی اور حصے میں۔

حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کے مسائل حرم کے حدود میں جو درخت ہیں انھیں کاٹنے اُکھاٹنے

ضائع کرنے یا پھٹی توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ گھاس کا بھی وہی حکم ہے جو درختوں کا ہے لیکن گھاس اور سنا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ ایسی اشیاء ہیں جن کو دوا کے بطور استعمال کیا جاتا ہے اس لئے انھیں کاٹ کر یا کسی اور طرح سے کام میں لانا مباح ہے۔ اُن کی اُگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ خشک ہو جائے اور ٹوٹ کر گر جائے تو اُس کا شمار حرم کے درختوں میں نہیں کیا جائے گا۔ ایسی روئیدگی جسے لوگ اُگایا کرتے ہیں اُن کا کاٹنا مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ اُس کا کوئی مالک ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی مالک ہو اور حالت اِحرام میں اُسے کاٹے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص جو مالک نہ ہو اور کاٹ لے تو اُسے قیمت ادا کرنا پڑے گی اور قربانی بھی دینا ہوگی۔

فصد کھلوانا پچھنے لگوانا غسل کرنا اور اپنے اوپر سایہ کرنا حالت اِحرام میں ضرورت فصد کھلوانا یا پچھنے لگوانا

مباح ہے لیکن بال نہ کاٹے جائیں، بل ضرورت فصد اور پچھنے مکروہ ہیں۔ اسی طرح بدن کو اور بالوں کو رگڑ کر ملنا مباح ہے بشرطیکہ بال اور جو کچھ گمے نہ پائیں۔ میل کچیل دور کرنے کے لئے اپنے سر اور بدن کو پانی سے دھونا مباح ہے بشرطیکہ پانی میں کوئی ایسی چیز ملی نہ ہو جو بدن



کو مار دے۔ میل کاٹنے والی کوئی چیز غسل کرنے میں استعمال کی جاسکتی ہے لیکن اس سے جوئیں نہ مرنے پائیں۔ صاحب احرام کو درخت، خیمہ، مکان، محل یا چھتری کا سایہ کر لینا جائز ہے لیکن چھتری کو سر یا چہرے پر پڑنے نہ دیا جائے کیونکہ سر کھلا رکھنا واجب ہے۔

احرام والے کو مکہ میں داخل ہونے کیلئے کیا کرنا چاہیے امور مطلوب ہیں ان کو بیان

کیا جا چکا ہے وہ غسل جو مکے میں داخل ہونے کے لئے کیا جائے سنت ہے وہ سترائی کی غرض سے ہے طوافِ قدم کے لئے نہیں ہے اس لئے حیض و نفاس والی عورتیں بھی سترائی کی غرض سے غسل کر سکتی ہیں لیکن طواف نہیں کر سکتیں۔ مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت مکے میں داخل ہو اور بلند جانب سے آئے تاکہ تعظیمِ آرخ قبلہ کی طرف نہ رہے۔ داخل اس دروازے سے ہو جو بابِ معلیٰ کے نام سے موسوم ہے، پھر سامانِ سنبھالنے کے بعد مسجدِ حرام کا رخ کرے اور بابِ السلام سے مسجد میں داخل ہو اس وقت عاجزی اور خشوع سے تلبیہ کہتا رہے۔ جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو ہاتھ کو بلند کرے اور تلبیہ و تہلیل میں مصروف ہو جائے پھر کہے:

اَللّٰهُمَّ نَبِذْ هَذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا  
وَّ تَعْظِيمًا وَ تَكْرِيْمًا وَ مَهَابَةً وَ  
بِرًّا وَ تَرَادُّمًا مِنْ عَظَمَتِهِ وَ شَرَفِهِ  
وَمِنْ حُجَّتِهِ اَوْ اعْتَمَرَهُ تَعْظِيْمًا  
وَّ تَشْرِيفًا وَ تَكْرِيْمًا وَ مَهَابَةً وَ بِرًّا  
اے اللہ اس گھر کے شرف، عظمت، عزت  
شان و دبدبہ اور خوبی کو بڑھا اور جو شخص اس  
کا حج یا عمرہ اس کی عظمت و بزرگی عزت و  
ہمت اور خوبی کے پیش نظر بحالائے اس  
کی عظمت و شان میں اضافہ فرما۔

حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور دُعا کے الفاظ جو آثار میں وارد ہوئے یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ  
مِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّتْنا مَرْيَمًا  
يَا سَلَامًا۔  
اے اللہ تو ہر نقص سے پاک ہے اور تو ہی  
سلامتی بخشنے والا ہے پس لے پروردگار ہیں  
برائوں سے پاک زندگی عطا فرما۔

اس کے بعد جو جی چاہے دُعا مانگے اور طوافِ قدم کرے۔ حج کے ارادے سے آنے والے

کے لئے یہ طواف سنت ہے۔

**طوافِ قدوم** اس کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مکہ سے باہر کہیں سے آنا ہو اور وہی مکہ سے اس کا نام طوافِ قدوم ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ طواف کا وقت باقی ہو نہ ہو تو وقت (بہر قدر) کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ وقوف سے رہ جانے کا ڈر ہو تو سرِ دست طوافِ قدوم کو ترک کر دے۔

طواف کی تین قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم کا طواف ارکانِ حج میں سے دوسرا رکنِ رکن ہے جس کو نہ کیا تو حج باطل ہوگا۔ وہ ہے طوافِ افاضہ جسے طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ دوسری قسم کا طواف واجب ہے اس کا نام طوافِ صدر ہے تیسری قسم کا طوافِ سنت ہے یہ طوافِ قدوم کہا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔

**طوافِ افاضہ** حج کے چار ارکانِ متذکرہ سابقہ میں سے ایک رکنِ طوافِ افاضہ ہے اسے نہ کرنے سے حج باطل ہو جائے گا۔ اس کے سات چکر ہیں جس کا خاص طریقہ ہے۔ جہاں تک اس کے رکن ہونے کا تعلق ہے وہ اس کے چار چکر ہیں باقی چکر واجب ہیں چار چکر کر لئے تو طواف کا بیشتر حصہ پورا ہو کر رکن ادا ہو جاتا ہے یہی حنفی مسلک ہے۔

حنفی علماء کہتے ہیں کہ طوافِ افاضہ کا وقت یومِ نحر (دسویں ذی الحجہ) کی فجر سے ہے بشرطیکہ عرفے میں وقوف کر لیا ہو۔ اگر عرفات میں اس وقت کے اندر جس کا بیان آگے آ رہا ہے وقوف نہیں کیا تو طوافِ افاضہ بھی صحیح نہ ہوگا اور حج باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی نے وقوف کر لیا لیکن طوافِ افاضہ ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کو بھی نہیں کر سکا اور پورا مہینہ گزر گیا تو اس پر لازم ہے کہ اگلے سال حج کے تین مہینوں (ذوالحجہ، ذوالحجہ، ذوالحجہ) میں سے کسی ایک مہینے میں طوافِ افاضہ کر لے۔

**طوافِ صدر یا طوافِ وداع** حج سے فراغت کے بعد جب مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے لگے تو کعبہ کا طواف کر لینا واجب ہے اس کو طوافِ صدر یا طوافِ وداع کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے رہنے والوں کے لئے نہ طوافِ قدوم ہے اور نہ طوافِ وداع۔

طواف کا مسنون طریقہ آفاقی یعنی مکہ سے باہر کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں نہایت احترام اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہوں اور جیسے ہی بیت اللہ پر نظر پڑے تکبیر و تہلیل اور درود شریف پڑھ کر یہ دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔۔۔

اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف کر دے اور میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔ اس کے بعد وہاں سے نکل کر طواف کی نیت کریں۔ مسجد حرام سے نکلنے وقت زبان پر یہ دعا ہو:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ وَسَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔۔۔

میرے لئے آسان کر دے۔

جملہ اقسام طواف کے لئے چند شرائط ہیں جن کے بغیر طواف صحیح نہیں ہوتا۔

طواف کی شرطیں ۱۔ ستر عورت یعنی بدن کے وہ حصے جن کا ڈھکنا نمازیں واجب ہے ان کو ڈھکنا۔

۲۔ حدیث اور نجاست سے پاک ہونا جس طرح نمازیں ہوتے ہیں۔

۳۔ طواف کی ابتدا اپنے بائیں پہلو کو حجر اسود کے محاذ میں رکھ کر کرنا یا اس طور کہ بدن کا کوئی حصہ حجر اسود سے کچھ بھی آگے نہ ہو۔ طواف کے خاتمہ پر بھی حجر اسود کے محاذ میں اسی طرح آجائے۔

۴۔ طواف کے وقت کعبہ کا نظر آنے والا حصہ بائیں جانب ہو اور طواف کرنے والا حجر اور شاذر وان سے باہر ہو اس سے مراد وہ تعمیر ہے جو کعبہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔

۵۔ طواف کے سات چکر ہوں اگر تعداد میں کمی کا شک ہو جائے تو جس قدر چکر کا یقین ہے اسی کی بنا پر سات پورے کرے۔

۶۔ طواف مسجد کے اندر ہو خواہ کبھی سے کتنے ہی فاصلے پر ہو مسجد کے باہر سے طواف۔

درست نہ ہوگا۔

۷۔ بہ دوران طواف کسی اور کام کی جانب نہ مڑے۔

۸۔ طواف زیارت کے لئے نیت کرنا طواف کی نیت کے وقت حجر اسود سامنے ہونا اور اس سے آگے نہ بڑھنا۔

طواف کے بعد دو رکعتیں طوافِ افاضہ اور طوافِ قدوم کے بعد مسنون ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پڑھی جائے۔ یہ نماز مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھنا اور ملتزم پر جا کر دعا مانگنا مستحب ہے، ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کی جگہ ہے۔

**طواف کے واجبات اور سنتیں** جو باتیں شرائط طواف میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے طوافِ مسجد کے اندر ہونا، طوافِ افاضہ کا وقت یومِ نحر کی فجر سے شروع ہونا اور طوافِ قدوم کا وقت مکہ میں داخل ہونے سے شروع ہو کر دو قون بہ عرفات تک ہوتا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرائط ہیں باقی باتیں طواف کے واجبات میں سے ہیں یا سنت ہیں۔

طواف کی سنتوں میں چند باتیں اور ہیں منجملہ ان کے یہ کہ طواف شروع کرنے سے پہلے چادر کا ایک سرادیکیں بغل کے نیچے رکھ کر دوسرا اپنے بائیں کندھے پر ڈال لیں، اس کو اصطباغ کہتے ہیں اور یہ عمل ہر اس طواف میں کیا جاتا ہے جس کے بعد سعی کرنا ہو جیسے طوافِ قدوم۔

ایک سنت یہ ہے کہ چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلا جائے اور مونڈھوں کو حرکت دی جائے اسے رمل کہتے ہیں۔ رمل صرف ابتدائی تین چکروں میں کیا جائے۔

حجر اسود کا استلام یعنی ہاتھ لگانا اور ہر جگہ کے خاتے پر اس کو بوسہ دینا سنت ہے اگر کسی سے یہ ممکن نہ ہو تو عصا وغیرہ یا اس جیسی چیز سے چھوئے اور اس چیز کو بوسہ دے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی جانب رخ کر کے کھڑا ہوا اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں حجر اسود کی جانب رہیں اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور دو رکعتیں جو طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں پڑھ کر سعی کے لئے صفا کی طرف

جلنے سے پہلے زمزم پر آئے اور اس کا پانی خوب سیر ہو کر پئے اور ڈول میں بجا ہوا پانی کنویں میں ڈال دے اور یہ دُعا کرے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رِزْقًا  
وَأَمْنًا وَعِلْمًا نَافِعًا وَشِفَاءً مِّنْ  
كُلِّ دَاءٍ۔

بار الہا میں تمہ سے فرامی رزق اور نفع بخش  
علم مانگتا ہوں اور ہر مرض سے شفا کی  
دعا کرتا ہوں۔

اس کے بعد پہلے ملتزم کے پاس آئے پھر صفا کی جانب ہائے۔

### طواف کی نیت

اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ طَوَافَ  
بَيْتِكَ الْحَرَامِ فَلْيَبْرِكْ لِي وَ  
تَقْبِلْنِي مِنِّي۔

خدایا میں تیرے محترم گھر کا طواف کرنے کے  
ارادے سے آیا ہوں تو اسے میرے لئے  
آسان کر دے اور اس کو قبول فرمائے۔

حجر اسود کا استلام کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ دونوں پھیلیں  
حجر اسود کی طرف ہوں اور یہ بڑھے۔

بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
اللَّهُ أَكْبَرُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ  
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ۔

شروع اللہ کے نام سے ساری تعریفیں  
اسی کے لئے ہیں وہ سب سے بڑا ہے۔ درود  
اور سلام ہو اللہ کے رسول پر۔

استلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللَّهُمَّ إِنَّمَا نَايِكَ وَاتَّبَاعًا لِّسَنَةِ  
بَيْتِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ۔

اے اللہ میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ  
طواف دا استلام تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کی پیروی میں کر رہا ہوں۔

مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا کرے:

اللَّهُمَّ هَذَا مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ  
الْعَاقِلِ الَّذِي ذَكَرَكَ  
النَّاسُ حَزْمٌ لِّعُثْمَانَا وَ

اے اللہ تیرے خلیل حضرت ابراہیم کا مقام  
ہے جنہوں نے تیری پناہ اس وقت ڈھونڈی  
اور سہارا لیا جب کافروں نے انہیں آگ میں

بَشِّرْتَنَا عَلَى النَّارِ۔ ڈالا۔ پس جس طرح تو نے اُنہیں آگ سے

بھاپا ہمارے گوشت و پوست کو بھی —  
دوزخ کی آگ سے بچا۔

پھر ملتزم پر چٹ کر یہ دُعا ہاتھ پھیلا کر حضور قلب سے پڑھے:

يَا وَاحِدُ يَا مَاجِدُ لَا تَزَلْ اے قدرت والے اے عزت والے مجھ  
عَنِّي لِعِفْمَةٍ اَلْعَفْمَةُ اُجْنَمَتَا سے اپنی وہ نعمت نہ چھیننا جو تو نے عطا  
عَلَيَّ۔ فرمائی ہے۔

میزاب رحمت کے پاس پہنچے تو اس کے نیچے کھڑے ہو کر سوز دل کے ساتھ یہ دعا کرے :  
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو  
لَا يَزُولُ وَ اِيْقِيْنًا لَا يَنْقُذُ وَ مجھ سے جدا نہ ہو اور ایسا یقین مانگتا ہوں  
مُرَافَقَةً نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی جو ختم نہ ہو اور قیامت میں تیرے نبی محمد  
اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں  
اُظْلِمْنِيْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ اے اللہ مجھے قیامت کے دن اپنے عرش  
یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ کے سایے میں جگدے اس دن تیرے عرش  
وَ اسْقِنِيْ بِكَأْسٍ مُّحَمَّدٍ صَلَّی کے علاوہ کہیں اور سلیہ نہ ہو گا اور محمد صلی  
اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَةً اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے مجھے ایسا شربت  
لَا ظَمًا بَعْدَهَا اَبَدًا۔ پلا کہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوں (یعنی  
حوض کوثر سے)

حج کا تیسرا رکن ”سعی“ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں ان کے درمیان سعی کرنا یعنی  
پھیرے لگانا بھی حج کا ایک رکن ہے لہذا اگر کسی نے یہ نہ کیا  
تو حج باطل ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعی رکن نہیں بلکہ واجب ہے کہ طواف کے  
بعد ہوا و سات پھیرے ہوں اور پایادہ ہوا و ہر پھیرے کی ابتدا صفات کی جائے اور مروہ پر  
ختم کیا جائے، واجب کے رہ جانے سے حج باطل نہیں ہوتا البتہ فدیہ لازم آتا ہے چنانچہ اگر

بلا عذر سوار ہو کر کسی کی تو دو بارہ کرنا ہوگی یا پھر قربانی دینا لازم ہوگی اور جو پھر امر وہ سے شروع کیا جائے گا وہ پھر اشرار نہیں ہوگا۔

**صفا و مردہ کے درمیان سعی کے شرائط اور سنتیں اور مستحبات** صحت سعی کی شرط یہ ہے کہ وہ طواف کے بعد ہوا اگر سعی طواف سے پہلے کی گئی تو وہ شمار میں نہیں آئے گی اُسے پھر سے کرنا واجب ہے۔ سعی کی سنتیں یہ ہیں کہ طواف اور سعی مسلسل ہو۔ اگر درمیان میں وقفہ پڑ گیا خواہ وہ طویل وقفہ ہو تو سنت رہ جائے گی اور یہ کہ دونوں قسم کے حدت سے پاک ہو۔ حیض و نفاس کی حالت میں سعی بوجہ معذوری بلا کر اہت ہو جائے گی۔

طریقہ سعی کا یہ ہے کہ صفا اور مردہ کی اونچائی پر چڑھے اور میلین اخضرین کے درمیان چلے جن میں سے ایک ستون با بعلی کے نیچے ہے اور دوسرا رباط عباس کے سامنے اور دونوں کے درمیان ہر وہ کمرے (تیزیز قدم اٹھائے) تکبیر و تسہیل اور درود کا ورد کرتا رہے اور جو جی چاہے دعا مانگے۔ صفا اور مردہ پر پہنچ کر کعبے کی طرف رخ کرے اور سعی کا آغاز کرنے سے پہلے حجرِ سود کا استلام (جس طرح طواف کی سنتوں میں بتایا جا چکا ہے) کر لیا ہو۔ افضل یہ ہے کہ باب صفا سے باہر نکلے۔ اس کو باب بنی مخزوم بھی کہتے ہیں اور نکلتے وقت بایاں قدم پہلے نکالے اور مستحب یہ ہے کہ صفا و مردہ پر دُعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اگر طواف یا سعی کے دوران نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے نماز پڑھے اور اس سے پہلے جتنے بھیہے کر لئے ہیں اُس سے آگے کا عمل پورا کرے۔ سعی کے درمیان خرید و فروخت وغیرہ کی باتیں مکروہ ہیں۔

**حج کا چوتھا رکن ”عرفات میں وقوف“** چوتھا رکن حج کا میدان عرفات میں حاضر ہونا ہے۔ اس رکن کے صحیح طور پر ادا ہونے کی شرط واجبات اور سنتیں فقہائے احناف کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

شرط تو یہ ہے کہ ”وقوف“ شریعت کے مقرر کردہ وقت کے اندر ہو اور یہ وقت نویں ذی الحجہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے یومِ نحر کی فجر تک ہے پس جو شخص ان اوقات میں عرفات میں پہنچ گیا اُس کا حج درست ہو گیا۔ دوسرے ائمہ عقل و ہوش میں ہونے اور عافری

عرفات کی نیت کو بھی شرط صحت قرار دیتے ہیں جبکہ حنفی فقہاء اس کو داخل شرط قرار نہیں دیتے اور سونے کی یا بیداری کی حالت میں وقوف کرنے کو کافی گردانتے ہیں۔

واجب یہ ہے کہ اگر میدان عرفات میں کوئی دو پہر کو پہنچ گیا تو آفتاب غروب ہونے تک رہے، رات میں پہنچنے والے پر کچھ واجب نہیں۔ دن کو وقوف کرنے والا اگر سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے چلا جائے گا تو اس پر قربانی واجب ہے۔

وقوف عرفات کی سنتیں یہ ہیں: امام کے لئے دو خطبے دینا، ظہر اور عصر کی نماز اٹھی پڑھنا اس کے بعد غروب آفتاب تک ٹکڑا کر روئے سے نہ ہونا، باد وضو ہونا۔ یہ بھی سنت ہے کہ سیاہ پتھروں کی چٹانوں کے قریب ٹھہرے، یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا ہے اگر وہاں پر ٹھہرنا دشوار ہو تو حتی المقدور اس کے قریب ٹھہرنے کی کوشش کرے اور یہ کہ اپنے دونوں ہاتھ کھول کر بلند کرے، تہلیل و تکبیر اور درود کے بعد دعا کرے، اپنے اور اپنے ماں باپ اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت مانگے اور اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر تلبیہ کرتا رہے، سورج غروب ہونے تک حمد و ثنا، تہلیل و تسبیح اور تلبیہ شروع و خضوع اور خلوص قلب کے ساتھ جاری رکھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے ساتھ اپنی حاجات پوری ہونے کی دعائیں کرتا رہے، دعا کے لئے خاص الفاظ کا پابند ہونا ضروری نہیں، افضل ترین دعائیں یہ ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْكَوْنُ وَلَهُ الْعَرْشُ الْمُبِينُ وَيَهْدِيَتْ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بَيِّدُ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصِيرَتِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا اللَّهُمَّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَ لَيَسِّرْ لِي	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کی سلطنت ہے وہی شایانِ حمد ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اُسے موت نہیں تمام بھلائیاں اس کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے خدایا میرے دل میری آنکھ اور میرے کان کو منور کر دے اور میرا سینہ کھول دے اور
---	--



امری

میری مشکلات آسان کر دے۔

اوپر ارکان حج اور ہر رکن کے مخصوص شرائط، واجبات اور سنتوں کا بیان تھا اب حج کے وہ واجبات جو کسی ایک رکن کے ساتھ خاص نہیں ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔

**حج کے عام واجبات** ۱۔ رات کو عرفات سے چل کر منیٰ جاتے ہوئے مزدلفہ میں فروکش ہونا کم از کم اتنے وقت کے لئے جس میں ایک سواری سستاسکتی

ہو۔ عرفات میں وقتوں کے بعد غروب آفتاب ہوتے ہی بغیر نماز پڑھے حاجی مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جاتیں، یہاں مغرب و عشا کی نمازیں بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں۔ اِردی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ میں موجودگی واجب ہے اگر یہ روہ گئی تو ایک قربانی لازم ہوگی بشرطیکہ اس تاخیر کا سبب کوئی خاص عذر یا مرض نہ ہو، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے بعد جبلِ نحر کے پاس امام کھڑا ہوگا اُس کے ساتھ تمام لوگ کھڑے ہو کر دُعا کریں گے، یہ دوسرا مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دُعا فرمائی ہے، اسے مشعر حرام کہتے ہیں۔

اِردی الحجہ کی صبح کو سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائیں سات کنکریاں اپنے ساتھ لے لیں۔

۲۔ رمی جہار یا کنکریاں مارنا۔ یومِ نحر (اِردی الحجہ) میں صرف جمرہ عقبہ کے مقام پر کنکریاں ماری جائیں بھر باقی ایامِ تشریق میں روزانہ تینوں جگہ کنکریاں پھینکی جائیں، اس کے لئے سنت یہ ہے کہ مقامِ جمرہ اودنی سے لنگری مارنے کی ابتدا کی جائے، یہ مقام مسجدِ خیف کے قریب ہے پھر جمرہ وسطیٰ پر اور اُس کے بعد جمرہ عقبہ پر سات سات کنکریاں بطریقِ بالا پھینکی جائیں، سنت جب ہی پوری ہوگی جب اسی ترتیب سے رمی کی جائے۔ دوسرے اور تیسرے روز رمی کرنے کا وقت زوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے، رات میں رمی کرنا مکروہ ہے اور زوالِ آفتاب سے پہلے جائز نہیں ہے۔ رمی کے وقت اپنے اور دوسروں کے لئے جو دعا بھی چاہے مانگے اور اپنے ہاتھ آسمان کی جانب یا قبیلہ کی جانب اٹھائے، اسی طرح یومِ نحر کے تیسرے دن بھی رمی کرنا چاہیئے اور اگر وہیں قیام رہے تو چوتھے دن بھی ایسا ہی کرے۔ پہلی رمی سے تبلیہ موقوف کر دینا چاہیئے۔ جمرہ کے قریب سے کنکریاں چننا مکروہ ہے۔ سات کنکریوں سے زیادہ مارنا مکروہ

ہے کنکری پھینکنے والے کے اور حجرہ کے درمیاں پانچ ذراع (ہاتھ کا فاصلہ ہو، کنکری اگر حجرہ سے دور فاصلے پر جا پڑی تو وہ کافی نہیں ہے اس کے بجائے دوسری کنکری پھینکنا واجب ہے یہ بھی سنت ہے کہ ہر کنکری پھینکنے وقت بسم اللہ اکبر کہا جائے، ایام تشریق کی تین راتوں میں سے بیشتر راتیں مٹی میں گزاری جائیں لیکن جسے جلدی ہو اور دو راتوں کے بعد یعنی عید کے تیسرے دن مٹی سے مکہ کی طرف روانہ ہونا چاہے تو تیسری رات کو مٹی میں ٹھہرنا ساقط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

فَمَنْ لَعَجَلْ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا  
إِثْمَ عَلَيْهِ - جو شخص جلدی کے خیال سے دو ہی دن  
ٹھہرے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

۳۔ ایوم نحر (اردی الحجہ) میں رمی کے بعد قربانی کرنا اور سر منڈوانا یا بال کترنا واجب ہے، اس کو حلق کہتے ہیں۔ رمی حمار اور حلق کے درمیان ترتیب کا لحاظ اور قربانی اور حلق کے لئے مقررہ وقت اور جگہ کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، عورتوں کے لئے بال منڈوانا منع ہے صرف انگلی کے بقدر سر کی لٹ سے بال کا تراش دینا کافی ہے۔

۴۔ طواف صد منجلہ واجبات کے ہے جو مکے سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے اس کو طواف وداع بھی کہتے ہیں۔

واجبات حج حنفی فقہاء کے قول کے مطابق یہ پانچ باتیں ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا۔

۱۱۔ اصغار وہ کے درمیان سعی (۲) ایوم نحر کو فجر سے پہلے مزدلفہ میں ہونا (۳) رمی حمار۔

(۴) حلق یعنی بال منڈوانا (۵) طواف صدر۔

ان امور کی تفصیل جن پر قربانی دینا پڑتی ہے جنایات الحج (حج کی فروگزاشتوں) کے بیان میں آئے گی۔

**حج کی سنتوں کا بیان**  
حج کی سنتوں میں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق احرام سے ہے جو حج کی نیت کرنے والوں کو احرام باندھنے سے پہلے ادا کرنا ہوتا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق طواف، سعی یا وقوف عرفہ سے ہے ان کا بیان سابقاً ہو چکا ہے ان کے علاوہ حج کی باقی سنتیں یہ ہیں جن کا ذکر ضمناً واجبات کے بیان میں بھی آچکا ہے۔

(۱) ایام نحر کی راتیں منیٰ میں گزرا کرنا (۲) قربانی کی رات عرفات سے نکلنے کے بعد رات کو مزدلفہ میں رہنا اور (۳) مزدلفہ سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جانا (۴) رمی جمرات میں تینوں مقامات پر ترتیب کا لحاظ رکھنا۔ رمی بذات خود واجب ہے۔ منہملہ سنتوں کے یہ بھی ہے کہ جب وادی محسر سے گزرے تو رفتار تیز کر دے اس وادی کا نام حسرت (ناکامی) سے نسبت رکھتا ہے کیونکہ یہیں پر ابرہہ کا ہاتھی جسے وہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے لایا تھا نا کامی سے دوچار ہوا۔ مسجد عرفہ میں زوال آفتاب کے بعد دو خطبوں کا دینا، ظہر اور عصر کی نمازیں عرفہ کے دن ایک ہی وقت میں بطور جمعہ تقدیم کے پڑھنا اور ظہر اور عصر کی نمازوں کا قصر کرنا، مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز عشا کے ساتھ بطور جمعہ تاخیر کے پڑھنا بھی سنت ہے، عشا کا قصر کرنا اُن لوگوں کے لئے سنت ہے جو مزدلفہ کے رہنے والے نہ ہوں۔

**آداب حج** جنہیں مستحبات بھی کہا جاسکتا ہے کئی ہیں: مثلاً حج کو جانے سے پہلے اپنے قرضوں کو چکا دیا جائے، گناہوں سے توبہ کی جائے، نیت میں خلوص ہو اور مظالم سے دور رہے جس سے خصومت یا کوئی معاملہ الٹا ہو اُس سے صفائی کر لے جو عبادتیں رہ گئی ہوں اُنہیں پورا کر لے خود کو نمائش، ناموری، اور فخر کے خیال سے دور رکھے، رزق حلال حاصل کرے حرام مال سے حج کرنے کا کوئی ثواب نہیں ہے کسی نیک آدمی کو اپنا رفیق سفر نہ لے تاکہ جہاں کوئی فروگزاشت ہو وہ بتانا اسے مشکل کے وقت وہ مددگار ہو اور تسلی دینے والا ہو، عورت اگر حج کرنے جا رہی ہے تو محرم مرد کا ہونا لازم ہے، کنبہ کے لوگوں اور بھائیوں سے رخصت ہو تو اُن کی دعاؤں کا طالب ہو۔ گھر سے حج کے لئے نکلتے وقت دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دُعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْکَ تَوَجَّهْتُ وَ	اے اللہ تیری طرف بھروسہ میں نے اپنا
بِکَ اَعْتَصَمْتُ وَعَلِیْکَ تَوَكَّلْتُ	رخ کیا ہے تیرا ہی دامن پکڑا ہے تجھی پر
اَللّٰهُمَّ اَنْتَ لِقَتِّیْ وَ اَنْتَ	میرا بھروسہ ہے اے اللہ تیری ذات پر
سَجَّیْتُ اَللّٰهُمَّ اَلْقِیْ بَیْیَ مَا اَهْبَیْتُ	میرا کھد ہے اور تجھی سے امید رکھتا ہوں
وَمَا لَا اَهْتَمُّ بِہِ وَمَا اَنْتَ	اے اللہ مجھے محفوظ رکھ ہر غم انگیز بات سے
اَعْلَمُ بِہِ بِمَیِّیْ عَزَّ جَسْرَتِ	اور ہر اُس دشواری سے جس کی طرف میرا

وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اللَّهُمَّ  
 رَوِّدْنِي التَّقْوَىٰ وَاعْفُ عَنِّي  
 ذُنُوبِي وَجَهَنِّي إِلَى الْخَيْرِ  
 أَلَيْنَا تَوَجَّهْتَ اللَّهُمَّ إِنِّي  
 أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَغَاوِ السُّفْرِ  
 وَكَابَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْعُورِ بَعْدَ  
 الْكُورِ وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِي  
 الْأَهْلِ وَالْمَالِ۔

دھیان نہ ہوا تو مجھ سے بہتر اُسے جانتا  
 ہے۔ تیری بڑی بارگاہ ہے تیرے سوا کوئی  
 معبود نہیں ہے خدا یا بزمِ سیرگاری کو میرا  
 زاد سفر بنا میرے گناہوں کی مغفرت  
 فرما میری توجہ صرف نیک کاموں کی طرف  
 لے جائے اللہ میں سفر کی دشواریوں حالات  
 کی تاسا زگاری، فراغت کے بعد مشکلات  
 اور اہل و عیال اور مال کو ناخوش گوار  
 حالات پیش آنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور سواری پر سوار ہوتے وقت کہے،  
 بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
 الَّذِي هَدَانَا إِلَى سَلَامٍ وَ  
 حَلَمْنَا الْقُرْآنَ وَمَنْ عَلَيْنَا  
 بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي  
 جَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ  
 لِلنَّاسِ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ  
 لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ  
 وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ الْحَمْدُ  
 لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اللہ کے نام سے اور ستائش کا نرا دار اللہ ہی  
 ہے جس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھایا اور  
 قرآن کا علم دیا احمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 بھیج کر ہم پر احسان فرمایا، اے اللہ کا شکر  
 اور حمد و ثنا جس نے ہمیں ساری امتوں میں  
 سے بہترین امت کا فرد بنایا وہ ذات پاک  
 ہے جس نے اس سودی کو ہمارے لئے مسخر  
 فرمایا ورنہ یہ ہمارے بس کی نہ تھی بلاشبہ ہم کو  
 اپنے پروردگار کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے  
 ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام  
 جہان کا پالنے والا ہے۔

خانہ کعبہ کے سامنے ہائے تو یوں کہے،  
 اللَّهُمَّ إِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ

اے اللہ تھو تو اُٹھ رہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے

وَالْحَمْدُ خَرْمُكَ وَالْأَمْنُ  
أَمْنُكَ وَهَذَا مَقَامُ الْعَاثِدِ  
پلٹے سے التماس۔  
اور پناہ تیری پناہ ہے اور یہ جگہ ہے  
جہاں پناہ مانگنے والے جہنم سے تیری  
پناہ مانگتے ہیں۔

رکعتیں پائین (کعبے کے دونوں کونوں) کے درمیان یہ کہے۔  
نَرَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ  
فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا  
عَذَابَ النَّارِ۔  
اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں اور  
آخرت میں خوبی عطا فرما اور عذاب دوزخ  
سے نجات دے۔

رہی جہاں کے وقت کہے۔  
اَللّٰهُمَّ حِجَا مَبْرُورًا اَوْ ذَنْبًا  
مَّعْفُورًا اَوْ سَعِيًّا مَّشْكُورًا۔  
بار الہا میرا حج بے لوث بنا دے۔ گناہوں  
کو معاف فرما ہماری کوششوں کو پسندیدہ کر دے۔

سعی صفا و مردہ کے وقت کہے۔  
سَبِّحْ اِغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَادِبْ  
عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ  
اَلْاَكْرَمُ۔  
اے پروردگار مغفرت فرما اور رحم کرا اور ہماری  
خامیاں جو تو خوب جانتا ہے درگزر کر دے  
بلاشبہ تو عظیم ترین ہے۔

زمزم کا پانی خوب شکم سیر ہو کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر پئے اور کہے۔  
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ بَلَّغْنِيْ عَنْ نَّبِيِّكَ  
مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اِنَّهُ قَالَ مَا عَزَمَ مَرْمٌ لِّمَاءٍ  
مَّشْرَبٍ لِّهُ وَاَنَا اَسْرَبُهُ لِسَعَادَةٍ  
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَللّٰهُمَّ فَانْعَلْ۔  
اے اللہ تیرے ہی کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچا  
ہے کہ آپ نے فرمایا زمزم کا پانی جس مراد  
کے لئے پیا جائے گا وہ پوری ہوگی میں اسے  
دنیا اور آخرت کی خوش بختی کے لئے پئی رہا  
ہوں سو میری یہ مراد پوری فرما دے۔

پھر اللہ کا نام لے کر اسے پئے اور پینے کے دوران تین بار سانس لے اور کنوئیں کی طرف  
ہاناؤس کا دیکھنا اور ڈول سے پانی نکالنا اور اپنے چہرے، سر اور سینے کو اس سے دھونا اور  
راستے کے لئے گر چلنا یہ سب باتیں مسنون و مستحب ہیں۔

**ممنوعات حج کا بیان** حاجیوں کو جن امور کی ممانعت ہے ان میں سے بعض مفسد حج ہیں یعنی ان کے ارتکاب سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن پر قربانی لازم آتی ہے بعض امور ایسے ہیں جن پر تاوان عائد ہوتا ہے یعنی صدقہ، طعام وغیرہ۔

**مفسدات حج کا بیان** عرفات میں مقررہ اوقات کے اندر وقوف نہ کیا جائے تو حج نہیں ہوتا، اسی طرح حج کے ارکان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے خواہ وہ بھول کر ہو یا قصداً ہو، بیداری میں ہو یا سوتے میں، اختیار سے ہو یا مجبوری سے، اگر یہ حرکت عرفہ سے پہلے ہوئی ہو۔ یہی رائے فقہائے احناف کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک وقوف عرفہ کے بعد حج کو فاسد کرنے والی کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ جماع سے حج فاسد ہو جائے تب بھی لازم یہ ہے کہ حج کے تمام اعمال پورے کئے جائیں اور اگلے سال حج دوبارہ کیا جائے اور مرتکبوں میں سے دونوں پر قربانی لازم ہوگی اس کے لئے ایک بکری کی قربانی جائز ہے، ایک ہی مجلس میں اگر ایک سے زیادہ بار جماع کیا تب بھی ایک ہی بکری کافی ہے، اگر مختلف مجلسوں میں کیا تو ہر دفعہ کے لئے ایک ایک بکری دینا ہوگی۔

وہ باتیں جن پر فدیہ واجب ہوتا ہے حج میں فدیہ بھڑ بھڑی وغیرہ کا ذبح کرنا ہے یہ چند امور سے واجب ہوتا ہے۔

۱۔ محرکات جماع کا ارتکاب (مثلاً لپٹنا، بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ چٹاننا یا مس کرنا) انزال ہو یا نہ ہو، شرمگاہ کو دیکھنا۔ ایسے خیالات کا دل میں لانا جس سے انزال ہو جائے تبطین (کپڑا لپیٹ کر جماع) تفسید (ران پر مسل کر یا جانور کے ساتھ بد فعلی کر کے انزال ہونے کی صورتیں قربانی کو واجب کرتی ہیں۔

۲۔ سر یا ڈھکی کے ایک چوتھائی بال کا ٹٹا۔ گردن کے بالوں، بغل کے بالوں، زیر ناف کے بالوں کا دور کرنا جبکہ بغیر کسی معذوری کے ایسا کیا جائے تو قربانی واجب ہے لیکن اگر کسی عذر سے ہو مثلاً بالوں میں جو مٹی پڑ گئی ہو جن سے اذیت ہوتی ہو تو اس صورت

ہیں تین باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی،

۱۔ جانور ذبح کرنا (۲) تین دن کے روزے رکھنا (۳) چھ مسکینوں کو کھانا کھانا نامہ مسکین کو نصف صاع کے حساب سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَرِيْبًا ذُوْهُ اَوْ اَيُّ مِّنْ وَّلَايَهِ فَيَنْدِيْ قَرْنًا مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةً اَوْ لِسَانًا (البقرہ: آیت ۱۷۷)

اگر تم میں سے کسی کو مرض لاحق ہو یا سر میں کوئی اذیت رہے ہونے کی وجہ سے بال کٹوانا پڑے تو اس کا فدیہ دو روزے رکھ کر صدقہ دے کر یا قربانی کر کے

۳۔ مرد کو سلا ہو اکپڑ پہننا۔ عورت کو اجازت ہے جو چاہے پہنے لیکن اپنا چہرہ ایسی شے سے نہ ڈھکے جو چہرے کے ساتھ لگتی ہو جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ واضح ہو کہ مرد کو جو چیز ممنوع ہے وہ عام لباس ہے لہذا اگر کسی نے سلا ہو اکپڑ پہننا نہیں بلکہ اوپر ڈال لیا یا بدن پر عام طریقہ لباس کے خلاف رکھ لیا تو اس پر تاوان عائد نہیں ہوتا۔ سلا ہوا کرتا، پاجامہ، موزہ یا عمامہ وغیرہ بغیر کبھی معذوری کے پہن لے گا تو اس پر فدیہ دینا واجب ہوگا۔

۴۔ سر کو ڈھکنے والی عام چیزوں میں سے کسی چیز سے پورے دن سر کو ڈھکا رکھنا۔ مرد کے لئے اور چہرے کا ڈھکنا عورت کے لئے فدیہ کو واجب کرتا ہے۔

۵۔ اعضائے انسان میں سے کسی بڑے عضو مثلاً ران، پنڈلی، ہاتھ، چہرہ سر یا گردن پر یا اکپڑے کے ایک بالشت جتنے پر خوشبو کی کوئی چیز ملی جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ خوشبو میں مصفّر، زعفران اور مہندی شامل ہے۔ مہندی اگر سر پر اس طرح لگائی کہ سر کی جلد ڈھک گئی تو دو قربانیاں دینا ہوں گی، ایک خوشبو استعمال کرنے کے لئے دوسری سر کو ڈھکنے کے لئے کبھی ایک عضو پر روغن زیتون یا تیل کا تیل بلا عذر لگانا بھی خوشبو لگانے کے مانند ہے بشرطیکہ علاج کے لئے نہ لگایا ہو۔

۶۔ ناخنوں کا ترشوانا۔ فدیہ واجب کرتا ہے ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کے ناخن ہوں یا دونوں ہاتھ پیروں کے۔ اگر بیک وقت ایک ہی مجلس میں کاٹے گئے تو ایک قربانی لازم ہے اور اگر مختلف مجلسوں (یعنی وقت اور جگہ بدل بدل کر) تمام ناخن کاٹے گئے تو چار قربانیاں ہر عضو کے لئے ایک قربانی کے حساب سے عائد ہوں گی

۴۔ طواف قدم یا طواف صدر کو ترک کرنا۔ عمرے کے پھروں میں سے کسی پھرے کا چھوٹ جانا یا واجبات جو پہلے بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے کوئی واجب اگر وہ جائے توفذیہ واجب ہوگا۔

**حالت احرام میں شکار کا تاوان** احرام کی حالت میں تھلل سے پہلے کسی جانور کا شکار کرنا ناجائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے شکار کیا تو اُس پر تاوان عائد ہوگا۔ تھلل کی تشریح یہ ہے کہ حج سے فارغ ہونے کی جو تین باتیں ہیں یعنی حجرہ عقبہ پر کمئیں مارنا، حلق کرنا، بال اُترانا اور طواف کرنا۔ ان میں سے دو باتیں کر لی جائیں تو تھلل اول ہو گیا یعنی ابتدائی درجے میں حج کی پابندیاں ختم ہو گئیں۔ اگر تھلل سے پہلے فشکی کا جانور حرم کے اندر شکار کیا ہو (حالت احرام میں ناجائز امور کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے) تو اُس پر اس جانور کی قیمت واجب ہوگی اگر اس کی قیمت فترتانی کے جانور کی قیمت کے برابر ہو جائے تو تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے فذیہ دیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ اس کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر حرم میں ذبح کیا جائے۔
  - ۲۔ اس کا کھانا خرید کر فی تحس نصف صاع کے اعتبار سے مسکینوں کو صدقہ کر دیا جائے۔
  - ۳۔ ہر نصف صاع کے بجائے ایک دن کا روزہ رکھا جائے جتنے بھی روزے اس طرح سے واجب ہوں اُن کا لگاتار رکھنا ضروری نہیں ہے نہ یہ لازم ہے کہ جیسا جانور شکار کیا گیا اُسی کے مانند جانور فذیہ کے لئے لایا جائے بلکہ اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ مَتَعِدًا فَأَقْبِرَ تَأْوِيلًا مِمَّا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

يَعْلَمُ بِهِ ذُو عَرْشٍ مِنْكُمْ۔ (المائدہ: آیت ۹۵)

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔ اگر تم میں سے کسی نے شکار دانستہ مارا تو اُس کا تاوان مارے گئے جانور کے مثل ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف مزاج صاحبان کر دیں۔



لفظ متعداً سے مراد شکار کی نیت سے مارنا ہے اور مثل سے ظاہری نہیں بلکہ معنوی  
 مثلیت مراد ہے یعنی جانور کی قیمت جس کو دو منصف مزاج مناسب سمجھے ہوں، یہ حکم اس صورت  
 میں ہے جبکہ اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو۔ لیکن اگر مالک ہے تو دو جانوروں کا فدیہ واجب ہوگا،  
 ایک تاوان کے طور پر دوسرا اس کے مالک کے لئے۔ حدود حرم میں شکار کیا ہوا جانور کھانا بھی  
 حرام ہے، اگر جانور کا کوئی عضو بیکار ہو گیا یا بال بچ گئے یا ایسی ہی کوئی اور خرابی ہو گئی تو اس کا  
 فدیہ وہ قیمت ہے جو اس کی وجہ سے کم ہو گئی۔ حشرات الارض، بھڑتلی، مکی، جیوٹیسی، سیبی، سانپ  
 بچھو، بوبا، پاگل کتا وغیرہ مانے کا فدیہ نہیں ہے حرم کی گھاس کاٹنے پر کٹی ہوئی گھاس کی قیمت دینا واجب ہے۔  
 نصف صاع کی مقدار میں گندم یا اُس کی قیمت کا صدقہ حسب ذیل امور میں واجب ہے۔  
 کسی عضو کے کمتر حصے میں خوشبو لگانا۔

ایک دن سے کم عرصے کے لئے قمیص پہن لینا، یا خوشبو لگا ہوا کپڑا پہننے رہنا۔ یا سر ڈھکا رکھنا۔  
 ایک جو تھائی سے کم سر کے یا دائرہ کی بال کاٹنا۔  
 پنڈلی یا بازو کے بال یا دو ایک ناخون تراشنا۔ حدث کی حالت میں طواف قدم یا طواف صدقہ  
 کرنا۔ کسی دوسرے شخص کے سر کے بال کاٹنا خواہ وہ حالت احرام میں ہو یا نہ ہو،  
 طواف صدر کے ایک پھیرے کا ترک ہو جانا۔

نصف صاع سے کم جس امر میں صدقہ واجب ہوتا ہے ٹڈی کا مارنا ہے، اگر ایک ٹڈی ماری  
 ہے تو اس کے عوض صدقہ دے دیا جائے جس قدر بھی چاہے اور دو تین ٹڈیاں ماری ہوں  
 تو لب بھر کھانا صدقے میں دے دیا جائے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو نصف صاع  
 دینا لازم ہے۔

**عمرہ** عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں خانہ کعبہ کی زیارت خاص  
 شرائط و ارکان کے ساتھ کرنے کو کہتے ہیں۔

**عمرہ کی حیثیت** عمرہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت مؤکدہ  
 ہے۔ ابن ماجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے:

الحج مکتوب و العمرہ تطوع۔ حج فرض ہے اور عمرہ رضا کارانہ عبادت ہے

باقی دو امام عمرے کو فرض کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ - یعنی حج اور عمرے کو پوری طرح انجام دو

ہر عبادت جب شروع کی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اس آیت کا یہی مفہوم حنفی اور مالکی فقہاء نے لیا ہے۔ رہا حج کا فرض ہونا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔

وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ رَءِيفٌ رَحِيمٌ - اور اللہ کے لئے لوگوں پر راجح بیت اللہ ہے۔

**عمرہ کی شرائط اور ارکان** عمرے کی شرطیں وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ حنفی علمائے فقہ کے نزدیک احرام شرط ہے اور سعی بین الصفا والمروة واجب ہے، اسی طرح بال مندوانا یا کثروانا بھی واجب ہے رکن نہیں ہے، البتہ طواف کے چار پھیرے کرنا رکن ہے۔

**عمرہ کی میقات** عمرے کی میقات زمینی پورا سال ہے یا تمام سال میں کسی وقت بھی عمرہ کا احرام باندھنا درست ہے۔ میقات مکانی وہی ہیں جو حج کی میقات ہیں البتہ مکہ میں رہنے والے لئے احرام باندھنے کی میقات (مکہ، حلقہ، جبل ہے۔ ارض حرم کے علاوہ باقی تمام جگہ محل ہے۔ بیرون حرم افضل جگہیں تنعیم اور جعترانہ ہیں۔ تنعیم وہ جگہ ہے جسے مسجد عائشہ کہا جاتا ہے اور جعترانہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔

عمرے کی میقات زمانی جیسا کہ ابھی بتایا گیا پورا سال ہے لیکن بعض حالات میں عمرے کے احرام باندھنے کی ممانعت بھی ہے، فقہائے احناف عرفہ کے دن زوال سے پہلے اور بقول راجح اس کے بعد عمرے کے لئے احرام باندھنا مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اسی طرح عید قرباں اور اس کے تین روز بعد تک احرام باندھنا منع ہے۔ اہل مکہ کے لئے حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھنا مکروہ ہے اگر اسی سال حج کا ارادہ ہو۔

اگر کسی مکے کے رہنے والے نے عمرے کا احرام علقہ حرم میں باندھا اور احرام کے بعد حرم سے باہر چل کے علقہ میں نہیں گیا تو یہ احرام صحیح ہوگا، البتہ میقات پر احرام نہ باندھنے کی پاداش میں قربانی دینی ہوگی لیکن اگر طواف اور سعی سے پہلے علقہ محل میں جا کر میقات پر احرام باندھ لیا تو قربانی ماند نہ ہوگی۔

عمرے کے واجبات، سنن اور مفسدات  
 عمرے میں بھی وہی امور واجب ہیں جو حج میں ہیں۔ اسی طرح عمرہ کی سنتیں بھی وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ احرام کے احکام میں فرائض میں محرمات مکروہات اور مفسدات میں بھی کوئی فرق نہیں ہے تاہم بعض امور میں عمرہ حج سے مختلف ہے مثلاً (۱) عمرے میں وقت مقرر نہیں ہے اور وہ فوت نہیں ہوتا۔ عرفات میں وقوف اور مزدلفہ میں رہنا، انگڑیاں مارنا اور دو نمازوں کو اکٹھا کرنا عمرے میں نہیں ہوتا، طواف قدوم اور خیلے بھی عمرے میں نہیں ہیں، عمرے کے لئے غیر حرم کا تمام علاقہ احرام باندھنے کی میقات ہے، خواہ مکے کے رہنے والے ہوں یا نہ ہوں، بھلان حج کے کہ مکے والوں کے لئے حج کی میقات حرم ہے۔ حج کی طرح عمرے میں طوافِ وداع بھی نہیں ہے۔ حج قرآن تمتع اور افراد کے متعلقہ مسائل حج کی تین صورتیں جائز ہیں۔ جسے چاہے اختیار کرے، قرآن یا تمتع یا افراد۔ حج قرآن باقی دونوں سے افضل ہے اور تمتع افراد سے بہتر ہے، قرآن کا افضل ہونا اسی حالت میں ہے جبکہ ممنوعات احرام میں سے کسی امر ممنوع کے سرزد ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ حج قرآن میں لمبے عرصے تک حالت احرام میں رہنا ہوتا ہے اگر ایسی کسی بات کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہو تو تمتع ہی سب سے افضل ہے کیونکہ اس میں تھوڑے دن حالت احرام میں رہنا ہوتا ہے اور انسان کے لئے اپنے نفس پر قابو رکھنا آسان ہے۔

افراد یہ ہے کہ صرف حج کے لئے احرام باندھا جائے۔

قرآن لغت میں دو چیزوں کے جمع کرنے کو کہتے ہیں اصطلاح شرع میں حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا احرام ہر ادبے، چاہے ایک ہی وقت اور ایک ہی احرام میں حج و عمرہ کو جمع کیا جائے یا حج کا احرام عمرے کے احرام کے بعد ہو پھر ان کے افعال کو اکٹھا بجالایا جائے اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے پھر طواف عمرہ کے چار پھیرے لگانے سے قبل حج کا احرام بھی باندھ لیا جائے۔ اگر طواف کے چار پھیرے لگانے کے بعد باندھا تو اس صورت میں قرآن نہ ہوگا بلکہ حج تمتع ہوگا وہ بھی اس حالت میں جبکہ عمرے کا طواف ایام حج میں واقع ہوا ہو بہ صورت دیگر نہ حج قرآن ہوگا نہ حج تمتع۔

تمتع اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھا جائے یا اس سے پہلے باندھا جائے لیکن طواف عمرہ کے بیشتر پھرے ایام حج کے آجانے پر کئے جائیں اس کے بعد حج کا احرام ایک ہی سفر میں باندھا جائے یا اس طور کہ عمرے کے بعد یا تو قطعاً اپنے مقام پر واپس نہ آیا ہو یا آیا ہو لیکن پھر مکہ میں دو باتوں کے لئے واپس آنا مطلوب ہو یعنی:

۱۔ قربانی بھیج دی ہو ایسی صورت میں یوم نحر سے پہلے تخیل ممنوع ہے۔

۲۔ یا سرمٹا آنے سے پہلے اپنے شہر میں آگیا ہو اور تکمیل کے لئے پھر حرم میں واپسی قطعی ہو کیونکہ خلقِ حلالہ حرم میں واجب ہے چنانچہ اگر کسی نے ہدی (قربانی کا جانور) روانہ کئے بغیر عمرہ کیا اور سر کے بال اتروائے بغیر اپنے شہر میں واپس آگیا تو اس کا احرام باقی رہے گا۔ پھر اگر خلقِ کرا کے بغیر واپس آگیا تو اس کا حج تمتع ہو جائے گا۔

**قرآن کے مسائل** اگر پہلے حج کا احرام باندھا پھر طواف قدوم سے پہلے عمرے کی نیت کر لی تو وہ بھی قرآن ہو جائے گا لیکن ناقص صورت میں اس کے لئے طواف قدوم کے بعد قربانی دینا ہوگی۔ تارن کا احرام میقات پر باندھا جائے یا اس سے پہلے وہ احرام صحیح ہو گا لیکن احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھنے پر قربانی لازم ہوگی بجز اس کہ احرام باندھ کر پھر وہاں لوٹ کر آئے جہاں میقات ہے تو قربانی واجب نہ ہوگی ہر چند کہ تارن کا ایام حج میں اور اس سے پہلے بھی احرام باندھنا درست ہے لیکن حج و عمرہ کے باقی اعمال کا ایام حج میں واقع ہونا ضروری ہے۔ سنت یہ ہے کہ حج قرآن کا احرام باندھنے کے لئے یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیدُ اَنْعَمْرَہٗ  
وَ اَلْحَجَّ فَاِیْتِرْهُمَا لِیْ وَ لِقَبْلَہَا  
بار الہا میں نے عمرے اور حج کا ارادہ کیا  
ہے ان کو میرے لئے آسان کر دے اور  
میرے عمرے اور حج کو قبول فرمائے۔

مستحب یہ ہے کہ نیت میں عمرے کا نام پہلے آئے اور واجب ہے کہ پہلے عمرے کے لئے مات پھیرے طواف کے کرے اور ابتدائی تین پھیروں میں رمل کرے یعنی شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز قدم چلے یہ طواف یا اس کے بیشتر پھرے لازمی طور پر ایام حج میں واقع ہوں طواف کے بعد عمرے ہی کے لئے سعی کی جائے عمرے کے اعمال یہاں ختم ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ حج کا

احرام بندھا ہوتا ہے اس لئے تحلل نہ کیا جائے یعنی سر نہ منڈایا جائے بلکہ اعمال حج سے فارغ ہونے تک توقف کیا جائے اگر اس سے پہلے سر منڈالیا تو دواہراموں کی خلاف ورزی ہوگی اور دو قربانیاں لازم ہوں گی۔ اعمال حج کی انجام دہی عمرے سے فارغ ہونے کے بعد شروع کی جائے۔

قرآن کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

۱۔ حج کا احرام عمرے کا طواف پورا کر لینے یا اس کے بیشتر پھیرے کرنے کے بعد باندھا تو وہ حج قرآن نہ ہوگا، لہذا عمرے کا پورا طواف یا طواف کے بیشتر پھیرے کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا چاہیے۔

۲۔ حج کا احرام اس وقت باندھا جائے جب عمرہ فاسد نہ ہوا ہو۔

۳۔ عمرے کا طواف وقوف بے عرفات سے پہلے کر لیا جائے اگر طواف نہ کیا اور زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف کر لیا تو عمرہ جاتا رہا اور قرآن باطل ہو گیا اور عمرے کی قربانی جو لازم تھی ساقط ہو گئی ہاں اگر طواف کے بیشتر پھیرے کر لینے کے بعد عرفہ میں وقوف کیا تو طواف زیارت سے پہلے باقی ماندہ پھیرے پورے کر لئے جائیں۔

۴۔ حج اور عمرہ دونوں مفسدات سے محفوظ ہوں مثلاً وقوف بعرفہ سے پہلے مفسد فعل سرزد ہو گیا اور طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے نہ ہوئے تو قرآن باطل ہو جائے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔

۵۔ عمرے کا طواف یا اس کے بیشتر پھیرے ایام حج کے اندر ہوئے ہوں مگر پہلے کئے گئے تو قرآن نہ ہوگا۔

۶۔ قرآن کرنے والا منجے کا باشندہ نہ ہو۔ منجے کے رہنے والے کا قرآن اس وقت درست ہوگا جب وہ ایام حج سے پہلے کسی اور علاقے میں چلا جائے۔

۷۔ وہ حج قوت نہ ہو اگر حج قوت ہو گیا تو وہ قارن نہ رہے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔ صحت قرآن کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اپنی اہل کے نمذ معمولی اختلاط بھی نہ ہو اگر کسی نے عمرے کا طواف کر لیا اور بغیر تحلل کے گھر واپس آ گیا تو قرآن باقی رہے گا۔

**تمتع کے مسائل** اگر حج تمتع کرنے والے نے قربانی کا جانور روانہ کرنے کے ساتھ عمرہ کیا  
بھر اگر قربانی یوم نحر تک ملتوی رکھی تو تمتع صحیح ہوگا اور قربانی کے سوا  
اس پر اور کچھ واجب نہ ہوگا خواہ واپس اپنے گھر آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ لیکن اگر ذبیحہ کرنے میں  
جلدی کی اور اپنے گھر واپس آگیا تو اس پر مطلقاً کچھ واجب نہیں ہے خواہ اس سال حج کرے  
یا نہ کرے لیکن تمتع باطل ہو جائے گا اور اگر اپنے گھر واپس نہیں آیا تو حج نہ کرنے پر کچھ واجب  
نہیں اور اگر حج کیا تو دو قربانیاں لازم ہیں ایک تو حج تمتع کی قربانی اور دوسری وقت سے  
پہلے تحلل کی قربانی۔

تمتع کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں مجملہ ان کے ایام حج میں عمرہ کا طواف، حج کے  
احرام سے پہلے طواف عمرہ یا اس کے پیشتر پھرے کر لینا، عمرے کا احرام حج کے احرام سے  
پہلے باندھنا، اپنے اہل کے ساتھ صحیح معنوں میں امام نہ کرنا، عمرہ اور حج کا فاسد نہ ہونا  
حج اور عمرہ ایک ہی سال میں کرنا، چنانچہ اگر عمرے کا طواف ایام حج میں کر لیا گیا لیکن حج  
دوسرے سال میں کیا تو یہ حج تمتع نہ ہوگا اگرچہ وہ گھر میں نہ آیا ہو اور اگلے سال تک احرام میں رہا  
ہو اور یہ کہ وہ مکے کا باشندہ نہ ہو لہذا اگر عمرہ کیا پھر مستقل طور پر پھرنے کا ارادہ کر لیا تو تمتع  
نہ ہوگا۔ اگر ایسا ارادہ نہ کیا تو حج تمتع ہو جائے گا۔ اور یہ کہ ایام حج آنے سے پہلے مکے میں بغیر  
احرام کے مقیم ہو تو بھی حج تمتع نہ ہوگا نہ ہی حکم اس صورت میں ہے کہ ایام حج آنے سے پیشتر مکے  
میں احرام کے ساتھ مقیم ہو لیکن طواف عمرہ کے پیشتر پھرے ایام حج کے علاوہ دنوں میں کئے ہوں۔  
تمتع کرنے والے کو چاہیے کہ عمرے کے اعمال سے فارغ ہو کر سر کے بال اُتر دے اگر حلال  
ہو جائے یعنی احرام کی پابندیوں سے الگ رہے پھر آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اس  
دن کو یوم ترویہ کہتے ہیں یہ دن اہل مکہ کے احرام باندھنے کا ہے اس احرام میں نویں تاریخ یعنی  
یوم عرفہ تک تاخیر جائز ہے بشرطیکہ عرفات میں وقوف کرنا وقت پر ممکن ہو۔  
حج قرآن اور حج تمتع دونوں صورتوں میں قربانی واجب ہے جو حجرہ عقبہ پر کنکریاں ماننے  
کے بعد کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

مَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْمَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَمَا لَفَظُهُ فَإِنَّهُ فِي الْحَجِّ

وَسَبْعًا إِذَا رَجَعْتَ إِلَيْكَ عَشْرًا كَامِلَةً

(بقرہ-۱۹۶)

اگر قربانی میسر ہو تو قرآن والے پر تمتع والے کی طرح قربانی واجب ہے اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے واجب ہیں ان کے علاوہ مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد یہ پورے دس روزے ہیں۔

تین دن کے روزے متواتر رکھنا افضل ہے، ایام حج کے اندر عمرے کا احرام باندھنے کے بعد اور مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد واجب ہیں ان کو بھی مسلسل رکھنا افضل ہے تین روزوں میں یہاں تک تاخیر کرنا جائز ہے کہ عید میں تین دن سے زیادہ باقی نہ رہیں یہ اس لئے کہ اگر ان ایام سے پہلے قربانی کا جانور میسر ہو جائے تو قربانی کی جائے روزہ رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے اگر تین دن کے روزے نہ رکھے گئے اور یوم نحر آگیا تو اب صرف روزے جائز ہیں قربانی نہیں کی جاسکتی۔

اگر قربانی کا مقدر نہ ہو تو حلال ہو جائے یعنی ممنوعات احرام سے سبکدوش ہو جائے۔ ایسے شخص پر دو قربانیاں ہیں گی ایک تو قرآن یا تمتع کی دوسری قربانی سے پہلے حلال ہو جانے کی۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حصر میں رہنے والے کو قرآن اور تمتع کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(سورہ بقرہ-۱۹۶)

ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَافِظًا السَّجْدَ الْقَوْلُ

یہ اُس کے لئے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے حدود میں نہ ہو۔

حاضرین مسجد حرام سے مراد وہ لوگ ہیں جو نوا قیت کے اندر اور حرم کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ ہدی کی تعریف ہدی و دو یا یہ جس کی قربانی حرم میں کرنا ہو یہ اونٹ گائے بھیڑ بکری سب ہو سکتی ہے اونٹ وہ جائز ہے جو پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو گیا ہو اور گائے بیل وہ جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل ہوں۔ بھیڑ بکری سال بھر سے کم کے جائز نہیں البتہ اگر بھیڑ اتنی فرہ ہو کہ آدھے سال کی بھیڑ اور سال بھر کے جانور میں فرق نہ معلوم ہوتا ہو تو آدھے سال کی بھیڑ بھی جائز ہے۔

**ہدی کی قسمیں** ہدی کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ قربانی ہے جو حج اور عمرے کے اعمال میں واجب ہے، جیسے تمتع یا قرآن کی قربانی اُس کو دم شکر کہتے ہیں اس میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو حج کے کسی واجب کے ترک ہو جانے پر لازم ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ قربانی ہے جس کے کرنے کی نذر مانی گئی ہو یہ نذر پوری ہونے پر واجب ہوتی ہے۔

تیسری قسم تطوع (نفسی قربانی) ہے جو احرام باندھنے والا بھی سمجھ کر کرے۔

**قربانی کے وقت اور جگہ کا بیان** قربانی کے تین دن مقرر ہیں: عبد کا دن اور اس کے بعد کے دو دن، یہ دن قرآن یا تمتع کی قربانی کے ہیں جسے جبر و عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ذبح کرنا چاہئے جو قربانی ایام نحر میں کی جائے اُسے منیٰ میں ذبح کرنا سنت ہے، اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ ذبح کیا جائے تو افضل جگہ مکہ ہے، البتہ نذر کی قربانی اگر ہندہ (اونٹ) ہو تو اُسے حرم میں ذبح کرنے کی پابندی نہیں ہے، قرآن اور تمتع کی قربانیوں کے علاوہ کسی اور قربانی کے لئے وقت کی بھی پابندی نہیں ہے، قرآن اور تمتع کی قربانی اگر ایام نحر کے بعد ذبح کی گئی تو اس تاخیر پر بھی قربانی لازم ہوگی۔

**قربانی کے گوشت میں سے کچھ کھانے کا بیان** قرآن اور تمتع کی قربانی جسے شکر یہ کی قربانی کہا جاتا ہے اس میں سے قربانی کرنے والے کو کچھ کھانا مستحب ہے، البتہ نذر کی قربانی کا گوشت کھانا قربانی کرنے والے کو جائز نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے اور فقرار کا حق ہے، اگر اُس میں سے کچھ کھالیا تو اس قدر گوشت کی قیمت فقیروں کو ادا کرنا چاہئے اور جس قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ تین برابر کے حصے کئے جائیں، ایک تہائی کھایا جائے، ایک تہائی صدقہ میں دیا جائے اور باقی ایک تہائی ہدیہ کے طور پر دیا جائے۔ اُس کی کھال اور ہڈی بھی صدقہ کر دی جائے ہدی کے جانور کا دودھ بھی جائز نہیں ہے، اگر اس کا دودھ لیا تو اس کی قیمت فقر کو دیدی جائے۔

**ہدی کی شرطیں** قربانی کے جانور میں ایسا عیب نہ ہو جس کے باعث قربانی جائز نہیں رہتی۔ کانا، اندھا، لکڑا اور ایسا ڈبلا جو چل نہ پائے یہ وہ عیوب ہیں جو قربانی کے



جانور میں نہ ہونا چاہئیں۔

**احصار اور فوات** احصار کے لغوی معنی رکاوٹ کے ہیں اور اصطلاح شرع میں محرم کو رکن حج ادا کرنے سے پہلے اعمال واجبہ کی بجا آوری میں رکاوٹ پڑنے کو کہتے ہیں، فوات اصطلاح شرع میں وقوف عرفہ سے رہ جانے کو کہتے ہیں۔ احصار یعنی اعمال حج کی بجا آوری سے روکنے والے اسباب دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) شرعی اسباب مثلاً ایک عورت احرام باندھنے کے بعد اپنے خاوند یا محرم سے محروم ہو جائے یا خاوند بیوی کو فضلی حج سے منع کر دے یا کوئی شخص اخراجات حج سے محروم ہو جائے اور پیدل سفر کرنے سے معذور ہو۔

(۲) حسی اسباب مثلاً کوئی دشمن اُس کو قید میں ڈال دے یا کوئی اور شے اعمال حج کو بحال لانے سے روک رکھے یا کوئی مرض اگرے تو حکم یہ ہے کہ قربانی کا جانور یا اُس کی قیمت کسی کے ہاتھ بھیج دے کہ اُس کی طرف سے حرم میں قربانی کر دے۔ اب قربانی ہو جانے تک تحمل ہوا نہیں ہوگا اگر ذبح ہونے سے پہلے منوعات میں سے کوئی امر سرزد ہو گیا تو اُس پر دہی کچھ واجب ہوگا جو احرام والے پر واجب ہوتا اگر اُسے رکاوٹ نہ ہوتی۔ اگر حج کی رکاوٹ جب پیش آئی تھی ہدی روانہ کرنے کے بعد دھو ہو گئی تو اب یا تو اعمال حج اور قربانی دونوں ادا کرنے کا موقع مل جائے گا یا دونوں میں سے کوئی ایک کام کیا جاسکے گا یا پھر دونوں میں سے کوئی عمل نہ ہو سکے گا، اگر پہلی صورت امکان میں ہو تو لازم ہے کہ اعمال حج کی تکمیل میں مصروف ہو جائے، اگر دوسری صورت ممکن ہو اور محض قربانی کا موقع مل سکے تو فوت شدہ اعمال حج کی طرف توجہ کرنا لازم نہیں اُسے چاہیے کہ عمرہ کے بعد حتمل کرے اور اگر اتنا موقع تھا کہ اعمال حج پورے کر سکے تو اُسے پورا کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ حتمل کر لیا جائے اگر تیسری صورت ہے کہ نہ حج کے اعمال بجالانے کا وقت ہے نہ قربانی کا تو عمرہ کر کے حتمل کر لے۔

اب رہا مسئلہ فوات کا یعنی عرفہ میں وقوف کا وقت گزر جانے کے بعد وقوف کیا تو چاہیے کہ طواف اور سعی کر کے حتمل کر لے اور آئندہ سال اس کی قضا کر لے اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

عبادات کی تین قسمیں ہیں:

**جج بدل**

(۱) محض بدنی عبادت جیسے نماز اور روزہ اس میں مال کو دخل نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا کے لئے نفس کو عاجزی اور قوتی میں ڈالنا ہے۔

(۲) محض مالی عبادت جیسے زکوٰۃ و صدقہ اللہ کے بندوں کی مالی امداد کرنا ہے۔

(۳) مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادت جج ہے جس میں طواف اور سعی خشتور و حضور بھی ہے اور اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرنا ہے۔

پہلی قسم کی عبادت میں اپنے بجائے کسی دوسرے کو عبادت کے لئے نائب بنانے کی گنجائش نہیں ہے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنی بجائے کسی اور کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے لئے کہے ایسا کہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی عبادت میں اپنا نائب کسی دوسرے کو بنانے کی گنجائش ہے، مال کے مالک کو جائز ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے یا اپنے مال میں سے صدقہ دینے کے لئے کسی اور کو نائب بنائے تیسری قسم کی عبادت (یعنی جج) میں تین امام علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس پر متفق ہیں کہ جج و عمرہ ایسے اعمال ہیں جن میں کسی دوسرے کو نائب بنایا جاسکتا ہے لہذا اگر کوئی شخص ان اعمال کو ادا کرنے سے عاجز ہے تو واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنائے جو اس کے بدلے میں جج کرے اس کو جج بدل کہتے ہیں۔

**جج بدل صحیح ہونے کی شرطیں** ۱۔ کوئی ایسی معذوری لاحق ہو جو بالعموم مرتے دم تک باقی رہے مثلاً ایسا مرض جس کے آرام ہونے کی امید

نہ ہو مثلاً نابینا ہو جانا یا کہنہ سالی کے سبب اعضائے جسم کا اس قدر ضعیف ہو جانا کہ طاقت بحال ہونے کی توقع نہ رہے اگر ایسا شخص کسی کو اپنا نائب بنادے کہ وہ اُس کی طرف سے جج ادا کرے تو یہ جائز ہے اور فریضہ جج اس معذور کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ لیکن ایسا مریض جسے شفا پانے کی امید ہو یا جو قید میں ہو اگر کسی کو نائب بنائے اور وہ نائب اُس کی جانب سے جج ادا کر لے، بعد میں وہ شفا یاب ہو جائے یا قید سے رہائی مل جائے تو فریضہ جج اُس کے ذمے سے ساقط نہ ہوگا۔

۲۔ حج کرنے والے کی طرف سے حج کی نیت کرنا بھی شرط ہے یعنی نیت یوں کرنا چاہیے کہ منان شخص کی طرف سے احرام باندھنا اور تلبیہ کرنا ہوں، یہ نیت دل میں کر لینا بھی کافی ہے، نائب نے حج کی نیت اگر اپنی طرف سے کی تو نائب بنانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔  
۳۔ جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے حج کے بیشتر اخراجات وہی برداشت کرے گا اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی ہو ہاں اگر کوئی ایسی وصیت نہ تھی بلکہ متوفی کے وارثوں میں سے کسی نے یا کسی دوست نے از خود نیکی کے خیال سے اس کی جانب سے حج کیا تو انشاء اللہ یہ حج اس کی طرف سے قبول ہو جائے گا۔

۴۔ حج کرنے کی کوئی اجرت مقرر نہ کی جائے حج کے اخراجات کے لئے جو رقم دی گئی ہے اگر اس میں اخراجات پورے نہ ہوں تو زائد رقم کا مصلحہ حج کرانے والے سے کیا جائے گا اور اگر اس میں سے کچھ بچ رہا تو حج بدل کرنے والے کو چاہیے کہ باقی رقم حج کرانے والے کو واپس کر دے، حج کی اجرت مقرر کر کے حج کرنا سرے سے جائز نہ ہوگا، اسی طرح دوسری عبادات میں بھی اجرت باطل ہے ہاں بعض ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً تعلیم دینے اذان بخونفتہ دینے اور امامت کرنے کی اجرت۔

۵۔ حج کرانے والے کی شرائط کے مخالف حج نہ کیا جائے۔ مثلاً حج افراد کے لئے کہا گیا اور اس کے بجائے حج قرآن یا حج تمتع کیا تو وہ حج کرانے والے کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ اور جو اخراجات ہوئے ہیں ان کو واپس کرنا ہوگا۔

۶۔ احرام ایک ہی باندھا جائے یعنی یہ نہ ہو کہ ایک احرام حج بدل کا اور دوسرا احرام اپنے حج کا باندھا تو دونوں میں سے کسی کا حج نہ ہوگا ہاں اگر حج بدل کر لیا پھر اپنی طرف سے عمرہ بھی کر لیا تو جائز ہے البتہ ادائیگی عمرہ کے اخراجات نائب کو اپنے مال سے کرنا لازم ہے۔ دو اشخاص کی طرف سے احرام باندھنا اور حج کرنا بھی درست نہیں ایسا کرنے پر وہ دونوں کے اخراجات حج کی واپسی کا ذمہ دار ہوگا۔

۷۔ حج بدل کرنے والا اور جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے دونوں کا مسلمان اور عاقل ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر حج واجب ہونے کے بعد جنوں لاحق ہوا تو کسی کو حج کے لئے روانہ کرنا درست

ہوگا، بشرطیکہ حج بدل کرنے والا صاحب شعور ہو۔ عورت اور غلام بھی حج بدل کر سکتے ہیں اور وہ شخص بھی جس نے اپنا فریضہ حج ادا نہ کیا ہو۔

۸۔ اگر حج بدل کرنے والے سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جو حج کو فاسد کر دے تو اگر یہ امر وقوف عرفہ سے پہلے سرزد ہوا تو اخراجات حج کی واپسی کی ذمہ داری حج بدل کرنے والے پر ہوگی اور اگر وقوف عرفہ کے بعد ایسا امر سرزد ہوا تو یہ ذمہ داری حاکم نہ ہوگی تاہم غلطی کا کفارہ حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے کیونکہ وہ خود اس کا سبب ہے البتہ احصاء کی صورت میں قربانی کے اخراجات حج کرانے والے پر ہوں گے کیونکہ احصاء میں حج بدل کرنے والے کو کچھ اختیار نہ تھا۔

**حج کرنے کی وصیت کو پورا کرنا** اگر کسی نے وصیت کی کہ وفات کے بعد اس کی طرف سے حج کیا جائے اور اس کے لئے اخراجات کی مقدار

اور مقام جہاں سے حج کے لئے جانا ہے متعین کر دیا ہے تو اس کے مطابق وصیت کو پورا کرنا واجب ہے اگر یہ دونوں باتیں متعین نہیں ہیں تو دیکھا جائے کہ اس کے مال متروکہ کا ایک تہائی حصہ حج کے اخراجات کے لئے کافی ہے۔ ۹۔ پھر جہاں سے حج کرنے میں وہ مال کفایت کرے وہاں سے حج کیا جائے۔ اگر کسی جگہ سے بھی وہ مال اخراجات حج کے لئے مکفی نہ ہو تو وصیت باطل متصور ہوگی۔

اگر ایک تہائی مال ایک سے زیادہ حج کے لئے کافی ہو اور متوفی نے ایک حج کی وصیت کی ہے تو باقی ماندہ مال وارثوں کا حق ہے اگر ایک حج کا تعین نہیں کیا تو اس مال میں جتنے حج ہو سکتے ہیں سب کو ایک سال ہی کر لینا اس سے افضل ہے کہ متعدد حج مختلف سالوں میں کرائے جائیں۔

**زیارت روضہ اطہر** ”روضہ مسجد نبوی میں ایک چوکور جگہ کا نام ہے یہاں جرنیلوں کی لکھ مراد ہے یعنی وہ ارض پاک جہاں نزول وحی ہوتا تھا انہاں سے دعوت حق دی جاتی تھی جہاں سے ہدایت کی روشنی ضلالت کے اندھیروں کو مٹایا کرتی تھی،

اخلاق فاضلہ کی تربیت دی جاتی تھی اور خیریت کی تبلیغ کی جاتی تھی حق و صداقت کی صدائیں گونجا کرتی تھیں، رسول اللہ کے خطبے جس ممبر سے سنے جاتے تھے وہ مجرہ جو آپ کی قیام گاہ تھا اور اب اہدی آرام گاہ ہے، یہ وہ حصہ زمین ہے جس کو خاص شرف اور برتری حاصل ہے اور زیارت کا اصل مقصد آخرت کے تصور کو تازہ کرنا ہے، اہل دل جب اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتے ہیں تو اگرچہ جسم اطہر بردہ خاک میں مستور ہے لیکن آپ کے معنوی وجود کی شہادت وہاں کا ذرہ ذرہ دیتا ہے کہ آپ یہاں بیٹھتے تھے یہاں آرام فرماتے تھے یہاں مناز بڑھتے تھے، یہاں وضو فرماتے تھے یہاں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے آپ کے فیوض و برکات وہاں جوں کے توں موجود ہیں جن سے زیارت کرنے والے کا دل فیض حاصل کرتا ہے، احکام رسالت کی بجا آوری کی طرف راغب اور رسول کی نافرمانی پر خرمسار ہوتا ہے یہ امر تقرب الہی کا ذریعہ ہے۔ وہ مسلمان جسے حج بیت اللہ کی توفیق ہوئی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے کے قابل ہے اگر زیارت سے محروم رہے تو اس کے دل کو قرار و سکون نہیں حاصل ہو سکتا اور صاحب مقدوکے لئے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ مکے میں حاضر ہو اور مدینے پہنچ کر نزول و حج کے مقامات اور دین حنیف کے سرچشموں کا مشاہدہ نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے اور اپنی قبر کی زیارت کی خود تاکید فرمائی ہے کہ مسلمانوں کا رشتہ محبت آپ سے ٹوٹنے نہ پائے آپ نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری مسجد کی زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا، ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا — ”جس نے میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی۔ مسجد قبا جس میں سب سے پہلی نماز باجماعت آپ نے پڑھی مسجد قبلتین جہاں قبلہ بدلنے کا حکم بارگاہ ایزدی سے صادر ہوا۔ ستون ابولبابہ جہاں آنھوں نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا یہاں تک کہ ان کی توبہ قبول ہوئی، ستون حنّانہ جس سے رونے کی آواز آتی تھی، جب آپ نے خطبہ دینے کے لئے منبر کو اختیار کر لیا تھا۔ بیعت اور احد جہاں بڑے بڑے عظیم صحابہ کے فرائزات ہیں یہ سب مقامات قلب و روح کے لئے وجہ سکون ہیں اور اللہ سے قرب پیدا کرنے والے ہیں۔

فقہاء نے آداب زیارت مقرر کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مکہ معظمہ سے طواف و دُاع کے بعد

مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جانا، تمام راستے کثرت سے سلام اور دو دُڑھتے ہوئے جانا،  
راستے میں جو مسجدیں آئیں اُن میں نماز ادا کرنا اور جب مدینہ منورہ کی فصیل نظر آئے تو یہ کہنا،

اَللّٰهُمَّ هَذَا حَرَمٌ بَلَدُكَ فَاجْعَلْهُ  
وَقَايَةَ لِيْ مِنَ النَّاسِ وَاَمَانًا  
مِّنَ الْعَذَابِ وَسُورَةَ الْحِسَابِ۔  
اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اس  
کی برکت سے مجھے جہنم کی آگ سے بچالے  
اور عذابِ سختی سے اس میں رکھ۔  
مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں قدم اندر رکھے اور کہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی  
اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اعْظِرْنِيْ  
وَاَنْتَ لِيْ اَبْوَابُ  
رَحْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ  
الْيَوْمَ مِنْ اَوْجِهٍ مَنْ  
تَوَجَّهَ اِلَيْكَ وَاَقْرَبُ مَنْ  
تَقَرَّبَ اِلَيْكَ وَاَنْجَحُ مَنْ  
اَعَالَ وَاَتَّبِعْ مَرْضَاتِكَ  
اے اللہ محمد پر اور ان کی آل پر رحمت  
کاملہ نازل فرما، بار البائیسے گناہوں  
کو معاف فرما اور میرے سامنے اپنی  
رحمت کے دروازے کھول دے یا اللہ اس  
دن کو تیری طرف متوجہ ہونے والوں میں  
بہترین توجہ کا دن اور تیرا قرب حاصل کرنے  
والوں میں بہترین قرب حاصل کرنے کا  
دن بنا دے جس نے تیری ذات پر  
بھروسہ کیا اور تیری رضا پر جلاوہ نجات پالیا۔

پھر منبر کے پاس دو رکعت پڑھے، منبر کا ستون دائیں شانے کے محاذ میں ہے کہ کوئی نبی علیہ السلام  
یہاں کھڑے ہوتے تھے، یہ جگہ قبرِ شریف اور منبر کے درمیان ہے، نماز کے بعد جو دعا چاہے  
مانگے پھر وہاں سے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جانب آئے، سر ہانے کی طرف  
قبلہ رو کھڑا ہو پھر قبر سے تین چار ہاتھ کے فاصلے پر پہنچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے، قبر  
کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے، ادب سے کھڑا ہو۔ حضور کا تصور کرے گویا آپ مرقد میں استراحت  
فرما ہیں اور اس کی موجودگی کو جانتے اور بات کو سن رہے ہیں، پھر سلام پڑھے جس کی  
آواز زیادہ اونچی ہو نہ دھیمی۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ  
اے اللہ کے نبی آپ پر سلام اور اللہ

وَسَرَّحَنَ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ أَشْهَدُ  
 أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَدْ  
 تَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّيْتَ  
 الْأَمَانَةَ وَنَقَضْتَ الْأُمَّةَ  
 وَجَاهَدْتَ فِي أَمْرِ اللَّهِ حَتَّى  
 قَبِضَ اللَّهُ سَوْطَكَ حَبِيبُ  
 مُحَمَّدٌ وَأَفْجَزَكَ اللَّهُ  
 عَنْ صَغِيرِنَا وَلَكَبِيرِنَا حَبِيبُ  
 الْجَنَّةِ وَصَلِّ عَلَيْكَ أَفْضَلَ  
 الصَّلَوةِ وَأَتَمَّاهَا وَأَتَمَّ  
 التَّحِيَّةِ وَأَتَمَّاهَا اللَّهُمَّ  
 اجْعَلْ مِثْلَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَقْرَبَ  
 الشَّيْئِ وَأَسْقِنَا مِنْ كَأْسِهِ  
 وَأَمْرُؤُنَا مِنْ شَفَاعَتِهِ وَلَجْعَلْنَا  
 مِنْ مُرْتَقَاهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ هَذَا الْخَرَاءَ  
 الْعَهْدَ يَقْبَلُ مِثْلَنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ  
 وَأَمْرُؤُنَا الْعَوْدَ إِلَيْهِ يَا كَلْبَلًا  
 وَالْوَكْرَامَ۔

کی رحمت اور برکتیں ہوں ہیں گوہ ہوں کہ  
 بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ  
 نے رسالت کا حق پورا کر دیا، اللہ کی  
 امانت ادا فرمادی اُمّت کو نصیحت فرمائی  
 اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے یہاں  
 تک کہ اللہ نے آپ کی قابل ستائش  
 اور محمود روح کو اپنے پاس کھینچ لیا اللہ  
 آپ کو جہنم کے خیر عطا فرمائے، ہم اے تمام  
 چھوٹوں بڑوں کی طرف سے اور بہترین  
 اور پاکیزہ درد و رحمت اور کامل ترین  
 سلام آپ پر ہو۔ اے اللہ ہمارے  
 نبی کو قیامت کے دن سب سے زیادہ  
 قرب عطا فرما اور ان کے جام سے ہم کو  
 ایسا پانی پلا کہ اس کے بعد پیاس نہ  
 لگے اور ہمیں ان کی شفاعت نصیب کر اور  
 قیامت کے دن ان کے ساتھ والوں  
 میں شامل کر دے، اے اللہ نبی کی بقا  
 پر ہماری یہ حاضری آخری حاضری نہ بنا  
 بلکہ اے بڑی شان اور بڑی عزت والے

ہیں پھر ان کے پاس لوٹ کر آنے کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد اس کا سلام پہنچائے جس نے سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو اس کے لئے  
 یوں کہے :-

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اے رسول اللہ آپ پر فلاح ابن فلاح

من فلان ابن فلان لیستشفع  
 بک الی مرہبک فاشفع لہ  
 ولجميع المومنین۔  
 پھر جدھر حضور کا چہرہ ہے اُس طرف قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوا اور جو درود چاہے  
 پڑھے پھر راتھ بھر مرہب کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے سامنے آجائے اور کہے :  
 اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا خَلِیْفَةُ رَسُوْلِی اللّٰہِ  
 اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِی اللّٰہِ فِی  
 الْغَاۤیِبِ اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا رَیْفَةَ فِی الْاَسْفَافِ  
 اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا اَوَّلَیْنَهُ فِی الْاَسْوَارِ  
 جَزَاكَ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا حَزَنَی اِمَامَنَا  
 عَنْ اُمَّتِهِ نَبِیِّہِمْ وَلَقَدْ خَلَفْتَهُ  
 بِاَحْسَنِ خُلَفَیْ وَ سَلَّكَ طَرِیْقَهُ  
 وَمِنْہَا جَعَلَهُ خَیْرَ مَسْلُوْبٍ وَ  
 قَاتَلْتَ اَہْلَ الْبَرْدَةِ وَالْبُدُوعِ  
 وَمَهَّدْتَ الْاِسْلَامَ وَوَصَلْتَ  
 الْاُمَرَاءَ وَلَمْ تَزَلْ قَائِمًا  
 لِلْحَقِّ نَاصِرًا لِّاَہْلِہِ حَتّٰی  
 اَنَّا کَ الْیَقِیْنُ اَسْلَامٌ عَلَیْكَ  
 وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہِ اَللّٰہُمَّ  
 اٰمِنَّا عَلٰی حُیْبِہِ وَلَا تُجَبِّ سَعِیْنَا  
 فِی نَرَاۤیَا تَبِہِ بِرَحْمَتِکَ یَا کَرِیْمُ  
 کی جانب سے سلام ہو وہ بارگاہ خداوندی  
 میں آپ کی شفاعت کا طالب ہے اس  
 کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔  
 لے خلیفہ رسول اللہ آپ پر سلام ہو لے خدا  
 میں رسول اللہ کا ساتھ دینے والے آپ پر  
 سلام ہو اور حضور کے شریک سفر رہنے  
 والے آپ پر سلام ہو اسرا نبوت کے امین  
 آپ پر سلام ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف  
 سے بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کی  
 امت سے امام قوم کو پہنچی ہو آپ نے رسول اللہ  
 کی خلافت کا حق بطریق احسن ادا فرمایا آپ  
 نے ان کا طریقہ کار اور اٹھیں کا اسلوب  
 اختیار فرمایا، آپ نے مردوں اور باغیوں  
 سے جنگ کی، اسلام کو پھیلایا ارشہ داروں  
 میں میل ملاپ کر لیا اور ہمیشہ حق پر قائم  
 اور اہل حق کے معاون بنے یہاں تک کہ  
 امر ناگزیر آپ پہنچا آپ پر سلام ہو اور اللہ کی  
 رحمت اور برکتیں نازل ہوں لے اللہ ان  
 کی محبت میں ہمیں موت لائے اسے کریم ان کی  
 نیابت کی ہماری کوششوں کو رائیجاں نہ فرما۔



اس کے بعد وہاں سے ہاتھ بھرٹ کر طرعر رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف آنا چاہئے وہاں بیروں  
کہنا چاہئے:

اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ  
اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا مُظَهِّرَ الْاِسْلَامِ  
اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا مُكَيِّمَ الْاِفْضَالِ  
حَبْرًاكَ اللهُ عَنَّا اَفْضَلَ الْخَيْرِ  
وَمَرْضَى اللهِ عَنْهُمْ اسْتَخْلَفَكَ  
فَعَدَّ لَصْرَتِ الْاِسْلَامِ  
وَالْمُسْلِمِيْنَ حَيًّا وَمَيِّتًا فَكَلَّمْتَ  
الْاَبْنَاءَ وَوَصَلْتَ الْاَرْحَامَ  
وَقَوَّيْتَ رِيْقَ الْاِسْلَامِ وَكُنْتَ  
لِلْمُسْلِمِيْنَ اِمَامًا مَرْضِيًّا وَ  
هَادِيًا مَهْدِيًّا جَمَعْتَ مِنْ  
سَمْلِهِمْ وَ اَعْيَنْتَ فَقِيْرَهُمْ  
وَحَبَّرْتَ كَسْرَهُمْ اَسْلَامٌ  
عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ  
بَرَكَاتُهُ۔

اے امیر المؤمنین آپ پر سلام ہو۔ اے  
اسلام کے پشت پناہ آپ پر سلام ہو اے  
بتوں کے ٹوڑنے والے آپ پر سلام ہو۔  
لہٰذا آپ کو ہماری طرف سے سب سے بہتر  
اجر عطا فرمائے اور اس سے راضی ہو جس  
نے آپ کو خلیفہ بنایا۔ بلاشبہ آپ نے  
اسلام اور مسلمانوں کی حیات و موت میں تھمت  
کی، آپ نے یتیموں کی خبر گیری فرمائی، باہمی  
تعلقات کو جوڑے رکھا، آپ کے ذریعے  
اسلام کو تقویت حاصل ہوئی، آپ مسلمانوں  
کے محبوب امام اور ہدایت یافتہ راہنما  
تھے، آپ نے مسلمانوں کے انتشار کو دور  
فرمایا، ان میں جو نادار تھے انھیں غنی کر دیا  
ان کی خستہ حالی کا علاج کیا، آپ پر سلام  
ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں  
نازل ہوں۔

اس کے بعد پہلے کی طرح حضور کے سر ہانے کھڑے ہو کر اللہ سے یوں دُعا مانگئے:

اے اللہ تو نے ارشاد فرمایا ہے اور توحید بات  
ہی فرماتا ہے کہ اگر اپنے نفس پر ظلم کرنے والے  
دگنا ہنگام (تہارے) (رسول کے) پاس آئیں  
اور اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلَكَ  
الْبَعْدُ وَكَذُوْا اِنَّهُمْ ظَلَمُوْا  
اَنْفُسَهُمْ جَاوُزْ فَاسْتَغْفِرُوْا  
اَللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

مَوْجِدٌ وَاللّٰهُ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ه  
 وَتَذٰرِئَاتُكَ سَامِعِيْنَ قَوْلِكَ  
 طَائِفِيْنَ اَمْرِكَ مُتَشَفِّعِيْنَ نَبِيِّكَ  
 رَبَّنَا اَعِزَّنَا وَلَا تُخَوِّنَا  
 الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ  
 وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًا  
 لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ  
 سَرُوْتُ رَّحِيْمٌ رَبَّنَا اِنَّا  
 فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَّ فِي  
 الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ  
 النَّارِ سُبْحَانَ رَبِّكَ  
 رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ  
 وَسَلَامٌ عَلٰى الْمُرْسَلِيْنَ  
 وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ  
 الْعٰلَمِيْنَ۔

ان کے لئے اللہ سے مغفرت مانگیں تو وہ  
 دیکھیں گے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور  
 رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ ہم تیرے  
 قول کو غور سے سنتے ہوئے تیرے حکم کو ماننے  
 ہوئے تیرے نبی کو شفیع بناتے ہوئے حاضر  
 ہوئے ہیں اے ہمارے پروردگار ہماری  
 اور ہمارے بھائیوں کی جو ہم سے پہلے  
 ایمان لائے مغفرت فرما اور ہمارے دل  
 میں ایمان والوں کے لئے خلوص پیدا کر  
 اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحم  
 کرنے والا ہے، اے رب ہمیں دنیا اور  
 آخرت میں خیر (بجائی) عطا فرما اور دوزخ  
 کے عذاب سے بچالے تیری ذات پاک ہے  
 تو ہر گہی اور خامی سے مبرا ہے جو لوگ تیری  
 طرف منسوب کرتے ہیں سب رسولوں پر  
 سلام ہو، تعریفیں اسی کو شایان ہیں جو  
 تمام دنیا کا پالنے والا ہے۔

پھر ستون حضرت ابولبابہؓ کے پاس آئے اور مقامِ روضہ پر آئے اور منبر کے پاس آکر  
 رمانہ پر ہاتھ رکھے، پھر ستونِ حنّانہ پر آئے ان سب جگہوں پر نماز پڑھنا تسبیح و ثنا اور  
 درود پڑھنا اور دعا کرنا چاہیے پھر جنت البقیع میں صحابہ اور تابعین اور اہلِ اہمات المؤمنین  
 کی قبروں کی زیارت کرے، شہدائے بدر و احد کے مزاروں پر حاضر ہو اور کہے :

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ یٰمَآ صَبْرَتُمْ  
 فَنِعْمَ عَقِبٰی الدَّارِ سَلَامٌ  
 اے اہلِ قبور وہ صبر و استقامت جس کا  
 مظاہرہ تم نے کیا اس پر تمہیں سلام ہو

عَلَيْكُمْ دَاسَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ      دار آخرت کیسی اچھی جگہ ہے ایمان والوں  
وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ      کی اس اقامت گاہ پر سلام ہو ہم بھی  
لَاحِقُونَ۔      النصار اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔

ہفتہ کے دن مسجد قبا پر آنا مستحب ہے اور یہ دُعا مانگنا چاہیے:

يَا صَرِيحَ الْمُسْتَخْرَجِينَ      لے پکارنے والے کی پکار کو سننے والے  
وَيَا عِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ      اے فریادوں کی فریاد رسی کرنے والے  
يَا مُفْرَجَ كَرْبِ الْمَكْرُوبِينَ      لے بٹلا کے مصیبت کی دور کرنے والے  
وَيَا مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّينَ      اے عاجزوں کی دُعا میں قبول کرنے  
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ      والے حضرت محمد اور اُن کی آل پر رحمت  
وَاجْعَلْ كَرْمِي وَحَرْثِي      کاملہ نازل فرما اور میرے غم و الم کو  
كَمَا كَسَفْتَ عَنْ رَسُولِكَ      اس طرح دور فرما جس طرح تو نے لے  
كَرْبَهُ وَحَرْثَهُ فِي هَذَا      کریم، اے شفیق اور لے صاحب خیر کثیر  
الْمَتَامِ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ      اور اے محسن بے زوال اور اے رحم  
يَا كَثِيرَ الْمَعْرُوفِ يَا دَائِمَ      کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے  
الْإِحْسَانِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ      تو نے اپنے رسول کے حزن و تکلیف کو اس  
جگہ دور فرمایا تھا۔

مستحب یہ ہے کہ جب تک مدینے میں رہے تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کی جائیں واپسی  
کے وقت دو رکعت نماز دو اراع مسجد میں ادا کی جائے اور جو مرد وہاں کے لئے دُعا کی جائے اور  
پھر حضور کی قبر مبارک پر آکر دُعا کی جائے اللہ دُعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

اُضحیہ کا بیان یعنی قربانی کا      اُضحیہ اُس چوپائے کو کہتے ہیں جو ایامِ نحر میں بغرض حصول  
ثواب ذبح یا نحر کیا جائے۔

قربانی کا حکم      قربانی کا حکم سترہ ہجری میں ہوا اسی سال عید میں مال کی زکوٰۃ اور  
صدقہ فطر بھی مشروع ہوا، قرآن حدیث اور اجماع سے اس کا شرعی حکم ہونا

ثابت ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اپنے پروردگار کی نماز پڑھ اور قربانی کر (سورہ بقرہ میں ہے۔  
 اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے،

ضعی النبی صلی اللہ علیہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو میٹھے ایلچ
وسلمہ ہلبشین املحین	(سفید رنگ کے) اور اُقرن (اوسط درجے
اقرنین ذبحہما بیدہ	کے سینگوں والے) اپنے ہاتھ سے ذبح کئے
وسمی وکبر ووضع رجلہ	اللہ کا نام لے کر تکبیر کہہ کر اور اپنا پاؤں
علی صفا جہما۔	اُن کے پہلوؤں پر رکھ کر

اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، قربانی کرنا سنت ہوگدہ ہے اس لئے حنفی  
 علماء واجب قرار دیتے ہیں، شافعی علماء گھر بھر میں ایک آدمی کے لئے سنت عین کہتے ہیں۔

اس کے سنت ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قربانی کرنے والا  
 شرائط قربانی صاحب مقدر ہو لہذا جو شخص عاجز ہے اُس کے لئے قربانی سنت نہیں

ہے، صاحب مقدر وہ ہے جو قربانی کی قیمت دے سکتا ہو اور اس کی آمدنی اتنی ہو کہ ایک  
 مہینہ کا خرچ نکل آئے۔ قربانی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور عیب سے خالی ہو،  
 یعنی کانایا اندھا اور ایسا لگتا نہ ہو جو قربانی کی جگہ تک نہ جا سکے، کان کٹا ہو، دم کٹی ہوئی  
 نہ ہو، ایک تہائی سے زیادہ بکیتی غائب نہ ہو۔ دانت سارے شکستہ نہ ہوں۔ بوجے جانور کی  
 قربانی اور ایسے جانور کی قربانی جس کے تھن کا سر کٹا ہوا ہو صحیح نہیں ہے۔ ہمارے یہی جس جانور  
 کے سینگ قدرتی طور پر نہ ہوں اور عظام وہ جانور جس کا سینگ کسی قدر ٹوٹ گیا ہو جڑ سے نہ ٹوٹا  
 ہو تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ بھیڑ بکری کی جو سال بھر سے کم ہو قربانی درست نہیں ہے  
 البتہ بھیڑ اگر بھاری جسم کی فریہ ہو اور چھ ماہ کی ہو کر ایک سال والوں سے کم نظر نہ آتی ہو اُس  
 کی قربانی جائز ہے لیکن بکری جب تک دوسرے سال میں نہ لگ جائے اُس کی قربانی جائز  
 نہیں ہے لگائے اور بھینس دو سال سے کم عمر کی اور اونٹ پانچ سال سے کم عمر کا چھوٹی عمر کے  
 جانور ہیں، ان کی قربانی درست نہیں ہے، جب تک گائے بھینس تیسرے سال میں اور اونٹ  
 چھٹے سال میں نہ لگ جائے انھیں قربانی کے جانوروں میں شامل نہ کیا جائے، بھیڑ اور بکری

کی قربانی صرف ایک شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے لیکن اونٹ اور گائے میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی قیمت میں ہر ایک کا حصہ ساتواں ہو اگر کسی نے ساتویں حصے سے کم دیا تو قربانی جائز نہ ہوگی۔

قربانی صحیح ہونے کی ایک شرط قربانی کا مقررہ اوقات میں ہونا ہے، قربانی کا وقت یوم نحر (جس کو عید کا دن کہتے ہیں) کے طلوع فجر کے بعد سے ہوتا ہے، اور تیسرا دن ختم ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، شہر میں رہنے والوں کو نماز عید کے بعد قربانی کرنا چاہیے اور افضل یہ ہے کہ خطیبہ عید کے بعد ہوا اگر عید کی نماز اُس آبادی میں نہ ہوتی ہو تو قربانی میں اتنی دیر کرنا چاہیے کہ نماز عید کا وقت ختم ہو جائے، نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال آفتاب تک ہے لہذا اس کے بعد ذبح کرنا چاہیے البتہ دیہات کے لوگ یوم نحر کی صبح نمودار ہونے کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر عید کے دن کے متعلق غلط فہمی ہو جائے لوگ نماز بھی پڑھیں اور قربانی بھی کر لیں پھر پتہ چلے کہ وہ عید کا دن نہیں عرفہ کا دن تھا تو نماز اور قربانی دونوں جائز تصور ہوں گی۔

اگر قربانی کے لئے جانور تو لے لیا گیا لیکن اُسے ذبح نہیں کیا جاسکا یہاں تک کہ وقت نکل گیا تو چاہیے کہ اُس کو زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔

**قربانی کرتے وقت بسم اللہ کہنا** بسم اللہ کہنا ہر قسم کے ذبیحہ کا گوشت حلال ہونے کی شرط ہے، اسمیہ قربانی کے جانور کو بلکہ ہر ذبیحہ کو ذبح کرتے وقت لازم ہے اگر قصد ترک کیا گیا تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا ممنوع ہے ہاں اگر کھولے سے ترک ہو گیا تو کھایا جاسکتا ہے لیکن اللہ کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرنا ذبیحہ کا کھانا حرام کر دیتا ہے۔

**قربانی کے مستحبات اور مکروہات** قربانی کا گوشت کھانا، بچا کر رکھنا اور صدقہ کرنا مستحب ہے، افضل یہ ہے کہ ایک تنہائی صدقہ کیا جائے، ایک تنہائی اپنے لئے بچایا جائے باقی ایک تنہائی رشتہ داروں اور احباب کے لئے نکالا جائے۔ نذر کی قربانی کا کھانا مطلقاً حرام ہے وہ صدقہ کر دینا چاہیے جو بچہ قربانی



وَالسَّلَامُ۔

والسلام کی طرف سے قبول کیا تھا۔

اگر اونٹ گائے یا بیل ہے جس میں کئی آدمی شریک ہیں تو سب کا نام لے کر یوں کہے۔  
تَقْبَلُ مِنِّي وَمِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ۔ اگر کسی کو دوا یا دہ نہ ہو تو دل میں نیت  
کہے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۳)

**ذکات (جانور کی قربانی کا طریقہ)** معنی ہیں جانور کو جس کا گوشت کھانا ہمارے جو  
ذبح کرنا، خمر کرنا یا عقر کرنا۔ خراونٹ کو نیزہ مار کر ذبح کرنے کو کہتے ہیں اور عقر ہن یا نیل  
گائے وغیرہ جانور کو زخم لگا کر ذبح کرنے کو کہتے ہیں یہ عمل ایسے جانوروں پر کیا جاتا ہے جو  
پالتو نہ ہوں یا وہ بھیڑ بکری گائے بیل جو بدک کر بے قابو ہو جائے، تو اس پر تیر چلانا اور خون  
بہانا جائز ہے۔ خون کے بہنے سے اگر وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اسی طرح اگر  
اونٹ بھاگ جائے اور اُسے پکڑا نہ جاسکے یا جانور کسی پر حملہ کرے اور وہ اپنی حفاظت کے  
لئے اُس پر وار کر دے تو وہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ زخم کھا کر اور خون کے بہنے سے ہلاک  
ہوا ہو اگر کوئی جانور کنویں میں گر گیا اور اُسے ذبح کرنا دشوار ہے لیکن تیر چلا کر زخمی کیا جاسکتا  
ہے تب بھی اس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ زخم سے ہی مرا ہو۔ گائے کے بچہ پیدا ہوا اب اگر  
کسی نے اُسے ذبح یا زخمی کر دیا تو وہ حلال ہو گا اور اگر نہ تو ذبح کیا اور نہ زخمی تو وہ بچہ حلال  
نہیں ہو گا خواہ اس کی ماں کو حلال کر دیا جائے۔ گردن جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں  
سے سینے کی ابتدا تک کسی جگہ بھی ذبح کیا جائے، بہ ایسی طور کہ دونوں شہر رگیں جو جبین  
کہتے ہیں کٹ جائیں۔ اسی طرح نر خرہ یعنی سانس لینے کی نالی اور مری (کھانے پینے کی نالی)  
بھی کٹ جانا چاہیئے ان چاروں یعنی دو جبین نر خرہ اور خوراک کی نالی میں سے تین کے کٹ  
جانے سے فعل ذبح پورا ہو جاتا ہے بعض اصحاب کے نزدیک سانس اور خوراک کی دونوں  
نالیوں اور ایک شہر رگ کا کٹنا ضروری ہے۔

جب تک جانور کی جان نکل نہ جائے نہ اُس کا کلا جسم سے علیحدہ کیا جائے نہ کھال کھینچی  
جائے بلکہ اُس کو پچلے رہنا چاہیئے۔ ذبح صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو تو ذبیحہ کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ وہ کتابی جو ذبح کے وقت مسیح کا نام لیتا ہے اُس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ بت پرست، مجوسی (آتش پرست) اور مرتد کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور اور دروڑیوں کا ذبیحہ جو کسی الہامی کتاب کو نہیں مانتے حلال نہیں ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس جانور کا ذبح کیا جائے وہ علاقہ حرم کا شکار کردہ نہ ہو۔ علاقہ حرم کا شکار کیا ہوا جانور ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ کہ تسمیہ میں خالص اللہ کا نام لیا گیا ہو اور قصد ترک نہ کیا گیا ہو اور ذبح کرنے والے نے خود تسمیہ کیا ہو اور تسمیہ کہنے کے بعد اُس جگہ سے بٹے بغیر وہیں جانور کو ذبح کیا گیا ہو۔ اللہ یا الرحمن سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے بھی تسمیہ ہو جاتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ اکبر کہے اگر اللہ کا نام دُعا کے ساتھ لیا جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ تَوْذِيْہِمَ حَلَالٌ نہ ہوگا۔

۴۔ کند چھری سے ذبح کرنا یا ایسی شے سے جو وقت سے کھال اور رگوں کو کاٹ سکے یا دانت یا ناخن سے ذبح کرنا حلال نہیں ہے۔

۵۔ اگر کسی بزرگ کے نام پر اُس کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کیا یا اُس کی بزدگی کے خیال سے نحر کیا تو وہ ذبیحہ نہ کھایا جائے کیونکہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جاتا ہے۔





# معاشرت

\_\_\_\_\_ نکاح

\_\_\_\_\_ رضاعت

\_\_\_\_\_ طلاق

\_\_\_\_\_ عدت

\_\_\_\_\_ وصیت و وراثت



## اسلام کے معاشرتی احکام

اقوام و ملل کی تہذیب اور ان کا تمدن معاشرے کے ذہنی اور علیٰ صلاہنتوں کا عکس ہوتا ہے۔ کسی ملک یا ملت کے تہذیب و تمدن کی برتری اور تفوق معاشرے کی صلاح اور پاکیزہ طرز زندگی پر موقوف ہے۔ بگڑا ہوا معاشرہ تہذیب و تمدن کے انحطاط کا سبب ہوتا ہے اور صالح معاشرہ پاکیزہ اخلاق و فضائل سے رغبت اور مذاک سے اجتناب کر کے بنتا ہے اور یہ صالح معاشرہ ہی قوم و ملت کو اوپر اٹھاتا، اعلیٰ تمدن اور بہترین تہذیب کی تشکیل کرتا ہے۔

اسلام کے معاشرتی احکام تمام تر اسی مقصد کے لئے ہیں کہ انسانوں میں انس و محبت کے فطری عوامل کو بروئے کار لایا جائے، دشمنی اور عداوت کے سوتوں کو بند کیا جائے، امن و سلامتی اور رحمت و شفقت کا ماحول پیدا کیا جائے، فسادات اور ظلم و استبداد کی یج کنی کی جائے، آفاقی اور غلامی، اوپنچ اور نیچ کے تصورات کو یکسر مٹا دیا جائے۔ فرد تنی اور خاکساری کو محمود اور کبر و نفوت کو مذموم قرار دیا جائے۔ آپس میں خیر خواہی کے جذبات کو ابھارا جائے، غیظ و غضب اور خود بینی کے داعیات کو دبایا جائے۔ اسلام نے ہر فرد و ملت پر لازم کر دیا کہ جب ایک دوسرے سے ملے تو سلام کرنے میں سبقت کرے کیونکہ جذبہ خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لئے امن و سلامتی اور مضرتوں سے محفوظ رہنے کی تمنا کرے۔ یہ جذبہ خیر سگالی اپنے ماں باپ اور اہل و عیال اور رشتہ داروں کے ساتھ اور زیادہ شدید ہوتا کہ ایسا مثالی

خاندان تشکیل پائے جس کی شیرازہ بندی محبت و مودت کے مضبوط بندھنوں سے کی گئی ہو ، اسلام کی نظر میں خاندان کا نظام اور افراد خاندان کا باہمی تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ پاکیزہ اور عمدہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ حسن معاشرت کے سلسلے میں شریعت اسلامی نے جو ہدایات دی ہیں اُن کو عبادات کی طرح اجر و ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے معاشرتی احکام میں اسلام ایک طرف خاندان سے باہر اہل وطن اور برادر ملت سے اخوت اور خیر خواہی کے رشتے کو مضبوط کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور دوسری طرف خاندان کے اندر تعلق کی استواری کے لئے قانون اور حقوق کا تعین کرتا ہے۔

## سلام کو عام کرنے کا بیان

”سلام“ کے معنی سلامتی کے ہیں۔ کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو گو زیادہ اس کو نقصان دہ چیز سے محفوظ رہنے کی دعا دیتا ہے۔ سلام کا طریقہ جی نوع انسان کے درمیان امن کا اعلان اور ایک اسلامی معاہدہ ہے جس میں لوگ باہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک اپنے بھائی کی جان اور آبرو مال اور عزت پر ناحق دراندازی سے باز رہے گا، شرارتوں سے محفوظ رہے گا اور پاکدامن کو یقینی بنائے گا، رفاقت و محبت اور باہمی اعانت کا برتاؤ کرے گا۔ سلام کے ان ہی محاسن کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا ”اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ“ — ”کون سی بات اسلام کی نظر میں اچھی ہے؟“ ارشاد ہوا۔ ”تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مِنْ لَمْ تَعْرِفْ“ (بخاری و مسلم)

”یعنی کھانا کھلایا کرو اور سلام کیا کرو جس سے تم واقف ہو اُس کو بھی اور ناواقف کو بھی“

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

لَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُوْمِنُوْا ، وَلَنْ تُوْمِنُوْا حَتّٰی تَعَابُوْا ، اِلَّا اَدُّوْهُ

عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمْ وَا تَعَابَبْتُمْ ، اَفْشَاوُا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔ (مسلم)

ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے جب تک تم مومن نہ بن جاؤ، اور ایمان والے کبھی نہ بنو گے جب تک باہم محبت نہ کرو۔ کیا تمہیں وہ بات نہ بتاؤں اگر اس پر عمل کرو تو باہم محبت

کرنے لگو گئے وہ بات یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنا عام کر دو۔

سلام میں پہل کرنا اور سلام کا جواب دینا سلام میں پہل کرنا عین سنت ہے ایک فرد کے لئے اور اگر جماعت ہے تو سنت کفایہ ہے، یعنی اگر جماعت میں سے ایک آدمی نے سلام کر لیا تو سب کی طرف سے سلام کی سنت ادا ہو گئی، لیکن سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے سب کا سلام کرنا بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی سوار کی ملاقات بیابان میں پیدل چلنے والے سے ہو تو سوار پر لازم ہے کہ وہ سلام کرے تاکہ پیدل چلنے والا مطمئن ہو جائے۔

سلام کی ابتدا کرنے والا دو طرح سے سلام کے الفاظ ادا کر سکتا ہے: السلام علیکم اور سلام علیکم۔ پہلا طریقہ افضل اور مسنون ہے خواہ وہ ایک شخص ہو یا کئی ہوں، سلام کی ابتدا علیک السلام سے کرنا مکروہ ہے۔

سلام کا جواب دینا فرض عین ہے ایک فرد کے لئے۔ اور جماعت کے لئے فرض کفایہ ہے یعنی ایک کا جواب سب کی طرف سے کافی ہے۔ سلام کا جواب فوراً دینا چاہیے تاخیر گناہ ہے۔ جواب اس طرح دیا جائے کہ سلام کرنے والا سن لے، اگر نہیں سنا تو فرض ادا نہیں ہوا اگر بالفرض وہ بہر اسے تو وہ اشارے یا لبیوں کی جنبش سے سمجھ سکے گا تو اسی طرح جواب دینا چاہیے۔ سلام کے جواب میں سب سے بہتر یہ ہے کہ علیکم السلام کہا جائے۔ سنت یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو کلام سے پہلے سلام کرے اور اونچی آواز سے بولے۔ ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا سنت ہے، غالی گھر میں جہاں کوئی انسان نہ ہو وہاں بھی السّلام علینا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ کہنا چاہیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بیٹے کو سوار پیدل کو کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو پہلے سلام کرے جب کوئی شخص کسی کو سلام کہلا بھیجے تو اس پر سلام کا جواب دینا فرض ہو جاتا ہے۔ مستحب طریقہ یہ ہے کہ پیغام لانے والے سے ابتدا کی جائے یعنی وَعَلٰیکَ وَالسّلام کہنا چاہیے۔ خط میں سلام لکھا ہو تو اس کا جواب دینا واجب ہے۔

وہ صورتیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے کہ کسی جوان عورت کو تنہائی میں سلام صورتیں ناجائز ہیں بخلات محرم عورتوں کے حصص سلام کرنا سنت ہے۔ غسل خانے کے اندر سلام کرنا مکروہ ہے اور اس سلام کرنے والے کو اگر جواب نہ دیا جائے تو گناہ نہیں ہوگا۔ جو شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھ رہا ہو یا دینی مسائل بیان کر رہا ہو اذان یا حیر کہنے میں مصروف ہو یا جو خطبہ سن رہا ہو یا دعا عطا تقریر کر رہا ہو ان سب صورتوں میں سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا لازم نہیں۔ اگر کوئی شخص جماعت میں سے کسی خاص شخص کا نام لے کر سلام کرے تو اس پر جواب دینا فرض ہو جاتا ہے، جماعت میں سے کسی ایک شخص کے جواب سے فرض ساقط نہیں ہوگا۔ جو شخص درس دینے یا علم حاصل کرنے میں مصروف ہو اسے بھی سلام کرنا مکروہ ہے، یہی حکم تلبیہ پڑھنے والے اور سوتے ہوئے انسان کے بارے میں ہے جو شخص علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو یا شراب کے نشے میں اُسے سلام کرنا حرام ہے۔

بچوں کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے کہ انہیں سلام کیا جائے تاکہ وہ ادب سیکھیں۔ چھینکنے والے کو دعا دینے کا بیان تشریت کے معنی لکھی اور برکت کے لئے دعا کرنے کے ہیں، اصطلاح میں یہ اُس دعا کہتے ہیں جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والا کہتے یرحمکم اللہ یعنی اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے، اس حکم کا مقصد بھی اپنے مسلمان بھائی سے دوستی و الفت کا اظہار ہے اور یہ مکارم اخلاق کی تلقین ہے جس کے لئے اسلام نے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ترغیب دی ہے۔

تشریت بھی فرض کفایہ ہے اسی طرح جیسے سلام کا جواب دینا۔ فرض ہونے کی شرط یہ ہے کہ چھینکنے والے نے الحمد للہ یا الحمد للہ رب العالمین، یا الحمد للہ علی کل حال کہا ہو اور یہ الفاظ سننے گئے ہوں۔ اگر نہیں سنے گئے تو تشریت بھی واجب نہیں۔ اس دعا یعنی یرحمکم اللہ کے جواب میں چھینکنے والے کو یہ کہنا فرض ہے یرحمکم اللہ یعنی یرحمکم اللہ (اللہ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے) یا یرحمکم اللہ و یصلح بآلکم (اللہ تمہاری ہدایت فرمائے اور تمہاری طبیعت ٹھیک رہے) اگر بار بار چھینک آئے تو پہلی دوسری اور تیسری بار کی چھینک میں یہ دعائیں کرنی چاہئیں اس سے زیادہ ہوں

تو یہ واجب نہیں ہیں۔

عورتوں کے متعلق مسائل وہی ہیں جو اسلام کے ہیں، محرم عورتوں کو مردوں کی طرح دے دی جاسکتی ہے اور عورتوں کو باہم اسی طرح تثبیت کرنا چاہیے۔

## نکاح کا بیان

**نکاح کے معنی** نکاح کے معنی باہم ملنے کے ہیں۔ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے تناکحت، لا تشجر یعنی درختوں کا جوہم ہو گیا یا آپس میں گڑھا ہو گئے۔ اس کا اطلاق بطور مجاز عقد نکاح پر ہوتا ہے۔ عقد نکاح ایک معاملہ ہے جس کے ذریعہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان تعلقات اور حقوق کی تعیین ہوتی ہے۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، اولاد کی تربیت اور ان سب کے باہمی روابط اور ان کے حدود، رحمت و شفقت، ہمدردی و یہی خواہی اور عائلی حقوق کی ادائیگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ ان خاندانی تعلقات کے قائم ہونے سے آدمی بے شرمی اور بی حیائی سے بچتا اور ظلم و زیادتی کرنے سے باز رہتا ہے۔ اسلامی شریعت نے جس جس رشتہ دار کے جو حقوق مقرر کرے ہیں انہیں ادا کر کے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

**نکاح کا رشتہ** ابتدائے آفرینش سے خاندان کے وجود اور اُس کے نشوونما کا مدار رشتہ نکاح پر ہے، نکاح کے ذریعے ہی رشتہ داریاں ظہور میں آتی ہیں اور خاندان بنتا ہے، یہ نکاح کا رشتہ تعلقات کو اس درجہ مضبوط رکھتا ہے کہ ایک بار قائم ہو جانے کے بعد پھر قیامت تک نہیں ٹوٹتا۔ اسلام میں اس رشتے کی اتنی اہمیت و فضیلت ہے کہ اس کے صحیح طور پر قائم رکھنے اور اس کی ذمہ داریوں اور حقوق کے ادا کرنے کے عمل کو نفل عبادتوں کی مشغولیت سے افضل اور احسن قرار دیا گیا ہے۔

ان الاشتغال بہ افضل من التخلی اس میں مشغول ہونا نفل عبادتوں کی  
لنوافل العبادات۔ مشغولیت سے افضل ہے



دُر مختار کتاب النکاح میں علماء اسلام میں سے ایک عالم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

لیس لنا عبادة شوعت	جو عبادتیں ہمارے لئے ضروری قرار دی
من عهد ادم الى الان	گئی ہیں اُن میں نکاح اور ایمان کے علاوہ
شم تستمر فی الجنة	کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو حضرت
الا النکاح والايمان	آدم سے شروع ہوتی ہو اور جنت تک

ساتھ رہتی ہو۔

اسی تعلق کی بنا پر ایک مرد کسی کا باپ اور کسی کا بیٹا بنتا ہے۔ کسی کا دادا اور کسی کا پوتا ہوتا ہے، کسی کا ماموں کسی کا چچا اور کسی کا بھائی، کسی کا بھنوئی ہوتا ہے۔ اسی تعلق کے ذریعے ایک عورت کسی کی ماں کسی کی نانی یا دادی کسی کی پھوپھی یا چچی ہوتی ہے اور کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن بنتی ہے گویا سارے تعلقات نکاح کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں، نکاح کے ذریعے ایک اجنبی اپنا اور ایک بیگانہ بیکانہ بن جاتا ہے، ان ہی تعلقات سے آدمی بزرگوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت و ہمدردی و غم گساری، عفت و پاکبازی، شرم و حیا، پاس و لحاظ اور الفت و محبت کرنا سیکھتا ہے، انہیں تعلقات سے خاندانی نظام کی صورت گری ہوتی ہے اگر نکاح کے رشتہ کا تقدس ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر جو معاشرہ بنے گا تو اُس میں نہ ہمدردی نگہکاری ہوگی نہ عفت و پاکبازی نہ محبت و نمودت اور نہ خوش خلقی اور خوش معاملگی بلکہ ان کی جگہ ظلم و زیادتی بے مہری و بے وفائی و بد خلقی و بد معاملگی، بے شرمی اور بے حیائی جیسی مذموم صفات پیدا ہوں گی اور پاکیزہ و اعلیٰ صفات کا معاشرہ وجود میں نہیں آسکے گا جو اسلام کو مطلوب ہے۔ قرآن میں اس رشتہ نکاح کو اور رشتہ دارانہ تعلقات کو قائم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَاقْتُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ ذَقِيبًا

(سورہ نسا۔ ۱)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اُس کا

جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا اُس خدا سے  
 ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں کے  
 حقوق کا پاس دلحاظر رکھو۔ بیشک اللہ تمہارا حال دیکھتا اور اُس پر نظر رکھتا ہے۔  
 نبی علیہ السلام ان آیتوں کو خطبہ نکاح کے موقع پر تلاوت فرمایا کرتے تھے تاکہ رشتہ  
 نکاح کی غرض اور اس سے جو ذمہ داری قائم ہوتی ہے وہ ذہن میں تازہ ہو جائے اور تعلقات  
 کے رشتوں کو جوڑنے اُن کے حقوق ادا کرنے اور قطع رحمی سے پرہیز کرنے کے اوصاف ایک  
 مومن میں پیدا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں جو انسان کو عطا فرمائی ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا (سورہ روم۔ ۲۱)

یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔  
 دوسری جگہ سورہ نحل میں ارشاد ہے:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَقَدًا (سورہ نحل ۷۲)

خدا ہی ہے جس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور ان سے تمہارے لڑکے اور پوتے بنائے  
 ایک جنس سے پیدا کر کے الفت و محبت دلوں میں ڈال دی جو اللہ کی نعمت ہے اور نکاح کی بنیاد ہے۔  
 بعض مذاہب روحانی ترقی کے لئے تہجد کی زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں لیکن قرآن  
 نے ہمیں بتایا ہے کہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بلند تر لوگ انبیاء و رسل ہیں مگر خدا نے انہیں بھی  
 یہ تعلق قائم رکھنے کی ہدایت دی وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَ ذُرِّيَّةً  
 (تم سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کی بیویاں بھی تھیں اور بچے بھی) پھر مسلمانوں کو یہ دُعا  
 سکھائی گئی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اَزْوَاجًا وَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اَعْنِیْ (اے اللہ ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی  
 اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو) دراصل نکاح آدمی کو رشد و صلاح و عصمت و عفت اور  
 بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی جانب لے جاتا ہے علمائے فقہ نے لکھا ہے:

لَمَّا فُيِّهَ تَهْذِيبُ الاخْلَاقِ وَ تَوْسِيعَةُ الْبَاطِنِ بِالْعَمَلِ فِي مَعَاشٍ وَ ابْنَاءِ

النَّوْعِ وَ تَرْبِیَةِ الْوَلَدِ وَ النِّفْقَةِ عَلٰی الْاَقَارِبِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اِعْقَاتِ

الحرم ونفسه ودفع الفتنة عنه وعنهم۔

رشتہ نکاح سے اخلاق میں درستی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اور اپنے اہل و عیال کا بوجھ برداشت کر کے اولاد کی تربیت کر کے اپنے رشتہ داروں اور کمزوروں پر مال خرچ کر کے اپنی بیوی اور اپنی ذات کو پاکبازی اور عفت کے ساتھ ہر قسم کے فتنے فساد سے محفوظ رکھ کے اس کے باطن میں وسعت اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

راہبانہ زندگی اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا ہے۔  
 ”النکاح من سنن فہن رغب عن سنن فلیس منی“ (نکاح میری سنت ہے جو شخص اس سے منہ موڑتا اور میرے طریقے سے روگردانی کرتا ہے اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں)۔  
 میاں بیوی کا تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی پاکیزہ خاندان وجود میں آئے گا اور ویسا ہی پاکیزہ معاشرہ بنے گا جو ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد ہے۔

اسلام نے اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں سے ان رشتوں کو خوش گوار اور مضبوط بنانے پر زور دیا ہے۔ حدیث میں ہے خیرکم خلیکم لاهلہ تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اہل خانہ کے ساتھ بہتر ہے۔

**نکاح کی فقہی تعریف** فقہائے احناف نے نکاح کو ایسا معاملہ (معاہدہ کہلہ) جو اس ارادے سے کیا جائے کہ ایک مرد ایک عورت کی ملک متعہ کا مالک ہو جائے، ملک متعہ کے معنی ایک خاص شخص کا بلا شرکت غیرے ایک عورت کے جسم سے انتفاع کا مالک ہونا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ قدرتی طور پر وہ اُس کا حقیقی مالک ہو جائے کیونکہ آزاد خاتون کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف وہی شخص اُس سے متعہ ہونے کا حق رکھتا ہے۔ تنہ کا حق خرید و فروخت جیسا حق نہیں ہے۔ پھر یہ معاہدہ گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے اور جس امر پر معاہدہ ہوتا ہے وہ حق امتناع ہے (یعنی خود مستفیض ہونا نفع کسانا نہیں) اگر بڑھی کبھی بیوی کسی تعلیمی ادارے میں کام کر کے یا وزارت کے عہدے پر فائز ہو کر اُس کا معاوضہ کماتی ہے تو وہ تمام وکال اُس کا اپنا مال ہے، اُس کے شوہر کا اس میں کوئی حصہ نہیں، نہ نکاح سے اُس کا کوئی تعلق ہے۔ نکاح کا مقصد مرد اور عورت دونوں کو پاکبازانہ زندگی گزارنا اور

عصمت و عفت کی حفاظت کرنا ہے، نکاح کے ذریعے اسی تحفظ کی ضمانت لی جاتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے بار بار اس کی تاکید کی ہے: **مَعْصِنِينَ غَيْرِ مُسَافِحِينَ** اور **مُعَصَّاتٍ غَيْرِ مُسَافِحَاتٍ** حصن قلعہ کو کہتے ہیں یعنی حفاظت کی جگہ اور سفح کے معنی یہاں یعنی ضائع کرنے کے ہیں، محصنین اور محسنات عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والے یا حفاظت کرنے والیاں ہیں اور مسافحین اور مسافحات عزت و آبرو کو ضائع کرنے والے یا ضائع کرنے والیاں ہیں۔ اسلامی شریعت مرد کو صرف اسی عورت سے استمتاع کی اجازت دیتی ہے جو اُس کے لئے حلال بنا دی گئی ہو اسی طرح عورت کو بھی اسی مرد پر اکتفا کرنے کا حکم ہے جس نے اس کو اپنے لئے حلال بنا لیا ہو۔ مرد کو یہ تاکید ہے کہ بیوی کو پاکباز رکھنے کی اور اس کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور عورت کو تاکید ہے کہ مرد کی خواہش پوری کرنے کے لئے اُس کے جائز حکم کی اطاعت کرے۔

عقد نکاح میں شرعی طور پر ایجاب و قبول ضروری ہے اور یہ کہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہو۔ عقد مدنیہ (سول میرج) یا مقررہ عرصے کے لئے اجارہ کے طور پر یا اسی طرح کا خلاف شرع عقد کرنا سب زنا ہے۔ "اور یہ جرم قابلِ سزا ہے"

**نکاح کی شرعی حیثیت** شریعت اسلامی کے فقہانے نکاح پر پانچوں قسم کے احکام شرعی عائد ہونے کی صراحت کی ہے یعنی (۱) واجب (۲) سفیت

(۳) مستحب یا مباح (۴) مکروہ اور (۵) حرام۔ اس بات میں سب فقہاء متفق ہیں کہ وہ شخص جو نکاح کرنے کا خواہش مند ہو اور اُسے اندیشہ ہو کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہو جائے گا اسے نکاح کر لینا واجب ہے بشرطیکہ اُسے مہر کی ادائیگی اور رزق حلال حاصل کرنے کی قدرت ہو۔ لیکن اگر نہ کر سکتا ہو اور خود کو گناہ سے باز رکھنے کے لئے دوسرے گناہ یعنی حرام کی کمائی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہو تو شادی کرنا واجب نہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر ایک شخص خلل روزی سے عاجز ہے تو شادی نہ کرے اور اُسے رواہے کہ گناہ کر لے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اپنے نفس اور خواہش نفسانی سے جنگ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کو سرنش کرے اور ایسی

شادی سے بچے جس کی وجہ سے دوسروں کا استحصال اور اُن پر ظلم کرنا پڑے۔

وَلَيَسْتَفِيدَنَّ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ بِغُلَاظَتِهِ يُغْنِيَهُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (نور-۳۳)

جو لوگ نکاح نہ کر سکیں اُنھیں چاہیے کہ خود کو گناہوں سے بچائے۔ کہیں یہاں تک اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے۔

البتہ اگر کسی کے لئے یہ ممکن ہو کہ مہر ادا کرنے اور رزق حلال کمانے کے لئے قرض لے سکتا ہو اور اُسے اندیشہ ہو کہ بغیر نکاح کے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو اس پر نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ نکاح اس صورت میں سنت مؤکدہ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو لیکن یہ خواہش معتدل ہو اتنی شدید نہ ہو کہ گناہ کے ارتکاب کا خوف ہو۔ ایسی حالت میں اگر شادی نہ کی جائے تو گناہ ہوگا لیکن ترک واجب سے کم تاہم یہ شرط بہر حال ضروری ہے کہ حلال مال سے گھر چلائے۔ مہر ادا کرتے اور فریضہ زوجیت بجالانے کی قدرت رکھتا ہو، اگر ان میں کوئی شرط پوری کرنے سے عاجز ہو تو نکاح کرنا نہ واجب ہوگا نہ سنت۔

اگر نکاح اس نیت سے کیا جائے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے نفس کو گناہ سے بچائے تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔ ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ مقدور والے آدمی کو نکاح کرنا نفلی نمازوں سے افضل ہے کیونکہ یہ اپنے نفس اور اپنی بیوی کے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور حصولِ اولاد کا ذریعہ ہے جس سے امتِ محمدی کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ کہ نکاح تعمیرِ معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

نکاح اس شخص کے لئے مباح ہے جسے نکاح کی خواہش نہ ہو جیسے عمر رسیدہ شخص اور وہ جو قوتِ مردی سے محروم ہو بشرطیکہ یہ نکاح بیوی کے اخلاق پر برا اثر ڈالنے والا نہ ہو بلکہ اُس کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے ہو لیکن اگر نکاح فتنے کا سبب بن سکتا ہو تو ایسے لوگوں کے لئے شادی کرنا حرام ہے۔ عورت کے لئے ایسے مرد سے نکاح حرام ہے جس کی کمائی حرام کی ہو۔ اگر ایک عورت کسی بدکار شخص سے اپنی عزت کے بارے میں ڈرتی ہو کہ بغیر شادی کے وہ اس کو شرارت سے باز نہیں رکھ سکتی تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ کسی سے نکاح کر لے۔

ایسے شخص کے لئے شادی کرنا مکروہ ہے جو نکاح کا خواہشمند نہ ہو اور اُسے ڈر ہو کہ وہ شادی کے بعض مطالبات پورے نہ کر سکے گا اور شادی اُسے کارِ ثواب کی انجام دہی میں مانع

ہوگی۔ اس میں خواہ مرد ہو یا عورت اور اولاد کی آرزو ہو یا نہ ہو۔ شادی مکروہ ہے۔

نکاح کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری ہے نکاح کے رشتہ میں بندھنے کا مقصد ان حدود و اندر پابند رہنا ہے جن سے تجاوز یا تقصیر دونوں اس رشتے کے تقدس کو ضائع کر دیتے ہیں اگر اس مقصد کی تکمیل نہ ہو رہی ہو تو پھر اس رشتے کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

۱۔ عفت و عصمت کی حفاظت : نکاح کا اولین مقصد اُس عفت و عصمت کی حفاظت کرنا ہے جو ہر مرد و عورت کی فطرت میں ودیعت ہے اسی کی حفاظت کے لئے اسلام نے زنا اور ترغیبات زنا مثلاً بے پردگی، بدنکاحی، بے حجابانہ ہنسی دل لگی اور بے شرمی کی گفتگو اور اجنبی عورتوں مردوں کے اختلاط کو حرام قرار دیا ہے مرد و عورت دونوں کو پابند کیا ہے کہ ایک ایسے ضابطے کے ذریعے اپنے فطری تعلق کو قائم کریں کہ ان کی عصمت و عفت مجروح ہونے کے بجائے محفوظ اور مامون ہو جائے۔ سورہ نسا کی حسب ذیل آیتوں میں یہی حکم ہے:

اٰیَحٰی لَکُمْ وَآٰلَکُمْ اَنْ تَشٰہِدُوْا بِمَا لَا یَحِلُّ لَکُمْ لِمَنْ هُنَّ عَصٰمٌ یَّحٰییٰنَ (نسا۔ ۲۴)

فَاَنْتُمْ یٰۤاٰیُّہِمْ وَآٰلُہُمْ لَیْسَ لَکُمْ عَلٰیہُمْ حَرٰمٌ مِّمَّا کَفَرْتُمْ اَنْ تَشٰہِدُوْا بِمَا لَا یَحِلُّ لَکُمْ (نسا۔ ۲۵)

ان عورتوں کے علاوہ (جن سے نکاح حرام ہے) اہم عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم ہر دے کراغیں قید نکاح میں لاؤ۔ آبرو ضائع کرنے والے نہ ہو

تم اُن کے ذمہ داری کی اجازت سے اُن سے نکاح کرو اور ان کے ہر دستور کے مطابق ادا

کرو تاکہ وہ قید نکاح میں رہیں اور نہ عصمت لٹائیں اور نہ چوری چھپے کس سے ناجائز تعلق جوڑیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان لڑکے کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ

مِنْکُمْ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ

اَعْقَصَ لِلْبَصْرِ وَاَحْصَنَ لِلْفُجْ

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلِیْہِ بِالصَّوْمِ

فَإِنَّہٗ لَہٗ وَجَاءٌ۔

کہ اس سے خواہش نفسانی دبی رہتی ہے۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصود عصمت و عفت کی حفاظت بد نگاہی اور بد کاری سے بچنا ہے اور نکاح کی ضرورت اسی لئے ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

۲۔ الفت و محبت: نکاح کی دوسری غرض طرفین میں خواہش نفسانی سے بٹ کر محبت و مودت، ہمدردی و غمگساری کے جذبات پیدا کرنا ہے تاکہ دونوں کو سکون و راحت پیش ہو کیونکہ نکاح کا تعلق محبت کا رشتہ ہے جس سے دونوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے اور دونوں اس محبت کا حق ادا کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس الفت کو اپنی نشانی قرار دیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً

(سورہ روم: ۲۱)

فَرْخَةً

اُس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے بڑے سے پیدا کئے تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان الفت و محبت پیدا کر دی ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا ذَوِّجًا لِكُلٍّ لِيُتَّقِيَ

وہی ذات ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جواڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کر سکے۔

لفظ مودت ہر طرح کی محبت و الفت کے لئے اور رحمت ہر طرح کی ہمدردی مہربانی اور غمگساری کے لئے بولا جاتا ہے اور لفظ سکون ہر طرح کے سکون کے لئے خواہ وہ جنسی ہو یا ذہنی و قلبی استعمال ہوتا ہے، اب دیکھئے کہ زوجیت کا حقیقی تصور قرآن نے ان تین لفظوں میں پیش کیا ہے، دوسری جگہ اسی تعلق کو لباس کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

(سورہ بقرہ: ۱۸)

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لِهِنَّ

وہ (تہذیبی، بیوہاں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو

لباس کے مفہوم پر غور کیجئے، لباس جسم کو چھپاتا ہے، اُس کو زینت دیتا ہے، اُس کی عزت و خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے، جسم کو ہر مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے جب زوجین کا تعلق لباسِ جسم کی طرح کا ہے تو لازمی تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا پردہ پوش، ہونا چاہیئے، ایک

دوسرے کی زینت و آرائش ہونا چاہیے۔ اُن میں ایسا ہی اتصال ہونا چاہیے جو لباس اور جسم کے درمیان ہوتا ہے ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و مضرت کا احساس اور راحت و آرام پہنچانے کا خیال ہونا چاہیے۔

۳۔ حدود اللہ کا قیام: نکاح کی تیسری غرض یہ ہے کہ یہ رشتہ خدا کے مقررہ کردہ حدود کو قائم کرنے کا سبب ہو نہ کہ اُن کو توڑنے کا چنانچہ جہاں نکاح کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ تاکید بھی کی گئی ہے:

اِنَّ يَتْلِيَنَّحَدُودَ اللّٰهِ

(البقرہ - ۲۳۰)

کہ دونوں اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو قائم رکھیں۔

نکاح و طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے:

(البقرہ - ۲۱۹)

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

جو لوگ اللہ کے قائم کردہ حدود سے تجاوز کریں گے وہ ظالم ہیں:

اسی لئے مسلمانوں کو کافروں سے شادی کرنا حرام قرار دیا گیا کیونکہ کافروں سے حدود الہی قائم رکھنے کی توقع نہیں کی جاسکتی، چنانچہ مشرک اور مشرک سے نکاح کو حرام ٹھہراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ تم کو بھلے لگیں جب بھی اُن سے نکاح نہ کرو کیونکہ:

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِآذَانِهِ ۝ (سورہ بقرہ - ۲۲۱)

وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے ذریعے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے۔

غرض یہ کہ اسلامی قانونِ نکاح کافروں میں عفت و پاکبازی، الفت و محبت، ہمدردی و غلغلہ شادی خدا کے عائد کردہ حدود و قیود کی پابندی اور بندوں کے حقوق کی پاسداری جیسے صفات پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آ سکے۔

نکاح کے ارکان: نکاح کے دو رکن ہیں جن کے بغیر نکاح کی تکمیل نہیں ہو سکتی: ایک ایجاب اور سراقبول۔ یعنی کسی بائع عورت یا اُس کے ولی نے بائع مرد سے یا کسی بائع مرد نے بائع عورت یا اُس کے ولی سے دو گواہوں کی موجودگی میں براہ راست



یا وکیل کے ذریعے کہا کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں اور دوسرے نے اُسے منظور کر لیا تو دونوں میں رشتہ نکاح قائم ہو گیا۔ عقد نکاح سے مراد ایجاب و قبول یعنی قول و قرار ہے۔ پھر اس ایجاب و قبول کا باہم مروط ہونا ایک مزید امر ہے جو ضروری ہے گویا عقد شرعی تین چیزوں پر مشتمل ہے جن میں سے دو حتمی ہیں یعنی ایجاب و قبول اور تیسری معنوی ہے یعنی ایجاب کا ربط قبول کے ساتھ۔ ان کے علاوہ دوسرے امور جن پر شرعاً صحبت نکاح کا انحصار ہے وہ امور عقد کی ماہیت سے باہر ہیں اور شرائط نکاح ہیں۔ اُس کے ارکان (یعنی اجزاء) لازم نہیں ہیں۔

نکاح کی شرطوں کا بیان  
نکاح کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق صیغہ (ایجاب و قبول کے الفاظ) سے ہے، بعض کا تعلق عاقدین (ذائقین نکاح) اور بعض کا تعلق گواہی سے ہے۔

وہ الفاظ جن سے عقد نکاح ہوتا ہے دو قسم کے ہوتے ہیں صیغہ (یعنی ایجاب و قبول) (۱) اور جو مصدر (نکاح یا تزویج) سے مشتق ہوں مثلاً ذَوَّجْتُ یا تَزَوَّجْتُ (زوجیت میں دیا یا زوجیت میں لیا) یا نکاح کرنے والے مرد نے عورت سے کہا تَزَوَّجْنِي فَفَعَلْتُ (تم اپنے آپ کو میری زوجیت میں دے دو) اور جواب میں ذَوَّجْتُ یا قَبِلْتُ یا سَمِعْتُ وَأَطَاعْتُ (میں نے زوجیت میں دیا یا قبول کر لیا یا سنا اور تسلیم کر لیا) کہا جائے۔

(۲) کئی ایسے الفاظ جن سے نکاح کا ارادہ ظاہر ہو اور گواہی یہ مقصد سمجھتے ہوں مثلاً عورت کہے کہ میں اپنا نفس تمہیں بہہ کرتی ہوں مراد اس کی زوجیت میں دینا ہوا اور مرد کہے کہ میں نے قبول کیا۔ یا یوں کہے کہ میں نے اپنے نفس کا مالک تمہیں بنادیا، یا لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی ایک ہزار روپے (یعنی مہر) میں تمہیں دی اور مرد نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو ان سب صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ الفاظ نکاح صیغہ ماضی میں کہے جانا چاہئیں۔ عقد نکاح صیغہ مضارع کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس سے نکاح کرنا مراد ہو نہ کہ نکاح کا وعدہ لینا مثلاً کسی نے کہا آپ اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دیدیں اور مخاطب نے جواب میں کہا کہ میں نے زوجیت میں دے دیا تو نکاح ہو گیا لیکن اگر مقصد وعدہ لینا تھا تو نکاح صحیح

نہ ہوگا۔ اگر کسی شخص نے بعضہ مفارح کہا کہ میں تم سے شادی کرتا ہوں اور اس نے جواباً کہا کہ تم نے کر لی تو بلاشبہ درست ہے۔ صیغہ استقبال میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک وہ الفاظ استعمال نہ ہوں جو مصدر النکاح یا تزویج سے مشتق ہیں نکاح درست نہیں لیکن امام مالک کے نزدیک لفظ ہبہ سے نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ ہبہ کا ذکر کر دیا جائے مثلاً بڑ کی کا دلی کہے کہ میں اپنی بیٹی کو اتنے ہبہ کے عوض تمہیں ہبہ کرتا ہوں یا کوئی شخص کہے کہ آپ اپنی بیٹی اتنے ہبہ کے عوض مجھے ہبہ کر دیجئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

ایجاب و قبول کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ایک ہی نشست میں ہو ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں لازم ہونے سے یہ نکلتا ہے کہ اگر دو عورت یا دو مرد سوار ہوں اور جانور چل رہا ہے اور سوار ہونے کی حالت میں عقد نکاح کریں تو یہ نکاح درست نہ ہوگا۔ بوائے جبہ اور موٹر بھی اسی حکم میں آتے ہیں کیونکہ ہر لمحہ جگہ بدل جاتی ہے اس کو ایک مجلس قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اگر کسی شخص نے ایک عورت کے پاس جو دوسرے شہر میں ہے تحریر بھیجی جس میں اُس سے عقد کی درخواست تھی اب اگر عورت نے اُس تحریر کو گواہوں کی موجودگی میں پڑھا اور کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اُس کی زوجیت میں دے دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوا یعنی وہ تحریر بطور ایجاب ہے اور اُسے پڑھ کر قبولیت کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ ہاں اگر یہ تو کہا کہ میں فلاں شخص کی زوجیت قبول کرتی ہوں لیکن تحریر کو گواہوں کے سامنے نہیں پڑھی تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ صحت نکاح کے لئے گواہوں کا تحریر سننا شرط ہے۔ تحریر بھیجنے والا اگر موجود ہے اور مجلس عقد میں آنا ممکن ہے تو بذریعہ تحریر نکاح درست نہ ہوگا۔

تیسری شرط ایجاب و قبول کے لئے یہ ہے کہ دونوں باتیں مختلف نہ ہوں چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ ایک ہزار روپے ہبہ کرتا ہوں جواب میں اُس نے کہا کہ نکاح مجھے قبول ہے لیکن ہبہ اس قدر قبول نہیں ہے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا ہاں اگر نکاح قبول کر لیا اور ہبہ کا ذکر نہیں کیا تو منعقد ہو جائے گا کیونکہ اب اختلاف باقی نہیں رہا۔

چوتھی شرط ایجاب و قبول کے لئے یہ ہے کہ دونوں فریقین مجلس نکاح میں اُنھیں سُن سکیں۔ یہ سننا

یا توحقیقی معنوں میں ہو یا حکمی طور پر جیسے غیر موجود شخص کی تحریر جس کو پڑھ کر سنا جاسکتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ الفاظ ایجاب و قبول میں وقت متعین نہ کیا گیا ہو اگر ایسا کیا گیا تو عقد باطل ہوگا اس طرح کے وقتی نکاح کو متعہ کہتے ہیں۔

**فریقینِ نکاح** بیوی اور شوہر کے لئے ایک شرط صاحب عقل ہونا ہے لہذا کوئی مجنون شخص یا بچہ جس میں عقل نہ ہو اگر عقد کرے تو منعقد نہ ہوگا۔

ایک شرط بالغ اور آزاد ہونا ہے۔ اگر کوئی سمجھدار لڑکا یا کسی کا غلام عقد کرے تو ہو جائے گا لیکن اس کا نفاذ لڑکے کے دلی یا غلام کے آقا کی اجازت کے بغیر نہ ہو سکے گا۔

ایک شرط یہ ہے کہ فریقین وہ ہوں جن کے آپس میں نکاح ہو سکے مثلاً غنی جس کی جنس کاتعین نہ ہو سکے یا وہ عورت جو ابھی عدت میں ہو یا کسی کے نکاح میں ہو ایسوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

ایک شرط یہ ہے کہ فریقین معلوم شخصیتیں ہوں لہذا اگر کسی نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح فلاں کے ساتھ کرتا ہوں اور اس کی دو بیٹیاں ہیں تو یہ نکاح درست نہ ہوگا جب تک بیٹی کا نام نہ لیا جائے۔ اگر کسی کی بیٹی کا نام بچپن میں کچھ رہا ہو اور بڑی ہو کر نام کچھ اور ہو گیا ہو تو عقد کے وقت اس کے مشہور نام کا ذکر کیا جائے بلکہ زیادہ صحیح ہے کہ دونوں نام بتائے جائیں تاکہ ابہام نہ رہے۔

چونکہ نکاح میں مہر لازمی شرط ہے اس لئے ایجاب و قبول میں مہر کا ذکر ہونا چاہیے شرط نمبر ۲ کے مطابق اگر ایجاب و قبول میں اختلاف ہوگا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

**شہادت** یعنی گواہوں کی موجودگی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شہادت عقد نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے۔ گواہوں کی تعداد کم سے کم دو ہو، دونوں کامل و ناضج و عاقل ہوں، ایک شخص کی گواہی سے نکاح درست نہ ہوگا، دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح درست نہ ہوگا، دو عورتوں کے ساتھ ایک مرد کی گواہی ضروری ہے، گواہوں کے لئے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ حالت احرام میں ہوں بلکہ اس حالت میں بھی گواہی درست ہے۔

گواہوں کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) آزاد ہونا (۴) مسلمان ہونا

(۵) زوجین کی بات کو سن سکنے کے قابل ہونا۔

گواہوں کا ہادی النظر میں معتبر ہونا کافی ہے۔ اگر زوجین کے نزدیک دونوں گواہ بظاہر معتبر مشہور ہیں تو نکاح کے وقت ان کا گواہ بننا درست ہے۔

**نکاح بغير رعيہ وکالت** جس طرح بالغ مرد اور بالغ عورت خود گواہوں کے سامنے ایجاب قبول کر سکتے ہیں اسی طرح کسی وکیل یعنی نمائندے کے ذریعے بھی نکاح ہو سکتا ہے جبکہ بالغ مرد یا عورت نے خود اپنی زبان سے اجازت دی ہو یا نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے وکیل کو صراحت یہ اجازت دے کہ میری لڑکی یا بہن کا نکاح فلان سے کر دو۔

ولی اگر کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لے اور وہ خاموش رہے یا رونے لگے تو اس کو اجازت سمجھ لیا جائے گا لیکن وکیل کو صراحتاً اجازت لینا ہوگی۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کی اجازت نکاح کے بارے میں صراحتاً ہونا ضروری ہے اس کی خاموشی کو رضا نہیں سمجھا جائے گا، اسی طرح بالغ لڑکے کو زبانی ایجاب و قبول لازم ہے اس کے خاموش رہنے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ نابالغ بچے کی طرف سے ولی ایجاب و قبول کر سکتا ہے ولی کا بیان نکاح کا ولی وہ ہے جس کی موجودگی پر نکاح کے صحیح ہونے کا انحصار ہو اس کے بغیر نکاح درست نہیں، ولی یا تو باپ ہو سکتا ہے یا جیسے باپ وصیت کر دے یا عصب قرابت دار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ولی بالقول کا اضافہ کیا ہے یعنی وہ شخص جس نے کسی لڑکی کی پرورش کی ہو۔

**ولیوں کی ترتیب** لڑکے اور لڑکی کا ولی سب سے پہلے اس کا باپ ہے اگر باپ نہ ہو تو داد یا پردادا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر سگا بھائی ولی ہے اگر سگابھائی نہ ہو تو شوشیل بھائی جو اس کے باپ کا ہی لڑکا ہو اور یہ بھی نہ ہوں تو پھر بھتیجا۔ ان سب کا بالغ ہونا ضروری ہے اگر بھائی بھتیجے نابالغ ہوں یا نہ ہوں تو پھر سگا چچا ولی ہو گا وہ نہ ہو تو سوتیل چچا اگر وہ بھی نہ ہوں تو سگے چچا کا لڑکا، پھر سوتیلے چچا کا لڑکا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر باپ کے سوتیلے چچا اور ان کے لڑکے قرابت قریبہ کے لحاظ سے علی الترتیب ولی ہوں گے اگر مذکورہ لوگوں

میں سے کوئی نہ ہو تو پھر ماں ولی ہوگی اور ماں کی عدم موجودگی میں نانی پھر دادی پھر نانا پھر چھتی بہن پھر سوتیلی بہن اس کے بعد ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی بہن پھر چچا پھر ماموں پھر خالہ اور اس کے بعد بھوپتی زاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی علی الترتیب۔ ان میں سے ہر ایک (جو ولی بنے اُس) کو حق ہے کہ لڑکی کو شادی کر لینے پر مجبور کریں اور نابالغ لڑکے پر بھی یہی حق ہے لیکن لڑکے کے بالغ ہوجانے کے بعد انھیں ولی بننے کا حق نہیں ہے لیکن جنوں زدہ مریا عورت کا ولی بننا درست ہے۔

**ولی کی قسموں کا بیان** ولی کی دو قسمیں ہیں (۱) ولی مخیر جسے یہ حق ہے کہ اپنے زیر ولایت اشخاص میں کسی کا بھی نکاح اُس کی رضا اور اجازت کے بغیر کر دے دوسرا (۲) ولی غیر مخیر جسے یہ حق نہیں ہے لیکن ابن کا ہونا لازمی ہے۔ وہ اپنے زیر ولایت اشخاص میں سے کسی کی شادی اُس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا۔

**ولایت اجبار کے شرائط** جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر ہر باپ دادا کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی اُن کا کیسا ہوا نکاح لڑکے اور لڑکی بالغ ہونے پر رد نہیں کر سکتے یعنی وہ اُسے ماننے پر مجبور ہیں لیکن اس کی چند شرطیں ہیں اگر وہ شرطیں ولی مجرم میں نہیں پائی گئیں تو بالغ ہونے کے بعد لڑکا یا لڑکی کئے ہوئے نکاح پر مجبور نہیں ہیں (۱) بے باک اور بے غیرت آدمی جسے گناہ کرنے میں کوئی باک نہ ہو۔ (۲) ایسا لالچی شخص جو لالچ میں آکر غلط جگہ شادی کر دے (۳) نئے بازار یا جنوں کے مرض میں مبتلا جس کے ہوش و حواس درست نہ ہوں ایسے اشخاص کو اگر ولایت کا حق پہنچتا بھی ہو تو اُن کا کرایا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

**ولایت اجبار کی وجہ** باپ دادا چونکہ اپنے لڑکے اور لڑکی کے بدخواہ نہیں ہو سکتے اس لئے انھیں یہ اختیار شریعت نے دیا ہے لیکن جو شخص گناہ کرنے میں جرمی، لالچ میں مبتلا یا ہوش و حواس سے عاری ہو تو ایسا آدمی خود اپنا ہی خیر خواہ نہیں ہے پھر اپنے لڑکوں کا خیر خواہ کب ہو سکتا ہے اس لئے ولایت، اجبار کے سلسلہ میں فقہانے دو تین شرطیں لگادی ہیں ان میں سے کوئی بھی باپ دادا کے ولایت اجبار کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

قریب ترین ولی کی موجودگی میں دوسرے ولی کا اختیار اگر دوسرا ولی قریبی ولی کی موجودگی میں نکاح

کر دے تو یہ نکاح اُس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک قریبی ولی رضامندی نہ دے، مثلاً کسی لڑکے یا لڑکی کا باپ موجود تھا اور اُس کی ماں نے اُس سے پوچھے بغیر اپنی مرضی سے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا یا بھائی موجود تھا اور چچا یا بہن نے نکاح کر دیا تو اصل ولی یعنی باپ یا بھائی کی اجازت ضروری ہوگی ورنہ نکاح فاسد سمجھا جائے گا۔

اگر قریبی ولی بردقت موجود نہ ہو اور اُس سے رائے حاصل کرنے میں تاخیر ہو رہی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ مناسب رشتہ ختم ہو جائے گا تو ایسی صورت میں دوسرا ولی بھی نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر اُس سے رائے لی جاسکتی ہو تو کسی دوسرے ولی کا نکاح کرنا اُس کی مرضی اور اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا مناسب رشتہ لگ گیا لیکن ولی اقرب بغیر کسی معقول وجہ کے یا محض ذاتی رغبت کی بنا پر اجازت نہیں دے رہا ہو تو اُس کے بعد کے ولی قریب اس کا نکاح کر سکتے ہیں اسی طرح اگر ولی قریب پاگل ہو جائے تو ولی بعید کو نکاح کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

اگر دو برابر کے ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی اور دونوں اپنی نابالغ بہن کا نکاح الگ الگ کرنا چاہتے ہوں تو جو پہلے نکاح کر دے گا وہ صحیح مانا جائے گا اور اگر دونوں ایک ہی جگہ کرنا چاہتے ہوں تو دونوں کے مشورے سے نکاح صحیح ہوگا۔ بغیر مشورے کے کیا ہوا نکاح دوسرے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر دونوں نے ایک ہی وقت میں اُس کا نکاح دو الگ الگ جگہ کر دیا تو دونوں نکاح باطل سمجھے جائیں گے۔

ولی کو یہ حق ہے کہ عقد ازدواج کے لئے کسی کو اپنا قائم مقام (کیل) بنادے۔

نکاح میں کفو کا لحاظ کفارت کے معنی برابریت ہیں یعنی زوجین میں دینی معاشی اور معاشرتی مساوات۔ اگر یہ نہ ہوگی تو رشتے میں استواری خوشگواہی

اور محبت و مودت پیدا ہونا مشکل ہو جائے گا جو نکاح کا اصل مقصد ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا کہ اچھے رشتے کا انتخاب کرو اور

اپنی برابری والوں میں نکاح کرو (۱) بن ماجہ

ایک حدیث میں آپ نے برابری کی تفصیل فرماتے ہوئے فرمایا: اِذَا اتَّكَمَ مِنْ تَوْضُوعِ دِينِهِ وَخَلْقِهِ فَزَوْجُوكَ وَالْأَلْفَعْلُوا تَكُنْ فِي الْأَرْطَى فَلْتَنَّهُ وَفَسَادُ عَرِيضَتِهِ بَابُ دَرْكٍ ”جب ایسا رشتہ آئے جس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کرو اگر ایسا نہیں کر دے تو زمین پر فتنہ و فساد پھیلے گا۔“

پانچ باتوں میں کفارت کا لحاظ کیا جانا چاہیے :-  
کفارت کن باتوں میں ہونا چاہیے (۱) اسلام یعنی زوجین مسلمان ہوں (۲) تقویٰ اور دیانت یعنی اخلاق و کردار کا اچھا ہونا (۳) نسب یعنی خاندان (۴) مال اور (۵) پیشہ۔  
امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہم ان باتوں میں برابری کا لحاظ رکھنے کا حکم دیتے ہیں جبکہ امام مالک صرف دو چیزوں میں برابری ضروری قرار دیتے ہیں (۱) دین اسلام کا عقیدہ اور (۲) اصلاح یعنی اخلاق و کردار کا پسندیدہ ہونا۔ دوسری چیزوں کا لحاظ رکھنا بھی اچھا ہے لیکن اصل چیز دین و تقویٰ ہی ہے، اس سے حقیقی برابری پیدا ہوتی ہے اور مناسبت و تعلق بھی۔ فقہائے کرام نے دین کے ساتھ بعض دوسری باتوں کا لحاظ بھی اس لئے کیا کہ آپس میں مودت و الفت کا رشتہ قائم رہے اور نیک لڑکے برتر جمع دیتے ہوں۔ کفارت میں جن امور کا لحاظ کیا جانا چاہیے ان کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔ اسلام : سب سے پہلی چیز یہ دیکھنا ہے کہ دونوں عقیدے کے لحاظ سے مسلمان ہیں یا نہیں۔ اگر دونوں میں اسلام کا رشتہ نہیں ہے تو پھر نکاح کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص قدیم سے مشرک یا کافر ہو یا مسلمان گھر میں پیدا ہوتے ہوئے اسلامی عقیدے کا قول یا فعلاً منکر ہو تو دونوں کا مسئلہ لڑکی سے رشتہ قائم نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا شخص نکاح میں وکیل اور گواہ بھی نہیں بن سکتا۔

۲۔ تقویٰ اور دیانت : عقیدہ درست ہونے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اُس کے اخلاق و اعمال اُس کے عقیدے کے خلاف نہ ہوں کیونکہ ایسا شخص اس شخص کا کفو نہیں ہو سکتا جس

کا عقیدہ بھی درست ہو اور عمل بھی جو ذہنی اعتبار سے بھی مسلمان ہو اور علی اعتبار سے بھی۔ ہدایہ میں ہے،

لأنه من أعلى المأخوذ

امانت و پرہیزگاری سب سے زیادہ عزت و

فخر کی چیز ہے۔

والمرأة تعیر بفسق الزوج

فوق ما تعیر بضعته نسبه

اور عورت کے لئے شوہر کا کم نسب ہونا اتنا

قابل سار نہیں جتنا اس کا فاسق

(بد عمل) ہونا۔

۳۔ نسب۔ امام مالکؒ کو چھوڑ کر باقی تینوں اماموں نے نسب میں برابری کا لحاظ رکھنے کیلئے معیار قائم کیا ہے۔ نسب کے اعتبار سے انسان کی دو قسمیں ہیں عربی اور غیر عربی یعنی عجمی۔ پھر عربی کی دو قسمیں ہیں قریشی اور غیر قریشی۔ قریش میں ایک دوسرے کے ہم پلہ یعنی کفو ہیں اس طرح عربی نژاد صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی اور عباسی خاندان ایک دوسرے کے کفو ہیں، غیر قریشی عرب قبائل اور انصار مدینہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اہل عجم مثلاً ترکستانی، ایرانی، افغانی وغیرہ اہل عرب کے کفو نہیں۔ اہل عجم میں بھی باہم فرق کیا جاتا ہے مثلاً اہل فارس اہل بطن سے اور بنی اسرائیل قبیلوں سے افضل سمجھے جاتے ہیں لہذا اگر عورت اونچے نسب کی ہے تو لازم ہے کہ مرد بھی اسی درجے کے خاندان سے نسبت رکھتا ہو۔ نسب کا لحاظ باپ کے اعتبار سے ہوتا ہے ماں کے اعتبار سے نہیں ہوتا اس لئے اگر باپ اہل عجم سے ہو اور ماں عربی ہو تو بیٹا اور بیٹی کو اہل عجم سے سمجھا جائے گا۔ اہل مال۔ مالی برابری دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ خوش حال گھرانے کی لڑکی خوشحال گھر میں بیاہی جائے تاکہ اُسے محرومی کی شکایت نہ ہو۔ علمائے فقہ مال میں ہمسری کے لئے اس کو کافی سمجھتے ہیں کہ لڑکا مہر ادا کرنے اور خرچ چلانے کی قدرت رکھتا ہو۔ مالکی فقیہ ابن حزمی کا قول ہے کہ

وبالجمال الذی یقدر بہ

یعنی اتنا مال جس پر وہ قادر ہو۔ خوش حالی

شرط نہیں ہے۔

ولا یشترط البسار۔

فتح القدیر میں ہے الصبیح انہ اذا کان قادراً علی النفقۃ علی طریق العسب یعنی صحیح یہ ہے کہ اگر وہ بیوی کو کھلانے پہنچانے پر قادر ہو تو وہ اُس کا کفو ہے۔



(۵) پیشہ۔ پیشے میں ہمہری کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے والوں کا پیشہ لڑکی والوں کے پیشے کا ہم بلکہ سمجھا جاتا ہو۔ عام طور پر ایک پیشے کے لوگوں کا رہن سہن اور طرز معاشرت یکساں اور معاشی اعتبار سے بھی ملتی جلتی ہے اس لئے رشتہ نکاح میں اس کا اعتبار اور لحاظ رکھنے کی اجازت ہے۔ اسلام میں پیشوں سے عزت اور ذلت کو وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے، بدایہ میں ہے:

ان الحرفة ليس بلازمة ويمكن التحول من الخسة الى النفيسة.

(پیشہ کسی کے ساتھ چٹنا نہیں رہتا۔ آدمی معمولی پیشہ چھوڑ کر دوسرا اچھا کام کر سکتا ہے) نسب، دولت اور پیشہ عزت و شرف کی بنیاد نہیں ہیں۔ اسلام اگر انسان کو شرف و عزت کا مستحق قرار دیتا ہے تو دین و تقویٰ کے لحاظ سے محض نسب، مال یا پیشے کی وجہ سے کسی کو صاحب عزت و شرف سمجھنا اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ الْأَوَّلَىٰ خَيْرٌ

(المحجرات-۱۱۳)

لِللَّهِ أَتَعْلَمُونَ

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں وہی زیادہ عزت و محرم ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

یعنی ذرائع معاش کے اختلاف، زبان و مقام کے اختلاف سے جو گروہ اور قبیلے بنتے گئے وہ اس لئے کہ ان آپس میں ایک دوسرے کو پہچانے، پیشہ ور، صنعت گر، مزارع، تاجروں اور مختلف کاروبار کرنے والوں میں تیز کرے اور زندگی کی ضروریات ایک دوسرے کے تعاون سے پوری کرے، اسی تعارف کی وجہ سے قریب اور بعید رشتوں کا تعین اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور ہر ایک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا علم ہوتا ہے۔ یہ تقسیم زندگی کی اہم ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کو ایک دوسرے سے جڑے رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ تقسیم ہرگز عزت و ذلت، شرافت و رذالت کی بنیاد نہیں ہے، نہ مغرب کو مشرق پر فوقیت ہے نہ عرب کو عجم پر نہ ایشیا کو یورپ پر نہ گورے کو کالے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الناس سواسیۃ کاسنان المشدا یعنی انسان سب برابر ہیں جیسے لکڑھی

لا فضل لعربی علی عجمی وَ اِنَّمَا کے دندائے عربی کو بھی پر فوقیت نہیں  
 الفضل بالتقویٰ (الدلیل الفکر و فکر) فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔  
 آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی غیر قریش میں شادی فرمائی۔ اپنی بھوپتی زاد بہن  
 حضرت زینبؓ کو حضرت زیدؓ کے ساتھ اور فاطمہ بنت قیس کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ بیابا  
 حالانکہ دونوں خاتونیں قریشی تھیں اور یہ دونوں بزرگ غیر قریش ہونے کے علاوہ غلام بھی  
 رو چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرافت کی اصل بنیاد دین و تقویٰ پر ہے نسب پر نہیں۔ رشتہ  
 نکاح کے وقت دوسری چیزیں بھی جیسے حسب و نسب حسن و جمال مال و دولت بھی دیکھی جاسکتی  
 ہیں مگر دین و تقویٰ پر ان چیزوں کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اگر ایک صاحب مال و دولت  
 لڑکا ہو لیکن امانت و تقویٰ سے عاری ہو اور علم دین سے بے بہرہ اُس کے مقابل ایک غریب  
 نادار مگر صاحب تقویٰ اور دین کا علم رکھنے والا لڑکا شریف تر ہے خواہ وہ جاہل لڑکا عالی نسب ہی  
 کیوں نہ ہو۔ رد المحتار میں ہے :

کان شرف العلم اقوی من	علم کا شرف نسب کے شرف سے زیادہ
شرف النسب بدلالة الآية	قوی ہے یہ بات اس آیت سے ظاہر ہے
» هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ	”کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے
يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ	برابر ہو سکتے ہیں؟“

ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ دولت و وجاہت اور نسب کے مقابلے میں امانت و تقویٰ  
 اور علم کو ترجیح دے، اسی طرح بیوی کے انتخاب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا ارشاد ہے :

ان البراة تنكح على دينها	عورت سے نکاح تین خوبیاں دیکھ کر کیا جاتا
و مالها و جمالها فعديت	ہے دین و اخلاق مال و دولت حسن و جمال
بذات الدين تربت	تم لازمادین و اخلاق والی عورت سے نکاح
يبدأ	کرو۔ تمہیں خیر اور خوشی نصیب ہو۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تین خوبیوں میں بہترین خوبی دین و اخلاق کی ہے اور اسی کو لزماً ملحوظ رکھا جائے تاکہ سکون و اطمینان مسرت و خوش بختی حاصل ہو، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مال، نسب اور پیشہ میں کفو کا لحاظ شرط نہیں قرار دیتے، اُن کے نزدیک کفو یہ ہے کہ دو باتوں میں دونوں برابر ہوں۔

۱۱) مسلمان اور دیانت دار ہونا (۲) عیب دار نہ ہونا جیسے کوڑھ جدام یا پاگل پن۔ اُن کے نظریے کے اعتبار سے اگر ایک لڑکی ایسے گھر میں پہلی ہو جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل ہو اور اُسی خاندان کا ایک لڑکا ایسے ماحول میں پیدا ہو جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل کا فقدان ہو تو خاندان کے اشتراک کے باوجود اُس لڑکی کا یہ لڑکا کفو نہیں ہو سکتا، اس کے برخلاف اگر دو مختلف برادریوں یا خاندانوں کے لڑکا لڑکی دین و اخلاق اور علم و فضل کے اعتبار سے ہم آہنگ ہوں تو دونوں ایک دوسرے کے کفو ہو سکتے ہیں۔

نسب میں کفو دیکھنے کا طریقہ اسلام میں نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماں کی طرف سے نہیں۔ باپ دادا کا خاندان لڑکا اور لڑکی کا خاندان ہے جو لوگ نسب کی تلاش میں تخیال کو بھی دیکھتے ہیں وہ غلط کار ہیں۔

## صداق (مہر) کا بیان

قرآن میں مہر کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ صدقہ استعمال ہوا ہے وَالْكَوَالُ نِسَاءً صَدَقَاتِهِنَّ بَحْلَتِهِنَّ اِصْدَاقُ کے معنی ہیں درست کرنا۔ سچا کرنا۔ دوستی کرنا۔ اظہارِ رغبت کیلئے مال خرچ کرنا۔ مہر کے لئے لفظ صداق (صداد پرز بریازیر) بولا جاتا ہے جو اِصْدَاق کا اسم مصدر ہے، اس طرح اِصْدَاق کے معنی مہر دینے کے اور صداق کے معنی مہر کے ہیں۔ گویا مہر کو صداق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شوہر اور بیوی کے تعلقات کی درستی، سچائی اور دوستی کی علامت ہے۔

مہر کی تعریف مہر کے اصطلاحی معنی اُس مال کے ہیں جو عقدِ نکاح کے بعد عورت سے متمتع ہونے کے عوض دیا جاتا ہے۔ یہ مال یا تو نکاح کے وقت عورت

کو فوراً ادا کر دیا جاتا ہے یا ادا کرنے کا وعدہ کر لیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں مہر معجل کہا جاتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مؤجل۔ معجل عجلت سے ہے یعنی وہ چیز جو جلد کی جائے اور مؤجل اجل سے بنا ہے جس کے معنی وقت اور مدت کے ہیں۔

**مہر کی شرطیں** پہلی شرط یہ ہے کہ مہر مال کی قسم میں سے ہو جس کی قیمت لگائی جاسکے اس کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد متعین نہیں ہے سنت یہ ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پاک شے ہو یعنی حلال جسے استعمال میں لانا درست ہو کیونکہ شریعت اسلامی میں حرام چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، گو غیر مسلم کے نزدیک ان کی قیمت ہو جیسے شراب اور سور وغیرہ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال غصب کردہ نہ ہو، مال مفسود نہ ہو مہر قرار دینا درست نہیں ہے تاہم عقد نکاح تو ہو جائے گا اور عورت کو مہر مثل کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ زہرا نامعلوم نہ ہو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ چاندی یا سونا ہو بلکہ مال تجارت، مباح اور اراضی، مکان بھی حق مہر ہو سکتا ہے اور ان اشیاء کی منفعت کو بھی حق مہر قرار دیا جاسکتا ہے مثلاً مکان یا جانور کا کرایہ اراضی کی پیداوار، تعلیم قرآن کی اجرت وغیرہ۔ مہر ایسی ضروری چیز ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا گیا، تو تب بھی مہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔ مہر مثل کی تعریف آگے آتی ہے۔

**مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہیے** مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہیے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے، عام طور پر مہر زیادہ مقرر کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں: ایک تو عزت و فخر کی نمائش، دوسرے یہ بات کہ شوہر عورت کو طلاق نہ دے سکے دونوں وجہیں شرعاً اور عقلاً غلط ہیں، اگر مزاجوں میں اتنا اختلاف ہو کہ دونوں کا ایک جگہ رہنا عذاب بن جائے تو کونسی عقل مندی ہوگی کہ اس عذاب سے چھٹکارا نہ حاصل کیا جائے۔ لیکن حذاب تب ہی دور ہو سکتا ہے جب شوہر عورت کا حق دے کر اُسے رخصت کر دے۔ شرعی اعتبار سے بھی مہر زیادہ مقرر کرنے کی ممانعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

## أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَهٗ أَيْسَرُهُ مَوْنَةً

زیادہ بابرکت وہ نکاح ہے جس میں تکلیف و پریشانی کم سے کم ہو۔

خود آنحضرتؐ نے اپنے لئے مہر زیادہ مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہؑ کا مہر آپؐ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ ایک درہم چوتھائی تو لے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی تین ماشہ دورتی۔ کل مہر فاطمی ایک سو اکیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدار سے زیادہ مہر نہیں مقرر فرماتے تھے۔ اس چاندی کی جو قیمت روپے یا دوسرے سکوں کے اعتبار سے بنے وہی مقرر کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب تمول بڑھا تو لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے۔ آپؓ نے فرمایا کہ لوگو مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، اگر یہ چیز دنیا میں باعث عزت و افتخار ہوتی یا آخرت میں زیادہ مہر کا ثواب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے پہلے اختیار کرتے۔

**مہر کی کم سے کم مقدار** امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نبویؐ کی روشنی میں کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم یعنی پونے تین تولہ چاندی مقرر کی ہے اب اگر کوئی شخص اس سے کم قیمت کا مہر مقرر کرتا ہے تو اسے لامحالہ پونے تین تولہ چاندی کی قیمت دینا پڑے گی کیونکہ یہ کم سے کم مقدار ہے اس سے کم مہر مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے مگر جیسا کہ پہلے بیان ہوا مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہیے یعنی اتنا مہر مقرر کیا جائے جتنا وہ اس وقت یا مستقبل قریب میں ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر فقر و غرور یا کھسی اور غیر شرعی بنا پر زیادہ مہر مقرر کر دیا اور دل میں یہ خیال رہا کہ دینا تو ہے نہیں جتنا چاہو مقرر کر دو تو یہ سخت گناہ ہے۔ یہ عورت کا حق ہے اور حق مارنے کا خیال کرنا بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

**مہر مثل** بعض صورتیں نکاح و طلاق کے سلسلے میں ایسی پیش آتی ہیں جن میں مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا تو مہر معاف ہوگا بلکہ عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مہر مثل سے مراد مہر کی وہ مقدار ہے جو عام طور پر اس کے کنبہ اور خاندان میں مقرر ہوتی ہو یعنی ددھیال میں ددھیال میں نہیں۔ مثال کے طور پر بھوچی، سگی بہن یا چچا زاد بہن اور ددھیال کی دوسری بیٹیاں۔ اگر ماں اور خالہ باپ کے خاندان کی ہوں تو ان کے مہر کا

اعتبار کیا جائے گا۔ کسی لڑکی کا ہر مثل اس عورت کے ہر سے متعین کیا جائے گا جو صورت، سہرت، علم و سلیقہ اور دینداری میں اس کے قریب قریب ہو، اگر قریبی رشتہ داروں میں کوئی لڑکی ان صفات کی نہیں ہو تو دور کے رشتہ داروں میں جو لڑکی اس کے جیسے صفات کی ہوگی اس کا ہر مثل قرار پائے گا۔

۱۔ نکاح کے وقت ہر کا تعین کیا جا چکا ہو تو ہر کے متعلق بعض ضروری مسائل خلوت صحیحہ کے بعد پورا ہر دینا پڑے گا۔

۲۔ اگر نکاح کے وقت ہر کا ذکر نہیں کیا گیا، یا مرد نے مہر نہ دینے کی شرط لگا دی اور نکاح ہو گیا دو دنوں صورتوں میں خلوت صحیحہ کے بعد عورت ہر مثل پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے، یہی حکم اس وقت بھی نافذ ہوگا اگر مرد کا انتقال ہو جائے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ)

۳۔ اگر کوئی شخص نقد رقم کے بجائے غیر منقول جائیداد مثلاً مکان، زمین، دکان یا منقولہ اموال مثلاً موٹر، موٹر سائیکل یا سواری کا جانور مقرر کرے تو وہ کر سکتا ہے لیکن یہ تعین ضروری ہے کہ کوئی زمین، مکان، یا سواری ہر میں دے رہا ہے۔ اگر مبہم رکھا تو ہر مقرر نہیں ہوا۔ اس کے بجائے ہر مثل دینا پڑے گا۔ (ردالمحتار)

۴۔ اگر کسی خدمت کو یا ایسی چیز کو جو فی الوقت موجود نہیں ہے ہر ٹہرایا تو وہ صحیح نہ ہوگا مثلاً یہ کہا کہ میں عورت کو حج کرا دوں گا، یا تعلیم کا خرچ برداشت کروں گا یا خدمت کے لئے ایک خادمہ رکھ دوں گا تو ہر کی تعین صحیح نہ ہوگی اور ان تمام صورتوں میں ہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔

۵۔ دو شخص اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کا نکاح اس طور پر کہ ہر ایک دوسرے کی لڑکی کو اپنے لڑکے سے کر دے اور یہ تبادلہ ہی ہر سمجھا جائے تو یہ نکاح فاسد ہے، اس کو ”نکاح شغار“ کہا جاتا ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، دونوں کو ہر مثل دینا پڑے گا۔

۶۔ اگر نکاح کے وقت ہر مقرر نہیں کیا گیا۔ مگر نکاح کے بعد میاں بیوی دونوں نے اپنی خوشی سے ہر مقرر کر لیا تو وہی واجب ہوگا۔ ہر مثل واجب نہیں ہوگا۔

۷۔ نکاح کے وقت ہر مقرر کیا گیا مثلاً ایک ہزار۔ شوہر نے بعد نکاح کہا کہ میں ڈیڑھ ہزار دوں گا

تو اب اُس پر اتنا ہی واجب ہو گیا۔ اگر نہ دے تو عورت اُس سے مزید رقم کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ نہیں ادا کرے گا تو گنہگار ہوگا، اسی طرح اگر عورت نے مقررہ مہر میں سے کچھ معاف کر دیا تو اتنا حصہ مہر کامر دے کر سے معاف ہو گیا۔ اب عورت اس معاف شدہ رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

۸۔ عورت کو بدیشان کر کے ڈرا دھمکا کر اگر مرد نے مہر معاف کر لیا تو ایسی معافی معتبر نہیں ہے۔ مہر عورت کی ملکیت ہے اور ملکیت کا کوئی حصہ جب تک بخوشی کسی کو نہ دے دیا جائے وہ خود نہیں لے سکتا۔

۹۔ شوہر اور بیوی دونوں بالغ ہوں اور دونوں یکبارہ چکے ہیں مگر شوہر خرافض زوجیت ادا کرنے سے بسبب کسی جنسی خرابی کے باز رہا تو اس صورت میں اگر مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے نکاح فسخ کر لیا تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ البتہ اگر دونوں میں سے کوئی نابالغ ہے اور اس حالت میں نکاح فسخ ہو گیا یا طلاق ہو گئی تو نصف مہر واجب ہوگا۔

۱۰۔ نکاح کے شرائط اور ارکان پورے نہ ہوئے ہوں مثلاً دو گواہ نہ رہے ہوں یا ادنی جائز کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نے نکاح کر دیا ہو یا کوئی اور خرابی ہو جس کی وجہ سے نکاح فاسد قرار دیا گیا ہو اور دونوں میں علیحدگی کرادی گئی ہو تو اگر یہ علیحدگی مباشرت کے بعد ہوئی ہے تو مہر مثل دینا پڑے گا لیکن اگر مباشرت نہیں ہوئی تو مہر واجب نہ ہوگا اگرچہ خلوت صحیح ہو چکی ہو۔

**خلوت صحیحہ کی تعریف** مرد اور عورت دونوں بالغ ہوں اور انہیں تنہائی میں یکجا ہونے کا ایسا موقع ملے کہ کوئی حسی، طبعی یا شرعی مانع مباشرت کے لئے نہ ہو تو اس تنہائی اور یکجائی کو خلوت صحیحہ کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی مانع موجود ہو جس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے تو خلوت صحیحہ نہ ہوگی، ایسی تنہائی کو خلوت فاسدہ کہیں گے۔

**موانع مباشرت** مرد یا عورت میں سے کوئی ایسا بیمار ہو کہ مباشرت ممکن نہ ہو یا قریب کوئی تیسرا شخص موجود ہو خواہ وہ سوتا ہی کیوں نہ ہو۔ یا مرد اور عورت میں سے کوئی احرام باندھے ہوئے ہو، یا ان میں کوئی رمضان کا روزہ رکھے ہوئے ہو یا عورت حیض کی حالت میں ہو یا دونوں میں کوئی نابالغ ہو تو ان جیسی صورتوں میں یکجائی اور تنہائی خلوت صحیحہ نہیں خلوت فاسدہ کہی جائے گی۔

**چڑھاوے اور جہیز کا بیان** یہ رواج ہے کہ عقد اور مہر کا تصفیہ ہونے کے بعد ہونے والا شوہر بیوی کو تحفہ بھیجتا ہے جس کو پیش کش یا چڑھاوا کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی رواج ہے کہ عورت حیثیت کے مطابق جہیز لے کر آتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرد کے تحفے کو مہر میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ اور کیا مرد کو یہ حق ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کرے؟

ہدیہ یا تحفہ جو مرد کی طرف سے عورت کو بھیجا جاتا ہے وہ دو طرح کا ہو سکتا ہے کھانے پینے کی چیزیں یا برتنے اور رکھ اٹھا کر استعمال کی چیزیں جیسے زیور یا ملبوس تو اگر پہلی قسم کی اشیاء کو مرد یہ لگان کرے کہ اُسے مہر میں شمار کیا جائے اور بیوی کہے کہ وہ مہر نہیں ہے بلکہ ہدیہ ہے تو بیوی کا کہنا تسلیم کیا جائے گا کیونکہ عام رواج میں ان اشیاء کو مہر نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح وہ چیزیں جنہیں چڑھاوا کہتے ہیں اس میں کنگن یا جوڑیاں یا انگوٹھی اور اس کے ساتھ شیشی اور بھولدار کپڑے وغیرہ ہوتے ہیں، عام طور پر اس کو مہر نہیں کہتے بلکہ یہ ایک پیش کش ہے جو بیوی کو اس لئے بھیجی جاتی ہے کہ وہ کسی اور خواستگار کو قبول نہ کرے، اب اگر مرد یہ دعویٰ کرے کہ اُسے مہر میں شمار کیا جائے اور اس دعویٰ کی کوئی شہادت نہ ہو تو اس بارے میں عورت جو بات کہے اُسے قسم کھا لینے پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسرے قسم کے تحفوں اور ہدیوں میں شوہر کی بات کو مان لیا جائے گا اگر کوئی اور ثبوت نہ ہو پس اگر شوہر قسم کھالے کہ میں نے یہ اسی ارادے سے دیا تھا کہ مہر میں دے۔ یا ہوں تو اُس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا، اب اگر اُس کا تحفہ باقی ہے تو بیوی کو حق ہے کہ اُسے واپس کر دے اور اپنا مہر وصول کر لے اور اگر وہ چیز ختم ہوگئی ہے تو اُس کی قیمت لگا کر مہر میں سے اُسی قدر وضع کر لیا جائے گا۔ مگر ترجیح اس رائے کو حاصل ہے کہ عام دستور کو دیکھا جائے گا اگر تحفے کو مہر نہیں قرار دیا جاتا تو اسی کے مطابق عملدرآمد ہوگا، اگر کوئی اور ثبوت پیش نہ جاسکے۔

رہا جہیز کا مسئلہ تو اس بات کی صحت میں کوئی شک نہیں کہ جس چیز کو مہر قرار دے کر عقد نکاح کیا جاتا ہے اُس کا بدلہ بیوی کے سوا اور کچھ نہیں ہے لہذا شوہر کو بیوی کی ذات کے سوا اور کسی چیز (جہیز وغیرہ) کے مطالبہ کا حق نہیں ہے لیکن اگر کسی مہر پر عقد طے ہو گیا پھر شوہر نے (مہر کے علاوہ)



اور کچھ رقم دے دی کہ اس سے وہ اپنا جہیز تیار کر لے اور بیوی نے وہ رقم لے لی لیکن بغیر جہیز کے آگئی اور شوہر نے عرصہ تک اس پر کچھ نہ کہا تو یہ اس کی رضامندی کا ثبوت ہے اور اب اسے اس رقم کے مطالبہ کا جواز اس نے جہیز کے لئے دی تھی، حق نہیں رہے گا ورنہ وہ اس کے مطالبہ کا حق رکھتا تھا کیونکہ وہ ایسے کام کے لئے دی تھی جس کی انجام دہی خود اس پر واجب تھی اس لئے کہ بیوی کے ضروریات کی فراہمی شوہر کا کام ہے اسی طرح باپ یا ماں نے اگر کوئی چیز یا سامان بیٹی کو دیا ہو اور وہ اسے قبول کر چکی ہو تو باپ یا ماں کو بیٹی سے واپسی کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ بیٹی کی ملکیت ہو گئی۔

**محرمات نکاح** اسلام میں مردوں کے لئے جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے ان کے دو طبقے ہیں ایک وہ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے دوسرا وہ جن سے عارضی طور پر نکاح حرام ہے جب حرمت کی وجہ دور ہو جائے تو وہ حلال ہو جاتی ہے پہلے طبقہ میں حرمت کی وجہیں تین ہیں نسب، شادی، دودھ میں شرکت۔

نسبی رشتے سے تین قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) وہ جس کے اوپر اور نیچے کی تمام شاخیں حرمت میں شامل ہیں یعنی ماں اور ماں کی مائیں یا باپ کی مائیں اور ان سے اوپر اور نیچے کی شاخیں بیٹیاں، نوایاں، پوتیاں اور ان سے نیچے کی اولاد سب ابدی حرام ہیں (۲) ماں باپ کی بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا عسلاقی یا اختیاقی، بہنوں کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں اور ان کے بیٹوں یعنی بھانجیوں کی بیٹیاں اور بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور بھتیجیوں کی بیٹیاں اور ان سے نیچے کی اولاد (۳) دادا اور نانا کی شاخیں یعنی چچو بھیاں اور خالائیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی۔ نسبی محرمات کی گنتی یہیں تک ہے لہذا بھوپتی اور خالائوں کی بیٹیاں چچا اور ماموں کی بیٹیاں حرام نہیں ہیں۔ دادی اور نانی کی شاخ میں بھی بجز اس کے جو نسب میں پہلے درجے پر ہے اور کوئی حرام نہیں ہے۔

شادی کے رشتے سے بھی تین قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) بیوی کی بیٹی یعنی مرد کی سوتیلی بیٹی جس کو ربیبہ کہتے ہیں اور ربیبہ کی بیٹی اور اس کی بیٹی کی بیٹی سب حرام ہیں (۲) نکاح ہوتے ہی بیوی کی ماں، نانی اور دادی یعنی ساسیں حرام ہو جاتی ہیں (۳) وہ تمام عورتیں جو باپ کے حرم میں رہی ہوں۔

دودھ کے رشتے سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کے رشتے سے حرام ہوتی ہیں۔  
 بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر رضاعت کے بیان میں آئے گا۔  
 یہ وہ صورتیں ہیں جو ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام کر دینے کی موجب ہیں۔

**عارضی طور پر نکاح کو حرام کر دینے والی صورتیں** چند امور ایسے ہیں جن سے عارضی طور پر عورت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے؛  
 (۱) بیوی کے ایسے رشتہ دار سے شادی جس کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو بیوی اُس سے شادی نہ کر سکتی ہو اُس کی تفصیل آگے آ رہی ہے (۲) مشترکہ عورت جو کسی آسمانی دین کی پیروی نہ ہو (۳) وہ عورت جو طلاق کے ذریعہ حرام ہو چکی ہو (۴) وہ عورت جو کسی کے ساتھ وابستہ ہو یعنی نکاح ہو اہو لیکن رضعتی نہ ہوئی ہو یا وہ عدت میں ہو (۵) وہ مرد جس کی چار بیویاں موجود ہوں یا جو تہی عدت میں ہو اُس کے لئے بھی نئی شادی کرنا جائز نہیں۔ ان تمام صورتوں میں اگر وجوہ مانعِ حلیت نکاح دور ہو جائیں تو نکاح جائز ہو جائے گا۔

**مضامرت یعنی سسرالی رشتے کی وجہ سے حرمت** مضامرت (یعنی ازدواجی رشتہ) سے جو عورتیں کسی مرد پر حرام ہو جاتی ہیں ان میں سے ایک بہو یعنی بیٹی کی بیوی ہے جس کا رشتہ بیٹی کے مشابہ ہوتا ہے۔ دوسری بیوی کی بیٹی جو پہلے شوہر سے ہو وہ بھی رشتہ میں اپنی بیٹی کے برابر ہے تیسری باپ کی دوسری بیوی وہ بھی رشتہ میں اپنی ماں کے مانند ہے چوتھی بیوی کی ماں کہ وہ اپنی ماں جیسی ہے۔  
 بہو ہونے میں بیٹی کی بیوی کی طرح پوتے بڑ پوتے، نواسے پڑ نواسے کی بیویاں شامل ہیں اگر باپ کسی لڑکی سے شادی کر لے تو وہ بیٹی پوتے بڑ پوتے وغیرہ سب پر حرام ہو جاتی ہے اسی طرح اگر بیٹا کسی عورت سے شادی کر لے تو وہ اُس کے باپ دادا، پردادا وغیرہ سب پر حرام ہوگی خواہ خلوت صیغہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن باپ کی بیوی کی بیٹی جو اپنے باپ کی بیٹی نہ ہو وہ حرام نہیں ہوگی، اسی طرح ماں کے دوسرے خاوند کی بیٹی اور اُس خاوند کی ماں بھی حرام نہیں۔  
 سوتیلی ماں کی ماں، اور بہو کی ماں اور منہ بولے بیٹی کی بیوی (طلاق کے بعد) حرام نہیں ہیں۔  
 اگر ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی جس کا ایک بیٹا دوسرے خاوند سے ہو اور وہ

بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اُس سے یہ شخص (یعنی ماں کا خاوند) نکاح کر سکتا ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کی ماں اور نانی سب حرام ہو جائیں گی خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس عورت کی بیٹی جب ہی حرام ہوگی جب خلوت ہوئی ہو۔

رشتہ ازدواج سے بعض عورتیں جو حرام ہو جاتی ہیں اُن کا ذکر ہوا۔ لیکن اگر باقاعدہ نکاح کے ذریعہ رشتہ نہ ہوا ہو تو بُری نیت سے کسی عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے اور جو اس حرام کام مرتکب ہو جائے تو اس عورت کی ماں اس مرد کے لئے اور مرد کا باپ اس عورت کے لئے حرام ہو گیا۔

مرد اور عورت کا تعلق حرمت مصاہرت کے لئے تب ہی معتبر ہوگا جب عورت کی عمر نو برس یا اس سے زائد ہو۔ اگر اس سے کم عمر ہو تو پھر حرمت قائم نہیں ہوگی۔

اسلام نے بعض شرائط کے ساتھ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے جس کی حد چار بیویوں تک ہے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا ہے **فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْلَمُوا فَوَاحِدًا** اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھنا۔ چار کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح قطعاً حرام ہے۔

ایسی دو عورتوں کا زوجیت میں جمع کرنا کن عورتوں کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے۔ حرام ہے کہ ان دونوں میں سے اگر کسی کو مرد تصور کر لیا جائے تو اُن دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو، لہذا دو بہنوں کا ایک شخص کی زوجیت میں جمع ہونا حرام ہے کیونکہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کر لیا جائے تو دونوں بھائی بہن ہو جائیں گے جن کا باہم نکاح ناجائز ہے، اسی طرح ایک لڑکی اور اُس کی بھوپھی یا خالہ جمع نہیں ہو سکتی، اگر بھوپھی یا خالہ کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ اُس کا چچا یا ماموں ہوگا اور بھتیجی یا بھانجی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ جس طرح سگی بہنیں زوجیت میں جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح رضاعی بہنیں بھی جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان میں بھی اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو بھائی بہن کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اگر بیوی کا انتقال ہو جائے یا اُس کو طلاق مل جائے اور عدت کا زمانہ گزر جائے تو اُس کی

بہن سے یا خالہ سے یا بھوپتی سے اگر نکاح کرنا چاہے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔ ایک وقت میں دونوں کا جمع کرنا حرام ہوگا، اس حضرت علیؑ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لا تنکح المرأة علی عمتھا	یعنی کوئی عورت اپنی بھوپتی پر (اس کے شوہر
ولا عمة علی بنت اخیھا	سے) شادی نہ کرے اور نہ کوئی بھوپتی اپنی بھوپتی
ولا الکبری علی الصغری	پر (اس کے شوہر سے) شادی کرے نہ بڑے
ولا الصغری علی الکبریٰ	رشتہ والی جھوپتی پر اور نہ جھوپتی رشتہ والی

(ترمذی) بڑے رشتہ والی پر۔

لہذا جن کو زوجیت میں جمع کرنا ملال نہیں ہے اگر ایسی عورتوں کو کسی نے جمع کیا تو وہ عقد فسخ کر دیا جائے گا، نسب کے رشتے سے جو شادی حرام ہے وہی دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہے بجز چند صورتوں کے جن کا ذکر رضاعت کے بیان میں آئے گا۔

مختلف مذاہب کی عورت سے نکاح  
مسلمانوں سے عقیدے کا اختلاف تین صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے (۱) وہ لوگ جو اوثان (عورتوں)

یا اصنام (تصویروں) کی بندگی کرتے ہوں (۲) وہ لوگ جو اس کے مدعی ہیں کہ ان کے نبی پر ایک کتاب نازل ہوئی۔ لیکن اس کی تصدیق موجودہ آسمانی کتابوں سے نہیں ہوتی مثلاً مجوسی جو آگ کی پرستش کرتے ہیں اور قائل ہیں کہ زرتشت پر ایک کتاب نازل ہوئی مگر لوگوں نے اس کو بدل دیا تو وہ کتاب اٹھالی گئی (۳) وہ لوگ جو آسمانی کتابوں پر ایمان لائے جن کی تصدیق قرآن نے کی ہے۔ تو پہلی دو قسم کے مذاہب والوں سے نکاح کے مسلمان کا حلال نہیں ہے۔ تیسری قسم کے مذاہب والے یہودی اور نصرانی ہیں جو تورات زبور اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں تو مسلمان مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ کتابیہ (یعنی یہودی یا نصرانی عورت) کے ساتھ نکاح کر لے لیکن مسلمان عورت کے لئے کتابی (یعنی یہودی یا نصرانی مرد) سے نکاح حلال نہیں ہے۔ غرض مسلمان عورت کا نکاح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو۔ ان تمام مذکورہ باتوں کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا" (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور فرمایا — وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا

(مشرک مردوں سے) عورتوں کا نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں (اس سے ثابت ہوا کہ کسی طرح بھی مرد کا نکاح مشرک سے اور مسلمان عورت کا نکاح مشرک سے حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایمان لائیں اور مسلمانوں میں داخل ہو جائیں۔

کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کو نکاح کرنے کی اجازت ان الفاظ میں دی گئی ہے:

وَالْمُضَنَّةُ مِنَ الَّذِينَ أَتَوْا الْكِتَابَ (نیک عورتیں اُن میں سے جنہیں تم سے

مِنْ بَيْنَكُمْ (مائدہ - ۵) پہلے کتاب دی گئی تھیں پر حلال ہیں)

نیک عورتوں کی صراحت کے ساتھ کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال ہونا ثابت ہے، قرآن نے دو باتوں کی قید لگائی مِنْ الَّذِينَ أَتَوْا الْكِتَابَ یعنی وہ واقعی اپنے نبی اور اُن پر نازل شدہ کتاب پر ایمان رکھتی ہوں، دوسری یہ کہ وہ محضات اپنے کو قید نکاح میں رکھنے والی یعنی پاک دامن ہوں۔ جہاں یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جائیں گی یا ان کے پائے جانے میں شک ہو گا وہاں نکاح کی اجازت نہیں دی جائے گی جس کی مثالیں عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں ملتی ہیں۔

اگر میاں بیوی میں سے کوئی شخص خدا نخواستہ اسلام سے مرتد ہو جائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے تو رشتہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی مشرک جوڑا (میاں بیوی) ساتھ ہی مسلمان ہو جائیں تو اُن کو نیا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دیدی تین طلاق والی عورت کی حرمت

تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ عدت گزرنے کے بعد کبھی اور سے نکاح نہ کرے، اب اگر دوسرا شوہر خلوت صحیحہ اور مباشرت کے بعد اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔ یہ دوسرا خاندان جس نے عورت کو پہلے خاندان کے لئے حلال کر دیا محفل کہا جاتا ہے۔

وقتی نکاح یا مُتَعَمَّیہ نکاح متعہ اور نکاح موقت ایک ہی ہے، اس بارے میں چاروں ائمہ کے نزدیک اختلاف نہیں۔ بنیاد اس نکاح کی یہ ہے کہ آغاز اسلام

میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور انھیں دشمنوں کا دفاع کرنے کے لئے مسلسل مشغول رہنا پڑتا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے جن حالات میں عرب کے لوگ پہلے تھے وہ عورتوں سے انہماک کا دور تھا، شادی کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، ہر شخص جتنی چاہے عورتیں کر سکتا تھا ایسے لوگ جب حالات جنگ سے دوچار ہوئے تو لامحالہ وہ ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے سے محروم ہو گئے جن کی آزادی انھیں حاصل تھی پھر دین میں داخل ہونے کے بعد ایک مسلمان اپنے فطری اور فطری مطالبات کو شریعت کے اندر رہتے ہوئے پورے کرنے کا پابند ہو گیا۔ شریعت نے زنا کو قطعاً حرام قرار دیدیا۔ لہذا ضروری تھا کہ حالات جنگ میں وقتی تقاضوں کے مطابق شرعی احکام ہوتے تاکہ فطری تقاضوں کو ان سے ہم آہنگ کیا جاسکے نکاح متعہ یا وقتی نکاح کی نوعیت ان وقتی احکام کی ہے جو حالت جنگ میں مصلحتاً دیئے جاتے ہیں تو یہ بھی بنیاد نکاح متعہ کی شرعی اجازت کی۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث سے جو بروئے مروی ہے ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس سال ہم کو فتح حاصل ہوئی اور ہم مکے میں داخل ہوئے اسی سال ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کی اجازت دی تھی پھر ابھی ہم وہاں سے نکلے نہ تھے کہ ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی۔ اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ حکم وقتی اور حالات جنگ کی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ نیز ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي كُنْتُ أَذْنُتُ فِي  
الْإِسْتِمْرَاعِ أَلَا وَإِنَّ اللَّهَ خَرَمَهَا  
إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

اے لوگو! میں نے بیشک متعہ کی اجازت دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اب اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔

اور یہ عین عقل کے مطابق ہے۔ شریعت نے زنا کو بدترین جرائم میں سے ایک جرم قرار دیا ہے اور ایسے عمل کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں اس کا شبہ بھی پایا جائے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ إِنَّهَا كَانَتْ فَاحِشَةً مُّؤْتَاةً

زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو بلاشبہ یہ مکملی

سینہ (بنی اسرائیل ۳۲) معصیت اور بُری راہ ہے۔

براہِ شریعت و فطرت اسے موضوعِ برکاتی ہے۔ اس طرح اگر کسی عورت سے ایک مقررہ مدت کے لئے باج کیا گیا مثلاً ایک ماہ، ایک سال یا دو چار یا دس برس کی قید لگا کر تو یہ نکاح حرام ہوگا۔ اس عورت

سے مباحثت کرنے والا زنا کا مرتکب ہوگا اور اسی سزا کا مستحق ہوگا جو شریعت نے مقرر کی ہے۔  
**رضاعت کی وجہ سے نکاح کا حرام ہونا** اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نسب کے رشتے سے جن سے نکاح حرام ہے ان سے رضاعت کے رشتے سے بھی نکاح حرام ہے۔ رضاعت کے لغوی معنی پستان سے دودھ پوسنے کے ہیں چنانچہ جس کسی نے عورت اگائے بچی کے پستان سے دودھ پیا تو عربی میں کہتے ہیں رضعتھا۔ (اُس نے اُسے دودھ پلایا) اگر جانور کا دودھ دوبا اور بھڑکھی نے اُسے پیا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس نے دودھ پلایا۔ جہاں تک معنی کا تعلق ہے اُس میں یہ شرط نہیں ہے کہ پستان چوسنے والا بچی یا بچہ ہو۔

**رضاعت کے اصطلاحی معنی** اصطلاح شرعی میں اس لفظ کے معنی کسی عورت کے دودھ کا ایسے انسانی بچے کے پیٹ میں جانا ہے جس کی عمر دو سال یعنی چوبیس ماہ سے زیادہ نہ ہو۔ اس تعریف سے اُن بچوں میں جنہوں نے کسی جانور کا دودھ پیا ہو رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور وہ بچہ جس نے ۲۴ ماہ کی عمر ہو جانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا ہو اُس کی رضاعت دوسرے بچوں کے ساتھ نہیں ہوگی، یہ رائے تمام فقہاء کی اور صاحبین یعنی امام ابو حنیفہ کے دونوں شاگردوں کی ہے۔ اگرچہ امام صاحب نے مدت رضاعت ڈھائی سال یعنی تیس مہینے قرار دی ہے۔ لیکن صاحبین کی رائے کی حمایت میں قوی تر دلیل موجود ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مدت رضاعت کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے۔ **وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ** (مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں) دوسری جگہ اللہ پاں فرماتا ہے **وَحَلْهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** (بہیٹ میں رہنے اور دودھ چھڑانے تک کی مدت تیس ماہ ہے) دونوں آیتوں کی تطبیق اس طرح ہوتی ہے کہ مدت شیر خوارگی دو سال اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے، حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہی مطلب اس آیت کا بتایا تھا اور حضرت عثمانؓ نے اسی تفسیر کو تسلیم فرمایا۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے ایک اور طرح استدلال فرمایا ہے کہ حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے تک کی مدت دونوں الگ الگ تیس تیس مہینے گویا ارشاد باری کا منشا زیادہ سے

زیادہ مدت کا تعین کرنا ہے کم سے کم مدت مراد نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک حمل کی مدت بھی زیادہ سے زیادہ تیس مہینے تک ہو سکتی ہے۔ اور شیر خوارگی کی مدت بھی تیس ماہ تک مانی جاسکتی ہے اس طرح اگر ڈھائی سال کی عمر تک کا بچہ بھی کسی عورت کا دودھ پئے تو وہ اس عورت کا دودھ پینے والے تمام بچوں کا بھائی ہو جائے گا۔

دودھ کی شریکت سے نکاح کی حرمت کا حکم قرآن میں محرمات کا بیان سورہ نسا میں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَأُمَّهُنَّ الَّتِي كَانَتْ يُرْضُونَ بِأَمْنٍ مِّنَ الرِّضَاعَةِ (سورہ نسا - ۲۳)

تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یحرم بالرضاع ما یحرم من الولادة (بخاری) (جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں) یعنی (۱) ماں دادی، نانی (۲) بیٹی اور نواسیاں (۳) بہنیں سگی اور سوتیلی (۴) بہن کی بیٹیاں (۵) بھائی سگے یا سوتیلی کی بیٹیاں (۶) بھوپھیاں (۷) خالائیں۔

رضاعت کی مدت اور اُس کا حکم رضاعت کی مدت دو برس ہے۔ دو برس سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں لیکن اگر کسی عورت نے کسی کمزور اور کم طاقت بچے کو ڈھائی برس تک دودھ پلادیا تو وہ بھی رضاعی ماں تسلیم کر لی جائیگی اس کا خاوند رضاعی باپ اور اس کے لڑکے لڑکیاں دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن ہو جائیں گے۔ رضاعت کا یہ رشتہ اسی وقت قائم ہوگا جب بچے نے کسی عورت کا دودھ ڈھائی برس کی عمر کے اندر پی لیا ہو خواہ مسلسل پیا ہو یا صرف ایک بار ہی، دودھ کے چند قطرے ہی اس کے حلق میں گئے ہوں سب کا حکم برابر ہے لیکن ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ مدت مذکور کے اندر اگر بچے نے عورت کی چھاتی سے منہ لگا کر نہیں پیا بلکہ عورت نے اپنا دودھ نکال کر اُس کے منہ میں ڈال دیا حتیٰ کہ اُس کے منہ کے بجائے ناک میں بھی دودھ ڈال دیا جب بھی رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔



منہ اور ناگ کے علاوہ کسی اور ذریعے سے دودھ پہنچنے کا حکم کسی عورت کا دودھ بچے کے کان یا آنکھ میں ٹپکایا یا انجکشن کے ذریعہ دماغ میں پہنچایا یا حقن سے معدے میں پہنچ گیا یا ایسے ہی کسی اور غیر فطری طریقے سے اگر دودھ پہنچ جائے تو رشتہ رضاعت قائم نہ ہوگا۔

کسی عورت کا دودھ پانی یا دوا میں ملا کر کسی بچے کو پلایا گیا تو اگر دودھ کی مقدار پانی یا دوا سے کم تھی تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی لیکن اگر دودھ کی مقدار زیادہ تھی اور پانی یا دوا کم تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت کا دودھ بکری یا گائے کے دودھ میں ملا کر پلایا گیا تو بھی مقدار کو دیکھا جائے گا اگر عورت کا دودھ زیادہ تھا تو وہ اس بچے کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اس کے بچے اس کے رضاعی بہن ہو گئے۔

عورت کا دودھ دوا میں ملانا جائز نہیں اور ایسی دوا کا کھانا اور لگانا حرام ہے۔ گان اور آنکھ میں بھی عورت کا دودھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔

کنواری لڑکی جس کی عمر نو برس سے زیادہ ہو اگر اُس کے دودھ نکل آئے اور وہ دو برس سے کم عمر والے بچے کو پلا دے تو یہ لڑکی اُس بچے کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اُس کے تمام رشتے اس کے لئے حرام ہو جائیں گے۔

**رضاعت کا ثبوت** دودھ کا رشتہ یا تو شہادت سے ثابت ہوتا ہے یا زوجین کے اقراء سے۔ اگر نکاح ہونے سے پہلے یہ شہادت مل جائے کہ مرد اور عورت نے کسی ایک عورت کا دودھ مدت رضاعت کے اندر پیا تھا تو اُن کا نکاح حرام ہو جائے گا۔ لیکن اگر نکاح ہو چکنے کے بعد یہ شہادت ملتی ہے تو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو معتبر مردوں کی گواہی یا بچہ ایک معتبر مرد اور دو معتبر عورتوں کی گواہی دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لئے کافی ہوگی ایک شخص کی گواہی کافی نہیں ہے اور چار عورتوں کی گواہی بھی کافی نہیں ہے گواہوں میں ایک مرد ہونا ضروری ہے۔ گواہی دینے والے زوجین کے سامنے شہادت دیں کہ دونوں میں رضاعی رشتہ ہے تو اُن پر واجب ہوگا کہ خود ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں، خواہ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اگر ہو چکی ہے تو واجب یہ ہے کہ زبان سے

کہہ کر عقد کو فسخ کر دیں مثلاً خاوند گواہوں کے سامنے کہے کہ اس عقد زوجیت کو جو ہم نے کیا تھا میں نے فسخ کر دیا، یا وہ عورت ایسا ہی کہے۔ علیحدہ ہو جانے کے بعد اب یکجائی گناہ ہوگی۔ مباشرت اس صورت خاص میں حد جاری کرنے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ رضاعت کا ثبوت بہم پہنچنے سے نکاح فاسد قرار پایا جاتا ہے اور نکاح فاسد کی صورت میں حد جاری نہیں ہوتی تاہم زوجین پر لازم ہے کہ وہ خود فسخ نکاح کر کے علیحدہ ہو جائیں اگر وہ ایسا نہیں کریں تو حاکم شرع ان کے درمیان علیحدگی کر دے تو نکاح جاتا رہے گا اب مباشرت کا ارتکاب جرم قابل سزا ہوگا۔

اگر معتبر شہادت سے صرف عورت کو پتہ چل گیا کہ اُس کا خاوند اُس کا دودھ شریک بھائی ہے اور خاوند باہر گیا ہو اسے توجہ دہ واپس آئے تو عورت پر واجب ہے کہ اُس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ وہ باقاعدہ عقد فسخ کر لیں یا قاضی فسخ کر دے عورت کے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ رضاعت کا فیصلہ ہونے سے پہلے کسی اور سے شادی کر لے۔

اگر دودھ کی شرکت کی اطلاع خاوند کو ہو گئی اور بیوی کو نہیں ہوئی تو خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی سے علیحدہ رہے کیونکہ اب مباشرت گناہ ہے۔

اگر کسی ایک معتبر عورت نے میاں اور بیوی کو بتایا کہ دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے تو چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ دونوں (میاں اور بیوی) اس کی بات کو بیخ مان لیں تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اب اگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو بغیر کچھ اعلان کئے علیحدہ ہو جانا کافی ہے، عورت اس صورت میں ہر کی مستحق نہ ہوگی اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو اعلان کر کے علیحدگی واجب ہے اگر خود ہی جدا نہ ہوں تو قاضی پر واجب ہے کہ ان میں علیحدگی کر دے کیونکہ اُس عورت کی بات کو بیخ مان لینا اس امر کا اقرار ہے کہ عقد فاسد ہو گیا۔

۲۔ اگر دونوں اُس عورت کی بات کو بھٹلا دیں تو اس صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ رہیں تا وقتیکہ کوئی یقینی فیصلہ نہ ہو جائے۔ پھر اگر یہ اطلاع اُنھیں مباشرت کے بغیر ہوئی ہے تو خاوند کسی ہر کی ادائیگی واجب نہیں ہے تاہم افضل یہ ہے کہ نصف ہر ادا کر دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اُس میں سے کچھ نہ لے اور اگر

یہ بات مباشرت کے بعد معلوم ہوئی تو طے شدہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کمتر ہو اُس کا ادا کرنا لازم ہے، ایام عدت اور دیگر اخراجات ادا کرنا لازم نہیں لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ وہ بھی ادا کر دئے جائیں۔

۳۔ اگر اُس عورت کی اطلاع کو خاوند صحیح مان لے لیکن بیوی اس کو نہ ملنے تو عقد فاسخ ہو جائے گا لیکن خاوند پر مہر واجب الادا رہے گا خواہ اطلاع مباشرت سے پہلے ہوئی ہو یا بعد میں لیکن علیحدگی خاوند کی جانب سے ہوگی۔

۴۔ تیسری صورت کے برعکس اگر بیوی اُس اطلاع کو صحیح مان لے لیکن خاوند اُسے جھوٹ بتائے تو عقد فاسد نہ ہوگا۔ البتہ بیوی کو یہ حق ہوگا کہ اس کے لئے خاوند کو قسم دلائے گا کہ وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو ان میں علیحدگی کرادی جائے گی۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب اطلاع دینے والی عورت معتبر ہو لیکن اگر وہ قابل اعتبار نہ ہو تو اُس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی اگر دونوں میاں بیوی نامعتبر گواہوں کی باتوں کو مان لیں یا صرف خاوند مان لے تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور معاملہ مشتبہ ہو جائے گا۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ علیحدہ ہو جائیں۔

مذکورہ مسائل گواہی سے متعلق ہیں، رہا معاملہ اقرار کا تو اگر میاں بیوی دونوں نے رضاعت کا اقرار کر لیا، خواہ رضاعی بھائی بہن ہونے کا یا اس بات کا کہ دودھ پلانے والی ایک دوسرے کی ماں یا بچھوئی یا خالہ وغیرہ ہے تو ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ یہ اقرار مباشرت سے پہلے کریں یا بعد میں۔

اگر اقرار صرف خاوند کرتا ہے تو اُس کے اقرار پر عمل کیا جائے گا جب تک وہ اس سے رجوع نہ کرے، رجوع تب ہی کر سکتا ہے جب اُس نے تاکید اقرار نہ کیا ہو یعنی یوں نہ کہا ہو کہ یہ سچ ہے یا یہ جی بات ہے یا یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ وہ عورت میری دودھ شریک بہن ہے۔ اگر اُس نے اس طرح نہیں کہا اور جو کچھ کہا تھا اُس سے پلٹ گیا یا یہ کہا کہ میں نے جس بات کا اقرار کیا تھا وہ غلطی سے کیا تھا تو ایسی صورت میں رجوع کر لینا درست ہوگا اور زوجیت باقی رہے گی۔

اگر یہ اقرار صرف بیوی کی طرف سے ہو مثلاً یہ کہے کہ میں اُس کی دودھ شریک بہن ہوں تو اُس کا کہنا معتبر نہیں ہے۔ اگر اُس نے اپنے اقرار پر اصرار کیا اور خاوند نے اُس کو طلاق دیدی تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ مہر کی حقدار نہ ہوگی کیونکہ اُس نے خود عقد کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔

دودھ پلانے والی کی شہادت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاعت کی گواہی دودھ پلانے والی کی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہ کرے تاکہ خود غرضی کا الزام عائد نہ ہو اور اُس کی گواہی درست نہ ہوگی جب تک یہ شرط نہ پائی جائیں :

۱۔ رضاعت کا وقت بتائے کہ اس نے فلاں وقت دودھ پیا تھا کیونکہ ممکن ہے کہ اُس نے اُس کو دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلایا ہو یا خود اُس کی عمر نو سال سے کم ہو۔  
۲۔ وہ یہ بھی بتائے کہ اس نے کتنی بار دودھ پلایا ہے۔

۳۔ وہ درمیانی فاصلے بھی بیان کرے۔  
۴۔ وہ یہ بھی بتائے کہ دودھ چھاتیوں سے اُترا اور بچے کو دیکھا کہ وہ اُسے چوس رہا یا گھونٹ لے رہا ہے اور دودھ فی الواقع بچے کے پیٹ میں پہنچا۔

رضاعت کے اقرار کی گواہی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ عورت ذات کلبن (شیردار) ہے۔

رضاعت کے بارے میں زوجین کے اقرار کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ جس بات کا وہ اقرار کرتے ہیں اُس کا ہونا ممکن ہو۔ اگر کوئی شخص دودھ کے رشتے سے بیوی کو بیٹی کہہ دے اور وہ عمر میں اُس سے بڑی ہے تو یہ غلط بیانی ہوگی۔

رضیع کے حقیقی بھائی بہن کا حکم رضیع یعنی جس نے دودھ پیا ہے اُس کا نکاح مُرضعہ (دودھ پلانے والی) اور اُس کے شوہر اور اُس کے غونی رشتہ داروں سے جائز نہ ہوگا لیکن رضیع کے دوسرے بھائی بہن جنہوں نے اس خاص مرضعہ کا دودھ نہیں پیا خواہ وہ حقیقی ہوں یا سوتیلے یا رضاعی اُن کی اُس مرضعہ کے بڑے ترکہوں

سے شادی ہو سکتی ہے۔

رضیع کے لڑکے لڑکیاں مريضہ اور اس کے شوہر کے لئے حرام ہیں کیونکہ رضیع کے بچے مريضہ اور اس کے شوہر کے پوتے پوتیاں اور اس کی بیوی بہو ہو گئی، اسی طرح رضیعہ کے بچے مريضہ اور اس کے شوہر کے نواسے نواسیاں اور اس کا شوہر داملا ہو گیا اور ان سب سے شادی حرام ہے، اس شعر میں یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے جسے یاد رکھنا چاہیے۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش اند حرام  
وز جانب شیر خوارہ زود جان و ذروع

بیوہ اور مطلقہ سے نکاح اسلام غورتوں کو نکاح کے رشتے میں بندھا رکھنا چاہتا ہے کیونکہ یہ بات اس کی عزت و عصمت کو محفوظ رکھتی ہے عہد نبوی میں صحابہ کرام کی بیویاں جب بیوہ ہو جاتیں تو دوسرے صحابہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خاص لحاظ رکھتے کہ وہ بغیر کسی مرد کے جو ان کی عصمت و عصمت کا محافظ ہو نہ رہنے پائیں۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام کی سیرت میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ قرآن کے اس ارشاد کے مطابق کہ و انکھوا الی ما حلیٰ منکم (اپنی قوم کی بیواؤں سے نکاح کر دو) اس کا بہت لحاظ رکھا جاتا کہ کوئی خاتون بغیر کسی مرد پرست کے زندگی نہ گزارے۔ بیوہ کے لئے عدت چار مہینے دس دن۔ مطلقہ کی عدت تین حیض اور حاملہ بیوہ یا مطلقہ کی عدت پنجے کی بیدارش ہے یعنی اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس مقررہ مدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔

زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الزانی لَا یَتَمَحَّ الاُنْ اٰیۃٓ اَوْ مَشْیَۃً اَزْناکر نے والد بجز زانیہ اور مشرکہ عورت کے کسی سے نکاح نہ کرے) اسلامی شریعت نے جو طریقہ ایک مرد کو کسی عورت سے متمتع کرنے کے مقصد کے لئے ہیں ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے یعنی مقررہ حدود کو توڑ کر یہ تعلق قائم کرنا اصطلاح شریعت میں زنا کہلاتا ہے اور اس کی شناعة اس درجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ایسے مرد و عورت کو قبول کرنے سے باز رہتا ہے جو لوگ شرعی قوانین کے پابند نہ ہوں ان کو شریعت خارج از اسلام

قرار دیتی ہے اور انھیں وہی حیثیت دیتی ہے جو ایک مشرک کی حیثیت ہو۔ چنانچہ زانیہ کے لئے کوئی عذرت نہیں۔ اگر اُس کو حمل رہ گیا ہے تو اُسی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے جس کا حمل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اُس سے نکاح کرے تو اُسے مباشرت نہ کرنا چاہیے تاکہ حمل میں اختلاط واقع نہ ہو۔

**نکاح کے باب میں مستحب امور** کفارات اور مہر کے بیانات میں بہت سی باتوں کا ذکر کیا جا چکا ہے جو آدمی کی معاشی اور معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے رشتہ نکاح قائم کر کے وقت پیش نظر رہنا چاہئیں۔ اخلاق و دیانت کا تقاضا ہے کہ شادی کے مواقع پر اسرار سے بچا جائے کیونکہ حیثیت سے زیادہ جو عمل کیا جائے گا وہ پریشانی اور بوجھ بڑھانے والا ہوگا اور نکاح کی برکتوں کو گھٹانے والا ہوگا اور مسرت کے بجائے رنج و غم میں اضافہ کرے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: **النکاح اعظم البرکۃ** البسرہ مؤنثہ کسب سے زیادہ مبارک نکاح وہ ہے جو سہل تر ہو یعنی مادی پریشانی اور بار کا سبب نہ ہو آپؐ نے فرمایا کہ جس لڑکے کے دین و اخلاق سے مطمئن ہو جاؤ اُس سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو **تَنْکُنْ قِشْنَةً فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ** (زمین میں عظیم فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا) ان ارشادات میں واضح کر دیا گیا کہ شادی بیاہ کی تقریب کو نہایت سادہ کم خرچ اور اخلاقی حدود کے اندر ہونا چاہیے، بہت سی رسوم اور غیر ضروری جہیز جو محض مادی خواہشات کی پیدا کردہ ہیں دین و اخلاق سے اُن کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ اُلٹے تباہ کن ہیں۔

یہ امر مستحب ہے کہ جب نسبت طے کی جا رہی ہو تو ہونے والی بیوی کو دیکھ لیا **خطبہ (مغلنی)** جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار صفات ہیں جسے کسی نہ کسی صفت کی بنا پر ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے **حسن و جمال، مال و دولت، خاندانی بوجہات دین و اخلاق**۔ پھر فرمایا: **فاظفر بذات الدین** تزینت یدانک، آدم دین والی کو حاصل کر کے سُرخ رو ہو جاؤ تاکہ بھلائی سے محروم نہ ہو، درحقیقت یہی چاروں باتیں دیکھی جاتی ہیں اور دیکھنا بھی چاہیے۔ جس عورت میں یہ چاروں صفتیں موجود ہوں تو بہت خوب ہے۔ مگر وجہ ترجیح جو حق صفت ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، دوسری صفتیں عارضی اور جلد ختم ہونے والی ہیں اس

کے علاوہ وہ ایسی ہیں کہ اگر دین و اخلاق نہ ہو تو وہ باعث عذاب ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آپ نے فرمایا: **الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ** (پوری دنیا دولتِ متاع ہے جس کی لذت جلد زائل ہو جانے والی ہے، دنیا کی بہترین دولت نیک و صالحہ عورت ہے) اس ارشاد سے دیندار، نیک اور صالح بیوی کا دنیا کی بہترین دولت ہونا مستند ہے اور محض حسن و جمال اور دولت و جاہ والی عورت کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی سند ہے کہ حسن و جمال اور جاہ و دولت کتنے دن باقی رہے گا جبکہ نیک اور صالحہ کبھی زوالِ آشتی نہیں بلکہ وہ ضمانت ہے فقر و افلاس کو دور کرنے کی، اللہ کا وعدہ ہے **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ** جس عورت کے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس کو دیکھنا مرد کے لئے مباح ہے جس سے محض نکاح کی خواہشمند اور طرفین کی رضامندی کا اظہار ہو، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: **إِذَا خُطِبَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً فَقَدَرَانِ يَرَى مِنْهَا بَعْضَ مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيُفْعَلْ** (احمد و ابوداؤد) یعنی جب کسی عورت سے منگنی ہو جائے اور وہ مرد عورت کو کسی قدر دیکھ سکا ہو کہ اسے نکاح کی رغبت ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے) اس سے ظاہر ہوا کہ جس کے ساتھ منگنی نہ ہوئی ہو اس عورت کو محض شوقیہ دیکھنا درست نہیں۔

**شادی کے سلسلہ میں رائے دینا** لڑکے یا لڑکی کے بارے میں صحیح معلومات اُن کے عیب و ہنر سے متعلق کرنا اور مشورہ لینا مستحسن ہے اور جس سے مشورہ کیا جائے اسے صحیح رائے دینا لازم ہے کیونکہ حدیث میں ہے **تَشْتَخِرُ مُؤْتَمِنٌ** (جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے) ایسی صورت میں واقعی عیوب کا ظاہر کر دینا غیبت نہیں ہے۔

**کسی کے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں ہے** اگر کسی مسلمان مرد نے کسی مسلمان عورت سے شادی کرنے کی بات چیت شروع کر دی ہو تو کسی دوسرے مسلمان کو اس جگہ پیغام نہیں دینا چاہیے جب تک ان کی بات چیت ختم نہ ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْتَهِى** (دبغاری) (کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام پر اس

وقت تک پیغام نہ دے جب تک نکاح کر لینے یا نہ کرنے کی بابت طے نہ ہو جائے۔)  
 منگنی کی رسم ادا کرنے کا جو دستور ہے مثلاً مٹھائی، سبزی، پھل اور نقد روپیہ یا زیور کا لینا دینا اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ اسراف ہے جس میں بعض رسوم مکروہ تحریمی ہیں اور بعض مکروہ تنزیہی۔ لہذا ان سے بچے رہنا چاہیے۔ عورت کا تعلیم یافتہ ہونا بہت اچھی صفت ہے بشرطیکہ اس سے مقصد اصلاح حال اور بچوں میں اخلاقی صفات اور تعلقات کا احترام پیدا کرنا ہو۔ دختر اور سیاست کی کرسی پر بٹھانا اور معاشی ذمہ داریاں عورت پر ڈالنا غیر فطری امور ہیں جس کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلے عورت کا دائرہ عمل گھر کے باہر تک نہیں پھیلنا چاہیے۔ البتہ اگر صاحب علم عورت ہو تو جس طرح عورتیں اس سے تحصیل علم کر سکتی ہیں اسی طرح مرد بھی شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے علم حاصل کر سکتے ہیں۔

**عقد نکاح کے لئے اعلان**  
 نسبت طے ہو جانے کے بعد نکاح کے لئے دن تاریخ اور وقت اور مقام کا اعلان کر دینا چاہیے۔ نکاح کے لئے تشہیر مستحب ہے، ایسے موقع پر دن، ڈھول یا نقارہ بجا کر یا جھنڈا بلند کر کے اعلان کیا جاسکتا ہے، رات کے وقت زیادہ روشنی حاصل کر کے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نکاح اعلان کر کے کرو اور اس کی بہترین جگہ مسجد ہے (ترمذی) مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن ہو، اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ عورت بذات خود نکاح میں شریک ہو بلکہ اس کا ولی ہو جو عاقل، نیکو کار اور قریبی رشتے دار ہو اور گواہ بھی معتبر اور نیک ہوں۔ یہ امر بھی مستحبات میں سے ہے کہ عورت ایسے شخص کو پسند کرے جو دین پر قائم ہو۔ کسی فاسق یا بے دین سے شادی نہ کرے۔ سہولت پسند، خوش اخلاق اور قیاض طبع شخص کا انتخاب کرے۔ ایسا مالدار جو بخیل یا حریص ہو یا ایسا مفلوک الحال جو خرچ نہ چلا سکے دونوں لائق انتخاب نہیں۔

**مقام نکاح**  
 جیسا کہ ابھی حدیث کا حوالہ دیا جا چکا ہے، نکاح کی بہترین جگہ مسجد ہے گھر پر بھی نکاح ہو سکتا ہے خواہ لڑکی کا گھر ہو یا لڑکے کا۔ لڑکی کے گھر برات لے جانے کی رسم مہرے اور جوڑے کی رسم یا سونے کی انگوٹھی مرد کو پہنانے کی رسم اور باجا بجانے



کی رسم یہ تمام رسمیں مکروہ یا حرام ہیں اس لئے ان سے گریز کرنا چاہیئے۔

**نکاح کے لئے بلاوا** لیکن لازم نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے نکاح کے موقع پر حضرت انسؓ کو بھیجا کہ جاؤ ابو بکرؓ، عمرؓ عثمانؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو اور انصار کے کچھ لوگوں کو بلاؤ، چنانچہ ان ہی کے سامنے آپ نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔ یہ نمونہ ہے ہمارے لئے اس میں نہ تو بلانے والے کو کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے اور نہ آنے والوں کو زحمت ہوتی ہے اس سے زیادہ اگر کچھ کیا جائے گا تو اس میں زحمت بھی ہوگی اور اسوۂ حسنہ کی پیروی نہ ہو پائے گی۔

**ولی کو لڑکی سے اجازت لینے کا طریقہ** بالغہ لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ اجازت لے کہ ”میں تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے اتنے مہر معجل یا مؤجل پر بڑھانا چاہتا ہوں تم اجازت دیتی ہو یا تم نے اجازت دی“ اگر لڑکے کے بارے میں لڑکی کو پہلے نہیں بتایا جا چکا ہے تو اذن لیتے وقت پورا تعارف کر دینا چاہیئے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ کون اور کیسا آدمی ہے کنواری لڑکی کا خاموش ہو جانا، آنسو بہا دینا یا ہاں ہوں کر دینا اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔ اور اگر کنواری نہیں ہے یعنی ایک شادی بلوغ کی حالت میں پہلے ہو چکی تھی تو بھروسے صراحتاً ”مجھے منظور ہے“ میں اجازت دیتی ہوں“ کہنا چاہیئے۔ نابالغہ لڑکی سے ولی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ولی اپنی صوابدید سے نکاح بڑھا سکتا ہے۔

**وکیل کے ذریعے اجازت لینا** ولی اگر کسی آدمی کو وکیل بنا دے کہ تم اجازت لے کر نکاح بڑھا دو تو وکیل کو بھی دو گواہوں کے سامنے انہیں الفاظ کے ساتھ اجازت لینا چاہیئے جیسے اوپر بیان ہوئے اور بالغ لڑکی سے صراحتاً اجازت لے لینا چاہیئے خاموشی یا ردینا کافی نہیں ہے۔

ولی یا وکیل کے ساتھ گواہوں کو بھی الفاظ (اجازت کے) سننا چاہئیں۔  
عام طور پر پہلے لڑکی سے اجازت لی جاتی ہے اور پھر لڑکے سے قبول کر دیا جاتا ہے لیکن

اگر کہیں اس کے برعکس صورت واقع ہو یعنی لڑکے سے پہلے ایجاب کرایا جائے تو بائغ اور سمجھدار لڑکے سے صریح الفاظ کے ساتھ ایجاب قابل اعتبار ہوگا ورنہ نہیں البتہ اگر لڑکانا بائغ اور نا سمجھ ہے تو دلی کی اجازت کافی ہے۔

قبول کرنے کا طریقہ جس طرح دو گواہوں کے سامنے اجازت لے لئی ہے اسی طرح دو گواہوں کی موجودگی میں قبول بھی ہونا چاہیے۔ قبول کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی سے یہ کہا جائے کہ میں فلاں لڑکے یا لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ تم نے اسے قبول کیا؟ جواب میں صاف صاف کہنا چاہیے کہ میں نے قبول کیا۔ تین بار قبول کروانا لازم نہیں ہے، ایک ہی بار کافی ہے۔

مہر کا ذکر کرتے وقت معجل (فوراً ادا ہونے والا) یا مؤجل (بعد میں ادا ہونے والا) اور سکے کا نام یعنی اتنے روپے اتنے ڈالریا اتنے ریال یا اتنا سونا یا اتنی چاندی کی صراحت کر دینا چاہیے۔

ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے یا عقد ہونے سے پہلے خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ خطبہ نکاح سب سے بہتر وہ خطبہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی کتابوں میں مروی ہے:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ نَحْمَدُہٗ وَنُسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّوْرِ الْفِتْنٰتِ وَ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِیْ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضِلِّہٗ فَلَا هَادِیَ لَہٗ وَ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ	(۲) سب تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں پس ہم اُس کی حمد کرتے اور اُسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے طلبگار ہیں اور اپنے نفس کی بُرائیوں اور بد اعمالیوں سے اُس کی پناہ مانگتے ہیں جسے وہ راہ راست پر ڈال دے اُسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اُسے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
---	--

ہے وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں  
میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ  
اس کے بندے اور رسول ہیں۔

(۲) لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے  
تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان  
سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور اُن دونوں  
سے بہت سے مرد اور عورتیں جہان میں  
پھیلادے۔ تم اس اللہ کی نافرمانی سے  
ڈرو جسے تم اپنا حاجت روا جانتے ہو اور  
قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی سے ڈرو  
یقین جانو کہ اللہ تم پر نگران ہے لہذا اسے  
ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے  
ڈرنے کا حق ہے اور مٹے دم تک سلام  
پر قائم رہو ۱۰۷ اے ایمان والو اللہ سے  
ڈرتے ہوئے ٹھیک بات کہا کرو تاکہ اللہ  
تمہارے کام بنائے اور تمہارے گناہ بخش  
دے اور جس شخص نے اللہ اور اُس  
کے رسولؐ کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی  
سے سرفراز ہوا۔

(۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي  
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ  
خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا  
رِجَالًا لَا تُدْرِكُوا لِسَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَ  
الْفَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ  
رَقِيبًا۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَ  
لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ  
مُسْلِمُونَ۔

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا  
سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ  
أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ  
ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا  
عَظِيمًا۔

اس خطبے کے بعد ارشادات رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو نکاح کے متعلق ہیں پڑھ  
بھی نکاح کی محفل میں باعث برکت و ہدایت ہیں اور ان ارشادات کی اطاعت واجب ہے  
النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ  
عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔  
نکاح میری سنت ہے جو اس سے گریز  
کرے گا وہ میرا امتی نہیں ہے۔

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةٌ  
سبب بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم پریشانی اور کم سے کم خرچ ہو۔

دعا عقد نکاح ہو چکنے کے فوراً بعد بیٹھے یا کھڑے ہوئے لوگوں کو دُعا مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ ان کو برکت دے ان پر اپنا فضل فرما ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور غمخواری پیدا فرما اور بھلائی کے کاموں میں اتفاق و اتحاد کی توفیق عطا کر سنت یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی کو رشتہ ازدواج قائم ہو جانے کی مبارکباد اس طرح دی جائے۔

بَارَكَ اللَّهُ لَكُمَا وَعَلَيْكُمَا  
وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ وَ  
عَافِيَةٍ  
اللہ تعالیٰ تم دونوں کو مبارک کرے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور دونوں خیر و عافیت سے رہو۔

دعوت ولیمہ ولیمہ اُس ضیافت طعام کو کہتے ہیں جو کھندائی کی خوشی میں کی جائے۔ یہ ایک سنت مؤکدہ ہے، یہ سنت اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ جس مرد کا نکاح ہوا ہے وہ حسب توفیق اعزہ اور احباب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ اگر جانور ذبح کرنے کا مقدور ہے تو سنت یہ ہے کہ ایک بکری سے کم نہ ہو۔ صاحب توفیق کے لئے یہ مطالبہ کم سے کم ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ارشاد فرمایا:

أَذِلُّمُ وَكَوْ بَشَاءَةً - ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی سے ہو۔

اگر مقدور نہ ہو تو حسب استطاعت جو بھی ہو سکے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے حضرت صفیہ سے نکاح کے بعد یہ دعوت ولیمہ دی:-

مَا كَانَ فِيهَا مِنْ خَبْزٍ وَلَا لَحْمٍ  
وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ  
بِالِاتِّطَاعِ قِسْطًا وَنَاسِقِي  
عَلَيْهَا التَّمَرُ وَالْأَقْطَادُ السَّمْنُ - اُس میں نہ تور وٹی تھی اور نہ گوشت تھا بلکہ آپ نے چڑے کا دسترخوان بچانے کا حکم دیا اس پر کھجوریں اور پنیر اور مسکہ رکھ دیا گیا (جسے لوگوں نے کھایا)

(بخاری و مسلم)

لڑکی والوں کے یہاں کسی طرح کی دعوت وغیرہ کا اہتمام غیر مسنون ہے، یہ بات الگ ہے کہ لڑکے کی طرف سے نکاح میں آگئے ہوئے لوگوں کی خاطر مدارات بغیر کسی زحمت و تکلیف کے کر دی جائے۔ لیکن اس کو دستور بنالینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا ہے۔

دعوت ولیمہ طعام العرس کا نام ہے ”عرس“ عقد ازدواج اور زفاف کے لئے بولا جاتا ہے یعنی زفاف اور کتھائی کی خوشی میں کھانے کی دعوت کرنا اس کے علاوہ دوسری مسرت بخش تقریبات میں بھی کھانے کی دعوتیں دی جاتی ہیں ان کے نام دوسرے ہیں مثلاً دعوت اہلاک اہلاک کے معنی ہیں زوجیت میں دینا، یہ نکاح سے قبل زوجہ بننے والی کی طرف سے دی جاتی ہے۔ دعوت عرس، ولادت کی تقریب میں دی جاتی ہے۔ دعوت عقیقہ۔ سوٹن کی تقریب میں کھانا کھلانے کو کہتے ہیں۔ ختنہ کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اس کو اعدار اور بچے کے قرآن ختم کرنے کی تقریب میں جو دعوت ہو اس کو حذاق کہتے ہیں یہ لفظ حذق سے مشتق ہے جس کے معنی علمی ہمارت کے ہیں۔ سفر سے واپس آنے کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اس کو نقیہ کہتے ہیں یہ لفظ نفع سے مشتق ہے جس کے معنی گرد و غبار کے ہیں، تعمیر مکان کی خوشی میں جو دعوت دی جاتی ہے اسے دیکر کہتے ہیں یہ غالباً ذکر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پرندے کا آشیانے میں آنا، اس کے علاوہ وہ کھانا جو غم کے موقع پر دیا جائے اس کو وضیمہ کہتے ہیں یہی میت کا کھانا، یہ بڑی یا کسی عزیز کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

ان تمام دعوتوں میں سنت صرف دعوت ولیمہ ہے، باقی رہیں دوسری ضیافتیں تو وہ صرف جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی دینی بُرائی نہ پیدا کی جائے۔ وضیمہ صرف محتاجوں کے لئے ہوتا باعث ثواب ہے، بشرطیکہ دارفوں سے مال نہ لیا گیا ہو۔ حنفی مسلک کے لحاظ سے یہ تمام باتیں لکھی گئی ہیں۔ امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غمی کے موقع پر کھانے کی ضیافت مکروہ ہے، ختنے کے سلسلے میں دعوت بھی مکروہ ہے، مگر کچھ لوگ جائز کہتے ہیں، عقیقہ کی دعوت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔

**دعوتِ ولیمہ کا وقت** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس طرح روایت کیا گیا ہے:

الولیمۃ اول یوم حوت  
والثانی معرون والثالث  
ریاء وسمعة۔  
ولیمہ پہلے روز کھلنا حق کو ادا کرنا ہے  
دوسرے دن کا ولیمہ نیکی ہے تیسرے  
دن ریا اور نمائش ہے۔

فقہائے نزدیک ولیمہ کا وقت عقد نکاح کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق رخصتی کے بعد پہلے دن ولیمہ سب سے بہتر ہے، دوسرے دن بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ امر مندوب یہ ہے کہ طعام ولیمہ کی دعوت ایک بار ہو۔ دوبارہ ضیافت بھی صحیح ہے بشرطیکہ دوسری بار جو لوگ بلائے جائیں وہ پہلی بار بلائے جانے والوں سے مختلف ہوں۔

**دعوتِ ولیمہ میں لوگوں کو بلانا** دعوتِ ولیمہ میں ممتاز لوگوں کو بلانا اور غریب اعزہ واجب کونہ بلانا سخت ناپسندیدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

شر الطعام ولیمۃ  
یدعی لہا الاغنیاء ویترک  
الفقراء۔  
سب سے ناپسندیدہ کھانا اُس ولیمہ کا کھانا  
ہے جس میں مالدار لوگ بلائے جائیں  
اور غریب و محتاج چھوڑ دئے جائیں۔

پھر آپ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ:

شر الطعام ولیمۃ یمنعہا  
من یتیمہا ویدعی من  
یا باہا۔  
سب سے بُرا ولیمہ کا کھانا وہ ہے جس میں اُن  
لوگوں کو روکا جائے جو اُنچا ہیں اور انھیں  
بلا یا جائے جو اُن سے سہجے رہتے ہوں۔

**دعوتِ ولیمہ وغیرہ کا قبول کرنا** دعوت کا قبول کرنا سنت ہے اور دعوتِ ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے، دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب یا مباح ہے جیسے دوستانہ دعوت جسے ماڈبہ کہتے ہیں۔ عقیقہ، نقیقہ، وکیو، خرس یا اعذار کی دعوتیں دی جائیں تو ان کا قبول کرنا مباح ہے یعنی انکار سے بہتر ہے، وہ دعوت جو اظہارِ فخر

یا ناموری کے لئے کی جائے اُس کا قبول کرنا مکروہ ہے اور حرام دعوت وہ ہے جو کسی ایسے شخص کو دی جائے جس کو تحفہ قبول کرنا حرام ہو جیسے فریقین مقدمہ میں سے کسی کا منصف کو دعوت دینا۔  
**دعوت قبول کرنے کی شرطیں** پہلی شرط یہ ہے کہ جس کو دعوت دی گئی ہو وہ یقیناً شخص ہو۔ اگر کسی نے عام دعوت دی کہ لوگو کھانا کھانے کو چلو

یا کسی نے اپنے فرستادہ سے کہا کہ جو مل جائے اُسے کھانے کو بلالو تو ایسی دعوت کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ دعوت کرنے والا علانیہ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔ بدکار، ظالم اور حرام کی کمائی کرنے والے کی دعوت قبول کرنا مسنون نہیں ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دعوت ولیمہ وغیرہ میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو رہا ہو، مثلاً شراب کی موجودگی یا اور کوئی منکر یعنی غیر اسلامی کام جیسے رقص و سرود، اور نامناسب گانا، باجا، ریکارڈنگ وغیرہ ایسی صورت میں فوراً دعوت سے اٹھ جانا چاہیے اور اگر پہلے سے معلوم ہو تو جانا ہی نہ چاہیے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کو دعوت دی گئی ہے وہ شرکت دعوت سے معذور نہ ہو مثلاً مریض یا روزہ دار نہ ہو۔ نفل روزہ دار کو اگر ولیمہ میں بلایا گیا ہو تو وہ وہاں جائے اور دعوت کرنے والے کو بتائے کہ وہ روزہ دار ہے اور پھر اُس کے حق میں دعائے خیر کر کے واپس آجائے اگر دو جگہ سے ایک ہی وقت میں دعوت آجائے تو جس کا دعوت نامہ پہلے آیا ہو اُس کے یہاں جانا چاہیے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ایک باریں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کے پردے پر چند تصویریں ہیں، آپ اسی وقت واپس چلے گئے اور کھانا تناول نہیں فرمایا۔

**تصویر کے احکام** دعوت ولیمہ قبول کرنے کے سلسلے میں تصویر کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مدعو کو یہ علم ہو کہ جس جگہ دعوت میں جانا ہے وہاں تصویر بھی ہے تو دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا یا نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ بجز اس صورت کے جب خرمائے اُس تصویر کو دیکھنا مباح نہ ہو۔ حکم ساقط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ بے جان اشیاء کی تصویریں جیسے درخت، مسجد، مینار، چاند اور تارے وغیرہ کی

تصویریں دیکھنا جائز نہیں۔ البتہ جاندار ذمی عقل یا غیر ذمی عقل چیزوں کی تصویریں شرعی نقطہ نظر سے حرام ہیں۔ اگرچہ وہ فاسد اغراض کے لئے بنائی گئی ہوں۔ مجتہد جو غیر اللہ کی پرستش کے لئے منائے جاتے ہیں، ان کو شدت سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ان مجسموں کی تصویر یا جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تصویریں رکھنا بنانا دیکھنا ناجائز ہے جس دعوت کے موقع پر ایسے مجسمے یا تصویریں ہوں وہاں دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا البتہ اگر ان تصویروں کا مقصد علم سکھانا یا سیکھنا ہو تو مباح ہے جیسے علم تشریح الاعضاء کا سیکھنا سکھانا یا لڑکیوں کو گڑیاں کھیلنے کی اجازت جس سے غرض تربیت اولاد کی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہو۔ یہ تمام مقاصد مباح ہونے کے لئے کافی ہیں۔ اگر فرش پر بستر پر اور کمپوں پر تصویر بنی ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ اس طرح کی تصویر کا استعمال تو ہین آئینہ ہے، الغرض شریعت اسلامی کا مقصد صورت گری یا بت بدستی کی مخالفت اور اُس کے آثار کو مٹانا ہے، لہذا ہر وہ شے جو بت بدستی کے قریب قریب ہو یا اُس کا ذکر باقی رکھے اُس کے علاوہ سب طرح کی تصویر جائز ہے۔ ایسی تصویر بھی جائز ہے جس میں کوئی ایسا مضوٹا ہوا دکھایا گیا ہو جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تاہم اگر اُسے احترام سے رکھا گیا ہو یا تمام اعضاء کامل ہوں تو وہ حلال نہ ہوگی۔

**گانے کے مسائل** ولیمہ کی دعوت کے تعلق سے یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ بعض گھرانوں میں ایسی تقریبات میں گانے اور تماشے کا بھی انتظام ہوتا ہے تو کیا ایسی صورت میں دعوت قبول کرنے کا حکم جائز رہتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط نہیں ہوتا جب تک وہ گانا اور کھیل تماشہ ایسا نہ ہو جو شرعاً رد انہیں ہے، اگر معمولی کھیل تماشہ اور جائز گانا ہو تو اس سے اجازت ولیمہ میں کوئی امر مانع نہیں۔ شریعت اسلامیہ میں رواداری کے ساتھ اخلاق کو سنوارنا اور طبائع کو بُری خواہشات کی گندگی اور گناہ سے پہلے کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے ان کے ہر ایسے عمل کو جس میں خرابی کا شائبہ ہے حرام قرار دیا گیا ہے خواہ وہ بہ ظاہر اچھا معلوم ہوتا ہو چنانچہ گانا اس معنی میں کہ وہ لہن کے ساتھ آواز کی تکرار کا نام ہے جائز ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں لیکن اس کے ساتھ کچھ اور باتیں شامل ہو کر اُسے مکروہ اور حرام بنا دیتی ہیں یہی حال کھیل تماشے



کا ہے، چنانچہ ایسا گانا ممنوع قرار دیا گیا جس میں کسی عورت یا نوجوان لڑکے کے خطوط خال یا لون آنکھوں اور پوشیدہ اعضائے جسم کی تعریف و توصیف کی جائے تاکہ سننے والے مفتون ہوں اسی طرح ایسے گانوں کی بھی ممانعت ہے جس میں شراب نوشی کی طرف رغبت دلائی گئی ہو یا ضیاع وقت کا سبب ہو اور امور واجب کی اداگی میں حارج ہو لیکن اگر گانے میں ایسی کوئی بُرائی نہ ہو تو وہ اسے ہلکا ایسا گانا جو خواہش نفس کو بھڑکانے والا ہو حلال نہیں ہے ہاں اگر کئی وفات یا فتنہ خاتون کی اعلیٰ صفات کو بیان کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسی نوجوان کی شجاعت اور بہادری کو بیان کیا جائے تو بھی صحیح ہے کیونکہ ان اقدار کو حاصل کرنا ہر انسان کے بس میں نہیں ہوتا وہ گانا بھی حلال نہیں جس میں شراب کی تعریف و ترغیب ہو یہ باقی شرعی نقطہ نظر سے حرام ہیں۔ یہی حکم اُس گانے کا بھی ہے جس میں کسی انسان کا مذاق اڑایا گیا ہو یا بھوک لگی ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ایسا اگر نادین اسلام میں حرام ہے ایسا گانا اور اُس کا سننا جائز نہیں البتہ ایسے گانے جن میں حکمت و نصیحت ہو یا وہ گانے جو گل و غنچہ سبزہ و رنگ دریاؤں اور آبشاروں کی روانی اور ایسے ہی مناظر قدرت کی تعریف میں ہوں یا جس میں غیر معین انسان کے حسن و جمال کی تعریف ہو اور کسی امر حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو مباح ہیں اور ان میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

ایسا کھیل تماشا جس میں گندمی اور جھوٹی باتیں ہوں یا عورت کے اعضائے بدن کی نمائش ہو، مغیض دیکھانا شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے یا لوگوں کے ساتھ تسخر ہو اور نامحرم مردوں کے سامنے عورت کا رقص ہو، یہ سب باتیں حرام ہیں ایسے ویسے میں نہ شرکت حلال ہے اور نہ دعوت و لبیمہ کا قبول کرنا جائز ہے۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ دین کے تقاضوں کے موافق اور اہل فکر علماء کی عبارتوں سے ماخوذ ہے،

امام غزالی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں کہ نصوص یعنی دینی تصریحات سے ثابت ہے کہ گانا، ناچنا، بجانا اور خوشی میں ڈھال اور نیزے کے ساتھ زنگیوں اور جشیوں کا ناچ دیکھنا مباح ہے، یہ حکم تقریباً ہر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ وہ خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ اس میں شادی کی تقریب، ولیمہ حقیقہ، فتنہ اور سفر سے واپسی اور ایسی تمام مسرت آگیاں

تقریبات اور مواقع داخل ہیں جن میں شرعاً اظہار مسرت جائز ہے، چنانچہ اپنے صحابیوں سے ملاقات کرنا، ان کو دیکھنا اور ایک جگہ مل بیٹھ کر کھانا کھانا اور بات چیت کر کے خوش ہونا جائز ہے اور یہی مواقع ہیں جن میں عموماً گانا وغیرہ ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس گانے کے بارے میں ہے جس میں کوئی خرابی یا خلل نہ ہو۔ بات یا دینی نقطہ نظر سے گھٹیا قسم کا مضمون نہ ہو کیونکہ ایسے گانے جن میں ایسے نکالنے پائے جائیں ان کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ حرام ہیں جس رقص کو انھوں نے جائز کہا ہے اس سے مراد مردوں کے وہ حرکات ہیں جو اظہار انبساط کے طور پر وہ کرتے ہیں ان میں نہ کسی نفسانی خواہش کا تصور ہوتا ہے اور جن کے سامنے وہ اپنا یہ فن پیش کرتے ہیں وہ بھی ناشائستہ خیالات سے پاک ہوتے ہیں لیکن عورتوں کا ناچ اور وہ بھی نامحرم مردوں کے سامنے بالاتفاق حرام ہے کیونکہ اس میں شہوانی تحریک ہوتی ہے اور فتنہ پیدا ہوتا ہے نیز غیرت و حمیت کے منافی ہے یہی خرابی بے دائرہ ہی مونچھ کے لڑکوں کے ناچ وغیرہ میں ہے جبکہ وہ ایسے لوگوں کے سامنے کیا جائے جن کی نفسانی خواہشات برا بیگینہ ہوتی ہوں۔

امام غزالیؒ نے جواز رقص کا استدلال حبشیوں اور زنگیوں کے اس ناچ سے کیا ہے جو ایک بار عید سے روز مسجد نبوی کے احاطے میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہونے دیا اور آپؐ نے روار کا کھلم کھلا مدعا نشہ رضی اللہ عنہا اُسے دیکھیں اور آپؐ خود ان پر اُتر کر گئے ہوئے تھے ظاہر ہے اس سے کوئی بُرا خیال نہیں پیدا ہوتا، غرض وہ ناچ جس میں بُرے خیالات نہ پیدا ہوں مباح ہے۔ احیاء العلوم میں امام شافعی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ ”میں نے علمائے حجاز میں سے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جس نے گانے کو مکروہ بتایا ہو۔ بجز ان گانوں کے جن میں حسن صورت وغیرہ کا بیان ہو، چنانچہ نوائے شہرباں (حدی) اور آثار و عمارات کا ذکر اور اشعار کا خوش گوئی سے لحن کے ساتھ پڑھنا مباح ہے۔

حنفی مسلک میں ناجائز گانا وہ ہے جس میں ناجائز (حیا سوز) مضامین ہوں اور شراب پینے کی تشویق ہو یا میکر وں کی تعریف یا کسی مسلمان یا غیر مسلم شہری کی بُرائی بیان کی گئی ہو لیکن اگر ایسے گانے سے مراد کسی کلام کی سند پیش کرنا ہو یا اظہار فصاحت و بلاغت مقصود ہو تو حرام

نہ ہوگا اسی طرح اگر گانا جمالیات کے موضوع پر ہو، خیابانوں، مرغزاروں، چشموں، پہاڑوں اور بادلوں کی منظر کشی ہو تو ایسے گانوں کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں (اقتباس از فتح القدر) مالکی فقہاء نکاح کے اعلان کے لئے دف اور ڈھول وغیرہ کا استعمال جس میں گھنگرو نہ ہوں جائز کہتے ہیں، لیکن گانا وہی جائز ہے جو انصاری لڑکیوں کے اس گانے سے مشابہ ہو۔

اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيُّوْنَا تَحِيَّاتِكُمْ  
وَكَوْلَا الْحَبَّةَ اَسْتَمَوْكُمُ لَمْ تَحْسُلْ بِوَادِيكُمْ

ترجمہ: ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے : تم ہمیں مبارکباد دو ہم تمہیں مبارکباد دیتے ہیں اگر گندمی رنگ کے دانے نہ ہوتے : تو ہم تمہاری وادی میں نہ آتے گانے کو حسن صورت اور ترنم کی حد تک جنلی فقہاء جائز قرار دیتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ تلاوت قرآن میں ترنم اور خوش آوازی مستحسن ہے۔

خضاب کے بارہدے میں حنفی فقہاء کا مسلک یہ ہے **بال کو رنگنے یعنی خضاب کا بیان** کہ مرد کو داڑھی اور سر میں خضاب لگانا مستحب ہے لیکن ہاتھ اور پیر کا رنگنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنے سے عورتوں سے مشابہت ہے اسی طرح بغیر کسی شرعی مقصد کے بالوں کو سیاہ رنگنا مکروہ ہے مثلاً دشمن پر رعب جانے کے لئے ہو تو مبارح ہے لیکن عورتوں کے سامنے اپنی خوش نمائی کے لئے ہو تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ایسا کرنا مکروہ ہے، دوسرا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ جس طرح مرد یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی بیوی اُس کے لئے سنگار کرے ایسے ہی اُس کی بیوی اپنے شوہر کے لئے اس بات کی خواہشمند ہو تو مرد کے لئے خضاب کرنا جائز ہے۔

**زفاف سنت کی روشنی میں** نکاح ہو جانے کے بعد پہلی رات کو عورتیں لڑکی کو اُس کے شوہر کے کمرے تک پہنچاتی ہیں ایہ طریقہ عہد نبوی میں بھی تھا جب دونوں میاں بیوی پہلی بار یکجا ہوں تو سب سے پہلے شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی پیشانی پر کرا کر یہ دعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ مِنْ خَلِیْکَ اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور وہ

وَحَدِّدْ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاعْوَدْ  
بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا  
عَلَيْهِ  
(ابن ماجہ و ابوداؤد)

پھر ہم بستر ہوتے وقت یہ دعا پڑھے :  
بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَبَلْنَا  
الشَّيْطَانَ وَجَبَبِ الشَّيْطَانَ  
مَا دَرْنَا قَتْنَا۔  
اے اللہ ہم کو شیطان سے محفوظ رکھا اور  
جو اولاد تو دے اُس سے شیطان کو  
دور رکھ۔

اس موقع پر جو دعائیں گئی اور جو ہدایتیں دی گئی ہیں اُن کا مقصد ان کو حیوانی  
پستی سے اوپر اٹھانا ہے تاکہ وہ انسانیت سے نیچے نہ گرنے پائے جہاں تک جنسی جذبے کا  
تعلق ہے ان ان اور حیوان میں یہ کیساں جو جو ہے لیکن اس جذبے کی تسکین کی راہیں جدا  
جدا ہیں، کوئی انسان حیوان کی طرح مکان و زمان اور شرم و حیا کی قیود سے آزاد ہو کر اپنے  
اس جذبے کی تسکین کرنا پسند نہیں کرتا۔ ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ  
نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے نفس کو تسکین دینے کے لئے اپنی بیوی کے پاس جائے تو اُسے  
جامہ و لباس سے عاری نہ ہو جانا چاہیے جیسے بکری اور بکرے ہوتے ہیں: آپؐ نے فرمایا فرشتے  
دو وقت آدمی سے جدا ہوتے ہیں (۱) بیت الخلاء میں جاتے وقت اور (۲) مباشرت کے  
وقت فاستحبوہم و اکرموہم پس تم ان سے شرمایا کرو اور ان کا لحاظ کیا کرو۔

شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض  
شریعت اسلامیہ نے نکاح کے رشتے کو قائم  
کرنے کے لئے جو ہدایتیں دی ہیں اُن کا  
مقصد اُس تقدس اور پاکیزگی کو یقینی بنانا ہے جس پر ایک صالح خاندان کی بنیاد قائم ہونا چاہیے  
اس رشتے کو خوش گوار اور استوار رکھنے کے لئے شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض اور

ان کا دائرہ عمل اور حدود و اختیارات بھی متعین کر دیئے ہیں کیونکہ یہی ایسا تعلق ہے جو ایک  
مرد اور ایک عورت کو اتنا قریب لے آتا ہے جیسے جسم اور اُس جسم کا لباس (جو ایک دوسرے

کے لئے لازم و ملزوم ہیں) اس تعلق کو پائیدار اور خوش گوار رکھنے کے لئے دونوں ذمہ دار بنائے گئے ہیں تاکہ یہ رشتہ نہ ٹوٹے پائے اور نہ اس میں کمزوری آئے پھر چونکہ ایک مرد اور ایک عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد ڈالتے ہیں اور معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا نظم قائم رکھنے کے لئے ایک سربراہ ہونا ضروری ہے جو خاندان کا ذمہ دار اور نگراں ہو اور انتشار و بد نظمی سے محفوظ رکھ سکے۔ تو یہ منصب صرف مرد کو عطا کیا گیا ہے کیونکہ عورت اور مرد کی مخصوص فطرت کے پیش نظر مرد ہی میں قوام بننے کی صلاحیت ہے قرآن نے اس فطری تفوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

الْيَجَالُ قَوْمًا عَلَى الْإِسَاءَةِ فَفَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (نساء - ۱۳۴)

مردوں کو عورتوں پر قوام اس لئے بنایا گیا ہے کہ فطری طور پر اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔

**قوام کے معنی** ”محافظ اور خبر گیری کرنے والا۔ ذمہ دار اور قائم رکھنے والا“ یہ قوام کے معنی ہیں۔ میاں اور بیوی کے بنیادی حقوق برابر ہیں مگر مرد کو قوام کا منصب اس کی مخصوص فطرت کے سبب دیا گیا ہے کیونکہ عورت فطرتاً اس ذمہ داری کو اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح مرد انجام دے سکتا ہے یہ مطلب ہے بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کا اس تفوق کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح ان پر مردوں کے حقوق۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْعَمَلِ وَلِلرِّجَالِ عَلَى النِّسَاءِ دَرَجَةٌ (البقرہ - آیت ۲۲۸)

عورتوں کا حق مردوں پر اُسی طرح ہے جس طرح ان کا حق عورتوں پر اور مردوں کو کچھ برتری حاصل ہے۔

**عورتوں کے حقوق جن کا ادا کرنا مردوں پر واجب ہے** قوام اور ذمہ دار بننے کی حیثیت سے مرد پر حسب ذیل فرائض عائد کئے گئے ہیں۔

(۱) مہر۔ اس کی تفصیل بیان ہو چکی۔ یہ ایسا حق ہے کہ اگر نکاح کے وقت اس کا ذکر نہ آئے جب بھی شریعت نے مرد پر اس کی ادائیگی ضروری قرار دی ہے۔ عام طور پر نکاح کرتے وقت مہر کا

تعیین کر دیا جاتا ہے جہر کو بوقت نکاح ادا کر دینا چاہیے لیکن اگر اس وقت ادا نہ کر سکتا ہو تو بیوی سے مہلت لے لینا ضروری ہے ورنہ عورت کو یہ حق ہو گا کہ شوہر کو اپنے قریب آئے سے روک دے۔ اس حق کے ادا ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو مرد اُسے ادا کر دے یا عورت اپنی خواہش سے یا مرد کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس کو معاف کر دے۔ اگر عورت پر معافی مہر کے لئے دباؤ ڈالا گیا تو اخلاقاً و قانوناً اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲) نفقہ۔ سامان زندگی فراہم کرنے کا حق۔ نفقہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جو خرچ کی جاتی ہیں، یعنی کھانے پینے اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرد کو خرچ اٹھانا جو اس پر بحیثیت توام ہونے کے فرض ہے۔ نفقہ کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳) سُکُنّی۔ مکان جس میں سکون سے رہا جائے۔ بیوی کا یہ حق ادا کرنا شوہر پر واجب ہے تاکہ وہ آرام سے زندگی گزار سکے، اس کے بارے میں بھی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴) حسن سلوک۔ کھانے پینے اور مکان کی ضرورت پوری کرنے کے بعد بیوی کا اپنے شوہر پر حق ہے کہ وہ بہتر برتاؤ کا اُس سے مطالبہ کرے اور مرد پر واجب ہے کہ وہ اچھے برتاؤ کا مظاہرہ کرے، اس بارے میں شریعت کی ہدایات آگے بیان ہوں گی۔

(۵) ظلم اور ایذا رسانی سے باز رہنا۔ یعنی بیوی کا یہ حق ہے کہ اُس کا شوہر اس کے حقوق اس طرح ادا کرے جو عدل و انصاف پر مبنی ہوں اور تکلیف کا سبب نہ بنیں۔ اس سلسلے میں جو مسائل پیش آسکتے ہیں ان کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

نفقہ کا معیار قرآن مجید میں نفقہ کا ذکر کرتے ہوئے اُس کا معیار یہ رکھا گیا ہے کہ شوہر کی وسعت اور طاقت سے زیادہ نہ ہو، چنانچہ سورہ بقرہ میں ہے:

(بقرہ ۲۳۴)

عَلَى الْمَوْلَةِ قَدْرَةٌ وَعَلَى الْمُتَغَيَّرَةِ قَدْرَةٌ

نوش حال پر اُس کی قدرت کے مطابق اور تنگ حال پر اُس کی استطاعت کے

مطابق نفقہ واجب ہے۔

سورہ طلاق میں فرمایا گیا:

(طلاق ۱)

فَلْيَنْفِقْ مِمَّا رَزَقَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ سَوِيًّا وَسَّعًا فَإِذَا فَتَقَرَّرَ بِالنِّسَاءِ

وسعت والے کو اپنی بیوی بچوں پر اپنی وسعت بھر خرچ کرنا چاہیے اور جس کو ناپا تلا میسر ہو  
اُسے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اُس میں سے خرچ کرنا چاہیے۔ (یعنی بخل نہ کرنا چاہیے)  
مطلب یہ ہے کہ عورت کی ضرورتیں اُس کی حیثیت اور مرضی کے مطابق پوری کرنے کی کوشش  
اُس کے شوہر کو کرنا چاہیے جہاں تک اُس کی وسعت اجازت دے، حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے  
رسول اللہ سے اُن حقوق کے بارے میں دریافت کیا جو بیویوں کے شوہر دینا چاہیں تو آپ  
نے فرمایا:

اَنْ تَطْعَمَهَا اِذَا اطْعَمْتَ وَ	جب تم کھاؤ تو انھیں بھی کھلاؤ جب تم پیو
تَلْبَسُوهَا اِذَا تَلَبَّسْتَ وَلَا تَضْرِبُ	تو انھیں بھی پہناؤ جہرے پر نہ مارو۔ نہ
اَنْجُوهُ وَلَا تَغْلِبْ وَلَا تَهْجُرْ	بُڑے نام دھرو ناگواری ہو تو اپنے سے جدا
اِلَّا فِي النِّبَاتِ۔	کر دو مگر گھر کے اندر۔

حجتہ الوداع کے خطبے میں جو اہم بنیادی باتیں آپؐ نے فرمائی ہیں اُن میں یہ بھی ہے کہ  
”وَ اِنْ لَهُنَّ عَلَيْنَكُمْ نَفَقَتُهُمْ فَلْيَنْفِقْنِ بِالْمَعْرُوفِ“ اُن کے کھانے پینے اور اُن کے  
ملبوسات کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے دستور کے مطابق۔ فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی  
میں جو طے فرمایا ہے وہ یہ ہے:

(۱) شوہر کا معیار زندگی بلند ہے اور آمدنی اچھی ہے اور بیوی کا گھر ناجی اسی حیثیت کا ہے  
تو نفقہ بھی اسی معیار کے مطابق دینا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے گھر وہ اچھا کھاتی اور  
اچھا پہنتی ہو اور شوہر اس کے معیار کے مطابق کھلا پہنا سکتا ہو، پھر بھی وہ بیوی کو مونا جھوٹا  
کھلائے پہنائے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو عورت کا قانون اُس سے اپنے معیار کا کھانا کپڑا  
مطلب کر سکتی ہے۔

(۲) اگر مرد خوش حال ہو اور آمدنی بھی اتنی ہو کہ خوش حال زندگی گزار سکتا ہو لیکن  
بیوی کسی غریب گھرانے کی ہو تو مرد کو نفقہ اپنی حیثیت کے مطابق دینا ہو گا اُس کو غربت و  
محکیم میں اس لئے مبتلا نہ کرنا کہ وہ غریب گھرانے کی ہے جائز نہیں، بیوی کو قانوناً حق ہے کہ  
شوہر سے اپنی حیثیت کے مطابق نفقہ دینے کا مطالبہ کرے۔

(۳) اگر مرد غریب اور تنگ حال ہے اور عورت بھی غریب گھر کی ہے تو پھر مرد کو اپنی اور عورت کی حیثیت کے مطابق ہی کھانے اور پہننے کا خرچ دینا چاہیئے عورت مرد کی حیثیت سے زیادہ نہیں مانگ سکتی۔

(۴) اگر مرد غریب ہو اور عورت خوش حال گھرانے کی تو مرد کو اپنی حیثیت کے ساتھ مقدور بھر اُس کے آرام و آسائش کا لحاظ بھی رکھنا چاہیئے اور عورت کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ وہ مرد پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے تاکہ وہ کوئی حرام ذریعہ آمدنی تلاش کرنے پر مجبور نہ ہو یا دونوں کے تعلقات میں بد مزگی پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہمیشہ تنگی سے بسر کرتی رہیں، جب فتوحات سے آمدنی میں اضافہ ہوا تو آنحضرتؐ نے اصحاب صفہ اور نادار مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ازواج مطہرات نے بھی خواہش کی کہ اُن کا نفقہ زیادہ ہو مگر یہ خواہش نبی کریمؐ اور اللہ کے نزدیک ان کے مرتبے سے منسوخت رہتی، چنانچہ اس پر قرآن میں یہ تنبیہ فرمائی گئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَزِدْوا لَكُمْ أَنْفُسِكُمْ ثُلُوثَ الثَّمَنِ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَيَنْفَعَنَّكُمْ أَشْيَاءُ مِنْهُنَّ ۖ وَلَكِنْ كَثُرَتْ ثُلُوثُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَالذَّارُ الْآخِرَةُ فَإِنَّ اللَّهَ أَكْثَرَ لِلْمُتَّقِينَ  
مُتَّكِنًا ۖ أَجْرًا عَظِيمًا (احزاب: ۲۹)

اے نبی! اپنی ازواج سے کہئے کہ اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تمہیں مال اور پوشاک دے کر خوبصورتی سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر (جنت) کی طلبگار ہو تو اللہ لے نیک دل اور نیک عمل عورتوں کے لئے بہت بڑی نعمتوں والا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے کیا کہا؟ سب نے یک زبان ہو کر فرمایا: ہمیں خدا اور رسولؐ اور دار آخرت کے سوا کچھ نہیں چاہیئے اور پھر کبھی نفقے میں اضافے کا سوال نہیں کیا۔ اس آئینے میں ہر مسلمان عورت کو اپنا جہرہ دیکھنا چاہیئے۔

(۵) آرائش و زیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کے لئے ضروری ہیں مثلاً تیل، لنگھی، صابون وغیرہ وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں اور اُن کا فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے لیکن غیر ضروری آرائش و



زیربائش کا سامان جیسے لپ اسٹک اور بیوٹی پاؤڈر وغیرہ تو ان کی فراہمی مرد پر واجب نہیں۔

- ۶۔ اگر عورت ایسے گھر کی ہے جہاں گھر والے اپنے ہاتھ سے کام نہیں کرتے بلکہ نوکر چاکر کھتے ہیں تو اگر عورت ملازم کا مطالبہ کرے اور شوہر ملازم رکھ سکتا ہو تو اُسے ملازم رکھنا پڑے گا لیکن اگر ملازم رکھنے سے معذور ہے تو پھر اندر کا کام خود ہی کو کرنا ہوگا اور باہر کا کام کرنا خود شوہر کی ذمہ داری ہوگی۔
- ۷۔ اگر عورت اتنی کمزور یا مریض ہے کہ گھر کا کام انجام نہیں دے سکتی تو شوہر ایسی عورت کو کام کاج پر مجبور نہیں کر سکتا اور اُس کو بٹھا کر روٹی کپڑا دینا ہوگا۔ اس ذیل میں چند فقہی مسائل بیان کر دیتا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ کپڑوں کی دھلائی مرد پر واجب نہیں ہے بلکہ صرف صابون اور پانی فراہم کر دینا ضروری ہے عورت کو کپڑے اپنے ہاتھ سے دھونا چاہیے اسی طرح بعض علماء نے دو اصلان کا خراج شوہر پر واجب نہیں قرار دیا، صرف روٹی، کپڑا فراہم کرنا اُس کے لئے ضروری ہے، اسی طرح وقت ولادت دائمی وغیرہ کی غیس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اُسے وہی برداشت کرے گا جو اُسے بلائے گا۔

- یہ تمام مسائل اس وقت اُٹھتے ہیں جب شوہر اور اُس کی بیوی میں اختلاف ہو جائے اور وہ شوہر سے علیحدہ رہنے لگے، اور نہ نکاح کے ذریعے جو تعلق ایک مرد اور ایک عورت میں قائم ہوتا ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خوش گوار سے خوشگوار تر ہو اور وہ محض قانونی ہی نہیں بلکہ اخلاقی تعلق بھی بن جائے، ایک دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال ہو اور دونوں اخلاقاً ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خواہشمند ہوں جہاں یہ صورت ہوگی وہاں اس طرح کے مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے۔
- ۸۔ جس لڑکی سے نکاح ہوا ہے وہ بالغ ہو مگر رخصتی نہ ہوئی ہو یعنی اپنے ماں باپ کے پاس ہو تب بھی وہ مستحق ہے کہ نفقہ اُس کو دیا جائے بشرطیکہ رخصتی شوہر کی مرضی سے ملتوی ہو۔
- ۹۔ اگر لڑکی نابالغ ہے اور ابھی شوہر کے گھر نہیں آئی ہے تو نفقہ دینا واجب نہیں لیکن اخلاقاً دے سکتا ہے۔

- ۱۰۔ اگر بیاہی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے ماں باپ یا کسی عزیز کے گھر چلی جائے تو جتنے دن وہاں رہے گی اُس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں البتہ اگر اجازت سے جائے تو بدستور نفقہ ملے گا۔

- ۱۱۔ اگر بیوی بالغ ہے مگر شوہر ابھی نابالغ ہے تو بھی اُس کو نفقہ ملے گا۔

۱۲۔ اگر شوہر قدرت کے باوجود اتنا کم خرچ کرنے کے لئے دیتا ہو کہ اس کی یا بچوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں تو مجبوری کی حالت میں شوہر کی اجازت کے بغیر اُس کے مال سے اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہے، ایسی ہی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے مال سے ان کی بیوی ہندہ کو خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

”خُذِي مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدَكَ بِالْمَعْرُوفِ“ (اچھی نیت سے اتنا لے سکتی ہو جتنا تمہاری

اور تمہارے بچوں کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔)

(۱۳) شوہر ایک ہیمنہ کا خرچ بیوی کو دیتا ہو اور اُس میں سے وہ کچھ بچالے تو وہ عورت کا حق ہے مرد کو اُسے واپس لینا یا لطفے کی کمی کرنا روا نہیں لیکن اگر عورت کبجوسی کے سبب خرچ نہیں کرتی جس کا اثر اُس کی صحت یا حُسن و جمال پر بُرا پڑتا ہو تو شوہر قائلوئاس سے منع کرنے کا مجاز ہے کیونکہ عورت کی صحت اور اُس کی ظاہری کشش مرد کا حق ہے جس کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (در مختار)

۱۴۔ اسی طرح فضول خرچی سے باز رکھنا بھی شوہر کا حق ہے کہ ہیمنہ بھر کا خرچ صحیح ڈھنگ سے چلے۔ اگر بے توجہی سے خرچ کر دیا یا مجبوری ہو گیا تو شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جائیگی (در مختار) نفقہ کے بعد تیسرا حق بیوی کا شوہر پر یہ ہے کہ وہ اُس کے لئے رہنے شُکلفی کے مسائل کا گھر فراہم کرے، یہ فرض شوہر پر طلاق کے بعد بھی اختتامِ عدت تک باقی رہتا ہے، قرآن میں ہے:

لَتَكُونُوا مِنْ حَيْثُ سَكَتُمْ مِنْ وَجْهِكَ (الطلاق - ۶)

اُن کو مفقود و بھردہ ہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود رہتے ہو۔

اس کی اہمیت اتنی ہے کہ رسول اللہ نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور دوسرا کام ازواجِ مطہرات کے لئے مکان تعمیر کرنے کا فرمایا۔ فقہانے بیوی کے لئے گھر فراہم کرنے کی ہدایات یوں دی ہیں:

(۱) شوہر کے گھر کے لوگوں کے ساتھ مل جُل کر رہنا بہت پسندیدہ ہے تاہم گھر کا ایک کمرہ یا ایک حصہ مخصوص ہونا چاہئے جہاں شوہر اور بیوی بے تکلفی سے رہ سکیں اور بیوی اپنی چیزیں بحفاظت رکھ سکے۔

(۲) اگر بیوی اپنے رہنے کے لئے ایک علیحدہ گھر کا مطالبہ کرتی ہے تو اگر شوہر صاحب حیثیت ہے تو اسے ایسا گھر مہیا کر دینا چاہئے جس میں اس کی ضرورت کی تمام چیزیں مثلاً غسل خانہ پاخانہ، باورچی خانہ وغیرہ ہو۔ لیکن اگر اس کی حیثیت ایسی نہیں ہے تو جو گھر اسے میسر ہے اس میں ایسی جگہ اس کو دی جائے جس میں وہ جسے چاہے آنے دے اور جسے نہ چاہے نہ آنے دے، اپنا سامان محفوظ کر سکے اور میاں بیوی لیٹ بیٹھ سکیں اس کے علاوہ غسل خانہ، بیت الخلاء اور باورچی خانہ الگ دینا اگر ممکن نہ ہو تو زیادہ ضروری نہیں۔ (شرح درمختار)

یہ امر تمام حقوق و فرائض کی روح ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن سلوک نے بیوی سے حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ازدواجی تعلق کوئی وقتی اور کاروباری تعلق نہیں بلکہ جان اور بدن جیسا تعلق ہے جو آخری سانس تک اس دنیا میں قائم رہنے والا ہے اور آپس کا حسن سلوک اس تعلق کو پاکدہ و تر کر کے دارِ آخرت تک قائم رکھتا ہے۔ حسن سلوک کا مطلب صرف مادی ضروریات زندگی کی فراہمی نہیں ہے یہ تو وہ قانونی حقوق ہیں جنہیں بہر حال ادا کرنا ہی پڑتا ہے خواہ بخوشی یا بجبر لیکن اس لطیف رشتے کا تقاضا اس سے زیادہ کا طالب ہے، نازک جذبات کا احساس نرمی اور ملاحظت دل کو جیتنے والا برتاؤ، سچی خیر خواہی، بھول چوک ہو جانے پر درگزر کرنے کا رویہ، مسیحی گفتگو، بات بات پر ٹوکنے اور جھڑکنے سے پرہیز، بیوی سے خدمت لینے میں اس کی کمزور اور نازک فطرت کا لحاظ۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ کا خوف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی پیروی۔ ارشاد نبوی ہے خیر کم خیر کم لاہلہ۔ (تم میں اچھا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو) آپ نے اپنے بارے میں فرمایا۔ ”میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں“ ایک دوسرا ارشاد ہے خیر کم خیر کم لا سائہ۔ (تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہیں)

ادبہ کی حدیثیں صحیح ترمذی اور مسند احمد سے نقل کی گئی ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں آگے بیان ہوں گی۔ قرآن مجید میں معروف طرز عمل اختیار کرنے کا حکم موجود ہے۔

وَعَالِيَهُمْ بِالتَّعْرِيفِ قَالُوا يَوْمَئِذٍ كُنْتُمْ مَوَاضِعًا يَنْقَعُونَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا كَفَرْتُمْ (نساء ۱۹)

اور عورتوں کے ساتھ خوبی اور اچھے برتاؤ کے ساتھ رہو۔ اگر تم انھیں کسی وجہ سے ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ جو بات تم کو ناپسند لگتی ہو اسی میں اللہ نے تمہارے لئے بہت بھلائیاں اور خوش نصیبیاں رکھ دی ہوں۔

اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں (۱) معروف (بجملے) طریقے سے رہو سو (۲) اگر کوئی بات ناپسند ہو تو فوراً نفرت نہ کرنے لگو کیونکہ ممکن ہے اس بات میں تمہارے لئے بہت سی بھلائی یا پوشیدہ ہوں جو تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائیں۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ کا یہ ارشاد مروی ہے

لَا يَغْرِثُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً  
إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔  
مومن کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ مومنہ پر ہی میں  
کوئی بات اچھی نہ لگے تو اس سے نفرت کرنے  
لگے۔ دوسری کوئی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے

جو اس سے بہت اچھی لگے۔ (مسلم)

ہو سکتا ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں ایک عورت مرد کے معیار سے قدر و نظر آتی ہو مگر یہاں اس کا بہت اعلیٰ و ارفع ہوا۔ صورت و شکل کسی کے اختیار کی چیز نہیں جبکہ سیرت و کردار کو بلند و اختیار میں ہوتا ہے۔ عورت فطرًا کمزور ہوتی ہے اس لئے اگر کسی کمزوری کا اظہار ہو تو اسے نر اور ملاطفت سے دور کیا جاسکتا ہے، سختی اور درشتی سے نہیں۔ اس بارے میں رسول ا کی یہ حدیث راہ نمائی کرتی ہے:

رَأْسُ نَوْصُوا يَا نِسَاءَ فَإِنَّ  
الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضَلَعٍ  
فَإِنْ كَهِبَتْ تَقْوِيمَهُ كَسَرْتَهُ  
وَإِنْ تَرْتَلْتَهُ لَمْ يَزَلْ  
أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا يَا نِسَاءَ۔  
(بخاری و مسلم)

عورتوں سے نیک برتاؤ کرو۔ عورت پسلی  
سے پیدا کی گئی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے  
کی کوشش کرو گے تو تم اسے توڑ دو گے  
اور اگر تم اسے اپنے حال پر رہنے دو گے  
تو وہ بدستور خمیدہ رہے گی لہذا تم عورتوں  
سے نیک برتاؤ کرتے رہو۔

**ظلم اور ایذا رسانی** یہ حدیث جو ابھی بیان ہوئی اس کا تقاضا ہے کہ صنف نازک کو ایذا اور تکلیف نہ دی جائے نہ اُن سے سخت کلامی کی جائے نہ طعن و تشنیع سے دل شکنی کی جائے، اُنہیں اپنے اقربا سے ملنے پر پابندی نہ لگائی جائے اُن کی مادی ضرورتوں کے ساتھ ان کی دلی خواہشوں کو پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جائے۔ قرآن مجید میں ظلم و زیادتی نہ کرنے کا حکم اپنی منکوحہ بیویوں کے بارے میں ہی نہیں بلکہ مطلقہ بیویوں کے بارے میں بھی دیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِأَنْتُمْ عَاوِمُونَ يَمُنُّ ذَلِكَ فَقَدْ كَلِمَةً كَتَبْنَا (البقرہ - ۲۲۸)

”اُن کو محض تکلیف پہنچانے کے لئے روک نہ رکھو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ کو بظلم کرے گا۔“

**عورت کا حق اور دینی فرائض** دینی کاموں میں ایسا انتہاک جو بیوی کے مادی اور جنسی حقوق کی ادائیگی سے توجہ ہٹا دے کارِ ثواب نہیں ہے۔ کیونکہ حق تلفی بہر حال گناہ ہے ایک ممتاز صحابی راتوں کو نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھنے میں گزار دیتے اور بیوی کی طرف توجہ نہ کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے انہیں بلا کر تنبیہ کی اور فرمایا: اُو ان لنا و جلت علیک حقاً اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، حضرت عمر رضی اللہ کے زمانے میں جبکہ اسلام کو پھیلانے کے لئے اکثر مسلمان اپنے گھروں سے باہر مصروف جہاد رہا کرتے، آپ نے حکم دیدیا تھا کہ کوئی چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے الگ نہ رہے۔

**ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی شرط** بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ایک مرد کو بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس کی حد چار سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ شرط یہ ہے کہ اُن کے درمیان عدل قائم رکھنا ضروری ہو گا تا کہ بیوی کسی قسم کی محرومی محسوس نہ کر سکے اگر ہر ایک کے ساتھ مساوی برتاؤ نہیں کر سکتا تو اس مرد کو ایک سے زیادہ عقد کرنا ناجائز نہیں۔ قرآن میں جہاں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہاں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے:

(نساہ - آیت ۱۲)

قُلْ خِفَتُهُ الْأَفْئِدَةُ لَوْلَا فَتْوَانَا لَكُنْتَ مِنَ الْفُتُونِ

”اگر تم کو ڈر ہو کہ ان میں برابری قائم نہ رکھ سکے تو پھر ایک ہی بیوی رکھ سکتے ہو یا ایک باندی“  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اور سیاسی مصلحتوں سے کئی شادیاں فرمائیں اور ان  
 سب بیویوں میں کوئی کیرا رشتہ نہیں کوئی ہم عمر اور کوئی صغیرا رشتہ، ظاہر ہے کہ ان کا مزاج اور ذوق  
 بھی مختلف ہو گا، اکثر بیویاں وہ تھیں جو پہلے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ رہ چکی تھیں صرف ایک  
 بیوی کنواری تھیں جو عمر میں بہت چھوٹی تھیں۔ عدل و مساوات اور صبر و معاشرت کا اعجاز یہ ہے  
 کہ آپ کی کسی بیوی کو دوسری کے مقابلے میں کمتری یا محرومی کا شکوہ کبھی نہیں ہوا، آپ ہر بیوی کی  
 دلجوئی فرماتے سب کے پاس باری باری قیام فرماتے جس میں کبھی فرق نہیں آنے پاتا، آپ کا  
 اسوہ حسنہ جو گھر یلو زندگی سے متعلق ہے اُن ہی ازواج مطہرات کے ذریعہ اُمت کو پہنچا۔ عدل و  
 انصاف کا یہ نادر نمونہ کائنات نبوت کے سوا کہیں نہیں ملتا۔

جو لوگ شوقیہ شادی پر شادی کرتے ہیں وہ میلان قلب کے اعتبار سے ضرور ایک کی طرف  
 جھک جاتے ہیں اور دوسری کی طرف اُن کی توجہ کم سے کم ہوتی جاتی ہے جو عدل کو باقی نہیں رہنے  
 دیتی، ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں بہ صراحت اس کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے یہ  
 ہدایت کی گئی ہے۔

وَلَنْ تَسْلُطُوا عَلَى الْقُلُوبِ إِنَّمَا تَسْلُطُونَ عَلَى الْأَرْسَامِ وَلَوْ تَحَوَّضْتُمْ فَلَا تَبْلُغُونَ الْقُلُوبَ لَمَّا فَتَنَ قَوْمًا

(سورہ نساہ - ۱۲۸)

مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ

تم اپنی شدید خواہش کے باوجود بیویوں کے درمیان عدل کے ساتھ رہنے پر قادر  
 نہ ہو سکو گے، لہذا ایسا نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ اور دوسری کو  
 بیچ میں ٹھکرا کر چھوڑ دو (کہ نہ وہ بیاہی رہے نہ بے بیاہی)۔

اگر محض ایک بیوی کی محبت اُس کی ظاہری یا باطنی خوبی کی بنا پر زیادہ ہو جائے تو اس پر  
 انسان کا بس نہیں ہے اور یہ عدل کے خلاف بھی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ  
 عدل کرنے والا کوئی نہیں لیکن آپ بھی یہ دُعا فرماتے تھے۔

اللہم ان هذا قسمی فی ما بارئہا میری یہ قسم اسی حد تک ہے جہاں تک

املك فلا تلمنى فيما لا املك : میرا اختیار ہے لیکن جن باتوں کا مجھے اختیار نہیں ہے ان میں مجھ کو ملا مت نہ فرما۔ (الہود اودد)

لیکن شریعت نے جو حقوق بیوی کے مقرر کر دیے ہیں ان میں اگر کوئی شخص کمی کرتا ہے تو وہ اخلاق اور قانون کی نظر میں مجرم ہے۔

**قسم بدم الزوجات** قسم بفتح قاف مصدر ہے باب قسم قسم کا۔ قسم قسم کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے جتنے کمرے ہر ایک کا حصہ دے دیا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس سے بیوی اور درمیان شب گزار میں مساوات کا لحاظ رکھنا اور ہر ایک کا نفقہ (خرچ) مقرر کر دینا مراد۔

**ز: لی تقسیم** نفقہ میں کھانا لباس اور مکان شامل ہیں۔ نفقہ کی مقدار شوہر کی حیثیت اور حالت کے مطابق مقرر کی جائے گی۔ بیویوں کی رضامندی سے اُس کی مساوی سم کر دی گئی تو بہت بہتر ہے، ورنہ بیویوں کی حیثیت کے مطابق تقسیم کرنا بھی جائز ہے (یعنی امیر بیوی کا حصہ نفقہ میں غریب بیوی کے حصے سے زیادہ ہو) بشرطیکہ کسی پر جبر نہ ہو اور ہر ایک کو جو اُس کا حق ہے بغیر کسی کی حق تلفی کے مل جائے۔ جبر اور حق تلفی کی شکل میں بیوی قانونی طور پر اپنا حق لے سکتی ہے، اسلامی عدالت سے اُس کا جائز حق دلوائے گی۔

جب ہر بیوی کو اُس کا پورا پورا حق مل گیا ہو تو شوہر کو آزادی ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے کچھ زیادہ عطا کر دے۔

**وقت کی تقسیم یعنی باری مقرر کرنا** بیویوں کے درمیان باری کے دن کی (اور اویانہ تقسیم واجب ہے جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے :

”وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً“ تو جب بیویوں کے درمیان بے انصافی کے اندیشے سے دو بیویوں کا کرنا حرام قرار دیدیا گیا تو بلا تردد دو دنوں کے درمیان قیام عدل واجب قرار پایا۔

لہذا شوہر جو (۱) عاقل ہو، جنون زدہ نہ ہو (۲) بالغ ہو چھوٹی عمر کا نہ ہو اور بیوی بھی چھوٹی عمر کی نہ ہو (۳) بیوی شوہر کی نافرمان نہ ہو ان تینوں شرائط کی موجودگی میں باری مقرر کرنا واجب ہے۔

عورت جنون زدہ ہو لیکن مباشرت ممکن ہو یا چھوٹی عمر کی ہو مگر تاہل مباشرت ہو تو بھی باری مقرر

کرنا لازم ہے ورنہ نہیں۔ وہ عورت جو شوہر کی فرماں برداری نہ کرتی ہوئے باری کا حق نہیں۔  
۲۔ شوہر بیمار ہو یا تندرست اُس کو بیویوں کے پاس باری کے مطابق ہی رہنا چاہیے کیونکہ مقصد باری مقرر کرنے کا باہمی محبت ہے نہ کہ مباشرت۔ شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کی عصمت کی حفاظت کرے کسی دوسرے کے ساتھ تعلق کی راہیں بند کر دے اگر ایسا نہ کر سکے تو چھوڑ دینا واجب ہے۔

۳۔ مرد پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان مباشرت اور اُس کے لوازمات میں بھی یکسانی برتے کیونکہ جنسی میلان میں مساوات ممکن نہیں لکن تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدُوا کامطلب یہی ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص دن میں کاروبار یا ملازمت کرتا ہے تو باری کی راتیں مقرر کرے اور اگر رات کا کام کرتا ہے مثلاً چکی یا سب سے یا کسی کارخانے میں شب کی ڈیوٹی کرتا ہے تو باری کے دن مقرر کرے۔

۵۔ شوہر کو یہ حق ہے کہ باری چاہے ایک ایک دن کی مقرر کرے یا دو دو چار چار دنوں کی۔  
۶۔ شوہر کو ایک کی باری والی رات کو دوسری کے گھر چلا جانا جائز نہیں بلکہ اگر ایک کے یہاں سرخام پہنچ جاتا ہے اور دوسری کے یہاں دس گیارہ بجے رات کو تو یہ بھی غلات حدل ہے اور وہ گنہگار ہو گا البتہ اگر دوسری کوئی بیوی بیمار ہے تو اُس کی مزاج پر سی کے لئے جانا روا ہے۔

باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق کسی شخص نے بیوی کے ہوتے ہوئے ایک نئی شادی کی، یہ نئی بیوی یا تو باکرہ (کنواری) ہوگی یا ثقیہ (بیوہ یا مطلقہ) تو اگر باکرہ ہے تو سات دن اور اگر ثقیہ ہے تو تین دن کا حق اُس کو ہو گا جب نئی بیوی کے ساتھ قیام کی مدت ختم ہو جائے تو بیویوں کے درمیان باری کی مساویانہ تقسیم (میں کا ذکر کیا جا چکا ہے) پر عمل ہو گا ابنِ جان کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: «سبع للنکب وثلاث للثیب» (سات دن تک باکرہ کا اور تین دن تک ثقیہ کا حق ہے) بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ کی یہ روایت موجود ہے:

ان السنة اذا تزوج البکس سنت (طریقہ) یہ تھا کہ ثقیہ پر باکرہ سے نواح



علی الثیب اقام عندہا سبعا  
ثم قَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيْبُ  
عَلَى الْبِكْرِ اَقَامَ عِنْدَهَا  
ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ۔

کرتے تو اس کے پاس سات دن قیام فرماتے پھر  
باری مقرر فرماتے اور بیکرہ پر تیس سے نکاح  
کرتے تو اس کے پاس تین دن قیام فرماتے  
پھر باری مقرر فرمادیتے۔

عورت کو اپنی باری سے دست برداری کا حق یہ ثابت ہے کہ ام المؤمنین حضرت  
سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی

باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
عائشہ کو اپنی اور حضرت سودہ کی باریوں کا حق استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس  
سے فقہانے مسائل مستنبط کئے ہیں: ایک بیوی کو یہ حق ہے کہ دوسری سے مالی معاوضہ لے کر اپنی  
باری کا حق اُسے دیدے یا بغیر کوئی معاوضہ لئے لیا کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک  
دونوں طریقے صحیح ہیں جبکہ باقی تین ائمہ باری کا حق دے کر مالی معاوضہ لینا درست نہیں مانتے ہیں۔  
۲۔ ہبہ کرنے والی کو حق ہے کہ ہبہ سے رجوع کر لے۔ رجوع کرنے کے بعد آئندہ باریوں میں  
اُس کا حق رہے گا جو گزر چکیں اُن کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ ہبہ کرنے والی بیوی نے جس خاص بیوی کے حق میں اپنی باری دی ہے اور اُس نے اسے  
قبول کر لیا ہے تو شوہر کو اس میں رد و بدل کا حق نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے  
نزدیک دوسری بیوی کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا راضی ہونا کافی ہے اور یہ  
ہبہ اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک ہبہ کرنے والی اور اُس کا شوہر راضی ہیں۔

۴۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح ہبہ جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ  
مقدورہ مال کے عوض اپنی باری کا حق اپنے شوہر یا سوکن کو فروخت کر دے۔ اُن کا ایک  
مشہور قول یہ بھی ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں اپنی باری کا حق ہمیشہ کے لئے  
فروخت کر دے، تھوڑے عرصے کے لئے کر سکتی ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ ایسا شخص جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں سفر کا  
ارادہ کرے تو اگر یہ سفر دوسرے شہر میں طاعت پر

رہنے کے لئے ہو تو یا تو وہ اپنی سب بیویوں کو لے جائے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو قرعہ ڈالے جس کے نام قرعہ نکلے اُسے ساتھ لے جائے اور پھر کچھ دن ساتھ رکھنے کے بعد واپس لائے اور دوسری بیوی کو اتنے عرصے کے لئے اپنے پاس رکھے جتنے عرصے تک پہلی کو رکھا تھا اور اسی طرح عمل کرتا رہے لیکن سفر اگر کسی وقتی مقصد مثلاً تجارت، علاج یا حصول صحت یا حج وغیرہ کے لئے ہو تو ساتھ لے جانے کے لئے اُس بیوی کا انتخاب کرے جو صلاحیت سفر رکھتی ہو، بعض اوقات کسی بیوی کو گھر کا بندوبست کرنے کے لئے جھوڑ کر جانا لازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر سب بیویاں سفر کی صلاحیت اور گھر بلوانظام کی قابلیت رکھتی ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے خصوصاً جب حج کا سفر ہو کیونکہ اس کا شوق سب بیویوں کو ہوتا ہے۔

جب کسی کے نام قرعہ نکل آئے اور اُس کے ساتھ سفر کیا تو جو عرصہ سفر میں گزرا اُس کا حساب بیوی کے ذمے نہیں ڈالا جائے گا، البتہ اگر بدوران سفر کوئی پر قضا و نجس مقام دیکھ کر کچھ روز ٹھہر گئے تو یہ ایام بیوی کی باری ہیں محسوب ہو جائیں گے اور واپسی پر اتنے ہی دن دوسری بیویوں کی باری ہیں تقسیم کر دئے جائیں گے، یہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک تمام ایام سفر جو چلنے، فرود کش ہونے اور کوچ کرنے میں صرف ہوں گے اُن کی کوئی قضا نہیں چکانا ہے لیکن اگر کسی نے بغیر قرعہ ڈالے کسی بیوی کو لے کر سفر کیا تو اول تو یہ گناہ ہے، دوسرے وہ اوقات جن میں شوہر اور بیوی ساتھ رہے شمار میں آئیں گے اور (سوکوں کو) اُن کی قضا دینا ہوگی اگر انھوں نے بغیر قرعہ کے اُس کے ساتھ سفر کرنے پر اپنی رضا سمندی ظاہر نہ کی ہو۔ جب دو بیویاں سفر میں ساتھ ہوں تو اُن کے درمیان باری مقرر کرنا اُس صورت میں لازم ہے جب دونوں الگ الگ سواریوں یا کمپارٹمنٹ یا خیموں میں ہوں۔

اگر سفر میں بیویاں ساتھ ہوں اور ایک دوسرے خیمے میں ٹھہریں یا ایک فرش پر رہیں تو جائز ہے لیکن مباشرت قطعاً ناجائز ہے۔

**مرد کا فرض** ادب مرد کے فرائض بیوی کے حقوق ادا کرنے کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں قرآن کی آیات اور احادیث سے مرد کا فرض یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی

دینی اور اخلاقی تربیت بھی کرتا رہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَا

(سورہ تحریم آیت ۶)

اے مسلمانو! اپنے اور اپنے اہل و عیال کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا:

وَأَذْكُرَنَّ مَا يَلْتَمِسُ فِي بَيْتِي مَنَافِعُ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب: ۳۴)

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور دانش و حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔

سورہ مدثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کا پہلا حکم یہ دیا گیا،

وَأَذْكُرَنَّ مَا يَلْتَمِسُ فِي بَيْتِي مَنَافِعُ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ — (اپنے کنبے کے قریبی لوگوں کو جو نکاح)

سب سے پہلی نماز آپ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ پڑھی، اور دوسری نماز میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے دین کی تعلیم سب سے پہلے اپنی بیوی کو دی۔ اور جو صحابہ آپ پر ایمان لاتے آپ ان کو بھی یہی ہدایت فرماتے۔ حضرت عائشہ بن حورث بیان کرتے ہیں کہ ”ہم چند نوجوان اسلام لانے کے بعد دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں بیس دن رہے، آپ کی رحم دلی کا حال یہ تھا کہ بیسویں دن آپ نے پوچھا کہ گھر میں کس کو چھوڑ آئے ہو جب ہم لوگوں کے بتایا تو فرمایا:

ادْعُوا إِلَىٰ أَهْلِيكُمْ فَأَقِمْوْا

فِيهِمْ وَعَلَيْكُمْ هُمْ وَمَرْفُوعُهُمْ

اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ۔ انہیں سنادو۔

(بخاری و مسلم)

عورتوں کو نماز کی تاکید کرتے رہنا چاہیے اور اصلاح و تربیت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ کرنا چاہیے، وہ حدیث سامنے رہنا چاہیے جس میں عورت کی فطری کجی اور نزاکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ (حسن سلوک کے ذیل میں)

مردوں کے حقوق اُن کی بیویوں پر  
بیوی بد خوہر کا پہلا حق جو فرض ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت اس طرح

کرے جیسے کہ وہ اُس کے شوہر کی مات شفاف امانت ہے جس پر ذرا سا داغ یا میل بھی نہ آنے پائے۔ کبھی نامحرم سے بے ضرورت بات چیت نہ کرے، پر دے کا خاص اہتمام کرے کہ شوہر کے سوا کسی محرم کے سامنے بھی منہ اور ہاتھ کے علاوہ باقی مارا جسم ڈھکا رہے، بغیر اجازت گھر سے باہر نہ جائے، قرآن میں یہ صفت بیان کی گئی ہے: ”حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ“ (وہ جو شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عزت، برود اور شوہر کی ہر چیز کی توفیق الہی حفاظت کرتی ہیں)

دوسرا فرض شوہر کے مال کی حفاظت کرنا ہے۔ آنحضرتؐ نے صالح عورت کی تعریف میں فرمایا: ”وَلَا تَخَالِفْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِهَيْكَةٍ“ (بیوی اپنے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کرے جو اُس کا شوہر پسند نہ کرتا ہو۔)

دوسرے موقع پر آپؐ نے اس طرح تعریف کی: ”زَوْجَةٌ لَا تَبْغِيهِ خَوْفًا فِي نَفْسِهَا وَلَا فِي مَالِهَا“ (ایسی بیوی جو اپنی جان (عزت و اکبر) اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے) مال کی حفاظت یہ بھی ہے کہ گھر کی کوئی چیز شوہر کی اجازت کے بغیر نہ دے (دونوں حدیثیں سنائی اور یہی سنی سے نقل کی گئی ہیں)

تیسرا فرض ہر نیک کام اور حق بات میں شوہر کی اطاعت کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

”قَالَ لِّصَّالِحَاتٍ قَاتِلَاتٍ (سورہ نسا) (نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمان بردار ہوتی ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”تَقْوَىٰ كَيْفَ بَعْدَ اِيْكَامِ مَرْدٍ كَيْفَ لَيْسَ سَبُّهُ بَطْرًا“ نعمت صالح بیوی ہے جو اپنے شوہر کی نیک بات کو ماننے جب اُس کی طرف دیکھے تو اُس کو خوش کر دے جب شوہر اُس کے بھر دے پر کوئی بات کہدے تو اُسے پورا کر دے اور جب وہ گھر میں نہ ہو تو اپنی عزت کی اور اُس کے مال کی حفاظت کرے (ابن ماجہ) آپؐ نے فرمایا:

”جو عورت نماز روزے کی پابندی کرے تو اُس کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

**شوہر کی اطاعت** ”اِذَا دَعَا الرَّجُلُ مَرْوَجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَايِهِ

وَ اِنْ كَانَتْ عَلَى الْحَتْمِ“ (ترمذی) اگر شوہر بیوی کو اپنی کسی

حاجت کے لئے بلائے تو وہ فوراً اُس کے پاس چلی جائے خواہ وہ نور ہی پر کیوں نہ بیٹھی ہو۔  
 بیوی کتنی ہی ضروری کام ہیں کیوں نہ لگی ہو، جب شوہر بلائے تو اُس کی طرف متوجہ ہو جانا  
 اور اُس کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔ حدیث میں حاجت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو منی ضرورت کو شامل  
 ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ تو بیوی کو نفل نمازیں پڑھنی چاہئیں اور نفل  
 روزے رکھنے چاہئیں اور فرض نمازیں بھی لمبی اور دیر تک نہیں پڑھنا چاہئے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ  
 میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے،

صفوان بن معطل کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت لے کر آئیں کہ  
 کہ میرے شوہر مجھے نماز پڑھنے پر مارتے ہیں، روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں اور خود فجر کی  
 نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتے ہیں۔ صفوان بھی موجود تھے، آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ  
 حقیقت کیا ہے، اُنھوں نے عرض کیا کہ جب یہ نمازیں شروع کرتی ہیں تو دود بڑی سورتیں ایک  
 ایک رکعت میں پڑھتی ہیں، میں نے بار بار منع کیا لیکن یہ نہیں مانتیں، اس پر میں ان کو مارتا  
 ہوں۔ آپ نے خاتون سے فرمایا کہ ایک جھوٹی سورۃ سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ پھر صفوان نے کہا کہ  
 جب یہ نفل روزے رکھتی ہیں تو مسلسل رکھتی چلی جاتی ہیں اور میں ایک نوجوان آدمی ہوں اس  
 لئے روزہ تڑوا دیتا ہوں، اس پر آپ نے فرمایا کوئی عورت نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے  
 نہ رکھا کرے۔ فجر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کی وجہ صفوان نے یہ پیش کی کہ وہ جو محنت مزدوری کرتے  
 ہیں اُس میں رات گئے تک مصروف رہنا پڑتا ہے، اس لئے صبح اُٹھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ شوہر کی اطاعت اُس حد تک ضروری ہے جس میں اللہ کی  
 نافرمانی لازم نہ آئے، نفل نماز یا نفل روزہ چھوڑ دینے میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی اسی طرح  
 فرض نماز بھی جھوٹی سورتیں پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے، البتہ جہاں معصیت کی بات ہو اور احکام  
 شریعت کی پامالی ہوتی ہو ایسے تمام بُرے کام کرنے سے صاف انکار کر دینا ضروری ہے خواہ  
 شوہر خوش ہو یا ناخوش، اُس کے تعلقات اچھے رہیں یا بُرے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ  
 الخالق۔ جس بات میں خالق کی نافرمانی ہو اُس میں  
 کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔

عورتوں کو حجاب کا حکم حجاب کے معنی ہیں پردہ۔ سورہ احزاب کی آیت میں ہے،  
وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ قُبُلِهِنَّ

حجاباً فَلَئِنْ أَطَعْتُمُوهُنَّ لَيُفْلِتَنَّ بَعْضُهُنَّ بِمَا كُنْتُمْ سَأَلْتُمُوهُنَّ

(جب تم ان (عورتوں) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے) یہ حکم ان مردوں کو ہے جو عورتوں کے مخرم نہیں ہوں جب وہ عورتوں سے کچھ ضرورت کی چیز مانگیں اور بات کریں تو درمیان میں پردہ حائل ہونا ضروری ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے آنسنے نہ آئیں۔

اسی طرح عورتوں کو حکم دیا گیا ہے، إِنْ أَتَيْتُمْ نِسَاءً فَلَا تُخْفِسْنَ بِالْقَوْلِ

قِطْمَةً الَّتِي فِي قُلُوبِهِنَّ مَوْضِعٌ وَفَلَنْ تَعْرِفُوهُنَّ (احزاب: ۲۲)

(یعنی اگر تمہیں اللہ کا خوف ہے تو دبی زبان سے (غیر مرد سے) بات نہ کیا کرو کہ دل کا خراب آدمی کسی لالچ میں پڑ جائے اور تم بات نیک اور سبلی کہا کرو) عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر ہی میں رہا کریں بے ضرورت گھر سے باہر نہ نکلا کریں۔ وَكُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى (احزاب: ۳۳)

(یعنی اپنے گھروں میں قرار سے رہو پہلی جاہلیت کے زمانے جیسی سج و سج دکھاتی نہ بھرو اگر عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آجائے تو بھی وہ پردہ کپے ہوئے نکلیں جس کی صورت یہ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَا جِئْتُكُمْ وَبَيْنَكُمْ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ

مِنْ جَلَابِيبٍ فَإِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ

عَفُوًّا رَحِيمًا (احزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر چادروں کا ایک حصہ نکال لیا کریں یہ وہ کم سے کم پہچان ہے جس سے لوگ ان کا شریف اور حیا دار ہونا جان لیں پھر انہیں ستانے کی ہمت نہ کریں۔

اللہ بڑا خطا پوش اور مہربان ہے۔“

عورت کی حیاداری اور پردہ پوشی اُسے باوقار بنا دیتی ہے اس لئے اُسے چھپنے کی جرات کسی آوارہ گرد کو نہیں ہوتی اور اُس کا تقدس محفوظ رہتا ہے برضات بے حجاب نکلنے والی عورت کے جو نظر بازوں کو خود دعوت دیتی ہے اور اسی لیے اس کی تقدیس بھی عام نظروں میں نہیں رہتی۔

حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت عورت ہے، جب بے پردہ نکلتی ہے تو شیطان اُس کو کھتا ہے (ترمذی) عورت کے لغوی معنی تنگا، کھلا اور غیر محفوظ کے ہیں۔

ام المؤمنین ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اچانک ابن ام مکتومؓ آئے، آپؐ نے ہم دونوں سے فرمایا ”ان سے پردہ کرو“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ تو ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ تم انھیں نہیں دیکھ سکتیں؟ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے: ”جو آنکھ بُری نظر یا خواہش سے کسی اجنبی مرد یا عورت کو دیکھتی ہے وہ (آنکھ) زانہ ہے۔“ (ترمذی، ابوداؤد)

قرآن مجید میں سورہ نور کی آیت ۳۱ ان احکام پر مشتمل ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ  
وَلَا يُبْدِيْنَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَخْضِبْنَ بِخُضْمِهِنَّ عَلٰى  
رُءُوسِهِنَّ

”اے نبیؐ! مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ وہ نظریں نیچی رکھیں یعنی (ادھر ادھر جس میں فحش مناظر، فلم اور ٹی۔وی بھی شامل ہے) نہ دیکھیں۔ اپنی شر مگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے) کسی کو

نہ دکھائیں اور اپنے سینوں پر اوڑھنیوں کے انچل ڈالے رہیں (یعنی  
مراود سبز بالکل ڈھکار ہے)

”زینت“ سے مراد جسم کے وہ مقامات ہیں جو آراستہ کیے جاتے ہیں اور ”خود  
ظاہر ہو جانے والے مقامات میں چہرہ، ہاتھوں کی انگلیاں اور پیر ہیں جن کو ڈھکا نہیں  
رکھا جاسکتا۔ آگے ان لوگوں کی تفصیل ہے جن کے سامنے آنا جائز ہے:-

وَلَا يَتَرَفَعْنَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوِ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِهِنَّ  
أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّوَحُّيْنَ عِندَ أُولَى  
الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَتِ  
النِّسَاءِ -

”اپنی زینت نہ دکھائیں مگر شوہروں کو یا اپنے باپ کو، یا سر کو یا اپنے  
بیٹوں یا شوہر کے بیٹوں کو یا بھائیوں کو۔ یا بھائیوں اور بہنوں کے بیٹوں کو، یا  
اپنے میل جیل کی عورتوں یا اپنے غلاموں کو یا ان غلاموں کو جنہیں کسی اور قسم  
کی غرض نہ ہو یا ان لڑکوں کو جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف  
نہ ہوں۔

بھائیوں میں حقیقی، حلقائی اور اخائی تینوں بجائی شامل ہیں۔ لیکن چچا زاد،  
بھوپتی زاد، ماموں زاد اور خال زاد بجائی کا شمار نامحرموں میں ہے اس لیے ان کے سامنے  
بے پردہ آنا صحیح نہیں ہے۔

سورہ نور کی اسی آیت میں یہ حکم بھی موجود ہے:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ

”وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی نہ چلا کریں کہ جو زینت چھپا رکھی ہے  
اُس کا علم لوگوں کو ہو جائے“



اد پر جو آیتیں بیان کی گئی ہیں اُن میں عورتوں کو حجاب (پردہ) کرنے کے احکام ہیں جن کی تعمیل ہر مسلمان عورت پر لازم ہے۔ سورہ نور کی آیت ۳۰ میں مردوں کو بھی نظر میں نیچے رکھنے اور فحش مناظر پر نگاہ نہ ڈالنے کا حکم ہے۔

واضح ہو کہ پردے کے احکام، ستر کو ڈھکنے کے حکم سے علاوہ ہیں جس کا ذکر نماز کے بیان میں صفحہ ۹۸ پر اور حج کے بیان میں صفحہ ۲۳۶ پر ہوا ہے۔ ستر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اُن اعضا کے چھپانے کو کہتے ہیں جو اگر کھل جائیں تو نہ نماز ہو سکتی ہے اور نہ حج ہو سکتا ہے۔

عورت کے تمام اعضا بائوں کے ستر میں داخل ہیں بجز دو اعضا کے جن کا ذکر رسول اللہ کی حدیث میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا۔ اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو مناسب نہیں ہے کہ اُس کا کوئی عضو دیکھا جائے مگر یہ اور یہ آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ (بخاری۔ مشکوٰۃ)

فقہاء کے نزدیک آدمی آستین کا کرتا یا جبیر پہننا گناہ ہے۔  
واضح ہو کہ عورت سر کے بالوں اور بازوؤں کو کھلا رکھتی ہے اُس کا ستر ڈھکا نہیں رہتا اس حالت میں نہ تو نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ کسی مرد کے سامنے آنا درست ہے اسی طرح اگر پیٹ یا پیٹھ کا کچھ حصہ کھل جائے تو بھی نہ نماز درست ہوگی اور نہ کسی کے سامنے آنا جائز ہوگا۔

ضروریاتِ زندگی کی طلب میں اعتدال عورتوں کو بے ضرورت تزئین و آرائش سے اس لئے روک دیا گیا کہ بے جا طلب اور اسراف کی بیخ کنی کی جائے۔ جاہلی عرب عورتیں سر کے بالوں کو خوبصورت بنانے کے لئے کچھ خارجی بال لگالیا کرتی تھیں، اس بارے میں آپؐ نے فرمایا قاتلہ زنا و تزئین قاتلہ فیہؐ یہ ایک طرح کا جھوٹ ہے جو بالوں میں بڑھالیا جاتا ہے۔ اسی جھوٹ اور فریب دہی کی بنیاد پر گونے گدولے، چہرے کے رویں صاف کرنے، حد سے زیادہ تماش خراش کرنے و دانتوں کو چکلیلا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حدیث میں ایسی عورت سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے جو دین و اخلاق پر کاربند ہوتے ہوئے کم سے کم ضروریاتِ زندگی پر قانع ہو، قرآن مجید میں ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے جو تنبیہ ہے وہ نفقہ کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہے۔

احسان شناسی عورتوں میں ایک عام کمزوری یہ ہے کہ ذرا سی بدسلوکی پر غر بھر کے حسن سلوک کو بھلا کر صرف اُس کی بدسلوکی کو یاد کرتی اور یاد دلاتی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ زیادہ تردد و زرخ میں ڈالی جانے والی عورتیں وہ ہوں گی جو ناشکری کی وجہ سے عذاب کی سستی ہوں گی۔ یکھضان العشیرۃ یعنی وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ اس حدیث میں یہ ہدایت عورتوں کے لئے ہے کہ وہ شوہروں کے ساتھ شکر گزاری اور احسان شناسی کا رویہ اختیار کریں، شوہر اپنی محنت سے جو کچھ کماتا کر دے سکے اُسے خدا کا شکر ادا کر کے خوش دلی سے قبول کریں، البتہ اگر شوہر تن آسانی کی وجہ سے بیوی کے جائز حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کی ملامت احسان ناشناسی نہیں ہوگی۔

شوہر کو تنبیہ و تادیب کا حق حقوق و فرائض کے بیان میں پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے کہ خاندان کے نظم کو درست رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام بنایا ہے، قوام کی تعریف میں ذمہ داری اور نگہبانی شامل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ قوام کو معتدل اور سنجیدہ ہونا چاہیئے۔ مغلوب الغضب اور کم فہم لوگ اس ذمہ داری کو نہیں نبھا سکتے۔ اسلامی شریعت نے ایسے مرد کو جو قوامیت کی صلاحیت رکھتا ہو اس کی اجازت دی

ہے کہ جب اپنی بیوی میں نشوز و سرکشی دیکھے تو تنبیہ و تادیب کرے، خواہ مخواہ اپنی بڑائی جتانے کے لئے نہیں بلکہ اصلاح حال کے لئے:

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بُشُورَهُمْ لَطُمُوسُ وَاهْتَفُورُهُمْ فِي الضَّالِّينَ وَآخِرُ لَوْحٍ فَإِنْ أَكَلْتُم مِّنْهُ  
فَلَا تَبْغُوا أَصْلَهُ سَبِيلًا (نساء-۳۳)

اور جن عورتوں سے تم نشوز و کجی تو (۱) انہیں سمجھاؤ، بجھاؤ پھر (۲) انہیں اپنی خواجگاہوں میں چھوڑ کر الگ رہو۔ اور پھر بھی باز نہ آئیں (۳) تو مارو، پس اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو پھر ان پر سختی کی راہ تلاش نہ کرو۔

نشوز کے معنی اٹھ جانے کے ہیں یعنی عورت کے دل سے رشتہ نکاح کا احترام اور لحاظ و پاس اٹھ جانا۔ یہ آیت اس آیت کے فوراً بعد ہے جس میں عورتوں کی بہترین صفات بیان کی گئی تھیں یعنی صالحات نیک عورتیں قانتات فرماں بردار اور حافظات للغیب شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والی اپنی بھی اور شوہر کے مال کی بھی۔ تو اس آیت میں نشوز کے مفہوم میں وہ عورت ہے جو اپنی عزت و آبرو، شوہر کے مال و متاع کی حفاظت نہ کرے اور معروف (نیک باتوں) میں اس کی اطاعت نہ کرے تو ایسی عورت کو تنبیہ و تادیب کی جاسکتی ہے جس کی تین صورتیں بتائی گئی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ انہیں نرمی اور ملاطفت سے سمجھاؤ۔ یہاں تک کہ وہ تمہاری بات مان لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس لیٹنا بٹھنا اور سونا چھڑو یا ایلد کر لو یعنی عہد کرو کہ فلاں وقت تک اس کے پاس نہیں جاؤ گے (ایلا کی تعریف آگے آتی ہے) یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر عورت میں فطری خواہش ہے کہ شوہر کی نظر انتفات نہ ہٹے تو اپنی غلط روش کو ضرور بد لے گی لیکن اگر اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو تو آخری درجے میں اسے ہلکی مار کی سزا بھی دی جاسکتی ہے مگر منہ پر مارنا منع ہے۔ یہ آخری اجازت استعمال کرنے میں اگر ظلم و زیادتی ہوگی تو گناہ بھی بہت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں عورتوں کے بارے میں جو آخری ہدایات دی ہیں انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے:

وَأَقْبُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّهُنَّ  
 حُنُودُكُمْ عَوَانٍ لَكُمْ  
 عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُؤْطَيْنَ  
 فَرَسَكُمْ أَحَدًا تَكُنْهُنَّ  
 فَرَسًا فَعَلْنَ فَاُصْرَبُوهُنَّ  
 غَيْرُ مُبْرَجٍ۔

عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرودہ  
 تمہاری قید میں ہیں ان پر تمہارا حق ملازم  
 ہے کہ تمہارے فرس پر کسی کو قدم نہ رکھنے  
 دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا  
 کریں تو انہیں اس طرح مارو جو نمایاں  
 نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ گھر میں ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جنہیں شوہر ناپسند کرتا ہے یا جن کی  
 طرف سے اُس کے دل میں کوئی شک و شبہ ہے۔ تو اگر وہ ایسا کریں اور بھلائی میں تمہاری  
 اطاعت نہ کریں تو اُن کو مارو اس طرح کہ جھوٹا نشان نہ پڑے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ  
 مسواک وغیرہ چھوٹی چیز سے اسلام نے جب جانوروں کو بھی سخت چیز سے مارنے کی اجازت نہیں  
 دی ہے تو صنفِ نازک کے لئے ایسی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

**ایلا کا بیان** ادھر ایلا کا ذکر کیا گیا ہے اس لفظ کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں۔ قبل از  
 اسلام عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ کسی بیوی سے ترکِ مقاربت کی قسم کھالیتے  
 تھے۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس سے بیوی جیسا تعلق نہیں رہے گا اس کے لئے ایلا کا لفظ بولا  
 جاتا تھا اور جس عورت سے ایلا کیا جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اسلامی شریعت  
 نے اس اصطلاح کو باقی رکھا لیکن اس کا حکم بدل دیا۔ بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم غیر مشروط  
 بھی ہو سکتی ہے اور بصراحت وقت بھی یعنی قسم کھا کر کہا جاسکتا ہے کہ میں اپنی بیوی سے  
 مباشرت نہیں کروں گا یا چار مہینے تک یا اس سے زیادہ عرصے تک یا ساری عمر بھی اس کے  
 پاس نہیں جاؤں گا تو اگر وقت کی صراحت چار مہینے سے کم کی ہو خواہ ایک ہی دن کم ہو تو وہ نہایت  
 کی نظر میں ایلا نہیں ہے۔ باقی صورتوں میں ایلا ہوگا۔

**ایلا کی شرعی تعریف** بیوی سے ترکِ مقاربت کی قسم کھانا، غیر مشروط یا چار ماہ یا اس سے  
 زیادہ عرصے کے لئے یا بیوی سے مقاربت کا انحصار کسی دشوار کام  
 پر رکھ دینا۔

قسم سے اللہ کے نام یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم مراد ہے دشوار کام پر انحصار رکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ فعل مقاربت کو حج سے روزوں سے یا طلاق سے وابستہ کر دیا جائے مثلاً اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج کرنا واجب ہوگا یا اتنے روزے رکھنا لازم ہوں گے یا میری فسلاں بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا مجھ پر قربانی یا سو رکعت بڑھنا لازم ہوگا یہ تمام صورتیں مقاربت کو امر دشوار سے وابستہ کرنے کی ہیں۔

ایلا کی تعریف میں ایلا کرنے والے شوہر کا قابل مباشرت ہونا اور جس بیوی سے ایلا کیا جائے اُس کا قابل مباشرت ہونا داخل ہے۔ بعض فقہانے نفظ مکلف کا اضافہ کیا ہے یعنی ایلا کرنے والا اسلامی احکام بجالانے والا ہو (بچہ یا مجنون نہ ہو)

**ایلا کے ارکان اور شرطیں** فقہانے ایلا کے چھ ارکان لکھے ہیں (۱) محلوں بہ یعنی جس کی قسم کھائی جائے (۲) محلوں علیہ۔ یعنی جس بات پر قسم کھائی جائے۔ (۳) صیغہ یعنی قسم کے الفاظ (۴) مدت یعنی وہ عرصہ جس کے لئے قسم کھائی ہے یعنی چار مہینے یا اس سے زیادہ کے لئے (۵) شوہر (۶) بیوی۔

پس اگر کسی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا اس میں اللہ محلوں بہ ہے اور ترک مباشرت محلوں علیہ۔ اور اگر کہا کہ مجھ پر طلاق لازم ہوگی بجا میں مباشرت نہ کروں گا اس قول میں طلاق محلوں بہ ہے اور ترک مباشرت محلوں علیہ۔ بعض اوقات بیوی کو محلوں علیہ کہا جاتا ہے کیونکہ مباشرت کا مفہوم اُس کی ذات سے وابستہ ہے۔ الفاظ قسم کے صمیم ہونے کی چند شرطیں ہیں:

۱۔ ایک بیوی کے ساتھ کسی دوسری کو شریک نہ کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ ایلا متصور نہ ہوگا کیونکہ اگر صرف بیوی سے مباشرت کرنی تو قسم نہیں ٹوٹی اور کفارہ عائد نہ ہوگا۔

۲۔ ایلا کی مدت میں سے کوئی وقت مستثنیٰ نہ کیا جائے مثلاً اگر کہا کہ اللہ کی قسم میں ایک دن کے سوا سال بھر تک مباشرت نہ کروں گا تو اس کو بہر دست ایلا نہیں قرار دیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی روز مباشرت کرنی تو دیکھا جائے گا کہ اگر سال پورا ہونے میں چار ماہ سے کم باقی ہیں تو ایلا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ باقی ہے تو

مقاربت والے دن کا آفتاب غروب ہوتے ہی اُس کو ایلا کہندہ قرار دیا جائے گا پھر وہ احکام نافذ ہوں گے جس کا ذکر آئے گا۔

۲۔ یہ کہ قسم میں کسی خاص جگہ کی قید نہ ہو، چنانچہ اگر مقام کی قید لگائی گئی تو ایلا نہ ہوگا کیونکہ کسی دوسرے مقام پر مباشرت کرنا روا ہے گا۔

۳۔ مباشرت کے ساتھ کسی اور خدمت کو نہ ملائے مثلاً یہ کہا کہ ”اگر میں تجھ سے مباشرت کروں اور فلاں خدمت لوں تو تجھ کو طلاق ہے“ تو اس سے ایلا نہ ہوگا۔

۵۔ اگر صریح الفاظ استعمال کرنے کے بجائے کنایہ کہا گیا مثلاً: اللہ کی قسم میں تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا، یا پاس نہ آؤں گا یا ہم بستر نہ ہوں گا تو جب تک ان الفاظ سے نیت ترک مباشرت نہ ہو ایلا نہ ہوگا۔

احکام متعلقہ ایلا  
جب خدا کی قسم کھا کر ایلا کر لیا تو اُس کا یہ حکم قرآن میں دیا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ مَنْ يَسْتَعْجِلْ مِنْ رَبِّكَ فَاَرْبَعَةٌ اَشْفَقْنَا لَكَ اَوْ قَوْلًا اَللّٰهُ عَفُوٌّ ذُوْءُ فَضْلٍ

عَزَّمَا اَصْلَاحًا ۚ قَوْلًا اَللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورہ بقرہ ۲۲۶)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر وہ قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اگر طلاق ہی کا لپکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

ایلا کرنے کا جو رواج اہل عرب میں تھا جس سے ہمیشہ کے لئے بیوی مرد پر حرام ہو جاتی تھی اور پھر تمام عمر گھٹتی رہتی تھی اسلام نے اس ظلم کو ختم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے یا تو وہ رجوع کر کے مباشرت کر لیں جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیں تو اللہ ان کی مغفرت کرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ایلا بذات خود بُرا کام اور عورت پر ظلم اور ایذا رسانی کا مترادف ہے۔ اس حالت کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو مہلت ہی نہ دی جاتی۔ مگر چار مہینے کی مہلت دینے میں حکمت یہ ہے کہ اتنے عرصے کی مفارقت اُس کو اپنے گئے پریشیمان

ہونے اور بیوی کی جانب رجوع ہونے کا موقع فراہم کر دے گی، دوسری طرف یہی مفارقت بیوی کی اصلاح کا وسیلہ بھی بن جائے گی اور جو بات شوہر کی بیزاری کا سبب بنی اُسے ترک کرنے کا رویہ اختیار کرے گی اس لئے اتنے عرصے تک توقف کرنا علاقہ زوجیت کی بحالی کے لئے ضروری ہے اب اگر اس مفارقت کا کچھ اثر نہ ہوا اور ایک کو دوسرے کی بدوائے رہی تو جدا ہونا آسان ہو گا۔ یہ ارشاد کہ ”اگر طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب کچھ سناتا اور جانتا ہے“ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب جھوڑ دینے کا ہی عزم کر لیا تو بیوی کے پاس نہ جائیں چار مہینے کی مدت پوری ہونے کے بعد از خود بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ خواہ مرد طلاق نہ دے یا عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایلاہ کی مدت گزر جانے کے بعد اگر طلاق ہی دینے کا ارادہ کر لیں تو اللہ (ان کی کسموں کی) سننے والا اور (اس ظلم و اذیت کو جو بیوی پر رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہوئی) جاننے والا ہے۔ یعنی اس خداوند کو تنبیہ کی گئی ہے جو ایلاہ کی مدت گزر جانے پر رجوع نہیں کرتا اور طلاق ہی دینا چاہتا ہے اگر یہ بطور ظلم ہے تو اللہ مسیح و علیم ہے وہ اس کی سزا ضرور دے گا۔

فقہ حنفی کے مطابق خدا کی قسم کھا کر ایلاہ کرنے والا اگر چار مہینے گزرنے سے پہلے بیوی سے مباشرت کر لے تو اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور ایلاہ ختم ہو جائے گا اگر چار مہینے گزر گئے اور جس بیوی سے ایلاہ کیا ہے اُس سے مباشرت نہ ہوئی تو بیوی پر ایک طلاق پڑ جائے گی بغیر اس کے کہ یہ معاملہ حاکم شرع کے پاس لایا جائے یا شوہر خود طلاق دے پھر اگر وہ ساری مدت جس کا ایلاہ کرتے وقت ذکر کیا تھا، گزر جائے اور شوہر مباشرت نہ کرے تو طلاق بائنہ پڑ جائے گی یعنی رشتہ نکاح ٹوٹ جائے گا اور جب تک دونوں پھر سے نکاح نہ کریں یہ رشتہ قائم نہیں ہو گا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایلاہ دو طرح سے کیا جاتا ہے (۱) بقید وقت یا (۲) مطلق بغیر وقت کا تعین کئے ہوئے۔ دونوں قسم کے ایلاہ کا عام حکم یہ ہے کہ اگر غصے میں یا بطور تنبیہ شوہر نے ایسا کہا تھا تو شوہر کو چار مہینے کے اندر ہی اپنی قسم توڑ دینا چاہیے یعنی بیوی سے بیوی جیسے تعلق کو قائم کر لینا اور قسم کا کفارہ دیدینا چاہیے، اگر ایسا نہ کیا تو چار مہینے گزرتے ہی طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔ اگر شوہر نے کوئی مدت ایلاہ کی مقرر نہیں کی تھی بلکہ یوں کہا تھا کہ ”خدا کی قسم میں

کبھی تجھ سے مباشرت نہ کروں گا“ تو بھی چار مہینے گزر جانے کے بعد طلاق پڑ جائے گی اور دوبارہ نکاح کے بعد ہی تعلق قائم ہو سکے گا۔ اب دونوں قسم کے ایلا میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں اگر دوبارہ نکاح کر لینے کے بعد وہ چار مہینے یا سال بھر تک بھی مباشرت نہ کرے تو دوبارہ طلاق نہیں پڑے گی، مگر دوسری صورت میں اگر وہ چار مہینے مباشرت نہ کرے تو دوبارہ طلاق پڑ جائے گی۔ اب اگر دوبارہ نکاح پڑ جانے کے بعد پھر چار ماہ مباشرت نہیں کی تو تیسری طلاق پڑ جائے گی۔ اب بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔

اگر اُس نے خدا کی قسم کھائے بغیر یوں کہا تھا کہ ”اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج کرنا یا ایک مہینے کے روزے رکھنا یا ایک سو روپیہ کا صدقہ کرنا واجب ہے“ اگر اس عہد کے بعد چار مہینے کے اندر مباشرت کر لی تو عہد کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ قسم کا کفارہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر چار مہینے تک مباشرت نہ ہوگی تو چار مہینے پورے ہوتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی اور دوبارہ نکاح کے بعد ہی اُس سے تمتع کر سکے گا۔

## طلاق کا بیان

**طلاق کی تعریف** لغت میں طلاق کے معنی بندش کو کھول دینے کے ہیں چاہے بندش نظر آنے والی ہو یا غیر محسوس ہو مثلاً اذنی کی بندش کو کھول کر اُسے چھوڑ دیا جائے تو کہتے ہیں طَلَّقَ الذَّائِقَةُ طَلَّاقًا اسی طرح کوئی شوہر بیوی سے علیحدگی اختیار کرے تو کہتے ہیں طَلَّقَتِ الْمَرْأَةُ (عورت کو چھوڑ دیا) لفظ تطلیق بھی بندش ہٹانے کے معنوں میں طلاق کی طرح استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں طَلَّقَ الْمَرْءُ جُلَّ امْرَأَتِهِ طَلَّاقًا اُس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کا لفظ اسلام سے پہلے بھی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، شریعت اسلامی کی اصطلاح میں اس کا مطلب نکاح کے ذریعہ لگائی گئی گمراہ کو کھول دینا یا نکاح کا زائل ہو جانا ہے یا خاص الفاظ کے ساتھ عقد نکاح میں ایسا نقصان طارل دینا ہے جس سے گمراہ پوری طرح گلٹنے میں کمی رہ جائے۔ نکاح زائل ہونے کا مطلب



یہ ہے کہ عقد نکاح جاتا رہے اور آئندہ کے لئے بیوی اُس پر پوری طرح حرام ہو جائے، یہ اس صورت میں ہوگا جب بیوی کو تین طلاقیں دی جائیں اور نکاح کے رشتہ میں نقصان واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقد نکاح بالکل زائل ہونے میں کمی رہ جائے، یہ اُس صورت میں ہوگا جب کہ طلاق رجعی دی جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ بیوی مکمل طور پر اپنے شوہر کو حلال تھی، اُس وقت وہ تین طلاقیں کا مالک تھا۔ طلاق رجعی کے بعد وہ دو طلاقیں کا مالک رہ گیا۔ اب اگر وہ اس طلاق کو واپس لے لے تو بیوی پھر مکمل طور پر حلال ہو جائے گی لیکن اگر وہ طلاق سے رجوع نہیں کرتا اور باقی دو طلاقیں بھی دے دیتا ہے تو بیوی حلال نہیں رہے گی۔ طلاق رجعی سے عقد نکاح نہیں ٹوٹتا صرف رشتہ نکاح میں فرق آ جاتا ہے جس کو دور کرنے سے پہلے وہ بیوی کے پاس نہیں جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اُسی کی بیوی رہتی ہے اور شوہر کو ایک مقررہ عرصے کے اندر یا طلاق واپس لینا پڑتی ہے یا باقی طلاقیں دے کر اُس سے بالکل رشتہ نکاح توڑ لینا پڑتا ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ مقررہ عرصے کو اصطلاح فقہ میں عدت کہتے ہیں۔

**طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے** طلاق کی ضرورت صرف اُس وقت پڑتی ہے جب عورت اور مرد اُن حقوق و فرائض کو ادا نہیں کرتے جو شریعت

اسلامی نے مقرر کئے ہیں یا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی حق تلفی کرتا ہے یا کسی کی طرف سے کوئی اخلاقی بُرائی ظاہر ہوتی ہے جس کی وجہ سے نفرت و عداوت کی صورت پیدا ہوتی ہے اور محبت و مودت باقی نہیں رہتی، جذبہ رحمت و خیر خواہی فنا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے رفیعہ کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں رہتا تو اس صورت میں شریعت اسلامیہ عورت اور مرد دونوں کو حق دیتی ہے کہ اگر عورت مرد کی قومیت سے نکلنا چاہے تو طلع اور تفریق کے ذریعے اور اگر مرد عورت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہے تو طلاق کے ذریعے رشتہ نکاح کو توڑ کر آزاد ہو جائیں۔ یہ حق دینے کے باوجود قرآن و حدیث میں نکاح کے معاہدے کو فسخ کرنے سے پہلے سنجیدگی سے غور کرنے اور تعلقات خوش گوار بنانے کی کوشش کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

(نساء - ۱۹)

لَقَدْ اَنذَرْتُمْوَاَنْتُمْ بِاَن تَحْسَبُوْا اللّٰهَ عَدُوًّا كَآفِرًا ۝۱۹

”ممكن ہے تمہیں کوئی بات بُری لگتی ہو اور خدا نے اُس میں بہت سی بھلائیاں رکھی ہوں۔“

ممكن ہے بیوی کی کوئی عادت یا شکل و صورت تمہیں ناپسند ہو مگر اُس میں ایسی خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں جو کسی دوسرے میں نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،  
 البغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ ”یعنی حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ  
 (ابوداؤد، ابن ماجہ) بات اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔“

یعنی اگرچہ طلاق کو آخری چارہ کے طور پر استعمال کی گئی اجازت ہے مگر فی الحقیقت یہ ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اگر شوہر اور بیوی میں کوئی وجہ اختلاف ہو جائے تو اُسے دور کرنے کا طریقہ قرآن میں یہ بتا دیا گیا ہے:

وَاِنْ جُنِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَدُوْا عَنْهُمَا مِنْ اَهْلِهِ وَحُكْمًا ۚ اِنَّ زَيْنًا لَّيُؤْتِيَنَّ اللّٰهُ يَتَقَرَّبَا اِلَيْهِمَا وَكَانَ عَلَيْنَا حَيْثُ ۙ

(نساء - ۳۴)

اگر دونوں میں شدید اختلاف کا اندیشہ ہو تو شوہر کے گھر والوں میں سے ایک کچھ دارفرض اور بیوی کے گھر والوں میں سے ایک منصف مزاج شخص کو بھیج دو اگر دونوں بھلا چاہنے والے ہوں گے تو اللہ ضرور دونوں میں موافقت کی توفیق دے گا۔ اللہ علم و خیر ہے۔  
 دونوں آدمی جو ثالث مقرر ہوں وہ ایسے ہوں جو واقعی صلح صفائی چلا رہے ہوں اور خود شوہر اور بیوی اُن کی بات کو ماننے والے ہوں تب اللہ کی توفیق شامل حال ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلاق کو پسند نہیں فرمایا۔ اور صحابہ کرام کو بھی بجز ایک دو کے (وہ بھی دینی ضرورت کی بنا پر) کسی کو طلاق دینے کی اجازت نہیں دی آپ کی ایک حدیث ہے،

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَعْصِي الدُّوَاۡتِیْنِ اللّٰهُ تَعَالٰی زیادہ مزہ چکھنے والوں اور زیادہ  
 وَالدُّوَاۡتِیَاتِ مزہ چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ شیطان بُرائیاں پھیلائے اور لوگوں کو بہکانے کے کاموں میں سب سے زیادہ جس چیز سے خوش ہوتا ہے وہ شوہر اور بیوی میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ طلاق شیطان کی پسندیدہ چیز کیوں ہے؟ اس لئے کہ طلاق صرف دو شخصوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتی بلکہ اس سے نہ جانے کتنے رشتے کٹ جاتے ہیں۔ شوہر کے اور بیوی کے کتنے اعزہ و اقارب ایک دوسرے کے ساتھ قریبی تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں جو کل تک بیگانے تھے اُن کے آپس میں مہر و محبت کے رشتے استوار ہو گئے ہوتے ہیں، طلاق کے ذریعے یہ سب باتیں بھی نہیں کہ یک نخت ختم ہو جاتی ہیں بلکہ خاندانوں اور گھرانوں میں بغض و عداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور آئندہ کے لئے کتنے نئے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر بچے ہیں تو اُن کی بد ورشش اور تربیت کا سوال پیدا ہوتا ہے گویا یہ طلاق ایک گھر کا نہیں پورے معاشرے کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اُس کی پاکیزگی اور صاحتیت و اعداد ہو جاتی ہے ایسا دور رس فتنہ اور فساد کسی صالح معاشرہ میں پیدا کرنا شیطان کو ضرور پسند ہونا چاہیے، خدا اور رسول کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔

**طلاق کے ارکان یعنی اجزاء لازمی** طلاق کے چار رکن ہیں (۱) مرد جس کا نکاح ثابت نہ ہو اُس کے ہٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا طلاق فیما لا یملک۔ جس عورت کا مالک نہ ہو اُس کو طلاق نہیں دے سکتا۔

(۲) عورت جو طلاق دینے والے کے نکاح میں ہو (طلاق بائن پائی ہوئی نکاح میں نہیں رہتی۔ جبکہ طلاق رجعی پائی ہوئی نکاح میں رہتی ہے جب تک وہ عدت میں ہو)

(۳) طلاق کے الفاظ جو عدت نکاح کو توڑنے والے ہوں خواہ وہ صراحتاً کہے گئے ہوں یا گناہ سے۔ نیت یعنی الفاظ طلاق دینے کی نیت (ارادے) سے ادا کئے گئے ہوں۔

**طلاق کی شرطیں** طلاق صحیح ہونے کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق شوہر سے ہے بعض کا بیوی سے اور بعض کا الفاظ طلاق سے ہے۔

(۱) طلاق دینے والا صحیح الدماغ ہو۔ جنون زدہ کا طلاق دینا درست نہیں۔ لیکن وہ شخص جو لذت اندوزی کے لئے نشہ آور چیز استعمال کرے اور عقل جاتی رہے اور اسی حالت میں طلاق دے دے تو وہ طلاق پڑ جائے گی، البتہ اگر کسی مرض کو دور کرنے کے لئے کوئی شے اس خیال سے استعمال کی کہ اس سے نشہ نہیں ہوگا اور عقل زائل ہوگئی اور اسی حال میں طلاق دے دی تو یہ طلاق نہیں پڑے گی۔

(۲) طلاق دینے والا بالغ ہو۔ ایسا لڑکا جو بالغ نہ ہوا ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ بیوی کے حرام ہو جانے سے کیا مراد ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ پڑا ہونے کے بعد وہ شمار کی جائے گی۔

(۳) طلاق دینے والے کو طلاق دینے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اپنے اختیار سے نہ دی ہوئی طلاق امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر دیگر ائمہ کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔

بیوی کے تعلق سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ طلاق دینے والے مرد کے زیر تحفظ ہو اگر اُس کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور ابھی وہ عدت میں ہے تو بھی اس پر طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ وہ ایسی طلاق یافتہ ہے جس کا نکاح ختم ہو چکا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی عقد صحیح سے اُس شخص کی زوجیت میں ہو، اگر مرد نے کسی عورت سے بہ دوران عدت شادی کر لی یا کوئی اور فاسد عقد کر لیا تو وہ اُس کی بیوی نہیں مانی جائیگی الفاظ طلاق سے تعلق رکھنے والی شرطیں دو ہیں:

۱۔ الفاظ ایسے ہوں جو صراحت یا کنایتاً طلاق کا مفہوم ظاہر کرتے ہوں۔ اگر کوئی مرد کسی ناراضی کے باعث بیوی کے پاس نہ آئے یا اُسے اپنے ماں کے گھڑ بھیج دے تو اُسے طلاق نہیں مانا جائے گا خواہ وہ اُس کا سامان بھی روانہ کر دے اور مہر بھی ادا کر دے۔ زبان سے لفظ ادا کئے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ محض طلاق کی نیت کر لینا اور زبان سے نہ کہنا طلاق نہیں کہلائے گا۔ البتہ تحریر کر کے طلاق دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ نام سے ہو، پڑھی جاسکتی ہو اور محض تحریر کی آزمائش کے بطور نہ لکھی گئی ہو۔ گو لکھا شخص اگر اشارے سے طلاق دے اور وہ اشارہ قابل فہم ہو تو طلاق ہو جائے گی۔

۱۲ منہ سے جو لفظ ادا ہوا اُس میں لغزش زبان کو دخل نہ ہوا اور وہی اُس کا مقصد بھی ہو مثلاً: اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ”تو ظاہر ہے“، لیکن زبان سے نکل گیا ”تو طالق ہے“ تو یہ طلاق نہ ہوگی لیکن حاکم ان الفاظ پر طلاق کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ وہ دل کی بات نہیں جانتا۔

**غصے میں طلاق دینا** ایسا غصہ جس میں عقل و ہوش باقی رہے اور زبان سے کہنے والا اپنے قول کو جانتا ہو، اگر بیوی کو طلاق دیدے تو بالائفاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ غصہ کی وہ حالت جو عقل کو بے جا نہ رکھے اور اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے علاوہ تمام ائمہ کے نزدیک وہ مجنون کے حکم میں آئے گا اور اُس کی دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی لیکن اگر وہ کچھ کہتا ہے اسے سمجھتا بھی ہے تو جہو رطار کا خیال ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ غصہ انسان کی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو انسان کی ذات میں موجود ہے وہ بذات خود حرام نہیں ہے البتہ اُسے ایسے وقت میں استعمال کرنا جس کے لئے وہ نہیں بنایا گیا حرام ہے، بخلاف شراب کے کہ وہ ہر حال میں حرام ہے اس لئے غصے کی حالت کو شراب کے نشے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، تو اگر کوئی آدمی غصے میں اپنے آپ سے باہر ہو جائے اور بے ہوش اقوال و افعال سرزد ہونے لگیں، اس حال میں دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

**طلاق کی قسمیں** (الف) احکام شرعیہ کے لحاظ سے طلاق کی قسمیں واجب اور حرام (اوہ) ان کے درمیانی درجات یعنی مستحب، مجائز اور مکروہ (ہیں)۔

(ب) طلاق دینے کے وقت و تعداد کے اعتبار سے اُس کی دو قسمیں ہیں طلاق سنی اور طلاق بدعی۔ یہ تقسیم پہلی تقسیم کے منافی نہیں ہے۔

(ج) الفاظ یا عبارت طلاق کی رو سے اُس کی قسمیں یہ ہیں :-

۱۔ طلاق صریح یعنی واضح الفاظ میں طلاق دینا جس سے کوئی دوسرا مطلب سوائے طلاق کے نہ نکلتا ہو۔

۲۔ طلاق بالکنا یا بمعنی غیر واضح الفاظ میں طلاق دینا جس سے دوسرا مفہوم بھی نکل سکتا ہو۔

۳۔ طلاق بائن یعنی شوہر کو بیوی سے جدا کر دینے والی طلاق جس سے نکاح زائل ہو جائے۔

۴۔ طلاق رجعی یعنی قابل رجوع، ایسی طلاق جس کو واپس لیا جاسکتا ہو۔

ہر قسم کی طلاق کی تفصیل یہ ہے :

**واجب اور حرام** بنیادی طور پر طلاق کو اہمیت سے متصف ہے یعنی ہر طلاق بذات خود مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حلال باتوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات اللہ کے نزدیک طلاق ہے“ اگرچہ شریعت نے میاں بوی کے درمیان علیحدگی کا حلال طریقہ طلاق کو قرار دیا ہے لیکن اسے بہر حال مکروہ بتایا ہے اور بلاوجہ اس پر عمل کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔ پھر بھی ایسے اسباب پیش آسکتے ہیں جو کبھی طلاق کو واجب کبھی مستحب اور کبھی حرام اور کبھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ طلاق واجب ہو جاتی ہے جب شوہر اپنی بوی کے جائز مطالبات جنسی اور معاشرتی ادا کرنے سے عاجز ہو یا بوی بدکار ہو۔

طلاق حرام ہے اُس وقت جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں یا کسی کی حق تلفی کا سبب بن جائیں طلاق مکروہ ہے اگر وہ بغیر کسی وجہ کے دی جائے طلاق مستحب ہے اگر بوی نماز روزے اور فرائض کو ادا نہیں کرتی ہو، بد اخلاق ہو، ہتک عزت کرتی ہو۔

**سنی اور بدعی** طلاق کی یہ خاص قسمیں اُپر ذکر کی گئی تقسیم میں ہر قسم پر مشتمل ہیں یعنی جو طلاق صحیح وقت پر یعنی شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق اور مقررہ تعداد میں دی جائے وہ طلاق سنی ہے۔ اور بدعی وہ ہے جس میں نہ وقت کا لحاظ رکھا جائے نہ تعداد کا۔ دونوں کا فرق طلاق سنی کی شرائط سے واضح ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ طلاق اُس زمانے میں دی جائے جب عورت پاک و صاف ہو۔ اگر ایام مخصوص (حیض و نفاس میں طلاق دی تو یہ طلاق بدعی ہوگی جو گناہ اور حرام ہے۔  
(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد عورت سے مباشرت نہ کی گئی ہو اور اُس سے تخلیہ نہ ہوا ہو۔ اگر مباشرت اور تخلیہ کر کے طلاق دی تو یہ فعل بھی حرام ہے اور طلاق بدعی ہوگی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق صرف ایک دی جائے (یعنی رجعی) اُس کے ایک مہینے کے بعد جب ایام ماہواری گزر گئے ہوں تو پہلی بار پاک ہونے کے بعد (اگر رجوع نہیں کرتا)

دوسری بار طلاق دے پھر عدت کے دوران جب تیسری بار عورت پاک ہو لے تو تیسری طلاق دی جائے۔ لیکن اگر پہلی بار کی پاکی کے دنوں میں دو یا تین طلاقیں دیں تو یہ طلاق بدعی ہوگی بلکہ پہلی بار ایک طلاق بائن دینا بھی بدعی ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ مخصوص ایام میں بیوی کے پاس نہ گیا ہو اور پاک ہو جانے کے بعد بھی تخلیہ نہ کیا ہو تب طلاق درست ہوگی، ورنہ نہیں۔ جس طرح ممنوعہ ایام میں طلاق دینا درست نہیں اسی طرح ان ایام میں مباشرت کرنے کے بعد پہلی دفعہ پاک ہونے پر طلاق دینا بھی بدعی ہے تا وقتیکہ اُسے پھر ایام مخصوص نہ آجائیں اور پھر پاک ہو اور ان دونوں ایام (ناپاکی اور پاکی) میں مقاربت نہ کی ہو۔

ان چاروں شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جو طلاق دی جائے گی وہ مُسّی طلاق ہوگی ورنہ طلاق بدعی ہو جائے گی۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے جو رجعی ہوتی ہے اور پھر چھوڑ دیا جائے یعنی دورانِ مدت دوسری طلاق نہ دی جائے، عدت گزرنے کے بعد بیوی خود نکاح سے باہر ہو جائے گی۔

پاکی کے زمانے میں طلاق دینے کی قید اُس بیوی کے لئے ہے جس سے مباشرت ہو چکی ہو لیکن جس سے مقاربت ہی نہ ہوئی ہو اُس کے لئے زمانے کی قید نہ ہوگی، یہی حکم اُس بیوی کے لئے ہے جو صغیر سن ہو اور مخصوص ایام سے دوچار نہ ہوئی ہو یا جس کے ایام بند ہو چکے ہوں یا حاملہ ہو۔ مگر طلاق کی تعداد کی قید ہوگی یعنی ہر مہینے میں ایک طلاق رجعی پس اگر چاند رات کو اُس شخص نے ایک طلاق رجعی دی تو اگلے ماہ کی چاند رات تک انتظار کرے اس کے بعد طلاق دے پھر تیسرے مہینے کی چاند رات تک انتظار کرے گا اور تیسری طلاق دے گا اگر مہینے کے دوران طلاق دی ہے تو دوسری طلاق تیس دن گزرنے کے بعد اکتیسویں دن دیگا اور تیسری طلاق مزید تیس دن گزرنے کے بعد دے گا۔

**طلاق صریح** صریح الفاظ میں طلاق دینا کہ اُن الفاظ سے کچھ اور مراد نہ لی جا سکے مثلاً بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں یا تجھ کو طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی یا تو مطلق ہے یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یہ سب الفاظ صریح شمار ہوں گے۔ ان الفاظ کے کہتے ہی طلاق پڑ جائے گی خواہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے، دل میں نیت کرے یا نہ کرے ہر صحت سے

طلاق نافذ ہو جائے گی۔ پھر طلاق صریح رجعی بھی ہو سکتی ہے یعنی قابل رجوع اور بائن بھی ہو سکتی ہے یعنی ناقابل رجوع۔

**طلاق رجعی کی صورت** جب کسی عورت کو صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت کے اندر طلاق دینے والے کو اپنے اس فعل پر پشیمانی ہوئی اور ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کی خواہش ہوئی تو وہ طلاق سے رجوع کر سکتا ہے یعنی دوبارہ نکاح کے بغیر اُسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔

**طلاق رجعی کب بائن ہو جاتی ہے** اگر پہلی بار صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دینے کے بعد عدت بھر اس سے رجعت نہیں کی تو اب عدت (یعنی تین حیض کی مدت) گزرنے کے بعد ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر دو کی صراحت کی تھی تو دو طلاق بائن پڑ جائیں گی۔ جس کے بعد از دو اجبی تعلق بغیر دوبارہ نکاح کے ممکن نہیں ہے، اور یہ نکاح بھی جب ہو سکے گا کہ دونوں رضامند ہوں۔ شوہر محض اپنی مرضی سے نکاح کرنا چاہے گا تو نہیں ہوگا۔

**طلاق کس صورت میں مغلفہ ہو جاتی ہے** جب طلاق دینے والے نے صراحتاً تین طلاقیں دی ہوں تو پھر وہ نہ تو رجعت کر سکتا ہے اور نہ اُس عورت سے نیا نکاح کر سکتا ہے تا وقتیکہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر کے اُس سے طلاق نہ حاصل کرے اس کو اصطلاح شرع میں حلالہ کہتے ہیں۔ حلالے کا بیان تین طلاقیں والی محترمہ عورت کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

**طلاق بالکناہ** کناہ سے مراد یہاں ایسے الفاظ ہیں جو مخصوص طلاق کے لئے ہی نہ بولے جاتے ہوں لیکن اُس کا مطلب طلاق بھی لیا جاسکتا ہو اور بیزار یا شدید ناگواری کا اظہار بھی ہوتا ہو مثلاً ”میرا اب تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا“ یا ”میرے گھر سے چلی جاؤ“ یا ”میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا“ یا ”اپنے ماں یا باپ کے پاس رہو“ وغیرہ۔ تو اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کی ہے تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔ لیکن اگر اُس نے واضح کر دیا کہ ”میری نیت طلاق کی نہیں تھی“ تو طلاق نہیں پڑے گی۔ اب اگر ایک طلاق کی نیت تھی تو ایک اور اگر اسی طرح دو طلاقیں



دی تھیں تو دو طلاق بائن بڑ جائیں گی، دو کی حد تک وہ دوبارہ نکاح کر کے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے لیکن اگر اسی طرح تین طلاقیں دے دیں تو جس طرح تین صریح طلاق سے طلاق مغلظہ بڑ جاتی ہے اسی طرح تین کنایہ کی طلاقوں سے بھی طلاق مغلظہ بڑ جائے گی اور اُس کا حکم وہی ہوگا جو بیان ہو چکا۔ غیر صریح الفاظ سے جو طلاق دی جائے گی وہ رجعی نہیں ہوگی یعنی اس میں خود سے رجوع کر لینے کا اختیار شوہر کو نہیں ہوگا، اور عورت سے بغیر نکاح کے اُس کا تعلق حرام ہوگا خواہ ایک ہی بار کیوں نہ دی گئی ہو۔ شوہر کا یہ کہنا کہ ان الفاظ سے میری نیت طلاق کی نہ تھی اسی وقت قابل لحاظ ہوگا جب دوسرا قرینہ موجود نہ ہو لیکن اگر قرینہ یہ بتاتا ہو کہ جس موقعہ پر یہ الفاظ کہے گئے اس میں طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب نکلتا ہی نہیں مثلاً طلاق ہی کی گفتگو ہو رہی ہو اور شوہر بیوی سے کہے کہ ”آپ اپنا بستر اٹھائیے اور چلی جائیے اب میرے گھر نہ آئیے گا“ یا بیوی نے کہا کہ ”میرا آپ کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا مجھے طلاق دیدیجئے یا مجھے چھوڑ دیجئے“ اور جواب میں شوہر نے کہا کہ ”اچھا تو میں نے چھوڑ دیا یا تم کو آزاد کر دیا“ تو ان صورتوں میں ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اور شوہر کو بیوی سے علیحدگی کا حکم دے دیا جائے گا۔ شوہر کا یہ کہنا کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی نہیں مانا جائے گا۔ (در مختار)

وہ الفاظ جن کیلئے نیت کا جاننا ضروری ہے کنایہ کے بعض الفاظ جن کا مفہوم طلاق کے علاوہ بھی ہو سکتا ہو،

بہت طرح کے ہو سکتے ہیں مثلاً ”میرا گھر چھوڑ دو“ تم میرے کام کی نہیں ہو۔ یہاں سے چلتی بنو۔ اپنا منہ کالا کرو۔ میں نے تمہیں تمہارے ماں باپ کے حوالے کیا۔ میں تم سے بالکل بیزار ہوں۔ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ تم میرے لائق نہیں ہو۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ ان جیسے الفاظ سے طلاق کا مفہوم بھی نکلتا ہے اور غصے کا اتہار بھی۔ تنبیہ و تادیب، طنز و تشنیع کا مفہوم بھی۔ اس لئے اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کہنے والے کی نیت کو معلوم کرنا ہوگا۔ (بدایۃ المجتہد) کتاب الطلاق میں ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ امام شافعیؒ نے تین مانے ہیں: طلاق، فراق، سراج جو قرآن میں مذکور ہے۔ امام مالک صرف لفظ طلاق کو صریح مانتے ہیں اور اس کے علاوہ سب اُن کے نزدیک کنایہ ہے اور اُس کی بھی دو قسمیں ہیں ظاہر اور محتمل۔ تو ایسے الفاظ

جن سے کنایہ طلاق کا مفہوم نکل سکتا ہو اور مفہوم ظاہر بھی نہ ہو محض احتمال ہو اور کوئی دوسرا قرعہ بھی موجود نہ ہو تو ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ کہنے والا یہ کہے کہ اس کہنے سے میری نیت طلاق کی تھی۔

مبہم لفظوں میں دی گئی طلاق کا صریح بن جانا اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایسے مبہم الفاظ کہے جس سے بتہ نہ چلتا ہو کہ آیا طلاق ہے یا محض سرزنش۔ پھر کسی نے پوچھا کیا آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؟ اور جواب میں کہا "ہاں" تو یہ طلاق صریح ہوگی۔

طلاق کی تعداد شریعت نے طلاق کی تعداد میں مقرر فرمائی ہے ہذا اطلاق کا لفظ کہا جائے تو اس میں وہ تعداد داخل ہوگی (ایک، دو، یا تین) جس کی نیت کی گئی ہے۔ صریح طلاق میں اگر تعداد کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ایک طلاق رجعی پڑ جاتی ہے لیکن اگر کنایہ کے الفاظ میں طلاق دی تو ایک طلاق بائن پڑ جاتی ہے اور نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تعداد کی صراحت اگر طلاق دینے وقت کر دی ہے تو وہی تعداد طلاق کی مان لی جائے گی البتہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ مجھ کو طلاق، طلاق، طلاق تو اگر اس تکرار سے محض تاکید مقصود تھی یعنی تین طلاق کی نہیں بلکہ ایک ہی طلاق کی تاکید (تو ایک ہی طلاق رجعی پڑے گی بشرطیکہ دل میں ارادہ تین کا نہیں تھا۔ کیونکہ نیت کے بارے میں جھوٹ بول کر احرار عورت سے تعلق رکھے گا تو زندگی بھر حرام کاری کا مجرم رہے گا اور جو اولاد ہوگی وہ ناجائز ہوگی۔

واضح رہے کہ طلاق رجعی سے رشتہ نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن کشیدگی یا بد مزگی پیدا ہو جانے سے کمزور ہو جاتا ہے۔ ایک صالح بیوی کو ایسی حالت میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے کشیدگی بڑھے بلکہ ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جس سے دلوں میں خوشگواہی پیدا ہو اور رشتہ پھر مضبوط پڑ جائے۔ فقہانے لکھا ہے کہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ اس زمانے میں زیادہ بناؤ سنگھار کر کے رہے، طلاق رجعی میں عورت کو شوہر کے گھر ہی میں رہنے کا حکم ہے۔ یہ حکم حدت تک کے لئے ہے، اس مدت میں عورت کا رویہ ایسا ہونا چاہیے کہ شوہر دوبارہ اس کی

طرف مائل ہو جائے، عدت گزرنے کے بعد اُس کو شوہر سے پردہ کرنا چاہیے اور اُس کے گھر سے چلا جانا چاہیے۔

اس حالت میں مرد کو بھی بار بار اپنے فیصلے پر غور کرنا چاہیے اور تعلق میں کمزوری پیدا کرنے والے اسباب کو دور کر کے اسے بھر سے استوار کرنے کی خواہش کرنا چاہیے وَالصَّاحُ خَلْفَ بَرِّعَمَل کرنے کی کوشش کر لینے کے بعد بھی اگر رشتہ برتنا نظر نہ آئے تو پھر بیوی کے ساتھ غیر عورت جیسا برتناؤ کرنا یعنی پردہ کر لینا چاہیے اور عدت کے بعد گھر سے رخصت کر دینا چاہیے مگر یہ رخصتی ایسی ہو جس کو تَسْوِیًا جَمِیْلًا قرار میں کہا گیا ہے۔ عدت گزر جانے کے بعد طلاق رجعی طلاق بائن ہو گئی۔ اب اگر مرد عورت دونوں چاہتے ہوں کہ رشتہ نکاح قائم ہو جائے تو پھر جس طرح شروع میں نکاح ہوا تھا اسی طرح دوبارہ دوگواہوں کے سامنے نکاح کر کے رشتہ نکاح قائم کر سکتے ہیں۔

ایسی بیوی جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو اُس کو اگر ایک طلاق دی گئی تو وہ رجعی نہیں بلکہ بائن ہوگی کیونکہ اُس سے سابقہ ہی نہیں پڑا اور طلاق مل گئی تو یہ ایک طرح کا ظلم ہے اور ظلم کی منہ لہمی ہو سکتی ہے کہ مرد کو رجوع کا حق نہ دیا جائے۔

عدت گزر جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے اسی طرح دوسری یا تیسری طلاق بھی اُس عورت پر واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ طلاق اُس کو دی جاسکتی ہے جو نکاح میں ہو۔ عدت کے بعد وہ نکاح سے مکمل جاتی ہے اب طلاق کا موقع ہی باقی نہیں رہتا۔ البتہ عدت پوری کرنے سے پہلے اگر دوسری یا تیسری طلاق دے دی تو وہ سب پڑ جائیں گی۔

طلاق بائن کے بارے میں ہدایات طلاق بائن یا مغلظہ پانے والی عورت کو شوہر سے پردہ کرنا اور اُس کو غیر منصوص کرنا چاہیے البتہ عدت بھر اُسی کے گھر میں رہے گی اور نفقہ شوہر کے ذمے ہوگا، عدت میں بناؤ سنگھار کمر کے نہیں رہے گی کیونکہ وہ انتہائی ناخوشگوار حالات سے دوچار ہوگی۔

وہ الفاظ جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی طلاق بالکناہ میں بہت سے الفاظ ایسے بتائے جا چکے ہیں جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگر نیت ثابت نہ ہو اب یہ بتایا جاتا ہے کہ صریح لفظ طلاق اگر مستقبل کے صیغہ سے کہا جائے

تو بھی طلاق نہیں پڑے گی چاہے جتنی بار کہے کہ میں طلاق دوں گا۔ جس طرح نکاح ماضی حال کے صیغوں سے منعقد ہو سکتا ہے اسی طرح طلاق بھی ماضی حال کے صیغوں سے ہی پڑ سکتی ہے اگر بیوی سے کہا کہ "فلاں کام کیا تو تجھے طلاق تعلیق یعنی طلاق میں شرط لگا دینا" ہے۔ اب وہ عورت جب بھی وہ کام کرے گی ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی لیکن اگر کوئی ایسی شرط لگائی جس کا صدور آدمی سے ممکن ہی نہ ہو تو وہ لغو ہوگی اور کبھی طلاق نہیں پڑے گی، طلاق اُسی وقت پڑے گی جب اُس کا موقع و محل موجود ہو مثلاً اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی تو تجھے طلاق ہے تو جب وہ اس سے بات کرے گی طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر وہ آدمی مر جائے تو طلاق کا محل و موقع بھی ختم ہو گیا۔ یا اگر تو فلاں گھر میں گئی تو تجھ کو طلاق ہے اب اگر وہ گھر گر گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی خواہ وہ دوبارہ کیوں نہ بنایا گیا ہو۔ جس کام پر طلاق کو معلق کیا تھا وہ کام عورت نے کیا اور ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔ پھر شوہر نے اُس سے رجوع کر لیا اور وہ میاں بیوی ہو گئے اس عورت نے پھر دوبارہ وہی کام کیا تو اب اُس کو طلاق نہیں پڑے گی۔ کیونکہ وہ کام ایک بار کرنے پر طلاق معلق تھی۔ ہاں اگر یہ کہا "جب جب فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق ہے تو اگر دوبارہ کرے گی تو دو طلاق اور تیسری بار کرے گی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

**تفویض طلاق** اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنے کو طلاق دے لو، تو اگر عورت نے فوراً ہی کہہ دیا کہ میں نے ایک یا دو طلاق بائن لے لیں تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اُس نے اُس وقت کچھ نہ کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی یا دوسرا کام کرنے لگی تو یہ اختیار باطل ہو گیا البتہ اگر اس طرح کہا کہ جب چاہو یا جس وقت چاہو طلاق لے لو تو پھر اُس کو یہ اختیار رہے گا کہ جب چاہے طلاق لے کر علیحدہ ہو جائے۔

**طلاق کے لئے نائب بنانا** مالک کو نائب بنانے کا حق ہوتا ہے۔ طلاق کا مالک مرد ہے عورت نہیں اس کے دو سبب ہیں پہلا یہ کہ مرد عورت سے نکاح کر کے یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کا نگران، سرپرست اور

کفیل ہوگا، یہاں تک کہ اگر زوجیت سے اُس کو الگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو بھی ماس کے بعد ایک مقرر مدت (عدت) کے لئے اُس کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کا پابند ہے اور جو اولاد اُس کی اس عورت سے ہو اُس کی پرورش کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ بیوی کا حق ہر اور اولاد کی دودھ پلانے کا معاوضہ اُسی کو ادا کرنا ہوتا ہے لہذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق دینے کا اختیار اُسی کو ہو جس پر یہ سب ذمہ داریاں ہیں۔ طلاق دیتے وقت اُسے یہ سب مصارف بھی چکانے پڑتے ہیں، بسا اوقات ان سب کا بار اٹھانا اُس کی طاقت سے باہر ہوتا ہے اس لئے طلاق دینے سے پہلے اُسے بہت سوچنا پڑتا ہے اگر یہ اختیار بیوی کو دیا جاتا جس پر وہ ذمہ داریاں نہیں جو اُس کے اور طلاق کے درمیان حائل ہوں تو وہ جب ذرا سی ناراض ہو جاتی طلاق دینے میں تامل نہ کرتی اس میں بڑی حکمت و صلاحت ہے کہ عورت کو شریعت نے یہ اختیار نہیں دیا۔

دوسرا سبب عورت کی فطرت ہے جو قدرت نے بنائی ہے کہ وہ مرد کے مقابلے میں نہ تو سختی برداشت کر سکتی ہے اور نہ اُس جیسا صبر و استقلال وہ بہت جلد افر قبول کر لیتی ہے اور مردوں کی طرح نفس پر قابو نہیں رکھ سکتی، رشتہ زوجیت کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے عزم و استقلال اور اثرناپذیری ضروری ہے، ذرا سی دیر میں خوش اور ذرا سی دیر میں ناخوش ہو جانے والا مزاج اس لائق نہ تھا کہ اُسے ایسے اہم اور مستحکم رشتے کو توڑ دینے کا اختیار دیا جاتا۔

لہذا جب طلاق کا اختیار مرد کو ہے تو اُسے یہ حق بھی ہے کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کے لئے کسی کو اپنا نائب بنادے۔ نائب بنانے کی یہ تین صورتیں ہیں (۱) نیابت بذریعہ رسالت یعنی کسی کو بھیج کر اپنی بات پہنچانا (۲) نیابت بذریعہ وکالت یعنی کسی کو اپنی مرضی بتا دینا کہ وہ اُس کی مرضی کے مطابق کام کرے (۳) نیابت بذریعہ تفویض یعنی اپنا کام دوسرے کے سپرد کر دینا کہ جس طرح چاہے انجام دے۔ تینوں صورتوں میں جو فرق ہے اُس کو سمجھ لینا چاہئے۔ پہلی قسم کا نائب مالک کے الفاظ کو بعینہ نقل کر دے گا نہ کچھ بڑھائے گا نہ گھٹائے گا۔ دوسری قسم کا نائب مالک کی مرضی پر عمل کرے گھٹائے یا بڑھائے کی مرضی کے خلاف نہ کوئی بات کرے گا نہ کچھ گا اور تیسری قسم کا نائب مالک کا بتایا ہوا کام اپنی مرضی کے مطابق انجام دے گا۔ دوسری قسم کا نائب جس کو وکیل کہا جائے گا اُسے وکالت سے علیحدہ کر دینے کا حق مالک کو رہتا ہے۔ لہذا طلاق کے سطلے

میں کسی کو وکیل بنانے کے بعد یہ کہنے کا حق باقی رہے گا کہ میں نے تم کو اس حق سے سبک دوش کیا، شوہر کو حق ہے کہ بیوی سے مباشرت کر کے اس وکالت کو باطل کر دے لیکن تفویض یعنی طلاق کا معاملہ سپرد کر دینے کے بعد یہ حق نہیں رہتا کہ اُسے واپس لے اور اگر بیوی تفویض کا حق اُن شرائط کے مطابق استعمال کر لے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا تو وہ نافذ ہو جائے گی۔ اگر فرستادہ کے ذریعہ شوہر نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا تو جب وہ فرستادہ اُس کا قول نعتل کر دے اور بیوی اپنے اختیار کو شرائط کے مطابق استعمال کرے تو اُس کی طرف سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

**طلاق کے لئے تحریر کے ذریعہ نائب بنانا** مرد تحریر لکھ کر بھی اپنی بیوی کو اپنی طرف سے طلاق کے لئے نائب بنا سکتا ہے، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت یا اُس کا ولی یا وکیل۔ شوہر یا اُس کے ولی یا وکیل سے ایک تحریر لے لے جس میں یہ ذکر ہو کہ اگر شریعت کے واجب کردہ حقوق و فرائض کو ادا کرنے میں ناکام رہوں تو عورت کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر لے اور میرے عقد نکاح سے نکل جائے۔ اس تحریر پر دونوں طرف کے آدمی گواہ بنا لئے جانا بھی ضروری ہے عورت کے حقوق اور مرد کے فرائض کا ذکر بھی کرنا چاہیے، اس طرح عورت پر جب کوئی زیادتی یا حق تلفی یا کوئی اور ظلم مرد کی طرف سے ہو گا اور دونوں طرف کے گواہ بھی اسے تسلیم کر لیں گے تو عورت کو خود طلاق لینے کا اختیار ہو گا۔ یہ تحریر نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت بھی لکھی جاسکتی ہے اس طور پر کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے اور ان باتوں کا ذمہ لیا ہے اگر میں ان کی خصلت و ریزی کروں تو اس (عورت) کو ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق ہو گا یا میں نے فلاں عورت سے اس شرط پر نکاح کیا یا کرتا ہوں کہ ....

## خلع کا بیان

خلع کے معنی خبز زبر کے ساتھ اُس کے معنی اتار دینے کے ہیں "خَلَعَ الرَّجُلُ ثَوْبَهُ خَلْعًا" (اُس نے اپنا کپڑا اتار دیا) اور خَلَعْتُ الثَّغْلَ خَلْعًا (میں نے

جوق اتاردی اچونک اتائینے کا مضموم علیحدہ کر دینا ہے تو اسی لئے کہتے ہیں "خَلَعَ الرَّجُلُ اَمْرًا" (مرد نے اپنی عورت کو علیحدہ کر دیا) "خَلَعَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا" (عورت نے اپنے شوہر کو علیحدگی اختیار کر لی) خلع پیش کے ساتھ خاص طور پر زوجیت ہے علیحدگی کے لئے بولا جاتا ہے، زوجین کی علیحدگی کو لباس اتار دینے سے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور جو غیر شبہ دونوں کا لباس ہوتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا ہے "هَنَ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" کہ بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم بیویوں کے لباس ہو)

**خلع اور طلاق میں فرق** یا حالت نفاس میں یا ایسے ٹھہریں جس میں مباشرت کی گئی ہو طلاق دینا منع ہے مگر خلع درست ہے، اس کے جائز ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے

فَاِنْ خَلَعْتُمْ اَوْ اَنْفَعْتُمْ خُلُوعًا فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْهَا اِنْ فَعَلَا (البقرہ - ۲۲۹)

"اگر یہ اندیشہ ہو کہ شوہر اور بیوی دونوں اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس میں کوئی ہرج نہیں کہ بیوی فدیہ دے کہ علیحدگی اختیار کر لے"

طلاق بلا معاوضہ ہوتی ہے اور معاوضہ لے کر جو طلاق دی جاتی ہے اسے خلع کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر دونوں فعل مکروہ ہیں، صرف اسی وقت اجازت ہے جب اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہنا ممکن نہ ہو۔ علیحدگی ضروری نہ ہو تو طلاق حرام ہے، اسی طرح خلع بھی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الْمُتَلَعَاتُ مِنَ الْمُتَافِقَاتِ - بغیر کسی وجہ کے خلع چاہنے والیاں حقیقتہً منافق ہیں۔

**خلع کب درست ہے** قرار دی گئی ہے کہ دونوں ان سے تجاوز نہ کریں ان حقوق کے منجملہ جن کی پاسداری کا بیوی کو حکم ہے یہ ہے کہ شوہر کی محکم فرماں برداری کرے سولے اس صورت کے جبکہ ضرر کا اندیشہ ہو "دینی یا دنیوی"۔ خاوند کے ساتھ رفاقت رکھے یعنی ایسی بات نہ کرے جسے وہ ناپسند کرنا ہو مثلاً کسی اجنبی شخص سے بات چیت کرنا یا اسے گھر میں بلانا۔ شوہر کی خرابی حیات بن کر رہے، یہ حلال نہیں ہے کہ بظاہر شوہر کے ساتھ ہو لیکن دل کا تعلق

دوسروں سے ہو، شوہر کی خیر خواہ ہو لہذا یہ بھی حلال نہیں ہے کہ اتنا زیادہ خرچ کا بار ڈالے، جس سے معاشی حالت اور معاشرتی نظام بگڑے یا بیٹے بیٹیوں کی تربیت میں کوتاہی کرے یا اُن کے لئے بُرا نمونہ ثابت ہو۔ شوہر کے مال میں اور اُن حقوق کی مراعات میں جن کا حکم شوہر نے دیا ہے خیانت نہ کرے، پاک دامن رہتے ہوئے شوہر کی عزت کی حفاظت کرے ان کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی حقوق بھی ہیں۔

اب اگر زوجین میں اختلاف واقع ہو جائے تو سنت طریقہ یہ ہے کہ کنبے کے دو شخص بیچ میں بڑ کر تصفیہ کریں جس کی طرف اللہ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے ”فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا“ جس کی تشریح ”طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے“ کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ حکم سے مراد ایسا شخص ہے جو تصفیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور من اہلہ اور من اہلہا کی قید اس لئے ہے کہ کنبے والے ہی اندرونی معاملات سے باخبر ہوتے ہیں پھر میاں اور بیوی بھی یہ پسند نہ کریں گے کہ اُن کے داخلی معاملات کو فیروں کے سامنے لایا جائے۔ تصفیہ کنندگان کا فرض یہ ہونا چاہیے کہ دونوں میں مفاہمت کرا دیں لیکن اگر وہ اصلاح نہ کر سکیں اور باہمی مخالفت اتنی شدید ہو جائے کہ احکام الہی کا بھی پاس نہ رہے تو ایسی صورت میں معاوضہ لے کر یا بغیر معاوضہ کے اُن میں حلیمہ گی کر دینا درست ہے جس کی صورت طلاق یا خلع ہے۔ طلاق کا اختیار خاص شوہر کا ہے یا اُن کو حصّیں وہ اپنا نائب بنادے، اگر تصفیہ کنندگان کو نائب بنادے تو انھیں طلاق دینے کا حق ہو جائے گا۔ خلع کے معاملے میں بیوی کا حق ہوتا ہے کہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مال کا فدیہ دینے کے لئے رضا مندی دے اسی بنا پر اُس کا مطالبہ خلع درست ہو گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر اپنی بیوی پر معاملہ خلع میں تشدد کر کے اور دکھ پہنچا کر فدیہ وصول کرنے کا تو وہ اُس کے لئے حرام ہے خواہ وہ مال مہر ہو یا کوئی اور مال ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا تَلْخِذُوا مَنَّهُ سَّيِّئًا یعنی بیوی کو جو کچھ دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ اس کے بعد وہ دوسری آیت ہے جس کا ذکر ہم نے خلع اور طلاق میں فرق بتاتے ہوئے کیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکے تو بیوی کو مال دے کر اپنا بیچا





**خلع کے ارکان و شرائط** خلع کے پانچ رکن ہیں مگر ان میں سے کوئی نہ موجود ہو تو خلع نہیں ہو سکتا۔ پہلا رکن مستلزم العوض ہے۔ یعنی وہ شخص جو

معاوضہ (زر خلع) ادا کرنے کا ذمہ دار ہو خواہ خود ہی ہو یا کوئی اور شخص۔ دوسرا رکن بضع ہے۔ یعنی عورت کی عصمت جس سے نفع اٹھانے کا مالک شوہر ہوتا ہے مگر یہ ملکیت ختم کر دی گئی تو یہ رکن بھی موجود نہ ہوگا اور خلع درست نہیں رہے گا یہ ملکیت طلاق بائن سے ختم ہو جاتی ہے (تیسرا رکن معاوضہ ہے یعنی وہ مال جو بیوی اپنی ازدواجی حیثیت (سے آزاد ہو جانے) کے عوض ادا کرے، جو تھا رکن شوہر ہے اور پانچواں رکن اُس کا اپنی بیوی کی عصمت کا مالک ہونا ہے۔ یہ خلع کے وہ لازمی اجزاء ہیں جن کی موجودگی کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا۔

۱۔ مستلزم العوض کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معاملہ کرنے کا اہل ہو اور مال میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، لہذا صغیر سن (نا بالغہ) جنون زدہ یا حواس یا ختم عورت کا خلع کرنا درست نہیں ہے اور اُسے مالی امور کا سپرد کرنا بھی صحیح نہیں۔ جس طرح صغیر سن لڑکی کا مال کے عوض خلع کرنا صحیح نہیں اسی طرح بے عقل لڑکی کا خلع کرنا بھی درست نہیں، بے عقل سے مراد وہ لڑکی ہے جو فضول خرچ ہو، اپنا مال تلف کرتی ہو یا غیر شرعی امور میں ضائع کرتی ہو۔ مریضہ عورت اگر حالت مرض میں خلع کرے تو خلع درست ہوگا لیکن وہ اسی مرض میں انتقال کر جائے تو مال خلع اُس کے ملوکہ مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ علیہ کے مانند ہے اور کسی کو حق نہیں کہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زائد علیہ میں دیدے۔ اگر انتقال دورانِ عدت میں ہوا تو شوہر کو وراثت کا حق پہنچتا ہے، اب اگر حصہ میراث کل مال کے ایک تہائی سے کم ہے تو وہی شوہر کو دیا جائے گا اور اگر زیادہ ہے تو ایک تہائی ہی اُس کو ملے گا۔

صغیر سن لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کی طرف سے اُس کے مال کے عوض خلع کرے تو خلع ہو جائے گا لیکن مال کا ادا کرنا واجب نہ ہوگا لیکن اگر وہ اپنے مال کے عوض لڑکی کی طرف سے خلع کرے گا یعنی ادائیگی مال کا ضامن ہوگا تو مال کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ باپ یا کوئی اور شخص اگر ادائیگی مال خلع کی ضمانت لے لے مثلاً یوں کہے کہ میری بیٹی

یا فلاں کی بیٹی کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض خلع کر لو اور زر خلع کی ادائیگی کا میں ضمان  
ہوں اور شوہر کہے کہ میں نے یہ خلع منظور کر لیا تو خلع صحیح ہو جائے گا۔ اگر شوہر نابالغ ہوگا  
تو اُس کا ولی زر خلع وصول کرے گا۔

۲۔ معاوضہ خلع :- یا تو نقد ہونا چاہیے یا کوئی قیمتی شے۔ دوسری شرط اس کا حلال ہونا ہے۔  
شراب، سور، مردار، شریعت کی نظر میں حرام ہیں اور کوئی قیمت نہیں رکھتیں اگرچہ  
غیر مسلموں کی نظر میں اُن کی قیمت ہو۔ اسی طرح مال منسوب ہے۔ مہر یا مال تجارت  
کے عوض خلع کرنا درست ہے، اسی طرح زمانہ عدت کے نفقے اور بچے کے دودھ پلانے  
کے مصارف کے معاوضہ میں بھی خلع ہو سکتا ہے۔

۳۔ الفاظ خلع :- لفظوں میں خلع کے لئے ایجاب و قبول ہونا ضروری ہے یعنی جب تک عورت  
اپنے شوہر سے یہ نہ کہے کہ تم اس قدر معاوضے پر خلع کر لو اور شوہر کہے کہ میں نے اتنے پر  
خلع منظور کر لیا یا شوہر کہے کہ تم مجھ سے اتنے کے عوض خلع کر لو اور بیوی کہے کہ میں نے  
خلع کر لیا اُس وقت تک خلع نہیں ہوتا، محض ایک دوسرے کو مال دیدینے سے خلع  
درست نہ ہوگا۔

اگر خلع کے وقت مال کا کوئی ذکر نہیں ہوا اور دونوں نے خلع کر لیا تو دونوں پر جو مالی  
حقوق ہیں وہ معاف ہو گئے مثلاً اگر عورت مہر یا کچی ہے یا شوہر نے اسے کوئی رقم دی ہے  
تو اب شوہر اُس سے واپس نہیں لے سکتا، اسی طرح اگر عورت نے کچھ دے رکھا ہے  
یا اُس کا مہر باقی ہے تو وہ واپس نہیں لے سکتی، البتہ عدت بھر عورت کو نان نفقہ اور  
سکنی فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے۔

اگر مرد عورت پر دباؤ ڈال کر خلع پر مجبور کر لے تو عورت پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہے  
اگر شوہر نے مہر نہیں ادا کیا ہے تو وہ ساقط نہیں ہوگا، خلع میں مال تب ہی واجب ہوتا  
ہے جب عورت خوشی سے اُسے منظور کر لے۔

خلع طلاق بائن ہے فسخ عقد نہیں ہے خلع سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ اِن  
تین طلاقیں میں شمار ہوتی ہے جس کا ملک

شوہر ہوتا ہے لہذا یہ فسخ عقد نہیں ہے۔ طلاق صریح الفاظ میں یا کناہ سے عورت کو زوجیت سے خارج کر دینے کا نام ہے، اسی میں طلع بھی داخل ہے چنانچہ طلاق کی جگہ طلع کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ بھی صریح طلاق ہوگا، مال کے عوض ہو تو بھی صریح طلاق ہے معاوضہ نہ ہو تو کناہ ہوگا جس سے طلاق بائن بڑ جاتی ہے، ایلا میں بھی طلاق پڑ جاتی ہے اگر قسم نہ توڑے اور چار ماہ تک بیوی کے ساتھ مقاربت نہ کرے جس کی تفصیل ایلا کے بیان میں آپکی اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں مثلاً مرد کا فرائض نہ زوجیت ادا کرنے سے عاجز ہونا یا عورت پر بدکاری کی جہمت لگانا جسے بحان کہتے ہیں تو یہ صورتیں طلاق کی ہیں فسخ عقد نہیں ہیں۔

**فسخ عقد** فسخ عقد کی ایک صورت قومیت مختلف ہو جانا یعنی میاں بیوی میں سے کوئی ایک دلائل الحرب کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آجے تو قومیت بدل جائے گی عقد فسخ ہو جائے گا لیکن اگر ارادہ واپسی کا ہو تو فسخ نہ ہوگا۔ فسخ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ عقد فاسد ہو یا مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا یا ایک مقررہ مدت کے لئے کیا تو نکاح ہی فاسد تھا اس لئے علیحدگی واجب ہوگی اور اسے فسخ عقد کہا جائے گا، غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی کا مسلمان ہو جانا بھی فسخ عقد کا سبب ہے۔ ایسی حرکت جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے وہ بھی فسخ عقد کا موجب ہوتی ہے مثلاً مرد اپنی بیوی کی ماں یا بیوی کی جوان لڑکی جو پہلے شوہر سے ہو کو جنسی خواہش کے تحت ہاتھ لگائے یا عورت بُری خواہش کے ساتھ اپنے شوہر کے بیٹے کو پیار کر لے وغیرہ۔

ان عیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں اس میں عینین (نامرد) جو عید انشی

طور پر یا بڑھاپے کے سبب

مباشرت پر قادر نہ ہو) مجبوب (زمنہ) خصی (جس کے خصیتیں الگ کر دیئے گئے ہوں) شامل ہیں۔ وہ امراض جو شوہر یا بیوی میں پائے جاتے ہیں ان کی قسمیں ہیں ایک قسم وہ جن کی موجودگی سے میاں اور بیوی دونوں، فسخ نکاح کا مطالبہ بغیر کسی شرط کے کر سکتے ہیں۔ دوسری قسم کے عیوب وہ ہیں جن کی بنا پر فسخ نکاح کا مطالبہ اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ بوقت عقد یہ شرط رکھی گئی ہو کہ اس عیب کی وجہ سے نکاح درست نہیں ہوگا۔ پہلی قسم کے عیوب تین نوع

کے ہیں۔

- ۱۔ وہ عیوب جو مرد اور عورت دونوں میں ہو سکتے ہیں مثلاً بصر، جذام، جنون وغیرہ۔
- ۲۔ وہ عیوب جو مرد کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً عین، محبوب، یا خفی ہونا (تفصیل اوپر بیان کی گئی)۔

۳۔ وہ عیوب جو عورت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً بغل (خصیوں کی سو جن کی طرح کامرض ہے جو غدد و بڑھ جانے سے پیدا ہو جاتا ہے) قرن (گوشت یا ہڈی کا غیر معمولی ابھار) رتق (جر جانا) راستہ بند ہو جانا آئینوں امراض مانع مباشرت ہیں۔

مذکورہ عیوب وہ ہیں جن کے پائے جانے پر فریقین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ فسخ نکاح کا مطالبہ غیر مشروط پر کر سکیں۔ دوسری قسم کے عیوب جن سے فسخ نکاح واجب نہیں ہوتا (اگر ان کے نہ ہونے کی شرط نہ رکھی گئی ہو) اکثر پائے جاتے ہیں۔ جیسے نظر کی کمزوری (اندھا بن) شب کوری (رتق) سیاہ فامی۔ گنجاہن، بلبا، خوری اسی جیسے بہت سے امراض اور عیوب ہیں جن کی وجہ سے فسخ نکاح لازم نہیں ہوتا جب تک کہ میان بیوی میں سے کوئی نکاح کے وقت ان عیوب سے خالی ہونے کی شرط نہ رکھ دے۔

**تفریق** فسخ نکاح کی درخواستوں پر قاضی یا حاکم عدالت شرعی میاں بیوی میں علیحدگی کرانے کا حکم دیتا ہے، اسی کو تفریق کہتے ہیں۔ طلاق اور خلع کے علاوہ یہ رشتہ نکاح منقطع کرنے کی ایک اور صورت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر شوہر میں بیوی کی جسی خواہش پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یا صلاحیت تو ہے مگر وہ ایسے بُرے مرض میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے بیوی اُسے پسند نہیں کرتی (جیسے کوڑھ، برص، سوزاک یا آتشک یا دہ با نکل پا گل ہو گیا ہو) یا بیوی کو نان نفقہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا بیوی کی کوئی خبر نہیں لیتا۔ یا لالچہ (مفقودا بخر) ہو گیا ہے، ان سب صورتوں میں عورت کو اسلامی شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ ایسے شوہر کی قید نکاح سے خود کو نکالنا چاہے تو قاضی یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو چند ذمہ دار دین دار مسلمانوں کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر کے چٹکارا حاصل کر لے۔ اسی طرح اگر عورت کو جنون ہو جائے یا ایسا مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے مباشرت نہ کی جاسکتی ہو یا ایسا متعدی مرض (مثلاً:

آتشک سوزاگ وغیرہ) ہو، جس سے مرد کو اس مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مرد قاضی کے سامنے یا ذمہ دار دیندار مسلمانوں کے سامنے درخواست پیش کر کے تفریق کر سکتا ہے۔

**فسخ نکاح اور تفریق کے بارے میں فقہاء کا مسلک** عین اور محبوب سے فسخ نکاح کے سلسلے میں تمام ائمہ متفق

اترے ہیں کہ فسخ نکاح کا حق بلا شرط ہے۔ لیکن دوسرے عیوب کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ جب مرد کو طلاق کا اختیار ہے تو فسخ کرانے کا اختیار اُس کو دینا فی ضروری ہے اور عورت کو عین اور محبوب سے فسخ نکاح کا حق ہے، باقی دوسرے عیوب جیسے جنون، جذام یا برص وغیرہ میں نہیں ہے، مگر امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے ممتاز شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ فسخ کا حق رفع ضرر کے لئے دیا گیا ہے لہذا ہر وہ مرض جس سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہو اُس میں فسخ نکاح کا حق اُسے ہے۔

لَهَا الْخِيَارُ رَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا  
كَمَا فِي الْجَبْتِ وَالْعِنْتِ -  
دیکھ تکلیف دہ امراض میں عورت کو  
فسخ نکاح کا حق اُسی طرح ہے جس طرح  
مرد کے محبوب اور عین ہونے کی صورت میں۔ (ہدایہ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ برص، جنون اور تمام ان امراض میں جو مانع مباشرت ہوں تفریق کی اجازت دیتے ہیں۔ باقی میں نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محبوب، عین، مفقود، منعقت (قدرت کے باوجود عورت کی ضرورتیں نہ پوری کرنے والا) مجنون، مجذوم اور مبروص سے اور متعدی یا گھناؤنے امراض (آتشک، سوزاگ وغیرہ) میں مبتلا سے فسخ مکمل کی اجازت دیتے ہیں، عورت میں ایسی خرابیاں جو مانع مباشرت ہوں اُن میں بھی مرد کو فسخ کا اختیار ہے۔

امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ان عیوب کی بنا پر فسخ نکاح کی اجازت اس شرط کے ساتھ دیتے ہیں کہ مرد یا عورت کو نکاح سے پہلے ان کا علم نہ ہو، اگر علم کے باوجود نکاح کیا ہے تو فسخ کی اجازت نہیں ہے۔

فقہائے امت کی ان رایوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کتنی وسعت ہے

اسی ضرورت کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دوسرے ممتاز علماء کے تعاون سے جن میں مولانا مفتی محمد شفیع بھی شامل ہیں اپنی نگرانی میں چند رسائل مرتب کرائے جس میں عورت اور مرد کے درمیان تفریق کے مسائل درج کر دیئے ہیں اور اسی پر عملدرآمد کیا جاتا ہے وہ رسالے یہ ہیں: الحلیۃ الناجزہ للعلیۃ العاجزہ، المختارات فی مہمات التفریق والخیارات، المرقومات للمظلومات۔

متعنت، مفلس، مفقود الخیر، غائب غیر مفقود اور مفقود کی واپسی کے بعد سے مسائل پر ان رسائل میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

**تفریق کا حکم اور اس کا اثر** تفریق سے ایک طلاق رجعی بڑ جائے گی یعنی عدت کے بعد اس عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا حق ہوگا، اگر شوہر عدت کے اندر واپس آجائے (مفقود ہونے کی صورت میں) یا عورت کی ضروریات پوری کرنے پر راضی ہو جائے (متعنت ہونے کی صورت میں) یا صحت یاب ہو جائے (اس مرض سے جس کے سبب تفریق کی گئی تھی) تو زمانہ عدت کے اندر اس کو رجعت کرنے کا حق ہوگا خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔

اگر عدت کے بعد واپس آئے تو بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس نے عورت کے دعوے کے خلاف ثابت کر دیا تو عورت کو اسی کی بیوی رہنا ہوگا، دوسری صورت یہ کہ عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں کی تو پھر عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کر لے۔

اگر شوہر نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کر دی لیکن وہ عورت کسی دوسرے کے نکاح میں جا چکی ہے تو بھی عورت کو پہلے شوہر کے پاس آنا ہوگا، نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی، البتہ اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو عورت پر عدت واجب ہے، پہلا شوہر عدت بھر اس سے جماعت نہیں کر سکتا۔ اگر حاملہ ہے تو ولادت تک جماعت نہیں کر سکتا۔ وہ دوسرے شوہر سے بھی مہر پانے کی حقدار ہوگی اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے لیکن اگر صرف نکاح ہوا ہے تو مہر کی مستحق نہ ہوگی (المرقومات للمظلومات)

**مفقود الخیر** اور فسخ نکاح اور تفریق کے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن میں مفقود الخیر اور غائب غیر مفقود کا ذکر بھی آیا ہے، لہذا کچھ تفصیل سے دونوں صورتیں

اور اُن سے متعلق مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ مفقود الخیر وہ شخص ہے جو منکوحہ بیوی کا شوہر ہو اور پھر باہر چلا گیا ہو اور کسی کو خبر نہ ہو کہ وہ کہاں چلا گیا نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ ایسے شخص کی بیوی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ وفات پا گیا ہے۔ سابق زمانے میں ذرائع مواصلات بہت کم تھے اور مدت دمانے کے بعد بھی یہ یقین کر لینا کہ فلاں شخص اب زندہ نہیں ممکن نہ تھا، لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے اور مفقود شخص کا حال چھپا رہنا تقریباً دشوار ہو گیا ہے۔ مفقود الخیر کی بیوی کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اُس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک مفقود الخیر شوہر کے وفات پا جانے کی تصدیق نہ ہو جائے خواہ اس میں کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگے عقد نکاح کا احترام اور اخلاق کی پاکیزگی اس رائے کو صحیح و درست ماننے کی مؤید ہیں لیکن زمانہ حال میں جبکہ ضبط نفس اور قناعت کی وہ اعلیٰ قدریں باقی نہیں رہیں امت کے فقہاء نے عورت کو بغیر کسی سرپرست کے جو اُس کی عصمت کا بھی نگہبان ہو چھوڑے رکھنا اسلامی مزاج کے منافی سمجھا اور امام مالک اور امام حنبل رحمہما اللہ نے انتظار کی حد چار سال مقرر کی جس کے بعد عورت کو اسلامی عدالت کا حاکم عقد ثانی کا اجازت نامہ عطا کر سکتا ہے، فقہائے احناف بھی اسی مسلک سے متفق ہیں جس کا عمل درآمد حسب ذیل طریقے سے ہو گا:

- ۱۔ سب سے پہلے شوہر کے مفقود الخیر ہونے اور نان نفقے کا انتظام نہ ہونے اور شوہر کی غیبت میں عصمت و عزت کی حفاظت نہ ہو سکنے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے پناہ دہی حکومت اسلامی یا ذمہ دار مسلمانوں کی جماعت کے سامنے پیش کرے۔
- ۲۔ دعوے کی سماعت کے وقت دو ایسے مجتہد گواہ پیش کرے کہ یہ ثابت کرے کہ فلاں شخص سے میرا نکاح ہوا تھا اور وہ اتنے دنوں سے لاپتہ ہے، لہذا میں اُس سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ شوہر کے لاپتہ ہو جانے کی شہادت بھی شاہدوں کے ذریعے دینا ہوگی۔

۳۔ حاکم یا مسلمان جماعت جو بھی اس معاملے پر غور کرے وہ اپنے طور پر اُس شخص کی زندگی یا موت کی تحقیق ممکن ذرائع سے کر لے اور جب اُس کا سراغ نہ مل پائے تو عورت



کو چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دے، اس مدت کے گزرنے پر اُس شخص کے مردہ قرار دئے جانے کا حکم نافذ کر دیا جائے گا۔ اب وہ عورت درخواست دے کر اُس حکم کی نفی حاصل کرے اور دوسرے نکاح کی اجازت طلب کرے۔ اجازت ملنے کی تاریخ سے چار مہینے دس دن (موت کی مدت) گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے کا حق ہو جائے گا۔ چار سال انتظار کرنے کی مدت اس وقت شمار ہوگی جب سے شوہر کے لاہتہ ہونے کا حکم کسی مالک یا اسلامی جماعت کی طرف سے دیا جائے اس سے پہلے جتنی مدت گزری ہوگی وہ محسوب نہ ہوگی۔

اگر مفقودہ النحر کی بیوی کے نان نفقے کا کوئی انتظام نہ ہو یا اُس کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو علمائے احناف اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ تفریق کے لئے ایک سال کی مدت بھی مقرر کی جاسکتی ہے فقہ مالکی سے اس اجازت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اُن کے یہاں چار سال کی مدت اس حالت میں مقرر کی گئی ہے جب عورت کے نفقے کا انتظام ہو، اُس کے مبتلا مصیبت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور شوہر کے واپس آ جانے کا امکان بھی ہو۔ بلکہ مالکی مسلک میں یہاں تک اجازت ہے کہ اگر نان نفقے کا کوئی انتظام نہ ہو تو فوراً تفریق ہو سکتی ہے مگر صنفی علماء احتیاط کے خیال سے ایک سال کی مدت مقرر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

**تفریق کا اثر** مفقودہ اور اُس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم نافذ ہو جانے کے بعد ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی یعنی وہ طلاق جس کی عدت کے زمانے میں اگر شوہر واپس آجاتا تو اُس سے رجوع کر سکتا اور تجدید نکاح کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن عدت گزر جانے کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اب عورت کو حق ہے جس سے چاہے نکاح کر لے۔

اگر فسخ نکاح کے بعد عورت نے دوسرا نکاح ہو جانے کے بعد مفقودہ شوہر کی واپسی دوسرا نکاح کر لیا، اس کے بعد اتفاق سے وہ مفقودہ شوہر واپس آجائے تو کیا ہونا چاہیے؟ اس بار سے میں علماء فقہ کا موقف

”یہ والہی اگر ایسے وقت میں ہوئی کہ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی تھی تو تمام امکہ کی متفقہ رائے ہے کہ عورت پہلے شوہر کو واپس کر دی جائے گی اور دوسرے شوہر کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا لیکن اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکنے کے بعد مفقود شوہر واپس آئے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرے شوہر کے پاس رہے گی، پہلے شوہر کا (فسخ نکاح کے بعد) اس بیوی پر کوئی حق نہیں رہا۔ بیویاں کے نقصانے بھی جو حنفی علمائے فقہ پر مشتمل ہے اسی رائے کو پسند کیا ہے، چنانچہ یہ شائع کردہ ضابطہ میں ہے ”اگر شخص مذکور (مفقود) بعد فسخ نکاح و مرور ایام عدت واپس آئے اور اس عورت پر دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔“

یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ امام ابو حنیفہؒ پہلے شوہر کو ہی بیوی کا حقدار سمجھتے ہیں اور ان کی رائے میں اُسے پہلے شوہر ہی کو واپس کر دینا چاہیے۔

**غائب غیر مفقود** ایک صورت یہ بھی پیش آتی ہے کہ شوہر لاپتہ نہ ہو تا لیکن کسی دوسری جگہ چلا جاتا ہے نہ تو بیوی کے پاس آتا ہے اور نہ اُس کو خرچ بھجوتا ہے ایسے شوہر سے رہائی کی صورت یہ ہے کہ عورت حاکم عدالت کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کر کے اُس سے اپنا نکاح ہونا اور اُس کا نان نفقہ نہ دینا ثابت کرے اب اگر محض نفقہ کی تکلیف کی بنا پر علیحدگی جاسکتی ہے اور اُس کی کفالت کا معقول انتظام ہونے پر یہ تکلیف رفع ہو جائے تو پھر فسخ نکاح کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر نفقہ کا انتظام نہ ہو یا انتظام بوجہ اس کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں حاکم عدالت یا اسلامی جماعت اس کے شوہر کے پاس دو آدمیوں کے ذریعے یہ پیغام بھیجیں کہ یا تو تم خود آؤ یا اپنی بیوی کو اپنے پاس بلوا کر اُس کی پوری کفالت کرو، ورنہ اُسے طلاق دے دو، اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کی تو پھر ہم تمہارے اور تمہاری بیوی کے درمیان تفریق کر دیں گے۔ اس آگاہی کے بعد اگر اُس نے نہ طلاق دی اور نہ بار کفالت اُٹھایا تو مذکورہ کی طرف سے ایک مہینے کی مہلت اُسے اور دی جائے گی کہ وہ اپنا رویہ درست کرے، اس عرصے میں اگر دونوں میں موافقت ہوگئی اور بیوی نے مطالبہ واپس لے لیا تو پھر تفریق نہیں ہوگی، ورنہ تفریق کرادی جائے گی۔

تفریق سے ایک طلاق رجعی بڑ جائے گی جس کی عدت گزرنے کے بعد اُس کو دوسرا نکاح کرنے کا حق ہوگا۔

**تفریق کے بعد شوہر کی واپسی** اگر یہ شوہر تفریق کے بعد واپس آجائے تو ایک صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے اندر آگیا اور بیوی کی ضروریات پوری کرنے پر راضی بھی ہوا تو اسے رُجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اس میں عورت کی رضامندی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے بعد واپس آیا تو اس میں بھی دو حالتیں ممکن ہیں:

”جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حاکم عدالت (یا اسلامی جماعت) غائب شوہر کے پاس دو آدمی بھیجے گا جو زبانی یا تحریری پیغام لے جائیں گے تو اگر انھوں نے اس پیغام کے جواب میں کوئی تحریری یا زبانی جواب اُس سے حاصل کر لیا ہو اور اُس کے بعد تفریق کی اجازت دی گئی ہو تو اب شوہر کو بغیر عورت کی رضامندی اور تجدید نکاح کے اُس سے زوجیت کا تعلق قائم کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے اور شوہر کو اطلاع دیے بغیر حاکم یا اسلامی جماعت نے شرعی شہادت لے کر تفریق کرادی ہے اور شوہر واپس آکر یہ ثابت کرتا ہے کہ میں اُس کو برابر خراج دیتا تھا یا وہ میری فلاں جائیداد سے اپنے مصارف پورے کرتی تھی تو اس صورت میں عورت کو اُس کی بیوی بن کر رہنا ہوگا اور اگر اُس نے دوسرا عقد کر لیا ہے تو وہ فاسد سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر عورت کے دعوے کے خلاف اُس نے کوئی بات ثابت نہیں کی تو دوسرا نکاح صحیح قرار پائے گا۔

پہلی صورت میں اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیح ہو چکی ہو جب بھی پہلے شوہر کے پاس واپس آنا ہوگا نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور نہ تجدید مہر کی، البتہ عورت پر عدت واجب ہے یعنی عدت بھر شوہر اُس سے علیحدہ رہے گا اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک وہ اُس سے مقاربت نہیں کرے گا۔ اسی طرح۔ خلوت صحیح ہو چکنے کی صورت میں وہ دوسرے شوہر سے مہر پانے کی بھی حقدار ہوگی لیکن اگر صرف نکاح ہوا تھا اور خلوت نہیں ہوئی تو مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔“

(المرقومات لمظالمات)

لغت میں اس کے معنی ہیں واپس کرنا اور واپس ہونا رَجَعْتُ إِلَيْهِمْ (میں رجعت نے فلاں شے انھیں واپس کر دی) اور رَجَعَ الشَّيْءُ إِلَى أَهْلِهِ (فلان شے اُس کے حقدار کو واپس ہو گئی) اصطلاح فقہ میں ایسی عورت کو جسے طلاق غیر بائنہ دی گئی ہو سابقہ حالت میں واپس لانا رجوع کہلاتا ہے۔ نکاح کر کے ایک مرد ایک عورت کی عصمت کا مالک ہو جاتا ہے۔ یہ ملکیت طلاق رجعی سے ناقص ہو جاتی ہے یعنی اُس ملکیت سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں رہتا لیکن رجوع کا حق عدت کی مدت کے اندر رہتا ہے تو اگر وہ رجوع کر لے تو وہ ملکیت جو ناقص ہو گئی تھی پوری طرح شوہر کی طرف عود کر آتی ہے۔ یہ رجوع الفاظ کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور کبھی مباشرت کر لینے سے بھی رجوع ہو جاتا ہے خواہ رجوع کی نیت ہو یا نہ ہو۔ رجوع کی بابت قرآن، سنت اور اجماع سے ثبوت ملتا ہے: قرآن میں ہے،

وَجِئْتُمْ لَكُمْ وَثِقَةٌ فِي ذَٰلِكَ لَئِنْ أَكْرَدْتُمْ إِطْلَاقًا

(سورہ بقرہ ۲۲۸)

(یعنی شوہروں کو سب سے زیادہ اپنی بیویوں کو پھر اپنے پاس لوٹا لینے کا حق ہے اگر بہتری اور اصلاح پیش نظر ہو)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ رجوع کر لے۔ تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ آزاد شخص جب اپنی بیوی کو تین طلاق سے کم دے اور غلام دو طلاق سے کم دے تو انھیں حق ہے کہ ایام عدت میں اُس سے رجوع کر لیں۔ رجعت کے ارکان و شرائط اس کے تین ارکان ہیں الفاظ رجوع، نخل رجوع (جس سے رجوع کیا جائے) اور مرتجع (رجوع کرنے والا)

رجوع کی چار شرطیں ہیں

- ۱۔ طلاق رجعی ہو۔ طلاق بائن کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ ایک طلاق جو مباشرت سے پہلے نہ ہو اور کسی طرح کے معاوضے میں بھی نہ ہو جیسے خلع میں ہوتی ہو اور نہ اُن الفاظ و کنایات میں ہو جس کا مفہوم بائن ہوتا ہے۔
- ۲۔ رجوع میں شرطِ خیار نہ ہو۔
- ۳۔ رجوع کے لئے کسی آئندہ وقت کی قید نہ ہو۔

۴۔ رجوع کسی امر سے مشروط نہ ہو۔

رجوع کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی۔ قولی رجوع یا تو صریح الفاظ میں ہوگا مثلاً میں نے تجھ سے رجوع کر لیا یا میں تجھے واپس لینا ہوں یا میں نے تجھے روک لیا یا کسی دوسرے شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے اپنی عورت (بیوی) سے رجوع کر لیا۔ یا کناہیہ کے لفظوں میں ہوگا مثلاً یوں کہے "تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسی کہ تھی یا اب ہم دونوں ایسے ہی ہو گئے جیسے پہلے تھے یا تو میری بیوی ہے وغیرہ" یا فعلی رجوع یعنی عمل سے رجوع کرنا تو وہ فعل ہے جس سے حرمت مصاہرہ ہو جاتی ہے یعنی ہاتھ لگانا، بوسہ لینا، ستر پر نظر کرنا جس کے ساتھ جنسی خواہش بھی ہو غرض ہر وہ عمل جس سے جنسی تحریک پیدا ہو، اسی طرح عورت مرد کا بوسہ لے اور اس کے ستر کی طرف دیکھے اور یہ سب جنسی تقاضے سے ہو تو رجوع ہو جائے گی۔ حرمت مصاہرہ مباشرت سے یا ایسی خوش فحلیوں سے جو مباشرت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں عائد ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ زبان سے کہہ کر رجوع کرے اور دو آدمیوں کو گواہ بھی بنا لے خواہ غلطی طور پر رجوع کیا ہو۔ اگر ایک شخص نے ایسی عورت سے رجوع کیا جو موجود نہیں ہے تو اس امر سے اسے آگاہ کر دینا مستحب ہے۔ طلاق رجعی کے بعد بھی شوہر کو حقوق زوجیت حاصل رہتے ہیں اور زائل نہیں ہوتے تاؤنکہ ایام عدت گزر نہ جائیں اسی لئے ایسی طلاق یافتہ عورت کا اپنے گھر سے نکلنا ممنوع ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَخْرُجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ۔ یعنی انہیں ان کے گھروں سے نہ نکلنے دو۔ رجوع کا حق کب ختم ہو جاتا ہے طلاق رجعی پائی ہوئی عورت سے اس کے شوہر کا حق رجوع عدت کی میعاد گزر جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مدت تین بار ایام ماہواری آنے تک ہے یا (عاملہ ہونے کی صورت میں) وضع حمل یا اسقاط حمل تک ہے۔ اگر عورت کو ایام ماہواری نہ آتے ہوں اور حاملہ بھی نہ ہو تو طلاق کی تاریخ سے تین ماہ تک کا زمانہ عدت کی میعاد شمار ہوگا۔

رجوع کرتے وقت عدت کی میعاد ختم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف واقع ہو سکتا ہے۔ مثلاً مرد کہتا ہے کہ ابھی عدت کے دن باقی ہیں عورت کہتی ہے کہ وہ گزر چکے۔ یا مرد کہتا ہے کہ میں نے انقضائے عدت سے پہلے ہی رجوع کر لیا

تھا۔ مگر بیوی کو اس کی اطلاع عدت ختم ہونے سے پہلے نہیں ہوتی لیکن بیوی اس سے انکار کرتی ہے تو ان صورتوں میں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ چند واضح صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ شوہر دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تھا لیکن رجوع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جب تک بیوی اُس کے دعوے کی تصدیق نہ کرے رجوع نہیں مانا جائے گا اور عورت کی بات مانی جائے گی۔ شوہر کو اس بات کے لئے بیوی سے حلف لینے کا حق ہوتا ہے۔ (بعض فقہائے نزدیک)

۲۔ شوہر عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لینے کی گواہی پیش کر دے کہ اُس نے گواہ کے سامنے عدت پوری ہونے سے پہلے فلاں عورت سے رجوع کر لیا تھا تو ایسی حالت میں رجوع درست ہوگا، اسی طرح یہ شہادت کہ اُس نے ایام عدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے یا جنسی خواہش سے ملاست کرنے کا اقرار کر لیا تھا تو بھی رجوع کرنے کو تسلیم کر لیا جائے گا لیکن عدت گزر جانے کے بعد ایسے اقرار کو رجوع کا اقرار نہیں کہا جائے گا، بلکہ اُس کی حیثیت محض دعوائے رجوع کی ہوگی اگر بیوی تصدیق نہیں کرتی تو رجوع ثابت نہ ہوگا۔

۳۔ اگر مرد دوران عدت رجوع کر لینے کا دعویٰ ان الفاظ میں کرے کہ ”میں نے تجھ سے کل ہی رجوع کر لیا تھا“ تو رجوع کو تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ جو بات حال کے صیغہ میں کہہ سکتا ہے اُس کے کہنے جانے کی اطلاع بھی دے سکتا ہے اگر ماضی میں کہے جانے کا مقصد یہی بتانا ہو کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے لیکن اگر مقصد یہ نہ ہو بلکہ بطور خبر کے اطلاع دینا مقصود ہو تو بیوی کی تصدیق پر رجوع موقوف رہے گا پھر جب وہ تصدیق کر دے کہ واقعی رجوع کر لیا تھا تو رجوع درست ہوگا۔ گذشتہ دن کے رجوع کو بیان کرنے کے ساتھ قصد رجوع کی شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے جس وقت یہ الفاظ (میں نے تجھ سے کل رجوع کر لیا تھا) کہے گئے وہ آخری ایام ماہواری کا آخری لمحہ ہو اور عورت رجوع ہونے کو نہ مانے، ایسی صورت میں فریخت کہتی ہے کہ یہ رجوع ہے کیونکہ شوہر کے پیش نظر رجوع کرنا ہی تھا۔

۴۔ مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا اور اُسے یہ علم نہیں کہ اس کی عدت گزر چکی ہے، اب دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو عورت فوراً جواب میں کہہ دے کہ میری عدت کے دن ختم ہو گئے اور وہ وقت بھی عدت پوری ہو جانے کی تائید کرتا ہو تو رجعت نہیں ہوگی، دوسری حالت یہ ہے کہ رجوع کر لینے کی بات سن کر وہ خاموش رہی پھر دیر کے بعد اُس نے کہا کہ میری عدت تو گزر چکی، ایسی حالت میں رجوع صحیح ہوگا کیونکہ اُس نے پہلے خاموشی اختیار کی۔

۵۔ مطلقہ رجعیہ سے شوہر نے کہا کہ میں نے رجوع کر لیا، اس پر اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ اُس کی عدت پوری ہو چکی ہے پھر خود ہی اپنے قول کو جھٹلایا اور کہا ابھی عدت پوری نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں شوہر کا رجوع کر لینا درست ہے کیونکہ اس نے اپنی بات کو اسی لئے جھٹلایا کہ شوہر کا حق رجوع برقرار ہے۔

۶۔ بیوی جس کو ایک طلاق رجعی دی گئی تھی شوہر اُس سے تخلیہ کرے اور پھر دعویٰ کرے کہ اُس نے مباشرت کی ہے تو بیوی اگر شوہر کے قول کو جھٹلاتی اور اپنے کو مطلقہ بانہ ثابت کرنا چاہتی ہے تو بھی مرد کا رجوع کرنا درست ہے اور اُس کی بات بغیر حلف اٹھائے صحیح مان لی جائے گی کیونکہ تخلیہ کرنا ظاہر ہے جس سے مرد کی سچائی اور عورت کے جھوٹ کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر تخلیہ کرنا ثابت نہ ہو بلکہ صرف مباشرت کا دعویٰ ہے جس کی تکذیب بیوی نے کی تو پھر اسے رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ تخلیہ کے انکار سے مباشرت کا اقرار جھوٹ قرار پائے گا۔

انقضائے عدت کے بارے میں یہ مسائل وہ ہیں جن کا تعلق ایام ماہواری سے ہے لیکن اگر حمل ہو تو پورے طور پر وضع حمل کے بعد عدت پوری ہوگی چنانچہ اگر پورے طور پر بچے کی ولادت نہ ہوئی ہو تو پیدائش کے وقت بھی خاوند رجوع کر سکتا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ بچہ پیدا ہو گیا ہو یا نامکمل بچے کا اسقاط ہو گیا ہو۔

## عَدَّت کا بیان

عَدَّت کا لفظ از روئے لغت عدد سے بنا ہے۔ عَدَّت کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ عَدَّتُ الشَّيْءِ عَدًّا یعنی فلاں شے کو گن لیا۔ لغت میں اس کا اطلاق عورت کے ایام حیض و طہر شمار کرنے پر ہوتا ہے۔ اصطلاح شرع میں محض ایام ماہواری کا نہیں بلکہ اس کا مطلب عورت کو دوسری شادی کے لئے مطلوبہ ایام کے پورا ہو جانے کا انتظار کرنا ہے۔ شرعی مفہوم زیادہ وسیع ہے، محض مَدَّتِ حیض اور مَدَّتِ طہر کے انتظار کے علاوہ کچھ مہینوں کے گزرنے کے انتظار اور وضع حمل ہو جانے کے انتظار کو بھی عَدَّت کہتے ہیں۔ عَدَّت کی اصطلاح کی تعریف فقہائے احناف نے یوں کی ہے:

”عَدَّت وہ مَدَّت مقررہ ہے جو نکاح یا ہم بستری کے آثار ختم ہو جانے کے لئے رکھی گئی ہے۔“ ”نکاح یا ہم بستری“ کہنے سے وہ لونڈی بھی شامل ہو گئی جو نکاح کے ذریعہ ملکیت میں نہ آئی ہو بلکہ کسی اور طرح سے ملکیت میں آئی ہو اور اُس سے مباشرت ہو چکی ہو۔ نکاح کے آثار دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) مادی جیسے حمل کا ہو جانا (۲) اخلاقی جیسے شوہر کا احترام اور دوسرے حقوق و فرائض۔

”مدت مقررہ“ میں حسب ذیل صورتیں شامل ہیں:

حیض والی عورتوں کے لئے تین قروہ (یعنی تین بار ایام ماہواری آنا)

اُسے یا کم عمر جس کو ایام ماہواری نہ ہوتے ہوں دونوں کے لئے تین مہینے۔

حاملہ عورت کے لئے وضع حمل ہو جانے تک کی مدت۔

غیر حاملہ جس کے شوہر کی وفات ہو گئی ہو اُس کے لئے چار مہینے دس دن۔

عَدَّت واجب ہونے کے اسباب

عَدَّت واجب ہونے کے تین اسباب ہیں:

ایک سبب عقد صحیح ہے۔ یعنی عقد صحیح میں آئی ہوئی عورت کے شوہر کی وفات عَدَّت کا موجب ہے کہ وہ ایک مدت تک دوسرے نکاح سے



رُک کر رہے شوہر کا سوگ منائے اور بناؤ سنگھار سے پرہیز کرے۔ دوسرا سبب مباشرت ہے یعنی ایک ایسی مدت تک دوسرے نکاح سے باز رہے کہ براتِ رحم (رحم کا حمل سے پاک ہونا) ظاہر ہو جائے اور تیسرا سبب خلوت ہے خواہ خلوت صحیح ہو یا فاسدہ یہ بھی اُسی طرح وجوبِ عدت کا سبب ہے جس طرح مباشرت۔

**عدت کی صورتیں اور اُن کے اقسام** عدت کی تین صورتیں ہیں حمل کی عدت مہینوں کی عدت اور قُرور (ماہواری ایام) کی عدت۔

عدت شوہر سے علیحدگی پر واجب ہوتی ہے علیحدگی یا تو شوہر کی وفات سے ہوتی ہے یا شوہر کی زندگی میں طلاق اور فسخِ نکاح کے سبب سے شوہر کی وفات کے وقت یا تو بیوی حاملہ ہوگی یا حاملہ نہیں ہوگی پہلی صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی۔ دوسری صورت میں عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق یا فسخِ نکاح کی صورت میں جو عدت واجب ہوگی اُس میں عدت کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) عورت جسے طلاق ملے اور وہ حاملہ ہو اُس کی مدت وضع حمل سے پوری ہوگی۔
- (۲) جسے طلاق مل جائے اور حاملہ نہ ہو لیکن حیض والی ہو اس کی عدت قُرور (یعنی حیض یا طہر کے ایام) آنے پر پوری ہوگی۔

- (۳) وہ جسے طلاق مل جائے اور آئندہ ہو (یعنی ایام نہ آتے ہوں) اُس کی عدت کی مدت پورے تین ماہ ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کو معتدہ کہتے ہیں تو معتدہ کی کُل پانچ قسمیں ہوں گی:

**حمل کی عدت** طلاق یا فتنہ عورت یا ایسی عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اور وہ حاملہ ہو تو اُس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی، اس کی تین شرطیں ہیں:

پہلی یہ کہ حمل پورے طور پر باہر آچکا ہو اگر بچہ پیٹ میں مرجائے اور اسے کاٹ کر نکالنا پڑے اور بیشتر حصہ نکالنے کے بعد بھی کچھ حصہ رہ جائے تو جب تک وہ نکال نہ دیا جائے عدت پوری نہیں ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل ساقط ہو جائے اس طور پر کہ انسانی اعضاء بنے نہ ہوں تو عدت کا ہونا پورا نہیں مانا جائے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ تین بار ایام ماہواری

پوری کرے، تیسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل میں دو بچے یا زیادہ ہوں تو جب تک آخری بچہ پورے طور پر پیدا نہ ہو جائے، عدت کی مدت پوری نہ ہوگی، قرآن میں ارشاد ہے:

وَالْوَلَدُ الْكَامِلُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۃ طلاق - ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

غیر حاملہ کی عدت اگر شوہر وفات پا جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِلَّتَهُمْ دَعَاؤُا كَلَامِ تَزَكُّوْنَ يَلْبَسُوْنَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا (بقرہ - ۲۳۴)

تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے کو چار مہینے

اور دس دن تک نکاح وغیرہ سے روکے رکھیں۔

اس حکم سے ظاہر ہے کہ شوہر کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے کہ اس کے بعد بیوی کے لئے زریعہ نہیں کہ وہ کہیں آئے جائے یا کسی سے نکاح کرنے یا زبانش اور آرائش کے ساتھ رہنے کی بات کرے لہذا چار مہینے اور دس دن عورت کی عدت مقرر فرمائی گئی تاکہ اس مدت تک نہ اسے نکاح کرنا چاہیئے نہ زبور پہننا چاہیئے، مانگ نکالنا، رنگین کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، غرض وہ تمام باتیں جن سے مسرت و شادمانی کا اظہار ہوتا ہو، اس مدت میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ تاہم سر میں تیل ڈالنا اور کھنگھی کرنا منع نہیں ہے اگر جو میں بڑھانے یا کوئی اور تکلیف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ سرمہ لگانے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے اگر نہ لگانے سے آنکھ میں تکلیف ہو جاتی ہو۔ شدید ضرورت بڑھانے پر گھر سے باہر دوسری جگہ بھی جاسکتی ہے۔ نہانے دھونے بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ اظہار غم کی ناجائز صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خلع ماتمی لباس پہن کر بلند آواز سے آہ بکا کرنا، قیر پر چادر چڑھانا وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یحل لأمرأة تسومن بالله والیوم الآخر ایمان رکھتی ہے اُسے جائز نہیں کہ کسی کی مسلمان عورت جو اللہ اور آخرت پر

ان تحد علی میت فوق موت پرتین دن سے زیادہ غم کرے  
ثلاث الاعلیٰ زوجھا سوائے اپنی شوہر کی موت کے۔  
یعنی صرف شوہر کے لئے ہی زیادہ غم کا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن وہ بھی چار مہینے  
دس دن سے زیادہ نہیں۔

طلاق یافتہ بیوی کی عدت اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اپنی زندگی ہی میں چھوڑ دے  
خواہ طلاق دے کر یا فسخ نکاح کی بنا پر اور اس عورت کو ایام ہوتے ہوں تو اس کی عدت تین قرو ہے، اس عرصے میں نہ تو وہ دوسرے شوہر سے  
نکاح کر سکتی ہے اور نہ اس گھر سے جہاں اسے طلاق ملی یا ہر جاسکتی ہے، قرآن میں ہے:  
وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَفَعْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرہ- ۲۲۸)

مطلقہ عورتیں تین ایام ماہواری گزرنے تک نکاح وغیرہ سے رُک رہیں۔  
اُسکے کی عدت اُسکے وہ عورت ہے جسے حیض نہ آتا ہو مثلاً نو سال سے کم عمر کی لڑکی۔  
یا عمر رسیدہ عورتیں جنہیں حیض آنا بند ہو چکا ہو۔ وہ عورتیں جو حیض  
آئے بغیر بالغ ہو جائیں یا بالغ ہونے پر بھی حیض نہ آئے وہ بھی اس میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ  
کا ارشاد ہے:-

وَالْحَائِضُ مِنَ الْحَيْضِ مِنْ نَوَاسِطِ الْأَرْوَاحِ لَمْ يَحْضِ

(سورہ طلاق - ۴)

اور جو عورتیں ناامید ہو چکیں حیض سے ان عورتوں کے بارے میں اگر تم کو شبہ  
رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ایسی ہی وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آیا۔  
عمر رسیدہ محروم الحیض عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار لے اور عدت پوری  
ہو جانے کے بعد اُسے باقاعدہ حیض آجائے تو اب اس کو پھر سے عدت گزارنا نہیں ہے، اگر  
اُس نے عدت گزارنے کے بعد شادی کر لی تو وہ درست ہوگی۔ اگر ایسی ہی محروم الحیض عورت  
مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی ہو اور اس دوران باقاعدہ حیض آجائے (یعنی وہ  
مرض کا خون یا فاسد خون نہ ہو) تو مہینوں والی عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی

اور دوسری عدت کا آغاز نئے سرے سے واجب ہوگا۔

یہی حکم صغیر سن لڑکی کا ہے جو نو سال کی ہو اور مہینوں والی عدت گزار رہی ہو کہ عدت کے دوران اُسے حیض آجائے تو اُس کی یہ عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور جب تک تین حیض پورے نہ آجائیں اُس کی عدت ختم نہ ہوگی۔ ہاں اگر مہینوں والی عدت پوری ہو جانے کے بعد اُسے حیض آیا تو اب اُس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

**زنا نیہ کی عدت** اگر کوئی بد بخت عورت اور مرد زنا کا ارتکاب کر بیٹھیں اور عورت کو حمل رہ جائے تو اگر وہی دونوں نکاح کر لیں تو حمل کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قانون شریعت کو توڑنے والے کے لئے عدت کی شرعی قید بھی کوئی معنی نہیں رکھتی، مزید گناہ سے باز رہنے کی یہی صورت ہے کہ عدت کی قید ان سے ہٹا کر انھیں کو آپس میں باندھ دیا جائے۔ یہی حکم اُس عورت کا بھی ہے جس کے شوہر نے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے اُس کو طلاق دے دی ہو اور یہی حکم اُس عورت کا ہے جو طلاق پانے کے بعد زنا کی مرتکب ہوئی ہو، قرآن میں ارشاد ہے: **النَّارِیْ لَا یَنْکِحُ إِلَّا زَانِیَةٌ**۔

اگر زانیہ عورت سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرنے کو تیار ہو جائے تو نکاح حالت حمل میں بھی ہو سکتا ہے لیکن دوسرا شخص حمل کی حالت میں مباشرت نہیں کر سکتا جبکہ زانی کو سکتا ہے۔ اسلامی شریعت دوسرے شخص کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ زانیہ سے اس حالت میں متعلق ہو، اور لڑکے یا لڑکی کا نسب مشتبہ ہو جائے۔

**عدت کا شمار طلاق کی صورت میں** پہلے طلاق کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا مکروہ اور نا صواب ہے

لیکن پھر بھی کوئی یہ گناہ کر گزرے تو عدت میں وہ حیض شمار نہ ہوگا جس میں طلاق دی گئی بلکہ اُس کے بعد سے تین حیض عدت میں شمار کئے جائیں گے۔

مطلقہ رجعیہ کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب اس وقت سے موت کی عدت پوری کرنی ہوگی، طلاق کی عدت کا اعتبار نہ ہوگا یہ اس لئے کہ طلاق رجعی کی صورت میں رشتہ نکاح نہیں ٹوٹتا ہے لیکن اگر طلاق مطلقہ یا طلاق بائنہ دی

تھی اور بھرموت واقع ہوئی تو طلاق کی ہی عدت پوری کرنا کافی ہے۔

معتدہ کو نکاح کا پیام دینا مطلقہ عورت خواہ رجبہ ہو یا باندہ اُس کا شوہر اُسے پھر حلالہ عقد میں واپس لے سکتا ہے تو ایسی معتدہ عورت

کو اشارۃً و کنایۃً بھی نکاح کا پیام دینا حرام ہے، رہی وہ عورت جو شوہر کی وفات کے بعد عدت گزار رہی ہو یا اُسے منغلظہ طلاق ہو چکی ہو اور وہ عدت میں ہو تو اُسے بھی صراحتاً نکاح کا پیام دینا حرام ہے، البتہ اشارے کنایے سے کوئی شخص ارادۃً نکاح کی نیت کا اظہار کر سکتا ہے، قرآن میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے کہ :

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَتْنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلَيْهِمُ اللَّهُ أَكْثَمُ سِتْرًا لَكُمْ وَلَهُنَّ وَلَكِنْ لَذُنُوبُهُنَّ يَسْرَأُ ۚ إِنَّ اللَّهَ مُغْفِرٌ ذُنُوبِهِ الْعَمَلَةِ (البقرہ - ۲۳۵)

جن عورتوں کے شوہر وفات پا گئے اگر اُن سے پیام نکاح کے طور پر تم اشارۃً کچھ کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ ان عورتوں کا دھیان تمہیں ضرور آئے گا لیکن خفیہ طور پر کوئی عہد نہ کر لینا سوائے اُس کے کہ کوئی بھلی بات کہہ دو۔ تم اُس وقت تک نکاح کا ارادہ بختہ نہ کرو جب تک عدت ختم نہ ہو جائے۔

قول معروف (یعنی بھلی بات) سے مراد ایسی بات ہے جس کے کہنے کا رواج ہو مثلاً: میں ان ان صفات کی خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یا مجھے ایسے اوصاف والی بیویاں پسند ہیں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جس عورت کو اُس کے شوہر نے طلاق منغلظہ دے دی ہو حلالہ اگر وہی اُسے پھر اپنے رشتہ نکاح میں لینا چاہے تو اُس کی بس ایک صورت ہے اور وہ ہے حلالہ۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ معتدہ اپنی عدت کا زمانہ گزار کر اپنی مرضی سے کسی سے نکاح کرے، اور ازدواجی تعلق قائم ہو جانے کے بعد اگر وہ مرد اپنی مرضی سے اُس کو طلاق دیتا ہے یا اُس کا انتقال ہو جاتا ہے تو عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے پھر نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن میں یہ حکم ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

وَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ طَلِّقًا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ حَتَّىٰ تَصِلَ إِلَىٰ الْحُلُلِ وَلَا إِلَىٰ مَا بِهِ يَحْتَسِبُ الْمُنَافِقُونَ ۚ أُولَٰئِكَ يَفْعَلُونَ (سورہ بقرہ - ۲۲۰)

اگر تیسری طلاق (دبھی) اُس کو دیدی تو اُس کے بعد وہ اُس کے لئے حلال نہیں ہے گی یہاں تک کہ کوئی دوسرا اُس کے ساتھ نکاح کر لے بھر اگر وہ دوسرا بھی اُسے طلاق بائنہ دیدے تو دونوں کو یہ اجازت ہے کہ پھر سے یہاں بیوی ہو جائیں بشرطیکہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم رکھنے کا تہیہ کر لیں۔

ان آیات میں دوبارہ نکاح میں لینے کی یہ چند شرطیں ارشاد فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔

دوسرا یہ کہ یہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے اس کو طلاق دیدے۔

تیسری یہ کہ اب اگر یہ عورت اور اُس کا پہلا شوہر پھر رشتہ نکاح قائم کرنا چاہتے ہیں تو خوب سوچ لیں کہ جن حقوق و فرائض میں کوتاہی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا تھا وہ دوبارہ نہ ہونے پائے اور دونوں اللہ کے حدود کے پابند رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کچھ فرید ہدایتیں دی ہیں۔ دوسرے شوہر سے نکاح حسب دستور شرعی ہونا چاہیے نکاح میں کوئی شرط لگانا حرام ہے لہذا مطلقہ عورت یا اُس کا سرپرست یا نکاح کرنے والا یہ شرط نہ لگائے کہ وہ طلاق ضرور دے دے گا بئنہ نکاح اسی طرح غیر مشروط ہونا چاہیے جس طرح ہوا کرتا ہے اور طلاق بھی اُسی بنا پر دینا چاہیے جو طلاق کی صحیح بنیاد بن سکتی ہے، اگر کوئی شخص شرط لگا کر نکاح کرے گا جو شرعاً غلط ہے اور پھر حلالے کے لئے طلاق دے دیدیگا تو اُس کو بھی گناہ ہوگا اور لعنت کا مستحق ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر سخت لعنت کی ہے (ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح نکاح کرنے کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا ”جو مرد یا عورت طلاق دینے کی شرط لگا کر (حلالے کے لئے) نکاح کریں گے میں اُن کو رجم کر دوں گا۔“ اگر اتنی سختی نہ برتی جاتی تو رشتہ کا تقدس ختم ہو کر رہ جاتا۔

پہلے شوہر کے لئے اُس سے تین طلاق پائی ہوئی عورت تہی حلال ہو سکتی ہے جب اُس نے طلاق کی عدت پوری طرح گزار کر دوسرے شوہر سے بغیر کسی شرط یا دباؤ کے نکاح کیا ہو۔

دوسرے شوہر نے فرائض زوجیت ادا کئے ہوں۔ اگر وہ بغیر مباشرت کے مر گیا تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔

یہ لازم ہے کہ طلاق مباشرت کے بعد دی گئی ہو اور عورت نے طلاق کی عدت پوری کر لی ہو تب ہی پہلے شوہر سے نکاح درست ہوگا۔

**ثبوت نسب** اس بات کا ثبوت کہ وضع حمل سے پیدا ہونے والا بچہ اسی شوہر کا ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح ہوا، شریعت نے کم سے کم مدت حمل کا تعین کر دیا ہے۔ کم سے کم مدت چھ ماہ ہے یعنی اگر نکاح کے بعد کسی عورت سے چھ ماہ کے بعد ہی لڑکا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت سمجھا جائے گا، یعنی یہ کہ یہ اسی شوہر کا لڑکا ہے جس سے چھ ماہ پہلے نکاح ہوا ہے۔ اس معاملہ میں تمام فقہاء کو اتفاق ہے۔

اسی طرح اگر کسی عورت کو طلاق مل چکی ہے یا اُس کا شوہر مر گیا ہے اور دو برس تک اُس نے نکاح نہیں کیا کہ اُس کے لڑکا پیدا ہو گیا تو وہ لڑکا بھی ثابتاً نسب سمجھا جائے گا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو برس ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس سے زیادہ ہے۔ اس امر کی دلیل کہ پورے حمل کی مدت چھ مہینے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حُلَّتْهُ وَفَصَالَهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (حمل سے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے کی مدت ہے) بشری غوار کی کا زمانہ دو سال ہے وفضالہ فی عامین کہہ کر اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی ہے کہ باقی عرصہ چھ مہینے حمل کا زمانہ ہے، اگر چھ ماہ سے پہلے کسی عورت کے صحیح سالم لڑکا پیدا ہو جائے تو اسے ولد الحرام قرار دیا جاسکتا ہے، اسی طرح دو برس کے بعد پیدا ہونے والا لڑکا کے کا نسب احناف کے نزدیک مشتبہ ہے۔

**لعان** عورت اور مرد کے درمیان تفریق کا ایک سبب لعان ہے، اپنی عورت پر بغیر کسی تحقیق کے زنا کی تہمت لگانا اور اس کے دامن عصمت کو داغدار بنانا سخت گناہ ہے، اگر کوئی اپنی عورت پر یہ اہتمام لگائے کہ وہ زنا کی مرتکب ہو رہی ہے لیکن گواہ کوئی نہ ہو اور عورت اس سے انکار کرے اور معاملے کو اسلامی حکومت کی عدالت میں اٹھائے تو قاضی یا حاکم دونوں سے چار چار بار قسم لے گا اور ایک ایک بار دونوں سے جھوٹ بولنے والے بر لعنت کرائے گا





جن امور میں اصلاح کی ضرورت تھی اُن کی اصلاح فرمائی۔ چنانچہ ظہار کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیئے وہ یہ ہیں کہ ان الفاظ کو کہنے والا گناہ گار ہے اب جو اس گناہ کا ارتکاب کرے گا تو دنیا میں بھی اُس کو سزا ملے گی وہ یہ کہ جس بیوی سے ظہار کرے گا اُس سے مباشرت اُس وقت تک حرام رہے گی جب تک اس ناپسندیدہ لفظ کو زبان سے ادا کرنے کا تاوان یعنی کفارہ نہ ادا کر دے۔ ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امر دین کے قطعاً خلاف ہے بلکہ بدترین قسم کی بے باکی بھی ہے کہ کوئی شخص غصے میں آکر اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے یا میری بہن کے برابر ہے وغیرہ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب کا سزاوار ہوتا ہے۔ اس گناہ سے ندامت کا خمیازہ کفارہ ادا کر کے اٹھانا پڑتا ہے۔

حنفی فقہار کے نزدیک ظہار کی تعریف یہ ہے :-

**ظہار کا شرعی مفہوم** ”ایک مسلمان مرد اپنی بیوی کو یا بیوی کے عضو یا جُز کو ایسی

شے سے تشبیہ دے جو ہمیشہ کے لئے اُس پر حرام ہے اور کبھی حلال نہیں ہو سکتی“

لفظ تشبیہ سے ایسی عبارت خارج ہو گئی جو مشابہت کے لئے نہ ہو مثلاً بیوی سے اس طرح کہنا کہ جس طرح میں اپنی ماں کی عزت کرتا ہوں یا بھو بھوی کا احترام کرتا ہوں تیری بھی عزت کروں گایا جس طرح میں اپنی نہیں یا بیٹی سے محبت کرتا ہوں تجھ سے بھی محبت کروں گا ان الفاظ سے ظہار اسی اُسی وقت ہوگا جب وہ ظہار کے قصد و ارادے سے کہے یعنی اُس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے لئے۔ تشبیہ صریح اور ضمنی دو طرح کی ہوتی ہے، صریح کی مثال تو یہی ہے کہ ”تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے“ ضمنی کی مثال یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جس کے ساتھ اُس کے شوہر نے ظہار کیا ہو۔ یعنی تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسے فلاں عورت اپنے خاوند کے لئے۔ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تشبیہ سے ظہار کرنا مقصود ہے ظہار کو وقت کے ساتھ مشروط کرنا بھی ایسا ہی ہے مثلاً تو ایک مہینے تک میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے تو یہ بھی ظہار ہے اگر اس وقت کے اندر مباشرت کا ارادہ کرے تو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اگر مثل یا برابر کا لفظ استعمال نہیں کیا تو ظہار نہیں ہوگا مگر ایسا کہنا گناہ ہے عورت کے جزو بدن سے تشبیہ دینے سے مراد ایسا جزو یا عضو ہے جس کا دیکھنا حرام ہے جیسے پیٹھ یا پیٹ

وغیرہ، اُس میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو دودھ خاندان یا شادی کے رشتے سے حرام ہوں مثلاً یوں کہا کہ تو میرے لئے میری ساس کی یا سوتیلی بیٹی کی یا فلاں دودھ شریک بہن کی پشت کی مانند ہے تو یہ ظہار ہو جائے گا لیکن اگر ایسے جزد بدن سے تشبیہ دی جس پر نظر کرنا حرام نہیں مثلاً: تو میرے لئے سر مادریا پائے مادر کے مانند ہے تو یہ ظہار نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی ظہار نہ ہوگا اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے اپنی بہن (یعنی میری سالی کی مانند ہے کیونکہ بیوی کی بہن بذات خود حرام نہیں ہوتی، بیوی کو طلاق دینے کے بعد شادی کر سکتا ہے اسی طرح مرد کے جزد بدن سے تشبیہ دینے سے بھی ظہار نہیں مقصور ہوگا۔ اندرونی اجزا مثلاً بیکر، دل وغیرہ کو ظہار میں نہ مشبہ بنایا جاسکتا ہے نہ مشبہ بہ، یہی حکم مادہ تولید اور دودھ کا ہے۔

**ظہار کے بارے میں احکام شرعی** جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ظہار کا طریقہ جاہلی جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے زمانے سے رائج تھا، اسلام نے شروع میں اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا مگر جب ایک مسلمان گھر میں اس طریقے کا استعمال کیا گیا تو شرعی احکام نازل ہوئے جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت اوس بن صامت کی بیوی حضرت خولہ بنت اعلیٰ نماز میں مصروف تھیں اُن کے شوہر دیکھتے رہے اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو اوس نے اُن سے رغبت ظاہر کی، بیوی نے انکار کیا تو انھیں غصہ آگیا اور ظہار کر بیٹھے (یعنی تم آج سے میرے لئے میری ماں کی بیٹی کی طرح ہو) حضرت خولہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ”اوس نے جب مجھ سے شادی کی میں لونچوان تھی اور مجھ میں کشش تھی۔ پھر میں عمر رسیدہ ہوئی اور کثرت اولاد سے کوکھ پھیل گئی تو اب وہ مجھے اپنی ماں کی مانند کہتے ہیں“ ظہار کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اُس کے متعلق کوئی وحی ہنوز نازل نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت خولہ سے فرمایا ”میں تمہارے معاملے میں کچھ بول نہیں سکتا“ حضورؐ کا ارشاد اُس نے حضرت خولہؓ کو یاد دلایا ہوئی کہ یا رسول اللہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں انھیں اوس کے سپرد کر دوں تو تباہی ہے اور اپنے پاس رکھوں تو کہاں سے کھلاؤں“ حضورؐ نے پھر وہی بات دُہرائی تو وہ رو کر کہنے لگیں کہ ”میں اللہ تعالیٰ سے اپنی ناقہ کشی اور بے کسی کی مشکوہ طراز ہوں“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی :-

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْبَغَاذِيِّ فِي زَوْجِهَا

(مجادلہ - ۱۲)

تَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْتَعِذُّ بِعَازِلِهِ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِئٌ بِصَلَاتِهِ

یقیناً اللہ نے اس کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے بات کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ سُنچ تھی، اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اُس کے بعد ظہار کا ثبوت اور اس کی حیثیت اللہ کے نزدیک اس طرح ارشاد فرمائی گئی :-

الَّذِينَ يَظْهَرُونَ بَيْنَهُمْ يَسْأَلُهُمْ تَالَهُنَّ أَفَلَا تَعْلَمُونَ إِلَّا الْآلِ وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَتَّقُونَ مَتَّكِئِينَ

الْقَوْلِ وَذُنُوبُهُ

(مجادلہ - ۱۲)

”تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے یعنی ماں کہہ دیتے ہیں وہ حقیقت میں اُن کی مائیں نہیں۔ مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کو جنا بلاشبہ یہ لوگ بڑی گھناؤنی اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ظہار کے باب میں دو حکم دیئے ہیں اُخروی و دُنوی، یعنی یہ فعل عذابِ آخرت کا موجب ہے لہذا اس کے مرتکب کو توبہ کرنا چاہیئے اور اُسندہ کے لئے اس سے باز رہنے کا عزم کرنا چاہیئے، دوسرا حکم دُنیا سے تعلق رکھتا ہے کہ اس گناہ کا کفارہ یعنی کفارہ ظہار ادا کرے۔

جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے مُکفر اور زور قرار دیا وہ آخرت کا گناہ اور مستوجب عذاب ہے جس کی تلافی صرف توبہ سے ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہ سے درگزر فرماتا ہے۔ رہا اس کی بابت دُنیا کا حکم تو اس کا ذکر مذکورہ آیت سے اگلی آیت میں ہے:

وَالَّذِينَ يَظْهَرُونَ بَيْنَهُمْ يَسْأَلُهُمْ تَالَهُنَّ أَفَلَا تَعْلَمُونَ لَمَّا قَالُوا أَفَلَا تَعْلَمُونَ قَوْلَهُمْ تَالَهُنَّ أَفَلَا تَعْلَمُونَ

تَالَهُنَّ أَفَلَا تَعْلَمُونَ قَوْلَهُمْ تَالَهُنَّ أَفَلَا تَعْلَمُونَ قَوْلَهُمْ تَالَهُنَّ أَفَلَا تَعْلَمُونَ

(سورہ مجادلہ - ۴، ۳)

لَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَتَّقُونَ مَتَّكِئِينَ

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں پھر کبھی ہوئی بات سے واپس پلٹیں تو ایک دوسرے کو جھوٹے سے پہلے اُن پر ایک غلام یا باندی آزاد کرنا لازم ہے یہ تمہارے

لئے تنبیہ اور نصیحت ہے اور اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے، پھر اگر کسی کو یہ میر نہ ہو تو دو مہینے لگانا روزے رکھے، ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے بچھریں سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔

ان دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ یہ فعل ناپسندیدہ ہے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ کیونکہ ”کفارہ“ اس ناپسندیدہ فعل کو کر گزرنے کی سزا ہے جس کا ارتکاب اللہ کی نافرمانی تھا۔ بیوی کو ہاتھ لگانے کی ممانعت شوہر کی سرزنش کے لئے ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو سخت تنبیہ ہے کہ مکروہ بات زبان سے نہ نکالیں، اور غصے کی حالت میں بیوی سے گفتگو کرتے وقت زبان کو قابو میں رکھیں اور الفاظ ادا کرنے میں احتیاط برتیں۔

ظہار کی حالت میں عورت سے بات چیت کرنا حرام نہیں ہے مگر مباشرت اور اس کے لوازمات سے بیز کرنا ضروری ہے۔ بغیر کفارہ ادا کیے ایسا کرنا سخت گناہ ہے عورت کو بھی ایسی حالت میں اپنے قریب نہ آنے دینا چاہیے۔

**کفارہ ظہار ادا کرنے کے طریقے** کفارہ ادا کرنے کے تین طریقے ہیں :

(۱) مسلمان مملوک (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا یا  
(۲) دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا اس طرح کہ درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹنے نہ پائے اگر ایک روزہ بھی چھوٹ جائے گا تو پھر سے روزہ شروع کرنا پڑے گا۔ اگر دو ماہ تک متواتر روزے رکھنے سے معذور ہو تو پھر (۳) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے (یا تو ایک دن ساٹھ مسکینوں کو دو دنوں وقت کھانا کھلائے یا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دو دنوں وقت کھانا کھلائے) یا صدقہ فطر کے برابر یعنی پونے دو مہر گہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان کی قیمت ساٹھ مسکینوں کو دیدے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے۔ ایک ہی دن ایک مسکین کو ساٹھ دن کا غلہ نہ دینا چاہیے۔

بیویوں کے شوہروں پر حقوق کے بیان میں نفقہ کا اجمالی ذکر کیا جا چکا ہے۔  
**نفقہ کا بیان** اب یہاں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

نفقہ کے لغوی معنی خرچ کرنا، یا مال کی خرید و فروخت کا کاروبار چا کرنا جیسے نفقت

الدَّائِبَةُ“ (میں نے جانور کو نکال دیا) یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب جانور کو اس کے مالک کے قبضے سے نکال لیا جائے خرید کر یا نَفَقْتُ اِسْلَاحَةٍ“ (میں نے مال کو چالو کر دیا) یہ اُس وقت کہتے ہیں جب خرید و فروخت چل پڑے۔ یہ لفظ اسم مصدر ہے اس کی جمع نفقات آتی ہے اور نفاق بھی جیسے نمرہ کی جمع شمار۔

**فقہی تعریف** فقہ کی اصطلاح میں اُن ضروریات کا مہیا کرنا جس کی ذمہ داری کسی پر ڈالی گئی ہو نفقہ کی تعریف ہے۔ اس میں روٹی سالن، لباس، گھر اور دوسری متعلقہ اشیا مثلاً پانی، تیل روشنی وغیرہ شامل ہیں۔

**نفقہ کی شرعی حیثیت** اس کی شرعی حیثیت امر واجب کی ہے۔ چنانچہ شریعت نے نفقہ کو مہیا کرنا، شوہر پر باپ پر اور آقا پر واجب قرار دیا ہے اس کے موجبات تین ہیں: شادی، قربت داری اور ملکیت ان تینوں صورتوں میں نفقہ کی ادائیگی واجب ہونا قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلرِّجَالُ نَفَاقًا عَلَی الْنِسَاءِ مِمَّا فَتَلَ اللّٰهُ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّمَّا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء۔ ۳۴)

”عورتوں کے شوہروں کو ان کی ضرورتوں کی فراہمی کے لیے اپنا مال خرچ کرنا ہے اور اس بنا پر کہ وہ اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ مِمَّا رَزَقَتْهُنَّ وَكَسُوْنَهُنَّ (صاحب اولاد کے ذمہ اُن عورتوں کا کھانا پکڑا ہے) ان کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی اولاد کا، ماں باپ اور قربت داروں کا نفقہ واجب ہے۔

احادیث تو اہل وعیال، قربت والوں اور غلاموں پر خرچ کرنے کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے:

تَقُولُ السَّهْرَاءُ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِي	عورت کہتی ہے کہ یا تو مجھے میرا کھانا انفاق
وَ اِمَّا اَنْ تُطْلِقَنِي وَ يَكُوْلُوْا	دو یا مجھے طلاق دے کر آزاد کر دو اور غلام
الْعَبْدُ اَلْعِمِيْمِي وَ اسْتَعْمِلْنِي	کہتا ہے کہ مجھے خوراک دو اور مجھ سے
وَ يَكُوْلُ الْاَبْنُ اَلْعِمِيْمِي اِلٰی	کام لو اور بیٹا کہتا ہے مجھے کھانا کھلاؤ

مَنْ تَدَّ عَيْنِي۔ مجھے کس پر چھوڑ دو گے؟

اس حدیث کو دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے جس میں اَلْعَيْنِی کے بجائے اَلنَّفْسِ عَلَیَّ ہے یعنی مجھ پر خریج کرو۔

اجماع: یعنی تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جن مستحقین کے نفقات مہیا کرنے کی تاکید احادیث میں آئی ہے ان سب کی خبرگیری واجب ہے۔ جس طرح عورت کے زوجیت میں آجانے کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہو جاتا ہے اسی طرح کبھی زوجیت سے علیحدگی بھی نفقہ کی ادائیگی کا موجب ہو جاتی ہے مثلاً طلاق رجعی کے ذریعے زوجیت سے علیحدگی۔

بیوی کا نفقہ اور اس کے مسائل (۱) نان، نمک اور اس کے لوازمات (۲) آٹا گوشت دال۔

ترکاری۔ چلھا۔ ایندھن پانی وغیرہ (۳) تن پوشی کا لباس ہر موسم سے متعلق (۴) گھر جس میں سکون سے رہ سکے۔ تینوں قسم کے تعلق سے مسائل ہیں: پہلی قسم یعنی کھانے سے متعلق چیزوں کی فراہمی شوہر پر واجب ہے، پکانا ریندھنا عام دستور کے مطابق بیوی کو کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی جس حسن سلوک کی وہ حقدار ہیں ویسا ہی حسن سلوک کرنا ان پر بھی واجب ہے (چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض حیات کی جو تقسیم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فرمائی وہی مثال دستور العمل ہے۔ آپ نے خارجی امور و معاملات کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت علی کو اور داخلی امور کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت فاطمہ کو قرار دیا وہ زمانہ ایسا تھا کہ کچی بھی اپنے ہاتھ سے پینا پڑتی تھی اور پانی بھی اپنے ہاتھ سے بھرن پڑتا تھا نہ پسنداریاں تھیں نہ بھشتنیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خانہ داری کی انجام دہی حضرت فاطمہ کے سپرد کی تو ہر مسلمان عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر یلو کام کو انجام دے، قطع نظر اس کے کہ اس کی جاہ و منزلت کیا ہے شوہر پر جس طرح ضروری سامان خورد و نوش کا مہیا کرنا لازم ہے اسی طرح اس کو بنانے کے لئے جو سہولتیں درکار ہیں مثلاً جھلنی چھان آٹا گوندھنے کا ظرف، آٹا، انجیٹی، ڈوئی، چچہ وغیرہ حسب ضرورت فراہم کرنا بھی ضروری ہے پھر جہاں آٹا شینوں پر پسوا کر لایا جاسکتا ہے تو اس پر

یہ بھی ذمہ داری ہے کہ آٹا پسوا کر لائے، جہاں پنہاریاں اجرت پر پانی لانے کے لئے میسر ہوں وہاں اجرت دے کر پانی بھروائے، غرض بیوی کو گھریلو کاموں کی انجام دہی میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے، شوہر پر بیوی کی حالت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اگر وہ بیمار ہو جائے یا اولاد کی پیدائش کے زمانے میں وہ کوئی کام انجام دینے کے قابل نہ رہے تو اُس کے لئے بچا بچایا کھانا فراہم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اگر وہ تنہا سب گھریلو کام انجام نہ دے سکتی ہو تو مدد کے لئے کسی خادمہ کا انتظام کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے۔ ان سب کے باوجود شوہر کے گھر کا نظم و نسق چلانے والی اور راعیہ بیوی ہی ہے، وہ اس ذمہ داری سے خود کو الگ نہیں کر سکتی۔

نفقہ کی دوسری قسم لباس ہے، شوہر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہر چھ ماہ کے لئے لباس تیار کر کے بیوی کو دے جس میں گرمی یا سردی سے بچاؤ کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو اور گرد و پیش کے رواج کا بھی۔ بیوی شب زفاف گزرنے کے بعد چھ ماہ سے پہلے بھی لباس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

نفقہ کی تیسری قسم مکان ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو جہاں اُس کی دوسری بیوی اور دوسرے بچے نہ ہوں ہاں اگر صغیر سن بچے ہوں جو تعلقات زن و شوئی سے بے خبر ہوں، ایسے بچوں کی موجودگی میں مضائقہ نہیں ہے یہ امر کہ آیا بیوی کے ساتھ اُس کا شوہر اپنی باندی (مملوک) رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ صیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ ام ولد ہو (یعنی اس کے اولاد پیدا ہو چکی ہے) تو اُس کو بیوی کے ساتھ نہ رکھنا چاہئے کیونکہ یہ ناخوشگوازی کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہ احکام اُس حالت میں ہیں جبکہ بیوی اُن کے ساتھ نہ رہنا چاہے لیکن اگر وہ شوہر کے کہنے والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو ساتھ رہنا درست ہے۔ گھر کی بابت یہ شرط ہے کہ اُس میں تمام ضروری اور کارآمد اشیاء موجود ہوں۔

مذکورہ بالا احکام میں نفقہ کی کم سے کم ضرورتوں کا بیان ہے جس کا مطالبہ بیوی اپنے شوہر سے کر سکتی ہے۔ باقی رہا باہمی رضامندی کا معاملہ تو ہر شخص پر یہ ذمہ داری خدا کی طرف سے عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔ بعض فقہاء کے نزدیک نفقہ اُس متاع کا معاوضہ ہے جو شوہر بیوی سے ماصل کرتا ہے اس لئے اُس پر لازم ہے کہ وہ اُس کی

حیات عامہ کی بقا کے لئے بھی خرچ کرے جس سے مراد صحت مند زندگی ہے۔ جبکہ احناف کی رائے میں بیوی کا نفقہ شوہر کے گھر کی پابند رہنے کا معاوضہ ہے خواہ تنوع کے قابل ہو یا نہ ہو اس اختلاف رائے کی بنا پر طاقت بخش بچوں اور دواؤں کا مہیا کرنا اور بناؤ سنگھار کا سامان فراہم کرنا بیوی کے لئے شوہر پر ضروری ہوگا اگر نفقہ اُس سے تنوع کا معاوضہ ہے لیکن اگر نفقہ شوہر کے گھر میں پابند رہنے کا معاوضہ ہے تو شوہر پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی کہ وہ اُس کے لئے فواکہ یا اور صحت بخش غذا دوا اور پلکوں آنکھوں اور چہرے وغیرہ کو خوبصورت بنانے والی چیزیں بھی فراہم کرے۔ باوجود اختلاف رائے کے یہ نظریہ بغیر کسی اختلاف کے فقہائے امت کو تسلیم ہے کہ شریعت اسلامیہ میاں بیوی میں رابطہ الفت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائے رکھنے کی تائید کرتی ہے اور جن باتوں سے نفرت پیدا ہو ان پر عمل پیرا ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔

**مقدار نفقہ کا تعین** حنفی مسلک کی رو سے اگر دونوں میاں بیوی خوش حال اور غنی ہیں تو امیروں جیسا نفقہ اور اگر غریب ہیں تو غریبوں جیسا نفقہ ہوگا لیکن اگر ان میں سے ایک خوش حال اور دوسرا تنگ دست ہے تو اس میں امہ کی رائے دو ہیں اور دونوں پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ پہلی رائے یہ کہ نفقہ دونوں کی حقیقت سامنے رکھتے ہوئے مقرر کیا جائے یعنی اوسط۔ دوسری رائے یہ کہ صرف شوہر کی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے اگر وہ خوش حال ہے تو نفقہ امیرانہ ہوگا ورنہ بصورت دیگر شوہر پر غریبانہ نفقہ فرض ہے۔ امام شافعیؒ اس رائے سے متفق ہیں لیکن گھر کے بارے میں بیوی کی حیثیت کا لحاظ رکھنا پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

**نقد رقم نفقہ میں دینا** احناف کے نزدیک یہ امر کہ نفقہ اناج اور اشیائے ضرورت کی شکل میں مقرر کیا جائے یا نقد کی صورت میں۔ زوجین کی حقیقت ان کے طرز زندگی اور عام رواج کے پیش نظر متعین کرنا چاہیے۔ ایک مخصوص رقم نفقہ کے لئے مقرر کر دینا اس لئے درست نہیں ہے کہ ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور اشیاء کی قیمتیں بھی اتنی چڑھتی رہتی ہیں۔ پھر شوہر کے حالات کو دیکھنا ضروری ہے اگر اُسے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے تو بیوی کو بھی ماہوار سی نفقہ دیا جائے گا اور اگر ہفتہ وار اجرت ملتی ہے تو نفقہ بھی ہفتہ واری رکھا جائے اگر شوہر زراعت پیشہ ہے جسے ششماہی یا سالانہ پیداوار حاصل ہوتی



ہے تو بیوی کے لئے بھی مشنما ہی یا سالانہ نفقہ مقرر کرے۔

خوراک لباس اور اُس کے متعلقہ لوازمات میں سے تمام اشیاء کا تعلق نفقہ سے ہوتا ہے، اُس کی مقدار کا مقرر ہونا ضروری ہے پھر اگر اُس کے دام نقدی یا کسی اور شکل میں بیوی کو دیئے جائیں تو بیوی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اُسے قبول کرے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اشیاء کے نفقہ کے بجائے نقدی کا مطالبہ کرے اور شوہر اُسے قبول کرے، البتہ اگر دونوں اس پر راضی ہوں تو درست ہے تاہم راضی ہونے کے بعد بھی اپنی بات سے رجوع کر لینے کا دونوں کو حق ہے یہی مسلک امام حنبل کا بھی ہے۔

**وجوب نفقہ کی شرائط** ایک شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی عقد صحیح کے ذریعہ زوجیت میں آئی ہو۔ اگر عقد ہو گیا اور بیوی کو نفقہ دیا گیا بعد میں اُس عقد کا فاسد یا باطل ہونا معلوم ہوا تو شوہر کو حق ہے کہ خرچ کیا ہوا واپس لینے کا مطالبہ کرے کیونکہ نفقہ معاوضہ ہے بیوی کو اپنا پابند اور اپنے لئے مخصوص کر لینے کا اور عقد فاسد ہو کر بیوی اُس کی پابند نہیں رہتی۔ ۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی قابل مباشرت ہو۔ کیونکہ نفقہ تب ہی واجب ہوگا جب اُس سے کوئی نفع حاصل کیا جاسکے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی ناشزہ نہ ہو اور خود سپردگی پر آمادہ ہو۔ ناشزہ وہ عورت ہے جو شوہر کے گھر سے اُس کی اجازت کے بغیر اور بلا وجہ چلی جائے یا شوہر کے بلانے پر اُس کے پاس نہ آئے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ بیوی مرتد نہ ہو گئی ہو یعنی ترک اسلام نہ کیا ہو اس لئے کہ ارتداد سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی ہو جس سے حرمت مصاہرہ قائم ہو جائے یعنی اپنے سوتیلے بیٹے یا خسر سے نضائی خواہش کے ساتھ کوئی رابطہ رکھنا شوہر سے رشتہ زوجیت کو منقطع کر دیتا ہے اور اُس پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔

- ۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ بیوی وفات یافتہ شوہر کی عدت میں نہ ہو۔
- ۷۔ ساتویں شرط ایسی بیوی کے لئے جو کسی کی کینز ہو تو اگر اُس کا نکاح کر کے اُسے اور اُس کے شوہر کو الگ مکان دیا گیا ہے تو شوہر پر نفقہ واجب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔
- ۸۔ وہ عورت جو قید میں ہو اور شوہر سے نہ مل سکتی ہو اُسے نفقہ کا حق نہیں ہے۔
- ۹۔ وہ بیوی جسے کسی اور شخص نے غضب کر لیا ہو یعنی زبردستی اپنے قبضے میں رکھا ہو اُس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہ ہوگا۔
- ۱۰۔ وہ بیوی جس سے نکاح ہو گیا لیکن شوہر کے گھر میں آنے سے پہلے بیمار ہو گئی اور شوہر کے گھر نہ آیا پائی اُس کا نفقہ بھی واجب نہ ہوگا۔
- ۱۱۔ وہ بیوی جو شوہر کے علاوہ کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی اُس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ شوہر کے گھر میں رہنے کی پابند نہیں ہے۔
- نفقہ عائد ہونے کے بارے میں**
- جب بیوی عقد صحیح کے بعد شوہر کی تحویل میں آئے اور شرائط وجوب نفقہ پوری ہوتی ہوں تو بیوی کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے اور شوہر پر قرض رہتا ہے۔ اگر بیوی کہے کہ میں اپنا نفقہ تمہارے حوالے کر چکی ہوں اور شوہر اس سے انکار کرے یا بیوی حوالگی کا عرصہ سال بھر بتائے اور شوہر کہے کہ نہیں صرف ایک ماہ ہوا ہے تو دونوں صورتوں میں شوہر کی بات قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی اگر نفقہ کی ادائیگی میں تاخیر کی اور بیوی کی شکایت پر حاکم شرع نفقہ مقرر کر دے تو اُسے حکم قرار دیا جائے گا۔ حاکم شرع کے فیصلے سے پہلے نفقہ اُس پر واجب تھا لیکن اُس دوران اُس نے بیوی سے ملاقات نہیں کی تھی۔ موجود نہ ہونے کے سبب سے یا بیماری وغیرہ کے سبب سے تو پچھلے دنوں کا نفقہ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر کافی عرصہ گزر گیا ہے تو ساقط ہو جائے گا ہاں اگر تھوڑا عرصہ یعنی ایک ماہ سے کم گزرا ہو تو ساقط نہ ہوگا لیکن اگر حاکم شرع کے فیصلے کے بموجب کوئی نفقہ مقرر ہوا ہے تو وہ شوہر کے فتنے بیوی کا قرض ہوگا اور وہ ساقط نہ ہوگا۔ جب حاکم بیوی کے لئے نفقہ مقرر کر دے تو بیوی کو حق ہے کہ جو کچھ اُس لے اپنے اوپر خرچ کیا ہے اُس کو پورا کرنے کے لئے اس حد تک جتنا حاکم نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے شوہر سے مطالبہ کرے۔

یہی اس صورت میں بھی ہے جبکہ دونوں میاں بیوی نے خود ہی باہم کوئی مقدار نفقہ طے کر لی ہو تو وہی شوہر پر قرض ہو گا اور بیوی اسی کا مطالبہ بھی کر سکے گی اگرچہ حاکم نے اس بارے میں فیصلہ نہ کیا ہو۔ اگر حاکم شرع کے فیصلے یا باہمی رضامندی سے نفقہ متعین نہیں ہوا اور بیوی نے شوہر کو ادا کی نفقہ سے بری کر دیا تو یہ دست برداری درست نہ ہوگی کیونکہ نفقہ جب تک مقرر نہ ہو اسے قرض تسلیم نہیں کیا جاسکتا پھر اُس سے دست برداری کے کیا معنی؟ دست برداری کا سوال نفقہ مقرر ہو جانے اور اُس کو قرض قرار دینے کے بعد ہی پیدا ہوگا۔ واجب ہونے سے پہلے ساقط کرنے کی صورت نادرست ہے۔

**نفقہ کو ساقط کرنے والی باتیں** نفقہ کو ساقط کرنے والی باتوں کا ذکر "وجوب نفقہ کی شرائط" میں غمنا آچکا ہے۔ چند مزید باتیں یہاں وضاحت سے بیان کی جا رہی ہیں :

- ۱۔ زوجین میں سے اگر کسی کی وفات ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ حاکم شرع نے اُس کو قرض قرار دیئے جانے کا فیصلہ نہ کر دیا ہو۔ اگر ایسا فیصلہ ہوا ہے تو اس نفقہ کی حیثیت قرض کی ہے اور کسی کی موت ہو جائے تو قرض ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی کام کا صلہ نہیں ہوتا۔
- ۲۔ اگر بیوی شوہر کی نافرمانی کرے تو واجب الوصول نفقہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ اُسے حاصل شدہ مان کر قرض نہ قرار دیا گیا ہو۔
- ۳۔ اگر بیوی دین سے پھر جائے یعنی مرتد ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح شوہر کے بیٹے یا باپ سے جنسی رابطہ قائم کرنے سے بھی نفقہ ساقط ہو جائے گا۔
- ۴۔ اگر بیوی کو طلاق قطعی دیدی یا اُس نے خلع کر لیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر طلاق رجعی ہے تو ساقط نہ ہوگا اگر بیوی کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہے تو وہ نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ زوجیت سے خارج کر دینے والی طلاق کی صورت میں اگر قرائن یہ ہوں کہ شوہر نے اپنے کو نفقہ واجب کی ادائیگی سے چھٹکارا دلانے کے لئے طلاق دی اور بیوی مظلوم ہو تو حاکم شرع بیوی کا نفقہ واجب اُس کو دے جانے کا

حکم دے گا۔ اگر قرینہ اس کے خلاف ہو تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

فقہ مالکیہ کے مطابق نفقہ ساقط ہو جانے کا ایک سبب شوہر کی تنگ دستی بھی ہے بعد میں اگر وہ خوش حال ہو جائے تو بیوی کو دوران تنگ دستی کے نفقے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ بیوی اگر شوہر کے ساتھ کھاتی پیتی ہے اور اُس کے کپڑے بھی شوہر کے کپڑوں کے ساتھ ملتے ہیں تو بھی خوراک اور لباس کا نفقہ شوہر سے ساقط ہو جائے گا اگر بیوی اپنی ذات سے متمتع ہونے یا مباشرت سے انکار کرے تو جس روز ایسا ہوا اُس روز کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر بھر اطاعت شعار ہو جائے تو نفقہ عائد ہو جائے گا۔

**دوران عدت نفقے کا بیان** جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اُس کا کوئی نفقہ نہیں ہے۔ خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو لیکن وہ عورت

جو طلاق یا فسخ نکاح کی عدت میں ہو اُس کے نفقہ کے بارے میں مسائل حسب ذیل ہیں:

فقہ حنفی کی رو سے شوہر اور بیوی کے درمیان علیحدگی چار اسباب سے ہوتی ہے:

۱۔ طلاق رجعی (جس میں نکاح باقی رہتا ہے)

۲۔ طلاق بائن (جس میں بیوی زوجیت سے خارج ہو جاتی ہے)

۳۔ فسخ عقد (خواہ وہ عقد صحیح کو فسخ کرنا ہو یا عقد ہی فاسد ہوا ہو)

۴۔ وفات۔ چاروں حالات میں بیوی کو مقررہ عدت پوری کرنا ہوتی ہے جس کا ذکر عدت

کے بیان میں ہو چکا ہے، یہاں دوران عدت نفقے کا ذکر مقصود ہے۔

پہلی صورت طلاق رجعی کی ہے تو بیوی زمانہ عدت میں ہر طرح کے نفقے کی حقدار

ہوگی مگر اس دوران شوہر کی وفات ہو جائے تو عدت طلاق عدت وفات میں منتقل ہو جائے

گی اور مقرر شدہ نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر اس نفقہ کو قرض قرار دیا گیا ہے تو وہ

نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

دوسری صورت طلاق بائن کی ہے تو اگر بیوی حاملہ نہیں ہے تو وہ نفقے کی حقدار

نہ ہوگی کیونکہ شوہر پر اُس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اُس کا نفقہ

شوہر پر واجب ہے۔ شرط یہ ہے کہ بیوی اُس گھر سے نہ نکلے جہاں ایام عدت گزارنے کے لئے

اُسے رکھا گیا ہے۔

تیسری صورت فسخ عقد کی ہے۔ اگر عقد صحیح کو فسخ کر دیا گیا ہے تو جو حکم طلاق بائن سے ملتا ہے بیوی کا ہے وہی نافذ ہوگا۔ لیکن علیحدگی اگر عقد فاسد کی بنا پر ہوئی ہے مثلاً ایک عورت جو عدت میں تھی اُس نے کسی اور سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خلوت صحیح بھی ہو گئی پھر اس عقد کے باطل ہونے کا علم ہوا اور اس بنا پر دونوں میں علیحدگی کرادی گئی تو اس عورت کو دو عدتیں گزارنا ہوں گی، ان کی ابتدا علیحدگی کی تاریخ سے ہوگی اور اس میں وہ عرصہ داخل ہوگا جو دوسرے خاوند سے ملنے سے پہلے گزرا ہے پس اگر عورت کو ایام ماہوار می ہوتے ہیں تو دوسرے خاوند سے علیحدگی کے بعد تین حیض آجانے تک انتظار کرنا ہوگا اگر دوسرے خاوند سے ملنے سے پہلے ایک حیض آچکا ہے تو وہ پہلے شوہر کی عدت میں محسوب ہوگا اور دوسرے سے مباشرت کی بنا پر تکمیل عدت کے لئے فریاد دو حیض کا انتظار کرنا ہوگا اس طرح دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی یعنی ایک ساتھ پوری ہوں گی چنانچہ یہ دو ایام حیض دوسری بار پہلی عدت میں محسوب ہوں گے اور پہلی بار دوسری عدت میں۔ اسی حالت میں نفقہ کا ذمہ دار پہلا شوہر ہوگا۔ کیونکہ نکاح فاسد کی بنا پر علیحدگی کے بعد عدت اگرچہ واجب ہوتی ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی بیوی کا شوہر مفقود النجر ہو جائے اور بیوی یہ افواہ سن کر کہ اُس نے وفات پائی کسی اور سے شادی کر لے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مفقود النجر شوہر واپس آجائے تو دوسرے شوہر سے بیوی کی تفریق کرادی جائے گی اور دوران عدت کا نفقہ نہ تو دوسرے شوہر پر عائد ہوگا اور نہ پہلے شوہر پر کیونکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی اس لئے اُس کی عدت نہیں۔ اور دوسرا نکاح فاسد ہوا ہے اس لئے تفریق کے بعد عدت تو واجب ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی صورت شوہر کے وفات پا جانے کی ہے تو وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو تاہم بیوی کو شوہر کے گھر میں رہنے کا حق ہے جب تک عدت پوری نہ ہو جائے جس کی میعاد چار مہینے دس دن ہے اسی طرح جس عورت کو طلاق بائنہ ہوئی ہو، وہ بھی مکان میں رہنے کے علاوہ کسی اور نفقہ کی حقدار نہ ہوگی، اور رہنے کا حق عدت پوری ہو جانے تک ہے۔ اگر بیوی حاملہ ہے اور اسے طلاق بائنہ مل گئی تو نفقہ کے اقسام مہ گانہ (خوراک لباس اہ

مکان اکامتیا کرنا شوہر پر واجب ہوگا یہ نفقہ طلاق یافتہ بیوی کا نہیں بلکہ اُس حمل کے لئے ہوگا اور اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک ولادت نہ ہو جائے۔

اگر طلاق یافتہ عورت کہے کہ اُس کے طہر کا زمانہ طویل ہو گیا ہے اور حیض کے دن نہیں آئے تو اُس کے قسم کھا لینے پر بات تسلیم کر لی جائے گی اور عدت جاری رہے گی یہاں تک کہ اس کا پورا ہو جانا ثابت ہو جائے مطلقہ حاملہ کو طلاق کے دن سے دو سال تک نفقہ حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ دو سال گزر جائیں اور پتہ چلے کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو شوہر کو یہ نہ چاہیے کہ خرچ کردہ نفقے کی رقم واپس لینے کا مطالبہ کرے، دورانِ عدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر بیوی نے اس کا مطالبہ نہیں کیا اور مدت حمل گزر گئی تاہم اگر حاکم شرع کے حکم سے یا باہمی فیصلے سے نفقہ مقرر کیا جا چکا ہو تو وہ ساقط نہ ہوگا۔ غیر حاملہ طلاق یافتہ والی عورت نفقہ پانے کی مستحق نہیں رہتی اس لئے اگر وہ زمانہ عدت میں طہر کی مدت طویل ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہے یہ مالکی فقہا کی رائے ہے۔

**غیر موجود شوہر پر نفقہ عائد ہونا** بیوی کو یہ حق ہے کہ اپنے شوہر سے مطالبہ کرے کہ سفر پر جاتے وقت واپسی کے وقت تک کا نفقہ دے کر

جائے لیکن یہ اُس صورت میں جب ایک مقررہ عرصے کے لئے سفر میں جانے کا ارادہ ہو لیکن اگر لمبی مدت کے لئے جس کی عیاد مقرر نہ ہو سفر پر جانے کا ارادہ ہو تو بیوی ایک خاص عرصے کے لئے پیشگی نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اور بعد کے لئے کسی کفیل کو ذمہ دار بنانے کا مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ حیثیت کے مطابق جو خرچ بیوی پر ہوتا چلا آیا ہے وہ اُس خاص عرصے کے بعد بیوی کو دیتا رہے۔ اگر شوہر کی موجودگی میں دونوں میاں بیوی کسی کفیل کی ذمہ داری پر راضی ہو جائیں کہ وہ بیوی کو مقررہ نفقہ دیتا رہے گا تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

اگر ایسا نہ ہوا اور شوہر بغیر نفقے کا انتظام کئے چلا گیا تو حاکم شرع اُس کی بیوی کے حق میں نفقہ کا فیصلہ کرے گا بشرطیکہ اس امر کی شہادت موجود ہو کہ وہ فلاں شخص کی بیوی ہے جو فی حاضر ہے اور اُس شخص کا مال جس شخص کی تحویل میں ہو وہ بھی اقرار کرتا ہو کہ اُس کا مال میری تحویل میں ہے اور یہ عورت اسی کی بیوی ہے یا خود حاکم شرع کو اس کا علم ہو تو بیوی کو اُس میں سے

نفقہ ملے گا ورنہ اُسے قرض لینے کا حکم دیا جائے گا۔ امام منیل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں شوہر پر زوجیت کا نفقہ اُس وقت تک واجب نہیں آتا جب تک بیوی اپنے کو شوہر کے حوالے نہ کر دے اس لئے غیر موجود شوہر پر نفقہ اسی وقت عائد ہوگا جب حاکم شرع اس بات کا اعلان کر دے کہ بیوی خود کو شوہر کے سپرد کرے (یعنی رخصتی اکیلے تیار ہے۔ اگر بیوی نے خود کو شوہر کے حوالے کر دیا اور پھر وہ کہیں چلا گیا تو نفقہ اُس پر لازم الادا ہوگا۔ جس طرح پچھلے دنوں کے بقایا نفقہ کی ضمانت درست ہے اسی طرح آئندہ نفقہ کی ضمانت بھی درست ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تک یہ عورت فلاں شخص کی بیوی ہے میں اس کے نفقہ کا ضامن ہوں تو اُس شخص پر مثالی نفقہ کی ادائیگی لازم ہے۔

شوہر کا ادا کے نفقہ سے عاجز ہونا اگر شوہر اپنی بیوی کا خرچ اٹھانے سے عاجز ہو تو بیوی کو حق ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا

مطالبہ کرے۔ اس بارے میں حنفی مسلک تو یہ ہے کہ اس عاجزی کی بنا پر تفریق نہیں کرائی جائے گی بلکہ قاضی یا حاکم شرع بیوی کو حکم دے گا کہ وہ قرض لے، اور قرض کو شوہر کے ذمے واجب الادا کرے کیونکہ فقہ و افلاس جب مانع نکاح نہیں ہے تو بقائے رشتہ زوجیت کے لئے اُسے کیوں مانع قرار دیا جائے۔ رزق کی سبیل اللہ پیدا فرماتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

إِنْ يَكُونُوا فُقَرًا لَّيُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اگر وہ آج تنگ دست ہیں تو کل اللہ اپنے فضل سے اُن کو فراخ دست بنا دے گا۔

اگر شوہر تنگ دست ہے تو ہو سکتا ہے کہ اُس کا باپ، چچا یا بھائی یا بیٹا (جو اس بیوی سے نہیں ہے) خوش حال ہو یا خود بیوی کا باپ، چچا یا بھائی خوش حال ہو تو یہ صاحب توفیق اقارب نفقہ ادا کریں پھر جب شوہر کو سہولت میسر ہو تو جو کچھ بیوی پر خرچ ہوا ہے وہ ادا کر دے۔ دین و اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ بیوی صبر و تحمل سے عارضی تکلیف کو جھیل جائے۔ حاکم یا اسلامی جماعت کو قرآن کی اس ہدایت کے مطابق کہ اِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنُظِّلْهُ اِلَىٰ مَيْسَرَةٍ حکم دینا چاہیے، یعنی جو تنگ حال ہوں اُن کو خوش مالی تک کی مہلت دی جائے گی۔ یہ مسائل اُس حالت میں ہیں جب شوہر کے پاس بظاہر کوئی مال نہ ہو بصورت دیگر اُس کے مال سے جبراً

نفقة وصول کیا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر بیوی کا خرچ نہ اٹھا سکے تو وہ عقد صحیح فسخ کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور حاکم شرع شوہر کی طرف سے طلاق رجعی دے سکتا ہے بشرطیکہ یہ تین شرطیں پوری ہوں:

۱۔ شوہر حال یا مستقبل میں بیوی کو خوراک اور لباس مہیا کرنے سے عاجز ہو۔ لیکن اگر وہ محض پچھلا بقایا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو بیوی کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ شوہر کے فقے قرض واجب الادا ہے (عدم ادائیگی قرض کی بنا پر نکاح فسخ نہیں ہو سکتا)

۲۔ بیوی کو نکاح کرتے وقت شوہر کی مفلسی کا علم نہ تھا۔ اگر تھا اور وہ نکاح پر راضی تھی تو اسے فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ جس وقت شادی ہوئی تھی اس کا شوہر کوئی کاروبار کرتا تھا بعد میں وہ ترک کر دیا تب وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

۳۔ یہ ثابت ہونے پر کہ شوہر فی الواقع نادار اور ادائے نفقہ سے عاجز ہے حاکم ایک خاص مدت اپنی سمجھ کے مطابق ادائے نفقہ کے لئے متعین کر دے گا جس عرصے میں اس کی تسکندستی دور ہو جانے کی توقع ہو۔ پھر اگر وہ مدت گزر جائے اور نفقہ نہ دے سکے تو اس کی طرف سے طلاق رجعی دیدی جائے گی۔

جو شخص باوجود استطاعت کے بیوی کا نفقہ اور اس کی ضروریات پورے نہیں کرتا اس کو منعنت کہا جاتا ہے۔ تعنت ظلم کی شکل ہے اور مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا مسلمان کا فرض ہے۔ فقہ مالکی میں عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ قاضی یا مسلمانوں کی جماعت کے سامنے دعویٰ پیش کر کے فسخ نکاح کرالے اس کو یہ دعویٰ تب ہی کرنا چاہیے جب کوئی دوسرا ذریعہ معاش یا کوئی دوسرا سرپرست موجود نہ ہو۔ یا اس کا شوہر اس کی طرف توجہ نہ کرتا ہو اور اسے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ مسلمان حاکم یا اسلامی جماعت کا فرض ہوگا کہ شہادتوں سے معاملے کی پوری تحقیق کر لیں پھر شوہر سے کہیں کہ تم کو اتنی مہلت دی جاتی ہے کہ تین ماہ کے اندر تم تعنت کی روش ترک کر دو ورنہ ہم تفریق کر ادیں گے اگر اس مدت میں وہ روش



بدل دے اور اگر بیوی اس سے مطمئن ہو جائے تو اُسے دعویٰ واپس لینے کو کہا جائے گا ورنہ تین ماہ کے ختم ہوتے ہی تفریق کرادی جائے گی یعنی ایک طلاق رجعی بڑ جائے گی۔ اب اگر عدت پوری ہونے سے پہلے وہ حق تلفیوں سے باز آجائے تو بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد بھی اگر اظہار ندامت کرے اور آئندہ حق تلفی سے باز رہے گا وعدہ کرے تو عورت کی رضا مندی سے بخد ید نکاح کر سکتا ہے۔

**نفقہ اولاد کے لئے** اولاد دلط کے ہوں یا لڑکیاں کم عمر ہوں یا بالغ اگر خود کمانہ سکتے ہوں یا تعلیم حاصل کر رہے ہوں اور کوئی مال نہ رکھتے ہوں تو ان کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ باپ کی معذوری کی صورت میں ماں کنسیل ہوگی اور جو کچھ خرچ کرے گی وہ بچوں کے باپ پر قرض رہے گا، باپ اور ماں دونوں معذور ہوں تو پھر دادا اگر صاحب توفیق ہو تو وہ بچوں کا نفقہ ادا کرے گا لیکن اگر دادا صاحب حیثیت نہ ہو اور چچا یا بھائی صاحب حیثیت ہوں تو ان میں سے کسی پر نفقہ واجب ہوگا اور بچوں کی ماں کو حق ہے کہ ان دونوں میں سے کسی سے بلا تزیع نفقہ اولاد کا مطالبہ کرے بصورت دیگر ان بچوں کا جو سب سے قریب رشتہ دار ہو اُس پر واجب ہوگا کہ اُن کا خرچ برداشت کرے اور ہر صورت میں صحیح یہ ہے کہ جو کچھ کسی نے خرچ کیا ہے وہ باپ سے جب بھی اُسے توفیق ہو اپنا مطالبہ وصول کرے۔ البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں خرچ کرنے والے کو یہ حق نہ رہے گا، وہ یہ ہے کہ دادا نے خرچ کیا ہو اور باپ اپاہج ہو۔ تو یہ سمجھا جائے گا جیسے باپ وفات پا گیا ہے اور نفقہ ساقط مقصور ہوگا پھر جب کوئی قرابت دار ایسا نہ ہو جو ان کا نفقہ ادا کر سکے تو اسلامی حکومت بیت المال سے نفقہ ادا کرے گی۔

ماں کے ذمہ نفقہ ماند نہیں ہوتا البتہ اُس پر لازم ہے کہ پیدائش کے ابتدائی ایام میں اپنا دودھ پلائے کیونکہ جب تک پہلے پہلے بچے کو ماں کا دودھ نہ ملے وہ باعوم زندہ نہیں رہتا۔ باپ دادا اور قرابت داروں کا نفقہ ہو جائیں تو اولاد پر لازم ہے کہ وہ اُن خرچ کرے اسی طرح نانا پر خرچ کرنا ضروری ہے جب وہ محتاج ہو ماں بھی باپ کے مانند ہے اگر کوئی بیٹا اپنے والدین میں سے صرف ایک کے لئے نفقہ فراہم کر سکتا ہے تو ماں کو باپ پر

فوقیت دی جائے گی، اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو نفقہ ادا کرنے سے باز رہے اور کہے کہ میرا باپ خوش حال ہے تو لازم ہے کہ اس دعوے کو گواہوں سے ثابت کرائے ورنہ باپ کا کہنا تسلیم کیا جائے گا، اگر کسی باپ کے بیٹا اور بیٹی دونوں خوش حال ہیں تو دونوں کو برابر کی مقدار میں نفقہ ادا کرنا پڑے گا، ورنہ جو زیادہ مالدار ہو اُس کا حصہ باپ کے نفقے میں زیادہ ہوگا صاحب توفیق بیٹے کا یہ فرض بھی ہے کہ باپ کی بیوی کو (جو اُس کی ماں نہیں ہے) نفقہ دے اور اُن کا حق سب پر مقدم ہے، البتہ اگر باپ کی کئی بیویاں ہیں تو بیٹے پر صرف ایک بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ قرابت داروں میں نسبی قرابت داروں کو دیکھا جائے گا یعنی بسری یا پداری حیثیت کو اگر ایسا کوئی قرابت دار محتاج ہے تو صاحب توفیق پر اُس کا نفقہ واجب ہے۔ نسبی رشتہ کے بعد قریب ترین رشتہ دار مقدم ہے مثلاً باپ کو نفقہ فراہم کرنا بیٹے پر زیادہ لازم ہے بہ نسبت پوتے کے کیونکہ وہ قریب ترین ہے، اسی طرح اگر کسی کی ایک بیٹی ہے اور ایک پوتہ ہے تو بیٹی پوتے سے زیادہ قریب ہے اس لئے بیٹی پر نفقہ کی ذمہ داری بہ نسبت پوتے کے زیادہ ہے۔ حقیقی بھائی اور بیٹی ہو تو بھی بیٹی باپ سے قریب تر ہے کیونکہ وہ اُس کا جزو بھی ہے۔ اگر کسی کی ایک بہن اور بیٹا ہے اور وہ عیسائی ہو گیا ہے تو بھی نفقہ بیٹے کے ذمے ہوگا (اگرچہ وہ عیسائی ہونے کی وجہ سے وارث نہیں ہے) اگر کسی شخص کا حقیقی بھائی بھی ہے اور نواسہ بھی موجود ہے تو نفقہ نواسے کے ذمہ ہوگا (حالانکہ سنگے بھائی کی موجودگی میں نواسہ وارث نہیں ہوتا)

مختصر اُپر کہ مطالبہ نفقہ کے بارے میں سب سے پہلے اصول و فروع، جڑ یا شاخ کے رشتہ داروں کو دیکھا جائے گا اور ان میں بھی جو قریب ترین ہوگا وہ مقدم رکھا جائے گا مثلاً؛ ایک شخص نفقے کا ضرورت مند ہے اور اُس کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہیں اور قرابت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں، یہاں بیٹے پر نفقہ کی ذمہ داری اس لئے ڈالی جائے گی کہ اُسے اس حدیث کی رو سے ترجیح حاصل ہے: "انت و ما لک لا بیلک" (یعنی تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے۔ نفقہ بجز قرابت داروں کے کسی اور پر واجب نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ صاحب توفیق ہو)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب توفیق کی کیا تعریف ہے؟ بعض علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ کلامک ہو، بعض لوگوں نے کہا ایسا

شخص جو کاشتکار یا تاجر ہو اتنا مال جمع رکھ سکتا ہو جس سے اُس کے اور اس کے بال بچوں کا خرچ پورا ہو کر اس قدر بچے کہ بطور نفقہ حقدار کو دے سکے یا ایسا شخص ہو جو یومیہ اجرت پر کام کرتا ہو اور اہل و عیال کے روزانہ خرچ کو پورا کر کے کچھ بچ جائے تو وہ صاحب توفیق ہے۔ نفقہ دینے والا نسبی رشتہ دار تو ہونا ہی چاہیئے اُس کا محرم ہونا بھی ضروری ہے لہذا چچا کی بیٹی پر واجب نہیں ہے کیونکہ وہ نسبی رشتہ دار ہونے کے باوجود نامحرم ہے۔ دودھ کے رشتے والے جو قرابت دار نہ ہوں اُن پر بھی نفقہ واجب نہیں ہے۔ مذہب کا اختلاف بھی نفقہ کو واجب نہیں کرتا، سب دو صورتوں کے باپ اور بیٹے کا رشتہ، میاں اور بیوی کا رشتہ،

**حضانہ (بچے کی پرورش)** حضانہ کے معنی گود کے ہیں، غاضنہ وہ عورت جو بچے کو اپنی آنکھوں میں پالتی ہے اصطلاح شرع میں حضانہ کے معنی بچے کو حتی المقدور مضرتوں سے بچانا اُسے صحت ستھرا رکھنا اور ضروریات صحت کا خیال رکھنا، حق حضانہ یعنی بچے کی پرورش کے حقدار اور اصلاح و تربیت کے ذمہ دار علی الترتیب یہ لوگ ہیں:-

۱۔ سب سے پہلے حضانہ کا حق ماں کو ہے خواہ وہ باپ کے نکاح میں ہو یا طلاق یافتہ ہو پھر ۲۔ نانی پر نانی ۳۔ دادی پر دادی ۴۔ حقیقی بہن ۵۔ سوتیلی بہن (جو ماں کی بیٹی ہو) ۶۔ خالہ ۷۔ بھوپتی کو ترتیب وار حق حضانہ حاصل ہے۔ اس باب میں مادری رشتوں کو پدری رشتوں پر اولیت حاصل ہے۔ خالہ کی بھوپتی کی ماموں اور چچا کی بیٹیوں کو حق حضانہ نہیں ہے، اسی طرح لڑکی کی پرورش بھتیجیوں کے بہرہ نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ اُس کے محرم نہیں ہیں۔ بچہ جس کو پرورش کے لئے سپرد کیا جائے اُسے عاقل و بالغ حضانہ کے لئے شرائط ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ چند اور بھی شرائط ہیں جن کا

محافظ رکھا جائے گا، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مرتد یعنی اسلام سے برگشتہ نہ ہو، دوسری شرط یہ کہ بدکار نہ ہو، چوری یا ایسا ذلیل پیشہ جسے لوگ اچھی نظر سے نہ دیکھتے ہوں مثلاً رقصہ توالیسے اشخاص کو حق حضانہ نہیں ہے تیسری شرط یہ ہے کہ عاقل نہ ہو بچے کے باپ کے سوا کسی اور سے شادی نہ کر لی ہو البتہ اگر اس نے اس کے پدری رشتہ دار مثلاً بچے کے چچا سے شادی

**بچے کی پیدائش** نکاح کی غرض سے جہاں شوہر اور بیوی کی عفت و عصمت کی حفاظت اور ان میں محبت و مودت، ہمدردی اور غلغلہ ساری کے جذبات پیدا کرنے، وہاں صالح اولاد کا حصول بھی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ضمن میں فرمایا ہے، سورہ نحل میں ارشاد ہے: **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَیِّنًا وَحَقًّا** (سورہ نحل آیت ۷۲)

اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے بوڑے پیدا کیے اور ان سے تمہارے بیٹے اور پوتے بنائے۔

سورہ فرقان میں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی:

**رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُوَّةً اَعِيْنِي** (سورہ فرقان - ۱۴)

اے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد میں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

**کان میں اذان دینا** اسلامی معاشرے میں کان میں اذان دینے کا طریقہ ہے (زاد المعاد) میں ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کانوں میں اذان دی اور اقامت پڑھی۔ اس سنت کی پیروی میں ہر مسلمان بچے کی ولادت کے بعد اس کو ہنلا دھلا کر دہسنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا چاہیے۔

**تحفیک** حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔ آپ نے خرما منگوایا اور چہا کر لعاب مبارک عبد اللہ کے منہ میں لگایا اور خرما تالو میں ملا اور خیر و برکت کی دعا فرمائی (زاد المعاد) امام بخاری امام مسلم اور امام ترمذی نے ایسی ہی روایات حضرت عائشہ سے نقل کی ہیں۔

**اچھا نام رکھنا** ابو داؤد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمہیں اپنے اپنے ناموں سے پکارا جائے گا۔ اس لئے بہتر نام رکھا کرو، سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ جس روز عقیقہ ہو اسی دن نام رکھا جائے۔

**عقیقہ** جس طرح قربانی کی جاتی ہے اسی طرح عقیقہ کا جانور بھی ذبح کرنا چاہیے اور بچے کا جو نام رکھنا ہو وہ رکھ کر کہے **اللّٰهُمَّ هَذِهِ عَقِيْقَةُ ابْنِ فُلَانٍ فَتَقْبَلْهُ** اے اللہ یہ عقیقہ میرے بیٹے کا ہے اسے قبول کر لے لفظ فُلَان کی جگہ وہ نام لے جو رکھنا چاہتا ہو۔ اگر کسی دوسرے

شخص کے بیٹے کی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو فُلَانِ ابْنِ فُلَانِ کہے یعنی بچے اور اُس کے باپ دونوں کا نام لے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کئے۔ زاد المعاد میں آپ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ تک رہن ہوتا ہے لہذا اس کی جانب سے ساتویں دن کی قربانی کی جائے۔ اُس کا سر منڈوایا جائے اور اُس کا نام رکھ دیا جائے۔ حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رض کا ایک بکری سے عقیقہ کیا اور فرمایا فاطمہ! اس کا سر منڈوادو اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو، حضرت عقی فرماتے ہیں کہ ہم نے بالوں کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔ (زاد المعاد) فقہانے کہا ہے کہ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو جب کرے پیدا کنش کے ساتویں دن کا خیال رکھنا بہتر ہے۔ عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے چاہے پکا کر بانٹے چاہے دعوت کر کے کھلائے۔ سب درست ہے۔ عقیقہ کا گوشت باپ ماں دادا دادی نانا نانی سب کو کھانا درست ہے۔

اگر عقیقہ نہ کر سکے تب بھی گناہ گار نہ ہوگا (بہشتی زیور)

**ختنہ** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ عام طور سے لڑکے کا ختنہ اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک وہ سمجھدار نہیں ہو جاتا تھا۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو عبد اللہ کی سند سے فرماتے ہیں کہ اگر ساتویں دن ختنہ کر دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ (زاد المعاد)

**بچے کی حفاظت کی دُعا** حصن حصین اور ترمذی میں یہ دعائیہ کلمات آنحضرتؐ سے منقول ہیں جنھیں بڑھ کر بچے پر دم کرنا یا لکھ کر گلے میں ڈال دینا چاہیئے

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ عَيْنٍ لَا مَاتَ  
 (میں اللہ کے پورے ہوئے والے کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیطان اور ہر بلیے جاننے کے شر سے اور ہر پہنچنے والی ہر آنکھ کے شر سے)

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اُسے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سکھا دو پھر بچے کو پہلی تعلیم بروانہ کر دو کب مر جائے۔ اور جب اُس کے دو دھکے دانست کر جائیں تو اُسے تِلْكَ تِلْكَ عَلَّمَ دُوحَ دو۔ (ترمذی۔ زاد المعاد)

کی ہے تو ہرج نہیں ہے، اجنبی شخص سے شادی کے بعد حق حضانت نہیں رہتا لیکن اگر وہ طلاق دیدے تو پھر حاصل ہو جائے گا، جو بھتی شرط یہ ہے کہ بچے کی نگہداشت میں غفلت کرنے والی نہ ہو، وہ مائیں جو تمام وقت گھر سے باہر رہتی ہیں اور بچے کی دیکھ بھال نہیں کرتیں انہیں حضانت کا حق نہیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بچے کا باپ خوش حال ہو اور ماں بچے کی پرورش سے انکار کر دے لیکن بھوبھی بلا معاوضہ پرورش کرنے پر آمادہ ہو تو وہ کر سکتی ہے ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ بچے کی ماں ام ولد نہ ہو (یعنی وہ کنیز جس سے بچہ پیدا ہوا ہو) ام ولد پر حضانت کی ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی۔

اگرچہ فقہاء کے نزدیک حق پرورش کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی مسلمان شوہر کی عیسائی بیوی کو بچے کی پرورش کا حق ہے تاہم اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ بچے کو سود کا گوشت کھلائے یا شراب پلائے یا یہ دیکھنا جائے کہ وہ بچے کو لیکر گھبرا جاتی ہے تو باپ کا حق ہے کہ بچہ کو اُس سے علیحدہ کرے کیونکہ دین و اخلاق کے پاکیزہ ماحول میں بچے کی پرورش ہونا ضروری ہے۔

**حضانت کی مدت** لڑکے کی پرورش کے لئے سات سال کی مدت اور لڑکی کے لئے نو سال کی عمر مقرر کی گئی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

اگر پرورش کنندہ ماں ہے تو لڑکے کے جوان ہو جانے تک اُس کی پرورش لازم ہے اور لڑکی کی مدت حضانت اس وقت تک ہے کہ شادی ہو جائے اور شوہر اُس کے ساتھ حق زوجیت ادا کرے۔

**حضانت کی اجرت** حاضنہ خواہ ماں ہو یا کوئی اور اُسے بچے کی پرورش کا معاوضہ لینا ثابت ہے، یہ اجرت بچے کی دودھ پلائی اور بچے کے نفقے کے علاوہ

ہے، باپ یا وہ شخص جس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے وہی دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی اجرت ادا کرے گا۔ حاضنہ کو خوراک و لباس مہیا کرنا اور اگر اُس کا کوئی مکان نہ ہو تو اُسے بھی فراہم کرنا لازم ہے، اگر بچے کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو صاحب حیثیت باپ کو اس کے لئے بھی حکم دیا جائے گا۔ ماں جو دائرہ زوجیت میں ہو اور بچے کے باپ سے علیحدہ نہ ہوئی ہو اُسے جس طرح دودھ پلانے کی اجرت کا حق نہیں ہے، اسی طرح پرورش کی اجرت لینے کا بھی حق نہیں ہے۔

## کتاب الیمین

### یمین کی تعریف

لغت میں یمین کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے (۱) دایاں ہاتھ (۲) قوت (۳) قسم۔ بعد میں اس کا استعمال حلف یعنی قسم کھانے کے لئے ہونے لگا۔ کیونکہ قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ جب لوگ باہم کسی بات پر حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ منہام کر کے قسم کھاتے یا اس لئے کہ قول و قرار کی پختگی اور قوت کو ظاہر کرنے کے لئے یمین یعنی دایاں ہاتھ سے اس لئے تشبیہ دی جاتی کہ وہ بائیں ہاتھ سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا۔

### یمین (قسم) کا حکم

کسی بات کو مؤکد کرنے اور اس میں زور پیدا کرنے کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔ نکاح و طلاق، ایلا و فلع، بیع و شرا میں قسم کھانے کی ضرورت اکثر پیش آتی ہے، چنانچہ متعلقہ ابواب میں قسم کھانے کا ذکر آیا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں جہاں معاملات قرض و رہن اور خرید و فروخت بیان ہوئے ہیں وہیں قسم کے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ قسم کا استعمال جس طرح بیع و تجارت مضاربت و مزارعت میں ہوتا ہے اسی طرح نکاح و طلاق، ایلا و فلع میں بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم نے معاشرتی معاملات کے ساتھ یہاں بیان کر دینا مناسب سمجھا۔ قسم کی شرعی حیثیت حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے جب حلف پر کسی امر واجب کی تعمیل موقوف ہو تو وہ واجب ہو جاتا ہے مثلاً ایک بے قصور انسان کو جس نے خون نہیں کیا موت سے بچانا اگر حلف پر موقوف ہو تو حلف اٹھانا واجب ہے، اسی طرح کسی ایسے کام کے لئے حلف اٹھانا جو ناردایا غلات حق ہو حرام ہے۔ قسم کھانا کبھی مستحب ہوتا ہے جب کسی نیک کام کی اہمیت جتنا اس کی طرف رغبت دلانا یا بری بات سے نفرت دلانا مقصود ہو اسی قبل سے ہے، جھگڑا مٹانے کے لئے قسم کھانا، مسلمان کے دل سے کینہ دور کرنے کے لئے یا کسی کو کسی کے شر سے بچانے کے لئے قسم کھانا وغیرہ کبھی اچھے کام کو چھوڑنے اور کسی ناپسندیدہ بات کو اختیار کرنے کی قسم مکروہ ہے اس کے برعکس طاعت الہی کے لئے یا ترک معصیت کے لئے قسم کھانا مباح ہے۔ اپنے مدعا کی تاکید کے لئے یا اپنے کو سچا ثابت کرنے کے لئے قسم کھانا بھی

مباح ہے، مثلاً آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: "فواللہ لا یہمل حتی تہلوا (خدا کی قسم، اللہ تو نہیں اکتائے گا مگر تم اکتا جاؤ گے) کسی امر کی اہمیت جتانے کے لئے قسم کی مثال آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحککم قلیلاً ولبیکم کثیراً (بجدا وہ بات جو مجھے معلوم ہے اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم بلاشبہ کم ہنسو اور زیادہ روؤ) جس طرح قسم کھانا واجب و حرام، مکروہ و مستحب اور مباح ہو جاتا ہے اسی طرح سے قسم توڑنا بھی کبھی واجب ہو جاتا ہے اگر کسی نے قسم کھا کر کہا شراب پیوں گا یا نماز نہیں پڑھوں گا تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ دے کبھی قسم توڑنا حرام ہوتا ہے جب صورت اس کے برعکس ہو، مثلاً بدکاری سے اجتناب کی قسم کھانا اور نماز مفروضہ قائم کرنے کی قسم کھانا تو ایسی قسم کا توڑنا حرام ہے۔ کبھی قسم توڑنا مستحب ہوتا ہے اگر کسی امر مستحب سے باز رہنے کی قسم کھائی اسی طرح اگر کسی امر مکروہ کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو اس کا توڑنا بھی مکروہ ہے کبھی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہوتا ہے مثلاً کسی مباح کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی جیسے کسی غذا کے نہ کھانے کی تو بہتر یہی ہے کہ اللہ کے نام کا پاس کرتے ہوئے اُسے پورا کرے اور اگر توڑ دی تو بہر حال کفارہ واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ دے مثلاً یہ کہ میں اپنے ماں باپ سے ایک دن یا ایک مہینہ کلام نہیں کروں گا۔ اگر کسی گناہ کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو اس پر فرض ہو گیا کہ قسم پر قائم رہے، اُسے ہرگز نہ توڑے و جب کو ترک نہ کرے اگر واجب ترک ہوتا ہو تو قسم کو توڑ دینا فرض ہے، اگر ایسے کام کی قسم کھائی جس کا نہ کرنا بہتر تھا یا جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر تھا یا کرنا نہ کرنا دونوں برابر تھے، اس کی مثالیں یہ ہیں۔ خدا کی قسم میں آج پیاز کھاؤں گا یا خدا کی قسم میں آج نماز چاشت پڑھوں گا یا خدا کی قسم میں آج روٹی نہیں کھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ احْفَظُوا اَیْمَانُکُمْ اپنی قسموں پر قائم رہا کرو، قسم میں اگر دقت کی قید نہیں لگائی گئی تو قسم کھانے والا ہر حالت میں قسم میں رہے گا اور اس کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوگا۔ اسی لئے بے وجہ اور بے مقصد قسم کھانا شریعت میں ناپسندیدہ ہے، اس سے خدا کی ذات یا اس کی کسی صفت کی توہین ہوتی ہے اور وہ شخص بھی ذلت و ابانت سے دیکھا جاتا ہے۔



**قسم کا شرعی ثبوت** اللہ تعالیٰ کی یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا تاکہ عہد کو پورا کرنے کی ترغیب اور اللہ کی عظمت کا اعتراف ہو۔

قرآن۔ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے قرآن میں ارشاد ہے:

لَا يَأْخُذُكُمْ اللَّهُ بِاللَّعْنَةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُعَذِّبُونَ بِهَا عَذَابَ الْإِنْسَانِ (مائدہ - ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں کرتا البتہ ان قسموں پر مؤاخذہ کرے گا جو تم نے کسی مقصد سے کھائی ہیں۔

ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: وَاللَّهِ لَا غُرُوقَ قُرَيْشًا (بخدا میں قریش سے ضرور جہاد کروں گا) یہ الفاظ حضورؐ نے تین بار فرمائے اور آخری بار انشاء اللہ کا اضافہ فرمایا روایات میں ان الفاظ کے ساتھ آنحضرتؐ کا قسم کھانا مذکور ہوا ہے لَا دُؤْلَاقِلْبِ الْقُلُوبِ (دلوں کو بدلنے والے کی قسم) اَوْزَوَالِدِي لَيْسَ مِنِّي بَيْدٍ (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے)

تمام فقہائے امت کا اجماع ہے کہ قسم امور شرع میں سے ہے۔

**قسم کی قسمیں** قسم کھانا تین طرح کا ہوتا ہے (۱) لغو (۲) منعقدہ (۳) غوس۔

قسم لغو وہ ہے جو بے کار اور بے مقصد کھائی جائے اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ۔ لغو قسم کی دو صورتیں ہیں کسی گزری بات پر سچ جاتے ہوئے یا صحیح گمان کرتے ہوئے قسم کھا لینا، حالانکہ وہ بات صحیح نہ ہو یا بلا ارادہ زبان سے قسم کے الفاظ نکل جانا جس کی نہ ضرورت ہو نہ مقصد، بعض لوگ دوران گفتگو قسم خدا کی کہہ جاتے ہیں یا بحکمہ کلام کے طور پر ان کے مُنہ سے بھی خدا کی قسم یا واللہ جیسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا ایسی قسموں کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ترجوا ان لا یؤاخذ اللہ بہا صاحبہا، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

قسم منعقدہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا ہے۔ تو جس کام کے کرنے کی قسم کھائی ہے اگر وہ نہ کرے یا جس کام کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اگر وہ کرے تو اُس پر کفارہ دینا لازم ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خدا تعالیٰ یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کا

نام لے کر کوئی بات ثابت کرنے یا انجام دینے کی قسم کھائی جائے تو وہ بڑ جاتی ہے قصد و ارادہ بھول چوک یا جبر کا سوال اٹھا کر اُس کو غیر مؤثر نہیں قرار دیا جائے گا مگر امام شافعیؒ اور امام مالکؒ قصد و ارادے کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن میں ”بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاِيْمَانَ“ کہا گیا ہے یعنی جن قسموں کو تم نے باندھ لیا ہو۔ دوسری جگہ ہے ”بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ“ یعنی جو کچھ تمہارے دلوں نے کمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسم میں دل کا ارادہ اور نیت نہ ہو تو وہ قسم نہ ہوگی۔ اس طرح بھول چوک اور زبردستی کی قسم منقذ نہ ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے ”رَفَعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتَكْبَرُوا عَلَیْهِ“ یعنی میری امت سے غلطی اور بھول معاف ہے اور وہ عمل جس پر مجبور کیا گیا ہو۔

قسم غموس یہ ہے کہ کوئی شخص دیدہ و دانستہ اللہ کی جھوٹی قسم کھائے، یہ ضروری نہیں کہ وہ ماضی کا ہی واقعہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت کا ہو۔ ماضی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے جانتے بوجھتے زید کو مارا اور پھر اُس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے زید کو نہیں مارا یا اُس نے خالد سے ایک ہزار روپے لئے اور پھر کہا خدا کی قسم خالد سے میں نے ایک ہزار روپے نہیں لیے حال کی مثال یہ ہے کہ کسی نے کہا خدا کی قسم یہ تو سونا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چاندی ہے۔ جھوٹی قسم عام طور پر کسی کا حق مارنے یا نقصان پہنچانے کے لئے کھائی جاتی ہے یا اپنی ذات کے لئے ناجائز فائدہ کمانے کے لئے اس شناعیت کے علاوہ دوسری شناعیت یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر جھوٹ بولا جاتا ہے جو انتہائی بدترین بات ہے، اسی لئے شریعت میں یہ گناہ کبیرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل اور والدین کی نافرمانی کے ساتھ اس کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا حق مار بیٹھتا ہے اُس پر جنت حرام ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ دل میں کچھ اور ہو اور قسم کے ذریعے زبان سے کچھ اور ظاہر کیا جائے تو یہ جھوٹی قسم ہے جس کا رشتہ نفاق سے مل جاتا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ اتَّخَذُوا اٰیْمَانَهُمْ جُنَتهُ فَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ  
 (بے شک منافقین جھوٹے ہیں جو اپنی قسموں کو ڈھال بناتے ہیں اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے) سورہ منافقون کی یہ آیت اُن منافقوں کے بارے میں ہے جو آپ کو سچا جاننے

ہوئے قسمیں کھا کر آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ ایسی قسم کا کفارہ نہیں اس کو غموس (ڈبلو دینے والی) اس لئے کہتے ہیں کہ دروغ طلفی گناہ میں غرق کر دیتی ہے اس کے لئے جہنم ہے۔

**قسم واقع ہونے کی شرطیں** قسم واقع ہونے کی چند شرطیں ہیں، ایک یہ کہ قسم کھانے والا مکلف ہو، لہذا نابالغ اور دیوانے کی قسم واقع نہیں ہوتی، دوسری یہ کہ با اختیار ہو۔ لہذا جبراً اگر قسم کھلائی گئی تو وہ واقع نہ ہوگی لیکن قسم کھانے کے بعد اگر جبراً تڑوا لی گئی تو وہ حانت (یعنی قسم توڑنے والا) مانا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قسم قصداً کھائی گئی ہو، لہذا ایسی قسم جو زبان پر بلا ارادہ عادتاً آجائے اسے قسم قرار نہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر قصداً کھائی ہوئی قسم کھول چوک سے ٹوٹ جائے تو وہ حانت ہو جائے گا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام یا اس کی صفات میں سے کوئی صفت ہو، پانچویں شرط یہ ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے وہ خود بخود ظہور میں آجانے والی نہ ہو۔ نہ مادہ نہ عقلاً، لہذا ایسی تمام قسمیں لغو ہیں جیسے خدا کی قسم سورج مشرق سے نکلے گا یا قسم خدا کی ہم مر جائیں گے، یا اللہ کی قسم یہ جسم مٹھوس ہے یا خدا کی قسم میں کل کا دن آج نہیں ٹوٹا کر لاؤں گا یا بخدا میں اس پتھر کو سونا نہیں بناؤں گا۔ تو اس طرح کی قسمیں واقع نہیں ہوں گی البتہ وہ باتیں جن کا کرنا عقلاً اور عادتاً ممکن ہے اگر ان کی قسم کھائی جائے گی تو پڑ جائے گی۔ مثلاً اگر قسم کھا کر کہا کہ میں اس گھر میں ضرور جاؤں گا یا اس گھر میں ہرگز نہ جاؤں گا تو یہ قسمیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ باتیں عقلاً و عادتاً ممکن ہیں ایسی بات جو صرف مادہ نامکمل ہو تو اس پر قسم کھاتے ہی وہ ٹوٹ بھی جائے گی مثلاً قسم اللہ کی میں پہاڑ کو اٹھا کر لاؤں گا یا آسمان پر چڑھ جاؤں گا "عقلاً اور عادتاً دونوں طرح نامکمل بات پر قسم کھانے کا بھی یہی حکم ہے یعنی قسم کھانے والا حانت مانا جائے گا۔ قسم واقع ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ کلمہ استثناء (ان شاء اللہ) سے خالی ہو۔ حنفی علماء کی رائے میں قسم کے لئے لازم ہے کہ اس میں کوئی استثناء نہ ہو خواہ یہ الفاظ مشیت جیسے انشاء اللہ یا "بجز اس کے کہ اللہ چاہے" یا ما شاء اللہ (جو بھی اللہ چاہے) یا بغیر الفاظ مشیت کے جیسے

”ما سوا اس کے کہ کوئی اور بات میری سمجھ میں آجائے“ یا ”میں ایسا نہ کروں گا بلا سوچے“ یا ”میں ایسا نہیں کروں گا بغیر اس کے کہ اور کوئی صورت پسند آجائے“

اس طرح استثنائے بعد اگر وہ بات کرنی تو معائنہ قرار نہیں دیا جائے گا اسی طرح اگر یوں کہنا۔  
 ”ایسا نہیں کروں گا بشرطے کہ اللہ نے میری مدد کی یا“ ایسا ضرور کروں گا بشرطیکہ اللہ نے سہولت دی“ وغیرہ وغیرہ اب اس طرح قسم کھانے کے بعد اگر وہی کام کر لیا تو نہ قسم ٹوٹی نہ کفارہ لازم ہوا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم میں استثناء مؤثر ہے لیکن طلاق کے بارے میں اگر ”اللہ نے مدد کی“ یا ”اللہ کی مدد سے“ کے الفاظ استعمال کئے اور ان سے مراد استثناء ہو تو اس کا فیصلہ اُس کے اور اللہ کے درمیان ہے، قاضی کی عدالت اس کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں دے گی۔

استثنائے صمیم ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا الفاظ اس طرح بولے جو سُننے اور سمجھے جاسکیں، دوسری شرط یہ کہ جس بات پر قسم کھائی اُس بات کے ساتھ ہی استثناء کے الفاظ بولے جائیں اگر دونوں کے درمیان غیر ضروری فاصلہ ہو گا تو استثناء بے فائدہ ہے مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق اور ساتھ ہی انشاء اللہ یا کوئی استثنائی الفاظ زبان سے ادا ہو گئے تو طلاق واقع نہ ہوگی، خواہ بلا ارادہ ہی وہ الفاظ ادا ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ قسم بھی معتبر نہیں ہے جہاں حلف کے الفاظ اور اس بات میں جس پر قسم کھائی جا رہی ہے فاصلہ ہو۔ لہذا حلف لینے کا یہ طریقہ کہ کسی سے اللہ کی قسم کھلائی، جب اس نے قسم کھالی تو کہا اب کہو کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو یہ قسم واقع نہیں ہوئی کیونکہ اُس نے دوسرے کی بات کو صرف دہرایا ہے اور اللہ کا نام لینے اور اس بات کے درمیان جو خاموشی رہی وہی فاصلہ ہے اللہ کا نام لے کر یا اللہ کی صفات میں سے کسی

وہ الفاظ جن سے قسم پڑ جاتی ہے صفت کا ذکر کے قسم کھائی جائے تو وہ قسم پڑ جاتی ہے جیسے اللہ کی قسم، خدا کی قسم، خدا کو حاضر ناظر جان کر، اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ کام ضرور کروں گا یا جیسے رحمن و رحیم کی قسم، عزت و جلال والے کی قسم، پروردگار کی قسم۔ رب العالمین کی قسم، اُس کی قسم جسے قدرت و کبریائی حاصل ہے تو ان سب صورتوں میں اگر کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی تو اُسے نہ کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر نہ کرنے کی قسم

کھائی ہے تو کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی، خدا کی ذات صفات کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس جرم میں وہ کفارہ ادا کرے کیونکہ اُس نے خدا کو اپنے اعمال کی ڈھال بنایا اور اُس کے احترام کو ملحوظ نہ رکھا، اگر کسی نے یوں کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کام نہ کروں گا تو یہ بھی خدا کی قسم کھانا ہے۔ کلام اللہ کی قسم کھانے سے بھی قسم بڑ جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کی عفت میں سے ایک صفت ہے۔ مصحف (کتاب اللہ) کی قسم منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اُس کی قسم کھائی گئی۔ حلف، شہادت، قسم اور عزم کے الفاظ سے قسم کھائی جاتی ہے، عربی میں "اَقْسَمْتُ بِاللّٰهِ" اَلَيْتُ بِاللّٰهِ "شَهِدْتُ بِاللّٰهِ" حَلَفْتُ بِاللّٰهِ "يَا عَزَّوَجْتَ بِاللّٰهِ" کہنے سے قسم واقع ہو جاتی ہے اگر ان الفاظ کے ساتھ اللہ کا نام نہ لیا جائے مگر دل میں اللہ کی نیت ہو تو بھی قسم بڑ جائے گی۔ البتہ نیچے دیئے ہوئے الفاظ سے قسم نہیں بڑے گی خواہ ارادہ قسم ہی کا ہو "اَسْتَعِينُ بِاللّٰهِ" (میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں) "اَعْتَصِمُ بِاللّٰهِ" یا "اَتَوَكَّلُ عَلَى اللّٰهِ" (خدا پر بھروسہ کرتا ہوں) "بِعَلَمِ اللّٰهِ" (اللہ کو علم ہے) "عِزَّ اللّٰهِ" (عزت اللہ کی ہے) "اَيُّكُمُ اللّٰهُ" (اللہ کی ذات برکت والی ہے) "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) "يَا سُبْحَانَ اللّٰهِ" (اللہ پاک ہے) وغیرہ۔

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کا حکم اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے قسم نہیں بڑتی، چنانچہ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کعبے کی یا جبریل کی یا کسی ولی یا بزرگ شخصیت کی قسم کھائے تو قسم نہیں بڑے گی، ایسی قسم کھا کر توڑ دی جائے تو اس کا کفارہ بھی نہیں ہے، ایسی قسموں میں اگر کسی کو اللہ کے برابر سمجھنے کا تصور ہے تو شرک ہے اور اگر رسول اللہ یا کعبے یا فرشتے وغیرہ کی توہین ہوتی ہو تو کفر ہے۔ حدیث میں ہے "مَنْ حَلَفَ لغيرِ الله فَعَدَّ اَشْرَكَ" (جس نے خدا کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا) بعض فقہانے قرآن کی قسم کھانے کو بھی غیر اللہ کی قسم میں داخل کیا ہے! مگر اُس سے قرآن کی جلد مراد ہو اور کلام الہی کا تصور نہ ہو۔

حلف یا تعلیق یعنی قسم کے ساتھ کسی امر کو وابستہ کرنا مثلاً یوں کہنا کہ "بمذا ایسا نہیں

کروں گا خواہ مجھے بیوی کو طلاق دینا پڑ جائے۔ حنفی علماء کے نزدیک یہ کہنا اسی وقت جائز ہے جب فریق تانی کو محض اپنی قسم کی پختگی کا یقین دلانا مقصود ہو۔ لیکن اگر یہ مقصد نہ ہو تو یہ ایک مکروہ قول ہے۔ یہی حال ان قسموں کا ہے؛ تیرے باپ کی قسم، تیری جان کی قسم، تیرے سر کی قسم وغیرہ۔

**دوسرے کی طرف سے قسم کھانا یا دلانا** کسی نے دوسرے سے کہا کہ واللہ یا بخدا تم ایسا ضرور کرو گے تو اگر اس سے مقصد مخاطب کو قسم دلانا ہے تو نہ تو یہ قسم ہوگی اور نہ اس سے کسی پر کچھ واجب ہوگا۔ لیکن اگر مخاطب کو قسم دلانا مقصود نہ ہو تو اس کو قائل کی طرح قسم سمجھا جائے گا، لہذا اگر مخاطب نے وہ کام نہ کیا تو کہنے والا حانت ہو جائے گا اور اُس پر کفارہ عائد ہوگا۔ مخاطب پر کچھ لازم نہ ہوگا لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد اس طرح کہنے سے صرف مخاطب کا ارادہ درپٹ کرنا تھا تو یہ قسم نہیں سمجھی جائے گی۔ یہ ہے علمائے احناف کی رائے، باقی تینوں ائمہ کے نزدیک بھی یہی صورت ہے تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کسی سے اللہ کی قسم کے ساتھ کوئی کام کرنے کو کہا جائے اور اس کام کو کر دینے میں اُس کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کی قسم کو پورا کر دیا جائے۔

**قسم کا کفارہ کب واجب ہوگا** قسم واقع ہونے کی شرطیں بیان کی جا چکی ہیں تو اگر ان شرطوں کے مطابق منعقد قسم کو توڑا جائے گا تو کفارہ واجب ہوگا اور اگر قسم نہیں ٹوٹی تو کفارہ واجب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے منت مانی ہے کہ یہ کام کروں گا اور وہ کام نہیں کیا تو کفارہ واجب ہو جائے گا۔ یا کہا کہ مجھے قسم ہے ایسا ضرور کروں گا، اگرچہ یہاں اللہ کا نام نہیں لیا پھر بھی قسم ہو جائے گی اور اگر وہ ٹوٹ گئی تو کفارہ دینا واجب ہوگا۔ یہ بات بھی کفارہ واجب کرتی ہے اگر کوئی شخص حلال چیز کو کہے کہ مجھ پر اس کا کھانا حرام ہے تو اس سے چیز تو حرام نہیں ہو جاتی لیکن اگر اُسے کھایا تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا، ہاں اگر اُس نے محض اطلاع دینے کے لئے کہا کہ فلاں شخص کا مال یا کوئی چیز مجھ پر حرام ہے تو قسم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ اگر

ایسا کروں تو اللہ سے پھروں۔ یا اللہ کی کتاب سے پھروں یا رسول اللہ سے پھروں، تو اگر اس نے وہ کام کیا تو قسم ٹوٹنے والا کفارہ لازم ہوگا، مگر یہ کہ خدا شاہد ہے یا فرشتے گواہ ہیں میں ایسا کروں گا یا اگر نہ کروں تو رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں تو ان الفاظ سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ یہ کہنا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو کافروں کے زمرہ میں ہوں تو اب اگر وہ اُسے کرتا ہے تو کفارہ دینا بڑے گناہ۔ اور اگر وہ اس بات کو کر چکا ہے اور پھر یہ کہہ رہا ہے تو وہ دروغ بھلی کا مجرم اور گناہ گار ہے۔

**قسم کا کفارہ ادا کرنے کا طریقہ** قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، ان تینوں باتوں میں سے ایک بات اختیار کی جاسکتی ہے۔ غلاموں کی خرید و فروخت اب ہوتی نہیں لہذا اُسے کفائے میں آزاد کرنے کا طریقہ ختم ہو گیا ہے۔ بس اب دو ہی طریقے ہیں، لیکن اگر ان دو میں سے کوئی بات نہ کر سکتا ہو یعنی فی الحقیقت عاجز ہو تو اب تین روزے رکھ سکتا ہے یعنی کفائے میں روزے تب ہی رکھے جائیں گے جب پہلی مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکتا ہو۔ کھانا کھلانے سے متعلق یہ امور ملحوظ رکھے جائیں: دس محتاجوں کو دو دنوں وقت کھانا کھلانے یعنی جن دس محتاجوں کو صبح کھلائے انھیں دس محتاجوں کو شام بھی کھلائے یا پھر صدقہ فطر میں فقیناغلہ دیا جاتا ہے اتنا اتنا غلہ دس فقیروں کو دے، یعنی ہر ایک کو پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا اس کی قیمت گیہوں کے بجائے گیہوں کا آٹا اور جو کے بجائے جو کا آٹا دیا جاسکتا ہے، دس آدمیوں کا آٹا بیس آدمیوں کو تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح کفائے کی پوری مقدار ایک ہی محتاج کو ایک ہی دن ایک دفعہ میں دیدینا یا دس دفعہ کر کے دیدینا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر دس دن تک ہر روز ایک ہی محتاج کو پوری مقدار جس کی (یا قیمت) دی گئی تو جائز ہے، کیونکہ دس مسکینوں کی شرط اس طرح پوری ہو جائے گی۔ ایک شخص کی خوراک دو آدمیوں میں بانٹنا درست نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جس مسکین کو صبح کھانا کھانا کھلایا جائے تو اُس کو شام کے کھانے کی قیمت دیدی جائے۔

کپڑا پہنانے سے متعلق یہ باتیں ملحوظ رہیں گی، دس مسکین اگر مرد ہیں تو ان میں ہر ایک

کا جوڑا لیا ہونا چاہیے کہ جسم ڈھک جائے، کرتا یا قمیص اور پانچماہ یا لنگی۔ عورتیں اگر ہیں تو اوڑھنی بھی دینا چاہیئے تاکہ نماز پڑھ سکیں۔ کپڑا بڑا نا نہ ہو اور اتنا مضبوط ہو کہ تین ماہ سے زائد عرصے تک پہنا جاسکے اور اوسط درجے کے لوگوں کے پہننے کے لائق ہو۔

روزے کا کفارہ صرف اسی حال میں درست ہے جب کھلانے اور پہنلانے کا مقدور نہ ہو۔ وہ شخص صاحب مقدور قرار دیا جائے گا جس کے پاس اتنا مال ہو کہ گزارے کے اخراجات نکال کر کفارہ دے سکے، غیر مستطیع کو یہ اجازت ہے کہ وہ قسم کے کفارے میں تین روزے رکھے۔ اگر مسلسل تین نہیں رکھ سکا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ روزہ کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ اس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک مقررہ تعداد مسلسل نہ پوری کی جائے، باقی تین امام قسم کے کفارے میں مسلسل روزہ رکھنا لازم نہیں سمجھتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ قسم کے کفارے میں جو حکم قرآن وحدیث میں مذکور ہوا ہے اُس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی گئی ہے:

(مائدہ - ۸۹)

مَنْ لَحِقَ فُجُورًا مَثَلًا فَلْيُقَاتِ يَوْمَهُ وَلْيَتَّخِذْ كَفَّارَةً لِّسَانِهِ

جس کو کھانا کپڑا دینا عیسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔

(ضوری نوٹ) فقہ کی کتابوں میں مختلف قسم کی مثالیں قسموں کی دے کر یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ وہ کن کن اعمال سے ٹوٹ جاتی ہیں اور کن اعمال سے نہیں ٹوٹتیں۔ اسی طرح قسم کے الفاظ سے بھی جو تغیرات اُس کی تعبیر میں واقع ہوتے ہیں بحث کی گئی ہے۔ کھانے پینے کے بارے میں قسم، گھر کے اندر جانے اور گھر سے باہر آنے کے بارے میں قسم، ترک کلام کے بارے میں قسم، خرید و فروخت کرنے نہ کرنے کے بارے میں قسم، نکاح کرنے یا نہ کرنے، قرض دینے یا نہ دینے اور طرح طرح کی قسموں کے بارے میں تفصیل سے مسائل بیان کئے گئے ہیں، ہم نے صرف اصولی باتیں اس کتاب میں بیان کر دی ہیں۔



## نذر کے مسائل

**نذر کی تعریف** نذریہ ہے کہ مکلف انسان اپنے اوپر کوئی ایسی بات واجب کر لے جسے شارع علیہ السلام نے ضروری قرار نہ دیا ہو اصطلاح میں اسے منت ماننا کہتے ہیں۔

**نذر کی حیثیت اور ثبوت** شریعت نے منت مانی ہوئی بات کو پورا کرنا واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ ماننے والا صحت مند ہو اور شرائط کو پورا کرتا ہو جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے **وَلْيُؤْفِكُوا زُكُورَهُمْ** چاہیے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

من نذر ان یطیع اللہ جس نے ایسی منت مانی کہ وہ اللہ کی

فلیطعہ و من نذر ان اطاعت ہے تو اُسے ضرور کرے اور

یعصى اللہ فلا یعصہ جس نے ایسی منت مانی جو معصیت

الہی ہے تو معصیت قطعاً نہ کرے۔

منت کو پورا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ بات ہو جائے جس کے لئے منت مانی۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نذر کو اگرچہ وہ عبادت ہی کی کیوں نہ ہو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر کی بابت فرمایا ہے کہ "انہ لیسریات بخیر" (اس سے کچھ فائدہ نہیں) ہاں نجیل سے کچھ خرچ کروانے کا ذریعہ ہے۔ نذر اللہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتی، البتہ اگر وہ بات جس کی منت مانی ہے پوری ہو جائے تو نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ امام مالک امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر نذر کو کار ثواب سمجھ کر اور شکر الہی بجالانے کے طور پر کوئی اپنے اوپر واجب کر لے کہ جب اللہ کا انعام اس پر ہو یا کوئی مشکل ٹل گئی یا کسی تکلیف سے نجات یا مریض کو شفا اللہ نے عطا کی تو شکر انے کے طور پر وہ کار ثواب بجالائے گا تو اس صورت میں منت ماننا مستحب اور اُسے

پورا کرنا فرض ہے۔ نذر جائز ہی حال میں ہے جب یہ خیال نہ ہو کہ اس نذر کے ماننے کی وجہ سے فلاں کام ہو جائے گا، ایسا خیال ہو تو وہ نذر حرام ہوگی، ایسی ہی نذر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

لَا تَنْذِرُوا حَانَ النَّذْرِ  
لَا يَرُدُّ مِنْ قِضَاءِ اللَّهِ شَيْئًا  
مَنْتَ نَهَ مَا نَكَرَ وَكَيْفَ مَنَّتَ اللَّهُ  
حُكْمٌ مِنْ سِوَايَ حَيْزٍ كَوْجِبِي نَهْنِ طَال  
(مسلم) سکتی۔

اگر منت پوری کرنے کو کار خیر یا اللہ کا شکر ادا کرنے پر نہیں بلکہ کسی اور عمل پر موقوف رکھا تو اُس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نذر کو کارِ ثواب اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں کوئی ثواب کا کام مثلاً روزہ، نماز، حج، صدقہ وغیرہ ادا کرنا ہوتا ہے اور شرعی امر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم فُلِیْخُوْا اِنْدُوْا هُمْ (چاہیے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں) قرآن پاک میں موجود ہے۔

نذر کی دو قسمیں ہیں (۱) نذر تبرُّز (۲) نذر لجاج

**نذر کی قسمیں** (۱) تبرُّز۔ برے مشتق ہے جس کے معنی نیکی کے ہیں۔ ایسی نذر جس میں نیک کام اور اللہ کا قرب حاصل کرنا پیش نظر ہو وہ نذر تبرُّز ہے، اس کی بھی دو ذیلی صورتیں ہیں: (۱) نذر جو کسی دلی مراد کے پورے ہونے پر موقوف ہو۔ مثلاً اگر مریض کو شفا ہوگئی تو شکرانے میں روزہ رکھوں گا، اس کو نذر عجزاً کہتے ہیں کیونکہ جو منت مانی ہے وہ کسی بات کے جواب میں ہے (۲) نذر جو کسی بات کے ہو جانے پر موقوف نہ ہو مثلاً میں نے نذر مانی ہے کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر روزہ رکھوں گا، یہ دونوں قسمیں نذر تبرُّز کی ہیں۔

۲۔ لجاج۔ ضد یا اصرار کی بنا پر یا غصہ اور ناراضگی کے موقعوں پر یہ نذر مانی جاتی ہے۔ اس سے مقصد کبھی کسی فعل سے باز رہنا ہوتا ہے مثلاً اگر میں فلاں شخص سے بات کروں تو مجھ پر خد اکایہ فرض ماند ہوگا یا اگر فلاں شخص ایسا کہے تو مجھ پر یہ فرض ماند ہوگا۔ پہلی مثال میں اپنے کو دوسرے آدمی کے ساتھ گفتگو سے باز رکھنا ہے، اور دوسری مثال میں دوسرے شخص کو کام سے روکنا ہے۔ اور کہیں اس نذر سے مقصد کسی کام پر خود کو آمادہ

کرنا ہوتا ہے، یا کسی اور کو آمادہ کرنا۔ مثلاً اگر گھر میں نہ گیا تو مجھ پر یہ کام لازم ہو گیا اگر اس نے یہ کام نہ کیا تو مجھ پر یہ واجب ہو گا اور کبھی اس نذر سے مقصد کسی بات کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً اگر وہ بات نہ ہوئی جو تم نے مجھ سے کہی تھی تو مجھ پر خدا کی طرف سے یہ لازم ہو گا۔

اس طرح نذر تبرر کی دو قسمیں اور نذر لجاج کی تین قسمیں، کل پانچ قسمیں ہوتیں۔ نذر تبرر کی دونوں صورتوں میں جو بات مانی ہے اُس کا پورا کرنا فرض ہے اور منت ماننے والے پر لازم ہے کہ نذر مشروط میں مراد حاصل ہونے پر جو منت مانی تھی اُسے پورا کرے اور غیر مشروط میں اگر وقت متعین کیا ہے تو اُسی وقت پورا کر دے اور اگر کوئی وقت متعین نہیں کیا ہے تو کچھ تاخیر کی جاسکتی ہے۔ نذر لجاج کی تینوں صورتوں میں جو منت بھی مانی ہو اگر وہ ثواب کے کام کی ہے تو درست ہے جو امور کا ثواب نہیں ہیں اُن کی نذر ماننا درست نہیں، تمام جائز نذروں کو پورا کرنا ہو گا ورنہ کفارہ عین حاکم ہو گا (یعنی قسم توڑنے کا کفارہ)

نذر تبرر صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ نذر ماننے والا مسلمان ہو، نذر پوری کرنے پر قادر ہو۔ بچہ، نابالغ یا مجنون زدہ نہ ہو۔ (نابالغ یا مجنون کی نذر اگر روزے یا نماز کی ہو تو درست ہے مانی نذر درست نہیں ہے۔)

جس بات کی نذر مانی گئی ہے اُس کی شرط یہ ہے کہ وہ کوئی ثواب کا کام ہو جس کی تعیین بنیادی طور پر شرع میں نہ کی گئی ہو (اگر نذر میں کوئی فرض عین مانا تو وہ نذر منعقد نہ ہوگی کیونکہ فرائض یعنی نماز پنجگانہ اور روزہ ماہ رمضان وغیرہ تو پہلے ہی شرعاً لازم ہیں) فعل کام ہو یا فرض کفایہ (نماز جنازہ وغیرہ) ہو اور نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہو تو نذر مانی جاسکتی ہے لیکن وہ تمام امور جو کار ثواب نہیں ہیں خواہ وہ حرام و مکروہ ہوں یا مباح، سب نذر ماننے کے قابل نہیں سمجھے جائیں گے، اور حرام کی نذر درست نہیں ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اور حدیث میں صراحت ہے کہ:

لا نذرن فی معصیۃ اللہ فعل گناہ کی نذر اور ایسی بات کی نذر  
ولا فیما لا یملکہ ابن آدم۔ ماننا جو آدمی کے بس میں نہ ہو درست نہیں ہے۔  
امر مکروہ کی نذر بھی مکروہ ہوگی مثلاً ہمیشہ روزہ رکھنے کی منت مانی تو وہ درست نہ ہوگی

امر مباح کی نذر جیسے ”میں گوشت نہیں کھاؤں گا، یا ایک میل تک پیدل جاؤں گا تو اگر یہ نذر پوری نہ کی تو کفارہ لازم آئے گا۔ بعض فقہاء کفارہ واجب نہ ہونے کے حق میں ہیں۔ اور وہ نذریں جس میں کارِ ثواب یا اللہ کی خوشنودی کے لئے کچھ کرنے کی منت مانی گئی ہو تو انہیں پورا کرنا یا کفارہ دینا لازم نہیں ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ امرِ معصیت کی نذر ماننے کو نادرست کہا گیا ہے اس میں وہ امر بھی شامل ہے جو بذاتِ خود معصیت نہ ہو مگر خارجی مسبب کی بنا پر گناہ ہو جائے مثلاً نماز پڑھنا بذاتِ خود کارِ ثواب ہے لیکن مقصود یہ یا ناجائز قبضہ کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا حرام ہے لہذا اس کی نذر ماننا بھی صحیح نہیں ہے۔

## وراثت

معاملات کے ضمن میں امانت، عاریت، ہبہ اور وصیت کا بیان جدا گانہ کیا گیا ہے یہاں وراثت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانی معاشرتی حقوق و واجبات اور صلہ رحمی سے ہے۔

**وراثت کے معنی** نفقہ میں وراثت کے معنی منتقل کرنے کے ہیں اس کا استعمال خاص طور پر مال اور جائیداد معزز و شرف کے لئے ہوتا ہے جیسے وراثت المال والمجد عن فلان (وہ فلاں شخص کے مال اور اس کی عظمت کا وارث ہوا)۔ اصطلاح میں کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے ترکہ کو مستحق لوگوں کی طرف منتقل کرنے کو وراثت کہتے ہیں۔

وراثت کی تعظیم کا طریقہ اور دائروں کے حصے شریعت نے متعین کئے ہیں ان کو بیان کرنے سے پہلے چند اصطلاحوں کو جان لینا ضروری ہے:

میت: وفات پانے والا شخص جس نے مال اور سامانِ زندگی چھوڑا ہے۔

ترکہ: وہ مال و اسباب جو متوفی نے چھوڑا اسے میراث بھی کہتے ہیں۔

وارث: وہ شخص جو متوفی کے چھوڑے ہوئے مال اور سامان کا شریعت کے حکم سے

مالک قرار پائے۔

مورث، ترکہ چھوڑنے والا یعنی میت جو اپنی زندگی میں اس مال و اسباب کا مالک تھا۔  
ذوی الفروض، وہ لوگ جن کا میت سے نسبی تعلق ہو اور اُن کا حصہ شریعت نے ترکے میں  
مقرر کر دیا ہو۔

غضبہ: جن کا میت سے نسبی تعلق مرد کے واسطے سے ہو اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو  
باقی بچے وہ اُن کا ہو۔

ذوی الارحام: وہ رشتہ دار جن کا تعلق میت سے عورت کے واسطے سے ہو مثلاً خالہ اور  
نواسی وغیرہ۔

حقیقی بھائی بہن: جنہیں عینی بھی کہتے ہیں وہ ہیں جو میت کے باپ اور ماں کی اولاد ہوں۔

انسانی بھائی بہن: جو میت کی ماں کی اولاد ہوں، لیکن اُس کے باپ کی اولاد نہ ہوں۔

علاقائی بھائی بہن: جو میت کے باپ کی اولاد ہوں لیکن اُس کی ماں کی اولاد نہ ہوں۔

محروم، وہ شخص جو اپنے کسی غلط فعل کی وجہ سے ترکے میں اپنا حق کھو چکا ہو۔

محبوب: وہ شخص جو کسی وارث کی موجودگی میں خود وارث نہ قرار پائے۔ اس کی دو صورتیں

ہو سکتی ہیں یا تو وراثت میں اُس کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہو جائے گا،

اُسے مُجِب نقصان کہتے ہیں یا اُس کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے بالکل نہ رہے

گا اُسے مُجِب حرمان کہتے ہیں۔

اصول، میت کے باپ دادا، پردادا۔

فروع: میت کے بیٹے پوتے اور بیٹے پوتی۔

مورث کا چھوڑا ہوا مال اُس کے وارثوں کی میراث ہے

مورث کی وفات کے بعد لیکن اُسے اُس وقت تک تقسیم نہیں کیا جائے گا جب

تک تین چیزوں کا خرچ اس سے پورا نہ کر لیا جائے (۱) تجہیز و تکفین (۲) قرض (۳) وصیت۔

قرض و وصیت کا بیان دوسری جگہ ملے گا۔ یہاں صرف تکفین و تدفین کا ذکر کیا جا رہا ہے

میت نہ جو کچھ چھوڑا ہے اُس میں سب سے پہلے کفن اور دفن کا سامان کیا جائے گا

مگر اس میں فضول خرچی جائز نہیں ہے۔ بلکہ فضول خرچی کرنے والے کو ایسے زائد مصارف خود برداشت کرنا ہوں گے۔ کفن اسی حیثیت کے کپڑے کا ہو جیسا متوفی اپنی زندگی میں استعمال کرتا رہا ہو لیکن زیادہ کم قیمت کفن نہ دینا چاہیے اور اس معاملے میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ اسراف نہ ہو۔

قبر ہر حال میں کچی بنانا چاہیے چاہے میت غریب کی ہو یا مالدار کی۔ قبر کی کھدائی کا خرچ ترکے سے لینا چاہیے، اگر قبر کے لئے زمین خریدنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی قیمت بھی ترکے سے لی جاسکتی ہے، مگر عام حالت میں اس سے زیادہ اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ قبر کے تختوں کی قیمت بھی ترکے سے لینا چاہیے، اگر ضرورت ہو تو نہلانے والوں اور قبر تک پہنچانے والوں کو بھی مزدوری دی جاسکتی ہے اگر اعزہ و اقارب خوشی سے خرچ برداشت کر لیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ میت کا ترکہ اس کے وارثوں کا حق ہے اس لئے فضول خرچی دو ہرے گناہ کا سبب ہوگی، ایک سنت نبوی کی مخالفت کا گناہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی جس کی اہمیت اس قدر ہے کہ اگر مورث اپنی تجہیز و تکفین پر حقیقی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کی وصیت کر جائے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تدفین کے وقت صدقات دینا یا میت کو دفن کرنے کے لئے جو لوگ آئیں ان کی تواضع کرنا تو اگر بالغ ورنہ اپنے حصے سے اس پر خرچ کرتے ہیں تو کوئی ہرج نہیں مگر جو وارثان ایسا اپنی خوشی سے نہیں کرتے بلکہ محض نام و نمود کی خاطر، تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح نابالغ وارثوں کے حصے سے بھی صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں ہے۔ تیجہ۔ چہلم۔ برسی کا دستور خواہ اس میں ترکے سے خرچ کریں یا اپنے پاس سے، ناروا ہے، یہ دستور نہ تو سنت ہے اور نہ صحابہ اور تابعین نے ایسا کیا ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

وارث کے علاوہ کسی شخص کی طرف سے تجہیز و تکفین کی پیش کش اگر کوئی شخص ثواب کی نیت یا محبت میں تجہیز و تکفین کرنا چاہے تو وارثوں کی مرضی سے کر سکتا ہے، وارثوں کو یہ پیش کش قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق ہے۔

بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ سب سے پہلے شوہر کے ادب ہے اگر شوہر موجود نہ ہو تو بیوی کے ترکے سے لیا جائے گا۔

جس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو اُس کی تجہیز و تکفین کا خرچ وارث ہوتے ہیں وہ لوگ میت کی تجہیز و تکفین پر خرچ کریں گے اگر اُس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو نصف خرچ وہ اٹھائے گا جو آدھے ترکے کا حقدار ہوتا اور باقی نصف ان وارثوں کو دینا ہو گا جو ہم ترکے کے حقدار ہوتے۔

لا وارث کی تجہیز و تکفین ایسی میت کی تجہیز و تکفین جس کا نہ کوئی وارث ہو نہ رشتہ دار اسلامی حکومت پر یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو محلہ کے یا بستی کے لوگوں پر واجب ہے حکومت بیت المال سے خرچ کرے گی اور بستی کے لوگ آپس میں چندہ کر کے خرچ کریں گے۔

مورث کے ذمے قرض مورث وفات سے پہلے کسی کا مقروض ہو اور اس کا علم وارثوں کو ہو یا اس کا اقرار اُس نے مرض الموت میں کیا ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد اس طرح کے تمام قرضے ادا کرنے کے بعد ترکہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ قرض میں بیوی کا مہر اور اگر کسی چیز کا نقصان ہو گیا ہو تو اس کا تاوان بھی شامل ہے۔ وہ فرائض عبادات جن کے ادا نہ کرنے پر فدیہ واجب ہو گیا ہو یا نماز کا کفارہ دینا ہو یا زکوٰۃ واجب ہو تو حکم ہے کہ زکوٰۃ تو اُس کے مال سے دیدینا چاہئے لیکن قرض کے ادا کر چکنے کے بعد جو کچھ بچے اس میں سے پر حقہ کفارہ فدیہ اور وصیت کو پورا کرنے میں خرچ کیا جائے گا اگر ان کی مقدار پر سے زیادہ ہو تو پھر ورثہ کی مرضی پر ہے کہ وہ زائد مقدار کو ادا کریں یا نہ کریں بہر حال پر کے اندر وصیت کے مطابق ادا کرنا واجب ہے۔

ترکہ کی تقسیم قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تکمیل کے بعد میت کا ترکہ خیریت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کبھی ایسے

اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کے باعث ایک وارث ترکے میں اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے یا اُس کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔

**محروم ہونے کے اسباب** بالکل محروم ہو جانے کے دو اسباب ہیں، مورث کا قتل اور دین میں اختلاف۔

۱۔ اگر کسی بالغ وارث کے ہاتھ سے مورث کا قتل ہو گیا خواہ وہ عمدہ اور ظلماً کیا گیا ہو یا غلطی سے ہوا ہو تو وہ مورث کے ترکے سے بالکل محروم ہو جائے گا۔ محروم ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ عقل و ہوش رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ وہ بالغ ہو، تیسرے یہ کہ قتل اپنے دفاع میں نہ کیا گیا ہو۔ پاگل اور نابالغ شرعی پابندی سے آزاد ہونے کے سبب ناقابل مواخذہ ہیں اس لئے اُن سے قتل کا ارتکاب ہونا جرم قابل سزا نہیں قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر وارث نے ظلم سے قتل نہیں کیا بلکہ اپنا بچاؤ کرنے میں مورث کا قتل ہو گیا تو وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

۲۔ کوئی مسلمان نہ کسی غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی غیر مسلم مسلمان مورث کی وراثت پاسکتا ہے، اسلامی شریعت دونوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار نہیں دیتی۔ یہی حکم مرتد یا دین اسلام سے پھر جانے والا کا ہے کہ وہ بھی مسلمان کی وراثت سے محروم رہے گا۔

**محبوب ہو جانے والے وارث** وہ وارث جو اپنے فعل سے نہیں بلکہ دوسرے کسی وارث کے بیچ میں حائل ہونے کے سبب حجاب

(پردے) میں آجاتے ہیں اور اس وجہ سے یا تو اُن کا حصہ میراث میں کم ہو جاتا ہے یا بالکل نہیں رہتا، پہلی صورت کو شریعت میں حجب نقصان اور دوسری صورت کو حجب حرمان کہتے ہیں۔

وہ وارث جو دوسرے وارث کے باعث محبوب نہیں ہوتے حجب نقصان یا حجب حرمان

سے دو وارث متاثر نہیں ہوتے یعنی وہ نہ اس بنا پر وراثت سے محروم ہو سکتے ہیں اور نہ اس بنیاد پر اُن کا حصہ کم کیا جاسکتا ہے وہ دو وارث میت کا بیٹا اور بیٹی ہیں۔



جن وارثوں کا حصہ دوسرے وارثوں کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے،

## حجب نقصان کی تفصیل

- ۱۔ اگر ذوی الفروض (وارثوں) میں صرف میت کے ماں باپ ہوں تو ان کو میراث کا پلہ ملتا ہے لیکن اگر میت کے بیٹا بیٹی وغیرہ بھی ہوں تو پھر ماں باپ کا حصہ گھٹ کر پلہ رہ جاتا ہے۔
- ۲۔ ماں کا حصہ میراث میں پلہ ہے۔ جس طرح اُس کے لڑکوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ گھٹ جاتا ہے اسی طرح میت کے بھائی بہن یا اُس کی اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی ماں کا حصہ پلہ سے پلہ ہو جائے گا۔
- ۳۔ شوہر کے ترکے میں بیوی کا حصہ چوتھائی پلہ ہے لیکن اگر شوہر نے اولاد چھوڑی ہے تو ان کی موجودگی میں بیوی کا حصہ آٹھواں پلہ ہو جائے گا۔
- ۴۔ بیوی کے ترکے میں شوہر کا حق نصف (پلہ) ہے لیکن اگر بیوی کے بطن سے کوئی اولاد ہے تو پھر شوہر کو صرف چوتھائی (پلہ) کا حق ہوگا۔
- ۵۔ اسی طرح پوتی کا حصہ حقیقی بیٹی کی موجودگی میں۔ علاقائی بہن کا حصہ حقیقی بہن کی موجودگی میں دادا کا حصہ اولاد کی موجودگی میں کم ہو جاتا ہے۔

وہ وارث جو بعض وارثوں کی موجودگی میں بالکل محروم ہو جاتے ہیں یہ ہیں:

## حجب حرمان کی تفصیل

- ۱۔ اگر میت کے وارثوں میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، یا باپ دادا میں کوئی موجود ہو تو حقیقی اور انیائی (ماں کی طرف سے) بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں۔
- ۲۔ اگر میت کے بیٹے موجود ہوں تو پوتا پوتی کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ شریعت نے ذوی الفروض میں ترکے کی تقسیم میں جو ترتیب قائم کی ہے وہ اس طرح ہے کہ پہلے قریب تر کو ملے پھر اس سے دور کو یعنی بیٹے پھر پوتے اور پھر ان سے نیچے کے لوگ، اسی طرح باپ پھر دادا اور پھر ان سے اوپر کے لوگ غرض جو لوگ نسبی تعلق اور ترتیب کے اعتبار سے قریب تر ہوں گے وہ ترکہ پانے کے حقدار ہوں گے اور جو اسی ترتیب سے جتنے دور

ہوں گے وہ قریب تر کی وجہ سے محبوب ہو جائیں گے مثلاً باپ سے دادا محبوب ہو جائے گا اور دادا سے پردادا اسی طرح لڑکوں سے پوتے محبوب ہو جائیں گے اور پوتوں سے پاپوتے اسی طرح ماں کی موجودگی میں نانیاں اور دادیاں محبوب ہوں گی۔

۳۔ سائے ذوی الارحام، ذوی الفروض اور عصابات کی موجودگی میں ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے مثلاً نانا، نانی، بھانجا، بھانجی، خالہ، ماموں، بھوپتی وغیرہ محبوب ہو جائیں گے اگر میت کے بیٹے، بیٹی، ماں باپ اور بھائی موجود ہیں۔

**محبوب پوتے کا مسئلہ** شریعت نے جو تقسیم وراثت کی ترتیب رکھی ہے وہ بڑی مضبوط و مستحکم ہے جس کو اگر ذرا بھی بدلا جائے تو استحکام باقی نہیں رہتا۔ پوتا وراثت سے محبوب ہو جاتا ہے جب اُس کے باپ اور چچا یا دونوں میں سے کوئی ایک موجود ہو، اب اگر مورث کی زندگی میں ایک بیٹا وفات پا گیا اور وہ اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑ گیا تو شریعت کے مطابق مورث کا ترکہ اُس کے زندہ بیٹوں کو ملے گا اور وہ پوتا جو یتیم ہے محبوب ہو جائے گا۔ اسلام نے شرعی قوانین کے ساتھ ساتھ اخلاقی ہدایات بھی دی ہیں۔ قانون پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے بھی یتیم پوتے کے محبوب الارث ہونے کی تلافی کی گئی ہے، شریعت نے ہر مورث کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ہر حصہ جس کا خیر میں لگانا چاہے اُس کی وصیت کرے لہذا مورث کو اپنے یتیم پوتے کے لئے ہر کی وصیت کرنے کا حق ہے، اس کے علاوہ وہ اپنی زندگی میں یتیم پوتے کے لئے دوسری صورتیں بھی نکال سکتا ہے۔ یتیم پوتے کے علاوہ یتیم نو اسے یتیم بھانجے اور یتیم بھائی بہن کے لئے بھی کچھ کیا جاسکتا ہے لیکن شرعی قوانین میں تغیر کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔

**یتیم اور بے سہارا لوگوں کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات** یتیم اور بے سہارا لوگوں کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات تو لوگوں کے لئے اُن کے سرپرستوں، خاندان والوں، اسلامی جہالتوں اور حکومت کی جو ذمہ داریاں ہیں انھیں قرآن کی آیات اور ارشادات نبوی میں دیکھا جائے اور ان احکام پر عمل کیا جائے۔ قرآن کریم میں آغاز نزول سے آخر تک حقوق اللہ کی بنیادی باتوں کے ساتھ ہی ساتھ

بندگان خدا کے حقوق پر بھی برابر احکام نازل فرمائے جاتے رہے، ماں باپ کے بعد یتیموں اور بے نواؤں کے ساتھ حسن سلوک کو بہت بڑی نیکی بتایا گیا ہے۔ سورۃ البلد میں ارشاد ہے:-

فَلَا تَقْرَبُوا مَالَهُمْ ذَاتَ الْقُرْبَىٰ ۖ وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَتَرَكُوا مِصْلَافًا ۚ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَهُمْ ذَاتَ الْقُرْبَىٰ ۖ وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَتَرَكُوا مِصْلَافًا ۚ (سورۃ البلد-۱۱ تا ۱۶)

تو اس نے وہ گھائی نہیں عبور کی اور جانتے ہو کر وہ کیا گھائی ہے؟ کسی کی گردن غلامی سے چھڑانا یا تکلیف اور فاقے کے دن کسی رشتے دار یتیم کو کھانا کھلانا یا کسی خاک بسر غریب نادار کو کھلانا۔

یعنی جوانی ہمدردی کی اس بلندی تک بھی نہ آسکا کہ کسی انسان کو غلامی کے بھینسے سے چھڑا دے یا کسی اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلا دے جبکہ وہ فقر و فاقے میں مبتلا ہو یا کسی خاک نشین مسکین کا پیٹ بھر دے تو وہ انسانیت کے اونچے مراتب تک کیسے پہنچ سکے گا۔ سورۃ الضحیٰ میں ہے :

فَإِنَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْرَبُ ۖ وَإِنَّا السَّكِينَ فَلَا تَقْرَبُ ۖ (الضحیٰ ۹، ۱۰)

تو تم یتیم پر کوئی ظلم اور دباؤ نہ ڈالو اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دو۔ انسان اپنی ذرا اسی تکلیف پر شکایت کرنے لگتا ہے لیکن کسی غریب کی تکلیف کا اُسے کچھ محسوس نہیں ہوتا، اس خود غرضی پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَهُمْ ذَاتَ الْقُرْبَىٰ ۖ وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَتَرَكُوا مِصْلَافًا ۚ (سورۃ فجر ۱۶ تا ۱۹)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم خود یتیم کی دلداری نہیں کرتے اور نہ دوسروں کو حوصلہ دلتے ہو کہ مسکین کو کھانا دیں اور ترے کا سارا مال میٹ کر کھا جاتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم پر شفقت کرنے اور اس کے اجر و ثواب کے بارے میں فرمایا کہ، ”جس نے خدا کی مرضی کے لئے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس یتیم کے سر کے ہر بال کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھی جائے گی۔“ (ترمذی)

آپ نے فرمایا کہ:

”یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے (آپ

نے دو انگلیاں ملا کر دکھائیں)“ (بخاری)

آپ نے فرمایا۔ ”جو شخص یتیم کو اپنے کھانے میں شریک کر لے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔“

آپ نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کو بھلائی کا معیار اور اُن کے ساتھ بدسلوکی کو بُرائی کا معیار بتایا:

خَيْرُ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يَسْأُوْهُ الْكَلِمُ (ابن ماجہ)

مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ

اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر مسلمانوں کا وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔

ان ہدایات کے بعد یہ کہنا کہ اسلامی قانون پوتے کو دادا کے ترکے سے محروم کیے کے انصاف نہیں کرتا بالکل بے معنی ہے۔ پوتا اپنے باپ کے ترکے سے کسی مال میں محروم نہیں ہے دادا کے ترکے سے براہ راست حصہ نہ پانے کے باوجود یتیم ہونے کی صورت میں اس کو ایسی مراعات دی گئی ہیں جو اُسے محرومی کا احساس بھی نہیں ہونے دیتیں۔ مسلم معاشرہ جن اخلاقی قدروں پر استوار ہے وہ معاشرے کے کسی فرد کو بھی بے یار و مددگار نہیں رکھے گا۔

۱۔ اگر میت کا ایک لڑکا بالغ اور کم عمری اور بیوگی حق وراثت کیلئے مانع نہیں ایک نابالغ ہے تو ترکے سے

حصہ دونوں کو برابر ملے گا۔

۲۔ کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو شوہر کے ترکے سے حسب دستور حصہ پائے گی خواہ اُس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا ہو۔ دوسرا نکاح اُسے ترکے سے محروم نہیں کرتا۔

نافرمان اولاد اور حق وراثت بدکردار اور نافرمان لڑکا جسے عام طور پر لوگ عساق کہتے ہیں، وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا اُس کو اپنے مورث کی وفات کے بعد شرعی حصہ ملے گا البتہ اگر جائیداد متروکہ کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے وارث کے لئے حجر کا قانون نافذ کر کے جائیداد اور مال پر تصرف کرنے سے عارضی طور پر روکا جاسکتا ہے، بالکل محروم نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔ سوتیلے لڑکے اپنے سوتیلے باپ میت کے رشتہ دار جو وارث نہیں ہوتے کے اور باپ اپنی سوتیلی اولاد کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک عورت نے بچے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کیا مثلاً افضل سے پھر خالد سے اور دونوں کی اولادیں ہیں تو افضل کے لڑکے خالد کی جائیداد سے کوئی ترکہ نہیں پائیں گے اور نہ افضل کے لڑکوں کی جائیداد سے خالد کو کوئی ترکہ ملے گا۔

۲۔ اسی طرح ایک مرد کی اولاد دو بیویوں سے ہو تو اولاد اپنے باپ کے ترکے سے تو حصہ ملے گی لیکن ایک بیوی کے لڑکے دوسری بیوی کے ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے اسی طرح دونوں مائیں اپنی سوتیلی اولاد کی میراث سے ترکہ نہیں پائیں گی۔

شوہر اور بیوی کے قرابت داروں کا ترکہ شوہر کے باپ دادا، ماں اور بھائی بہن کے اور بیوی کے باپ دادا، ماں اور بھائی بہن کے درمیان اگر کوئی خونی رشتہ نہ ہو تو نہ تو بیوی اپنے ساس، بھروسہ، دیور اور نند کی میراث سے حصہ پاسکتی ہے اور نہ شوہر اپنے سسر، سالی، ساس اور سالیوں کی میراث سے حصہ پاسکتا ہے۔

میراث کی بنیاد خدمت و احسان نہیں ہے ایک شخص اپنے دوست کی خدمت کرتا رہا اور اُس کی ضروریات پوری کرتا رہا تو اس خدمت و احسان کے بدلے وہ اپنے دوست کی میراث کا حقدار نہیں ہوگا۔ میراث اُس کے قانونی وارثوں کو ہی ملے گی۔ اسلامی معاشرہ اپنے افراد کے درمیان کاروباری تعلقات کو قرابت کے تعلق کا درجہ نہیں دیتا، البتہ بے غرض خدمت و احسان کا اجر اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی قرار دیتا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں حاصل ہوگی۔

اگر کسی مورث کے دو وارث ہوں ایک فرماں بردار اور خدمت گزار ہو اور دوسرا نافرمان اور سرکش ہو تو بھی ترکے کی تقسیم دونوں میں قانون کے مطابق ہوگی۔ فرماں برداری کا اجر اور اور نافرمانی کی سزا آخرت میں ملے گی۔

**متبنی کا میراث میں حق نہیں** میراث صرف مستحق رشتہ داروں کے لئے ہے عذاب اگر کسی نے کوئی لڑکا یا کوئی لڑکی پال لی تو اُس کے ساتھ جو سلوک چاہے اپنی زندگی میں کر سکتا ہے لیکن اُس کا حق اُس کے ترکے پر نہیں ہے جو اس کی موت کے بعد رہ جانے والا ہے۔ مستحق وارثوں کو محروم کرنا سخت گناہ ہے۔

**ناجائز اولاد وارث نہیں** زنا سے جو لڑکا لڑکی پیدا ہوں وہ زانی کے ترکے سے حصہ نہیں پاسکتے اور نہ زانیہ کا اُس مرد کی میراث میں کوئی حصہ ہے البتہ یہ لڑکے لڑکیاں اپنی ماں کے ترکے سے حصہ پائیں گے۔

**وہ میت جس کا وارث نہ ہو** اگر کوئی شخص بعد وفات ترکہ چھوڑے لیکن قانونی حق وراثت کسی کو نہ پہنچتا ہو تو اگر اسلامی حکومت ہے تو وہ مال اُس کے قبضے میں چلا جائے گا اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی جماعت کے امانت دار دیندار لوگ اُسے یا تو فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیں یا کسی کار خیر میں لگا دیں جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچتا رہے، فقراء و مساکین میں وہ لوگ مقدم ہوں گے جو میت کے عزیز و اقارب ہوں مگر ترکے میں شرعی حق نہ ہو۔

## ترکے کی تقسیم کے مسائل

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ تہید تھی یہ سمجھنے کے لئے کہ وراثت کے حقدار کون لوگ ہوتے ہیں اور جن کو حق نہیں پہنچتا وہ کون کون لوگ ہیں۔ اسی میں محروم اور محبوب کا بھی ذکر آگیا ہے، اب ترکے کی تقسیم کے طریقے اور وارثوں کی تعداد کے لحاظ سے ترکے میں حصے لگانے

کے مسائل اور حصّوں کے مقدار کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں بنایا جا چکا ہے ورثہ پانے والے رشتہ دار تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ (۱) ذوی الفروض (۲) عصبہ (۳) ذوی الارحام۔ ہر ایک کے حصّے کی الگ الگ تفصیل ہے۔

**ذوی الفروض** ذوی الفروض ان وارثوں کو کہتے ہیں جن کے حصّے کی مقدار قرآن وحدیث میں مقرر کر دی گئی ہے، جب تک ان لوگوں کو ترکے سے حصّہ نہ مل جائے، دوسرے قسم کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔ سورہ نسا کے دوسرے رکوع میں ان تمام ذوی الفروض کا ذکر ہے، یہ کل تیرہ آدمی ہیں (۱) باپ (۲) دادا (۳) ماں (۴) بیٹی (۵) بھتیجی (۶) شوہر (۷) بیوی (۸) حقیقی بہن (۹) اختیائی بھائی (۱۰) اختیائی بہن (۱۱) حلاق بہن (۱۲) جدہ صحیحہ (ذوی) (۱۳) جدہ فاسدہ (ثانی) ان آیات کی ابتدا ”يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ“ سے ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو یہ وصیت کرتا ہے، ان الفاظ سے کہی جانے والی باتوں کی اہمیت کو پہلے سے واضح فرمایا ہے اور آخر میں ہے ”تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ“ یہ اللہ کی مقرر کردہ حد بندیاں ہیں ”وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاسًا مَّا اُخْلِدَ فِيهَا ذَٰلِكَ عَذَابُ اَبٍ مُّهِينٍ“ جو کوئی اللہ اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اور ان حد بندوں سے باہر جائے گا اُسے ہمیشہ کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

۱۔ باپ کی حیثیت اور اس کا حصّہ باپ ذوی الفروض میں ہے اور اُس کی اصل حیثیت یہی ہے لیکن بعض وارثوں کے

نہ ہونے کی وجہ سے وہ عصبہ بھی ہو جاتا ہے اور اُس کا حصّہ بڑھ جاتا ہے۔ ذوی الفروض کی حیثیت سے اُس کا حصّہ پہلے سے کبھی کم نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ جب وہ عصبہ بھی ہوتا ہے تو کبھی پہلے اور کبھی اس سے زیادہ حصّہ ہو جاتا ہے۔

باپ کو بیٹے کی میراث سے ترکہ ملنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں، ذیل میں ان کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

(۱) مرنے والے نے کوئی نرینہ اولاد چھوڑی تو باپ کا حصّہ پہلے ہوگا۔ مثلاً خالد نے وفات

پانی اور اس کی بیوی، ایک لڑکا اور والد ذوی الفروض میں ہیں تو بیوی کو آٹھواں اور باپ کو چھٹا اور باقی لڑکے کا حصہ ہوگا۔ ۸ اور ۶ کا ذواضعات اقل ۲۴ ہوتا ہے لہذا کل جائداد کو ۲۴ حصوں میں تقسیم کر کے ۱۲ یعنی ۳ حصے بیوی کو اور ۱۲ یعنی ۳ حصے باپ کو اور باقی ۱۷ حصے لڑکے کو ملیں گے۔ گویا جب میت کی کوئی نرینہ اولاد ہوگی تو باپ کو ۱۲ ہی ملے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا۔

(۲) مرنے والے نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی لیکن بیٹی (یا پوتی) چھوڑی تو اس صورت میں بھی ذوی الفروض کی حیثیت سے باپ کا حصہ تو ۱۲ ہی رہے گا لیکن لڑکی کی موجودگی میں وہ ذوی الفروض کے ساتھ عصبہ بھی ہو گیا اس لئے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی رہ جائے گا وہ بھی باپ کو ملے گا مثلاً دیر دی ہوئی مثال میں اگر لڑکے کی جگہ لڑکی ہوتی تو تقسیم یوں ہوتی ۲۴ حصوں میں سے ۱۲ یعنی تین حصے بیوی کو اور ۱۲ یعنی ۳ حصے لڑکی کو اور ۱۲ یعنی ۳ حصے باپ کو ملنے کے بعد جو حصے باقی بچے وہ باپ کو بحیثیت عصبہ ملیں گے اس طرح باپ کو ۱۹ حصے ملیں گے اور اگر بیٹی نہ ہوتی تو وہ ۱۲ حصے بھی باپ کو مل جاتے۔

۳۔ میت نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اس صورت میں باپ کا کوئی خاص حصہ مقرر نہیں ہے۔ دوسرے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ سب باپ کو ملے گا مثلاً خالہ نے تین وارث چھوڑے ماں باپ اور بیوی تو ماں کو ۱۲ اور بیوی کو ۱۲ دے کر جو کچھ باقی رہے گا وہ سب باپ کو ملے گا۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ میت کا باپ کبھی ذوی الفروض رہتا ہے جیسے پہلی مثال میں۔ کبھی ذوی الفروض بھی رہتا ہے اور عصبہ بھی جیسے دوسری مثال میں ہے اور کبھی صرف عصبہ ہی رہتا ہے جیسے تیسری مثال میں ہے۔

قرآن میں ان تینوں صورتوں کا ذکر ہے پوری آیت ”ماں“ کے ذکر کے سلسلے میں نفل کی جائے گی۔

۲۔ دادا کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں دوسرا ذادانہ ہے، قرآن میں لفظ آباء کی تفسیر اس طرح فرمائی گئی ہے





اگر میت کی اولاد موجود ہے تو ماں باپ کے لئے تر کے میں چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر کوئی اولاد نہ ہو (یعنی صرف ماں باپ ہی وارث ہوں) تو ماں کا حصہ ایک تہائی ہے۔

اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ باقی جود و تہائی رہا وہ باپ کو ملے گا۔

۴۔ بیٹی کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں جو سختاً نمبر بیٹی کا ہے جس طرح ماں باپ تر کے سے محروم نہیں ہوتے اسی طرح بیٹی بھی کبھی محروم نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کا بھائی (یعنی میت کا بیٹا) موجود ہو تو وہ عصبہ بن جاتی ہے، اس کے حصے پانے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں صورتوں میں اس کا حصہ کم و بیش ہو جاتا ہے۔

(۱) اگر میت نے صرف ایک لڑکی چھوٹی ہو اور لڑکا نہ ہو تو لڑکی کو تر کے کا نصف (۱/۲) ملے گا، اگر اس کے علاوہ دوسرے وارث ہوں تو باقی ۱/۲ ان میں تقسیم ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو پھر وہ نصف بھی لڑکی ہی کو ملے گا۔

(۲) اگر وارثوں میں دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں اور لڑکا نہیں ہے تو پھر ان لڑکیوں کو کل تر کے کا دو تہائی (۲/۳) ملے گا اور یہی تمام لڑکیاں برابر تقسیم کر لیں گی اب اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو تو باقی ۱/۳ بھی ان لڑکیوں کو مل جائے گا۔

(۳) اگر وارث لڑکا اور لڑکی دو ہیں تو بھائی بہن دونوں عصبہ ہو جائیں گے کوئی حصہ مقرر نہیں رہے گا بلکہ دوسرے ذوی الفروض کو دے کر جو باقی بچے گا وہ ان دونوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ کل باقیماندہ مال کے تین حصے کئے جائیں گے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا۔ قرآن میں بیٹی کا حصہ ان الفاظ میں مذکور ہوا ہے :

يُوجِبُكَ اللَّهُ إِلَىٰ آوَادِهِ حَقًّا لِّدَاكِمَ بَطْنٍ حَقًّا لِّلنِّسْبَةِ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكَ بَطْنٌ فَهُوَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ حَقًّا ۚ وَإِنْ كَانَتْ

(نساء - ۱۱)

فَقَدْ كَانَ لَكُم مَّا مَلَكَتْ يَمِينُكُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْيَتَامَىٰ

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر دینے کا حکم دیتا ہے اگر سب لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کے لئے تر کے کا دو تہائی حصہ ہے (جو سب میں برابر تقسیم ہوگا) اور اگر صرف ایک

لڑکی ہی ہو تو اس کے لئے آدھا۔

یہاں لڑکی کا تر کے میں حق بیان کیا گیا ہے، لڑکے کے بارے میں شروع میں بتا دیا کہ اس کو لڑکی کے حصہ کا ڈھرا ملے گا۔ تو اس سے خود لڑکے کا حکم بھی معلوم ہو گیا (تفصیل آگے آتی ہے) باپ سے ورثہ پانے والے لڑکے اور لڑکیاں آپس میں حقیقی یا عسلاقی بھائی بہن ہوں گے، اسی طرح ماں سے ورثہ پانے والے لڑکے اور لڑکیاں آپس میں حقیقی یا اخیاقی بھائی بہن ہوں گے، اوپر کا حکم سب طرح کے لڑکے اور لڑکیوں کا ہے جو میت کا ورثہ پانے والے ہو سکتے ہیں۔

۵۔ پوتی اور بہ پوتی کا تر کے میں حصہ اگر میت کی لڑکیاں اور لڑکے بقید حیات

نہ ہوں اور ایک یا کئی پوتیاں ہوں تو وہ اپنے دادا کی میراث پائیں گی، پوتی سے مراد صرف بیٹے کی لڑکی ہی نہیں بلکہ پوتے کی لڑکی اور پوتی بھی مراد ہے ان کے میراث پانے کی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کے لحاظ سے حصہ کم و بیش ہو جاتا ہے۔

(۱) اگر میت کی لڑکی یا لڑکا زندہ نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو بیٹی کی طرح اس کو تر کے کا نصف (۱/۲) ملے گا اور بھرا کو کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو باقی نصف (۱/۲) بھی اُسی کو مل جائے گا۔

(۲) اگر صرف دو پوتیاں ہوں تو جس طرح دو بیٹیاں دو ثلث (۲/۳) کی وارث ہوتی ہیں اسی طرح یہ دونوں بھی وارث ہوں گی اور یہ ورثہ دونوں میں برابر تقسیم کر لیا جائے گا۔

(۳) اگر میت کی ایک پوتی اور ایک پوتا موجود ہو (بیٹی یا بیٹا زندہ نہ ہو) تو جو حکم بیٹی کے لئے

تیسری صورت میں بیان کیا جا چکا ہے وہی نافذ ہوگا یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے کا پوتے اور پوتی پر تقسیم ہو جائے گا مگر پوتی کو پوتے سے آدھا حصہ ملے گا اس تیسری صورت میں ہر پوتی پوتے کی موجودگی میں محبوب ہو جائے گی۔ جس طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محبوب ہو جاتی ہیں۔

(۴) اگر میت کی صرف ایک بیٹی اور پوتیاں ہوں (بیٹا یا پوتا زندہ نہ ہو) تو پوتیوں کو صرف ۱/۲ ملے گا خواہ ایک ہو یا کئی ہوں۔ لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو بھر پوتیاں



۷۔ بیوی کی حیثیت اور اس کا حصہ ذوی الفروض میں ساتویں وارث بیوی ہے جس طرح شوہر اپنی بیوی کے ترکے سے محروم نہیں ہوتا اسی طرح بیوی بھی شوہر کے ترکے سے کبھی محروم نہیں ہو سکتی۔ ترکہ پانے کے لحاظ سے بیوی کی بھی دو حیثیتیں ہیں:

(۱) اگر شوہر نے بعد وفات اپنا بیٹا، بیٹی یا پوتا پوتی نہیں چھوڑے ہیں تو بیوی کو اس کے کل ترکے کا جو تھللی ملے گا۔

(۲) اگر شوہر نے مذکورہ اولاد میں سے کوئی چھوڑا ہے (خواہ سابقہ بیوی کے بطن سے ہو) تو بیوی کو چوتھائی کے بجائے آٹھواں حصہ ملے گا، قرآن میں ان دونوں صورتوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ اَوْفَيْنَاكَ مِمَّا اَعْتَدْنَا لَكَ لَوْلَا اَنَّكَ كُنْتَ تَكْفُرُ وَلَوْلَا اَنَّكَ كُنْتَ تَكْفُرُ (نساء- ۱۳)

بیویوں کے لئے تمہارے ترکے سے چوتھائی حصہ ہے جب تمہاری کوئی اولاد موجود نہ ہو اگر کوئی اولاد ہے تو پھر ان کا حصہ آٹھواں ہے۔

طلاق یافتہ بیوی بھی میراث پائے گی اگر شوہر کا انتقال عدت کے دن گزرنے سے پہلے ہوا۔ بعد میں انتقال ہوا تو پھر میراث کا حق نہیں رہے گا لیکن جس عورت نے طلاق لی ہو یا خلع و تفریق کرائی ہو تو پھر وہ میراث کی بالکل مستحق نہ ہوگی۔

۸۔ **اخینانی بھائی** ماں جایا بھائی جس کا باپ دوسرا ہو ذوی الفروض میں آٹھواں وارث ہے۔ ایسے بھائی کبھی حصہ پاتے ہیں اور کبھی محروم بھی ہو جاتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے:-

میت کے اصول و فروع میں سے کوئی بھی موجود ہوگا تو اخینانی بھائی ترکے سے محروم نہیں گئے، اصول میں باپ دادا پردادا اور فروع میں بیٹا بیٹی پوتا پر پوتی ہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو محروم نہیں ہوں گے۔

۱۔ اب اگر صرف ایک اخینانی بھائی ہو تو اس کو صرف چھٹا حصہ یعنی ترکے کا  $\frac{1}{6}$  ملے گا۔

۲۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکے کا ایک تہائی ( $\frac{1}{3}$ ) ملے گا جو آپس میں برا بکریا تقسیم ہو جائے۔

گا۔ قرآن میں یہ دونوں صورتیں بیان کی گئی ہیں جو آگے نقل کی جا رہی ہیں۔

۹۔ **اخیانی بہن** ذوی الفروض میں نوں وارث ماں جانی بہن ہے جس طرح اخیانی بھائی کے حصہ پانے یا نہ پانے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں وہی صورتیں اخیانی بہن کے حصہ پانے یا نہ پانے کی ہیں، قرآنی آیت میں بھائی کے ساتھ ہی بہن کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

وَلَن كَانَ رَجُلٌ يُؤْتِيكَ كَلَّةً تُوَ امْرَأَةً وَلَئِنَّمَا أَزْوَاجُكَ فَلِلْوَاحِدِ وَفِيهَا

(نساء۔ ۱۲)

الْمُتَّعَيْنَ

اگر کوئی میت (خواہ مرد ہو یا عورت) ایسی ہے جس کے اصول و فرع میں کوئی زندہ نہیں ہے اور اس کے ایک اخیانی بھائی یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے ترکے سے چھٹا حصہ ملے گا۔

یہ تو ایک بھائی یا بہن کے لئے حکم ہے لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بھائی یا بہن بھائی مل کر ہوں تو،

(نساء۔ ۱۲)

فَإِنْ كَانَ الْاُنثَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ فَهِيَ مِثْرُكَ فَإِنِ اثْنَتَا

اگر یہ ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی (۱/۳) میں سب برابر کے شریک رہیں گے۔ یعنی ترکے کا ایک تہائی حصہ ملے گا جس کو یہ سب آپس میں برابر تقسیم کر لیں گے۔ یہاں وہ قاعدہ جو پہلے ذکر کیا گیا اور آئندہ بھی ملے گا کہ بھائی کو بہن سے دو گنا حصہ دیا جائے نافذ نہیں فرمایا گیا ہے یہ صرف اخانی بھائی بہنوں کی خصوصیت ہے کہ دونوں کا حصہ برابر ہو گا۔

۱۰۔ **حقیقی بہنیں** ذوی الفروض میں دسویں وارث حقیقی بہنیں ہیں۔ ان کا حصہ ترکے میں بعض حالات میں ہوتا ہے اور بعض حالات میں نہیں ہوتا اور پھر حصے

کی مقدار بھی حالات کے اعتبار سے بدل جاتی ہے، اس معاملے میں ان کا حال اخیانی بھائی بہنوں کی طرح ہے جس طرح میت کے باپ دادا یا بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں وہ محبوب ہو جاتے ہیں، اسی طرح حقیقی بہنیں بھی ترکہ نہیں پاتیں۔ مگر جب مذکورہ بالا وارثوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو حقیقی بہنوں کو ترکہ میں سے حصہ پانے کی چار صورتیں ہیں،

- ۱- میت کی اگر تنہا ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کو کل تر کے کا نصف یعنی ۱/۲ ملے گا۔  
 ۲- دو حقیقی بہنیں یا زیادہ ہوں تو تر کے کا دو ثلث یعنی ۲/۳ سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

۳- اگر میت کی بیٹی، پوتی یا پر پوتی میں سے کوئی موجود ہو تو پھر حقیقی بہن عصبہ ہو جائے گی یعنی تمام ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ حقیقی بہن کو ملے گا مثلاً اگر کسی نے بعد وفات بیوی، بیٹی اور حقیقی بہن چھوڑی تو تر کے کا آٹھ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، نصف (چار حصے) بیٹی کو اور ۱/۲ (یعنی ایک حصہ) بیوی کو ملے گا اور باقی (یعنی ۳ حصے) حقیقی بہن کو ملیں گے۔

۴- اگر میت کی بہن کے ساتھ ایک یا دو بھائی بھی ہوں تو بہن بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی، یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ ان بھائی اور بہن کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن سے دو گنا ملے گا مثلاً سلمیٰ نے اپنے پس ماندگان میں شوہر، والدہ اور ایک بیٹی چھوڑی اس کی ایک بہن اور ایک بھائی بھی ہے تو اس کے تر کے کے ۳/۶ حصوں میں بانٹ کر شوہر کو ۱/۲ (یعنی ۲ حصے) والدہ کو ۱/۶ (یعنی ۱ حصے) لڑکی کو نصف (یعنی ۱/۲ حصے) دے جائیں گے۔ تین حصے باقی بچیں گے وہ بہن اور بھائی کو اس طرح تقسیم ہوں گے کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ۔ اگر حقیقی بھائی زندہ نہ ہوں اور علاتی بھائی زندہ ہوں تو حقیقی بہن کی موجودگی میں انھیں کچھ نہیں ملے گا اور تینوں حصے بہن کو مل جائیں گے۔ قرآن کریم میں یہ چاروں صورتیں بیان فرمادی گئی ہیں۔

إِنْ امْرُؤٌ مَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا النِّصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِيحُهَا إِنْ كُنَّ بَنَاتٍ فَلَهُنَّ أَشْتَاتُ

مَا تَرَكَ فَلَهُنَّ الشُّلْحُ وَمِمَّا تَرَكَ لَكُنَّ كَأُولَىٰ الْبُحُوَّةِ رِجَالًا أَوْ نِسَاءً وَلِلَّذِينَ كُنَّ امْرُؤَاتُكُمْ بَنَاتٌ لِطَوَّلِ عَمَلِكُمْ وَاللَّيْطُ

اگر ایک مرد جس کے کوئی اولاد نہیں فوت ہو جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو تر کے کا آدھا اسے ملے گا اور بھائی اس بہن کا وارث ہے اگر اس کا بیٹا نہ ہو۔ پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کو تر کے کا دو تہائی ملے گا اور اگر کئی بھائی بہنیں ہیں

تو مرد کا حصہ دہ غورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

۱۱۔ **علاقائی بہنیں** گیارھویں ذوی الغروض حقیقی بہن کی عدم موجودگی میں علاقائی بہنیں ہیں جو حقیقی بہن کی قائم مقام ہوں گی اور ان کا حصہ ترکہ میں بھی وہی ہوگا جو

حقیقی بہن کا ہوتا، البتہ جس طرح حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے علاقائی بہن عصبہ نہیں ہوگی بلکہ محروم ہو جائے گی۔ اور حقیقی بہن کے ساتھ محروم نہیں ہوگی مگر حصہ کم ہو جائے گا۔

۱۔ یہ بات تو پہلے بتائی جا چکی کہ وفات پانے والے کے اصول و فروع میں جب کوئی نہ ہو تب ہی بھائی بہنوں کو ترکہ کا حصہ پہنچتا ہے ورنہ نہیں پہنچتا۔ البتہ بیٹی، پوتی یا برپوتی کی موجودگی میں ذوی الغروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے کا وہ بہنوں کو ملے گا۔

۲۔ اگر بیٹی پوتی وغیرہ میں سے کوئی موجود نہ ہو لیکن حقیقی بہنیں زندہ ہوں تو علاقائی بہن کو کچھ حصہ ملے گا۔ ایک سے زیادہ علاقائی بہنیں اگر ہوں گی تو یہی حصہ سب برابر تقسیم ہو جائے گا۔

۳۔ اگر حقیقی بہن کوئی نہ ہو اور صرف ایک علاقائی بہن ہو تو حقیقی بہن کی طرح اس کو ترکہ کا نصف ملے گا۔

۴۔ اگر علاقائی بہن ایک سے زیادہ ہوں اور میت کی بیٹی پوتی اور حقیقی بہن میں سے کوئی نہ ہو تو اس صورت میں ترکہ کا دو ثلث (دو) ان کو ملے گا جسے آپس میں برابر بانٹ لیا جائے گا۔

لیکن اگر علاقائی بہنوں کے ساتھ علاقائی بھائی بھی ہو تو علاقائی بہنیں بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور ذوی الغروض کو ان کا شرعی حصہ دے چکنے کے بعد جو کچھ بچے کا وہ علاقائی بھائی بہنوں میں تقسیم ہو جائے گا، بھائی کا حصہ بہن سے دو گنا ہوگا۔ متذکرہ بالا صورتوں میں کچھ نہ کچھ حصہ ترکہ سے علاقائی بہن کو مل جاتا ہے لیکن جن صورتوں میں وہ محروم رہتی ہیں یہ ہیں:

۱۔ اگر میت کا ایک حقیقی بھائی یا کئی حقیقی بھائی بہن موجود ہوں تو علاقائی بہن ترکہ سے محروم رہے گی۔

۲۔ میت کی بیٹی موجود نہ ہو اور نہ حقیقی یا علاقائی بھائی ہوں مگر دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں موجود ہوں تو علاقائی بہن ترکہ سے محروم رہے گی۔ البتہ اگر کوئی علاقائی بھائی زندہ ہوتا



تو وہ عصبہ ہو کر حصہ پاتیں۔ اور پر ذکر کیا گیا ہے کہ ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاقائی بہن کو پلے کا مگر یہ اُسی وقت ہو گا جب میت کے کوئی لڑکی یا لڑتی وغیرہ نہ ہو۔ اگر حقیقی بہن کے ساتھ بیٹی یا لڑتی بھی ہوگی تو علاقائی بہن بالکل محروم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں حقیقی بہن عصبہ ہو کر پورے حصے کی حقدار ہو جاتی ہے۔ حقیقی بہن کے سلسلے میں جو قرآن کی آیت نقل کی گئی ہے اس میں علاقائی بہن کا حکم موجود ہے۔

۱۲۔ جدہ اُمّ الاب (دادی) کا ترکے میں حصہ  
۱۳۔ جدہ اُمّ الام (نانی) نام جدہ کا ہے۔ جدہ دو

ہوتی ہیں۔ دادی اور نانی۔ ترکے کے سلسلے میں دونوں کے مسائل قریب قریب یکساں ہیں مگر ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے چند مقدمات کو سمجھ لینا چاہیے۔ پہلی بات یہ کہ دادی صرف باپ کی ماں ہی نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں بھی ہے۔ اسی طرح نانی صرف ماں کی ماں ہی نہیں بلکہ نانی کی ماں اور اُس کی ماں کو بھی جدہ ہی کہتے ہیں اور ان سب دادیوں اور نانیوں کو میت کی طرف سے ترکہ پہنچ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان دادیوں یا نانیوں میں جو قریبی ہیں اُنھیں جدہ صحیحہ اور جو دور کی ہیں اُنھیں جدہ فاسدہ کہا جائے گا اور اُن کا شمار ذوی الفروض میں نہیں بلکہ ذوی الارحام میں ہو گا، اُن کے حصوں کا بیان بھی وہاں آئے گا۔ نانیوں میں وہ نانی دور کی کہی جائے گی جس کے رشتے میں کوئی مرد درمیان میں آئے مثلاً ماں کے باپ کی ماں دور کی نانی ہے بخلاف ماں کی ماں اور نانی کی ماں کے یہ سب قریب کی نانی ہیں کیونکہ درمیان میں مرد کا رشتہ نہیں ہے۔

۱۔ جدہ صحیحہ یعنی قریب کی دادی اور نانی کی موجودگی میں جدہ فاسدہ  
جدہ صحیحہ کا حکم یعنی دور کی دادیوں یا نانیوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا وہ محروم رہیں گی۔  
۲۔ اگر میت کے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہو تو پھر باپ کی موجودگی میں دادیاں اور ماں کی موجودگی میں نانیاں حصہ نہیں پائیں گی۔

۳۔ اگر میت کا دادا زندہ ہو تو دوسری تمام دادیاں محروم رہیں گی البتہ اگر باپ کی ماں زندہ ہے تو وہ حصہ پائے گی۔

۴۔ مذکورہ بالا وارثوں کی غیر موجودگی میں دادی اور نانی کو ترکے کا ہر حصہ ملے گا اگر قریب کی دادی اور قریب کی نانی دونوں موجود ہوں تو یہ ہر میں شریک ہوں گی اور سب کو برابر ملے گا۔

۵۔ اگر قریب کی نانی اور دور کی دادی موجود ہوں یا قریب کی دادی اور دور کی نانی موجود ہوں تو دونوں حالتوں میں دور کی دادی اور نانی محروم ہو جائیں گی۔

۶۔ دادی محبوب ہوگی اگر باپ یا دادا موجود ہوں لیکن نانی اُن کی وجہ سے محروم نہیں ہوگی۔ نانی صرف میت کی ماں یعنی اپنی بیٹی کی وجہ سے محروم ہو جائے گی۔

**عصبات کا بیان** میراث کی تقسیم میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات کو ملے گا۔ عصبات دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ **عصبہ بنفسہ**۔ وہ درشت ہیں جو یا تو خود مرد ہوں یا کسی دوسرے مرد کے واسطے سے میت سے رشتہ رکھتے ہوں جیسے بیٹا، باپ، دادا، پوتا، چچا، بھتیجا۔

۲۔ **عصبہ بالغیر**۔ وہ درشت ہیں جو یا تو خود عورت ہوں یا کسی عورت کے واسطے سے میت سے رشتہ رکھتے ہوں۔ مثلاً بیٹی بیٹے کے ساتھ اور بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ بالغیر ہیں۔

**تقسیم ترکہ میں عصبات کی درجہ بندی** ترکے میں حصہ پانے کے لحاظ سے عصبات کے چار درجے ہیں جن کے اعتبار سے یکے بعد

دیگرے ان کو حصہ ملتا ہے یعنی اگر پہلے درجے کے عصبات موجود ہوں گے تو دوسرے درجے والوں کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب دوسرے درجے کے

عصبات کو (پہلے درجے کے عصبات کی عدم موجودگی میں) حصہ ملے گا تو تیسرے اور چوتھے درجے کی عصبات محروم رہیں گے۔ محرومی کا مطلب یہ ہے کہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ترکے

میں حصہ نہیں ہوگا لیکن اگر ان میں کوئی ذوی الفروض میں بھی ہے تو اُس کو اُس حیثیت سے حصہ ملے گا مثلاً بیٹے کی موجودگی میں باپ کو ذوی الفروض میں ہونے کی وجہ سے ہر ملتا ہے اب اگر بیٹا

موجود نہیں ہے تو باپ بحیثیت ذوی الفروض تو حصہ پائے گا لیکن بحیثیت عصبہ بھی اُس کو وہ حصہ مل جائے گا جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی رہ جائے۔

پہلے درجے کے عصبات پہلے درجے میں میت کے فروغ (یعنی جو اُس کی نسل سے ہوں) آتے ہیں جن میں سب سے مقدم لڑکا ہے پھر پوتا پھر اس کے نیچے کے لوگ، ان کی موجودگی میں دوسرے درجے کے وارثوں کو عصبہ کی حیثیت سے کچھ نہ ملے گا لیکن ذوی الفروض کی حیثیت سے جو حصہ ہوتا ہے وہ ملے گا۔

دوسرے درجے میں میت کے اصول (یعنی جن کی نسل سے وہ خود ہو) آتے ہیں جن میں سب سے مقدم باپ ہے پھر دادا پھر پردادا وغیرہ۔ ان کی موجودگی میں تیسرے درجے کے عصبات کو کچھ نہ ملے گا۔ تیسرے درجے کے عصبات میں وہ وارث ہیں جو میت کے علاوہ اُس کے باپ کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے بھائی اور بھتیجے اور بھائی کے پوتے وغیرہ۔

چوتھے درجے کے عصبات چوتھے درجے کے عصبات میں وہ لوگ ہیں جو میت کے باپ کے علاوہ اُس کے دادا کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے چچا، چچا زاد بھائی اور چچا کے پوتے وغیرہ۔

عصبات میں تقسیم ترکہ کے اصول  
۱۔ اولی درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے دوسرے درجے کے عصبات کو اور دوسرے درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے تیسرے اور اسی طرح چوتھے درجے کے عصبات کو حصہ نہیں ملتا۔

۲۔ ہر درجے کے وارثوں میں میت سے قریب ترکہ کو فوقیت ہوگی مثلاً پہلے درجے کے عصبات میں بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ بیٹا میت سے قریب تر ہے، یہ اصول کہ قریب کی موجودگی میں بعید کو نہیں ملے گا سب جگہ نافذ ہوگا کیونکہ بغیر اس کے تقسیم وراثت میں کوئی نظم قائم ہی نہیں رہ سکتا، اسی اصول کی بنا پر یتیم پوتوں کو بھی محروم ہونا پڑتا ہے گو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے دوسری صورتیں پیدا کی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ اگر پہلے درجے کے عصبات میں کئی وارث ایک ہی درجے کے ہوں مثلاً پوتے

ہی پوتے ہوں تو پھر سب کو برابر کا حصہ ملے گا کیونکہ حق کے اعتبار سے سب لڑکے ایک ہی درجے کے ہیں۔ یہی حال دوسرے درجے کے عصبات کا ہے مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا کو اور دادا کی موجودگی میں بے دادا کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ باپ بہ نسبت دادا کے میت سے قریب تر ہے اور دادا بہ نسبت پردادا کے۔

**پہلے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں** چونکہ پہلے درجے کے عصبات کئی طریقے سے حصہ پاتے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کے حصہ پانے کی کیفیت تفصیل سے بیان کی جاتی ہے:

**بیٹے کا حصہ** عصبات میں سب سے مقدم میت کے بیٹے ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی عصب وارث حصہ نہیں پاسکتا، بجز میت کی بیٹیوں کے جو عصبہ بالغیر ہو کر حصہ پاتی ہیں۔ بیٹیوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، اسی لئے ان کا شمار ذوی الفروض میں نہیں ہوتا لیکن ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بیٹیوں اور ان کے ساتھ بیٹیوں کو مل جائے گا۔ اسی لئے ان کا حصہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتا ہے، اگر ذوی الفروض وارثوں میں کوئی نہ ہو اور صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو لڑکے کا دو تہائی ۲/۳ لڑکے کو اور ایک تہائی لڑکی کو مل جائے گا اگر لڑکی بھی نہ ہو تو کل لڑکے کو مل جائے گا جس قدر ذوی الفروض زیادہ ہوں گے لڑکے کا حصہ اتنا ہی کم ہوتا جائے گا مگر کبھی ایسا موقع نہیں آسکتا کہ وہ بالکل محروم ہو جائے بلکہ اُس کی موجودگی میں ذوی الفروض کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس لئے لامحالہ اُس کو حصہ ملتا ہی ہے۔

۲۔ اگر میت کے کسی بیٹے ہوں تو وہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

۳۔ اگر بیٹیوں کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبہ بالغیر ہو کر اپنے بھائیوں کا آدھا پائیں گی، مثال کے طور پر ایک شخص نے وفات پائی اور اُس کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں تو ترکہ کے کو سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا دیکھو کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دو گنا ہوتا ہے۔

اس لئے دو لڑکوں کو چار لڑکیوں کے برابر سمجھا جائے گا، ان سات حصوں کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	کل
دو حصہ	دو حصہ	ایک حصہ	ایک حصہ	ایک حصہ	سات حصے

جیسا کہ اوپر نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ کئی بیٹے ہوں تو باپ کا ترکہ اُن پر برا بھلا تقسیم ہو جائے گا اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر باپ کی دو بیویاں رہی ہوں ایک سے ایک لڑکا اور دوسری سے دو لڑکے ہوں تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ تین برابر کے حصوں میں تقسیم ہو کر تینوں لڑکوں کو دیا جائے گا اسی طرح اگر ماں یکے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہی اور دونوں سے اُس کی اولاد ہے تو ماں کا ترکہ دونوں شوہروں کی اولاد کو برابر برابر حصوں میں دیا جائے گا خواہ ایک شوہر سے ایک ہی لڑکا ہو اور دوسرے شوہر سے کئی ہوں، یہ نہیں ہوگا کہ آدھا ایک شوہر کی اولاد کو اور آدھا دوسرے شوہر کی اولاد کو دیا جائے۔

بیٹے کے بعد عصابات میں دوسرا درجہ پوتے کا ہے یعنی اگر میت کے کوئی پوتے کا حصہ بیٹا زندہ نہ ہو مگر پوتے موجود ہوں تو وہ باپ کے قائم مقام ہوں گے یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ سب پوتے کا ہوگا اور اگر کوئی ذوی الفروض وارثوں میں سے نہ ہو تو کل ترکہ پوتے کو مل جائے گا اور اگر کئی پوتے ہوں گے تو وہ سب برابر تقسیم ہو جائے گا خواہ وہ سب ایک بیٹے کی صلب سے ہوں یا دو تین بیٹوں کی صلب سے۔

۲۔ اگر ان پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی ہوں تو پوتوں کے ساتھ عصبہ بالغیرین کردہ بھی حصہ پائیں گی جس طرح بیٹے کے ساتھ بیٹی حصہ پاتی ہے۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پوتے بیٹوں کے سامنے محروم ہو جاتے ہیں، وہ اس صورت میں جب اُن کے چچا زندہ ہوں لیکن اگر اُن کے باپ نے کوئی جائیداد چھوڑی ہے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا اُس میں چچا کا حصہ نہیں ہوگا اُس کے وہی مالک ہوں گے۔ دادا کا ترکہ باپ یا چچا کی موجودگی میں بالکل نہیں ملے گا۔ ایسے پوتے جو دادا کے سامنے یتیم ہو جائیں اور اُن کے باپ نے کوئی جائیداد اُن کے لئے نہ چھوڑی ہو تو دادا پر اخلاقی فرض حائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال اور جائیداد سے کچھ اُن کو دینے کی وصیت کر جائے یا اپنی زندگی میں اُن کو دے جائے اگر ایسا نہ کرے گا تو اُن وعیدوں کا جو یتیم پر قہر کرنے اور اس کا اکرام نہ کرنے پر آئی ہیں مستحق ٹھہرے گا۔

اوپر نمبر (۱) میں کہا گیا ہے کہ پوتے باپ کے قائم مقام ہوں گے، یہ اُس صورت میں جب

باپ اور چچا نہ ہوں تو وہ داد اسے وہی ترکہ پائیں گے جو باپ اور چچا پاتے تھے صرف دو باتوں میں بیٹے اور پوتے میں فرق ہے۔

(الف) ایک یہ کہ میت کے بیٹوں کی موجودگی میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں رہتی بلکہ عصبہ یا غیر ہو کر بیٹوں کا آدھا حصہ پاتی ہیں۔ لیکن پوتوں کے ساتھ وہ ذوی الفروض ہی رہتی ہیں یعنی میت کی بیٹی کو آدھا ترکہ ملے گا باقی دوسرے ذوی الفروض اور پوتوں کے لئے ہوگا۔ اگر میت کی کئی بیٹیاں ہوں گی تو دو ثلث  $\frac{2}{3}$  ان سب کا نکالنے کے بعد باقی ہیں دوسرے ذوی الفروض اور پوتوں کا حصہ ہوگا۔

(ب) دوسرے یہ کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محروم رہتی ہیں لیکن پوتے کے ساتھ پوتیاں عصبہ ہو جاتی ہیں اور جس قدر پوتے کو ملتا ہے اُس کا آدھا پوتی کو ملتا ہے۔

جس طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتا اور پوتیاں محبوب رہتی ہیں اسی طرح پوتے کا حصہ پوتے کی موجودگی میں پر پوتیاں اور پر پوتے محبوب ہوتے ہیں اور جس طرح بیٹے کے زندہ نہ ہونے کی صورت میں پوتا وارث ہوتا ہے اسی طرح پوتے کے نہ ہونے کی صورت میں پر پوتے وارث ہوتے ہیں اور وراثت کے معاملے میں جو مسائل پوتے کے سلسلے میں بیان ہوئے ہیں وہی پر پوتوں کے لئے بھی ہیں۔

**دوسرے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں** دوسرے درجے کے عصبات کی حیثیت دوسری ہو جاتی ہے جب درجہ اول کے عصبات میں سے کوئی نہ ہو۔ ان کی ایک حیثیت تو ذوی الفروض کی ہے اور دوسری حیثیت عصبہ کی کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ دوسرے درجہ کے عصبات پر تقسیم ہوگا۔

**باپ کا حصہ** باپ اپنے بیٹے کے ترکے سے بحیثیت ذوی الفروض جو حصہ پائے گا اُس کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ باپ اُس وقت عصبہ بھی ہو جاتا ہے جب درجہ اول کے عصبات موجود نہ ہوں اور نہ میت کی کوئی بیٹی یا پوتی موجود ہو تو ذوی الفروض وارثوں کے حصے نکالنے کے بعد جو باقی بچے گا وہ باپ کو بحیثیت عصبہ (مزید) مل جائے گا۔

۲۔ اگر میت کی کوئی بیٹی یا پوتی ہو تو پہلے تو باپ کو ذوی الفروض کی حیثیت سے ترکے کا چھٹا حصہ (۱/۶) ملے گا پھر تمام ذوی الفروض داروں کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ بھی بحیثیت عصبہ باپ کو ملے گا۔

۳۔ درجہ اول کے عصبات کی موجودگی میں باپ عصبہ نہیں ہوگا۔ بحیثیت ذوی الفروض ترکے کا ۱/۶ حصہ ہی پائے گا۔

ذوی الفروض کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا کا حصہ محروم ہے اور اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا قائم مقام ہے بالکل یہی حیثیت عصبہ ہونے کی ہے یعنی باپ کی موجودگی میں دادا کو بحیثیت عصبہ کچھ نہ ملے گا لیکن اگر میت کا باپ بقید حیات نہیں اور دادا موجود ہے تو وہ اسی طرح حصہ پائے گا جس طرح باپ کے حصے کی تفصیل اوپر کی گئی ہے یہی حال پر دادا کا بھی ہے۔

باپ اور دادا کی وراثت کے سلسلہ میں جو فرق ہیں ایک یہ کہ اگر میت کی بیوی اور دادا دونوں موجود ہوں گے تو ماں کا حصہ کم نہ ہوگا یعنی کل ترکے میں ۱/۶ ملے گا جبکہ باپ اور بیوی کی موجودگی میں ماں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں دادی محروم نہیں ہوگی جبکہ باپ کی موجودگی میں دادی محروم رہتی ہے۔

تیسرے درجے کے عصبات کو ترکے ملنے کی صورتیں اگر پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات موجود نہ ہوں تو پھر ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ تیسرے درجے کے عصبات باہم تقسیم کر لیں گے۔ اس درجے میں بھائی، بھتیجے اور بھتیجے کے بیٹے پوتے شامل ہیں۔ تیسرے درجے کے عصبات میں سب سے مقدم بھائی ہے اور اس کے بعد بھتیجے وغیرہ ہیں۔ حقیقی بھائی جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات اگر نہ ہوں گے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ کل حقیقی بھائی کو مل جائے گا۔

۲۔ اگر کئی حقیقی بھائی ہوں تو سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

۳۔ اگر بھائی کے ساتھ حقیقی بہنیں موجود ہیں تو وہ بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور بھائی کے حصے کا نصف پائیں گی۔

۴۔ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاقائی بھائی اور علاقائی بہنیں محروم رہیں گی۔

پہلے اور دوسرے درجے کے عصبیات بھی نہ ہوں اور حقیقی بھائی بھی نہ ہو  
**علاقائی بھائی** تو علاقائی بھائی میت کا وارث ہوگا۔ یہ بھی اگر کئی ہوں گے (تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی رہے گا، اُسے برابر تقسیم کر لیں گے۔ اگر علاقائی بھائی کے ساتھ علاقائی بہنیں بھی ہوں تو سب بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور بھائی کا آدھا حصہ لیں گی۔

علاقائی بھائی بہن اُس وقت محروم رہیں گے جب میت کی حقیقی لڑکی موجود ہو۔

۱۔ جب میت کا حقیقی یا علاقائی کوئی بھائی نہ ہو تو پھر بھتیجا وارث ہوگا۔

۲۔ اگر میت کی حقیقی یا علاقائی بہنوں میں سے کوئی ہے تو وہ بھائی کے ساتھ

تو عصبہ ہو جاتی ہیں مگر بھتیجیوں کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتیں بلکہ اصلی حالت ہی میں

رہتی ہیں یعنی ذوی الفروض۔

۳۔ بھتیجیاں خواہ لگے بھائی کی بیٹیاں ہوں یا سوتیلے بھائی کی وہ نہ عصبیات میں ہیں نہ ذوی الفروض

میں بلکہ اُن کا شمار ذوی الارحام کی تیسری قسم میں ہے۔

۴۔ حقیقی بھتیجے کے ہوتے ہوئے میت کے علاقائی بھائی کے لڑکے محروم رہیں گے۔

**علاقائی بھتیجا** اگر حقیقی بھائی کا لڑکا نہ ہو اور علاقائی بھائی کا لڑکا موجود ہو تو وہ حقیقی بھتیجے

کی جگہ میت کا وارث ہوگا اور اس کا مال بھی قریب قریب وہی ہے جو

حقیقی بھتیجے کا بیان کیا جا چکا ہے۔

**حقیقی اور علاقائی بھائیوں کے پوتے** اگر میت کے بھائی حقیقی یا علاقائی زندہ نہ ہوں

اور نہ اُن کے لڑکوں میں کوئی زندہ ہو تو پھر

حقیقی بھائی کے پوتے اور وہ بھی نہ ہوں تو علاقائی بھائی کے پوتوں پر میت کی وراثت تقسیم ہوگی۔

میت کی حقیقی یا علاقائی بہنیں اگر ہیں تو وہ بھائی کے پوتوں کے ساتھ بھی عصبہ نہ ہوں گی

اور بدستور ذوی الفروض رہیں گی۔



جو تھے درجے کے عصبات کا ترکہ میں حصہ پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کے عصبات کو دیکھا جائے گا جن میں سب سے مقدم چچا ہے۔ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ چچا کو ملے گا پھر چچا کے بیٹے پھر چچا کے پوتے پھر میت کے باپ کے چچا پھر ان کے لڑکے پھر ان کے پوتے۔

**چچا کا حصہ** میت کے باپ کا بھائی خواہ وہ چھوٹا بھائی ہو یا بڑا بھائی ہوا علم کہلاتا ہے اگر تینوں درجے کے عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو جو تھے درجات کے عصبات میں سب سے مقدم چچا ہے یعنی اگر ذوی الفروض میں اتفاق سے کوئی نہ ہو تو میت کے تمام ترکے کا مستحق چچا ہوگا، اگر کسی چچا ہوں گے تو جو ترکہ ملے گا سب کے آپس میں برابر تقسیم کرنا ہوگا۔

۲۔ میت کی بھوپھی یعنی باپ کی بہن چچا کی موجودگی میں حصہ نہیں پائے گی۔

۳۔ چچا کی بیوی یعنی میت کی چچی کو اس حیثیت سے کوئی حصہ میراث سے نہیں ملے گا کہ وہ چچی ہے البتہ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا نسبی رشتہ ہو تو میراث میں سے حصہ پاسکتی ہے۔

۴۔ بحیثیت عصبہ چچا کی بیٹیوں کو بھی کوئی حصہ نہیں ملے گا ان کا شمار ذوی الارحام میں ہے۔

**علاقہ چچا** اگر میت کے باپ کا سکا بھائی موجود نہ ہو بلکہ علاقہ بھائی موجود ہو تو حقیقی چچا کی عدم موجودگی میں علاقہ چچا کو وہی حصہ ملے گا اور حقیقی چچا کے لڑکے حصہ نہیں پائیں گے جس طرح بھائی کی موجودگی میں بھائی کے لڑکے حصہ نہیں پاتے۔

حقیقی اور علاقہ چچا کے لڑکے ۱۔ چچا (حقیقی یا علاقہ) کی موجودگی میں ان کے لڑکے میت کے ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے۔ البتہ اگر میت

کے چچا کوئی بھی موجود نہ ہوں تو پہلے حقیقی چچا کے لڑکوں کو اگر وہ نہ ہوں تو پھر علاقہ چچا کے لڑکوں کو ترکہ ملے گا اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر حقیقی چچا کے پوتوں کو اور وہ بھی نہ ہوں تو علاقہ چچا کے پوتوں کو حصہ ملے گا۔

**باپ کے حقیقی اور علاقہ چچا** اگر میت کا مذکورہ بالا عصبات میں کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر باپ کے چچا یعنی میت کے دادا کے حقیقی بھائی

کو ترکہ ملے گا اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے دادا کے علاقہ بھائی کو اگر وہ بھی نہ ہوں تو اس کے حقیقی

لڑکوں کو اور پھر اگر وہ بھی نہ ہوں تو ان کے پوتوں کو ملے گا۔

**ذوی الارحام اور میت کے ترکے میں اُن کے حصے** وراثت کا بیان شروع کرتے وقت یہ بتایا جا چکا

ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں سب سے پہلے ذوی الفروض کو حصہ دیا جائے گا اُس کے بعد عصبہ کو لیکن اگر عصبات میں کوئی نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو دیا جائے گا یہ تیسرے درجے کے وارثین کہلاتے ہیں۔ ذوی الارحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو عورت کے واسطے سے نسبی تعلق رکھتے ہوں یا خود عورت ہوں مثلاً خالہ، بھوئی اور ان کی لڑکیاں وغیرہ نواسیاں اور نواسے۔ صرف ماں اور نانی ذوی الارحام میں اس لئے شامل نہیں ہیں کہ ماں اور ماں کی ماں کا حصہ ذوی الفروض میں مقرر ہو چکا ہے حالانکہ یہ دونوں بھی عورتیں ہیں۔ اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ذوی الفروض اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور مشکل ہی سے کوئی وفات پانے والا ایسا نکلتا ہو جس کا کوئی نہ کوئی عصبہ (قرب یا دور کا) نکل نہ آئے اس لئے ترکے کی تقسیم کی نوبت ذوی الارحام تک پہنچنے کا امکان بھی بہت شاذ و نادر ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام حنبلی رحمۃ اللہ علیہم وارثوں کی دو ہی قسمیں تسلیم کرتے ہیں یعنی ذوی الفروض اور عصبہ۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی وارث نہ پایا جائے تو پھر سارا ترکہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں دیدینے کا حکم دیتے ہیں اُن کے نزدیک ذوی الارحام کا شمار وارثوں میں نہیں ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میت کا پورا ترکہ بیت المال میں داخل کرنے سے پہلے ذوی الارحام کو بھی دیکھنے کا حکم دیتے ہیں اور عام طور پر اسلامی ملکوں میں اُن کے مسلک ہی کو اختیار کیا گیا ہے پھر اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو متروکہ مال بیت المال میں جائے گا اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں غریبوں میں تقسیم ہوگا۔

**ذوی الارحام کی حیثیت** ذوی الفروض اور عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو میت کی میراث میں سے کچھ پانے کا حق نہیں ہے۔

ذوی الفروض کے حقوق مقرر ہیں ان مقررہ حقوق کو دے چکنے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ دوسرے وارثوں کو جو عصبات میں ہیں تقسیم ہو جاتا ہے اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو ذوی الفروض مقررہ

حصہ لینے کے بعد بقیہ ترکہ بھی وہی پاتے ہیں۔ اس طرح ذوی الفروض کی موجودگی میں ذوی الارحام کے حصہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مگر تیرہ ذوی الفروض میں سے صرف دو وارث ایسے ہیں کہ اگر تنہا وہی ہوں اور کوئی دوسرا عصباء یا ذوی الفروض میں سے نہ ہو تو ذوی الارحام کو ان کے ساتھ حصہ مل سکتا ہے، وہ دو ذوی الفروض شوہر اور بیوی ہیں یعنی اگر مرد میت نے اپنے ذوی الفروض میں صرف بیوی کو یا عورت میت نے صرف شوہر کو چھوڑا تو ان کو شرعی حصہ دینے کے بعد باقی ذوی الارحام کو دیا جائے گا نیز اس لئے کہ بیوی اور شوہر کو فرض مقررہ سے زیادہ نہیں ملتا ہے جبکہ دوسرے ذوی الفروض بقیہ ترکہ بھی پاتے ہیں اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو۔

**ذوی الارحام کی درجہ بندی** ذوی الارحام کو چار قسموں میں بانٹا گیا ہے جب تک پہلی قسم کے لوگ موجود ہوں گے اُس سے نیچے درجے کی اقسام والوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہر ایک قسم کے ذوی الارحام اور انھیں ترکہ ملنے کا تناسب بیان کیا جاتا ہے۔ ذوی الفروض سے صرف گیارہ وہ لوگ مراد ہیں جو ذوی الارحام کا حصہ روک سکتے ہیں (یعنی شوہر اور بیوی کے علاوہ)

**پہلی قسم کے ذوی الارحام** سب سے مقدم نواسے اور نواسیاں ہیں جنھیں اپنے نانا کا ترکہ اُسی وقت ملے گا جب اُن کے رشتہ داروں (ذوی الفروض و عصباء) میں سے کوئی زندہ نہ ہو۔ اگر ایک نواسہ یا ایک ہی نواسی ہوگی تو کُل مال اُس کو مل جائے گا اور اگر دونوں ہوں گے یا کئی ہوں گے تو نواسے کو دو اور نواسی کو ایک حصے کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

نواسے اور نواسی نہ ہوں تو پوتی کی اولاد وارث ہوگی اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر نواسے اور نواسی کی اولاد کو حصہ ملے گا۔ پھر اگر نواسے اور نواسی کی اولاد نہ ہو تو یوتے کے نواسے نواسی اگر وہ بھی نہ ہوں تو پوتی کے چوتے پوتیاں وارث ہوں گے۔

**دوسری قسم کے ذوی الارحام** نفعی الفروض میں دادا، دادی اور نانی کے مقررہ حصوں کا ذکر کیا جا چکا ہے، وہاں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ قریبی دادا، دادی اور نانی کی موجودگی میں دور کے دادا، دادی اور نانی کو نہیں ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام

میں شمار ہوتے ہیں اور نانا تو ذوی الفروض میں ہے اور نہ عصباء میں اس لئے وہ متقل ذوی الارحام ہی میں شمار ہوتا ہے۔ نانا کو میت کے ترکے سے کچھ نہیں ملے گا اگر ذوی الفروض عصباء اور ذوی الارحام کی پہلی قسم میں سے کوئی موجود ہوگا۔ جب اُن میں سے کوئی نہ ہو اور نانا زندہ ہو تو وہ میت کے ترکے کا مستحق ہوگا۔ دوسری قسم کے ذوی الارحام کے لوگ سب محروم ہوں گے۔ اگر میت کے نانا نہ ہوں تو پھر میت کے باپ کے نانا اگر وہ بھی نہ ہوں تو ماں کے دادا۔ اُن کی عدم موجودگی میں ماں کے نانا اور ماں کی وادی ترکے کی مستحق ہوں گی۔ پھر اگر ان میں سے بھی کوئی نہ رہا تو میت کے دادا کے سلسلے کے ذوی الارحام کو حصہ ملے گا۔

تیسری قسم کے ذوی الارحام اس قسم میں میت کی بہن کی تمام اولاد اور بھائی کی غیر عصباء اولاد شامل ہے۔ بہن کی اولاد سے مراد میت کے ہر طرح کے بھانجے اور بھانجیاں ہیں اور بھائی کی وہ اولاد جو عصباء نہیں ہے ان سے مراد میت کی بھتیجیاں وغیرہ ہیں ان کی تعداد دس ہوتی ہے۔ حقیقی بہن کے لڑکے لڑکیاں حقیقی بھائی کی لڑکی، علاقائی بھائی کی لڑکی، اخیانی بھائی کے لڑکے اور لڑکی۔ ان میں کوئی مقدم اور مؤخر نہیں ہے، اگر ایک ساتھ سب موجود ہوں تب بھی سب کو حصہ ملے گا بس فرق یہ ہوگا کہ مرد کو جتنا ملے گا عورت کو اس کا آدھا ملے گا۔ اور اگر صرف ایک ہی ہو اور اوپر کے درجہ میں سے کوئی نہ ہو تو پورا ترکہ اس ایک ہی کو مل جائے گا۔ بھانجے بھانجیوں اور بھتیجیوں کے نہ ہونے کی صورت میں اُن کی اولاد حصہ پاے گی۔

اگر کوئی بھتیجا زندہ ہو تو اُس کے سامنے تمام بھانجیاں اور بھتیجیاں محروم رہیں گی کیونکہ بھتیجا عصباء ہے اور عصباء کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔

بھانجے بھانجیوں اور بھتیجیوں میں ترکہ تقسیم کرنے کی ایک صورت اوپر بیان ہوئی دوسری صورت یہ ہے کہ انھیں ترکہ اُن کے والدین (یعنی میت کے بھائی اور بہن) کے لحاظ سے ملے یعنی جس طرح بھائی کو بہن کے مقابلے میں دو گنا ملتا اسی طرح بھتیجیوں کو وہی دو گنا ملے گا اور بہن کی اولاد کو اُس کا آدھا۔ البتہ بھانجیوں کے ساتھ بھانجے بھی ہوں تو انھیں بھانجیوں کا ڈھرا ملے گا۔

جو چوتھی قسم کے ذوی الارحام اس قسم میں میت کی پھوپھیاں، خالائیں، ماموں اور  
 اخیانی چچا ہیں۔ اور جب یہ نہ ہوں تو اُن کی اولاد اور  
 اگر وہ بھی نہ ہوں تو حقیقی اور علقاتی چچا کی اولاد پھر اگر یہ بھی نہ ہوں تو ماں یا باپ کی پھوپھیاں،  
 خالائیں اور ماموں وغیرہ مستحق ہوں گے۔

## ذوی الفروض کے حصوں کا مختصر نقشہ

تمام وارثوں کے حصوں کی تفصیل اور بیان کی جا چکی ہے اور یہ بھی کہ ذوی الفروض  
 کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں مگر عصبہ اور ذوی الارحام کا کوئی مقرر حصہ نہیں ہے  
 بلکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ عصبہ کو دیا جائے گا۔ لیکن عصباء میں  
 سے کوئی نہ ہو تو پھر بقیہ ذوی الارحام کو دیا جاتا ہے۔

ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے:

(۱) نصف (آدھا) حصہ باپ و وارث مخصوص حالات میں پائیں گے۔

الف - میت کا شوہر جب میت کی اولاد نہ ہو۔

ب - میت کی بیٹی جب وہی تنہا ہو اُس کا بھائی موجود نہ ہو۔

ج - میت کی پوتی جب میت کا بیٹا بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو۔

د - میت کی بہن جب اکیلی ہو اور میت کے بیٹا یا بیٹی یا باپ موجود نہ ہو۔

ه - میت کی علقاتی بہن جب حقیقی بہن نہ ہو اور بیٹا بیٹی اور باپ بھی نہ ہو۔

(۲) ثلثان (دو تہائی) حصہ چار وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

(الف) میت کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیوں کو جب اُس کی زریہ اولاد نہ ہو۔

(ب) میت کی دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کو جب بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(ج) میت کی دو یا دو سے زیادہ بہنوں کو جب بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

د، میت کی دو یا زیادہ علقاتی بہنوں کو جب حقیقی بہنیں، بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(۳) ثلث (ایک تہائی) حصہ دو وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے۔

الف۔ میت کی والدہ کو جب میت کی اولاد نہ ہو اور بھائی بہن بھی نہ ہوں۔

ب۔ میت کے انخیانی بھائی بہن کو جب وہ ایک سے زیادہ ہوں۔

(۴) رُبع (چوتھائی) حصہ دو وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

الف۔ میت کی بیوی کو جب اُس کے کوئی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کے شوہر کو جب اُس کی اولاد نہ ہو۔

(۵) سُدس (چھٹا) حصہ چار وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

الف۔ میت کے باپ کو جب میت کی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کی ماں کو جب میت کی اولاد ہو یا بھائی بہن ہوں۔

ج۔ انخیانی بھائی کو جب تنہا ہو۔

د۔ راخیانی بہن کو جب تنہا ہو۔

(۶) ثمن (آکھواں) حصہ صرف ایک وارث یعنی بیوی کو ملتا ہے جب بیٹا، بیٹی یا پوتی بھی ہو۔

غرض ذوی الفروض کے حصوں کی مقدار (مذکورہ) چھ طرح سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی

ہے۔ ترکے کا پانچواں، ساتواں، نوواں اور دسواں حصہ کوئی ذوی الفروض نہیں پاسکتا ہے

البتہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض وارث موجود نہیں ہوتے تو ان کا حصہ دوسرے ذوی الفروض

کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جاتا ہے اس طریقے کو شریعت میں رد (لوٹانا) کہتے ہیں جس کا

بیان آگے آ رہا ہے اس طرح بعض ذوی الفروض عصبہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ مزید پالیتے ہیں۔

مگر اس کا حصوں کی تقسیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی یہ نہیں ہوتا کہ چھٹا حصہ پانے والے کو

پانچواں اور چوتھائی حصہ پانے والے کو تیسرا حصہ مل جائے۔

شریعت نے حصہ تقسیم کرنے کا ڈھنگ وہ مقرر

میراث کے حصے لگانے کا طریقہ کیا ہے کہ کوئی حصہ ٹوٹنے نہ پائے یعنی آدھا

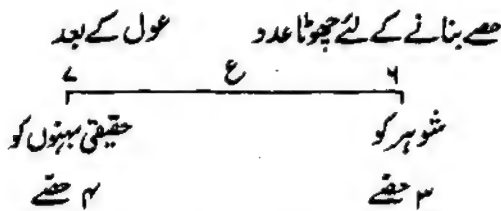
پون اور پاؤ بھی پورے پورے حصوں کی شکل میں ہو اس کے لئے غول کا طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

**عول کے معنی** لغت میں عول کے معنی سیدھی چیز کو ایک طرف جھکانے کے بھی ہیں اور زیادتی کرنے کے بھی۔ شریعت کی اصطلاح میں عول اس اضافے کو کہتے ہیں جو ترکے کی تقسیم میں اگر تنگی محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے لئے کیا جائے۔ درمختار میں عول کی تعبیر یہ کی گئی ہے:

هُوَ زِيَادَةُ السَّهَامِ إِذَا كَثُرَتْ      الْخُرُوجُ فَرْضٍ (یعنی وہ عدد جس سے وارثوں کے  
الْفَرْضُ عَلَى مَخْرَجِ الْفَرِضَةِ      حصے نکل رہے ہیں اسے حصوں کے تعدد زیادہ  
لِيَدْخُلَ النِّقْصُ عَلَى كُلِّ      ہو جائے تو اس عدد کو بڑھا لیا جاتا ہے اس کا نتیجہ  
مِنْهُمْ لِيَقْدَرُوا فَرِضَةً      یہ ہوتا ہے کہ تمام وارثوں کے حصوں میں بقدر  
ان کے حقوق کے قدرے کمی ہو جاتی ہے۔ یہ عمل عول کہلاتا ہے

**عول کی ضرورت** اُس وقت ضرورت پڑتی ہے جب حصے پورے تقسیم میں نہ آتے ہوں یعنی کسی کا حصہ کم ہوتا نظر آتا ہو اور حصوں کو توڑنا یا اُن کی کسر کرنا پڑتی ہو تو مخرج فرض میں اضافہ کر لیا جائے تاکہ حصوں میں کسر نہ کرنا پڑے اور حصے میں اس طرح جو کمی آئے وہ سب حصوں میں برابر سے آجائے۔ مثلاً ایک عورت نے بعد وفات شوہر اور دو حقیقی بہنوں کو وارث چھوڑا، ذوی الفروض میں شوہر کا حصہ نصف یعنی ۱/۲ اور بہنوں کا حصہ دو تہائی یعنی ۲/۳ ہے۔ ترکہ کی تقسیم کے لئے سب سے چھوٹا عدد چھ ہے (یعنی ۲، ۳ اور ۶ کا ذواضعاف اقل) اب اگر ترکے کے چھ حصے کر کے تین حصے شوہر کو دیدے گئے تو باقی رہے تین جبکہ ۶ کا ۲ چار ہوتا ہے، ایسے موقع پر عول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بجائے چھ کے سات کر کے ۳ حصے شوہر کو اور چار حصے دونوں بہنوں کو دے دیے جائیں گے۔ ایک عدد کا اضافہ کرنے سے جو تھوڑی سی کمی حصوں میں آئی اُس کا اثر سب حصوں پر برابر پڑ گیا اور کسر نہیں پڑی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا عدد جس سے شروع میں تقسیم کیا تھا لکھا جائے پھر عول کی رعایت بنا کر بڑھا ہوا عدد لکھ دیا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اضافہ عول کی وجہ سے ہے۔

بیان کردہ صورت میں عول کا طریقہ اس مثال سے سمجھ میں  
**عول کا طریقہ** آجائے گا۔



طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا عدد تلاش کیا جائے جس سے پہلے وارث (شوہر) کو ٹھیک ٹھیک حصہ مل جائے اور پھر باقی وارثوں کو بھی حصہ مل سکے تو یہاں وہ چھوٹا عدد چھ ہے لیکن جب ۶ کا آدھا یعنی ۳ شوہر کو دیدیا گیا تو باقی ۳ بچے جو کل (۶) کے  $\frac{2}{3}$  سے کم رہے اس لئے عول کرنے کی ضرورت پڑی لہذا ۶ کے بجائے ۷ کر کے ہم دوسرے وارثوں کو دیدیکے گئے، مطلب یہ ہوا کہ پہلے جو ۶ حصے تھے انہیں میں تھوڑی کمی کر کے اُن کو بنا لیا گیا اور تمام وارثوں کے حصے پورے کر دیئے گئے۔ اس کی کارگر کسی ایک وارث پر نہیں پڑا بلکہ سب کے حصوں میں مساوی طور پر کچھ کمی آگئی۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ شروع ہی سے کیوں نہ کل ترکے کے سات حصے بنا لئے گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے نہیں کرتے کہ اس صورت میں حصوں کے اعداد کو توڑنا پڑے گا اور پھر بھی وارثوں کا حصہ پورا نہیں ہوگا، مثلاً اگر کل ترکے ۷ مانا جائے تو آدھا ۳½ شوہر کو دیکر بہنوں کا حصہ (۲ ثلث) کیسے پورا کریں گے۔ شریعت کا مقصد تو یہ ہے کہ کوئی حصہ ٹوٹنے نہ پائے یعنی آدھا پورا نہ ہونے پائے اسی لئے عول کا طریقہ رائج کیا گیا، مذکورہ بالا صورت میں حصے تو چھ کئے گئے بعد میں انہیں کو بڑھا کر ۷ کر دیا گیا جس سے حساب ٹھیک ہو گیا اور اس طرح کرنے سے جو حصوں کے حجم میں کمی واقع ہوئی وہ بہت معمولی ہوئی۔

**عول کا نتیجہ** عول کرنے سے حصوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا ہے اُس اضافے کی نسبت سے تمام وارثوں کے حصوں میں ذرا ذرا سی کمی ہو جاتی ہے، اوپر کی مثال میں شوہر کو تین دئے گئے اُس کے بعد بہنوں کو ۴ حصے دیئے تو حساب میں شوہر نے حصے سے ہلکی کمی



ہو گئی، اسی طرح بہنوں کے حصے سے بھی بڑے کی کمی ہو گئی، دونوں کی کمیوں کی وجہ سے حصوں کی تقسیم آسانی سے پوری پوری ہو گئی اور کسر نہیں کرنا پڑی اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ایک تو اپنا اور حصہ پالیتا اور دوسرا کم پاتا یا محروم رہ جاتا۔ کسی تو ضرور ہوئی مگر بہت کم اور کسی کو نقصان نہیں پہنچا نہ کسی کو حق سے زیادہ ملا۔

**عول کس صورت میں نہیں ہوتا** یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ میت کے بڑے کی موجودگی میں عول کی ضرورت کبھی نہیں پڑتی کیونکہ بڑے کے ساتھ دوسرے وارثوں کے حصے یا تو کم کر دیئے گئے ہیں یا انہیں محروم کر دیا گیا ہے۔

**رَد کا بیان** رَد کے معنی لوٹا دینے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایک یا کئی ذوی الفروض کو وراثت کا مقررہ حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اُسے پھر انہیں لوٹا دینا رَد کہلاتا ہے، یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو۔ شریعت نے ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کو دینے کے بعد باقی ترکہ عصبات میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا ہے لیکن اگر اتفاق سے کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر باقی ترکہ بھی اُن ذوی الفروض پر ہی تقسیم کر دیا جائے گا اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کا ہے جب کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عصبات کی عدم موجودگی میں میراث کا باقی ماندہ بیت المال میں داخل کر دینا چاہئے البتہ اگر بیت المال کا نظام نہ ہو تو پھر ذوی الفروض پر تقسیم کر دیا جائے۔

جس طرح عول کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورے سے رائج فرمایا اور تمام صحابہ نے جو فقہائے امت بھی تھے اس کو مانا اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح رَد کا طریقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحابہ کے مشورے سے منظور اور نافذ کیا مگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور یہی رائے امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ہے، گویا ان بزرگوں نے اجتماعی مفاد کو شخصی مفاد کے مقابلے میں قابل ترجیح جانا اسی لئے بیت المال میں میت کے باقی مال کو جمع کر دینا اولیٰ قرار دیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اجتہاد کو قرین صواب

جانتے ہیں کیونکہ وراثت کا تعلق رشتہ اور نسبی قرابت سے ہے جب تک وہ تعلق موجود ہے اس کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ قرآن میں بھی یہی ارشاد ہے :

وَالَّذِينَ آمَنُوا بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (سورہ انفال آیت ۷۵)

اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں کو آپس میں ایک دوسرے کا زیادہ حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔

یہ آیت سورہ انفال کی ہے اور ان مہاجر مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بعد میں اسلام لائے اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی، قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اس تاخیر کی وجہ سے ان کا وہ حق ختم نہیں ہو گیا جو رشتے کی وجہ سے ان کو پہنچتا ہے تو رشتہ دار کا حق بہر حال خالق ہے عام مسلمانوں کے حق سے۔

وہ ذوی الفروض جن پر رد نہیں ہو سکتا  
اگر ذوی الفروض وارثوں میں صرف بیوی یا شوہر ہو تو ان دونوں کو میراث کا وہی

حصہ ملے گا جو مقرر ہے اس سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اگر عصبہ موجود ہیں تو باقی ترکہ وہی پائیں گے ورنہ ذوی الارحام پائیں گے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان رشتہ نسبی و خوئی نہیں ہوتا اس لئے وہ ایک دوسرے کے عصبہ نہیں ہوتے البتہ اگر کوئی رشتہ پہلے سے ایسا ہو جس سے ترکہ مل سکتا ہو مثلاً دونوں ایک دادا کے پوتا اور پوتی یا پر پوتی ہوں جس سے ترکہ مل سکتا ہو تو اس حیثیت سے بقیہ میراث سے حصہ مل سکتا ہے رشتہ زوجیت کی وجہ سے نہیں۔

رد کی صورت میں تقسیم  
رد میں باقی ترکہ اسی اعتبار سے دوبارہ تقسیم کیا جائے گا جس اعتبار سے انھوں نے مقررہ حصہ پایا تھا یعنی وہی تناسب ملحوظ رہے گا۔ جس کو پہلے زیادہ ملا تھا، رد کی صورت میں بھی زیادہ ملے گا اور جس کو پہلے کم ملا تھا، رد کی صورت میں بھی کم ملے گا۔



# معاملات

تجارت

مضاربت

شراکت

قرض

رهن

امانت

عاریت

اجاره

زراعت



## معاملات

انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے روزی کمانے اور سامان رزق مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے جہاں روح کو اخلاقی غذا لیں فراہم کرنے کی ہدایات دی ہیں وہاں جسم کو مادی غذا پہنچانے کے ذرائع اور وسائل استعمال کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ عام طور پر جن ذریعوں اور وسیلوں سے انسان رزق حاصل کرتا ہے اور ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) تجارت : یعنی آپس میں لین دین اور خرید و فروخت۔ (۲) مضاربہ : یعنی ایک شخص کا روپیہ اور دوسرے کی محنت (۳) شراکت یعنی کئی شخصوں کا مل کر خریدنا یا بیچنا یا کوئی کاروبار چلانا۔ (۴) قرض : یعنی کسی دوسرے شخص سے مال یا رقم اُدھار لے کر کام کرنا (۵) اجارہ : یعنی اپنی چیز کرایہ پر دے کر یا دوسرے کی چیز کرایہ پر لے کر کام کرنا یا اپنی محنت کی اجرت لینا اور دوسروں کی محنت کا معاوضہ دینا (۶) زراعت : یعنی اپنی زمین پر خود کھیتی کرنا یا دوسروں کی مدد سے کھیتی کرانا۔ وسائل معاش کے ان طریقوں کو برتنے میں کبھی اپنا مال کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھنے یا دوسروں سے مال عاریت لینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

اسلام نے ان سب طریقوں سے کام لینے کے اصول اور ضابطے مقرر کر دیے ہیں، انہیں کو اصطلاح میں ”معاملات“ کہا جاتا ہے۔ معاملے کے معنی باہم عمل کرنے کے ہیں ان

میں کم از کم دو آدمیوں یا چیزوں کی شرکت ہوتی ہے مثلاً تجارت میں خریدنے والے اور بیچنے والے کی۔ زراعت میں مالک زمین، کاشتکار بیج، پانی اور آلات زراعت کی۔ مضاربیت میں صاحب مال اور کارکن کی، یہی حال اجارہ کا ہے جس میں اجیر و مستاجر یا مالک و مزدور کی شرکت ہوتی ہے۔

**اسلامی ہدایات** مذکورہ بالا معاملات میں شریعت اسلامی کی ہدایات موجود ہیں یعنی صحیح کام کا حکم اور غلط کاموں کی ممانعت۔ اولین بنیادی ہدایت یہ ہے کہ جو معاملہ بھی کیا جائے اس میں تراخی یعنی فریقین کی رضامندی ہونا پہلی شرط ہے۔ اگر فریقین میں کوئی ایک راضی نہ ہوگا تو اسلام میں وہ معاملہ باطل اور ناجائز قرار پائے گا۔ ممانعت یہ کی گئی ہے کہ رضامندی کسی حرام چیز جیسے سود لینے یا دینے، دھوکہ کرنے، جھوٹ بولنے وغیرہ میں نہ ہو تو اگر کوئی تجارت یا زراعت کا معاملہ ایسا کیا جائے جس میں ان ممنوعہ باتوں کی آمیزش ہو تو اسلامی شریعت میں وہ حرام سمجھا جائے گا خواہ معاملہ کرنے والے آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ شراب بنانے کا کارخانہ یا ایسے سامان تیار کرنے کا کارخانہ جس سے اخلاق بگڑتے ہوں یا دولت بے کار ضائع ہوتی ہو، اسلامی شریعت میں ممنوع ہوگا بلکہ مزدوروں کو بھی ایسے کارخانوں میں کام کرنے سے روکا جائے گا خواہ صنایع اور خریدار، مالک و مزدور آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ حرام بر رضامندی کی اجازت تو صرف شدید معاشی مجبوری یا جان و مال اور عزت و آبرو کے سخت خطرہ کی حالت ہی میں دی جاسکتی ہے۔

### اسلامی شرعی ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ

**دنیا میں** یہ ہے کہ نہ معاملہ کرنے والوں میں کوئی اختلاف ہو گا نہ ایک فریق دوسرے پر ظلم کر سکے گا۔ معاشی وسائل و ذرائع چند لوگوں کے لئے سامان عشرت مہیا کر کے باقی لوگوں کے لئے باعث مصیبت نہ بن سکیں گے۔ آج کل پوری دنیا اور خاص طور پر برصغیر میں ضروریات زندگی کی قلت اور گرانی کے سبب جو بے چینی پائی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اُن حکموں (ادامہ) اور ممانعتوں (نواہی) کی صحیح طور پر پابندی

ہیں کی جاتی۔

**آخرت میں** جس طرح باہمی رضامندی کے بغیر یا باطل اور حرام شرائط پر معاملہ کرنے سے کسی نہ کسی کی حق تلفی اور نقصان ہوتا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ایسا معاملہ کرنے والوں کو ناکامی اور حشران سے سابقہ کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں حرام طریقوں اور تراشی کے بغیر روزی کمانے والوں کے عمل کو قتل اور ظلم قرار دیا ہے اور آخرت میں دوزخ کی سزا ان کے لئے طے فرمادی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بَاطِلًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ بَيْنَكُمْ تَرَاضًا مَعًا وَهَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ۚ وَلَا تَقْسُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ شَهِيدًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ فَتُؤْتُونَ نَفْسَكُمْ  
نَكَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (نساء، آیت - ۲۹-۳۰)

اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ رضامندی کے ساتھ کوئی تجارت ہو (تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اور باطل معاملہ کر کے) ایک دوسرے کو (معاشی طور پر) قتل نہ کرو، اللہ تم پر رحم فرماتا رہا ہے (تو تم بھی رحم کے خلاف کام نہ کرو) اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اُس کو ہم عنقریب آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ بڑا بہت آسان ہے۔

رشوت اور جھوٹے مقدمات کے ذریعے روپیہ کمانے والوں کو یہ کہہ کر اس کام سے منع کیا گیا ہے کہ ”ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ و مال نکمہ اس گناہ کو جاننے ہو“ اسی طرح یتیموں کا مال ہڑپ کر جانے والوں کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ”اپنے پیٹ میں آگ بھروسے ہیں“

ایسے حرام طریقوں سے اور آپس کی رضامندی کے بغیر روزی کمانے کا معاملہ کرنا کچھ دنوں کیلئے کسی آدمی کو دنیا میں غنا و پہنچا بھی دے لیکن دوسروں کو نقصان ہی پہنچائے گا اور خود اس کے لئے دُنیا اور آخرت دونوں جگہ تباہی کا سبب ہو گا۔ قرآن نے باطل طریقے پر مال کھانے والوں کو ”اَکَاكُونُ لِلشَّحْتِ“ کہا ہے۔ شحمت کے معنی نیست و نابود کر دینے کے ہیں یعنی رزق کا یہ ذریعہ انجام کار خود کو بھی نیست و نابود کرتا ہے اور دوسروں کو بھی۔



**حلال کمائی کی ترغیب** قرآن میں دی گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی تفصیل سے موجود ہے آپ نے سب سے زیادہ اپنے ہاتھ کی کمائی پر زور دیا کیونکہ اس میں باطل اور سحت کا شائبہ کم ہوتا ہے، آپ نے فرمایا:

مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا  
خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ  
عَمَلِ يَدِهِ ۖ

کوئی روزی اس روزی سے بہتر نہیں ہے جو محنت مزدوری کر کے حاصل کی گئی ہو۔

آپ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں قریش کی بکریاں ایک قیراط روزانہ اجرت پر چراتا تھا۔ حضرت داؤد، حضرت ادیس اور بعض دوسرے انبیاء کی نسبت حدیث میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے عمل سے کماتے تھے۔ صحابہ کرام اور بہت سے بزرگان قوم کا ذریعہ معاش اُن کے ہاتھ کی کمائی رہا ہے۔

حرام مال عبادت کو غیر مقبول بنادیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں سے چند یہ ہیں:

حرام مال سے بلا ہوا جسم جنت میں نہیں جاتا۔ اُس کی دُعا مقبول نہیں ہوتی جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلم سے دہالی قیامت میں اُسے لعنت کا طوق پہنایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کا اجر جہاد کے برابر ہے۔

یہ تو تھیں معاملات کے باب میں قرآن و سنت کی بنیادی ہدایات۔ رہیں ہر معاملے پر ان ہدایات کی روشنی میں مجتہدین کی رائیں تو ان کی تفصیل بھی جاننا ضروری ہے مگر پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حرام چیزیں ہیں کیا کیا؟

معاملات کے مسائل بیان کرنے سے پہلے فقہ کی کتابوں میں باب الحظر والاباحۃ یعنی حلال و حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے۔

**حلال اور حرام چیزیں** محمد جانور حرام قرار دیئے گئے ہیں اُن کی خرید و فروخت بھی حرام ہے الا یہ کہ کوئی شدید ضرورت لاحق ہو جائے۔ ہاں اگر

اُن کے سینک اور چڑے کو ذباغت (پکانے) کے بعد استعمال کیا جائے یا خرید و فروخت کی جائے یا اُن سے کوئی سامان تیار کر کے بیچا جائے تو جائز ہے لیکن سور کا چڑا اُس کی کوئی چیز کسی مال میں جائز نہیں۔

۲۔ مردار۔ مرے ہوئے جانور کا گوشت (بڑی جانور کا) بیچنا حرام ہے۔ اُس کے چڑے کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔

۳۔ نشہ آور چیزیں مثلاً ہر قسم کی شراب، تاڑی، افیون، بھنگ، گانجا، چرس وغیرہ حرام ہیں۔

۴۔ تمام زہریلی چیزیں مثلاً سنکھیا وغیرہ حرام ہیں۔

۵۔ سونے چاندی کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے مگر اُسی حد تک کہ مناسب زینت ہو جائے۔ مردوں کے لئے اُن کا استعمال حرام ہے اور اُن سے بنے ہوئے برتن، چمچے، خاص دان، گھڑی اور آئینے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

۶۔ مردوں کو ریشمی کپڑوں کا استعمال جائز نہیں یعنی خالص ریشم سے بنے ہوئے کپڑوں کا۔

۷۔ سود اور اُس کی جتنی بھی قسمیں ہیں سب حرام ہیں۔

۸۔ جو ا اور اُس کی جتنی بھی قسمیں ہیں مثلاً تاڑی، سٹہ بازی، گھڑ دوڑ پر شرط لگانا، غائب مال کی خرید و فروخت، دھوکہ اور فریب دے کر تجارت کرنا۔ یہ سب اعمال ناجائز اور حرام ہیں۔

۹۔ ناپچ گانا اور سامانِ رقص و سرود بنانا۔

۱۰۔ جاندار کی مصوری یا فوٹو گرافی۔ ایسی تصویریں اور فلمیں بنانا جن میں ناپچ گانے اور عورتوں کی نمائش ہو۔

**حلال اور حرام جانور** پرندوں اور چوپایہ جانوروں کی تفصیل جن کا کھانا حرام ہے ذیل میں دی جاتی ہے (۱) ایسے تمام پرندوں کا گوشت حرام ہے جو پہنچوں سے شکار کرتے ہوں مثلاً شکار باز، شاہین، گدھ، عقاب، چیل وغیرہ۔ وہ پرندے جن کے پنجے تو ہیں لیکن اُن سے شکار نہیں کرتے جیسے کبوتر، فاختہ وغیرہ وہ حلال

ہیں۔ ہڈی، لٹور، جو جڑیوں کا شکار کرتا ہے (جس کی مخصوص غذا گوشت ہے)، اُلو۔ چمگادڑ، جنگلی ابا بیل۔ چنگبر، اکو، جو مردار کے سوا کچھ نہیں کھاتا، یہ سب حرام ہیں البتہ کھیت کا کٹوا جس کا رنگ کالا ہوتا ہے اور جو پنج پاؤں سرخ ہوتے ہیں حلال ہے۔ پرندوں میں سے ہر قسم کے چڑے، بٹیر، چنڈل، بھٹ تیر، چکور، بلبل، طوطا، شتر مرغ، مور، سارس، بطخ، مرغابی دوسرے مشہور پرندے اور ٹڈی حلال ہیں۔

۲۔ وہ تمام درندہ جانور جو کچلیوں سے دوسروں پر حملہ کرتے ہیں حرام ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریکھ، ہاتھی، بندر، تیندوا، گیدڑ، بلی۔ ان میں وہ کچلی کے دانت والے جانور داخل نہیں ہیں جن کی کچلیاں تو ہوں لیکن اُن سے حملہ نہ کرتے ہوں جیسے اونٹ کہ وہ حلال ہے۔ پالتو گدھا، گھوڑا اور خچر حرام ہیں۔ مالکی فقہاء کے نزدیک خچر اور گدھا مکروہ اور گھوڑے کا گوشت کراہت کے ساتھ روا ہے، فقہائے احناف کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ ہرن، نیل گائے کی تمام قسمیں، بھینس، بیل، گائے بکری، بھیڑ اور دنبہ حلال ہیں، نیولا، گوہ، بچو، لومڑی، سنباب، سمور بھی اور فتنک (لومڑی جیسا جانور جس کی کھال نہایت نرم ہوتی ہے) حلال نہیں ہیں۔

۳۔ حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑے) کھانا حرام ہے جیسے کچھ، سانپ، چوہا، مینڈک، چیونٹی وغیرہ۔

۴۔ دریائی جانور جو پانی میں رہتے ہیں حلال ہیں اگرچہ اُن کی شکل مچھلی جیسی نہ ہو جیسے بام مچھلی جس کی شکل سانپ جیسی ہوتی ہے، غرض سوائے مگر مچھ کے تمام اقسام کی مچھلیاں حلال ہیں، فقہائے احناف کے نزدیک وہ دریائی جانور جو مچھلی سے مشابہ نہ ہو حلال نہیں ہے، اور مچھلیوں میں طافی کا کھانا جائز نہیں، طافی وہ مچھلی ہے جو پانی میں طبعی موت مکر پلٹ گئی ہو، پیٹ اوپر اور پیٹھ نیچے ہو گئی ہو۔

۵۔ کچھ احرام ہے خشکی کا ہو یا دریائی ہو جو ترسہ کے نام سے مشہور ہے یہ خشکی میں بھی رہتا ہے اور تری میں بھی۔

۶۔ سور اور کتا اور مرا ہوا ہر جانور (جو شریعت کے مطابق ذبح کئے بغیر مر جائے) حرام

ہے۔ خون حرام ہے (جگر اور تلی خون میں شامل نہیں اس لئے وہ حلال ہیں) وہ حلال جانور جو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو (منحصرہ) یا کسی آلے سے ضرب لگا کر مارا گیا ہو (موقوفہ) یا بلندی سے گر کر ہلاک ہوا ہو (متردیه) یا کسی دوسرے جانور نے سینگ وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو (نظیمہ) ان سب کا گوشت کھانا حرام ہے۔ سوائے اس کے کہ مرنے سے پہلے انھیں ذبح کر لیا جائے اور وقت ذبح ان میں زندگی کے آثار پوری طرح پائے جاتے ہوں۔

**دوسری حلال و حرام اشیاء** اوپر حرام جانوروں کی تفصیل بیان کی گئی تو جو جانور حرام ہیں ان کی خرید و فروخت بھی بغیر کسی عذر شرعی کے حرام ہے۔ اگر ان کے سینگ کھال اور چمڑے کو دباغت کر کے یعنی بچا کر استعمال کیا جائے یا ان کی خرید و فروخت کی جائے یا ان سے سامان جو اکریجا جائے تو جائز ہے لیکن سور کا چمڑا یا اس کی اور کوئی چیز کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ ہر مردار جانور کا گوشت یا چمڑا بچنا حرام ہے البتہ بدوہ (بچایا ہوا) چمڑا اگر کوئی بیچے تو جائز ہے۔

۲۔ ہر ایسی چیز جو انسان کے بدن یا اس کی عقل کے لئے نقصان دہ ہو اس کا باہمی لین دین حرام ہے مثلاً افیون، بھنگ، گانجا، چرس، کوکین اور ایسی ہی وہ تمام اشیاء جو نشہ آور نقصان رساں یا زہریلی ہوں۔

**پینے کی اشیاء حرام ہیں** شریعت اسلامی میں شراب کا پینا سخت حرام ہے کبیرہ گناہ اور بدترین جرم ہے کیونکہ اس میں اخلاقی جسمانی اور اجتماعی نقصانات پر اس کا حرام ہونا کتاب اللہ و سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمُونُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْكَرُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَابْتَعِيُوا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ وَإِذَا سَأَلَ يَبْنِي الشَّيْطَانُ لَكُمْ لُؤْلُؤَةً بِمِثْلِهِ فَقُلُوا فِي الْغَبْرِ وَاسْتَبِشُوا بِصَلَاتِكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَحِينَ الْقُلُوبِ قُلْ إِنَّمَا نَحْنُ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

(سورہ مائدہ ۹۰-۹۱)

اے ایمان والو! یہ شراب اور جو اور یہ بت اور پالنے گندے شیطانی کام ہیں ان سے بیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں نفع نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور

جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے

اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے ؟

اس آیت میں شراب کے حرام ہونے کی دس دلیلیں ہیں (۱) شراب کو جوئے، بت اور پانسوں کے تیروں کی طرح بُرا قرار دیا گیا (۲) جس میں یعنی گندگی جیسی مکروہ چیز (۳) شیطانی عمل ہونا (۴) بدمیز کے قابل چیز (۵) نبات اس کے ترک پر منحصر ہونا (۶) شیطان اسے باہمی عداوت پیدا کرنے میں استعمال کرتا ہے (۷) اُسے کینے کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے (۸) اللہ کی یاد سے باز رکھنا چاہتا ہے (۹) نماز سے روک دینا چاہتا ہے (۱۰) اس سے باز نہ آنے والوں کو سخت تہدید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا یشرب الخمر حین یشربہا وہو مؤمن شراب پیئے والا پیئے وقت مومن نہیں رہتا۔

تمام اُمت اور ائمہ مسلمین کا اجماع ہے کہ شراب حرام ہے اُس کا پینا بدترین گناہ اور شدید ترین

جرم ہے۔

خمر کے معنی ہیں عقل پر پردہ ڈالنے والی چیز جو چیز عقل کو ضبط کر دینے والی ہو وہ خمر ہے خواہ وہ انگور سے بنائی جائے یا کھجور یا شہد یا گہو یا جو یا کسی اور چیز سے تیار کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح بھی فرمادی ہے کہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام دوزخ زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو دھو توڑی سی بھی حرام ہے، خواہ نشہ نہ لائے۔ انگور سے بنی ہر قسم کی شراب خواہ وہ خمر ہو (جو شیرہ انگور کا خمر اٹھا کر اور جوش دے کر بنائی جاتی ہے یا باذوق (بادہ) ہو جو شیرہ انگور کو دو تہائی تحلیل کر کے بقی ہے یا مُنْقَع (یعنی دو آتش) یا مُکَلَّت (یعنی سدا نشہ ہو سب حرام ہیں) اسی طرح مسکر اتانہ کھجوروں کو جھلو کر بنائی گئی اور فیخ خشک کھجور کو پانی میں جھلو کر بنائی گئی اور فینا التمر کھجوروں کا پانی جوش دے کر بنائی ہوئی) یہ سب جب نشہ آور ہو جائیں حرام ہیں خواہ زیادہ ہوں یا ایک ہی قطرہ ہو۔ یہی حکم کشمش، منعی وغیرہ کا ہے جب انھیں جوش دے کر نشہ آور بنالیا جائے کھجور اور انگور کا مرکب مشروب یا شہد، زیتون اور جو وغیرہ سے تیار شدہ ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو جائے حرام ہے، ان شرابوں کی تھوڑی مقدار کا حکم بھی وہی ہے جو کثیر مقدار کا ہے۔ ہر مطلق عاقل (جس پر شریعت کے احکام عائد ہوتے ہیں) شراب حرام ہے، مجبور و ناجار پر نہیں۔



تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا اور نہ روزہ جس نے چادر یا کرتا حرام کمائی کا پہن رکھا ہو جب تک اُسے ہٹانہ دے۔ اسی طرح فخر اور تکبر کے بطور لباس پہننا حرام ہے، مردوں کو ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، ان کو زعفرانی رنگ والا اور سرخ رنگ والا لباس پہننا مکروہ ہے عورتوں کو ریشم کا لباس اور ہر طرح سے اس کا استعمال حلال ہے اور ہر رنگ کا لباس پہننا بھی ہلا کراہت جائز ہے۔

ریشم کی بنی ہوئی جاناظر پر نماز پڑھنا مردوں کو جائز ہے، تسبیح کا ریشمی ڈھوا، قرآن شریف کا ریشمی غلاف بنانا جائز ہے۔ گیسے پر ریشم کا غلاف پڑھانا بالکل جائز ہے۔ ایسا لباس مرد کے لئے حلال ہے جس میں ریشم کے ساتھ روئی یا کتان یا اون ملا ہوا ہو مگر ضروری ہے کہ ریشم برابر کا ہو یا کم ہو اگر ریشم کا حصہ زیادہ ہو تو ناجائز ہے، ریشم کا حاشیہ یا گوٹ اور بیل بھی جائز ہے بشرطیکہ چار انگلی سے زیادہ چوڑی نہ ہو۔

**سونے چاندی کا استعمال** سونے چاندی کا استعمال بجز ان صورتوں کے جائز نہیں استعمال کرنے کی متقاضی ہوں، حرام ہے۔ حرمت کا سبب یہ ہے کہ تقدی جس سے عام لوگ کار و بار کرتے ہیں کیا ہو جاتی ہے اور نادار لوگوں پر معیشت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ صرف عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ سونے چاندی سے خود کو آراستہ کریں کیونکہ عورت کے لئے زیب و زینت ضروریات میں سے ہے لہذا وہ سونے چاندی کے زیورات پہن سکتی ہے، اسی طرح مرد کو بھی چاندی کی انگوٹھی پہننا روا ہے کیونکہ بعض اوقات اس کو نگینے پر نام نقش کرانے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے قاضی اور حاکم کو بطور مہر کے اور یہ سنت بھی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی دو درہم کے برابر تھی اس سے زیادہ وزن کی انگوٹھی نہ ہونا چاہیے اور ایک سے زیادہ انگوٹھیاں پہننا بھی مرد کے لئے جائز نہیں۔ سونے چاندی کے برتن رکھنا اور ان میں کھانا پینا حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تشربوا فی انیۃ الذہب  
والفضۃ ولا تاكلوا فی صحافہا  
وانہا لہم فی الدنیا و لکم  
سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو نہ  
ان کے بنے ہوئے پیالوں میں کھاؤ یہ دنیا  
میں ان کے لئے اور آخرت میں تمہارے

فی الخفۃ۔ لئے ہیں۔

جس طرح ان کا استعمال حرام ہے اسی طرح ان کا رکھنا بھی حرام ہے اس سے بے ہوئے چمچے، آئینہ، عطر دان، پاندان، خالص دان اور گھڑی وغیرہ بجائے اور قہوے کی پیالی سگریٹ کیس، حقہ کی ٹنہال یہ سب ناجائز ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حلال ہے ان میں شکار اور ذبحے اور ان میں حلال و حرام سے جو جانور شکار کر لے کے قابل ہوں ان کا شکار کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کو بے آرامی یا نقصان نہ ہو اور شکار کی غرض محض ہو وعب (کھیل) نہ ہو کیونکہ ایسی صورتوں میں شکار کرنا حرام ہے۔  
شکار کی اجازت :- قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے :-

يَسْأَلُكَ تِلْكَ الْبُحُلُ الْعِجْلُ أَفَلَا تَتَذَكَّرُ ۚ وَمَا مَكَّنَّا مِنَ الْفُلُقِ الْيَمِّ مِن مَّكَالٍ يَوْمَ يُكَلِّفُ الْمُشْكِكُونَ مَضَلَّ سَبِيلَهُ اللَّهُ

(مائدہ - ۴)

فَلَا وَمَا آتَيْنَاكَ عَلَيْكَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُسْتَعِذِينَ

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے واسطے کیا کیا حلال گیا ہے تو انہیں بتادو کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ وہ شکاری جانور جنہیں تم نے سدھا لیا ہے اور انہیں وہ کچھ سکھا رکھا ہے جو تمہیں اللہ نے سکھایا تو اگر وہ (سدھے ہوئے جانور) تمہارے لئے شکار کو دبوچ رکھیں تو وہ کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔

اسی طرح یہ ارشاد فرمایا ہے إِذَا خَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ اَجِبْ ج سے فارغ ہو چکو تو شکار کر سکتے ہو ان آیات سے شکار شدہ جانور کا طلال ہونا ثابت ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو ثعلبہ سے روایت موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایسی سرزمین میں ہوں جہاں شکار دستیاب ہیں میں اپنی کمان سے اور سدھائے ہوئے کتے سے اور بے سدھائے کتے سے شکار کیا کرتا ہوں کیا یہ باتیں ٹھیک ہیں، آپؐ نے فرمایا جو تم نے تیرے شکار کیا اور اللہ کا نام لے کر تیرے چلایا تو اسے کھاؤ اور جو سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے لیا تو وہ بھی کھاؤ اور بے سدھائے کتے سے جو شکار کیا تو اگر اسے ذبح کر سکے تو کھاؤ۔



امام مسلم نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ فَاِذَا وَجَدْتَهُ مِيتًا فَكُلْ اِلَّا  
 ابْنُ تَجْدَةٍ قَدْ وَقَعَ فِي السَّمَاءِ فَمَا نَتَّ فَاَنْتَ لَا تَدْرِي اَتَمَّاءِ  
 قَتَلَهُ اَوْ سَهْمُكَ -  
 یعنی تیر چلانا ہو تو اللہ کا نام لے کر چلاؤ  
 اب اگر شکار مر جائے تب بھی کھا سکتے ہو  
 لیکن اگر وہ پانی میں جا پڑے اور مر گیا تو ہمیں  
 کیا معلوم کہ اُس کی موت پانی سے ہوئی  
 یا تمہارے تیر سے (یعنی پانی میں مر جائے  
 والا جانور کا کھانا جائز نہیں)

عدی بن حاتم نے دریافت کیا تھا کہ معرض سے شکار کرنے کا کیا حکم ہے، معرض ایسا تیر ہے  
 جس کے دونوں پہلو دھار دار ہوتے ہیں اور بیچ سے موٹا ہوتا ہے، زخم پہلوؤں سے لگتا ہے نوک سے  
 نہیں لگتا تو آپ نے فرمایا:

اِذَا اَصْبَحْتَ بِحِلْيَةٍ فَكُلْ وَاِذَا  
 اَصْبَحْتَ بِعَرَضَةٍ فَلَا تَاْكُلْ  
 فَاِنَّهُ وَقِيدٌ -  
 یعنی اگر شکار تیر کے پہلو سے زخمی ہوئے تو  
 کھاؤ اور اگر درمیان سے ہو تو نہ کھاؤ کیونکہ  
 وہ وقید (چوٹ سے مارا ہوا) ہو جائے گا  
 جو حرام ہے۔ (بخاری و مسلم)

ان احادیث میں شکار کے حلق اہم احکام ہیں:

۱۔ اس بات میں سب کا اجماع ہے کہ شکار حلال ہے بشرطیکہ مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:  
 جن جانوروں کا شکار حلال ہے اُن میں ایک تو وہ ہیں جن کا کھانا حلال ہے دوسرے وہ جانور  
 ہیں جن کا کھانا حلال نہیں جیسے درندے تو اُن کا شکار کرنا اُن کے ضرر سے محفوظ رہنے کے  
 لئے حلال ہے، اسی طرح دانت اور بال یا کھال سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے بھی شکار  
 کرنا حلال ہے۔

۲۔ جو جانور فطری طور پر ان سے غیر مانوس ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، جنگلی خرگوش وغیرہ  
 ایسے جانوروں کا شکار جائز ہے لیکن جو جانور ان سے فطری طور پر یا مستقل طور پر مانوس  
 ہو جائیں تو ایسے حلال جانور بغیر ذبح کئے حلال نہیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی جانور بے قابو

ہو جائے اور قابو میں لانا دشوار ہو تو عقر کر کے کھایا جاسکتا ہے، عقر کے معنی یہ ہیں کہ تیر یا نیچے  
 وغیرہ سے بدن کے کسی حصے کو زخمی کر دیا جائے کہ خون اس کے جسم سے بہ جائے اور اسی زخم  
 سے ہلاک ہوا ہو اور عقر کرتے وقت تذکیرہ (ذبح کرنے) کی نیت رہی ہو۔ ایسے جانور جو  
 پکڑے جاسکتے ہیں وہ شکار کے ذریعے حلال نہ ہوں گے جیسے مرغی، بالٹوٹ، بٹس اور کبوتر  
 بھلات جنگلی کبوتر کے ان میں وحشت ہوتی ہے اور گرفت میں نہیں آتے لہذا ان کا شکار  
 حلال ہے۔

۳۔ ایک شرط یہ ہے کہ اس جانور کا کوئی دوسرا شخص مالک نہ ہو۔ اُس کا کوئی دوسرا مالک ہو تو شکار  
 حرام ہے۔

۴۔ اگر شکار شدہ جانور زندہ ہاتھ آیا ہو تو بغیر ذبح کئے حلال نہ ہوگا

**شکاری سے متعلق شرائط**  
 ۱۔ مسلمان یا اہل کتاب کا مارا ہوا شکار حلال ہے مجوسی بت پرست  
 اسلام سے مرتد ہو جانے والا ذہریہ اور وہ شخص جو الہامی  
 کتابوں میں سے کسی کا پیروں ہو اُس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال  
 ہونے کی تین شرطیں ہیں پہلی یہ کہ اس جانور پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ پکارا گیا ہو دوسری  
 یہ کہ وہ جانور اُس کا اپنا مال ہو کسی دوسرے کا نہ ہو تیسری شرط یہ کہ وہ جانور ایسا ہو جو اہل کتاب  
 کی شریعت میں بھی حلال ہو اور ہماری شریعت میں بھی۔ اگر وہ جانور ہماری شریعت میں حلال  
 اور شکار کرنے والے اہل کتاب کے یہاں حرام ہو تو وہ شکار بھی حرام ہوگا جس طرح دوسرے  
 حرام جانوروں کا شکار ہمارے لئے حرام ہے۔

۲۔ جن لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں اُن کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار بھی حلال نہیں مثلاً نابالغ جو با شعور نہ

ہو یا گمل جو حالت جنون میں ہو، بدست جو مدہوش ہو، میٹرا اور عورت اور بدکار انسان

۳۔ ذبح یا شکار کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو کسی اور کے نام لینے سے شکاری کا مارا ہوا شکار

حلال نہ ہوگا، اگر حیر چلنے اور شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہہ لیا تو اب اس سے

جو شکار بھی ہوگا وہ حلال ہوگا، اگر کوئی تیراٹھا کر شکار کے لئے اللہ کا نام لیا لیکن اُس تیر کو چھوڑ کر

کوئی اور تیر بغیر اللہ کا نام لئے چلا دیا تو شکار حلال نہ ہوگا، بھلات اس کے اگر ہاتھ میں پھری لیکر

ذبح کرنے کے لئے بسم اللہ کہا لیکن اُس چھری کو چھوڑ کر کسی اور چھری سے دوسری بار بسم اللہ کہے بغیر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال ہو گا کیونکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام جانور پر لیا جاتا ہے اور شکار کے وقت اُس آئدہ جس سے شکار کیا جاتا ہے۔

۴۔ شکاری کہتے یا شکاری جانور کو شکار کے لئے چھوڑا گیا ہو خواہ شکاری نے خود چھوڑا ہو یا خادم کو چھوڑنے کا حکم دیا ہو، شکار کا حکم دینے والے کی نیت اور اللہ کا نام لینا کافی ہے لیکن اگر شکار کرنے والے یا ذبح کرنے والے نے جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ کی مثلاً کسی جانور کو کسی آلہ سے ضرب لگائی جس سے اُس کا گلہ زخمی ہو گیا اور وہ مر گیا تو وہ حلال نہ ہو گا کیونکہ اس ضرب سے جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ تھی۔ بعض فقہاء کے نزدیک شکار کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے کسی معین جانور کو شکار کرنے کا ارادہ کیا ہو اب اگر نشانہ ٹھیک بیٹھے تو اُس کے حلال ہونے میں کوئی مشبہ نہیں۔ لیکن اگر نشانہ خطا ہو گیا اور جس پر نشانہ لگایا اُس کے بجائے اُس کے کسی ہم جنس کو لگ گیا تو اُس کا کھانا جائز ہے مثلاً ہرن کی ڈار پر تیر چلایا اور اُس سے کوئی بھی ہرن گھائل ہو گیا تو اُس کا کھانا حلال ہے کیونکہ ارادہ ہرن کو شکار کرنے کا تھا، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کسی خاص جانور کا ارادہ کیا اور کوئی دوسرا شکار ہو گیا۔ لیکن اگر نہ کوئی معین جانور کا ارادہ کیا اور نہ کسی جنس کا بلکہ دھار دار ہتھیار کسی جانور کے لگ گیا جس سے خون بہہ گیا یا ذبح ہو گیا تو حلال نہ ہو گا کیونکہ ذبح کرنے کی نیت ہی سرے سے نہ تھی۔

**آلات شکار کے شرائط** شکار دو قسم کے آلات سے کیا جاتا ہے، پہلی قسم بے جان آلات کی ہے جیسے تیر، نیزہ، بلم، تلوار اور خنجر، دوسری قسم جاندار آلات کی ہے جس کی مثال شکاری جانور ہیں، کتاب جسے شکار کرنے کے لئے سدھایا گیا ہو یا شیر، تیندوا اور جیتا جس کو تربیت دیکر سدھایا گیا ہو، اسی طرح شکار، باز، عقاب و شاہین۔

پہلی قسم کے آلات سے حلال شکار ہونے کی شرط یہ ہے کہ جانور آلے کی دھار یا نوک کے زخم سے مارا ہو لیکن اگر دھار یا نوک کے بجائے ان آلات کے دوسرے حصوں کی ضرب سے مارا اور اُسے زندہ پا کر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ مردار ہے جیسے لکڑی، لٹائی یا پتھر کی چوٹ کھا کر مر جائے تو وہ حلال نہ ہو گا۔

گولی یا چھترے کا زخم کھا کر اگر زندگی باقی رہ گئی اور اسے ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو گیا۔ متاخرین فقہانے گولی سے مارا ہوا جانور حلال قرار دیا ہے کیونکہ گولی لگنے سے خون بہتا ہے۔ زخم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بھاڑنے والا ہو اگر سوراخ والا زخم ہو تب بھی صحیح ہے، گولی سے شکار کرنے میں یہ شبہ رہتا ہے کہ شکار کی موت زخم سے ہوئی ہے یا چوٹ سے، اگر یہ یقین ہو جائے کہ زخم کھا کر خون بہنے کے بعد موت ہوئی ہے تو حلال ہو گا ورنہ جب تک وہ فی الواقع زندہ ہاتھ نہ آئے اور اسے حلال نہ کر لیا جائے اس کا کھانا جائز نہ ہو گا۔ چھترے سے شکار کئے ہوئے جانور کا حکم بھی گولی سے شکار کئے گئے جانور کی طرح ہے۔

شکار کے حلال ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ شکار کے ہتھیار سے جانور کا کوئی عضو بدن زخمی ہو جائے اور وہاں سے خون بہے اور ایک شرط یہ ہے کہ اس شکار کا کسی تیر یا کسی آلہ شکار سے مرنا ثابت ہو اور اس کی موت میں کسی اور سبب کو دخل نہ ہو مثلاً کبھی شکار پر تیر چلایا اور وہ زخمی ہو گیا لیکن کہیں ایسے پانی میں جا پڑا جہاں ڈوب کر مر جانے کا احتمال ہے، اب اگر وہ وہاں مردہ پایا گیا تو وہ حلال نہ ہو گا، کیونکہ مرنے کے بعد وہ سبب ہو گئے، ایک ایسا تھا کہ اس کا کھانا حلال ہے یعنی تیر کا زخم اور دوسرا سبب ایسا تھا جو حلت سے مانع ہے یعنی پانی میں ڈوب کر مرنا اب احتیاطاً اس سبب کو ترجیح دی جائے گی جو اس کے حلال ہونے سے مانع ہے۔

اگر شکار آلہ شکار سے ایسا زخمی ہوا کہ دو ٹکڑے ہو گیا تو اس کے تمام اجزاء حلال ہیں لیکن اگر ایسا عضو کٹا کہ اس کے بغیر اس جانور کے زندہ رہنے کا امکان ہے مثلاً ہاتھ پیر یا ران۔ پھر اسے ذبح کر لیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے لیکن وہ عضو جو کٹ کر الگ ہو گیا ہے حرام ہو گا کیونکہ زندہ جانور سے جو حصہ جدا ہو جائے مردار ہوتا ہے۔ اگر کٹا ہوا حصہ بالکل علیحدہ نہ ہوا ہو اور گوشت کے ساتھ لٹکا ہوا ہو تو یہ وابستہ حصہ ذبح کے حکم میں ہے۔

شکاری جانوروں کے ذریعے شکار کرنے کے شرائط یہ ہیں کہ شکاری جانور خواہ وہ منہ سے صاف پھوٹ کر شکار کرنا ہو جیسے کتا چیتا وغیرہ یا پنجوں سے شکار کرنا ہو جیسے باز، شاہین وغیرہ وہ سدھا لیا گیا ہو، قرآن میں تَعْلَمُوْهُنَّ کالفظ ہے (جنہیں تم نے سکھایا ہو) اور ایسا سدھا لیا گیا ہو کہ وہ شکار کو دبوچ رکھے، قرآن میں ہے فَكُلُوا مِنْهُمَا اَمْسَلَكُمْ عَلَيْهِمْ (پس کھاؤ جس کو تمہارے لئے پکڑ رکھا

ہے جانور کا سدھا ہونا چار باتوں پر موقوف ہے (۱) اُسے شکار پر چھوڑتے وقت اگر روکا جائے تو رُک جائے (۲) جب شکار پر چھوڑا جائے تو شکار کرنے کے لئے تیار ہو جائے یعنی مالک کا اشارہ پاتے ہی جھپٹ پڑے (۳) شکار کو کپڑ کر مالک کے لئے روک رکھے۔ چھوڑے نہیں (۴) اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔

بچوں سے شکار کرنے والے جانور کا سدھا ہونا ہونے کی پہچان یہ ہے کہ جس وقت اس کو شکار پر چھوڑا جائے تو وہ مالک کی اطاعت کرے اور جب واپس بلایا جائے تو واپس آجائے ہاں شکار نہ کھانا تو یہ شرط شکاری پرندوں کے لئے لازم نہیں ہے لہذا شکاری پرندوں کا مارا ہوا شکار حلال ہے گو اس میں سے کچھ کھایا ہو اور شکار زخمی ہو لیکن گلا دبوچ کر مارا ہوا شکار مباح نہیں ہے۔ اگر شرائط مند رجہ بالا میں سے کوئی شرط شکاری جانور کے تربیت یافتہ ہونے کی نہ پائی گئی تو شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر زندہ ہاتھ آجائے اور اُس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا۔

**حرام جانور** جن کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو خواہ ہاتھ سے یا مشین سے، جو کسی چیز سے ٹکرا کر یا کسی ضرب سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو کسی دوسرے جانور سے لڑ کر یا اُس کے سہنگ مار دینے سے مرا ہو، جس کو کسی درندے نے مار ڈالا ہو اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

**چمدا اور حرام چیزیں** وہ تمام معاملے جن میں سود کی آمیزش ہو حرام ہیں، اس کی تفصیل الگ سے بیان ہوگی، اسی طرح جو اُس کی تمام قسمیں حرام ہیں مثلاً ٹری، سٹہ بازی، پانسہ بھیننا، شرط لگا کر مقابلہ کرنا، خرید و فروخت کا معاملہ ایسے وقت کرنا جب کہ مال موجود نہ ہو وہ تجارت جس میں دھوکہ یا فریب کو دخل ہو، سب چیزیں حرام ہیں۔ ناچ گانا اور ناچنے گانے کا سامان، فلم سازی اور تصویر سازی جس میں رقص و سرود اور عورتوں کی نمائش ہو شریعت اسلامی میں منع ہے۔

ریشمی کپڑوں اور وہ چیزیں جن کا استعمال حرام ہے لیکن خرید و فروخت حرام نہیں سونے چاندی کا استعمال مردوں پر حرام ہے لیکن وہ عورتوں کے لئے ریشمی کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں

کو خرید اور بیچ سکتے ہیں، حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اور جربہ حرام ہے مگر ہڈی، سینک و ربال کی خرید و فروخت جائز ہے کیونکہ ان سے ایسی چیزیں بنائی جاتی ہیں جن کو سب استعمال کر سکتے ہیں، اسی طرح مردار کی کھال کو پکانے یعنی دباغت کرنے سے پہلے استعمال کرنا اور بچھانا جائز ہے لیکن اگر اُسے بکالیا جائے اور اُس کے بعد فروخت کر دیا جائے تاکہ اس کے جوتے یا جکس وغیرہ بنائے جائیں تو جائز ہے مگر سور کی کوئی چیز کسی حال میں حلال نہیں ہے، اسی طرح مردار جانور کی جربہ اگر کسی چیز پر لگانے کے کام میں لائی جائے تو بعض فقہاء کے نزدیک مباح ہے۔

**اسپ دوانی اور تیر اندازی کے مقابلے** گھوڑ دوڑ یا شتر دوانی یا تیر اندازی کے مقابلے جب جہاد اور علاقائی تحفظ کے لئے کرائے جائیں وائمہ فقہ کے نزدیک یہ سنت طریقہ ہے، حدیث صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمونہ (چھبر بے بدن کے) گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ اسی طرح تمام ایسے مقابلے جن سے مقصد جسمانی ورزش اور قوت جہاد حاصل کرنا ہو رہا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاللّٰهُمَّ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** یعنی دشمنان دین سے مقابلے کی تیاری کے لئے جہاں تک ہو سکے اپنی طاقت بڑھاؤ۔

فقہاء کے نزدیک ایسے تمام مقابلے جو جنگی کارروائیوں میں کارآمد ہوں اور جن کی غرض مشق و رطقت کو بڑھانا ہو اور پھر نہ کسی کے لئے مضرت رساں ہوں اور نہ معاوضہ کی شرط ہو تو سب حلال ہیں اور اگر دل بہلانے اور کھیل کے لئے ہوں جیسے پانٹھ پھینکنا اور شرط نہ کھیلنا تو حرام ہیں۔ گھوڑ دوڑ شتر دوانی یا تیر اندازی پر انعام کی شرط لگانا اس صورت میں جائز ہے جب فریقین مقابلہ میں سے صرف ایک فریق یہ کہے کہ اگر تم سبقت لے گئے تو یہ انعام تم کو دوں گا اور اگر میں جیت گیا تو تم سے کچھ نہ لوں گا یا کوئی تیسرا شخص یوں کہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں جو بازی لے جائے گا میں اُس کو اس قدر انعام عطا کروں گا اگر مقابلہ کرنے والوں میں ہر ایک کی طرف سے مال شرط پر لگایا جائے تو حلال نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جوا ہو جائے گا۔ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کے لئے یہ شرط ہے کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے گھوڑے کی رفتار سے بے خبر ہو اور یہ کہ معاوضہ یا انعام کوئی دیانت دار شخص مقرر کرے جو خود مقابلے میں حصہ لینے والا نہ ہو پھر اگر کسی شخص نے

جیتنے والے کے لئے کوئی انعام پیش کیا تو سبقت لے جانے والے کو اس کا لینا حلال ہے۔ اسی طرح اگر مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک نے یہ شرط لگائی کہ اگر فریق مقابل بازی لے جائے تو وہ اس قدر مال یا رقم اُسے دے گا لیکن دوسرے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی اور وہی مقابلہ جیت گیا تو معاوضہ لینا حلال ہوگا اور اگر معاوضہ دینے والا سبقت لے گیا تو اُسے کسی سے کچھ لینے کا حق نہیں ہے بلکہ اُسے رقم حاضرین میں تقسیم کر دینا ہوگی لیکن اگر دونوں میں سے ہر ایک نے معاوضہ دینے کی شرط کی کہ جو جیتے وہ لے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جوئے کی شکل ہے البتہ اگر دونوں شرط لگائی اور ایک تیسرا شخص اور شامل ہو گیا جس نے معاوضہ کی کوئی شرط نہیں کی تو یہ طریقہ جائز ہے بشرطیکہ یہ تیسرا شامل ہونے والا شخص اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی رفتار سے بے خبر ہو لیکن اگر اُسے اُن کی رفتار کا علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کا اپنا گھوڑا اُن دونوں گھوڑوں سے آگے جائے گا جنہوں نے شرط لگا رکھی ہے تو مسابقت کا عمل جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے: "من ادخل فرسا بین فرسین وهو یعلم انه یسبقهما فهو قمار" (اگر کوئی دو مقابلے میں شریک ہونے والے گھوڑوں میں اپنا گھوڑا مقابلے کے لئے شامل کرے اور جانتا ہو کہ اُس کا گھوڑا اُن دونوں سے آگے جائے گا تو یہ حرام ہے)۔

الم احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں دوڑ کے مقابلے کے لئے معاوضہ یا انعام مقرر کرنا درست ہے اور مقابلے کے فریقوں میں سے ہر ایک کو معاہدہ توڑ دینا ردائے مکرر و شرعاً حرام ہے۔ بعد جب ایک کی برتری دوسرے پر نظر آئے لگے تو ہاتھ ملے ہوئے فریق کو معاہدہ توڑنا جائز نہ ہوگا البتہ برتری حاصل کرنے والا معاہدہ فسخ کر سکتا ہے۔ معاہدے کی صحت بائع شرطوں پر موقوف ہے۔

۱۔ گھوڑ سواروں کا تعین ایک دوسرے کے سامنے کیا گیا ہو اور شروع سے آخر تک کوئی رد و بدل نہ ہو یہی بات تیر اندازوں کے لئے ضروری ہے۔

۲۔ گھوڑے باجم ایک نوع کے ہوں (اصیل عربی) گھوڑے کا مقابلہ (مہین (دوغل) گھوڑے کے ساتھ صحیح نہیں اسی طرح عربی کمان (قوس نہیں) کا مقابلہ فارسی کمان (قوس نشاب) سے صحیح نہیں۔

۳۔ مسافت اور منزل کی حد مقرر ہو یعنی دوڑ شروع ہونے اور ختم ہونے کے مقامات متعین ہوں اور دوڑ کی ابتدا ایک متعین لمحے سے کی جائے اسی طرح تیر اندازی کے لئے فاصلہ

اور نشانہ متعین ہو۔

۴۔ معاوضہ جو مقرر کیا جائے وہ سب کو معلوم ہو یا آنکھوں کے سامنے ہو اور ایک متعین شے ہواؤ کوئی حرام شے نہ ہو جیسے سورا یا شراب۔

۵۔ جوئے سے مشابہت نہ ہو یعنی تمام شرکار کی طرف سے مال کی پیش کش شرط نہ ہو۔

وہ چیزیں جو حالات کی تبدیلی سے خالص ریشمی کپڑے پہننا مردوں کے لئے جائز جائز یا ناجائز ہو جاتی ہیں نہیں عورتوں کے لئے جائز ہے۔ چاندی سونے کی

بنی ہوئی چیزوں کا استعمال صرف عورتوں کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ زیور کی شکل میں ہوں ورنہ نہیں۔

اس لئے ان چیزوں کی خرید و فروخت حرام نہیں ہے۔ حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اور اُس کی چربی ہر حال میں حرام ہے لیکن اگر کُن کی ہڈی، سینگ اور بالوں کا استعمال کیا جائے تو جائز ہے اسی

طرح مردار کی کھال کو بچالے (دباغت کرنے) سے پہلے استعمال کرنا ناجائز ہے لیکن دباغت کے

بعد استعمال کرنا جائز ہے اور ان سے بنی ہوئی چیزوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ مگر سوکھ کوئی چیز کسی مال میں ملائی نہیں ہے مردار کی چربی کھانے کے علاوہ کسی دوسرے استعمال میں ضرورتاً لانی جائیگی۔

خرید و فروخت کے سلسلے میں جن الفاظ کا ذکر بار بار آئے گا ان کا مفہوم چند اصطلاحیں ذہن میں حاضر رہنا چاہئے مثلاً بیع، شرا، ایجاب و قبول، بیع اور ثمن۔

(۱) بیع کے معنی بیچنے کے ہیں اور بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔

(۲) شرا کے معنی خریدنے کے ہیں اور خریدنے والے کو مشتری کہتے ہیں۔

(۳) ایجاب و قبول۔ بیچنے اور خریدنے والے کے وہ الفاظ ہیں جن سے معاملہ طے پاتا ہے مثلاً

جب بائع نے کہا کہ یہ چیز میں نے اتنے میں بیچ دی تو یہ ہوا "ایجاب" اور مشتری نے کہا کہ

میں نے خرید لی تو یہ ہوا "قبول" دوسری صورت اس کی یہ ہے کہ خریدنے والے نے بیچنے والے

سے کہا کہ اس چیز کی اتنی قیمت لے لیجئے اور اُس نے قیمت لے لی تو مشتری کا کہنا ایجاب ہوا

اور بائع کالے لینا قبول ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بائع نے کوئی چیز دکھا کر قیمت بتائی

اور مشتری نے کہا مجھے منظور ہے تو ایجاب و قبول ہو گیا۔ لیکن اگر ایجاب و قبول کے الفاظ

صیغہ مستقبل میں بولے جائیں گے یعنی خریدوں گا یا بیچوں گا تو بیع صحیح نہ ہوگی۔



۴. مبیع۔ وہ چیز ہے جو بیچی جائے۔

۵۔ ثمن وہ رقم ہے جو مبیع کے بدلے میں دی جائے۔ ثمن اور قیمت میں تھوڑا فرق ہے۔ ولیقین میں جو دام طے ہو جائیں وہ ثمن اور جو اس کی اصلی قیمت ہو وہ قیمت کہلاتی ہے۔

## تجارت

روزمری کمانے کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ تجارت ہے، زراعت، صنعت اور دوسرے تمام ذریعے اس کے بعد ہیں، تجارت اگر صحیح طریقے سے ہو یعنی ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، خود غرضی اور بددیانتی وغیرہ سے پاک ہو تو زراعت و صنعت کی پیداوار بھی ملک کی خوش حالی میں اضافہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تجارت صحیح طریقے پر نہ ہو تو اس کا اثر کمائی کے دوسرے ذریعوں پر بھی پڑتا ہے۔ چیزوں کی کمی اور گرانی ملک کی معیشت کو تباہ کرتی ہے اور عام بد حالی پھیل جاتی ہے۔ تجارت کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے ذرائع رزق کا ۱/۵ حصہ تجارت میں ہے، باقی ۱/۴ حصہ تجارت کے علاوہ دوسرے کمائی کے طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے تاجروں کی اصلاح کے لئے جو ہدایات دی ہیں وہ اخلاقی اور قانونی دونوں قسم کی ہیں جو بات ایمان، عقیدے اور عام انسانی قدروں کے خلاف ہوگی وہ اخلاقاً بھی ناپسندیدہ ہوگی اور آخرت میں قابل سزا ہوگی اور جو بات منقرہ قانون کے خلاف کی جائے گی اس کی سزا دنیا میں مل جائے گی۔ اس کتاب میں قانونی احکام بیان کئے جا رہے ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق ایمان و عقیدے سے جڑا ہوا ہے اس لئے اخلاقی ہدایات کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے قرآن نے باطل اور سخت کھانے کمانے والوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ایسے لوگوں کو ظالم کہا ہے۔ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی ارشادات موجود ہیں جن میں سے چند ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

”تاجر اپنی اور عام انسانوں کی عزت و آبرو کے محافظ اور زمین میں اللہ کے

امانت دار ہیں۔“

”سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوگا“  
 ”اللہ اس شخص پر رحم کرے گا جو بیچنے خریدنے اور تقاضا کرنے میں نرم دل اور رحیم ہو“  
 ”تمام تاجر قیامت کے دن بجز ان کے جو خدا سے ڈرتے اور لوگوں کے ساتھ نیکی و نرمی سے پیش آتے رہے، گنہگار اٹھیں گے“ یعنی جنہوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا کہ وہ لوگوں کے لئے تکلیف و زحمت کا سبب بنے، گناہ گار قرار پائیں گے۔  
 ”جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر جو تجارت کی جاتی ہے وہ بظاہر تو فائدہ بخش نظر آتی ہے مگر نتیجہ میں نقصان کا سبب ہوتی ہے۔“

”تجارت آپس کی رضامندی سے ہی صحیح ہو سکتی ہے۔“

اسلام نے ان ہی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر تجارت کی پوری عمارت کھڑی کی ہے۔ یہی وہ صاف ستھرا طریقہ ہے جو انسانوں کی بھلائی اور خوش حالی کا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام محمدؒ سے کسی نے کہا کہ آپ زہد و تقویٰ کے بارے میں کوئی کتاب کیوں نہیں تصنیف کر دیتے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا ”صنعت کتاب البیوع“ میں نے خرید و فروخت پر ایک کتاب تصنیف کر دی ہے جس میں حلال ذریعے حصول رزق کے اختیار کرنے اور حرام طریقوں سے پرہیز کرنے کا ذکر ہے۔ زہد و تقویٰ اسی کو کہتے ہیں۔

**تجارت یا بیع کی تعریف** بیع - یا بیع و شراء خرید و فروخت کے لئے بولا جاتا ہے اسی کے لئے اسلامی شریعت میں تجارت کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں فائدے کے لئے ایک چیز دوسری چیز کے مقابلے میں دینا یا لینا۔ لیکن اسلامی شریعت میں ایسی پسندیدہ چیزوں کو جو باطل اور حرام نہ ہوں یا بھی رضامندی کے ساتھ آپس میں تبادلہ کرنے یا بیچنے اور خریدنے کا نام تجارت ہے۔ جو تجارت باطل اور حرام چیزوں میں یا ایسے ذرائع سے جو حلال نہ ہوں کی جائے گی باطل اور فاسد قرار پائے گی خواہ اس میں بہ ظاہر فائدہ ہی کیوں نہ نظر آتا ہو۔ حلال چیزوں اور حلال ذرائع سے کی گئی تجارت بھی باطل سمجھی جائے گی اگر ترخیصی ثابت نہ ہو لہذا تجارت کا باطل و فاسد نہ ہونا اور باہمی رضامندی سے ہونا لازم ہے۔

جو چیزیں اسلام نے قطعاً حرام قرار دی ہیں مثلاً شراب، سُر،  
باطل اور فاسد کی تعریفیں

گناہ مردار کا گوشت اور اُس کی چربی، رقص و سرود کا سامان  
وغیرہ اور جن ذرائع سے کمائی کرنا حرام ٹھہرایا ہے۔ مثلاً ہودا اور جوئے کی تمام شکلیں۔ تو ایسی چیزوں  
کی اور ایسے ذریعوں سے ہر تجارت باطل ہوگی۔ یہی حال اُن چیزوں کی خرید و فروخت کا ہے جو  
نہ کسی کے قبضے میں آئی ہوں اور نہ ابھی اُن کا وجود ہوا ہو جیسے غلہ جو درختوں کی بالیوں میں ہو۔  
فاسد تجارت کی مثال یہ ہے کہ مال بازار میں آیا نہ ہوا اور تا جر اُس کا غائبانہ لین دین شروع کر دیں۔  
بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کی رضامندی کو تراضی کہتے ہیں۔

### تراضی کی تعریف

اس قید لگانے کا مقصد یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں کوئی اختلاف نہ ہو۔  
نہ کسی پر ظلم ہو نہ کسی کا مال ناحق لیا جائے، ایسی تجارت جس میں کچھ لوگوں کا نفع تعین ہو اور کچھ کا فتنہ  
صحیح نہ ہوگی۔ وہ تجارت بھی ممنوع ہوگی جس میں عام آدمی حالات اور ضروریات سے مجبور ہو کر  
اپنی زندگی کے ساتھ چیز خریدے، مثلاً ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کی وجہ سے اشیاء کی  
قلت اور گرانی ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی تاجر جھوٹ بول کر زیادہ دام لے لے تو بظاہر خریدار  
رضامندی سے خرید رہا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ یہ ظلم ہونے پر کہ جھوٹ بول کر دام ایٹے گئے  
وہ انتہائی ناراض ہوگا۔ غرض یہ کہ دھوکہ، فریب، جھوٹ اور بیعاد باؤ کے جسے کاروبار میں سب  
عدم تراضی کی فہرست میں آتے ہیں۔

تجارت ایک معاہدہ ہے جو خریدنے والے اور بیچنے والے کے  
تجارت کی حیثیت

درمیان طے پاتا ہے اور دونوں اُس کے پابند ہوتے ہیں جس  
طرح کوئی معاہدہ دھوکہ فریب کے ساتھ اور فریقین کی رضامندی کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اسی  
طرح خرید و فروخت کے معاہدے میں بھی اگر دھوکہ فریب ہو یا رضامندی نہ ہو تو وہ بھی مکمل اور  
صحیح نہ ہوگا۔

خرید و فروخت کوئی چیز بھی بیچی یا مولی جائے جہاں اس کام کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں:  
(۱) بیچنے والا (۲) خریدنے والا (۳) چیز جو بیچی جا رہی ہے (۴) رقم یا

مال جو چیز کے عوض دی جائے (۵) لباب اور (۶) قبولی۔ ان ہی کو اركان بیع کہتے ہیں۔ طریقہ

خرید و فروخت کا یہ ہے کہ خریدار اُس چیز کو اچھی طرح دیکھ لے جسے وہ خرید رہا ہے اور بیچنے والا قیمت کو اچھی طرح طے کر لے اور پھر زبان سے اقرار کیا جائے یعنی بیچنے والا اپنی چیز کی قیمت بتا دے اور خریدنے والا اُسے دیکھ کر ہاتھ میں لے کر کہہ دے کہ مجھے منظور ہے یا خریدار کسی چیز کی قیمت خود لگا دے اور کہے کہ میں یہ چیز اس قیمت میں لوں گا اور بیچنے والا کہے کہ اچھا قیمت لائے، دونوں صورتوں میں بیع درست ہوگی اور اس ایجاب و قبول کے بعد خریدار کو اس چیز کا خریدنا اور دوکاندار کو بیچنا ضروری ہے اگر ان میں کوئی انکار کرے گا تو قانوناً انھیں اپنا قول و قرار پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اس قول و قرار کو شریعت میں ایجاب و قبول کہتے ہیں اس کی شرط یہ ہے کہ ایجاب قبول کے موافق ہو یعنی چیز کی مقدار اس کا وصف قیمت کی شکل (نقد یا جنس) کا یکساں اظہار ہو اور حالت اور وقت بھی ایک ہو۔ لہذا جب بائع لے کہا کہ میں نے ایک گھر ایک ہزار میں بیچا اور مشتری نے کہا کہ میں نے یہ گھر پانچ سو میں لیا تو بیع نہیں ہوئی اسی طرح اگر اُس نے کہا کہ میں نے ایک ہزار چاندی کے روپوں میں بیچا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے ایک ہزار نوٹوں کے بدلے میں لیا تب بھی بیع نہیں ہوگی تا وقتیکہ ایک ہزار کے نوٹ ایک ہزار چاندی کے روپوں کے برابر نہ ہوں۔ یہ بھی شرط ہے کہ یہ بات چیت ایک نشست میں طے پا جائے جب تک خرید و فروخت کی بات چیت کا سلسلہ جاری ہو اُس وقت تک دونوں کو سود اختم کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر معاملہ طے ہو گیا تو پھر کسی کو اختیار نہیں ہے، ہاں بات چیت کے دوران دوسرا فریق اُس جگہ سے اٹھ گیا یا کسی دوسرے کام میں اس طرح لگ گیا جس سے ظاہر ہو سود اکرنا نہیں چاہتا تو معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔ حنفی اور مالکی فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ جہاں گفتگو ہو رہی ہو جب تک وہاں سے چلے نہ جائیں اُس وقت تک ایجاب و قبول کا اختیار باقی رہے گا خواہ گفتگو کا سلسلہ نوٹ کیوں نہ گیا ہو۔ صرف اٹھ کھڑے ہونے سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ سود اکرنا نہیں چاہتے۔ اسے شریعت کی اصطلاح میں خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ جب بات چیت سے سود اہو جائے تو اُسے اُسی وقت طے کر دیا جائے۔

جس طرح زبان سے رضامندی کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح تحریر سے بھی ہوتا ہے اگر وہ ایسی قابل اطمینان شکل میں لکھی جائے کہ پھر جانبین میں اختلاف نہ ہو۔

**بیع تعاطی** زبان سے قول و قرار کی جگہ اگر عمل سے جائے و مشتری کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو مثلاً جن چیزوں کی قیمت بازار میں معین ہے جیسے بعض قسم کے صابون یا پالش کی ڈبیا تو صرف اُس کی قیمت دے دینا ہی کافی ہے۔ کسی چیز کی قیمت کا تعین ہونا اور خریدار کا اس کو دے دینا اقرار اور رضامندی سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی چیز کسی دکان سے لے کر یہ کہا کہ اس کی اتنی قیمت لے لیجئے اور دکاندار نے وہ لے لی تو یہ بھی رضامندی ہوئی اور بیع ہو جائے گی یا دکاندار نے کسی ترکاری کی ڈھیریاں بنا رکھی ہوں اور ایک ڈھیری دس پیسے میں بک رہی ہو کوئی شخص دس پیسے دے کر ایک ڈھیری اٹھالے تو اگرچہ زبان سے دونوں نے کچھ نہ کہا پھر بھی بیع ہو جائے گی۔

**سودے اور قیمت کا بیان** بخنے والی چیز کو مبیع اور اُس کی قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔ مبیع کے لئے چند باتوں کا ہونا اور چند باتوں کا نہ ہونا ضروری ہے۔

مبیع : (وہ چیز جو بیچ جائے) سامنے موجود ہونا چاہئے اگر موجود نہ ہوگی تو اُس کا بیچنا صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً کھئی نے ہندوستان میں بیٹھے ہوئے امریکہ میں خریدے گئے کپڑے کا سودا کیا تو صحیح نہ ہوگا البتہ اگر اُسے اس شرط پر بیچا جائے کہ خریدار دیکھنے کے بعد آخری فیصلہ کرے گا تو اس کی اجازت ہے یا اُس مال کا نمونہ سامنے ہو اور اُس کے مطابق مال دینے کی شرط کر لی جائے تو معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جو چیز ابھی وجود میں نہ آئی ہو مثلاً وہ باغ جس میں ابھی پھل نہیں آیا یا جانور کا بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے تو ایسے پھل اور بچے کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی اسی طرح وہ چیز جو موجود تھی مگر کہیں کھو گئی تو اُسے نہیں بیچا جاسکتا۔

مبیع یا تو بیچنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اس کو بیچنے کی اجازت دی ہو، تب ہی اُسے فروخت کیا جاسکے گا۔ تالاب یا دریا کا پانی یا اُس کی مچھلیاں، فضا میں اڑتے ہوئے کوتر جنگل کی لکڑیاں یا اُس میں رہنے والے جانور اور میدان کی گھاس، یہ ایسی چیزیں ہیں جو اسلام میں کسی کی ملک نہیں ہیں لہذا ان کو بیچنے کا حق کسی کو نہیں ہے چاہے وہ بظاہر کسی کی ملکیت سمجھی جاتی رہی ہوں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پانی، گھاس اور آگ تمام انسانوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی جانور گم ہو گیا اور اُسے فروخت کر دیا گیا یا جنگل کے جانوروں کو فروخت کر دیا گیا تو بیع باطل ہوگی۔

ناپاک چیز یا ناپاک کرنے والی چیز کی بیع صحیح نہیں جیسے شراب اور سورہ۔ اسی طرح ان چیزوں کی بیع بھی صحیح نہیں جن سے شرعی طور پر کوئی نفع نہیں اٹھایا جاسکتا جیسے وہ حشرات الارض جن سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

جنگل کی لکڑی، گھاس اور دریا دریا کی مچھلی اور گھاس وغیرہ کی خرید و فروخت کی مچھلی اور ان جیسی تمام چیزیں اُس وقت تک بک سکتی ہیں جب ان پر محنت یا روپیہ صرف کیا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص محنت کر کے جنگل سے لکڑی کاٹ کر لایا یا پیسہ خرچ کر کے اور محنت کر کے گھاس لگائی یا دریا سے مچھلی پکڑی یا پکڑنے کے لئے کوئی تدبیر کی تو ان صورتوں میں وہ ان چیزوں کو بیچ سکتا ہے۔

اگر کسی شخص یا حکومت نے دریا پر بند باندھا یا تالاب کا پانی باقی رکھنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا دریا سے نہر نکال کر یا کسی مشین کے ذریعے اُس کا پانی باہر نکال تو اس شخص یا حکومت کے لئے پانی کا بیچنا یا بیچنے کی اجازت دینا جائز ہے، اسی طرح زمین کے اندر کی معدنی اشیاء جب تک انھیں نکال نہ لیا جائے بھی نہیں جاسکتیں مثلاً لوہا، تانبا، سونا، چاندی، گنت دھن ابرک، کوئلہ، پٹرول، مٹی، کاتیل وغیرہ لیکن جب ان چیزوں کے دریافت کرنے اور انھیں نکالنے پر محنت اور دولت خرچ کی گئی ہو تو محنت کرنے والے اور روپیہ خرچ کرنے والے کی ملکیت تسلیم کی جاسکتی ہے۔

کسی خفیہ کامک میں آنا مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ ابن ہمام نے ملکیت کی تعریف فتح القدیر (جلد ۲ ص ۲۵۶) میں اس کی یہ تعریف کی ہے "الملک

هو قدرۃ یشبہتھا الشیوع ابتداء علی التصرف" ملکیت اُس تصرف پر قابو ہونے اور قدرت رکھنے کا نام ہے جس کا حق ابتداء شریعت نے دیا۔ فقہانے اس کی اور بھی تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سے ایک روشنی میں شیخ مصطفیٰ زرقا نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی" میں یہ جامع تعریف کی ہے، "تصرف کی وہ خصوصیت جو کسی شخص کو شریعت کی اجازت سے اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مانع نہ ہو (المدخل الفقہی جلد ۱ ص ۲۷۱) حاجز سے مراد یہ ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اُس سے منفع نہ ہو سکے۔ مانع کا مطلب ہے

تصرف سے روکنے والا۔ یعنی وہ تصرف کے لائق اور استعمال کے قابل ہوگئی دوسرا شخص اس کو تصرف اور استعمال سے روکنے والا نہ ہو۔

ملکیت کی دو قسمیں ہیں (۱) ملک عین یعنی اصل شے پر تصرف کا اختیار (۲) ملک منفعت یعنی اصل چیز سے حاصل ہونے والے منافع پر تصرف کا اختیار۔ فقہائے احناف ملک اور مال میں یہی فرق کرتے ہیں۔ ملک کی تعریف یہ ہے کہ وہ چیز جس کا آدمی مالک ہو خواہ اُس متعین چیز کا یا اُس سے حاصل ہونے والی منفعت کا اور مال کی تعریف ہے وہ چیز جس کا وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے خواہ اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاسکے یا نہ لے جایا جاسکے۔ گویا مال کا اطلاق صرف مادی چیز پر ہوتا ہے اور ملک میں مادی اور غیر مادی (یعنی نفع اندوزی) دونوں شامل ہیں۔

**ملکیت میں آنے کی صورتیں** کسی چیز کا مالک ہونے کی چار صورتیں ہیں اور ان چار ذریعوں سے ہی کوئی شخص مالک بنتا ہے۔

(۱) عقود: یعنی دو آدمی باہم معاہدہ کر کے ایک دوسرے کو اپنی اپنی چیز کا مالک بنادیں یہی کی ایک قسم عقود جبر یہ ہے یعنی حکومت کسی شخص کو دوسرے شخص کی چیز کا مالک بنا دے مثال کے طور پر مقروض کا مال قرض دینے والے کو دلا دینا یا ناجائز عواید پر ذخیرہ کیا ہو اموال احتکار کرنے والے (ذخیرہ اندوز) سے لے کر بازار کے بھاؤ فروخت کر دینا۔ متفعد کی صورت میں بھی ہمسایہ کو حق دلانے کے لئے یہی ہوتا ہے اسی طرح عام رعایا کی سہو کے لئے کسی کی ملک کو حکومت اپنے قبضے میں لے کر لگا دے جیسے اسکول یا مسجد یا راستے کے لئے کوئی زمین کسی کی ملک سے نکال لی جائے۔

(۲) احراز المباحات: یعنی وہ چیزیں جو پوری نسل انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہوں اور کسی شخص واحد کی ملکیت نہ ہوں ان پر اگر کوئی اپنی محنت اور پیسہ لگا کر اُسے حاصل کر لے تو وہ چیز اُس کی ملک ہو جائے گی مثلاً سمندر کا پانی، مچھلیاں اور دوسری چیزیں جو سمندر میں ہوتی ہیں۔ جنگل کی گھاس، فضا میں اڑنے والے پرندے، ان چیزوں پر کسی کا مستقل قبضہ دار اور تسلط صیح نہیں ہے لیکن جب محنت کر کے یا پیسہ خرچ کر کے کوئی شخص انھیں حاصل کر لے تو یہی چیزیں اُس

کی ملک ہو جائیں گی۔

(۳) خلیفۃ یعنی جانشینی۔ (۱) جانشین اور وارث بن کر مالک ہو جانا (۲) نقصان کا معاوضہ اور جرمانہ پا کر مالک ہو جانا۔ مقتول کے وارثوں کو دیت میں کوئی مال ملے تو وہ بھی اس کے مالک ہوں گے۔

۴۱۔ اوپر لکھی تین صورتوں کا ذکر عام طور پر کیا جاتا ہے جو حقی صورت ملکیت کی جس کو فقہائے انگ سے بیان نہیں کیا ہے یہ ہے کہ جو چیز ملکیت سے طبعی طور پر پیدا ہو جیسے درخت سے پھل، جانوروں کے بچے، بکری کا دودھ، بھیڑ کے بال یہ بھی ملکیت اُسی کی رہیں گی جو درختوں یا جانوروں کا مالک ہوگا۔

نمبر ۲ میں جو صورت ملکیت کی بیان کی گئی اس کے سوا وہ چیزیں کسی کی ملک نہ ہوں گی جن پر سب انسان قابو حاصل نہ کر سکیں لہذا سمندر پر فضا پر یا فضا کی چیزوں پر ملکیت کا دعویٰ کرنے والا انسان کے مشترکہ سرمایہ کا غاصب سمجھا جائے گا۔ بیع کے بارے میں باقی ضروری باتیں یہ ہیں: بیع کے تمام اوصاف خریدار کو بتادینا ضروری ہے مثلاً گیہوں اگر بیجا جا رہا ہے تو اس کی تفصیل۔ سفید یا لال۔ موٹا یا پتلا اور اگر چاول ہے تو نیا یا بُرا نا۔ موٹا یا باریک۔ اسی طرح مکان اگر ہے تو اُس کی پوری کیفیت، میوب اور خوبیاں، زمین اگر ہے تو اُس کی زر خیزی کی حیثیت، جانور کے محاسن و معائب۔ کپڑا ہے تو اُس کی نوعیت اور کٹا چھٹا ہونے کی صورت میں اس کی وضاحت کر دینا چاہیے تاکہ خریدار کو شکایت نہ پیدا ہو، مثال کے طور پر اگر مکان ٹپکتا ہے۔ زمین خور یا بخر ہے۔ جانور مارتا ہے۔ کپڑا دونوں سے رکھے رکھے کمزور ہو گیا ہے یا تھکان کے اندر کوئی حصہ کٹا چھٹا ہے، اگر یہ باتیں خریدار کو نہیں بتائی گئیں تو بیع فاسد ہو جائے گی اور خریدار کو حق ہوگا کہ مال واپس کر دے۔

اسی طرح جو صفت بتائی گئی ہو اگر چیز اُس کے خلاف نکلی تو بھی بیع فاسد ہوگی مثلاً: کپڑے کا رنگ بگھنٹا یا لیکن کچا نکلا۔ موتی سچے تائے گئے لیکن جھوٹے نکلے۔ زبور سونے کا بتایا گیا لیکن ملع نکلا، ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جن چیزوں کا مالک ہوں وہ سب بیچتا ہوں تو صحیح بیع صحیح



نہ ہوگی، ملکیت کی وضاحت ہونا ضروری ہے، مجہول چیز کی بیع فاسد ہے۔

ناپاک چیز یا ناپاک کرنے والی چیز کی بیع صحیح نہ ہونے کا ذکر ہم کر چکے ہیں اسی طرح جو چیزیں اسلامی شریعت میں حرام ہیں وہ شرعاً مال قرار نہیں دی جائیں گی اُن کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے، اگر وہ کسی مخصوص انسانی صنف کے لئے جائز قرار دی گئی ہوں تب ہی اُن کا کاروبار جائز ہوگا مثلاً سونا، چاندی اور لیشمی کپڑے جو عورتوں کے لئے جائز مگر مردوں کے لئے حرام ہیں۔

وہ چیزیں جو بلا صراحت بیع میں داخل اگر کوئی شخص مکان بیچے تو اُس کے دروازے ہو جاتی ہیں اور جو نہیں ہوتیں کھڑکیاں اور اُس میں جانے کا راستہ بھی بک گیا، اسی طرح باور چیخانے اور پاخانے وغیرہ کو بھی مکان کا جزو ہی مانا جائے گا۔ گائے یا بھینس جو دودھ دینے والی ہو یا اُس کے ساتھ دودھ پیتا بچہ ہو تو دودھ اور بچہ دونوں اُس کے ساتھ بک جائیں گے ہاں اگر بچہ دودھ نہ پیتا ہو تو وہ اُس میں داخل نہ ہوگا۔ قفل بیچے گا تو کنبی بھی اُس کے ساتھ بک جائے گی۔ اگر زمین بیچے گا تو اُس پر اُگے ہوئے پیر بھی بیع میں داخل سمجھے جائیں گے۔

خرید و فروخت کا معاہدہ ہو جانے کے بعد اور چیز خریدار کے قبضے میں آنے سے پہلے اگر اُس میں کچھ اضافہ ہو گیا تو وہ خریدار کا حق ہے مثلاً کسی نے باغ خرید لیا لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا تھا کہ پھل نمودار ہو گیا یا گا بھن جاؤں خریدار اور ابھی اُسے لے نہیں گیا تھا کہ اُس نے بچہ دیدیا تو یہ سب خریدار کا حق ہے۔ بیچنے والا کا نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنا باغ بالکل بیچ دیا اور درختوں پر پھل تھا یا اپنا کھیت بیچ ڈالا جبکہ اُس پر فصل کھڑی تھی تو پھل اور فصل بائع کے ہیں، مشتری کو کوئی حق نہیں ہوگا، جب تک معاملہ کرتے وقت یہ صراحت نہ کر دی گئی ہو کہ پھل اور لگی ہوئی فصل بھی بیع میں شامل ہے۔ اسی طرح اگر مکان فروخت کیا تو وہ چیزیں جو مکان کا جزو نہیں ہیں مثلاً تخت، پلنگ، کرسی، میز اور گھر کا دوسرا سامان اُن پر خریدار کا کوئی حق نہیں ہے۔

خرید و فروخت میں جن باتوں کی آزادی ہے بازاروں میں عام طور پر قول کر، ناپ کر یا گن کر چیزیں فروخت

ہوتی ہیں، بیچنے والے کو یہ اختیار ہے کہ چاہے ان کو تول کر ناپ کر بیچے یا ان کے ڈھیر کو (اگر غلہ اور پھل ہو) اندازے سے فروخت کر دے مگر بیچنے والے کو کسی میں رکھ کر پوری ٹوکری بیچ دے لیکن اگر کوئی ٹوکری یہ کہہ کر بیچی گئی کہ اس میں اس قدر پھل ہیں اور اس کی یہ قیمت ہے تو اگر گنتے سے تعداد کم نکلی تو خریدار کو اختیار ہوگا چاہے خریدے یا نہ خریدے لیکن اگر بتائی ہوئی تعداد سے زیادہ ہوئے تو وہ بیچنے والے کے ہوں گے۔

مبیع اگر سامنے ہو جیسے غلے، ترکاری یا پھل کا ڈھیر اور بیچنے والے نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ڈھیر میں اتنے روپوں میں بیچتا ہوں تو یہ جائز ہے۔

درخت اور پودے دو قسم کے ہوتے ہیں ٹائک وہ جن میں پھول اور پھل آنے کا کوئی موسم متعین نہیں ہے، مثلاً امروہ، مہوا، بعض ترکاریاں اور پھلوں کے پودے۔ دوسرے وہ جن کے پھلنے کا وقت معلوم ہے مثلاً آم، بیر، غلے کے پودے وغیرہ۔ اول الذکر قسم کے درختوں میں جب کچھ پھل آجائیں تو انھیں بیجا جاسکتا ہے لیکن دوسرے قسم کے درختوں میں جب آنے والے سب پھل ظاہر ہو جائیں چاہے وہ کھانے کے لائق نہ ہوں تو ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے مثال کے طور پر جب بیر درختوں میں چکنے لگیں، آم میں کیریاں آجائیں لگیوں میں بالیاں ظاہر ہو جائیں تو انھیں فروخت کیا جاسکتا ہے۔

مشترک زمین یا جائداد میں ہر حصہ دار کو اپنا حصہ فروخت کر دینے کا حق ہے خواہ وہ تقسیم ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ دوسرے شرکوں سے اجازت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو۔

**ثمن کا بیان** ثمن وہ چیز کہلاتی ہے جو کسی مال کو خریدنے کے بدلے میں دی جائے یہ کبھی نقد رقم ہوتی ہے اور کبھی چیز کے بدلے میں دوسری چیز جیسے ایک جانور کے بدلے میں دوسرا جانور یا ایک کپڑے کے بدلے میں دوسرا کپڑا۔ اس کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں ذرا سی بے استیاطی سے خرید و فروخت کے معاملے میں سود کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ مفصل بیان سود کے ضمن میں آئے گا۔ یہاں چند باتیں اس بارے میں لکھی جا رہی ہیں:

۱۔ ثمن یعنی چیز کی قیمت فروخت کھل کر بتائی جائے اگر کسی نے عمل بتائی تو بیع فاسد ہوگی۔ مثال کے طور پر کوئی کہے کہ اس بیگ میں یا اس ہاتھ میں جتنا روپیہ ہے اس کے بدلے میں فلاں

چیز مول لیتا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دکاندار جس سے چیز خریدی جا رہی ہے اگر کہے ”چیز لے جائیے جو مناسب دام ہوں گے آپ سے لے لئے جائیں گے“ یا ”دام میں بعد کو بتاؤں گا“ یا ”بتنا فلاں دے وہی آپ بھی دے دیجئے گا“ یا ”آپ جو مناسب سمجھیں دیدیجئے“ یا فلاں معاحب جو دام لگا دیں گے وہی آپ کو بھی دینا ہوں گے۔ ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔ البتہ قیمت بتانے اور طے کرنے کے بعد اگر کہے کہ لے جائیے سوچ کر لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کیجئے گا پھر اگر سوچ کر خریدار نے قیمت سمجھوادی تو بیع ہوگی۔

۲۔ مقدار یا تعداد کی صراحت اُس وقت ضروری نہیں جب خریدی جانے والی چیز اور اُس کی قیمت سامنے موجود ہو۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ سامنے رکھی ہوئی رقم یا موجود غلے کے بدلے ہم یہ چیز بیچتے ہیں۔

۳۔ اگر خریدتے وقت قیمت نہ دی جائے مگر بائع کو بتادیا جائے کہ ہم اتنے روپے میں یہ چیز خریدتے ہیں اور روپے بعد میں ادا کریں گے۔ تو یہ جائز ہے۔

۴۔ کوئی چیز خریدی لیکن قیمت ادا کرنے کے لئے جو مدت بتائی وہ مبہم تھی مثلاً ”بارش ہونے تک“ تو بیع فاسد ہوگی۔

۵۔ اگر خریدار کوئی چیز ادا کر خریدے اور اداگی کی کوئی مدت نہ بتائے تو مدت ایک ماہ شمار ہوگی، ایک مہینہ ہوتے ہی قیمت ادا کر دینا چاہیے۔

۶۔ اگر کسی دکاندار کے یہاں سے سامان آتا رہتا ہے اور مہینے میں حساب ہو جاتا ہے تو یہ صورت اسی وقت جائز ہے اگر قیمت مقرر کرنے میں کسی اختلاف کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اختلاف کا خوف ہو تو ناجائز ہے۔

۷۔ جس ملک میں جو سکہ رائج ہو۔ قیمت اُسی سکتے میں ادا کی جائے گی۔ مثلاً روپیہ خواہ نوٹ کی شکل ہو خواہ بندھے ایک روپے کی خواہ ایک روپیہ کی ریز گاری ہو البتہ اگر پہلے سے طے کر لیا گیا ہو کہ ریز گاری نہیں لی جائے گی تو اُس کے لینے سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی ملک میں کوئی طرح کے سکتے رائج ہوں مثلاً ریال، ڈالر، پونڈ جن کی قیمتوں میں فرق ہے تو بیع کرتے وقت اس کی تصریح ضروری ہے۔

۸۔ جو مال ادھار بیچا جائے اُس میں مذت مقرر کر کے اکٹھا قیمت لینا اور قسط مقرر کر کے لینا دونوں درست ہے مگر مدت کا تعین ضرور ہونا چاہیے۔

**بیع کا واقع ہونا** جب بائع اور مشتری۔ ایجاب و قبول کے بعد چیز اور اُس کی قیمت طے کر لیں جیسا کہ ادھر بتایا گیا تو پھر دونوں میں سے کسی کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ بائع کو بیچنا اور مشتری کو خریدنا ہی پڑے گا۔

معاملہ ہو چکنے کے بعد بائع نے کہا کہ بیع کئی لے لیجئے کیا مشتری نے کہا کہ میں کئی قیمت ادا کر دوں گا اور چیز لے جاؤں گا تو یہ درست ہے۔ طے شدہ معاہدہ کی پابندی دونوں کریں گے۔ اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ گناہ کار ہوگا۔ یعنی دوسرے دن اگر چیز کا نرخ بڑھ یا گھٹ گیا ہو تو بھی یہ دونوں اُسی معاہدے کے پابند رہیں گے جو طے ہو چکا ہے اور اسلامی حکومت قانوناً اُسی کو نافذ کرے گی۔

**بیع کا فسخ کرنا** خریدار مال خریدنے کے بعد اُسے پھیرنا چاہے۔ یا دکاندار کسی وجہ سے وہ مال نہ دینا چاہے، ایسی صورتوں میں دونوں کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہوں۔ رضامندی کی صورت میں خریدار مال واپس کر سکتا ہے اور دکاندار قیمت۔ شریعت میں اس کو اِقَالَہ کہتے ہیں۔

اگر خریدار نے مال کا کچھ حصہ استعمال کر لیا ہو یا دکاندار نے قیمت کا کوئی جز خرچ کر دیا ہو تو بھی استعمال شدہ حصے کی قیمت وضع کر لینے کے بعد پھیرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ بقیہ قیمت واپس لینے پر خریدار راضی ہو، اور باقی ماندہ مال واپس کر لینے پر دکاندار راضی ہو لیکن اگر اس پر وہ راضی نہ ہوں تو کوئی ایک دوسرے کو مال یا قیمت واپس لینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اگر خریدار نے پوری چیز استعمال کر لی تو اب اُس کی واپسی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا خواہ چیز پسند آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ ابھی رہی ہو یا خراب ہو گئی ہو کیونکہ جب وہ چیز ہی نہیں ہے تو واپسی بھی نہیں ہو سکتی۔

قیمت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اگر وہ خرچ کر دی گئی ہے تو وہ پیسے کے بدلے دوسرا دہ پیہ دیا جاسکتا ہے اس لئے اگر بائع چیز کو واپس لینے پر راضی ہو تو قیمت کے خرچ ہو جانے کا عذر صحیح نہیں ہے البتہ یہ اختیار ہے کہ خریدار کی رضامندی سے قیمت بعد میں ادا کرے۔

## اِقالہ یعنی واپسی کی شرطیں

(۱) بیع کی واپسی اصل قیمت سے زیادہ بر نہ ہونی چاہیئے۔

(۲) اگر دکاندار نے بازار کے بھاؤ سے قیمت زیادہ لی ہے تو

اُس کو واپس کرنا ضروری ہے (۳) اگر مشتری نے اُس میں کوئی اضافہ یا عیب پیدا کر دیا ہے تو اِقالہ نہیں ہو سکتا۔

**بیع یا شمن واپس کرنے کی دوسری صورتیں** معاملہ طے ہونے سے پہلے جو اختیار رد و قبول کا فریقین کو رہتا ہے اُسے

خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد مال کو واپس کر کے قیمت پھیر لینے کی سات صورتیں ہیں: خیار شرط، خیار وصف، خیار نفقہ، خیار تعین، خیار رویت، خیار عیب، خیار غبن ان سب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

**خیار شرط** خرید و فروخت کا معاملہ طے کرنے کے بعد خریدار یہ شرط لگا دے کہ میں دو یا تین دن میں بناؤں گا کہ میں اس کو لیتا ہوں یا نہیں یا یہ کہ میں اس چیز کو گھر میں دکھانے

کے بعد بناؤں گا، یا بائع یہ شرط لگا دے کہ میں خریدار کی پسندیدہ چیز کو بیچ ڈالنے کا فیصلہ دو یا تین دن کے بعد کروں گا تو دونوں کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد واپسی کا اختیار ہے اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھنا چاہئیں:

(۱) خیار شرط کی مدت کی تعیین ضروری ہے کہ کتنے دن میں لینے یا نہ لینے کا جواب دے گا اگر

وہ مدت گزر جائے گی تو واپسی کا اختیار نہیں رہے گا ہاں اگر بائع خوشی سے واپس کر لے تو جائز ہے۔ (۲) اگر خریدار نے گھر لے جا کر وہ چیز استعمال کر لی تو اُس کی واپسی کا اختیار باقی نہیں

رہے گا تا یہ کہ وہ چیز ایسی ہو جس کو استعمال کرنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہو مثلاً گھڑی

جس سے صحیح وقت دینے کا اندازہ استعمال کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ موٹر، سائیکل یا گھوڑا جس

کی رفتار کا اندازہ استعمال کر کے ہی کیا جاسکتا ہے یا دودھ کا جانور جس کے دودھ کا اندازہ

دوہنے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے تو ان صورتوں میں مقررہ مدت کے اندر ان چیزوں کا استعمال

کر لے کا حق ہے کیونکہ ان چیزوں کی اچھائی بُرائی بغیر استعمال کے نہیں معلوم کی جاسکتی۔ لیکن

اگر استعمال کرنے سے کوئی خرابی اس چیز میں واقع ہو جائے تو پھر واپسی کا حق نہ ہوگا اور خریدار کو

قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

خیار شرط کی مدت کے دوران بائع یا مشتری میں سے اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو ان کے وارثوں کو اُس شرط کے توڑنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ بائع کی موت ہو جائے تو مشتری کو وہ چیز لینا ہی پڑے گی اگر مشتری وفات پا جائے تو بائع کو اُس کی قیمت لینے کا حق ہوگا۔ مشتری کے وارثوں کو چیز واپس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ (ہدایہ باب الخیار الشرط)

اگر خیار شرط بائع کی طرف سے ہے تو مال اسی کی ملکیت سمجھا جائے گا اگر اس مدت میں وہ مال مشتری سے ضائع ہو گیا تو اُسے اُس کی اصل قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اگر خیار مشتری کی طرف سے ہے اور قبضہ کے بعد اس مدت میں مال ضائع ہو گیا تو مشتری کو ٹمن یعنی طے شدہ رقم دینا ہوگی۔

**خیار وصف** مبیع کی جو تعریف یا اس کے جو اوصاف بوقت خریداری بتائے گئے ہوں اگر وہ اُس کے مطابق نہ ہوں پائی گئی تو خریدار کو اُس کی واپسی کا حق ہے بشرطیکہ اُس نے اُس چیز کو استعمال نہ کیا ہو، استعمال کر لینے کی تفصیل جو خیار شرط میں بیان کی گئی ہے وہی یہاں بھی معتبر ہوگی۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا ایجنٹ کے ذریعے خریدی ہوئی چیزوں کو اگر وہ اُس نمونے کے مطابق نہ ہوں جو ایجنٹ نے دکھایا تھا۔ لیکن اگر وہ چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دی تو اُس کا حکم وہی ہے جو استعمال کر لیے جانے کا ہے۔ خیار وصف کی صورت میں اگر خریدار کا انتقال ہو جائے تو اُس کے وارثوں کو واپسی کا حق باقی رہے گا۔

**خیار رویت** بے دیکھے اگر کوئی شخص چیز خرید لے تو دیکھنے کے بعد اُسے خریدنے یا نہ خریدنے کا حق باقی رہے گا۔ خیار رویت کا حق بیچنے والے کو نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی شخص نے مالیت کی کوئی چیز یا جامد کسی دوسرے شہر میں حاصل کی یا درتہ میں پائی اور اُسے دیکھنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب اُس کو دیکھنے کے بعد واپسی کا حق نہیں ہے اُس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو یہ اس لئے کہ چیز اُس کی ملکیت میں تھی اور وہ اُسے دیکھ سکتا تھا بخلاف خریدار کے جس کو خریدنے کے بعد دیکھنے کا اختیار ملا۔ خریدار اگر کسی دوسرے ملک سے کوئی مال منگالے اور دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو اُسے بیچنے یا نہ لینے کا حق حاصل ہوگا اور یہی حق اُسے کسی دوسری جگہ مکان خریدنے کے وقت بھی رہے گا۔

خیار رویت کے سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

۱۔ کسی چیز کا نمونہ دیکھ لینے کے بعد بیع کا معاملہ طے پا گیا تو واپسی کا حق نہیں ہے الا یہ کہ مال نمونے کے مطابق نہ ہو تو اسی صورت میں واپسی ہو سکتی ہے۔

۲۔ جہاں کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر اُسی جیسی چیزوں کا اندازہ نہ ہو سکے مثلاً ایک بکری دکھا کر دو بکریاں کا معاملہ کرنا، ایک بیل دکھا کر چار بیلوں کا معاملہ کرنا یا ایک بھیل دکھا کر پوری ایک گاڑی بھیلوں کا معاملہ کرنا تو ان سب میں خریدار کو خیار رویت کا حق رہے گا کیونکہ ان چیزوں میں یکسانی نہیں ہوتی۔

۳۔ کھانے پینے والی چیزوں کے خریدنے میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ چکھنے کا بھی اختیار ہے نیز ایک چیز خراب نہ ہو جائے اور بائع کو اطلاع ہو کہ چیز چکھی جائے گی اگر بائع راضی ہو تو چکھنے کے بعد خریدار اُسے واپس کر سکتا ہے لیکن اگر راضی نہیں ہو تو چکھنے کا حق بھی نہیں ہے اور نہ اُس کو خریدار مہرور کر سکتا ہے۔ بعض چیزیں سر بند ڈبوں میں ہوتی ہیں مثلاً جلی وغیرہ جن کے کھل جانے کے بعد قیمت گھٹ جاتی ہے اور خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے، لیکن معمولی بھیل وغیرہ چکھنے میں یہ بات نہیں ہے۔ اس لئے اُسے چکھنے کی اجازت ہے۔ اگر گتھوں یا آٹا خریدار اور پکانے پر وہ خراب نکلا تو اُسے واپس کرنے کا حق خریدار کو ہے اور استعمال شدہ کی قیمت وضع کر لینے کا حق بائع کو ہے۔

۴۔ اگر چیز کو دیکھنے کے بعد خریدار نے معاملہ کیا تو پھر خیار رویت کا حق باقی نہیں رہتا البتہ اگر دیکھنے اور معاملہ کرنے کی درمیانی مدت میں کوئی خرابی آگئی مثلاً بارش آگئی یا دغتنا کوئی حادثہ ایسا پیش آگیا جس سے مال خراب ہو گیا تو اس کو واپس کرنے کا حق ہے۔

۵۔ اگر مال کو خریدنے والے کسی دوسرے شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر خریداری کے لئے بھیجے اور وہ مال کو دیکھ کر خرید لائے تو اصل خریدار کو واپسی کا حق نہیں ہے لیکن اگر اس نے یہ صراحت کر دی ہو کہ میں اس نمائندہ کو محض مال کو اٹھوانے یا حفاظت پر یک کر ادینے کے لئے بھیج رہا ہوں تو اصل خریدار کو دیکھنے کے بعد واپس کرنے کا اختیار باقی رہے گا۔

۶۔ اگر زیادہ مقدار میں خریدی ہوئی چیز خریدار استعمال کرنا یا فروخت کرنا شروع کر دے تو

پھر واپسی کا حق نہیں ہے البتہ اگر شروع میں ہی اُس کی خرابی معلوم ہو گئی ہو اُس کا ٹھکانا حصہ فروخت کرتے ہی اُس کے خریدے والے نے خرابی کی شکایت کی تو پھر اُس سال واپس کر دینے کا حق ہے۔

۷۔ اگر کوئی اندھا ہوا درودہ اپنے ہاتھ سے چھو کر، کچھ کر، سونگھ کر یا دوسرے سے پوچھ کر کوئی چیز خرید لے تو اُسے خیار رویت کا حق باقی نہیں رہے گا۔

ان تمام صورتوں میں جن میں خریدار کو خیار رویت کا حق ہوتا ہے اگر مدت خیار میں مشتری کا انتقال ہو جائے تو اُس کے وارثین کو وہ حق نہیں پہنچتا معاملہ طے شدہ ہی سمجھا جائے گا۔

عیب ایسی خامی، کمی یا نقصان کو کہتے ہیں جس سے چیز کی قیمت گر جاتی ہے۔  
**خیار عیب** عیب دار چیز کو بغیر اُس کا عیب ظاہر کئے بیچنا اب ہی حرام ہے جیسے خراب ٹوٹ یا کھوٹا روپیہ قیمت میں دینا اور ایسا کرنے والا سخت گناہ کار ہوگا اور ایسی خرید و فروخت باطل ہوگی۔ ایک دن نبی کو یم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلہ بیچنے والے کے پاس تشریف لائے اور غلہ کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو کچھ نمی محسوس ہوئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا بارش سے یہ غلہ بھیگ گیا تھا، آپ نے فرمایا بھیگے ہوئے غلے کو ادھر کر دو تا کہ لوگ دھو کر نہ کھائیں پھر فرمایا جس نے دھو کے سے کوئی چیز فروخت کی وہ میری امت سے نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں یاد رکھنے کی ہیں:

۱۔ بائع نے کوئی چیز اُسی قیمت پر بیچی جس پر وہ صحیح حالت میں بک سکتی تھی۔ اب اگر اُس میں عیب نکلا تو خریدار کو واپس کر دینے کا حق ہے۔ البتہ اگر بائع اپنی خوشی سے قیمت کم کر دے اور خریدار اُس عیب دار چیز کو لینے پر راضی ہو جائے تو اس کا اختیار ہے۔

۲۔ اگر بائع نے عیب خود بتا دیا اور اس کے باوجود خریدار نے اُسے خرید لیا تو اب اُس کو واپسی کا حق نہیں رہا۔

۳۔ عیب اور نقص جو بائع کے گھر یا دکان پر پیدا ہوا ہو اُسی چیز کو واپس کرنے کا حق خریدار کو ہوگا لیکن اگر عیب خریدار کے پاس آکر واقع ہوا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے اُسی طرح ایک چیز جس میں بائع کے یہاں عیب پیدا ہو چکا تھا، خریدار اس کے یہاں پہنچ کر دوسرا



عیب پیدا ہو گیا تو اس صورت میں بھی اُس کو واپسی کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کپڑا خریدنا وہ کچھ کٹا ہوا تھا، گھر میں آنے کے بعد اُس پر پان کارنگ بڑ گیا، روشنائی گر گئی یا جوہے نے کاٹ لیا تو یہ دوسرا عیب پیدا ہو جانے کی وجہ سے واپسی کا حق نہیں رہا، البتہ پہلے عیب کے بعد قیمت کم کرانے کا حق ہے، قیمت کا تعین اس پیشے کے ماہر یا خرید و فروخت کرنے والوں سے کرنا چاہیئے، اگر بائع دوسرے عیب کے باوجود واپس لے لے تو اُس کی خرافت ہے مگر خریدار کو ایسی خرافت اور مروت سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے جس میں نقصان پہنچ رہا ہو۔

۴۔ بائع نے کوئی چیز یہ کہہ کر فروخت کی کہ ظاہری طور پر اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور خریدار نے بھی اُسے دیکھ بھال کر لیا تو اب خیال عیب کا حق باقی نہیں، لیکن اگر خریدار نے دیکھ بھال کر نہیں لیا تو اُسے واپسی کا حق باقی ہے۔

۵۔ عیب بر خیز ہوتے ہی خریدار کو دیکھنا چاہئے اور استعمال نہیں کرنا چاہیئے مگر اس کے بعد بھی اُسے استعمال کر لیا تو پھر واپسی کا حق نہیں رہا، البتہ جن چیزوں کا عیب بخوش استعمال کرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے مثلاً بوتے کو یہ میں ڈال کر، سوٹر کو پہن کر، گھڑی اور فائونٹین بن کو چلا کر سائیکل، موٹر کار یا سواری کے جانور پر سواری بیکر ہی حسن و قبح کا پتہ چل سکتا ہے تو ان چیزوں کے مختصر استعمال کے بعد اگر عیب پانچائے تو واپسی کا حق ہے لیکن اگر کئی دن استعمال کر لیا تو یہ حق جاتا رہا اور جن چیزوں کا مستعمل بغیر استعمال کے ہی معلوم ہو سکتا ہے اگر ان کو استعمال کر لیا، کپڑے کو رنگ لیا، زمین میں درخت بو دیا تو یہ سب باتیں خیال عیب کے حق کو ختم کر دیتی ہیں۔

۶۔ کوئی چیز بڑی مقدار یا تعداد میں خرید کی مثلاً غلہ یا پھل۔ پھر دیکھا کہ اُس میں کچھ خراب ہے اور کچھ اچھا ہے تو خریدار کو یہ حق نہیں ہے کہ اچھا رکھ لے اور خراب واپس کر دے۔ بلکہ یا تو پورا لے لے یا پورا واپس کر دے، چھانٹ کر لینے کا حق اس وقت ہے جب بیچنے والا ہنسی خوشی اس پر راضی ہو۔

۷۔ غلے میں اگر تھوڑا اگر دو غبار ہو یا کسی دوسرے غلے کی بہت معمولی سی ملاوٹ ہو یا کچھ کنکری نکل آئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں عرف عام میں جتنا اگر دو غبار غلوں میں رہا کرتا ہے یا دوسرے اناج کی ملاوٹ رہتی ہے تو وہ عیب شمار نہیں ہوگا لیکن اگر ایک من میں تین چار سیر گردو غبار یا ملاوٹ نکلے تو یہ عیب ہے اور واپسی کا حق ہے۔

اسی طرح ایک سیر بادام یا چار درجن انڈوں میں دو چار خراب نکل جائیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا البتہ اگر زیادہ خراب نکلیں تو ان کی قیمت خریدار کو واپس لینے کا حق ہے۔

۸۔ ایسی حرکاریاں یا پھل جن کے اچھے یا خراب ہونے کا پتہ کاٹنے کے بعد ہی چل سکتا ہے اگر سب بیکار اور پھینک دینے کے قابل نکلیں تو خریدار کو قیمت واپس لینے کا حق ہے اگر کھانے کے قابل نہ ہوں مگر کسی دوسرے کام میں آجائیں تو ان کی قیمت کم کرانے کا حق ہے مثال کے طور پر خر بوزہ یا لوکی یا لکڑی خریدی جب کاٹ کر دکھا تو کھانے کے قابل نہ پایا جیسی صورت میں واپس کرنے اور قیمت بنانے کا حق ہے اگرچہ وہیں لیا اور کسی جانور کو کھنڈ دیا تو قیمت کم کرانے کا حق ہے مگر دودھ سن سترہ دن میں لیا اور پھٹ گیا پھر اگر وہ استعمال کے قابل تھا تو قیمت کم کرانی جاسکتی ہے اور اگر پھینک دینے کے قابل تھا تو بھی قیمت واپس لینے کا حق ہے۔

**خیار تعین** بالغ نے کسی قسم کا مال قیمت بنا کر دیدیا جو اس میں سے پسند ہوئے بیچے تو بیع صحیح ہوگی اور مقررہ مدت کے اندر مشتری کو پسندیدہ چیز کا تعین کر لینا ضروری ہوگا۔

**خیار غبن** بالغ اور مشتری دونوں میں سے کسی کو شدید قسم کا دھوکا دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں دونوں کو مال یا قیمت واپس کر دینے کا حق ہے مثلاً کسی نے سونے کے زیور خریدے لیکن وہ سونے کے نہ تھے ان پر سونے کا ملیع تھا یا جو روپے کسی مال کے معاوضے میں دیئے گئے وہ کھوٹے تھے یا جعلی۔ دونوں صورتوں میں بیع فسخ کرنے کا حق فریقین کو ہے۔

**خیار نقد** خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جائے لیکن قیمت ادا نہیں کی گئی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اگر قیمت فوراً دینے کا وعدہ تھا تو جب تک خریدار قیمت ادا

نہ کر دے بائع کو اپنی چیز اپنے پاس روکے رکھنے کا حق ہے (۲) اگر معاملہ اُدھار طے ہوا تھا اور خریدار مال اپنے گھر لے گیا تو بائع کو اپنی چیز واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار خود واپس کر دے تو اور بات ہے ورنہ اُس کی حیثیت مقرض کی ہوگی اور بائع قرض خواہ کی حیثیت میں ہوگا اور جس طرح مقرض سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے اُسی طرح وصول کیا جائے گا۔

**بائع اور مشتری کے لئے شرائط** بائع اور مشتری دونوں کا مافصل و بائع ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک اُن دونوں میں سے بچہ ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔ اسی طرح مجنون اور فاجر العقل کی بیع بھی معتبر نہ ہوگی البتہ اگر بچہ سمجھ داسے اور فاجر العقل خرید و فروخت کو سمجھتا ہے اور دونوں اس قابل ہیں کہ گفتگو سمجھ سکتے اور صحیح جواب دے سکتے ہیں تو خرید و فروخت تو صحیح ہو جائے گی مگر اُس پر عمل ولی کی اجازت سے ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بائع یا مشتری خود مختار ہوں اُن پر کوئی جبر یا دباؤ نہ ڈالا گیا ہو۔ کیونکہ جبر کی صورت میں تراضی باقی نہیں رہتی اس لئے خرید و فروخت کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا۔ خریدار قیمت ادا کرنے سے پہلے بیع پر قبضہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ قیمت دیدینے کے بعد ہی مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر کوئی زمین فروخت کی جس میں فصل کھڑی ہے یا باران یا پاجا جس میں بچل لگا ہوا ہے تو زمین کو خالی کر دینا اور بچلوں کو توڑ لینا ضروری ہے ورنہ بیع صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ مشتری فصل کٹ جانے یا بچل پک جانے تک کی اجازت دیدے مگر بیع کے وقت یہ شرط نہ ہونا چاہیئے ورنہ بیع فاسد ہوگی۔ بائع مشتری کو بیع پر قبضہ دلا سکتا ہو۔ یعنی چیز نہ تو کہیں رہن ہو نہ اُس میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ رہن ہونا یا کسی دوسرے کی شرکت ہونا دونوں قبضہ دلانے میں مانع اور مزاحم ہیں۔ یہی ہوتی چیز خریدار کے حوالے اس طرح کی جائے کہ قبضہ کرنے میں کوئی مانع نہ ہو۔ کسی ہندوستانی تاجر نے مصر یا امریکہ میں اپنا کوئی مال بیچا اور خریدار کے حوالے کر دیا تو بیع ہوگئی اب اگر خریدار ہندوستان کا رہنے والا ہو یا چین و جاپان کا تو بائع پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ مال کو چین جاپان یا ہندوستان میں لاکر اس کے پاس پہنچائے۔ یہ خریدار کی ذمہ داری ہے کہ جب اُس نے رضامندی سے خرید لیا ہے تو وہ جہاں چلا ہے لے جائے لیکن

اگر خریدار نے یہ شرط لگادی تھی کہ یہ مال ہم فلاں جگہ لیں گے تو بائع کو شرط کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا۔

اگر بائع نے ایسا مال بیچا جو سامنے نہ تھا اور یہ بھی نہیں بتایا کہ مال کہاں رکھا ہے۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کو معلوم ہوا کہ مال ایسی جگہ ہے جہاں سے لانا خطرے کا سبب ہے یا بہت خرچ آئے گا تو وہ عفت ربح کو ختم کر سکتا ہے۔

اگر معاملہ طے ہو گیا لیکن قیمت خریدار نے بھی ادا نہیں کی تو جب تک بائع اجازت نہ دے اس کو چیز اٹھانے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اٹھالیا اور چیز میں کوئی خرابی آگئی تو اب اس کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کو قیمت دینا پڑے گی لیکن اگر خریدار کے ہاتھ میں آنے سے پہلے چیز میں خرابی آگئی تو اس کا نقصان بائع کو برداشت کرنا ہو گا مثلاً شیشے یا چینی کے برتن خریدنے کے بعد قیمت ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی برتن ٹوٹ جائے تو خریدار پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اُس نے پسند کر کے اٹھالیا یا اپنے سامنے رکھ لیا اور پھر وہ کسی طرح گر کر ٹوٹ گیا تو خریدار پر قیمت ادا کرنا ضروری ہو گیا۔

معاملہ طے ہو جانے کے بعد اگر قیمت ادا کرنے سے پہلے مشتری کو یا چیز حوالہ کرنے سے پہلے بائع کو موت آگئی تو بائع کو قیمت لینے کا اور مشتری کو بیع لے لینے کا حق ہو گا۔ مثلاً خریدار نے کسی دکان سے دو سو روپے کا غنہ خرید لیا لیکن قیمت ادا کرنے سے پہلے اجل آگئی تو بائع کو قیمت لینے کا حق ہے، متوفی کے قرض خواہ قیمت کی ادائیگی کو روک نہیں سکتے، اسی طرح اگر بائع نے قیمت تو لے لی تھی مگر غلہ حوالہ نہیں کیا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا تو خریدار کو غلہ اٹھا لینے کا حق ہے، اگر کوئی قرض خواہ اس غلے کو اپنے قرض میں لینا چاہے تو اُسے حق نہیں کہ وہ مشتری کو غلہ اٹھانے سے روک دے۔

اگر بائع نے کوئی چیز مشتری کو بخوشی زیادہ دیدی یا مشتری نے قیمت کچھ زیادہ دے دی تو معاملہ طے ہو جانے کے بعد کسی کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً ایک دکاندار چار آنے میں دو درجن بٹن بیچتا ہے اور اُس نے کسی کو اپنی خوشی یا رعایت سے ڈھائی درجن چار آنے میں دیدیے تو اب اُس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، اسی طرح اگر خریدار نے بخوشی چار آنے سے

بڑھا کر ساڑھے چار آنے قیمت دے دی تو اس کو بھی واپسی کا حق نہیں ہے البتہ اگر غلطی سے دونوں نے زیادہ دے دیا تو واپسی کا حق باقی رہے گا۔

**قیمت کی اداگی اور مبیع کے اخراجات** دست بدست خرید و فروخت میں آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کچھ خرچ نہیں ہوتا لیکن کوئی بڑی یا زیادہ چیز خریدی جائے یا کوئی بھی چیز باہر سے منگائی جائے یا تبادلہ کیا جائے تو ڈاک یا بار برداری کا بھی خرچ ہوتا ہے ان کے اخراجات کے بارے میں اسلامی شریعت نے یہ ہدایات دی ہیں:

- ۱۔ قیمت کی اداگی کے سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے وہ خریدار کے ذمے ہوں گے مثلاً منی آرڈر اور بیمہ وغیرہ کا خرچ۔
- ۲۔ بیع نامہ لکھنے اور دستاویز کی رجسٹری وغیرہ کے اخراجات خریدار کو دینا پڑیں گے۔
- ۳۔ مبیع یعنی بیچی ہوئی چیز خریدار کے حوالے کرنے میں جو خرچہ تولنے یا پے وغیرہ پر آئے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا۔ جائیداد بیچنے کی صورت میں اس کے کاغذ کی تکمیل و تحصیل کا خرچ بھی بائع کے ذمہ ہوگا۔
- ۴۔ اگر کوئی چیز انداز سے بیچ دی گئی جیسے کھڑی فصل یا باغ کی پیداوار تو کھیت کاٹنے یا باغ کے پھل تڑوانے کی ذمہ داری بائع پر نہیں مشتمل ہوگی۔
- ۵۔ جو چیز ڈاک خانے یا ریل یا کسی دوسری سواری یا مزدور کے ذریعے بھیجی جائے تو اس کے تمام اخراجات خریدار کو برداشت کرنا پڑیں گے۔ اگر بائع خود بخوشی برداشت کرے تو یہ اس کا احسان ہوگا۔ خریدار کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے اگر وہ ایسی شرط لگائے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

- ۶۔ اشیاء کا اشیاء سے تبادلہ جو جیسے ہندوستان کی حکومت یا اس کا کوئی تاجر امریکہ سے غلہ منگائے اور اس کے بدلے میں پٹ سن، چٹا یا کوئی اور جنس دے تو دونوں کو اپنی اپنی چیزیں منگوانے اور بار برداری اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے، البتہ اگر دونوں میں طے ہو جائے کہ فلاں مقام تک پہنچا دیں گے تو دونوں کو اپنی اپنی چیز پہنچانے کا خرچ

برداشت کرنا پڑے گا۔

**بیع کے جائز طریقے** عام طور پر تین طریقوں سے فروخت ہوتی ہے اور اسلامی شریعت نے تینوں طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔

- ۱۔ بیع اور اس کی قیمت کا تبادلہ دست بدست ہو، بائع کو قیمت مل جائے اور مشتری کو مال۔ یہ طریقہ سب سے بہتر ہے اور زیادہ تر اسی طریقے کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔
  - ۲۔ بیع یعنی بیچی جانے والی چیز فوراً دیدی جائے اور قیمت اُدھار کرنی جائے۔ اس بیع کو بیع نسبیہ کہا جاتا ہے جس کی اجازت خریدار کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے۔
  - ۳۔ قیمت پیشگی وصول کرنی جائے مگر چیز بعد میں دی جائے اس بیع کو بیع سلم یا بیع سلف کہتے ہیں اس میں بائع کی سہولت کو اور خریدار کے فائدے کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- تینوں طریقوں سے دست بدست لین دین کا ذکر اوپر کی تفصیلات میں آچکا ہے۔ بیع نسبیہ اور بیع سلم کے بارے میں بھی کچھ کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے کچھ باتیں اور بیان کی جاتی ہیں۔
- بیع نسبیہ** یعنی بیچی گئی چیز خریدار کے حوالے کر دی جائے اور قیمت اُس کے کچھ دن بعد لی جائے۔ قیمت کے بیان میں کچھ باتیں کہی جا چکی ہیں۔ مزید باتیں اس طریقے سے متعلق ہیں۔
- ۱۔ اُدھار معاملہ کرنے کی صورت میں بائع کی رضامندی لازمی ہے۔ بغیر رضامندی کے قیمت اُدھار لگانا جائز نہیں ہے۔
  - ۲۔ ادا کے قیمت کی مدت مقرر ہونا چاہئے یعنی یہ کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ یاد ن کو قیمت دی جائے گی جیسے عید کے دن یا عید ان ضمنی کے دن تو بھی جائز ہے مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ موسم سرما یا موسم گرما یا بارش تک کیونکہ ان میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ”پھر دیں گے“ یا ”جب پیسہ آئے گا تو دیں گے“۔
  - ۳۔ اُدھار بیع دینے کے بعد بائع کو وہ فروخت شدہ چیز واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔
  - ۴۔ اُدھار کی مدت بڑھانے کا اختیار بائع کو ہے۔
  - ۵۔ اگر اُدھار کی مدت مقرر نہیں کی تو یہ مدت زیادہ سے زیادہ ایک ماہ سمجھی جائے گی، ایک ماہ کے بعد خریدار یا تو فوراً قیمت دے یا بائع سے کچھ اور مہلت مانگے۔

اگر مہلت نہ دی تو لامحالہ خریدار کو قیمت اس مدت کے ختم تک دے دینا ہوگی۔

۶۔ اُدھار کی مدت اُس وقت سے شمار ہوگی جس وقت بائع نے چیز خریدار کے حوالے کر دی اگر بائع نے معاملہ طے کرنے کے ایک ماہ بعد یا دس دن بعد چیز دی تو یہ مدت بھی ایک ماہ یا دس دن بعد سے شروع ہوگی۔ اور اگر بائع نے چیز حوالے کر دی مگر مشتری اُس وقت اس کے پاس سے نہیں لے گیا تو جس وقت بائع نے حوالے کیا اُسی وقت سے اُدھار کی مدت شمار ہوگی، خریدار کے لے جانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اگر بائع قیمت کی اداگی کی قسط مقرر کر دے تو پھر پوری قیمت اکٹھا مانگنے کا حق اُس کو نہیں ہے۔  
۸۔ بائع کو اختیار ہے کہ نقد بیچنے کی صورت میں چیز کی قیمت کچھ سستی اور اُدھار کی صورت میں کچھ گراں کر دے مگر خریدار کو یہ معلوم ہونا اور اُس کا منظور کر لینا بھی ضروری ہے۔

اُدھار خرید و فروخت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایتیں خریدار اور بائع کو دی ہیں ان کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔

خریدار کو ہدایت ہے کہ جب قیمت اُس کے پاس ہو جائے تو مالنا اور بائع کو پریشان کرنا حرام ہے، اسلامی حکومت ایسے شخص کو سزا دے گی جو استطاعت کے باوجود بقایا رقم ادا نہ کرے، آپ نے فرمایا ہے ”مطل الغنی ظلم“ (دینے کی قدرت رکھنے والے کا مال مٹول ظلم ہے)، آپ نے فرمایا ”سب سے اچھا وہ شخص ہے جو کسی کا بقایا اچھے طریقے پر ادا کر دے۔“

بائع کے بارے میں ہدایت ہے کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد تقاضے اور سختی کے ساتھ قیمت وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ایک بار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کسی کی کوئی رقم باقی تھی اس نے کچھ سختی کی، بعض صحابہ کو یہ بہت ناگوار ہوا، اور اُنہوں نے اُسے سختی سے جھڑکنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ”إِنَّ بِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا“ (حق دار کو کہنے سننے کی آزادی ہے، لیکن اس قانونی حق کے استعمال میں اس بات کا خیال بھی رہنا چاہیے کہ ممکن ہے کچھ ایسی مجبوری ہو کہ یہ شخص نہ دے سکتا ہو، اسی بنا پر آپ نے فرمایا جو شخص کسی تنگ دست کو ادائیگی کی مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو خدا تعالیٰ قیامت کی دشواریوں سے اُس کو نجات دے گا۔

**بیع سلم** یعنی بائع مشتری سے قیمت پہلے لے لے یا مشتری خود قیمت پہلے دے دے اور چیز بعد میں دینے کا وعدہ ہو تو اس طریقے سے خرید و فروخت جائز ہے۔ یہ اجازت بائع اور مشتری دونوں کی سہولت کے لئے دی گئی ہے کیونکہ اس کی ضرورت کبھی بیچنے والے کو اور کبھی خریدنے والے کو پڑتی رہتی ہے۔ ہر اس چیز کی بیع سلم جائز ہے جس کی صفت زبان سے بیان کی جاسکے یا تحریر میں لائی جاسکے اور اس کی مقدار کا اندازہ کیا جاسکے تاکہ بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہو۔ بیع سلم کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں مگر کوئی شرط ان میں سے نہ پائی جائے تو بیع باطل ہو جائے گی۔

پہلی شرط چیز کی پوری تفصیل معلوم ہونا ہے مثلاً اگر غلہ لینا ہے تو اس کی نوعیت اور قسم اس میں گرد و غبار نہ ہونا، دوسرے غلوں کی ملاوٹ سے پاک ہونا، خشک ہونا وغیرہ یا اگر پتھر لینا ہے تو اس کا نام، سوتلی یا ریشمی، رنگ اور عرض وغیرہ اسی طرح گھڑی، فائونٹین، بین یا سائیکل وغیرہ صنعتی چیزوں کے لئے کارخانہ اور ماڈل کی تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے، بہتر یہ ہے کہ نمونہ دکھا دیا جائے۔ یہ کہنا کہ چیز کیسی بھی ہو صحیح نہیں ہے، اس میں اختلاف کا خدشہ ہے جس کی وجہ سے بیع درست نہ ہوگی۔

دوسری شرط بھاء اور قیمت کا طے ہونا ہے: مثلاً بظنی کی صورت میں یہ بات پہلے سے واضح ہونا چاہیے کہ کس بھاء سے کتنے روپے کا لینا ہے۔ یہ کہنا کہ فصل کے وقت جو بھاء ہوگا لے لینا صحیح نہیں ہوگا۔ یا کسی کارخانے میں تیار ہونے والی چیز کو منگا کر دینے کے لئے اس کی قیمت کا سلم ہونا ضروری ہے تب ہی پیشگی رقم دینا جائز ہوگا، یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے میں پڑے گی لے لیجئے گا، نرخ اور قیمت دونوں کی بات جیت ہو جانا چاہیے تاکہ اختلاف نہ ہو ہاں منگانے کے اخراجات کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ جتنا خرچ ہو وہ دے دیجئے گا کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اور یہ خریدار کے ذمے ہے۔

تیسری شرط خرید و فروخت کی تکمیل کے لئے مدت کا تعین ہے یعنی یہ طے ہو جانا چاہیے کہ فلاں مہینے میں یا فلاں تاریخ کو بیع مکمل ہو جائے گی۔

چوتھی شرط جگہ کا تعین جہاں خریدار چیز کو وصول کرے گا۔ یہ شرط ان چیزوں میں ہے



جو آسانی سے منتقل نہ ہو سکتی ہوں اور بڑی مقدار میں ہوں۔ اگر ایسی چیزیں ہیں جو بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانی جا سکتی ہیں مثلاً گھڑی، فاؤنٹین پین، دس بیس گز کپڑا یا دس بیس سیرغلہ تو ان میں یہ شرط مطلوب نہیں ہے۔

پانچویں شرط معاملہ کرتے وقت قیمت ادا کر دینا ہے۔ اگر بات چیت آج ہوئی اور روپیہ کل دیا تو بائع کو حق ہے کہ وہ یا تو از سر نو معاملہ کرے یا انکار کر دے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہونے کی جو مدت مقرر کی گئی ہو اُس دوران وہ چیز بازار میں موجود ہو۔ اگر وہ بازار سے غائب ہو جائے تو بائع روپیہ واپس کر سکتا ہے۔ یہ قید فقہائے احناف نے لگائی ہے باقی تینوں ائمہ کے نزدیک چیز اُس وقت موجود ہونا چاہیے جب اُس کو دینا ہے، پوری مدت میں موجود رہنا ضروری نہیں ہے۔ عام حالات میں فقہائے احناف کی رائے پر عمل مناسب رہے۔ شدید ضرورت مثلاً اشیاء کی قلت ہو جانے کے باعث ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

بیع مسلم اُن چیزوں میں صحیح نہیں ہے جن کی تعیین نہ کی جا سکے مثلاً جانور۔ مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ان میں بھی تعیین ممکن خیال کرتے ہیں۔ اگر عرت عام میں تعیین ہو جائے تو بیع مسلم ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

مقررہ مدت گزر جانے پر اگر بائع نے چیز نہیں دی تو اس روپے سے خریدار کو دوسری چیز لینے کا حق نہیں ہے اُسے روپیہ واپس لے لینا چاہیے یا کچھ اور مہلت دے دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر خریدار کو وہ چیز خریدنے کی ضرورت نہیں رہی جس کے لئے اُس نے روپیہ دیا تھا تو وہ معاملہ ختم کر سکتا ہے مگر اس کے بجائے دوسری چیز نہیں لے سکتا۔ پہلے وہ اپنا روپیہ واپس لے پھر دوسری چیز خریدنے کا دوسرا معاملہ کرے۔

یہ حکم اہم وجوہ کے ماتحت ہے؛ پہلی وجہ یہ کہ اگر بائع کسی وجہ سے مال نہ دے سکا تو جب وہ دوسری چیز خریدار کو دے گا تو اس میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور ملحوظ رکھے گا۔ رعایت کے نتیجے میں اُسے کچھ ملے گا نہیں بلکہ نقصان ہوگا اور اسی کا نام سود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ روپیہ بطور قرض دیا گیا تھا اور قرض کے بدلے میں نفع اٹھانا منع ہے اور یہ رعایت ایک طرح کا

نفع ہے، تیسری وجہ یہ کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

**بیع استصناع** کے معنی بنوانے کے ہیں یعنی وہ بیع جو کسی چیز کے بنوانے کے لئے کی جائے۔ یہ بیع سلم ہی کی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بیع سلم میں قیمت معاملہ کرتے ہی ادا کی جاتی ہے اور بیع استصناع میں قیمت فوراً ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ جب مال مل جائے تب قیمت ادا کرنا ہوگی۔ باقی تمام باتیں بیع سلم کی طرح پہلے ہی طے ہو جانا چاہئیں۔

مثلاً ایک جوڑ جوتا بنوانے کا آرڈر دیا تو یا تو نمونہ دکھا کر معاملہ طے کرنا چاہیے یا پھر پوری تفصیل طے ہو جانی چاہیے کہ وضع کیا ہوگی اور رنگ کیا ہوگا۔ فیتے دار ہوگا یا نیوٹ وغیرہ۔ یا اگر کسی فرم کو سائیکل یا موٹر کار آرڈر دیا تو اس کے ماڈل اور پرنزوں کے متعلق بھی صراحت کرنا ہوگی کہ امریکن ہوں گے یا جرمن یا برطانیہ کے بنے ہوئے قیمت کس سکتے ہیں ادا ہوگی اور کیا ہوگی، سامان کتنی مدت میں اور کس جگہ سپلائی کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ، فرض کہ وہ تمام باتیں طے ہو جانا چاہئیں جن سے بعد میں کوئی اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

**بیع کے ناجائز طریقے** میں قسمیں ہیں: باطل، فاسد اور مکروہ۔

**بیع باطل** یہ ہے کہ خرید و فروخت سودی طریقے پر ہو یا جوئے کے ذریعے سے ہو۔ یا حرام چیزوں مثلاً شراب وغیرہ کی تجارت ہو تو یہ سارا کاروبار حرام اور باطل ہوگا۔

**بیع فاسد** وہ ہے جس میں بیع تک تو ہو سکتی ہے لیکن جس صورت میں بیعی جاری ہے، وہ صحیح نہیں ہے مثلاً گھاس کا بیچنا ناجائز نہیں لیکن اگر وہ میدان کی خود رو گھاس جس کا مالک وہ نہیں ہے بیچ رہا ہے تو بیع فاسد ہوگی۔ اگر غلطی سے ایسی خرید و فروخت ہو گئی تو اس معاملے کو فسخ کر دینا چاہیے۔ اگر نہیں کرے گا تو اسلامی حکومت فسخ کرادے گی۔

**بیع مکروہ** یہ ہے کہ مال ملال تو ہو اور بیچنے والے کی ملک بھی ہو مگر خرید و فروخت سے ناجائز فائدہ اٹھانا مقصود ہو مثلاً کسی چیز کی قیمت دس روپے طے ہو چکی اور بیچنے والا

اس پر راضی بھی ہو چکا تھا کہ ایک تیسرا شخص اسی چیز کو گیارہ یا بارہ روپے دے کر خریدتا ہے تو یہ بیع مکروہ ہوگی یا کبھی دام بڑھانے سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بائع کا فائدہ ہو جائے، چونکہ خریدار کو ضرورت ہے اس لئے وہ زیادہ پیسے لگائے گا یہ زیادہ قیمت محض اس دوسرے شخص کی وجہ سے دینا پڑتی ہے اس لئے اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی خرید و فروخت کا معاملہ منسوخ کر دیا جائے مگر اسلامی حکومت زبردستی منسوخ نہیں کرائے گی البتہ اگر بطور پیشہ یہ عمل اختیار کیا جائے یا بائع خود اس طرح کے دلال مقرر کرے تو یہ بیع فاسد قرار دی جائے گی اور اس کا حکم وہی ہوگا جو بیع فاسد کا بیان ہو چکا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھاؤ کے اوپر بھاؤ لگانے سے منع فرمایا ہے۔ نیلام کا حکم اس سے جدا ہے۔

**سودی کاروبار** اسلامی شریعت نے سود کو قطعی حرام ٹھہرایا ہے۔ صرف قرض دیئے ہوئے روپیہ کے بدلے میں ایک ماہ یا ایک سال بعد کچھ زیادہ رقم وصول کرنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی سود ہے کہ تجارت میں لگانے کے لئے روپیہ اس شرط پر لیا جائے کہ اس کو بڑھا کر لوٹایا جائے گا۔ یا قرض تو بلا سودی دیا مگر روپے دینے کے عوض قرضدار سے روپے لینے کے علاوہ کچھ اور فائدہ اٹھایا مثلاً اپنی خدمت لی یا کوئی چیز قرض دینے کی رعایت میں سستی خریدی تو یہ سب سود میں داخل ہے اسی طرح جو چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں ان کی خرید و فروخت اور تبادلہ میں بھی بعض اوقات سود ہو جاتا ہے، اس لئے ہر طرح کے سودی کاروبار کی اسلام میں ممانعت ہے، قرآن میں سود کو نجس کہا گیا ہے، سود لینے والوں کو شیطان کے ہاتھوں کا کھلونا کہا گیا ہے جو لوگ مسلمان ہوں اور سود لیں ان کے لئے ارشاد ہے کہ خدا سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ یعنی اُسے اللہ سے بغاوت قرار دیا گیا ہے، وہ شخص خدا کا باغی اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اس کو وہی سزا ملے گی جو باغیوں اور سرکشوں کو ملتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، سودی کاروبار لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی حرمت کی شدت کے پیش نظر فرمایا کہ ربڑ (سود) اور زینہ (مشبہ) دونوں چھوڑ دو یعنی سود اور جس میں سود کا ذرا بھی شائبہ پایا جائے اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔

ان سخت احکام کے پیش نظر ایسی تمام خرید و فروخت کے معاملے جن میں سود کی آمیزش کا شبہ بھی ہو جائے ممنوع قرار دئے گئے ہیں۔

**سود اخلاقی حیثیت سے ناپستدیدہ** ہمدردی اور یہی خواہی انسانیت کا جوہر ہے اور قرآن و حدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ سود اس جوہر انسانیت کی نفی کرتا ہے اور اس کی جگہ خود غرضی اور منفعت پرستی سکھاتا ہے۔ اپنے نفع کی خاطر دوسروں کی عزت و آبرو بلکہ جان و مال سے کھیلنے کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ اگر کسی لاوارث کی تجہیز و تکفین کے لئے چند روپے دے گا تو اس کی خواہش یہ ہوگی کہ اس روپیہ کا سود اگر نہ ملے تو کم از کم اصل روپیہ ہی لوگ چندہ کر کے اُسے واپس کر دیں غرض یہ کہ انسانیت کا یہ جوہر اُس سے چھین جاتا ہے، حالانکہ اسلام اسی کو پیدا کرنے کا داعی ہے۔ قرآن میں بغیر احسان جتنے دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا سبق دیا گیا ہے دکھائے گئے یا کسی غرض سے مالی اعانت کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور فرمایا کہ بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ ظاہر ہے کہ جو اخلاق و کردار اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے وہ سود خورانہ ذہنیت کے ساتھ ممکن نہیں۔

**بینک اور ڈاک خانے سے ملنے والا سود** چونکہ ڈاک خانہ اور بینک اپنی جمع کردہ رقوم پر سود دیتا ہے۔ اس لئے وہ بھی حرام ہے اور ان دونوں اداروں سے سود پر روپیہ لے کر تجارت کرنا بھی حرام ہے۔ یہی حکم نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ پر ملنے والے سود کا بھی ہے، رہا زمینداری بانڈ میں سود کے نام سے جو رقم درج کی گئی ہے بعض فقہاء اس کو سود نہیں گردانتے کیونکہ جس چیز کے معاوضے میں یہ رقوم دی جا رہی ہیں اُس چیز کی اصل قیمت اُن رقوم سے کہیں زیادہ ہے۔ ہراویڈنٹ فنڈ، ایکاری فنڈ یا کسی اور فنڈ میں جو رقم ملازم کی تنخواہ سے کٹ کر ہر مہینے جمع ہوتی رہتی ہے اُس پر حکومت کی طرف سے جو سود ملتا ہے وہ سود ہی ہے اس لئے وہ بھی جائز نہیں اگرچہ بعض فقہائے اُس کو حکومت کی طرف سے انعام تصور کرتے ہوئے اُسے جائز قرار دیا ہے مگر پھر بھی اس میں سود کا شبہ موجود ہے اس لئے اس سے بیزیر کرنا اولیٰ ہے۔

۱۹۵۶ء میں جب غلے کا بھاؤ بڑھنا  
 سودی کاروبار کی برائی معاشی حیثیت سے شروع ہوا تو تاجروں نے زیادہ سے  
 زیادہ روپیہ غلے کی تجارت میں لگانے کے لئے بینکوں سے سود پر لے کر پیشگی غلے کی خریداری کے  
 لئے تقسیم کیا اور بینکوں نے جی کھول کر روپیہ قرض دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گہوں جو بازار میں بارہ روپے  
 من بکھتا تھا وہ بیس بائیس روپے من ہو گیا اور پھر گراں ہوتے ہوئے ساٹھ ستر روپے من ہو گیا کیونکہ  
 جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اُس کی مانگ بھی زیادہ ہوتی ہے اور لوگ اُسے ہر قیمت پر  
 خریدنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں، بڑے تاجر ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ غلہ جمع کر کے  
 غریبوں اور کم آمدنی والے لوگوں سے وہی دام وصول کرتے ہیں جو دولت مندوں اور امیروں  
 سے لیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب عوام تکلیف اور تنگ حالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں گویا چند  
 بینکوں کے مالکوں اور غلے کے بڑے بڑے تاجروں کو سودی کاروبار سے فائدہ پہنچتا ہے اور  
 باقی دنیا کو خسارہ۔

ادھار خریدنے اور بیچنے کی وجہ سے سود جن چیزوں کو ہم استعمال کرتے ہیں اور  
 اور چیزوں میں کمی بیشی کرنے کے لئے  
 ہیں وہ عموماً پانچ طرح کی ہوتی ہیں (۱) سونا چاندی یا ان سے بنی ہوئی چیزیں (۲) تول کر بنی جانے  
 والی چیزیں جیسے لوہا، تانبا، پیتل، غلہ، ترکاری، میوے، مسالے، روٹی اور گھی وغیرہ۔

(۳) پیمانے سے ناپ کر بھی جانے والی چیزیں (۴) میٹر، گزی، فٹ سے ناپ کر بھی جانے والی  
 چیزیں اور (۵) وہ چیزیں جو گن کر کبیتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا بیان الگ الگ کیا جاتا ہے۔

۱۔ چاندی اور سونے کا حکم سولے اور چاندی سے بنی ہوئی چیزیں اگر سونے یا چاندی  
 کے سکوں سے خریدی یا بادی جائیں تو وہ باتیں ضروری  
 ہیں ایک یہ کہ دونوں کا وزن برابر ہو، دوسری یہ کہ دست بدست خرید و فروخت ہو اگر ان میں  
 سے کوئی بات نہ ہوگی تو سود کا معاملہ ہو جائے گا مثلاً کبھی کے پاس چاندی ہے اور وہ چاندی  
 سے بنا ہوا زیور لینا چاہتا ہے یا سونا ہے اور وہ سونے سے بنا ہوا زیور لینا چاہتا ہے تو یہ ضروری ہے  
 کہ معاملہ دست بدست کرے اور دونوں کا وزن برابر ہو۔ اگر ادھار معاملہ کیا یا وزن میں کمی

بیشی کی توسود ہو جائے گا۔ اگر زیور کی ہوائی دینا ہو تو الگ سے دینا چاہیے، جس چاندی یا سونے کے بدلے میں نئی چاندی دسونا یا اس سے بنا ہوا زیور لیا جا رہا ہے اس میں کمی یا بیشی نہ ہونا چاہیے۔ جن ملکوں میں چاندی یا سونے کے سکے چلتے ہیں مثلاً جاز میں دینار اور امریکہ میں ڈالر تو ان سکوں کے بدلے میں اگر وہ سونے کے ہیں تو سونا اور اگر چاندی ہو تو اتنی ہی چاندی لینا چاہیے۔ سونے اور چاندی کے سکوں کا تبادلہ بھی برابر کی بنیاد پر ہونا چاہیے، دو حکومتوں کے درمیان یہ تبادلہ اگر بطریقہ کاٹ کر کیا جائے تو یہ بھی اسلام میں سود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دینار کو دو دینار کے بدلے یا ایک درہم کو دو درہم کے بدلے نہ بیچو، آپ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے موجودہ زر مبادلہ کے طریقے کو سمجھنا ضروری ہے۔ سکوں کی بلیک مارکنگ بھی حرام ہے۔

سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے بدلنا ہو یا سونے سے چاندی کے سکے اور چاندی سے سونے کے سکے خریدنا ہوں تو وزن کی شرط باقی نہیں رہے گی لیکن یہ شرط ضرور رہے گی کہ معاملہ دست بدست ہو، ادا ہوا نہ ہو، یعنی جائز طریقہ یہ رہا کہ اگر سونے یا چاندی کو یا ان سے بنی ہوئی چیزوں کو ایک ہی جنس سے بدلنا ہے تو اس میں دونوں شرطوں کا لحاظ ہوگا، وزن کی برابری اور دست بدست خرید و فروخت لیکن اگر جنس بدل جائے تو پھر وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں، دست بدست خرید و فروخت ہونا ضروری ہے۔

اگر کسی نے دس تولے چاندی اس طرح خریدی کہ ۵ تولے چاندی یا چاندی کا زیور اور باقی پانچ تولے کی قیمت زینر گاری یا نوٹ کی شکل میں ادا کر دی جائے تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر سولے کا نیا زیور جو زیادہ وزن کا ہو پرانے کم وزن کے سونے کے زیور اور اس کے ساتھ نوٹ یا زینر گاری ملا کر خریدا جائے تو یہ صورت بھی جائز ہے لیکن معاملہ دست بدست ہونا بھی ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس سونے یا چاندی یا ان سے بنی ہوئی چیزوں کا وزن اگر ان چیزوں کے وزن سے کم ہو جنہیں خریدا جا رہا ہے تو نوٹ یا زینر گاری ملا کر اس سے زیادہ وزن کی قیمت ادا کر دینا جائز ہے لیکن یہ کمی اگر چاندی سونے یا ان کے سکوں سے پوری کی تو جائز نہیں، کیونکہ ایک ہی جنس کی چیزوں کا ہم وزن ہونا ضروری ہے۔ پتے گولے، چٹے، الگوٹھی برتن وغیرہ

چاندی کی چیزوں کا یہی حکم ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں میں نصف سے زیادہ ملاوٹ ہو اور پھر ان سے چاندی یا چاندی کے زیور یا سونے کو خریداجائے تو پھر وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں لیکن معاملہ دست بدست ہونا چاہیئے۔ اگر ملاوٹ کم تر ہے تو اس کا حکم سونے یا چاندی کی طرح ہے جیسا کہ عام طور پر زیور میں ذرا سا تا نا ملا دیتے ہیں تو اس سے حکم نہیں بدلتا۔

۲۔ تِل کر بکنے والی چیزوں کا بیان  
غلا، ترکاری، خشک میوے، شکر، نمک، گوشت،  
دوا، تانبا، پیتل، المونیم وغیرہ روپے پیسے سے

بھاؤ اور قیمت طے کر کے خریدی اور بیچی جاسکتی ہیں لیکن اگر یہی چیزیں یا ان کی بنی ہوئی چیزیں ایک دوسرے سے بدلی جائیں مثلاً تانبا دے کر تانبے کی پتیلی لیں۔ ایلومینیم دے کر ایلومینیم، شکر دے کر شکر گیہوں دے کر گیہوں کا تبادلہ کریں تو وزن کی برابری اور دست بدست کا معاملہ ہونا دونوں شرطیں پوری ہونا ضروری ہیں مثلاً کوئی شخص خراب گیہوں دے کر اچھا گیہوں لینا چاہتا ہے یا آٹے سے بدلنا چاہتا ہے تو دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیئے اور دست بدست خرید و فروخت ہونا چاہیئے البتہ اگر اُس نے گیہوں قیمت دے کر خرید لیا تو اُس قیمت سے وہ جس بھاؤ بھی دوسرا گیہوں خریدنا چاہے خرید سکتا ہے، غرض کہ تول سے بکنے والی چیزوں میں بھی اگر ایک جنس کا تبادلہ اُسی جنس کی دوسری چیز سے کرنا ہو تو وزن میں برابری اور دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اگر چیزیں مختلف جنس کی ہوں مثلاً گیہوں دے کر جو لیے جائیں یا جو دے کر دھان لئے جائیں یا غلے کے بدلے میں ترکاری لی جائے یا تانبے کی چیز دے کر لوہے یا پیتل کی چیز لی جائے تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیئے اُدھار یا وعدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُدھار معاملہ کرنے میں چیز بدل بھی سکتی ہے اور وزن بھی گھٹ بڑھ سکتا ہے جو جھگڑے کا سبب ہوگا۔

۳۔ پیمانے سے بکنے والی چیزیں  
پیمانے سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزوں کا بھی وہی حکم ہے جو تول کر بیچی جانے والی چیزوں کا

بیان ہو چکا مثلاً ایک سیمٹ کی بوری کے بدلے میں دوسری سمنٹ کی بوری یا سوفٹ ہونا

دے کر دوسرا سو فٹ چونا لینا ہے تو دونوں کے میانوں کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی۔ لیکن ایک بوری سینٹ دے کر چونا یا چونا دے کر سینٹ لینا ہو تو بیانا نہ کم بیش ہو سکتا ہے مگر معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہونا چاہیئے۔

۴۔ گز یا فٹ سے ناپ کر اور م کپڑا، فیتہ، ٹاٹ وغیرہ فٹ گز یا میٹر سے ناپ کر بھی  
۵۔ گنتی سے بکنے والی چیزیں جاتی ہیں اور آم انٹے وغیرہ گن کر بیچے جاتے ہیں۔  
اگر دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو شرط یہ ہوگی کہ معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہو یعنی دینے والی چیز فوراً دے دی جائے اور لینے والی چیز فوراً لے لی جائے۔

لیکن اگر دونوں طرف مختلف چیزیں ہوں تو ان صورتوں میں ناپ، تول اور گنتی کے برابر ہونے کی ضرورت نہیں اور ادھار میں بھی لین دین ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر چیز تو ایک طرح کی ہو مگر اس کی صورت یا نوعیت بدلی ہوئی ہو مثلاً پھالٹین کے بدلے ململ، یا دودھ کے بدلے میں کھویا یا کابی کے بدلے میں کاغذ خریدنا ہو تو برابر ہونا اور دست بدست ہونا ضروری نہیں ہے۔

غرضکہ وزن اور پیمانے سے بکنے والی چیزیں اگر دونوں طرف ایک ہی جنس کی ہوں تو دو شرطیں ہیں وزن اور پیمانے میں مساوات اور ہاتھ کے ہاتھ لین دین۔ مگر ناپ کر اور گن کر بھی جانے والی چیزیں اگر ان کی جنس الگ الگ ہو مثلاً گیہوں اور جو، دھان اور چنا تو وزن، پیمانے اور تعداد کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف دست بدست ہونا ضروری ہے اور جو چیزیں پیمائے یا تول سے نہیں بکتیں یا دونوں طرف دو الگ الگ قسم کی چیزیں ہیں تو ان میں نہ تو وزن و پیمانہ اور تعداد کی برابری ضروری ہے اور نہ دست بدست کی مثلثیت کی پتیلی دے کر ایک درجن پلٹیں یعنی یا نام چینی کی خریدی جائیں یا ایک تھان کپڑے کے عوض ایک من شکر خریدی جائے تو دونوں میں سے کوئی شرط موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

**جُوے اور شرط لگانے کی حرمت** سودی کاروبار کی طرح جوئے کا کاروبار بھی حرام ہے جو اغوا بازی لگا کر ہو یا کوئی شرط لگا کر یا بخت

اتفاق کی بنا پر فائدہ اٹھانے کی شکل ہو اسلام نے ان سب طریقوں سے کٹائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں نبیؐ کو حرام کہا گیا ہے۔ میسر صرف یہی نہیں ہے کہ چند روپے یا چند



پیسوں کی بازی لگا کر فائدہ یا نقصان اٹھایا جائے بلکہ جوئے اور قمار ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے جس میں ایک آدمی کا پیسہ دوسرے آدمی کو بخت و اتفاق سے مل جائے۔ لائٹری، ریس اور معموں وغیرہ کے ذریعے جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہ جوئے میں داخل ہے کیونکہ فائدہ اور نقصان اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

**میسر یعنی جوئے کی تعریف** علماء نے میسر کی تعریف یہ کی ہے تعلیق الملک علی الخطر (اپنی ملکیت کو خطرے میں ڈالنا) یعنی جس کا فائدہ محض اتفاق پر منحصر ہو اسی لئے بیع الغرر کی مانعت ہے غرر کے معنی ہیں دھوکہ یہ ایک جامع لفظ ہے اس میں ہر وہ کاروبار داخل ہے جس میں دھوکے کی صفت پائی جائے۔ بیع غرر کی چند قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

**بیع منابذہ** مثلاً کبھی نے کہا کہ اس باغ کے پھل میں نے اس شرط پر بیچے کہ اس میں پانچ ہزار پھل سے زیادہ جتنے پھل ہوں گے وہ سب میرے ہوں گے اور اگر کم ہوں گے تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوگی۔ یا کوئی کہے کہ اس چار من گہو کے بدلے اس مٹر کے کھیت کی فصل میں نے خرید لی یا فلاں دیکن میں جتنا سامان ہے وہ سب اتنی قیمت میں بیجا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں بیع صحیح نہ ہوگی کیونکہ جو چیز بیچی یا خریدی جا رہی ہے وہ متعین نہیں ہے اگر معاملہ اس طرح طے ہو جائے اور بائع یا مشتری کو نقصان اٹھانا پڑے تو جھگڑے اور اختلاف کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ اگرچہ نقصان اور فائدے کا امکان ہر تجارت میں ہوتا ہے مگر اُس کی وجہ دوسری ہوتی ہے، اصل معاملہ اتفاق پر مبنی نہیں ہوتا چونکہ ایسے واقعات جن میں ایک آدمی نے کسی جہاز میں لدے ہوئے مال کو بغیر دیکھے خرید لیا اور پھر وہ سخت خسارے میں پڑ گیا بھروسہ اس کے نہیں ہے اس لئے بیع منابذہ ناجائز ہے۔

**بیع الملامسہ اور بیع الخصاۃ** ملامسہ کے معنی چھونا اور خصاۃ کے معنی کنکری کے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بہت سے رکھی ہوئی چیزوں میں سے جس پر مشتری کا ہاتھ پڑ جائے وہ اُس کی ہو جائے یا وہ ایک مکھڑی پھینکے

اور جس چیز پر وہ پہنچ جائے وہ اُس کی ہو جائے، یہ سب طریقے ناجائز ہیں، ریس اور لاٹری میں یہی ہوتا ہے کہ لاکھوں روپے کا مال صرف پانسہ پھینک کر اور بازی بد کرک جاتا ہے۔

معمہ بازی میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کا فائدہ تو متعین ہوتا ہے، ایک معمہ جاری کرنے والے کا اور دوسرا اُس شخص کا جس نے بازی جیتی یا انعام پایا مگر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی جیب سے پیسہ نکال کر صرف دو آدمیوں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ صرف ظالمانہ ہے کہ ہزاروں آدمی صرف ایک موہوم امید پر اپنا پیسہ لگائیں اور نقصان اٹھائیں اگر وہ جان پاتے کہ اُن کے ہتھ میں کچھ نہیں آئے گا تو روپیہ اور محنت معمہ حل کرنے میں ضائع نہ کرتے۔

معمہ کا حاصل اگر فیس کے ساتھ نہ بھی لیا جاتا ہو تو رسالے کی کوپن کے ساتھ تو بھیجنا ہی بڑا ہے اس لئے ہر معمہ بھیجنے والے کو رسالہ خریدنا لازم ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح خرچ کرنا ایک موہوم امید پر مصارف کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

خواہ مال کا بیمہ ہو یا جان کا دونوں ناجائز ہیں اس میں سود بھی ہے جو ابھی اور رشوت بیمہ بھی۔ مال کے بیمہ میں جو معاوضہ بیمہ کمپنی دیتی ہے وہ مال کا معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ اُس رقم کا ہوتا ہے جو بیمہ کرانے والے اُسے سالانہ ادا کرتے رہتے ہیں ورنہ بیمہ شدہ مال سے تو کمپنی کو کوئی فائدہ ہوتا ہی نہیں، ظاہر ہے کہ معاوضہ کی ادائیخت و اتفاق پر مبنی ہے، اسی کا نام بیمہ (جو) ہے۔ یہ سود اس طرح ہے کہ نقصان کا جو معاوضہ کمپنی دیتی ہے وہ یا تو اُس رقم سے زیادہ ہوگا جو بیمہ کرانے والوں سے ملی ہے یا کم ہوگا، دونوں صورتوں میں ایک فرق کا نقصان ہوگا اور دوسرے کا فائدہ اسی کا نام سود ہے۔ جان کا بیمہ سود ہونے کے ساتھ رشوت بھی ہے، اسلام میں جان ایسا مال نہیں جو خرید و فروخت کے بدلے میں استعمال ہو سکے اور معاملات میں دونوں طرف ایسی چیزیں ہونا ضروری ہیں جو عوض بن سکیں اور رشوت کی تعریف بھی یہی ہے کہ وہ کسی مال کے عوض ہیں نہ ہو۔

**رشوت** سود اور جوئے کی طرح رشوت بھی حرام ہے، قرآن میں اس کی ممانعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنم میں جائیں گے۔ رشوت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کام پر مقرر ہو اُس کا معاوضہ حکومت سے یا کسی

ادارے یا شخص سے بطور تنخواہ پاتا ہوا اور پھر بھی اسی کام کے کرنے کا معاوضہ کچھ اور لے لے مثلاً: ایک دفتر کا کلرک اس لئے مقرر ہے کہ وہ لوگوں کے پاسپورٹ بنا دیا کرے اب اگر پاسپورٹ بنانے میں تنخواہ کے علاوہ پاسپورٹ بنوانے والے سے اس نے کچھ لیا تو رشوت ہوگی کیونکہ اس کو اس کام کا معاوضہ مل رہا ہے اب یہ معاوضہ وہ کس چیز کے بدلے میں لے رہا ہے کسی اہل کار کو اس کے کار منصبی کی وجہ سے کوئی تحفہ یا ہدیہ ملے تو وہ بھی رشوت ہے۔ ایک بار ایک شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا جب وہ واپس ہوا تو اس نے کہا اتنا مال زکوٰۃ کا ہے اور اتنا مجھے ہدیہ ملا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کے دیکھے کہ کوئی اس کو ہدیہ دیتا ہے یعنی یہ ہدیہ ہند سے کی وجہ سے ملا۔

**مستقبل کے سودے** ایک شخص جانور کے ایک یا کئی حل کو بیچ دے، اس کو جمل الجملہ کہتے ہیں، ایک شخص اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل دلو تین سال کے لئے بیچ دے، اس کو بیع معاومہ کہتے ہیں، حدیث میں ان دونوں سے منع کیا گیا ہے مثلاً کسی کے کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا یا باغ کا پھل سو روپے میں لکا تو اسی پر قیاس کر کے یا انداز سے آئندہ دو تین سال کے لئے معاملہ کر لیا۔ یا جانور نے ابھی بچہ نہیں دیا ہے مگر ہونے والے بچے کو فروخت کر دیا۔ اس قسم کے تمام کاروبار سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ بھی میسر کی ایک قسم ہے۔

مستقبل کے سودے کا طریقہ دو پہلوؤں سے ناجائز ہے ایک تو یہ کہ جو چیز بیچی جاتی ہے وہ سامنے اور قبضے میں نہیں ہوتی، دوسرے فائدہ محض بخت اتفاق پر مبنی ہو تو اس سے یہ خصوصیات جس کاروبار میں پائی جائیں گی وہ ناجائز ہوگا۔ مستقبل کے سودوں میں بیشتر چھوٹے تاجروں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور بڑے تاجروں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ چیزوں کا اسٹاک کر کے گرانی پیدا کریں اور خوب فائدہ اٹھائیں۔

**بیع الجملہ کی بعض اور صورتیں** بیع الجملہ صرف حل کے بیچنے کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر جمہول چیز کے بیچنے کو کہتے ہیں مثلاً کسی نے کہا کہ گائے کے تھن میں جو دودھ ہے وہ میں بیچتا ہوں یا بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہیں وہ سب

بیچنا ہوں یہ سب بیع المبلہ میں داخل اور ناجائز ہے، دودھ کو نکال کر بیچنا اور بال کو کاٹ کر بیچنا صحیح ہے، اسی طرح مکان میں لگے ہوئے بانس یا کڑیوں کو بیچنا بھی باطل ہے ان کو نکال کر بیچنا جائز ہے۔

**کاروبار میں دھوکہ یا فریب** غرر، بخشش، غش اور مضرات جیسے دھوکے کے کاروبار اسلام میں حرام ہیں، غرر کے معنی خطرہ برداشت کرنے کے ہیں، ایسا معاملہ جس میں کسی فریق کا فائدہ خطرے میں پڑتا ہے یا ایسی چیز فروخت کی جائے جو قبضے میں نہ ہو جیسے دریا کی مچھلیاں جو دریا میں ہی ہوں ان کا ٹھیکہ دینا بھی مناسد ہے، بخشش یہ ہے کہ خراب مال کی اس لئے تعریف کی جائے کہ اس کے دام بڑھیں غش کے معنی کھوٹ کے ہیں کھوٹی چیز کو کھرا کہنا بھی دھوکہ دینا ہے، مصراۃ تھن پر تھنلی چڑھانے کو کہتے ہیں تاکہ دودھ روک کر یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ بڑی دودھاری گائے یا بکری ہے۔ غرض کہ وہ تمام کاروبار جو غلط پروڈیگنڈے خراب اور عیب دار چیز کو عمدہ دکھا کر نقلی کو اصلی بنا کر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے کئے جاتے ہیں اسلام میں ناجائز ہیں۔

**غیر موجود مال یا قیمت پر ادھار کاروبار** مال اور قیمت دونوں موجود نہ ہوں اور ادھار خرید و فروخت کر لی جائے اُس کو حدیث میں الکالی بالکالی کہا گیا ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، بعض ساحلی شہروں میں لاکھوں روپے کا کاروبار صرف چند منٹ بات کر کے ہو جاتا ہے بس صرف یہ معلومات فراہم کرنا پڑتی ہے کہ مال کہاں ہے اور کہاں سے آرہا ہے، اپنی جیب سے بیسہ خرچ کئے اور مال کے موجود ہوئے بغیر لاکھوں روپے کا فائدہ یا نقصان لوگ اس کاروبار سے اٹھاتے ہیں جس کو عام خریداروں کی جیب سے حاصل کیا جاتا ہے۔

ایک ادھار معاملے پر دوسرا ادھار معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے مثلاً کسی نے ایک مکان خریدا اور قیمت ادھار کر لی پھر کچھ دن بعد اُس نے مکان بیچنے والے سے کہا کہ اس مکان کی اگر تم اتنی قیمت دیدو تو پھر تم کو واپس کر دوں یا اتنا روپیہ دے کر اپنا مکان واپس لے لو تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

کوئی مال امریکہ یا روس سے چلا ہے ابھی وہ راستہ ہی میں ہے کہ مال کے ایجنٹوں سے یہی یا لکھتے کا ایک تاجر معاملہ طے کر لیتا ہے اور پھر وہ تاجر کسی دوسرے تاجر سے منافع لے کر اسی مال کو بیچ دیتا ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ اس الٹ پھیر کی وجہ سے وہ چیز جو چار آنے میں بکتی اب پانچ یا چھ آنے میں بکتی ہے۔

**بیچ سے فائدہ اُچک لینا** بائع اور خریدار کے درمیان واسطہ بن کر کچھ بیچ کے لوگ اُس فائدے کو اچک لیتے ہیں جو بائع اور خریدار کو ہوتا مثلاً دلال یا وہ تاجر جو مال بازار میں آنے سے پہلے ذخیرہ کر لیتے ہیں تاکہ جو فائدہ صارفین کو ہوتا ہے اُسے خود مار لیں، ایسے تمام لوگ اسلامی شریعت میں ناپسندیدہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنْ يَتَلَفَى الْجَلْبُ فَإِنْ تَلَفَا  
إِنْسَانٌ قَاتِبَا عَنْهُ فَصَاحِبُ  
السَّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فائدہ اچک لینے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی ایسا کرے تو بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ اپنا مال واپس لے لے۔

ایک روایت میں ہے "نَهَى عَنْ تَلَفَى الْبُيُوعِ" خرید و فروخت کو اچک لینے سے منع فرمایا، دوسری روایت میں اور زیادہ واضح الفاظ میں "نَهَى عَنْ تَلَفَى السَّلْعِ حَتَّى تَهْبِطَ الْأَسْوَاقُ" (مال بازار میں آنے سے پہلے بیچ سے اچک لینے کو آپ نے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح شہری دلالوں کو دیہاتیوں کا مال خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ کسی چیز کے بازار میں آنے سے پہلے جتنے زیادہ واسطے ہوں گے وہ چیز اتنی ہی زیادہ گراں ہوگی کیونکہ سب کچھ نہ کچھ فائدہ کمانے کی فکر میں رہیں گے اس طرح وہ چیز بازار میں آتے آنے گراں ہو جائے گی، عام خریداروں پر بوجھ بڑھے گا۔ اسلامی شریعت نے ان تمام لوگوں پر پابندی عائد کی ہے جن کے بیچ میں آنے کی وجہ سے عام خریداروں کو مال گراں پڑتا ہے کیونکہ دو چار آدمیوں کو فائدہ اور عوام الناس کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔

عام ائمہ فقہ و حدیث اس کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ

طریقہ بیع ناجائز نہیں اگر اس کی وجہ سے عوام کو وقت نہ ہو لیکن اگر وہ وقت میں پڑ جائیں اور سامان گراں ہو جائے تو پھر یہ ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ الفاظ یہ ہیں: شہری دیہاتی کی خرید و فروخت کا واسطہ نہ بنے لوگوں کو چھوڑ دو، وہ خود اپنا معاملہ کریں اللہ تعالیٰ بعض کے ذریعے بعض کو روزی دیتا ہے، یعنی ایک ہی واسطہ ہونا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت کئی واسطوں کے۔

۱۱۔ اگر کسی نے خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت یہ شرط بیع میں ناجائز شرائط لگائی کہ تم اپنا مکان میرے ہاتھ بیچ دو تو میں اپنا فلاں کھیت تمہارے ہاتھ بیچ دوں تو معاملہ ناجائز ہو جائے گا اس کو حدیث میں ایک بیع کے اندر دو بیع کہا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنا کھیت یا مکان یا جانور بیچا مگر شرط لگائی کہ کھیت میں ایک فصل بولوں گا تب اس کو تمہارے حوالے کروں گا۔ یا مکان میں ایک مہینہ رہ کر چھوڑ دوں گا یا جانور کو چار مہینے استعمال کرنے کے بعد دوں گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

۳۔ اسی طرح کپڑا خریدتے وقت یہ شرط کہ اسے کاٹ کر اور سی کر دیا جائے اور غلہ یا پھل خرید اس شرط کے ساتھ کہ اسے گھر تک پہنچایا جائے تو ان شرطوں کی وجہ سے بیع ناجائز ہوگی۔

۴۔ بھینس یا گائے کی خریداری اس شرط کے ساتھ کرنا کہ اگر چار سیر دودھ روز دے گی تو بولوں گا، یا بچنے والے کا یہ کہنا کہ یہ چار سیر دودھ دے گی، دونوں شرطیں باطل ہیں۔ کیونکہ جانوروں کا دودھ گھٹنا بڑھتا رہتا ہے، البتہ یہ کہنے میں کوئی ہرج نہیں کہ یہ گائے دودھ دے گی۔

۵۔ بیع کرتے وقت یہ شرط لگانا کہ اُسے کسی کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے یا مکان میں فلاں تصرف نہ کیا جائے باطل ہے اس شرط پر دھیان نہیں دیا جائے گا۔

شرط لگانے کا قاعدہ کلیہ ایسی شرط جو نفس معاملہ سے متعلق ہو اور اُس سے کوئی مزید مالی منفعت حاصل کی جا رہی ہو تو وہ ناجائز ہے اور بیع باطل ہے۔ جو شرط نفس معاملہ سے متعلق نہ ہو بلکہ نائد ہو تو اگر وہ یک طرفہ مالی منفعت کے لئے ہو تو بیع فاسد ہوگی اور اگر اُس سے کوئی فائدہ مطلوب نہیں تو شرط لغو ہوگی اصل

معاملے پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

معاملہ خواہ خرید و فروخت کا ہو یا عقد نکاح کا یا مضاربت کا (یعنی ایک سرمایہ دے دوسرا محنت کرے) یا شرکت کا ان سب میں اگر کوئی فریق شرط لگاتا ہے تو اگر وہ شریعت اسلامی سے متصادم نہیں ہے تو شرعاً قابل قبول ہوگی، حدیث میں ہے "المسلمون علی شریوطہم" (مسلمان اپنی شرط کے پابند ہیں) لیکن اگر وہ شرط کسی شرعی حکم سے ٹکراتی ہے یا اس سے کوئی زائد مالی منفعت کسی ایک فریق کو ہوتی ہے تو فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے۔ مالی معاملات میں ایسی کوئی شرط جس کا تعلق مال سے نہ ہو اصل معاملے پر اثر انداز نہ ہوگی۔ فقہائے احناف تین طرح کی شرطوں کو اگر وہ نفس معاملہ سے متعلق بھی ہوں، اس اصول سے مستثنیٰ کرتے ہیں:

۱۔ وہ شرط جس کی اجازت شریعت نے دیدی ہے مثلاً قیمت تاخیر سے ادا کرنا کسی کو نیا فرط دینا علیٰ ہذا القیاس خیار نقد و تعین۔ گو یہ شرط نفس معاملہ میں ہے۔

۲۔ وہ شرط جو اصل معاملے کے مناسب ہو۔ مثلاً ادھار معاملے میں یہ شرط کہ مشتری تا ادا کے قیمت کوئی چیز رہن رکھ دے یا کوئی ضامن دے کیونکہ بالئے نے یہ شرط بغرض تحفظ مناسبت سمجھتے ہوئے لگائی ہے۔

۳۔ وہ شرط جو عرف عام میں مروج ہو مثلاً بعض چیزیں ایک سال کی کارنٹی پر فروخت ہوتی ہیں بظاہر یہ تینوں شرطیں اصل معاملے میں بطور منفعت زائدہ کے ہیں جس سے بیع فاسد ہو جانا چاہیے مگر عرف عام کی بنا پر یا تراضی طرفین کی بنا پر کسی ایک کی منفعت یا کسی ایک کا نقصان اس میں نہیں ہے اس لئے انہیں صحیح قرار دیا ہے۔

خریدار کے لئے یہ منع ہے کہ روپیہ قرض لینے یا کوئی چیز عاریتہً حاصل کرنے کی بنیاد پر خرید و فروخت کرے یا قرض اس شرط پر دے کہ اگر تم میری فلاں چیز خریدو یا اپنی فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو تو میں قرض دے سکتا ہوں۔ وجہ منع یہ ہے کہ قرض دے کر اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص اپنا مکان بیچتے وقت کہے کہ اس کا ایک کمرہ نہیں دوں گا یا بارگ کے پھل فروخت کرتے وقت کہے کہ پانچ سو پھل میرے ہوں گے تو یہ بھی منع ہے، وجہ مانعت کرے

اور پھلوں کی قسم کا مہول ہونا ہے۔ اگر تعین کر دیا جائے تو جائز ہے۔  
**تصویر کی بیع** جاندار کی تصویر بنا کر بیچنا حرام ہے خواہ وہ بچوں کے کھلونے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کو کوئی توڑ دے یا خراب کر دے تو اُس سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ اسلامی شریعت میں یہ مال ہی نہیں ہیں۔

یہ بھی حرام ہے کہ اپنے مال کو بیچنے کے لئے عورت کی تصویر بنا کر لوگوں کو راغب کیا جائے بلکہ اس میں دوسرا تہرا گناہ ہے، ایک تصویر بنانے کا، دوسرے عورت کو ترغیب کا ذریعہ بنانے کا، تیسرے غلط ترغیب دے کر مال بیچنے کا۔

فحش نادلیں، عریاں تصویریں  
 اخلاق سوز گانوں کے ریکارڈ،  
 ایسے سامان کا بیچنا جن سے جرائم کو بڑھا داملے

ٹیب، ایسی فلمیں جس سے چوری، ڈاکے یا کسی اور جرم کرنے کی ترغیب ہوتی ہو، ایسی کتا ہیں یا اشتہار جو زنا، شراب اور سود لینے کی طرف راغب کریں، ان سب کا بیچنا اور خریدنا حرام ہے۔ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی مگر قیمت ابھی ادا نہیں کی ہے کہ بائع نے کہا کہ **بیع عینہ** کچھ قیمت کم لے کر اُسے پھر میرے ہاتھ فروخت کر دو، اسے شریعت میں **بیع عینہ** کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسرا معاملہ **بیع عینہ** کا ہے لیکن پہلا **بیع نسیدہ** ہے جو درست ہے اور اپنی جگہ باقی رہے گا۔ امام مالک اور امام حنبلؒ فرماتے ہیں کہ دونوں باطل ہو جائیں گے۔

**بیع بخش (دام پر دام لگانا)** کسی خریدار نے ایک چیز کی قیمت لگائی اور بائع اُسے دینے پر تیار ہو گیا، اس درمیان میں ایک اور شخص اُسی چیز کی قیمت بڑھا دیتا ہے تاکہ وہ نہ خرید سکے یا زیادہ قیمت دے کر خریدے یا دام بڑھانے والا خود اُس کو خرید لے۔

اسی طرح ایک دکاندار کسی چیز کی قیمت بتائے اور خریدار لینے کے لئے تیار ہو کہ ایک دوسرا دکاندار اُسی چیز کا نمونہ دکھا کر کہے کہ میں اسے کم دام پر دے سکتا ہوں، یہ تمام صورتیں ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ **بیع باطل** ہے، دوسرے ائمہ اسے کالعدم



نہیں قرار دیتے بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔

**بیعانہ یا ایڈوانس** خریدار نے کسی چیز کا سودا کیا اور کچھ رقم پیشگی دکاندار کے اطمینان کیلئے دیدی یا اگر دکاندار یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر آپ چیز نہ لے سکیں گے تو میں یہ پیشگی لی ہوئی رقم واپس نہیں کروں گا۔ تو یہ باطل ہے۔ یا کسی نے موچی سے کہا ایک جوڑا جو تیار کر دو، موچی نے کہا کچھ بیعانہ دیجئے اگر آپ نے جوتانہ لیا تو بیعانہ واپس نہ ہوگا تو اسے یہ شرط لگانے کا حق نہیں ہے۔ اگر بغیر شرط کے پیشگی یا بیعانہ کے نام سے کوئی رقم لے لے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر سودا نہ لینے کی صورت میں وہ بیعانہ ضبط نہیں کر سکتا اس کو بیع عربوں کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے امام احمد بن حنبل کے نزدیک پیشگی رقم ادا کرنے والے نے اگر بطیب خاطر یہ شرط قبول کر لی ہو تو جائز ہے۔

**دام کے دام یا نفع لے کر بیچنا** دام کے دام چیز بیچ دینے کو بیع تولیہ کہتے ہیں اور نفع لے کر بیچنے کو بیع مراحمہ کہتے ہیں۔ نفع لینے پر اسلامی

شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ مگر بازار بھاؤ سے زیادہ ہر بیچنا بُرا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو بازار میں بیچنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ ایسے شخص کو بازار سے اٹھا دیا کرتے تھے اس سلسلہ میں چند مسائل ذہن میں رہنا چاہئیں:

(۱) تاجر پر ضروری نہیں کہ اپنی خریداری کے دام بتائے لیکن اگر کوئی تاجر کھدے کے میں نے یہ مال اتنے میں خریدا ہے اور ایک آنہ فی روپیہ نفع لے کر فروخت کرتا ہوں تو پھر اس سے زیادہ لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار کو معلوم ہو جائے کہ اس نے دھوکہ دیا ہے تو اسے واپس کر دینے کا اختیار ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دام کم کر کے پھر لینا جائز نہیں۔ مگر اُن کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ اس کی اجازت دیتے ہیں جبکہ امام محمدؒ خریدار کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں کہ چاہے تو واپس کر دے یا چاہے تو دام کم کر کے خرید لے، یہ تو وہ صورت تھی جب اُس نے کہا تھا کہ نفع لے کر بیچنا ہوں لیکن

(۲) اگر اُس نے کہا کہ میں دام کے دام یہ چیز دیتا ہوں اور پھر دھوکہ ثابت ہو جائے تو سب کے نزدیک خریدار کو قیمت کم کرالے کا حق ہے۔

مال منگانی کے مصارف کو یا مال خریدنے کے بعد دکاندار نے جو کچھ خرچ کیا اس کو اصل قیمت میں شامل کرنے کا حق ہے مثلاً بیل کا اور چنگی کا خرچ، پیک کرانے، خرید شدہ کاغذ کی کاپیاں بنوانے، خرید شدہ کتابوں کی جلدیں بنوانے پر جو خرچ ہو اُسے اصل قیمت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے مگر وہ یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خرید ا ہے بلکہ یہ کہے کہ اتنے میں بڑا ہے۔ تاکہ جھوٹ نہ ہو، کیونکہ جھوٹ بول کو بیچنا حرام ہے۔

کمیشن پر یا اجرت پر ایجنٹ مقرر کرنا ایجنٹوں سے ضمانت لی جاسکتی ہے مگر یہ شرط لگانا کہ اگر اتنا مال فروخت نہ کیا یا اتنے دن کام نہ کیا تو ضمانت کار و پیہ ضبط کر لیا جائے گا۔ جائز نہیں۔ البتہ اگر ہدایت کے خلاف عمل کرے اور نقصان ہو جائے، یا وہ کوئی چیز لے کر غائب ہو جائے تو اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے ضمانت کار و پیہ لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ایجنٹ کو مال دیا اور ہدایت کی کہ ایک روپیہ فی درجن یا بیس روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کرو۔ اُس نے وہ چیز سواروپے فی درجن یا بیس روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کر دی تو یہ چار آنے یا دو روپے ایجنٹ کے نہیں مالک کے ہوں گے۔ ایجنٹ انھیں نہیں لے سکتا۔ مالک اگر اپنی خوشی سے دیدے تو جائز ہے۔

۳۔ باغ کا پھل فروخت کیا تو خریدار کو اُسی وقت توڑ لینا چاہیے مگر عرف عام میں پھل پکنے تک درخت پر ہی رہتا ہے جس کی اجازت بائع کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اگر بائع اس پر راضی نہ ہو تو وہ پھل توڑ لینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

۴۔ کسی چیز کو نیلام کر کے بیچنا جائز ہے، یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۵۔ ہنڈی میں بٹہ کاٹنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ ریلوے اسٹیشن سے مال اٹھا لینے کی ایک مدت مقرر ہوتی ہے جس کے بعد ڈیرج لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن مال کو فروخت کر کے اُس کی قیمت ریلوے کو لے لینے کا حق نہیں ہے، قیمت مال والے کو ہی لےنا چاہیے۔

۷۔ یہ اشتہار دے کر فروخت کرنا جائز ہے کہ جو صاحب فلاں وقت تک قیمت یا چندہ

بیع دیں گے، اُن کو یہ کتاب یا رسالہ یا مال اتنے روپے میں ملے گا اور اس کے بعد قیمت بڑھ جائے گی۔

۸۔ لیکن بیع کا یہ طریقہ کہ جو شخص اتنا روپیہ یا اتنی فیس ممبری ادا کر دے اُسے زندگی بھر ادارہ کا رسالہ یا اُس کی مطبوعات دی جائیں گی کئی وجوہ سے ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع معاوضہ مستقبل کا سودا ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ یا بیع الجملہ ہے یعنی چیز وجود میں نہیں آئی ہے اس کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے یا یہ ایک طرح کا جوا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ادارہ آئندہ نہ چل سکے۔ زندگی بھر کسی رعایت کا لالچ دے کر روپیہ وصول کرنا ایک دھوکہ ہے۔

۹۔ بیع کا ہر وہ معاملہ جس میں سود کا شائبہ ہو فاسد ہے۔ بیع باطل اور فاسد دونوں حرام ہیں۔

۱۰۔ خریدار کو مال والے سے یہ پوچھنا ضروری نہیں ہے کہ تم نے یہ چیز حلال ذریعے سے کمائی ہے یا حرام ذریعے سے لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ چوری یا دھوکے فریب سے چیزیں حاصل کرتا ہے تو احتیاطاً دریافت کر لینا چاہیئے اور انھیں خریدنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۱۱۔ جو مال بطور وراثت یا ہدیہ ملے اور یہ معلوم ہو کہ اسے حرام طریقے سے حاصل کیا گیا تھا یا کسی کا حق مار کر لیا گیا تھا تو مال جس کا ہے اُسے واپس کر دینا چاہیئے اور اگر وہ نہ ملے تو صدقہ کر دینا چاہیئے۔ اگر استعمال کر لیا تو اگرچہ حکومت اُس کو اس لئے سزا نہیں دے گی کہ اُس نے حرام طریقے سے کمانے کا جرم خود نہیں کیا مگر دیانتہ گنہگار ضرور ہوگا کہ اس نے حرام طریقے سے کمانے ہوئے مال کو رغبت سے کھایا۔ بہت زیادہ تنگدستی اور محذوری کی حالت میں بقتدر کفایت اگر اُس میں سے کھائے تو گناہ نہ ہوگا۔

۱۲۔ اگر ناپاک چیز بیع دی گئی اور خریدار کو اس کا علم ہو گیا تو وہ اُسے واپس کر سکتا ہے۔

۱۳۔ تیل یا لکھی وغیرہ ناپاک ہو جائے تو اُسے خریدار کو تاجر بیع دینا جائز ہے تاکہ وہ اُسے کھانے میں استعمال نہ کرے اور دوسرے کام میں لائے۔

۱۴۔ عورت کا دودھ بیچنا ناجائز ہے۔

۱۵۔ جانور اس شرط کے ساتھ دینا کہ اُسے کھلانے پلانے اور چرانے کے بعد جب بچے

ہوں گے تو دونوں بانٹ لیں گے اسے دیہات میں ادھیا کہتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے۔ بچے مالک کے ہی رہیں گے اور چرواہا کھلانے اور چرانے کی اجرت کا استفادہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنی زمین درخت لگانے کے لئے اس لئے دی کہ پھلوں اور درختوں میں آدھا آدھا حصہ دونوں کا ہوگا تو یہ بھی ناجائز ہے، لگانے والا صرف پودوں اور اپنی محنت کا معاوضہ لے سکتا ہے، درختوں اور پھلوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر لگے ہوئے باغ میں پھلوں کی نگرانی کرنے کی اجرت میں کچھ بچل دیئے جائیں تو یہ جائز ہے۔

۱۶۔ غیر جاندار چیزوں کے بنے ہوئے کھلونوں کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔

۱۷۔ کتابا لانا شوق و تفریح کے لئے حرام ہے، البتہ اگر کھیتی، مکان یا جانوروں کی حفاظت یا شکار کے لئے پالا جائے تو اس کی اجازت دی گئی ہے مگر حتی الامکان گھر کے اندر نہ جانے دینا چاہئے۔ کتے کی خرید و فروخت کی اجازت امام ابوحنیفہؒ نے اس لئے دی کہ ضرورت کے لئے اس کا پالنا جائز ہے۔ دوسرے ائمہ جو اس کی خرید و فروخت کو فاسد کہتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں کتے کی قیمت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۸۔ خریدار خریدنا ہوا مال اگر واپس کرے تو بار برداری کی مزدوری بھی اُسی کو دینا ہوگی۔

۱۹۔ اگر کسی نے ایسا مرغ خرید لیا جو ناوقت بولتا ہے یا ایسا جانور خرید ا جو غلیظ کھاتا ہے تو یہ عیب ہے جس کی بنا پر واپسی کی جاسکتی ہے۔

۲۰۔ اگر جانور دو تین دفعہ بھاگ جائے تو عیب نہیں ہے لیکن اگر برابر بھاگ جاتا ہو تو عیب ہے، خریدار اسے واپس کر سکتا ہے۔

۲۱۔ اگر ایسا مکان خرید ا جسے لوگ مغوس کہا کرتے تھے اگرچہ اسلام میں مغوس کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن چونکہ اس شہرت کے سبب کوئی کرایہ دار نہیں آئے گا اور بیچتے وقت قیمت گھٹ جائے گی اس لئے مشتری اس کو واپس کر سکتا ہے۔

۲۲۔ بعض صنعتی اور تجارتی ادارے یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو اتنے ٹکٹ فروخت کر دے گا اس کو فلاں چیز ادارہ بطور انعام دے گا۔ اس طریقے سے حاصل شدہ چیزیں ناجائز نہیں کیونکہ اس میں یہ شرط چھپی ہوتی ہے کہ اتنے ٹکٹ نہ بچے تو روپیہ ضبط ہو جائے گا گویا یہ بخت و اتفاق پر موقوف

ہے، اسی کا نام جو اسے، پھر یہ شرط بھی فاسد ہے کہ اتنے ٹکٹ بیچ کر خریدار پیدا کئے جائیں، فاسد شرط کا حکم سود کا سا ہے۔

۲۳۔ مال جب تک مشتری کو نہ مل جائے، ریل یا راستے یا جہاز میں اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کی ذمہ داری بائع پر ہوگی مگر جب مال وہاں پہنچا دیا گیا جہاں مشتری نے منگایا ہے اور مشتری نے دیکھ لیا کہ مال پورا ہے تو بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب اگر مال کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو مشتری کو برداشت کرنا ہوگا، اگر ریلوے اسٹیشن پر نقصان پہنچا تو تادان ریلوے سے وصول کیا جائے گا۔

**احتکار (ذخیرہ اندوزی)** ضرورت کی چیزیں کچھ خود غرض لوگ اس لئے ذخیرہ کر لیتے ہیں کہ جب بازار میں اُن کی قلت واقع ہو اور ان کی مانگ زیادہ ہو تو وہ غرض مندوں کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچ کر دولت کمائیں۔ اس فعل کو شریعت میں احتکار کہتے ہیں جو اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذخیرہ اندوز کو ملعون فرمایا ہے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ عام انسان کے لئے تکلیف اور زحمت کا سبب ہوتا ہے جس زمانے میں ذرائع آمدورفت اور حمل و نقل محدود تھے تو تکلیف اٹھانے والا طبقہ محدود تھا لیکن جب سے یہ ذرائع عام ہوئے تو ذخیرہ اندوزی کے اثرات پورے ملک کو تکلیفوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جہاں سیلاب یا خشک سالی سے غلے کی پیداوار ٹھہلتی ہے اُس کا پتہ ان خود غرض تاجروں کو ہوجاتا ہے اور وہ غلے کا اسٹاک کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ گرانے والی قیمتیں پر بڑھے، اگرچہ ملکی قانون بھی ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس پر پابندی بھی نہیں لگائی گئی ہے جبکہ اسلامی شریعت اس پر پابندی لگاتی ہے اور چاروں ائمہ مجتہدین احتکار کی کراہت پر متفق ہیں کیونکہ اس سے ذخیرہ اندوزوں کے سوا سب کو مضرت پہنچتی ہے۔

البتہ اگر ذخیرہ اندوزی کسی مضرت کا سبب نہ ہو تو یہ ممانعت باقی نہیں رہے گی، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

فان المحتكر الذی یعمد بوجہ ذخیرہ اندوز ضرورت کی چیزیں خرید کر

الی شواء ما یحتاج الیہ الناس  
من الطعام فیحبسہ عنہم  
ویرید اغلاثہ وهو ظالم  
لعموم الناس وحینئذ لولئی  
الامران لیکرہ المحتکرین  
علی بیع ما عندہم بقیۃ لہن  
عند ضرورۃ الناس الیہ۔  
اُن کا اسٹاک کرنا بھادور ارادہ یہ  
ہوتا ہے کہ ان کو گراں بیچ کر فائدہ  
اٹھائے تو عوام کے لئے وہ ظالم ہے  
اس لئے حکومت کو چاہیے کہ اس کو  
زبردستی مجبور کرے کہ اس مال کی جو  
مناسب قیمت ہو اس پر فروخت کرے  
لوگوں کی ضرورت پوری کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں بازار کی نگرانی خود کرتے تھے اور عجمی تاجروں  
کو بازار میں غلہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، بظاہر اس کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ تجارت  
کے اسلامی طریقوں کا لحاظ نہ رکھیں گے اور دوسری وجہ یہ کہ اُن کی ذہنیت کا آخر مسلمان تاجر  
قبول نہ کر لیں۔

اپنی پیداوار کو اپنی ضرورت کے لئے روکنا احکام نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے ہاتھ بیچنے  
کے لئے گرانی کے انتظار میں روکنا احکام ہے اور حکومت اس کو اپنے مقرر کردہ بھاؤ پر بیچنے کے لئے  
مجبور کر سکتی ہے۔ (رد المحتار)

تسعیر (بھاؤ مقرر کرنا)  
اسلامی شریعت نے کسی شخص یا حکومت کو کسی چیز کا بھاؤ  
مقرر کرنے کی اجازت عام حالات میں نہیں دی ہے تمام ائمہ  
اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں جو اسوۂ رسول اللہ کے مطابق ہے ایک بار مدینے کے بازار میں غلہ  
بہت گراں ہو گیا تو صحابہؓ نے آپ سے غلے کا بھاؤ مقرر کر دینے کی خواہش کی جس پر آپ  
نے فرمایا کہ یہ حق صرف خدا کو ہے وہی رزق دینے والا ہے اور تنگی و فراخی لانے والا ہے میں  
خدا کے سامنے اس حال میں جاتا نہیں چاہتا کہ میرا دامن کسی کی جان و مال پر ظلم سے دفاع  
ہو۔ مقصد یہ ہے کہ گرانی کو روکنے کا یہ غیر فطری طریقہ ہے کہ کوئی ایک شخص چیز کا بھاؤ اپنی  
صوابدید سے بنائے، بہتر اور فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی ذہنیت ایسی بن جائے کہ لوگ  
اپنے فائدے کے لئے دوسروں پر ظلم نہ کریں۔ لیکن اگر پھر بھی گرانی بڑھ جائے، لوگ فاقے

کرنے لگیں اور اس گرائی کی وجہ تاجروں کی خود غرضی ہو تو حکومت بجاؤ مقرر کر کے تمام تاجروں کو پابستد کر سکتی ہے کہ وہ اسی قیمت پر اپنا مال فروخت کریں مگر یہ اضطراری حالت دور ہوتے ہی قیمت کی تعیین ختم ہو جائے گی۔

قیمت متعین کرنے کی یہ اجازت فقہائے محض ہنگامی اصلاح کے لئے دی ہے یعنی اُس وقت جب عوام کو سخت تکلیف ہو رہی ہو اور لوگ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ہوں نہ مانہ حال میں بعض ملکوں میں جو کنٹرول ریٹ قائم کر دیئے جاتے ہیں اور حکومت خود تاجروں کو فروخت کرنے لگتی ہے، اسلامی شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بلیک مار کٹنگ کو ہی فروغ ہوتا ہے جو بہت بڑی لعنت ہے۔

## مُضَارَبَت

یعنی ایک شخص کاروبار دوسرے کی محنت

اسلامی شریعت نے انفرادی کاروبار کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے دوسرے طریقے کاروبار کے مہیا کئے ہیں بعض لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے مگر محنت کر کے روزی کمانے کی صلاحیت کم ہوتی ہے یا ایک غریب آدمی جس کے پاس پیسہ تو نہیں ہوتا لیکن محنت کر کے روزی کا سامان حاصل کر سکتا ہے، اسلام نے اس بات کی اجازت اور ترغیب دی ہے کہ لوگ اپنا پیسہ غریبوں کو دے کر اُن سے محنت کرائیں اور دونوں من کر فائدہ اُٹھائیں اسی سے مُضَارَبَت اور شرکت کے اصول تجارت شریعت اسلامی نے وضع کئے۔

ساہوکار سے سود پر قرض لے کر کاروبار کرنے کا طریقہ جو جاہلیت کے زمانے میں رائج تھا اسلام نے اُسے قطعی حرام ٹھہرایا، موجودہ دور میں بینکنگ سسٹم اُسی نمونے پر چل رہا ہے یعنی بینک سود پر قرض دیتے ہیں، قرض لینے والے پر سود کا بار اتنا بڑھتا ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر کاروبار کرے تو نہ تو سود ادا کر سکے اور نہ اپنا گھر چلا سکے۔ مجبوراً وہ ایسے طریقہ اختیار کرتا ہے جن سے یہ دونوں باتیں پوری ہوں، نتیجہ میں عوام الناس پر تمام بوجھ پڑتا ہے اور

اور وہی مصیبت اٹھاتے ہیں اگر مضاربت کی بنیاد پر بینک روپیہ دینے لگیں تو یہ تمام مصائب دور ہو سکتے ہیں۔

**مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح** لغت میں ضرب کے معنی مارنے یا چلنے پھرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ اور چلنے پھرنے کے ہیں، چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ لگاتا اور دوسرا اپنی محنت اور دوڑ دھوپ سے اُس سے کمانے اور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس معاملے کو مضاربت کہتے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے:

يَقْبِضُونَ فِي الْأَرْضِ يَنْتَعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

زمین میں دوڑ دھوپ کر کے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں

نبی کریم علیہ السلام نے دسرت خدیجہؓ کا روپیہ لے کر اسی طریقے سے تجارت کی تھی۔ عام صحابہؓ بھی لوگوں سے روپیہ لے کر یا دوسروں کو روپیہ دے کر خود بھی فائدہ اٹھاتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے تھے۔ (ہدایہ)

روپیہ دینے والا رب المال، محنت کرنے والا مضارب اور جو سرمایہ کار و بار کے لئے دیا جاتا ہے وہ رأس المال کہلاتا ہے۔

**مضاربت کا معاہدہ** رب المال اور مضارب دونوں معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک کے روپے اور دوسرے کی محنت سے بوجھ فائدہ ہوگا اُس میں

آدھا (۵۰٪) یا چوتھائی (۲۵٪) سرمایہ لگانے والا پائے گا اور آدھا (۵۰٪) یا تین چوتھائی (۷۵٪) محنت کرنے والے کو ملے گا۔ ایک تہائی (۳۳٪) سرمایہ لگانے والے کو اور دو تہائی (۶۶٪) محنت کرنے والے کو ملے گا۔

دو قسموں کی مضاربت ہوتی ہے (۱) مقیدہ اور (۲) مطلق۔

**مضاربت کی قسمیں** مقیدہ مضاربت کہلاتی ہے جس میں رب المال کسی خاص جگہ

خاص مدت، یا خاص کاروبار کی قید لگا دے مثلاً اس روپیہ سے تم صرف لکھنویا کانپور ہی

میں کام کر سکتے ہو دوسری جگہ نہیں۔ یا یہ کہ محض ایک سال کے لئے روپیہ تم کو دیا جا رہا ہے

یا یہ کہ یہ روپیہ صرف کپڑے کے کاروبار ہی میں لگایا جائے دوسرا کام نہ کیا جائے۔ مطلق وہ



مضاربت کہلاتی ہے جس میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو بلکہ مضارب کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ معاہدہ توڑنے کا اختیار معاہدہ طے ہو گیا لیکن مضارب نے ابھی کام شروع نہیں کیا تو دونوں میں ہر ایک کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اس میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ کام شروع کر دینے کے بعد معاہدہ فسخ کرنے کا حق رہتا ہے یا نہیں اس میں ائمہ کی رائیں یہ ہیں :-

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب کسی کو معاہدہ فسخ کرنے کا حق نہیں اگر مضارب فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کو حق ہوگا کہ وہ اس روپے سے کام کریں اور فائدہ اٹھائیں کیونکہ کام شروع کرنے کے بعد فسخ کرنا مضارب کے لئے باعث تکلیف ہو سکتا ہے اور اُس کی محنت اور وقت کا ضیاع بھی۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں کو یہ وقت یہ اختیار ہے کہ جب چاہیں معاملہ فسخ کر دیں، ایسی صورت میں مضارب نہ متا کام کیا ہے اُس کی اجرت دستور کے مطابق اُسے دی جائے گی۔ دستور کے مطابق "سے وہ اجرت مراد ہے جو عام طور پر اس قدر کام کی ملا کرتی ہے، ان دونوں امام صاحبان کے نزدیک کسی ایک فریق کی موت سے بھی یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا مگر فسخ کی اطلاع دینا فریقین یا اُن کے وراثہ کو ضروری ہے، اسی طرح وقت کی قید کی صورت میں۔ مدت متعینہ ختم ہوتے ہی دونوں میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔

۱۔ رب المال اور مضارب دونوں کا عاقل ہونا ضروری  
مضاربت کے شرائط ہے، بالغ ہونا لازم نہیں۔ عاقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں معاملات اور نفع نقصان کو سمجھتے ہوں۔

۲۔ جو رقم مضاربت کے لئے طے ہوئی ہو وہ فوراً مضارب کے حوالے کر دی جائے۔ صرف وعدہ کر لینے سے مضاربت مکمل نہیں ہوتی۔

۳۔ جتنی رقم سے کام شروع کرنا ہے وہ اُسی وقت بتا دی جائے اگر مکمل رکھا تو مضارب صحیح نہ ہوگی۔ یعنی یہ واضح کر دیا جائے کہ کام سو، دو سو یا پانچ یا دس ہزار سے شروع ہوگا۔

۴۔ یہ طے ہونا چاہیئے کہ منافع میں کتنا حصہ رب المال کا ہوگا اور کتنا مضارب کا، اگر رب المال نے صرف یہ کہا کہ ہم دونوں فائدے میں شریک رہیں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ نصف منافع رب المال کا اور نصف مضارب کا ہوگا لیکن اگر یہ کہا کہ جو منافع ہوگا مناسب طور پر تقسیم کر لیا جائے گا تو مضارب بت فاسد ہوگی کیونکہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔

۵۔ دونوں تحریری طور پر معاملے کے شرائط لکھ کر اپنے اپنے پاس رکھ لیں تو بہتر ہے تاکہ بعد کو اختلاف نہ ہو اگر بغیر تحریر کے کوئی صورت اطمینان کی ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

۶۔ مطلق مضاربیت میں رب المال اور مضارب یہ بھی طے کر لیں کہ کتنے دن بعد حساب کر کے منافع تقسیم ہوگا۔

۱۔ اگر رب المال یا مضارب دونوں میں سے مضارب بت فاسد ہوجانے کی صورتیں کوئی یہ شرط لگائے کہ نفع میں ایک متعین رقم میری ہوگی اور جو باقی بچے وہ تمہاری ہوگی۔ یا یہ طے کرے کہ سویا دوسو روپے پہلے میں لوں گا اور باقی منافع میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے تو دونوں صورتوں میں مضارب بت فاسد ہوگی۔

اس طرح ایسے کارخانہ داروں کا کاروبار ناجائز ہوگا جو دوسروں کے روپے سے مضاربیت کے طور پر کوئی کارخانہ لگائیں اور حق محنت کے طور پر انتظامی دیکھ بھال کے نام سے اپنے لئے کچھ منافع خاص کر لیں پھر باقی منافع اپنے اور حصہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیں۔ اگر مضارب کارخانہ دار نے کوئی باشندہ یا منبر یا کلرک رکھا تو اس کی تنخواہ وہ منافع کی رقم سے دے سکتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے جب کارخانہ دار نے اپنا روپیہ کاروبار میں نہ لگایا ہو لیکن اگر اپنا روپیہ بھی لگایا ہو تو یہ مضاربیت نہیں بلکہ شراکت ہوگی جس کا بیان آگے آتا ہے۔

۲۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف روپے پیسے میں مضاربیت صحیح سمجھتے ہیں مگر امام مالکؒ

کے نزدیک سامان میں بھی مضاربت صحیح ہے۔ یعنی کسی نے سامان دیا اور کہا کہ اسے بچو، جو فائدہ ہوگا ہم لوگ نصف نصف بانٹ لیں گے، اسام مالک کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اسام ابو حنیفہؒ اس لئے صحیح نہیں سمجھتے کہ اس صورت میں اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اگر یہ کہا کہ اس سامان کو بیچ کر جو روپیہ ملے اس سے مضاربت کرو تو اسام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی مضاربت جائز ہو جائے گی۔

۳۔ رب المال نے روپیہ نقد نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ ہمارا اتنا روپیہ فلاں کے پاس ہے اس سے وصول کر کے کاروبار کرو، نفع میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ مضاربت صحیح ہوگی، لیکن اگر یہ کہا کہ تمہارے ذمہ جو روپیہ ہے اس سے تجارت کرو تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ قرض سے فائدہ اٹھانا ہوا جو ناجائز ہے، اسی طرح اگر مضارب نے پورا روپیہ وصول کرنے سے پہلے ہی کام شروع کر دیا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

۴۔ مضاربت میں روپیہ لگانے والا رب المال، صرف روپیہ دیکھا کام میں شرکت کی شرط صحیح نہیں ہے، اگر اس نے مضارب سے یہ شرط کی کہ میں خود یا میرا کوئی آدمی تمہارے ساتھ شریک کار رہے گا تو یہ شرط مضاربت کو فاسد کر دے گی کیونکہ یہ مضارب کے حق محنت میں مداخلت ہوگی۔ اگر مضارب چاہے تو خود کسی کو رکھ سکتا ہے۔

رب المال اور مضارب کے حقوق و اختیارات

۱۔ رب المال یعنی سرمایہ لگانے والے کو یہ حق ہے کہ وہ کسی خاص کاروبار میں روپیہ لگانے کی شرط رکھے، اگر مضارب اس کے خلاف کرے اور اس میں نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔

۲۔ رب المال یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ کاروبار فلاں جگہ پر کیا جائے جیسے دہلی، بمبئی یا لکھنؤ وغیرہ۔

۳۔ رب المال یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ روپیہ فلاں وقت تک کے لئے دیتا ہوں مثلاً، چھ مہینے یا ایک سال۔

۴۔ رب المال نے ایک ہزار روپیہ دیا، مضارب نے اس میں سے سو روپے کاروبار کے

انتظام میں خرچ کردیے پھر ایک سال یا چھ مہینے میں دوسور واپسے کمائے تو ایک سوردیہ  
اصل سرمایہ میں سے نکل جائے گا اور باقی ایک سواصل نفع شمار ہو کر دونوں کے درمیان  
معاہدے کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

- ۵۔ رب المال اور مضارب کی موجودگی تقسیم کے وقت ضروری ہے۔  
۶۔ رب المال اگر یہ شرط لگائے کہ خسارہ دونوں میں مشترک رہے گا تو مضارب تاسد ہوگی۔

اُس کو اس کا حق نہیں ہے

- ۱۔ مضارب نے جو سرمایہ کار و بار کرنے کے لئے لیا اُس کا وہ امین بھی ہے اور وکیل (نائبہ)  
بھی۔ جس طرح ایک امین امانت کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح اس کو اس سرمایہ کی حفاظت  
کرنا چاہیئے اگر اتفاق سے سرمایہ میں کوئی نقصان آجائے یا وہ ضائع ہو جائے تو اُس پر اُس  
کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی یعنی اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے  
کہ اس نے قصد اِعمال کو ضائع کیا ہے تو اس پر ذمہ داری ہوگی اگر اُس نے سرمایہ لگانے  
وائے کے شرائط کے خلاف کام کیا اور گھاتا ہوا تب بھی اس پر ذمہ داری ہوگی۔

- ۲۔ مضارب کو وکیل ہونے کی حیثیت سے پورا اختیار ہے کہ طے شدہ شرائط کے تحت جس  
طرح کار و بار کرنا چاہے کرے اگر کسی مخصوص کار و بار کرنے یا کسی خاص جگہ پر کار و بار کرنے  
کا اختیار دیا گیا ہے تو اس سے تجاوز کرنا صحیح نہیں، مثلاً اگر یہ شرط لگادی ہے کہ لکھنؤ  
میں ردہ کر پٹے کی خرید و فروخت کیجئے تو مضارب پر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

- ۳۔ مضارب کو حق ہے کہ نقد یا ادھار مال خریدے اور بیچے یا اپنی مدد کے لئے کسی کو تنخواہ  
پر یا روزانہ اجرت پر رکھے، رب المال کوئی مداخلت نہیں کر سکتا اگر اُس نے کسی  
خاص اور محدود کار و بار کی قید نہ لگائی ہو اور مضارب کی صوابدید پر کار و بار کرنے کا  
اختیار دیا ہو تو وہ جو کار و بار چاہے اور جہاں چاہے کر سکتا ہے لیکن اگر اس نے خرید و  
فروخت میں غیر معمولی دھوکہ کھایا تو اُس کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ مضارب کو یہ حق نہ ہوگا  
کہ مضاربیت کے مال میں سے کسی کو قرض دے یا ہبہ کرے، اس کے لئے رب المال کی  
اجازت ضروری ہے، اگر اجازت کے بغیر مضاربیت کا روپیہ قرض دیدیا اور وہ مارا گیا یا

نقصان ہو گیا تو اُس کی ذمہ داری اُس پر ہوگی۔

۳۔ مضارب کو جو سرمایہ رب المال نے سونپا ہے اُس میں سے مضارب کو بوقت ضرورت رہن یا امانت رکھنے اور حوالہ کرنے کا اختیار ہوگا ان تینوں صورتوں میں اگر اتفاقاً کوئی نقصان ہو جائے تو اُس کا تاوان مضارب پر نہیں ڈالا جائے گا۔ (امانت اور حوالہ کا بیان آگے آتا ہے)

۵۔ مضارب "کاروبار" اگر اپنے وطن ہی میں کرے تو اپنے خورد و نوش وغیرہ کے مصارف مضاربیت کے مال سے نہیں لے سکتا۔ سواری خرچ صرف اس صورت میں لے سکتا ہے جب بڑا شہر ہو جہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے سواری کی ضرورت پڑتی ہو یا امیٹیشن دور ہو اور مال سواری پر ہی لایا جاسکتا ہو۔ البتہ اگر مال خریدنے یا بیچنے کے لئے وطن سے باہر جانے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ کھانے پینے، سواری اور کپڑوں کی دھلائی کا خرچ مضاربیت کے مال سے لے سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوا کا خرچ بھی لے سکتا ہے اگر صحت قائم رہنے کے لئے دوا ناگزیر ہو۔ تنہا کام نہ کر سکتا ہو تو کوئی دوسرا آدمی اجرت پر رکھ سکتا ہے لیکن ان اخراجات کو پختہ وقت یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ جس حیثیت کا وہ خود ہے اُس سے زیادہ خرچ نہ کرے مثلاً وہ دوسرے درجے میں سفر کرنے اور دال روٹی اپنے گھر میں کھانے کا عادی ہے تو مضارب کی حیثیت سے بھی اُسے اپنے درجے میں سفر کرنا اور زیادہ قیمتی کھانا کھانا جائز نہیں۔

۶۔ مضاربیت کے مال میں کوئی نقصان ہو جائے بشرطیکہ اس میں مضارب کی غفلت کو دخل نہ ہو تو اُسے نفع کی رقم سے پورا کیا جائے گا۔ مضارب سے اُس کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ اگر نقصان فائدے سے زیادہ کا ہو تو رب المال برداشت کرے گا۔ مضارب صرف اس صورت میں نقصان کا ذمہ دار ہوگا جب اُس کی غفلت سے یا مال خریدنے میں کوئی بڑا دھوکہ کھا جانے کے سبب نقصان ہو ہو، مثال کے طور پر کوئی مال دس روپے فی من کے حساب سے خرید اور بازار میں اُس کا بھاؤ یہی تھا لیکن دوسرے دن ایک دم بھاؤ گر گیا تو جو نقصان اس صورت میں ہوگا اُس کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہوگی لیکن اگر

اُس چیز کا عام بھاؤ آٹھ روپے فی من تھا اور اُس نے بے جملے بوجھے نو یا دس روپے کے بھاؤ سے خرید لیا تو اس نقصان کا ذمہ دار وہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اُس نے مال کی حفاظت نہیں کی اور وہ خراب ہو گیا یا اُس نے رب المال کی ہدایت کے خلاف عمل کیا اور نقصان ہو گیا تو ایسے نقصانات کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی اور تاوان دینا ہوگا جس کا اندازہ وہ لوگ لگائیں گے جو اُس کا دوبارہ کرنے والے ہوں۔

۷۔ منافع کی تقسیم اخراجات وضع کرنے کے بعد کی جائے گی مثلاً اصل سرمایہ ایک ہزار روپے ہے۔ سفر اور دوسری کاروباری ضرورتوں میں دو سو روپے خرچ کئے۔ منافع چار سو روپے ہوا تو دو سو جو اصل سرمایہ سے خرچ ہوئے وضع کر کے باقی دو سو معاہدے کے مطابق دونوں میں تقسیم ہوں گے۔

مقصود یہ ہے کہ فائدے کی صورت میں اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے اور نقصان کی صورت میں مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر اُس نے غفلت نہ برتی ہو نہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو۔

۸۔ مضاربت کا معاملہ کسی وجہ سے فسخ ہو جائے تو مضارب نے جتنا کام کیا ہو اُس کی اجرت اُسے ملے گی لیکن وہ اُس منافع کی مقدار سے زیادہ نہ ہوگی جو اُس نے اب تک کمایا ہے یہ اُس صورت میں ہے جب کچھ فائدہ ہوا ہو لیکن اگر فائدہ ہونے سے پہلے معاملہ ختم ہو جائے تو اُسے کچھ نہ ملے گا۔ مثلاً ایک ہزار روپے سے کاروبار شروع کیا گیا، دو سو روپے کا فائدہ ہوا کہ مضاربت فسخ ہو گئی تو جتنے دن اُس نے کام کیا جوڑ کر اجرت کا حساب ہوگا لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور معاملہ ختم ہو گیا تو مضارب کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اگر فائدہ ہوا ہے مگر وہ اتنا کم ہے کہ اجرت فائدے سے زیادہ ہوتی ہے تو منافع کی رقم سے زیادہ اجرت نہیں دی جائے گی۔

مضاربت کی شرائط پر روپیہ فراہم کر کے بینک قائم کیا جاسکتا ہے، اس کی تفصیل امانت کے بیان میں آئے گی۔

## شرکت

مضاربت کی طرح اسلامی شریعت نے کاروبار کی بعض اور صورتیں بھی جائز قرار دی ہیں تاکہ وہ لوگ جو سرمایہ کم رکھتے ہیں یا بالکل نہیں رکھتے وہ بھی اپنی روزی کما سکیں اور صنعتی و تجارتی کاروبار میں ترقی کا سبب بنیں ان میں سے ایک شرکت سے کاروبار کرنا ہے خواہ وہ تجارت میں ہو یا صنعت میں یا نہ ساعت میں یا کسی دوسرے پیشے اور علمی کام میں ان کاموں میں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنے آدمی چاہیں شرکت کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں اس میں سے بڑے بڑے تجارتی اور صنعتی کاروبار چل رہے ہیں جن لوگوں نے زیادہ پیسہ لگایا ہے انہیں زیادہ فائدہ ہو رہا ہے جبکہ کم پیسہ لگانے والوں کو فائدہ بہت کم ہوتا ہے۔ عام طور پر نفع کی کاروبار کرنے والے لاکھوں آدمیوں کو حصہ دار بناتے ان سے روپیہ حاصل کر کے سرمایہ جمع کرتے ہیں پھر اُس میں سے کچھ رقم انتظامی امور پر کارخانے کی عمارت اور مشینوں کی خریداری پر صرف کرتے ہیں کارکنوں کو تنخواہیں دیتے ہیں اور جب کاروبار چلنے لگتا ہے تو سالانہ آمدنی میں سے مذکورہ مصارف وضع کرنے کے بعد جو رقم بچتی ہے وہ حصہ داروں کو بقدر حصہ تقسیم کرتے ہیں اب اگر کوئی حصہ دار فائدہ نہ دیکھ کر علیحدہ ہونا چاہے تو اُسے وہی چند روپے مل پاتے ہیں جو بحیثیت حصہ دار دیئے تھے یعنی اُس کا حصہ اصل قیمت واپس کر کے خرید لیا جاتا ہے اس طرح سارے کاروبار پر آہستہ آہستہ وہی لوگ قابض ہو جاتے ہیں جنہوں نے اسے شروع کیا تھا۔

اسلامی شریعت نے شرکت میں کام کرنے والوں کے لئے جو اصول اور ضوابط مقرر کئے ہیں اگر انہیں ملحوظ رکھا جائے تو بڑے سے بڑا کاروبار شرکت میں چلایا جاسکتا ہے۔ سارے حصہ دار فائدہ اٹھا سکتے ہیں ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور بڑا سرمایہ وسیلہ لوگ روزی کما سکتے ہیں وہ ساری بے انصافی، زیادتی اور بددیانتی ختم کی جاسکتی ہے جو اس طرح کے کاروبار میں ہو رہی ہے، اسلام بے انصافیوں اور زیادتی

اور بددیانتی کرنے والوں کو مجرم قرار دیتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جب دو شریک مل کر کوئی کام کرتے ہیں تو جب تک وہ آپس میں خیانت و بددیانتی نہیں کرتے، میں اُن کے ساتھ ہونا ہوں (مدد کرتا اور برکت دیتا ہوں)، لیکن جب وہ بددیانتی شروع کر دیتے ہیں تو میں اُن کی مدد کرنا چھوڑ دیتا ہوں" (مشکوٰۃ)

**شرکار کی حیثیت** اپنی غرض اور اپنے مادی فائدوں کے پیش نظر ہی موجودہ زمانے میں لوگ اشتراک کرتے ہیں ان میں کوئی اخلاقی قدر مشترک نہیں ہوتی لیکن اسلامی شریعت نے مادی فائدے کے ساتھ شریکار کی اصل حیثیت یہ قرار دی ہے کہ ہر شریک مال کا اور اُس سے کئے جانے والے کاموں کا امین بھی ہے اور وکیل بھی۔ یعنی جس طرح امانت کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح شرکت کے مال کی حفاظت ہر شریک کرے اسی لئے اگر غلطی سے کوئی نقصان ہو جائے تو شریعت تاوان عائد نہیں کرتی۔ وکیل کی حیثیت سے کوئی شریک مال کو یا مشترک کاروبار کو اپنے فائدے کے لئے استعمال نہ کرے بلکہ منفعت میں ہر شریک کے حقوق کا خیال رکھے کسی کو یہ شکایت نہ ہو کہ فلاں نے سارا فائدہ سمیٹ لیا اور باقی خرچہ نقصان میں رہے۔ صحابہ کرامؓ نے اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں جب شرکت کا کوئی کاروبار کیا تو مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں تک سے ایسا انصاف کیا ہے جو تاریخ میں یادگار رہ گیا ہے خیر کے یہودیوں سے ملے تھا کہ وہ مسلمانوں کی زمین میں کاشت کریں جو کچھ پیدا ہو گا اُسے دونوں فریق نصف نصف بانٹ لیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو آنحضرتؐ نے فخر وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انھوں نے یہودی مزارعین سے کہا کہ یا تم لوگ خود تقسیم کر دیا کہوں تو میں کروں اُن لوگوں نے ان ہی سے بانٹ دینے کو کہا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے دو برابر کے حصے الگ الگ لگا دیے اور کہا ان میں سے جو چاہو لے لو، یہ انصاف دیکھ کر یہودی بھار اٹھے و بہ قامت السمانۃ الذخریٰ یعنی اسی انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

**شرکت کی قسمیں** شرکت دو طرح کی ہوتی ہے ایک شرکت الملاک، دوسری شرکت غنود (۱) شرکت الملاک، یعنی ملکیت میں شرکت۔ جیسے چند آدمیوں کو وراثت میں یا بطور سہد ایک جائیداد یا ایک مجموعی نقد رقم ملی۔ دو یا دو سے زیادہ لوگوں نے مل کر



کوئی چیز خریدی تو یہ سب صورتیں شرکت املاک کی ہیں یعنی ایک چیز کی ملکیت میں دو یا کئی آدمی شریک ہیں۔

۲۔ شرکت مفود۔ یعنی دو یا چند آدمیوں کا آپس میں معاہدہ کر کے کسی کاروبار میں شریک ہونا، عقد کے معنی بندھنے یا باندھنے کے ہیں۔ اس میں شرکار معاہدہ کر کے اُس کی شرائط کے پابند ہو جاتے ہیں۔

**شرکت املاک کا حکم** جتنے لوگ شریک ہوں اُن میں سے کسی شریک کو تمام شرکار کی اجازت کے بغیر مشترک جائیداد یا روپیہ میں تصرف کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ یا چند قطعے مکانات ترکے میں جھوٹے تو اس میں جتنے حصہ دار ہیں خواہ کسی کا حصہ کم ہو یا زیادہ اُن میں سے کسی ایک کو بغیر سب کی مرضی کے روپیہ کلم میں لانے مکانات کو بیچنے یا کرایہ بردینے کا حق نہیں ہے اور نہ تقسیم کرنے کا۔ اسی طرح اگر دو یا کئی آدمیوں نے مل کر غلہ، کپڑا، بارغ یا اُس کے بھل خریدے تو (۱) اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں کوئی فرق دائمیاز نہیں ہوتا مثلاً بجو، گہیوں وغیرہ یا ایک ہی قسم کے کپڑے کے بہت سے تھان تو دوسرے شرکار کی موجودگی کے بغیر بھی اس کی تقسیم کی جاسکتی ہے، ایک شریک اپنا حصہ لے لے اور باقیوں کے حصے الگ کر کے رکھ دے تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن دوسرے شریکوں کے پہنچنے سے پہلے اگر اس کا حصہ ضائع ہو گیا تو دوسرے شرکار کے حصوں میں سے اتنا حصہ لینے کا حق ہے کہ اُس کا حصہ سب حصوں کے برابر ہو جائے (اگر دو شریک ہوں تو ۱/۲ اور تین ہوں تو ۱/۳ اور چار ہوں تو ۱/۴) (۲) اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں کچھ فرق ہوتا ہے مثلاً مختلف کپڑوں کے دس بیس تھان یا بھل یا جانور خریدے تو چونکہ کوئی تھان اچھا کوئی خراب کوئی بھل بڑا کوئی چھوٹا، کوئی جانور تیز کوئی سست ہو سکتا ہے اس لئے سب شریکوں کی موجودگی کے بغیر ان کو تقسیم نہیں کرنا چاہیے اور نہ کام میں لانا چاہیے کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

**شرکت عقود کی کیفیت** باہم معاہدہ اور اقرار سے شرکت قائم ہوتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ دو یا کئی آدمی تھوڑا تھوڑا سرمایہ فراہم کر کے آپس میں ملے کرتے ہیں کہ ہم سب مل کر اس روپے سے فلاں کام کریں گے اور جو نفع ہو گا وہ

آپس میں اتنے فی صدی تقسیم کر لیں گے یا کسی کام کے بارے میں یہ طے کر لیں کہ سب مل کر اس کو انجام دیں گے اور جو فائدہ ہوگا بانٹ لیں گے، یہ اقرار زبانی بھی ہو سکتا ہے اور تحریری بھی، امام سرخسی نے تحریری معاہدے پر زور دیا ہے (مبسوط) معاہدے کے شرکار میں سے ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے معاہدے کو منسوخ کر دے اور علیحدہ ہو جائے اس کا اثر دوسرے شرکار پر نہیں پڑے گا۔ شرکار میں اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو اس کا معاہدہ خود بخود منسوخ ہو جائے گا لیکن اگر اور تاجا میں تو اس کی تجدید کر سکتے ہیں۔

**شرکت عقود کی قسمیں** شرکت عقود کی کئی قسمیں ہیں اور ان کے مجداً احکام ہیں مثلاً چند باتیں سب میں مشترک ہیں:

- ۱۔ شرکت کا قول و قرار باقاعدہ ہونا۔ خواہ زبانی ہو یا تحریری۔
- ۲۔ منافع کی تقسیم کا تناسب صاف صاف بیان ہونا کہ کتنا کتنا کس کس کو ملے گا۔
- ۳۔ ہر شریک مشترک مال کا امین بھی ہوگا اور وکیل بھی۔ امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت کا اور وکیل کی حیثیت سے کاروبار کے نظم و تصرف میں برابر کا ذمہ دار ہوگا۔
- ۴۔ اگر تمام شرکار کا حصہ سرمایہ اور کام میں برابر کا ہو تو بھی آپس کی رضامندی سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم منافع دینا طے کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔
- ۵۔ ہر شریک کو خود یا اپنے کسی نمائندے کے ذریعے کام میں حصہ لینا ضروری ہے لیکن اگر کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکتا ہو تب بھی نفع میں شریک رہے گا کیونکہ گھالما ہو جانے کی صورت میں اس کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔
- ۶۔ لیکن اگر معاملہ کرتے وقت کسی شریک نے یہ کہہ دیا کہ میں اس کام میں شریک نہیں رہوں گا تو شرکت اس کے حق میں فاسد ہوگی۔

**مجلس انتظام** شرکت کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلانے اور اس کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے شریکوں میں سے کسی ایک یا کئی آدمیوں کو ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے یا ان کے علاوہ کسی آدمی کو یہ کام سپرد کیا جاسکتا ہے، ایسے شریک کے منافع کا حصہ اس کا وقت زیادہ صرف ہونے یا انتظامی صلاحیت ہونے کی بنا پر کچھ بڑھا کر مقرر کیا جاسکتا

ہے۔ باہر کا آدمی اگر کام کرنے کے لئے بحیثیت شریک کار دوبارہیں شامل ہو تو منافع کا کچھ مناسب حصہ اُس کا مفروضہ کر کے اُسے مضارب تصور کیا جائے گا۔ اور اگر وہ اجرت لینا پسند کرے تو تنخواہ مقرر کر دی جائے گی اور اس صورت میں وہ منافع میں شریک نہیں ہو سکتا، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ متعین تنخواہ بھی لے اور منافع میں بھی شریک ہو۔

## شرکت کی قسمیں اور اس کے احکام و شرائط

۱۔ شرکت مفادۃ۔ مفادۃ کے معنی ایک دوسرے کے سپرد کرنے کے ہیں اُس کو شرکت مفادۃ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شریک دوسرے کو اپنا مال سپرد کر دیتا ہے، اس میں شرط یہ ہے کہ تجارت کے منافع میں ہر ایک کا حصہ سرمایہ کے مطابق بغیر کسی فرق کے ہو گا اور شرکاء میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مال میں تصرف (یعنی خرید و فروخت کرنے کا یہ پر لینے اور دینے کا حق ہو گا۔ اس شرکت کے لئے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں:

- ۱۔ شرکاء کا سرمایہ تجارت میں برابر ہو۔
- ۲۔ شرکاء منافع میں برابر کے حصہ دار ہوں۔
- ۳۔ ہر شریک کو مال خریدنے، بیچنے، تصرف کرنے اور قرض دینے کا اختیار ہو۔
- ۴۔ اگر کوئی شریک اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کوئی چیز خریدے تو دوسرے شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر ادھار لی ہیں تو جس سے ادھار لی ہیں اُس کو دوسرے شرکاء سے بھی تقاضے کا حق ہے۔

۵۔ یہ شرکت صرف مسلمان بالغوں کے درمیان ہو سکتی ہے کیونکہ غیر مسلم یا نابالغ (ان امور کی پابندی نہیں کر سکتا جو ضروری ہیں۔

(۶) شرکت عنان: یہ شرکت عقد کی سب سے مشہور قسم ہے، عام طور پر یہی طریقہ شرکت کا رائج ہے۔

۱۔ اس میں نہ تو سرمایہ کا برابر ہونا ضروری ہے اور نہ نفع میں برابری شرط ہے۔ اس میں ہر شخص شریک ہو سکتا ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس میں شرکت مفادۃ کی طرح

سرمایہ اور نفع کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شرکار کا سرمایہ کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے مطابق نفع میں بھی حصہ کم و بیش ہو سکتا ہے۔

۲۔ کاروبار میں ایک شریک نے ایک ہزار روپیہ لگایا اور دوسرے شریک نے پانچ سو روپیہ اور دونوں نے جوحتی طے کیا کہ منافع دونوں کا برابر ہوگا تو یہ جائز ہے کیونکہ منافع کا تعلق محض سرمایہ سے نہیں ہوتا۔ اس میں ذہنی صلاحیت اور سوچ بوجھ، عملی محنت اور دودھ دھوپ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ زیادہ ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیت کم ہو۔ دوسرا شخص کم سرمایہ رکھتا ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیت میں اُس سے بڑھا ہوا ہو۔ تو یہ شخص سرمایہ کی کمی کی تلافی اپنی ذہنی اور عملی صلاحیتوں سے کر سکتا ہے، بہر حال اس کا تعلق آپس کی رضامندی سے ہے، حیر اور دباؤ سے نہیں ہے۔

۳۔ تمام شرکار کا سرمایہ برابر ہو لیکن نفع میں کمی اور زیادتی طے ہوتی ہو۔ عام شرکار عملی محنت کرنے کو تیار نہ ہوں بلکہ پورے کاروبار کی ذمہ داری کسی ایک یا دو کے سپرد کریں تو جس کے سپرد کام کیا گیا ہو اگر یہ وہ شخص ہے جس کا نفع زیادہ مقرر ہوا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر کام کرنے کی ذمہ داری اُس شخص کو سونپی گئی ہے جس کا نفع کم رکھا گیا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے سرمایہ برابر کا لگایا اور محنت بھی کی اور پھر بھی منافع کم ملا تو وہ نقصان میں رہے گا جس کو شریعت روا نہیں رکھتی۔

۴۔ نفع تقسیم کرنے کی مقدار کا تعین ہو جانا چاہیے یعنی ۱۔ ۱/۲ یا دس فیصد نفع کو اور بیس فی صد نفع کو یا سب کو برابر۔ اگر یوں طے کیا گیا کہ ایک ہزار روپے تو نفع آدمی کے متعین ہیں باقی جو بچے اس میں باقی شرکار کا حصہ ہو جائے یہ صحیح نہیں (ہدایہ)

۵۔ نقصان اگر ہو جائے تو وہ اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔ نفع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بشرطیکہ نقصان قصداً نہ کیا گیا ہو بلکہ اچانک ہو گیا ہو اگر کسی شریک نے جان بوجھ کر نقصان پہنچایا تو وہ اُس کے نفع یا اصل سے پورا کیا جائے گا جیسا کہ مضاربیت کے بیان میں گزرا۔

۶۔ تمام شرکار نفع اور نقصان دونوں میں شریک سمجھے جائیں گے اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ نقصان اُس کے ذمے اور نفع میں سب لوگ شریک رہیں گے تو یہ شرکت ناجائز ہوگی۔

۷۔ شرکت اگر فاسد ہو جائے یا معاہدہ فسخ کر دیا جائے تو منافع سرمایہ کے مطابق تقسیم کرنا ہوگا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے اور کسی نے دو ہزار روپے لگائے تھے تو ایک ہزار روپے والے کو یکم اور دو ہزار والے کو یکم ملے گا خواہ شرکت کرتے وقت زیادہ اور کم منافع لینے کی شرط ہی کیوں نہ کی گئی ہو، وہ شرط شرکت فاسد یا منسوخ ہونے کی صورت میں کالعدم سمجھی جائے گی۔

۸۔ جس غرض کے لئے شرکت کی گئی ہو اُس میں ہر شریک کو مال خرچ کرنے اور دوسرے تصرفات کا براہِ راست ہے۔ مال منگانے، ٹھیکرانے، ادھار لینے یا ادھار لگانے کا ہر شریک کو حق ہے۔ اگر کسی سے نقصان ہوگا تو سب کی ذمہ داری سمجھی جائے گی، البتہ اگر ایک شریک نے دوسرے کو کسی چیز کے خریدنے سے منع کیا اور اُس نے اُسے پھر بھی خرید لیا اور اُس میں نقصان ہوا تو اُس کی ذمہ داری تنہا اس پر ہوگی، اسی طرح اگر اُس نے خریدنے یا بیچنے میں شدید قسم کا دھوکہ کھایا تو بھی اسی پر اس کی ذمہ داری ہوگی دوسرے شریکوں کا سرمایہ محفوظ سمجھا جائے گا۔

۹۔ شرکت کے مال میں ذاتی مال ملنا یا دونوں کا کاروبار یکجائی کو ناجائز نہیں جب تک کہ دوسرے شریک اس کی اجازت نہ دیں، اسی طرح تمام شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی نئے آدمی کو شریک بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

۱۰۔ مشترک کاروبار جس میں کئی شریکوں کا سرمایہ لگا ہے اور کوئی شریک اسی طرح کا کاروبار اپنے ذاتی روپے سے الگ شروع کر دے تو اُسے بھی مشترک سمجھا جائے گا اگرچہ وہ یہ ثبوت ہی کیوں نہ دے کہ یہ اُس کا ذاتی کاروبار ہے، البتہ اگر وہ اس مشترک کاروبار سے مختلف کوئی دوسرا کام اپنے ذاتی روپے سے کرے مثلاً مشترک کاروبار کپڑے کا ہے اور وہ اپنی ذاتی دکان جو تے کی کھولے تو اس کی اجازت ہے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ مشترک کاروبار کو اس کے ذاتی کاروبار سے نقصان نہ پہنچے یا مشترک سرمایہ کو ذاتی منفعت کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

۱۱۔ تمام شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی ایک شریک کسی کو مشترک سرمایہ سے قرض نہیں دے سکتا۔

- ۱۲۔ اگر سرمایہ قرض لے کر چند آدمی مشترک کاروبار کریں تو جائز ہے بشرطیکہ قرض سودی نہ ہو۔
- ۱۳۔ مشترک کاروبار کے سلسلہ میں اگر سفر کرنا پڑے مزدوری یا دکان کا کرایہ دینا پڑے یا کاغذ اور مشین لگانے میں خرچ کرنا پڑ جائے تو اس سب کا بار مشترک سرمایہ پر ہوگا۔
- ۱۴۔ اگر کسی ایک شریک نے دوسرے شریک کو یا چند شرکاء نے ایک شریک کو مشترک سرمایہ سپرد کر کے کہا کہ تجارت یا صنعت میں سے جو کام چاہو کرو تو اس کو اختیار ہوگا کہ جو کام چاہے اور جس طرح چاہے کرے، لیکن اگر قصداً سرمایہ برباد کرے گا (مثلاً فضول کاموں پر یا اپنے تعینات پر خرچ کرنا وغیرہ) تو نقصان اُس کے سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔
- ۱۵۔ اگر کسی شریک یا چند شرکاء نے کسی خاص شہر یا مقام پر کام کرنے کی رائے دی لیکن دوسرے شرکاء نے سرمایہ اُن کی رائے کے خلاف دوسری جگہ لگایا اور اس میں نقصان ہو گیا تو اس کی ذمہ داری ان ہی شرکیوں پر ہوگی جنہوں نے ایسا کیا ہے وہ شرکاء جنہوں نے پہلے رائے دی تھی اُس معاہدے کے مطابق منافع پائیں گے جیسا کہ طے ہوا تھا۔

۳۔ شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنائع یہ شرکت عقود کی تیسری قسم ہے اس سے مراد وہ شرکت ہے جس میں سرمایہ کے بغیر دو ہم پیشہ باہم مل کر یہ ملے کریں کہ ہمارے عمل سے جو یافت ہوگی اُسے آپس میں معاہدے کے مطابق بانٹ لیں گے۔ مثلاً اسٹیشن پر سامان ڈھونے یا ایک دیوار تعمیر کرنے کا معاہدہ یا دو سناروں کے درمیان زیور بنانے کا معاہدہ یا دو مویوں کے درمیان یہ معاہدہ کہ جو کام ملے گا اُسے مل کر یا علیحدہ علیحدہ کریں گے اور فائدے میں برابر کے شریک رہیں گے تو یہ سب شرکتیں جائز ہیں ان میں سرمایہ مشترک نہیں ہوتا لیکن عمل یا صنعت مشترک ہوتی ہے اسے شرکتِ تقبیل بھی کہتے ہیں یعنی دو آدمیوں کا ایک کام کو قبول کر لینا۔ عہد رسالت میں صحابہ اس قسم کی شرکت کرتے تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ حضرت سعدؓ اور حضرت عمارؓ نے غزوہ بدر میں معاہدہ کیا کہ جو کچھ مال غنیمت ملے گا وہ سب کا مشترک حصہ ہوگا خواہ ایک ہی کیوں نہ پائے اس شرکت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو یہ ہیں:

- ۱۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کام برابر کرے اور کام کا معاوضہ سب کو یکساں ملے۔ ایک

جو ان بوڑھے سے زیادہ کام کرے گا اور اپنی محنت کے مطابق معاوضہ کا حقدار ہو گا یا ایک درزی سِلانی میں زیادہ محنت کر سکتا ہے اور دوسرا درزی تراش (کٹنگ) میں ماہر ہے یا ایک باریک کام کر سکتا ہے اور دوسرا صرف موٹا کام کر سکتا ہے تو دونوں کی اجرت میں تفاوت ہو سکتا ہے لیکن یہ رضامندی سے ہونا چاہیئے۔

- ۲۔ کام دینے والے کو ہر شریک سے تقاضے کا حق ہے خواہ کسی کا معاوضہ کم ہو یا زیادہ۔
- ۳۔ ایک شریک آرڈر قبول کر لیتا ہے تو یہ قبولیت سب ہی شرکار کی قبولیت مانی جائے گی۔
- ۴۔ کام پورا ہو جانے کے بعد ہر شریک اُس کام کا پورا معاوضہ لے سکتا ہے، آرڈر دینے والا کسی ایک شریک کو معاوضہ پورا ادا کر دے تو دوسرے کسی شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ اگر آرڈر دینے والے سے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ ادا کئی فلاں کو کی جائے تو پھر کسی اور شریک کو معاوضہ ادا نہیں کرنا چاہیئے۔

۵۔ اگر کسی شریک نے کام کیا اور کسی نے نہیں کیا تو کام دینے والے کو اعتراض کا حق نہیں ہے البتہ اگر یہ شرط لگا دی گئی ہو کہ فلاں شخص کے ہاتھوں سے یہ کام ہو تو اس کی پابندی ضروری ہوگی یا مثلاً ڈو کار گیروں کو مکان کی تعمیر کا ٹھیکہ اس شرط پر دیا کہ دونوں عملاً شریک کار بھی رہیں گے تو اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

۶۔ اگر شرکار میں سے ایک کسی مجبوری کی وجہ سے (بیماری یا کسی دوسری مصروفیت کے سبب) کام نہ کر سکا تو بھی وہ فائدے یا اجرت میں شریک سمجھا جائے گا۔

۷۔ اگر نقصان ہو گا تو تمام شرکار اس کا تادان ادا کریں گے مثلاً چند آدمیوں نے مل کر ایک پل بنانے کا ٹھیکہ لیا اور اس میں نقصان ہو گیا تو تمام شرکار اپنے حصے کے مطابق اس کو برداشت کریں گے مثلاً جس کا حصہ فائدے میں ۱/۲ تھا وہ خسارے کا ۱/۲ اور جس کا حصہ ۱/۳ تھا وہ خسارے کا ۱/۳ برداشت کرے گا۔

۸۔ اگر دو پیشہ ور اس طرح شرکت کریں کہ دکان ایک کی ہو اور اوزار یا محنت دوسرے کی تو یہ بھی جائز ہے۔

۹۔ اگر دو ٹرک والے یہ معاہدہ کر لیں کہ حمل و نقل کا جو کام ملے گا اُسے دونوں میں سے کوئی

اپنے ٹرک سے پہنچا دیا کرے گا اور اس طرح کرایہ کی آمدنی دونوں تقسیم کر لیا کریں گے تو یہ جائز ہے لیکن اگر شرکت اس طرح ہو کہ دونوں جو کچھ اپنے اپنے طور پر کمائیں گے اُسے بانٹ لیا کریں گے تو جائز نہیں ہے، مطلب یہ کہ کام اور اجرت دونوں میں شرکت ہونا شرط ہے، محض اجرت میں نہیں۔

۱۰۔ اگر ایک گھر کے سربراہ نے کسی کام کو کرنے کا معاہدہ کیا اور پھر وہ کام گھر میں بیٹھ کر کر لے اگر کام میں اُس کے گھر کے لوگ بھی شریک ہو گئے تو وہ قانونی شریک نہیں ہوں گے بلکہ مددگار شریک ہوں گے، انہیں الگ سے معاوضے کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔

۴۔ **شرکت الوجوہ** یہ شرکت عقود کی چوتھی قسم ہے، دو یا دو سے زیادہ نہ تو سرمایہ پر شریک ہوں اور نہ عمل و صنعت میں بلکہ اپنی ساکھ اور وجاہت کی بنا پر معاہدہ کر لیں کہ تاجروں سے مال اُدھار لے کر فروخت کریں گے اور مال کی اصل قیمت ادا کرنے کے بعد جو فائدہ ہوگا اُسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

۱۔ اس شرکت کے لئے وہی شرائط ہیں جو شرکت الصانع کے ہیں یعنی منافع طے شدہ تناسب سے ہر شریک کو ملے گا اور گھانا بہ شریک اُسی تناسب سے برداشت کرے گا۔ البتہ ایک شرط یہ ہے کہ وہ نہ جو اپنی ساکھ اور وجاہت سے جتنا زیادہ حاصل کرے گا اور جتنے زیادہ مال کی ذمہ داری (ضمانت) لے گا اتنا ہی زیادہ نفع کا مستحق ہوگا۔ اگر شرط یہ کی گئی کہ مال خواہ برابر حاصل کریں یا کم یا زیادہ مگر فائدے میں برابر کی شرکت رہے گی تو یہ شرط لغو سمجھی جائے گی۔ جس نے جتنا زیادہ مال لیا ہے اُسی اعتبار سے نفع میں حصہ ملے گا اگر کوئی فرق یہ شرط کرے کہ نصف مال کا وہ ذمہ دار ہے مگر فائدہ زیادہ لے گا تو بھی شرط لغو ہے، دونوں پر اُدھا اُدھا منافع تقسیم ہوگا۔

۲۔ خسارے کی صورت میں بھی اُسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا ہوگا جتنا مال لیا ہے اور جس کی ذمہ داری لی ہے مثلاً کبھی نے دو حصے مال حاصل کیا اور اُس کی ذمہ داری لی اور دوسرے نے ایک حصہ مال حاصل کیا اور اُس کی ذمہ داری لی تو خسارے کی صورت میں اُسی تناسب سے نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ (المجلد)



ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے مال کا ضامن ہے اگر وہ ضائع ہو گیا یا اس میں نقصان آگیا تو اتنا وان اُسی اعتبار سے عائد ہوگا۔ منافع بھی اسی ضمانت اور ذمہ داری کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔

## قرض

روپیہ اُدھار لینے کی ضرورت اکثر اور بیشتر لوگوں کو ہو جاتا کرتی ہے۔ بے سہارا یا غریب افراد ہی نہیں بلکہ دولت مند لوگ اور بڑی حکومتیں بھی بعض اوقات قرض لینے پر مجبور ہو جاتی ہیں، مثال کے طور پر ایک شخص جو لاکھوں روپے کا مالک ہے سفر میں کبھی وہ تھوڑے پیسے قرض لینے کا حاجت مند ہو جاتا ہے، یا ایک مکانے والا آدمی جو ہزاروں روپے ماہوار کماتا ہوتا ہے یکایک فوت ہو جاتا ہے اور اس کے گھروالے اپنی ضرورتیں پوری کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ حکومتیں جنگ کے زمانے میں عام افراد سے قرض لینے کی اپیل کرتی ہیں، غرض یہ کہ انفرادی، اجتماعی، معاشی ضرورتوں کے علاوہ سیاسی ضرورتیں بھی قرض کے سہارے پوری کرنا پڑ جاتی ہیں، یہ سہارا شدید ضرورت کے وقت عزت و آبرو یا جان بچانے کی خاطر تلاش کرنا چاہیئے، ورنہ عام حالت میں یہ ایک ناپسندیدہ بلکہ تباہ کن آفت ہے جو افراد اور حکومتوں کو بھی پہنچنے نہیں دیتی، اس کی مصرت اور بڑھ جاتی ہے اگر سود اور منفعت پرستی کا دخل ہو جائے، قرض دینا انسانی ہمدردی اور خیر و برکت کی نیت سے ہو تو باعث فلاح ہے لیکن اگر مادی نفع حاصل کرنے اور خود غرضی کے لئے ہو تو تباہی کا سبب ہے۔ خود غرضی، سود لینے پر آمادہ کرتی ہے، خود غرض یہ نہیں سوچتا کہ جو اصل رقم واپس کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ سود کہاں سے دے گا، وہ قرض دار سے اظہارِ ممنونیت کا طالب رہتا ہے اور سود میں کمی یا اس کے مارے جانے کا خطرہ ہو تو اصل کی طرح اُسے بچانے کی فکر کرتا ہے اور بسا اوقات قرض دار کی عزت اور آبرو سے بھی کیسلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اسے یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ خود اُس پر ایسا وقت پڑ سکتا ہے کہ دوسروں سے قرض لینے پر مجبور ہو جائے۔ یہی مجرمانہ ذہنیت قرض و بچنے والی حکومتوں کی ہوتی ہے، اس میں

سال تک اصل رقم کے ساتھ اس کا سود بھی وصول کرتی رہتی ہیں اس طرح قرض لینے والے کو اصل رقم سے ڈیڑھ گنا یا کم از کم سوائی رقم یعنی ا کے مقابلے میں ا لم دینا پڑ جاتی ہے مقروض کو جن سود کے ساتھ ساتھ کچھ سیاسی اور تجارتی حقوق بھی قرض خواہ حکومتوں کو دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں امریکہ اور اس جیسی بڑی حکومتیں قرض دے کر دوسرے ممالک کو پابہ زنجیر کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن کے دلوں میں انسانی ہمدردی اور احساسِ مروت ہو وہ سود لینے سے گریز کرتے ہیں اور قرض دینے سے بھی گھبراتے ہیں کہ کہیں اُن کا روپیہ مارا نہ جائے۔

**شریعتِ اسلامی کی ہدایات** چونکہ قرض لینے کی اجازت ناگزیر انسانی ضرورت کو پورا کرنے یا سخت حالات سے نکلنے کے

لئے دی گئی ہے ساتھ ہی ایسی اخلاقی پابندیاں قرض دینے والے اور قرض لینے والے پر عائد کر دی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے ضرورت بہ آسانی رفع ہو جائے اور سود کی لعنت اور قرض خواہ کی منونیت سے بھی بچیں اور اُن نقصانات سے بھی محفوظ رہیں جو مادی وغیر مادی دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔

قرض کے بیان میں قرآن میں کہا گیا ہے ”لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تَظْلَمُوْنَ“ یعنی نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے ”لَا ضَرَرَ وَلَا ضَرْحًا“ یعنی نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔ آسودہ حال لوگوں کو ضرورت مندوں غریبوں اور مسکینوں (بے سہارا لوگوں) کی ضرورت و حاجت کا خیال رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے یہاں تک کہ اگر وہ سوال کریں تو اُسے رد نہ کیا جائے اور بغیر معاوضہ لئے مدد کی جائے اور اگر وہ شرم و حیا سے سوال نہ کر سکیں تو خود اُن کی ضرورت معلوم کر کے اسے پورا کریں۔ اگر اس طرح کی مدد نہیں کر سکتے تو بطور قرض کے تو دے ہی دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَفْرِضُ مُسْلِمًا قَرْضًا مَرَّتَيْنِ إِلَّا كَانَ لَهُ كَقَضَاءِ مَرَّةٍ  
کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دوبار قرض دیتا ہے تو اس کا ثواب وہی ہوتا ہے جو ایک بار صدقہ دینے کا ہوتا ہے۔

صدقہ اسی کو کہتے ہیں کہ ایک آسودہ حال مسلمان دوسرے ضرورت مند مسلمان کی ضرورت اس طرح پوری کرے کہ اُسے اپنا مال واپس لینے یا معاوضہ وصول کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اتنا فراخ دل نہیں ہے تو بطور قرض ہی دیدے اور سود یا نفع اندوزی کا خیال بھی دل میں نہ لائے اس اعتبار سے وہ مستحق اجر ہو گا اور دوبار ایسا کر کے وہ اس ثواب کا مستحق بن جائے گا جو ایک بار صدقہ کر کے اُسے ملتا۔ قرض دے کر اُس کی ادائیگی میں مہلت دینا اور غریب ہو تو معاف کر دینا ایسا نیک کام ہے جو آخرت میں مغفرت کا سبب ہو گا۔ قرآن میں ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنُظِرْهُ إِلَىٰ مَيْسُورَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (بقوم)

یعنی اگر قرضدار تنگ دست ہے تو کشادگی تک مہلت دو اور اگر بالکل معاف کر دو تو

تمہارے لئے بہ (صدقہ کر دینا) عملِ خیر ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک نیک آدمی کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ سَاجِدًا كَانَ فِيمَنْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَا وَالْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رَوْحَهُ فَخِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أَنْظِرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ غَيْرَ آتَى كُنْتُ أَبَا يَعْنِي النَّاسَ فِي الدُّنْيَا دَاجًا يَرِيهِمْ فَأَنْظِرِ الْمُؤْمِرَ وَاتَّجَاوَزْ عَنْ الْمُعْسِرِ نَأْ دَخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ۔

(تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان میں ایک آدمی تھا جب موت گرفتار نے اُس کی روح قبض کی تو اُس سے پوچھا کیا تم نے کوئی نیک کام کیا ہے اُس نے کہا مجھے ایسا کوئی کام نظر نہیں آتا۔ پھر کہا کیا غور کرو اُس نے کہا مجھے اس کے علاوہ اپنا کوئی نیک کام نظر نہیں آتا کہ میں لوگوں سے ادھار لین دین کرتا تھا اور انہیں مال اٹھا لے جانے کی اجازت دیدیتا تھا پھر اگر وہ خوش حال ہے تو اس کو قیمت ادا کرنے کے لئے مہلت دیتا تھا اور اگر تنگ حال ہے تو اُسے معاف کر دیتا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیک

کے بدلے میں اس کو جنت میں داخل فرمایا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُجْتَنِبَهُ اللّٰهُ  
مَنْ كُنَّ سَبَابُ الْفَنِيَا مِنْهُ  
لَتَيَنْفُسَ عَنْ مَعْسِيَةٍ اَوْ لَيَضَعَنَّ  
عَنْهُ۔ (مسلم)

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اُسے قیامت کی  
سختیوں سے اللہ نجات دیدے تو  
اُسے چاہیے کہ نگہ دست مقروض کو  
مہلت دے یا اسے معاف کر دے۔

بے ضرورت قرض لینا شریعت اسلامی میں مذموم ہے صرف عزت و ابر کی حفاظت  
اور شدید معاشی ضرورت کے لئے اجازت ہے بالکل اس طرح جیسے مرتے ہوئے کو مزار کھانے کی  
(وہ بھی اگر سترہ رقع سے زیادہ کھائے گا تو فعل حرام ہوگا اور قاتل انا سزا کا مستحق ہوگا) یہی حال قرض  
لینے کا ہے کہ بدرجہ مجبوری اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص عیش کوشتی، اپنی عرفی ساکھ یا مصنوعی سید  
زندگی کو قائم رکھنے کے لئے قرض لے یا ضرورت واقعی کے لئے قرض لے کر اُس کی ادائیگی سے  
بے خبر ہو جائے یا استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں لیت و لعل کرے تو وہ اخلاقاً بھی مجرم  
ہے اور قاتلِ نا بھی۔ دنیا میں بھی مستحق سزا ہے اور آخرت میں سخت کیڑ کے قابل۔

قرض ادا نہ کرنا کس قدر ناپسندیدہ ہے؟ اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسوہ  
سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ اُس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرض چھوڑ کر وفات پا جاتا اور  
ادائے دین کے لئے کوئی ترکہ بھی نہ چھوڑ گیا ہوتا، ایک بار ایک صحابی کا جنازہ لایا گیا، آپ نے  
دریافت کیا تھَلَّ عَلَیْہِ دَیْنٌ؟ (ان پر کوئی قرض تو نہیں) معلوم ہوا دو دینار کے مقروض تھے  
آپ نے فرمایا ان کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ ایک صحابی حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ دونوں  
دینار کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں۔ تب آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مسوے وقت اور پنج وقتہ نمازوں کے بعد جو دعائیں مانگتے اُن میں گناہوں کے ساتھ  
قرض سے بھی پناہ مانگتے ہوئے فرماتے اَعُوْذُ مِنَ الْهَاشِمِ وَالْمَغْرَمِ (میں گناہ اور  
قرض کے بوجھ سے پناہ مانگتا ہوں)

ایک بار آپ کفر و قرض دونوں سے پناہ مانگ رہے تھے ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ!

کیا آپ قرض کو کفر کے برابر قرار دیتے ہیں؟ فرمایا، ہاں! (نسائی، عالم)

اسلام کسی مومن کو ذلت میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ہے جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اُس کی گردن پر قرض کا بار رکھ دیتا ہے۔ (عالم)

بلندی، عزت اور آزادی کے بجائے کتری، ذلت اور غلامی کا احساس پیدا ہونا مومن کی شان کے خلاف ہے، ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو کچھ نصیحت فرما رہے تھے اُس میں یہ بھی فرمایا کہ قرض کم لیا کرو، آزاد ہو کر زندہ رہو گے۔ (بیہقی)

آپ صحابہ کو قرض سے سبکدوش ہونے کی دعا تلقین فرمایا کرتے تھے، حضرت علیؓ کو ایک بار یہ دُعا سکھائی:

اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ  
حَرَامِكَ وَ آغِثْنِي بِفَضْلِكَ  
عَمَّنْ سِوَاكَ۔ اے اللہ! اپنے حلال رزق کے ذریعے  
حرام سے بچا اور اپنے فضل سے مجھے  
اُن سے بے نیاز کر دے جو تیرے سوا ہیں۔

قرض سے پناہ مانگنے اور اُس کی ادائیگی کی تعلیم فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ مقروض کے ذہن میں ہر وقت یہ بات تازہ رہے کہ اُسے قرض ادا کرنا ہے، دوسرے یہ کہ وہ خدا سے اس کی توفیق بھی طلب کرتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ وہ ادا کرنے کی کوشش کرے اور کامیاب نہ ہو۔

**قرض کے سلسلے میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری** اسلامی حکومت پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ

اہل حاجت کو بیت المال سے غیر سودی قرضے دے اور اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو قرضہ معاف بھی کر دے، ابتدائے اسلام میں جب تک ہاجرین اور انصار تنگدست تھے اور بیت المال اسلامی حکومت کا قائم نہیں ہوا تھا اُس وقت قرضہ ارمیت کا جنازہ پڑھانے میں آپؐ اس لئے توقع فرماتے کہ اعزہ اقارب یا معاشرے کے خوش حال افراد اُس کا قرض ادا کرنے کو آگے بڑھیں لیکن جب بیت المال قائم ہو گیا اور اُس میں رقم جمع ہونے لگی تو تنگ دست مقروض کا قرض آپؐ بخیریت نبی اور سربراہ حکومت خود ادا فرمانے لگے اور نماز جنازہ میں توقع کرنے کا سبب بھی یہی تھا کہ کوئی قرض ادا کر دے، حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں،

فلما فتح الله على رسوله      جب اللہ نے اپنے رسول کو کشادگی عطا  
 قال انا اولی بکلمون      کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں (سربراہ حکومت)  
 من نفسه فمن ثرك ديننا      ہر مومن کا اُس کی اپنی جان سے زیادہ ہمدرد  
 فعلى ومن ثرك مالا      سرپرست ہوں تو جو شخص قرض چھوڑ گیا تو اُس کی  
 فلو سرتته۔      ذمہ داری مجھ پر یعنی اسلامی حکومت پر ہے۔

اور جو مال چھوڑ کرخصت ہوا وہ اُس کے وارثوں کا حق ہے۔

اسلامی حکومت ان لوگوں سے بجز قرض وصول کرنے کی مجاز ہے جو ادائیگی کی قدرت رکھتے ہوئے مال منقول کریں، حکومت کسی کا حق ضائع نہ خود کرے گی اور نہ کسی کو ایسا کرنے دے گی۔ عہد مبارک کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں اور پھر جہاں جہاں اسلامی حکومت رہی اسی پر عمل کیا گیا چنانچہ آج بھی مسلم معاشرے میں بلا سودی قرض کا جتنارواج ہے کسی دوسرے معاشرے میں نہیں ہے۔

**قرض کے معنی اور تعریف** اُدھار لینے کے لئے عربی میں دو لفظ ہیں قرض اور دَیْن دَیْن کے معنی بدل کے ہیں اس لفظ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ اُدھار دینے والا صرف اُس کا پورا پورا بدل ہی لے سکتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرض کے معنی کاٹ دینے کے ہیں چنانچہ قینیچی کو مقرض کہتے ہیں، جو شخص کسی کو اُدھار دیتا ہے وہ گویا اپنے مال کا ایک حصہ کاٹ کر دیتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی اس میں پوشیدہ ہے کہ اگر اس معاملے میں شرعی حدود کی پابندی لوگ نہ کریں تو قرض دونوں کے تعلقات کو کاٹ دینے کا سبب بن جاتا ہے، اسی سے یہ ضرب المثل مشہور ہے۔ المقرض مقرض المحبۃ (قرض محبت کے لئے قینیچی ہے) دَیْن اور قرض میں عام و خاص کا فرق ہے، ہر قرض کو دَیْن کہہ سکتے ہیں مگر ہر دَیْن کو قرض نہیں کہہ سکتے قرض وہ نقد جس کہلاتا ہے جو کسی کو واپسی کی شرط کے ساتھ دیا جائے اور اگر کوئی چیز خرید لی مگر قیمت باقی ہے تو اُسے قرض نہیں کہا جائے گا بلکہ دَیْن کہا جائے گا اسی طرح اگر قیمت پیشگی وصول کر لی لیکن مال ابھی نہیں دیا تو یہ مال بالغ کے ذمہ دَیْن کہلائے گا قرض نہ ہوگا، قرض دینے والے اور قرض لینے والے کو اُن اخلاقی ذمہ داریوں اور ہدایتیں پر عمل کرنا

چاہیے جو اس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے مقرر کی ہیں، قرآن اور حدیث میں تاکید آئی ہے کہ:  
**قرض اور ادھار کا معاملہ لکھ لینا چاہیے** کوئی گناہ نہیں اگر دونوں فریق ایک  
 دوسرے پر بھروسہ رکھتے ہوں۔

**قرض دینے والے کو ہدایات** قرض دینا کسی فرد کی طرف سے ایک بہتر رعا اور انعام ہے  
 اگر استطاعت کے باوجود کسی ضرورت مند کی حاجت  
 پوری نہیں کرتا تو اخلاق و دیانت کے اعتبار سے وہ مجرم قرار پائے گا مگر اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا  
 کہ وہ قرض ضرور ہی دیے البتہ حکمت پر یہ فرض ہے کہ وہ بے سہارا لوگوں کی مدد کرے خواہ  
 صدقہ دے کر یا قرض دے کر۔

۲۔ قرض دینے والوں کو، خواہ حکومت ہو یا افراد، یہ ہدایت ہے کہ وہ قرض پر سود نہ لیں یعنی  
 کسی مال یا چیز کے بدلے میں بغیر کسی عوض کے کوئی متعین رقم لینا یا دینا دونوں ناجائز ہے  
 قرض دینے کے عوض میں مہاجنی سود، یا قرض دیئے ہوئے روپے سے منفعت اٹھانے کی وجہ  
 سے بیک و ڈاک خانے کا سود یہ سب ناجائز ہے اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے:۔  
 کُلُّ قَرْضٍ حَبْرٌ نَفْعًا فَهُوَ رِبَا۔ جو قرض نفع کیلئے لائے وہ سود ہے۔

۳۔ اوپر بیان کی گئی صورت کے علاوہ نفع اٹھانے کی اور بھی بے شمار شکلیں ہیں مادی بھی  
 اور غیر مادی بھی جیسے اپنی نیاز مندی کرانا، تحفوں کا مطالبہ ہونا، تجارت یا کسی دوسرے معاملے  
 میں رعایت مانگنا یہ سب باتیں ناجائز ہیں یا حرام ہیں ایسی تجارت یا خرید و فروخت بھی مکروہ  
 ہے جس میں مقرض سے فائدہ اٹھایا جائے، قرآن میں قرض حسنہ کا ذکر آیا ہے جس سے مراد  
 وہ قرض ہے جس میں سود نہ ہو، مدت کی تعیین نہ ہو اور احسان دھرنے کی بات نہ ہو، احسان  
 جتانے والوں کے مال کو اس مٹی سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی چٹان پر ہو اور ایک ہلکی سی بارش  
 سے بہہ جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اقْرَضَ احَدُكُمْ قَرْضًا  
 یعنی جب کوئی کسی کو قرض دے تو مقرض  
 فَاَهْدِىْ اِلَيْهِ اَوْ حِمْلًا  
 اگر اُس کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے یا اُسے

على الدابة فلا يرکبه      اپنی سواری پر سوار کرے تو اُس کو نہ تو  
ولا یقبلها الا ان یلکون      سواری استعمال کرنا چاہیے نہ ہدیہ قبول  
جسی سینہ و بینہ قبل      کرنا چاہیے البتہ اگر قرض دینے سے پہلے  
ذالک۔      اس کے تعلقات ہوں اور تحفہ خائف  
دینے کا معمول رہا ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قرض کے بیان میں نہیں بلکہ سود کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ گویا  
مقرض کا یہ بھی ایک طرح کا سود ہے۔

۴۔ قرض دینے والا اگر ادا کے قرض کے لئے کوئی مدت مقرر کر دے اور مدت گزرنے سے  
پہلے اُس کو شدید ضرورت پیش آجائے تو وہ تقاضا واپسی قرض کا کر سکتا ہے گواخلافا ایسا  
نہ کرنا چاہیے مگر قانون اس کو اس کا حق ہے۔ اخلاق کا تقاضا تو یہی ہے کہ جو شخص قرض کو واپس  
کرنے کے قابل نہ ہوا ہو اُس کو مزید مہلت دینا چاہیے مگر قانون اُسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ مہلت  
دے ہی دے، ایک بار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی جانور قرض لیا تھا، مدت  
گزرنے پر اس نے سختی سے تقاضا کیا، صحابہ کو اُس کا یہ عمل برا معلوم ہوا مگر آپؐ نے فرمایا،  
ذَعُوهُ ان لصاحب الحق مَقَالًا۔ اسے کچھ نہ کہو صاف۔ حق کو کہنے کا حق ہے۔  
اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ایک جانور اُس سے اچھا خرید کر اس کو دے دو چنانچہ ایسا کیا گیا۔

(بخاری و مسلم)

۵۔ اگر مقرض ادا کے قرض کی قدرت رکھتے ہوئے ادا نہیں کرتا تو اُس کے بارے میں ارشاد  
نبوی ہے:

مَطْلُ الْعَنِيِّ ظُلْمٌ۔      قدرت رکھنے والے کا ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔  
لِيُؤْتِيَ الْاَوَّلِيَّ يَحِلُّ عِصْهٌ      ہاتھ میں پیسہ ہوتے ہوئے دیر لگانا اس  
وَعُقُوبَتُهُ۔      کی آبرو کو غیر محفوظ اور سزا کا مستحق کر دینا ہے۔

یعنی قرض خواہ اس کو بُرا کچھ کے بدنام کر سکتا ہے اور اس کے غلام و غویٰ کر کے سزا دلوا سکتا  
ہے۔ فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کو قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں



خوش حال اور بد حال دونوں کے ساتھ ہی سلوک کیا جائے گا، دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کو ہی سزا کے لائق قرار دیتے ہیں لیکن اگر نادار شخص قرض لے کر کھانا یا اپنا پیشہ بنالے تو وہ سزا سے بری نہیں ہوگا۔

**قرض لینے والے کو ہدایات** ۱۔ کسی ہنگامی ضرورت یا شدید معاشی ضرورت کے وقت ہی قرض لینا چاہیے، تعیش یا تفریح کے لئے قرض لینا منع ہے اس طرح سے قرض لینے والا اسے مشکل ہی سے ادا کر سکتا ہے، لوگوں کا حق اور رویہ مارا جاتا ہے۔

۲۔ قرض دار کو ادا کرنے کے قابل ہوتے ہی فوراً ادا کر دینا چاہیے ورنہ وہ ظالم شمار ہوگا اور بے آبرو بھی ہوگا۔

۳۔ اگر قرض دینے والا خود ضرورت مند ہو جائے تو قرض دار کو اپنی جائیداد اور گھر کا سامان بیچ کر بھی قرض ادا کرنا چاہیے ایک بار حضرت معاذؓ کے ساتھ ہی معاملہ پیش آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کا کل اثاثہ فروخت کر کے قرض ادا کروا دیا (منتقی)

۴۔ ضرورت ہو تو معاشرے کے افراد سے چندہ لے کر قرض خواہ کی رقم واپس کی جاسکتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا قرض دوسرے صحابہ کی مدد سے ادا کرایا تھا ایسا ان حالات میں ہوا جب اسلامی بیت المال نہ تھا اور قرض خواہ کو شدید ضرورت تھی۔

۵۔ معاشرے کے آسودہ حال افراد کسی تنگ دست شخص کے ضامن اور ذمہ دار بن کر اس کو قرض دلانے میں معاونت کریں۔

**قرض دی جانے والی چیزیں** ہر وہ چیز جس کے مثل دوسری چیز، قول کرنا پ کر یا شمار ہو کر واپس ہو سکتی ہو قرض میں دی جاسکتی

ہے مثلاً سکتہ رائج الوقت جو اسی قدر بہ آسانی دیا جاسکتا ہے گھی تیل آٹا تول کر یا ناپ کر واپس کیا جاسکتا ہے، خریج ہو جانے کے بعد بازار سے منگا کر دیا جاسکتا ہے اور اس کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے، لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کا مثل بازار میں نہیں ملتا یا بہت مشکل سے ملتا ہے تو ایسی چیز قرض میں نہیں لی جاسکتی۔

۱۔ چیز جو قرض لی گئی۔ اگر اُس کی قیمت بازار میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تو اس کا ہدایات  
اثر قرض پر نہیں پڑے گا۔ چیز جتنی تول یا ناپ کر لی گئی تھی اتنی ہی ادا کرنا ہوگی  
البتہ اگر وہ قیمت لینے پر راضی ہو جائے تو قیمت بھی لے سکتا ہے۔

۲۔ اگر کسی نے ایک ایک روپے کے سو نوٹ یا ریڑ گاڑی قرض لی تو یہ ضروری نہیں کہ واپسی  
بھی ایک ایک کے نوٹ یا ریڑ گاڑی میں ہو بلکہ مجموعی رقم نوٹوں یا سکوں میں ادا ہونا چاہیئے۔  
۳۔ جو چیزیں جس طرح بکتی یا لی اور دی جاسکتی ہیں اُسی طرح لینا اور دینا ہوں گی۔ شمار کر کے  
یا تول کرنا ناپ کر۔

۴۔ کوئی چیز اگر دو طرح سے بکتی ہے تو جس طرح قرض لی ہے اسی طرح واپس کرنا چاہیئے۔  
۵۔ روپیہ پیسہ قرض لینے کی صورت میں واپسی کے لئے جگہ کی قید نہیں ہے کہ وہیں ادا ہو  
جہاں قرض لیا تھا بلکہ دوسری جگہ بھی ادا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر قرض جنس کی شکل میں لیا ہے  
تو یہ ضروری نہیں کہ وہی جنس دوسری جگہ بھی دی جائے بلکہ وہاں اُس کی قیمت دی  
جاسکتی ہے اور اگر قرض خواہ لینا چاہے تو قیمت لے لے کیونکہ غیر جگہ جنس کا ادا کرنا دشوار  
ہوتا ہے لیکن اگر وہی جنس دینا چاہتا ہے لیکن اُسی جگہ جہاں اُس نے چیز قرض لی تھی  
تو اُس کو ضمانت دینا پڑے گی کہ وہاں جا کر ضرور دے گا قیمت دینے کی صورت میں اُسی  
جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جہاں چیز کو قرض لیا تھا۔ دوسری جگہ جو بھی اس جنس کی  
قیمت یا بھاؤ ہو اُس کا لحاظ نہیں جائے گا۔

۶۔ اگر وہ چیز یا جنس بازار میں فی الوقت نہیں ہے تو پھر قرض خواہ وقت کا انتظار کرے یا  
قیمت لینے اور دینے پر دونوں پر راضی ہو جائیں۔

۷۔ قرض لینے والا شئی مقروض کا مالک ہوتا ہے اور اس میں تصرفات کر سکتا ہے یہاں تک کہ  
اُسے بیچ بھی سکتا ہے لیکن اگر قرض دینے والا اُسی چیز کو (جو وہ قرض دے چکا) بیچنا چاہے  
تو نہیں بیچ سکتا کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے ہاں وہ اُس چیز کو قرض دے سے فریہ نکالے  
۸۔ کسی شرط کی قید قرض میں لگانا قرض کے معنی کے خلاف ہے اور قرض دار اس کا پابند نہیں۔  
۹۔ قرض لی ہوئی چیز سے بہتر کی واپسی درست ہے لیکن اگر کمتر ہے تو قرض خواہ کو اعتبار ہے

لے یا نہ لے

۱۔ اگر ادا کرنے کی قدرت کے باوجود قرض ادا نہ کرے تو قرض دہندہ اُسی طرح کی اُس کی کوئی چیز اگر چاہے تو بے اجازت لے سکتا ہے مثلاً گہیوں یا روپیہ قرض لیا تھا اور یہ چیزیں اُس کے پاس بیسوں پھر بھی ادا نہ کیے تو قرض خواہ کو اُس کا گہیوں یا روپیہ اگر ہاتھ لگ جائے اور اپنے قرض میں لے لے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر جنس مختلف ہو یا اُس سے بہتر ہو تو جائز نہیں۔

## کفالت

قرض لینے کی ضرورت یا اُدھار خریدنے کی حاجت بسا اوقات پیش آتی ہے لیکن قرض دینے والا یا اُدھار دینے والا یہ اطمینان چاہتا ہے کہ اُس کی چیز واپس مل جائے گی یا قیمت ادا کر دی جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ادا کئے قرض یا ادائیگی قیمت کا تقاضا ہونے لگتا ہے اور ابھی اس کو ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ ایسی تمام صورتوں میں کسی دوسرے شخص کو بطور ضمانت پیش کیا جاسکتا ہے جو یہ ذمہ داری لے سکے کہ اگر اس نے نہ دیا تو میں دوں گا بالکل اسی طرح ایک مجرم جس کو عدالت تحقیق جُرم ہو جانے تک قید میں رکھنا چاہتی ہو وہ ایک آدمی کو بطور ضمانت پیش کر دے کہ جب ضرورت ہوگی ضامن اُسے حاضر عدالت کر دے گا۔ تو عدالت ضمانت مان کر اُسے چھوڑ دیتی ہے اس طرح کی ضمانت کو شریعت میں کفالت کہا جاتا ہے لہذا کفالت کی تعریف یہ ہوئی:

”کسی مال کی ادائیگی یا کسی شخص کو وقت پر حاضر کر دینے کی ذمہ داری لینا۔“

۱۔ ضمانت لینے والے اور ذمہ داری قبول کرنے والے شخص کو کفیل اصطلاحات کہتے ہیں۔

۲۔ اصل ذمہ دار شخص جو کسی کو اپنا ضامن بنائے اصل یا مکفول عنہ کہلاتا ہے۔

۳۔ جس کا مطالبہ اصل پر ہو اُسے مکفول لہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ وہ مال یا وہ شخص جس کو ادا کرنے یا پیش کرنے کی ضمانت دی جائے مکفول بہ کہلا جاتا ہے۔

**کفالت کا طریقہ** کفیل مکفول لہ سے کہے کہ آپ کی جو رقم یا مال فلاں (مکفول عنہ) پر باقی اور واجب الادا ہے اُسے ادا کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ اب اگر

اصیل اس کو ادا نہ کرے تو ذمہ داری کفیل پر ہوگی۔ یہ تین طریقوں سے ہوتی ہے۔  
۱۔ کفیل مطلقاً ذمہ داری لے کہ میں اس کو ادا کروں گا تو مکفول لہ کو اصیل و کفیل دونوں سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

۲۔ کفیل یہ ذمہ داری لے کہ اگر اصیل نے ادا نہ کیا تو میں ادا کروں گا تو مکفول لہ پہلے اصیل سے مطالبہ کرے اگر وہ نہ دے تو پھر کفیل سے مانگے۔

۳۔ اگر مکفول لہ نے کوئی ہمت دیدی ہے تو اُس مدت کے گزر جانے کے بعد وہ کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

**کفالت صحیح ہونے کی شرطیں** ۱۔ کفالت اسی وقت صحیح ہوگی جب اصیل اور کفیل دونوں عاقل و بالغ ہوں۔

۲۔ مکفول بہ یعنی جس چیز یا شخص کی کفالت کی جارہی ہے اُس کا نام اور پتہ کفیل کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے مال کی مقدار بتانا ضروری نہیں بلکہ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں کے قرض کا یا فلاں مال کا میں ذمہ دار ہوں۔

۳۔ رہن رکھی ہوئی چیز یا عاریتہ لی ہوئی چیز میں کفالت صحیح نہیں ہے کیونکہ مرہن اور استعیرہ پر اُس کے تلف ہو جانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اسی طرح امانت اور وکالت میں بھی کفالت صحیح نہیں ہے۔ حدود اقصا و سزا میں کفالت نہیں۔ سزا و سزا آدمی نہیں پاسکتا۔

**کفیل کی ذمہ داریاں** ۱۔ اگر کفیل نے کسی شخص کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور وقت پر وہ حاضر نہ کیا گیا تو کفیل کو قید کر لیا جائے گا اُس

وقت تک کے لئے کہ وہ اس کو حاضر کراوے یہ رائے امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ

کی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حاضرنہ کرنے کی صورت میں بطور تاوان مال لیا جائے گا سزا نہیں دی جائے گی۔

۱۔ کفیل یا اخیل دونوں میں سے کوئی مر جائے تو کفالت کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

۲۔ اگر مکفول لہ مر جائے تو کفالت ختم نہیں ہوگی۔

۳۔ اخیل اگر مکفول بہ کو ادا نہیں کرے تو کفیل کو دینا پڑے گا۔

۴۔ مکفول لہ اخیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۵۔ چند آدمیوں نے مل کر قرض لیا اور ان میں سے ایک کو سب کی طرف سے ذمہ دار ٹھہرایا تو پورا مطالبہ ہر ایک سے کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ اگر کسی آدمی کے کئی آدمی کفیل ہوں تو یا تو ہر ایک نے الگ الگ ذمہ داری قبول کی ہوگی

یا الگ الگ۔ پہلی صورت میں ہر کفیل سے پوری رقم یا مال کا مطالبہ ہو سکتا ہے، دوسری

صورت میں کل مطالبہ کفیلوں پر تقسیم کر کے جس کے حصے میں بنتا آئے گا اتنا ہی وصول کرنے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ اگر کفیل کے پاس اخیل کا روپیہ یا مال امانت رکھا ہوا ہے اور کفیل اس صراحت کے ساتھ

ذمہ داری لیتا ہے کہ اگر اخیل ادا نہ کرے گا تو میں اس کی امانت سے دیدوں گا، تو وہ

امانت سے مکفول لہ کو ادا کرنے پر مجبور ہے۔ اب اگر یہ امانت چوری ہو گئی یا کسی اور

طرح ضائع ہو گئی تو ذمہ داری باقی نہیں رہے گی لیکن اگر کفالت کرنے کے بعد وہ

امانت لوٹا دی تو پھر کفیل کو اپنے پاس سے ادائیگی کرنی ہوگی۔

۸۔ اگر کسی شخص نے زید کو عدالت میں حاضر کرنے کی ضمانت لی اور زید کے ذمے عدالت کا

کوئی مطالبہ ہے تو حاضرنہ کرنے کی صورت میں کفیل کو مطالبہ ادا کرنا ہوگا اگر عدالت طلب

ادا کرنے کی شرط ہے تو فوراً، اور اگر کوئی مدت مقرر ہے تو اُس وقت پر کفیل ادا کرنے کا

ذمہ دار ہوگا غرض جن قیود کے ساتھ قرض یا بقایا ہے اُسی قید کے ساتھ کفیل کی

ذمہ داری ہے۔

۹۔ مکفول لہ کی طرف سے ادائیگی کی مدت مقرر کر دی گئی اور اخیل کہیں باہر جانا چاہتا ہو

جس کی واپسی کا وقت مقرر نہ ہو تو اُس کا کفیل اُسے قانونی طور پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ادائیگی کر کے باہر جائے یہ اُسی وقت ضروری ہے جب تکفول حکومت سے درخواست کرے کہ اُس کا قرض واپس دلایا جائے۔

۱۱۔ کفیل نے تکفول لے کے مطالبہ پر چیز اُس کو دیدی تو اب وہ اصل سے اُسی طرح کی چیز واپس لے سکتا ہے جس کی کفالت اُس نے کی تھی مثلاً ایک من لال گہیوں کی ضمانت لی تھی لیکن اس نے ایک من سفید گہیوں تکفول لے کر دیدیا تو اب کفیل اصل سے لال گہیوں ہی لے گا جس کی کفالت اُس نے کی تھی۔ مطلب یہ کہ اگر کفیل اپنی مرضی سے بہتر چیز تکفول لے کو پہنچا دے تو اس کی ذمہ داری اصل پر نہیں۔

۱۲۔ مال کی کفالت بہر حال کفیل کو نبھانا پڑے گی اگر وہ یا اصل فوت بھی ہو جائے تو جو ذمہ داری لی ہے وہ ساقط نہیں ہو جائے گی اُس کے ترکے سے وصول کر لی جائے گی۔

کن چیزوں میں کفالت ہو سکتی ہے  
۱۔ نقل و حمل کی کفالت بھی صحیح ہے جس طرح کسی کو حاضر کرنے کی ضمانت۔

۲۔ ریل سے سفر کرنے والے نے جہاں تک کا ٹکٹ لیا ہے یا اپنا مال جہاں تک لے جانے کے لئے بک کرایا ہے۔ ریلوے کا محکمہ اس مقام تک پہنچانے کا ذمہ دار یعنی کفیل ہے اگر گاڑی کسی وجہ سے رُک جائے یا اگر جائے اور مسافروں کی جان و مال کا نقصان ہو جائے یا ریل کے حادثے میں ٹکٹ گم ہو جائے تو نقصان کی تلافی اور مقام مقصود تک پہنچانے کی ذمہ داری محکمہ نقل و حمل کی ہے اگر وہ تلافی نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے ہاں اگر وہ شخص بے ٹکٹ تھا تو پھر پہنچانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۳۔ جو مال تاجر لوگ ریل کے راستے منگاتے یا بھیجتے ہیں اگر وہ گم ہو جائے یا ٹوٹ پھوٹ جائے تو نقصان محکمہ ریل کو دینا ہوگا اور بھیجنے والا قانون کے ذریعہ لے سکتا ہے کیونکہ شریعت میں اس کو انکفالتہ بالتسلیم کہتے ہیں۔

اسی طرح ڈاک خانہ تمام خطوط، رجسٹری، منی آرڈر، بیمہ اور پارسل کو مکتوب الیہ تک پہنچانے

کا ذمہ دار اور کفیل ہے اگر اُن کے کم ہو جانے کا ثبوت مل جائے تو ڈاک خانے کو ان پر ہرجانہ ادا کرنا ہوگا اس کو "تکفالتہ بالذمیر" کہتے ہیں۔

جہاز ران کمپنیاں بعض صورتوں میں ایچر مشین، اور بعض صورتوں میں چین کو پہنچانے کا بیمہ لین بالاجرت ہوتی ہیں اگر ایسی کمپنی ذمہ داری دیتی ہو کہ یہ مال فلاں جگہ پہنچا دے گی اور اتنی فیس لے گی اور اگر مال ضائع ہو گیا تو اس کا تادان اس کے ذمے ہوگا اصطلاح میں اسے بیمہ کرنا کہتے ہیں تو یہ بیمہ جائز ہے اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں:

۱۔ جتنا مال ہو صحیح صحیح اتنا ہی درجہ کرایا جائے اگر غلط طور پر کوئی شخص زیادہ مال نکھائے گا تو گنہگار ہوگا۔

۲۔ اس پر جان و مال کے اس بیمہ کو قیاس نہ کیا جائے جو آج کل عام طور پر رائج ہے جس کی تفصیل سود کے بیان میں آچکی ہے۔

**مُر دے کی طرف سے کفالت** اگر کوئی شخص مقروض فوت ہو جائے اور اس کے قرض کی ذمہ داری دہرا آدمی لے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کی رائے میں یہ کفالت اُسی وقت صحیح ہوگی جب وہ ترکے میں کچھ چھوڑ گیا ہو ورنہ صحیح نہیں ہے۔ یعنی کفیل پر ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔ مگر دوسرے کھ متوفی کی طرف سے کفالت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے ایسے مقروض کی ذمہ داری لی اور آپ نے اُن سے ادا کرایا حالانکہ متوفی نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مرنے والے کا قرض نہیں اُترتا تو وہ ایک قیدی کے مانند ہوتا ہے اگر کفیل اُس کو قید سے نجات دلاتا ہے تو اُس کے حق میں کار خیر کرتا ہے اور خود بھی ثواب کماتا ہے۔

## حوالہ

جس طرح قرض اور کفالت کو کسی غریب اور ضرورتمند آدمی کی حاجت روائی کے لئے شریعت نے جائز کر دیا ہے، اسی طرح قرض میں پھنسے ہوئے آدمی کو ایک اور سہولت عطا کی ہے جسے حوالہ کہتے ہیں۔

لفظ ”حوالہ“ کے معنی اور شرعی تعریف  
 پر ڈالنا ”تہ پعت میں اس کی تعریف  
 الحُلُّ الَّذِي مِّنْ ذِمَّةٍ إِلَى ذِمَّةٍ“ قرض کی ذمہ داری دوسرے کی طرف منتقل کرنا ہے۔  
 جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے آسودہ حال لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اگر کوئی نادار مسلمان اپنے قرض کی ذمہ داری اُن پر ڈالے تو انہیں یہ ذمہ داری قبول کر لینا چاہیے۔

مَصْرُ الْعَرَبِيِّ ظَنُّهُ وَإِذَا  
 مَالُهُ كَالْمَالِ مَثُولٍ كَرَاهَا ظَلَمٌ هَبْ جِبْ كَوْنِي تَلَوَار  
 أَتَّبِعْ أَحَدُكُمْ عَلَى مِلٍّ  
 كَسَى آسُودَ هَالِ كَسَى آسُودَ هَالِ كَسَى آسُودَ هَالِ كَسَى آسُودَ هَالِ  
 فَلْيَتَّبِعْ (ابوداؤد)

حوالہ ایک اخلاقی ذمہ داری  
 کوئی قانونی کارروائی حوالہ قبول نہ کرنے والے کے خلاف  
 نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک اخلاقی فرض ہے اور یہی  
 مجھ گرامے قبول کرنا چاہیے خواہ اس میں مالی نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے قبول کر لینے  
 کے بعد اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔

حوالہ سے متعلق بعض اصطلاحیں  
 ۱۔ تجیل یا مدیون وہ شخص جس پر اصل بار ہے  
 اور وہ کسی دوسرے کو اپنی ذمہ داری حوالہ  
 کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ ممتال یا ممال لایا دائن وہ شخص جس کی بقایا تجیل پر ہے۔



۳۔ محتال علیہ یا محال علیہ وہ شخص جس نے بقایا یا ادکار کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

۴۔ محتال بہ یا محال بہ وہ بقایا جس کا حوالہ کیا گیا ہو۔

مثال کے طور پر خالد کے ذمہ احمد کے ایک ہزار باقی ہیں، خالد نے طارق سے کہا کہ آپ احمد کے روپیوں کی ذمہ داری لے لیجئے اور طارق نے قبول کر لیا تو خالد کو محمیل احمد کو محتال یا محال نہ، طارق کو محتال علیہ یا محال علیہ اور ایک ہزار روپیوں کو محتال بہ یا محال بہ کہیں گے اور پورے معاملہ کو حوالہ کہیں گے۔

**کفالت اور حوالہ میں فرق**  
کفالت میں اصیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور حوالہ میں صرف محتال علیہ سے۔ اگر کفالت میں یہ شرط لگا دی کہ اصیل سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا تو کفالت نہیں رہے گی، حوالہ ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر حوالہ میں یہ شرط لگا دی کہ محال علیہ کے ساتھ محمیل سے بھی مطالبہ ہو سکتا ہے تو یہ ”حوالہ“ نہیں رہا بلکہ اسے کفالت کہا جائے گا۔

اس کی دو قسم ہیں (۱) حوالہ مقیدہ اور حوالہ مطلقہ۔

**حوالہ کی قسمیں**

حوالہ مقیدہ یہ ہے کہ محمیل کاروبہ جو ایک شخص کے ذمے ہے وہ اپنے قرض میں محتال کو دوا دے مثلاً خالد پر احمد کے ایک ہزار روپے ہیں اور احمد طارق کا ایک ہزار روپے کا مقروض ہے، احمد نے خالد سے تقاضا کیا۔ خالد نے اُس سے کہا کہ میرے اتنے روپے طارق کے ذمے ہیں تم اُن سے لے لو، اگر احمد اور طارق دونوں نے منظور کر لیا تو یہ حوالہ ہو گیا اب احمد خالد سے نہیں بلکہ طارق سے مطالبہ کرے گا، اسی طرح اگر خالد نے احمد کو طارق سے جو روپیہ دلویا اگر وہ اسی قدر ہے جتنا احمد کا اس کے ذمے ہے تو اب احمد خالد سے کچھ نہیں مانگ سکتا۔ لیکن ماگر کم ہے تو اتنا وضع کرنے کے بعد باقی رقم کا مطالبہ احمد خالد سے کرے گا۔ اگر خالد کاروبہ احمد کے مطالبہ سے زیادہ ہے تو باقی روپیہ خالد طارق سے طلب کرے گا۔

حوالہ مطلقہ یعنی محمیل کا کسی کے ذمہ کچھ باقی نہ ہو، بلکہ وہ اپنی ادائیگی قرض کا با کسی دوسرے کے حوالے کر دے مثلاً خالد احمد کا مقروض ہے اُس نے طارق سے کہا کہ ”تم میری طرف سے احمد کا روپیہ ادا کر دو میرے پاس جب ہوگا دیدل گا“ اگر طارق نے اسے قبول کر لیا تو ادائیگی اس پر ضروری ہو جائے گی۔

”حوالہ“ کے ارکان (۱) دونوں کا اجمعی طرح باخبر ہونا یعنی محتال (جس کو رقم دلوانا ہے) اور محتال علیہ (جس سے دلانا ہے) دونوں کو خبر ہو کہ لینا کسے ہے اور دینا کسے اور وہ راضی ہوں اگر ان میں سے کوئی فریق بھی بے خبر رہا تو حوالہ صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ محیل اور محتال کی موجودگی۔ اگر محتال علیہ موجود نہ ہو تو حرج نہیں ہے بشرطیکہ اُس کی اجازت پہلے سے حاصل ہو ورنہ وہ جب تک اجازت نہ دے تو حوالہ معلق رہے گا (قاضی خان)

۳۔ پہلی شرط تینوں (محیل، محتال اور محتال علیہ) کا عاقل اور بالغ ہونا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پاگل ہو یا بچہ جسے مجبور (اجنبی) ملکیت میں تصرف کے ناقابل قرار دیا گیا ہو تو ان سب کا حوالہ باطل ہوگا۔

دوسری شرط: حوالہ والی چیز کا قابل کفالت ہونا مثلاً اپنی رکھی ہوئی چیز کی نہ تو کفالت صحیح ہے نہ حوالہ تیسوی شرط: حوالہ میں رقم معلوم ہونا ضروری ہے جبکہ کفالت میں یہ ضروری نہیں۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ یہ جو کچھ خریدیں گے اگر اُس کی قیمت یہ ادا نہ کریں گے تو میں ادا کروں گا اس صورت میں کفالت ہو جائے گی لیکن اگر محیل محتال سے کہے کہ جو میں خریدوں یا قرض لوں اُس کی ذمہ داری آپ لے لیجئے تو حوالہ صحیح نہیں ہے اُسے بتانا ضروری ہے کہ کس چیز کی کتنی رقم کا حوالہ کر رہا ہے۔ چوتھی شرط: اپنی ذات کے لئے قرض لی ہوئی چیز کا حوالہ جائز ہے اسی طرح اگر وہ کسی کا کفیل یا محتال علیہ ہے اور وہ اُسے ادا نہیں کر پاتا ہے تو وہ بھی اُس کو کسی کے حوالہ کر سکتا ہے۔

۱۔ حوالہ ہو جانے کے بعد صرف محتال علیہ سے مطالبہ کیا جائے گا، محیل سے نہ ہوگا اور اگر محیل کا کوئی کفیل ہے تو حوالہ کے بعد وہ بھی بری ہو جائے گا۔

۲۔ محتال علیہ محیل کی رقم ادا کرنے کے بعد اپنی رقم محیل سے وصول کر سکتا ہے اور محیل ادا کیلگی سے پہلے فوت ہو جائے تو اُس کے ترکہ سے وصولی ہوگی۔ اگر اس کے کچھ اور ان یا حقدار نکلیں تو محتال علیہ کو دیدینے کے بعد انہیں بھی دیا جائے گا۔

۳۔ اگر محیل کا روپیہ کسی کے یہاں امانت رکھا ہے اور اسی کو محتال علیہ بنایا تو وہ محیل کا روپیہ ادا کر کے امانت کے روپے سے اپنا روپیہ وصول کر سکتا ہے۔ اس اثنا میں اگر امانت کے روپیہ محتال علیہ سے ضائع ہو گئے تو حوالہ باطل ہو جائے گا محتال محیل سے طلب

کرے گا لیسکس امانت با ضمانت ہونے کی صورت میں حوالہ باطل نہ ہوگا۔

۴۔ زید احمد کا مفروض ہے، زید کا کچھ مال خالد کے پاس رکھا ہے، زید اپنے قرض کو خالد کے حوالہ کرتا ہے کہ وہ اس کا مال بیچ کر احمد کا قرض ادا کرے، خالد نے منظور کر لیا تو اب وہ محتال علیہ ہو گیا اب اسے محتال (احمد) کا روپیہ ادا کرنا ضروری ہوگا اور قانوناً اسے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۵۔ محتال علیہ حوالہ کی گئی رقم کو ادا کرنے سے پہلے میل سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

۶۔ میل نے جو چیز دینے کے لئے محتال علیہ کو بتائی ہو وہی چیز وہ میل سے واپس لینے کا حقدار ہے۔ اگر محتال علیہ نے اپنی طبیعت سے کوئی چیز دیدی تو وہ چیز میل سے نہیں لے سکتا، مثلاً میل نے محتال علیہ سے چار تولہ چاندی کسی شخص کو دینے کے لئے کہا لیکن محتال علیہ نے اسی قیمت کا سونا اس شخص کو دیدیا۔ اب اگر محتال علیہ میل سے چار تولہ چاندی کے بجائے اس قیمت کا سونا مانگے تو یہ جائز نہیں۔ وہ چار تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہی لے سکتا ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جائے۔

۷۔ اگر حوالہ کرنے کے بعد خود میل نے ادائیگی کر دی تو محتال کو محتال علیہ سے مانگنے کا حق نہیں رہا۔

۸۔ محتال یا محتال علیہ کے مرنے سے حوالہ ساقط نہیں ہوگا، محتال علیہ کے ترکہ سے حوالہ شدہ رقم محتال یا اس کے وارث کو دی جائے گی۔

غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت غیر ملکی تجارتوں میں تبادلاً زر اور تبادلاً بنس کے لئے حوالہ اور کفالت دونوں

جائز ہیں لیکن بڑے کاٹن اسلامی شریعت میں جائز نہیں کیونکہ یہ سود کی شکل ہے۔ بغیر بڑے کاٹے ہوئے کوئی رقم یا چیز دوسرے ملک میں حوالہ کی جائے تو صحیح ہے۔ محتال علیہ کی موجودگی ضروری نہیں اس کی اجازت لے لینا کافی ہے۔

## رہن

اگر سفر میں کسی کو روپے کی ضرورت پیش آگئی یا اپنے وطن میں ہی اس قدر روپیہ کی ضرورت پڑ گئی کہ اسے بہ آسانی قرض لینا ممکن نہ ہو، تو وہ اپنی چیز کسی کیپاس رہن (گھڑی) رکھ کر روپیہ لے سکتا ہے۔ اس طرح قرض دینے والے کو طہیتان ہو جائے گا کہ اس کا روپیہ مارا نہیں جائے گا اور قرض لینے والے کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔

رہن ایک اخلاقی ذمہ داری: کسی شخص کو مال قرض دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن اسلامی معاشرہ آسودہ حال افراد پر اپنے ضرورت مند بھائی کی مدد کو نا اہل ضروری قرار دے لیتا ہے۔ اب اگر وہ بغیر کسی ضمانت کے مدد نہیں کرنا ہے تو وہ اس کی کوئی چیز رہن رکھ لے اور مدد کر دے۔ پینا پتہ قرآن پاک میں متقی مسلمانوں سے کہا گیا ہے:-

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكَ سَعَرٌ وَلَا هَدًى وَلَا كِتَابٌ قَرِئَ فَرِهْنْ مَقْبُوضَةً فَإِنْ أَصْبَحْتَ بِهَا غَلِيظَةً فَلْيُؤْتِكُنَّ أَمَانَةً

وَلْيَكُنَّ لِلَّهِ رِبَاً

(بقرہ: ۲۸۲)

”اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ لے تو رہن باقبض پر معاملہ کرو اور اگر کوئی شخص دوسرے کا اعتبار (بھروسہ) کر کے معاملہ کرے تو جس بھروسہ کیا گیا ہے، اُسے چاہئے کہ امانت ادا کرے اور اللہ اپنے سب سے ڈرے۔“

سفر کی حالت میں رہن کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً مسافر میں ایسی ناگہانی ضرورت پیش آتی ہے، ورنہ یہ صورت اگر حضر میں پیش آجائے تو بھی رہن جائز ہے۔

اس آیت میں دامن (قرض دینے والا) کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر بغیر رہن

کے اس کو اطمینان ہو جائے تو قرض دیدینا چاہئے مگر تنبیہ دیوں (قرضدار) کو بھی کی گئی ہے کہ جس طرح اس نے اعتبار کر کے روپیہ دیدیا تو بخاری ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس روپیہ کو ایک امانت سمجھ کر جب بھی روپیہ آجائے تو فوراً واپس کر دو۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے ضرورت کے وقت رہن رکھ کر قرض لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار آپ کو کچھ نلکے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے ایک یہودی سے تیس مارع (دھاتی من) غلا ادا کر لیا اور اس کے اطمینان کے لئے اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھ دی چنانچہ آپ کی وفات ہوئی تو وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن تھی۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ رہن رکھ دینے سے راہن (جو اپنی چیز گروی رکھنا ہو) اس فائدے سے محروم نہیں کیا جاسکتا جو اس چیز سے حاصل ہو۔“ یہ ارشاد مبارک ایک قانونی دفعہ بھی ہے اور اخلاقی ہدایت بھی۔ قانونی پہلو یہ ہے کہ مرہن کو رہن سے کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ اگر وہ فائدہ اٹھائے گا تو اس کا نادان دینا ہوگا۔ اس کی ناپید آپ کے اس قول سے بھی ہوتی ہو کہ قرض سے جو فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے۔ اخلاقی پہلو یہ ہے کہ مرہن منفعت کی غرض سے قرض دیکر کوئی چیز رہن نہ لے بلکہ خالص انسانی ہمدردی کی بنا پر قرض دے کیونکہ ممکن ہے کوئی وقت ایسا بھی آجائے کہ اُسے دوسروں سے قرض لینا پڑ جائے۔ رہن کی چیز سے اس لئے بھی فائدہ نہ اٹھانا چاہئے کہ چیز رہن رکھ لینے کے بعد اس کو نقصان کا اندیشہ نہیں رہا۔

رہن کے معنی اور شرعی تعریف :- کسی چیز کو کسی سبب کی بنا پر روک رکھنا یا بند کر دینا رہن کے لغوی معنی ہیں۔ شریعت میں کسی کو کوئی چیز کسی مطالبے یا قرض کے بدلے اس لئے روک لینے کو کہتے ہیں کہ وہ مطالبہ یا قرض وصول ہو جائے، مارا نہ جائے۔ (ہریرہ۔ ج ۱)

اصطلاحیں (۱) ارہتان :- رہن لینا (۲) راہن :- رہن کرنے والا (مقرض یا مدیون) (۳) مرہن :- رہن لینے والا (دائن یا قرضدار) (۴) مرہون :- وہ چیز جو رہن رکھی جائے۔ (۵) عدل :- وہ شخص جس کے یہاں چیز امانت رکھی جائے۔

رہن کے ارکان و شرائط :- ۱۔ رہن ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں راہن و مرہن دونوں کارہن رکھنے کے لئے راضی ہونا ضروری ہے یعنی راہن یہ کہے کہ میں نے غلام قرض کے بدلے،

میں یہ چیز رہن رکھتی اور مرہن اپنی قبولیت کا اظہار کرے۔ اس ایجاب و قبول میں لفظ رہن کا استعمال ضروری نہیں۔

۲۔ رہن کا دوسرا ضروری رکن قبضہ ہے یعنی جو چیز راہن نے مرہن کو دی، اس پر قبضہ بھی دے مثلاً: کوئی کھیت راہن رکھا مگر اس پر قبضہ دوسرے کا ہے تو یہ رہن صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ تیسری شرط راہن اور مرہن دونوں کا مائل ہونا ہے بالغ ہونا ضروری نہیں۔ ہوشیار بچے جو کچھ رکھتے ہوں، کوئی چیز راہن رکھ سکتے ہیں۔

۴۔ چوتھی شرط مرہون (یعنی چیز) کا اس قابل ہونا کہ اس سے قیمت وصول کی جا سکے مثلاً: تاب کی پھلی یا بارگے میل جو ابھی آئے نہیں ہیں یا کئی دوسرے ملک میں کوئی مال ہے جو ابھی آیا نہیں ہے، ان سب چیزوں کو رہن میں دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں فی الوقت نہ موجود ہیں، نہ ان پر قبضہ ہے۔ مرہون کی حیثیت :- جو چیز راہن رکھی جائے وہ مرہن کے ہاتھ میں امانت با ضمانت متصور ہوگی۔ وہ اس کی اسی طرح حفاظت کرے گا جس طرح امانت کی جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ امانت گم ہو جانے پر اس پر ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن مرہون چیز ضائع ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مرہن پر ہوگی۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:-

۱۔ اگر ضائع شدہ مرہون شے اسی قیمت کی تھی جتنی قرض کی رقم ہے تو راہن مرہن سے اپنے رویہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ حساب برابر رہا کچھ لیا جائے گا۔

۲۔ اگر گشتہ مرہون چیز کی قیمت اصل رقم سے کم ہے تو قیمت محسوب کرنے کے بعد باقی روپیہ کا مطالبہ مرہن راہن سے کر سکتا ہے۔

۳۔ اگر ضائع شدہ مرہون شے کی قیمت اصل روپیہ سے زیادہ ہو تو پھر قرض کی رقم محسوب کر لی جائے گی اور نقصان راہن کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ مرہون چیز کے بقدر نقصان کا ذمہ دار مرہن تھا اور جو رقم زیادہ بچی وہ اس کے پاس امانت (بے ضمانت) تھی اور اس سے ایسی امانت کا ملوان نہیں لیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر :-

ایک شخص نے سو روپے قرض لئے اور ایک زلزلہ مرہن کے پاس رہن رکھ دیا اور وہ چوری ہو گیا تو اگر یہ سو ہی روپے کی قیمت کا تھا تو دونوں کا حساب برابر ہو گیا، کوئی کسی سے مطالبہ

نہیں کر سکتا لیکن اگر یہ تو سے روپے کا تھا تو سمجھا جائے گا کہ تو سے روپے مرہن کو مل گئے اب صرف دس روپے کا مطالبہ راہن کر سکتا ہے اور اگر وہ زیور ایک ٹو پکس روپے کا تھا تو سو روپے قرض میں محسوب تصور کئے جائیں گے اور ۲۵ روپے راہن کے ضائع ہوں گے۔ مرہن سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ مرہن بقدر سو روپے کے ضامن اور پکس روپے کا امین تھا۔ امانت اگر قصداً یا غفلت سے ضائع نہ ہوئی ہو تو اس کی ذمہ داری امین پر نہیں آتی۔

راہن کی ذمہ داریاں اور حقوق ۱۔ راہن کو جو چیز رہن رکھنا ہے اُسے مرہن کے حوالے کر دے۔

۲۔ مرہن چیز جب تک مرہن کے قبضہ میں نہیں دی ہے وہ معاہدہ رہن فسخ کر سکتا ہے۔

۳۔ مرہن چیز کو مرہن کے قبضے میں دینے کے بعد راہن معاہدہ رہن کو بغیر مرہن کی رضامندی کے فسخ نہیں کر سکتا۔

۴۔ غفلت سے غنہ کفیل کو اس کے اطمینان کے لئے کوئی چیز بطور رہن دے سکتا ہے، وغیرہ کفیل بھی رہن کا معاہدہ کر سکتا ہے۔

۵۔ اگر دو آدمیوں نے مشترک طور پر ایک آدمی کو قرض دیا یعنی ایک آدمی دو آدمیوں کا مقروض ہوا تو وہ مقروض ایک ہی چیز دونوں قرضوں کے بدلے رہن رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ دونوں اس چیز کو مشترک طور پر رہن رکھ لیں۔ اسی طرح اگر مقروض دو ہوں اور ایک قرض دینے والا تو وہ دونوں مقروض بھی ایک مشترک چیز کو رہن میں دے سکتے ہیں اور قرض دینے والا اسے قبول کر سکتا ہے۔

۶۔ رہن کو شتمی مرہون تبدیل کرنے کا اختیار ہے۔ اگر اُسے ضرورت پڑ جائے تو وہ اس چیز کو واپس لے کر اس کے بدلے دوسری چیز مرہن کی رضامندی سے اس کے حوالے کر سکتا ہے۔

۷۔ دوران مدت رہن چیزیں کوئی اضافہ ہو یا منافع دیا تو وہ راہن کا ہونگا مثلاً باغ میں پھل آئے یا کھیت میں پیداوار ہوئی اور باغ یا کھیت رہن تھا، یا کوئی جانور رہن رکھا تھا اور اس نے بچہ دیا، یا مکان رہن رکھا تھا اس کا کرایہ وصول ہوا تو یہ سب اضافے راہن کے ہوں گے۔ محکم رہن کے پاس امانت رہیں گے جب مرہون چیز واپس ہوگی تو اس کے ساتھ یہ چیزیں بھی واپس

ہوں گی جو چیز ان میں جلد خراب ہو جانے والی ہو مثلاً پھل ان کو راہن فروخت کر کے قیمت اپنے پاس رکھ سکتا۔  
۸۔ مہر ہونہ چیز پر معاملہ ہونے والا نفع چونکہ راہن کا حق ہو نا ہر اس لئے اس کے بقا اور  
تحفظ پر جو کچھ خرچ کرنا پڑے وہ بھی راہن کے ذمے ہوگا۔ مثلاً جانور کے چارے کا خرچ یا چرواہے  
کی اجرت، اگر کھیت ہے تو اس کی لوائی، جتنائی اور سینچائی پر ہونے والا خرچ راہن کے ذمہ ہوگا۔  
پیداوار کا منافع مہر ہن کے پاس رہے گا، جب روپیہ ادا کر کے مہر ہونہ چیز چھڑائی جاتے تو یہ منافع  
بھی اس کو ملے گا، یہی حکم بارخ اور مکان کے منافع کا ہے۔

۹۔ راہن مہر ہن کی رضامندی کے بغیر مہر ہونہ چیز کو بیچ نہیں سکتا، اگر ایسا کیا تو بیع مہر ہن ہی  
رضامندی پر موقوف رہے گی۔

۱۰۔ راہن کی موت واقع ہو جائے تو رہن کا معاملہ فتح سمجھا جائے گا۔ اس کے ورثہ اگر بال ہیں تو  
ان پر ضروری ہے کہ وہ اس کے ترکہ سے قرض ادا کر کے مہر ہونہ چیز واپس لے لیں یا مہر ہونہ چیز  
کو بیچنے کی اجازت دیدیں۔

اگر ورثہ ابلاغ نہیں یا دور دراز مقام پر ہیں تو جو شخص اس کے ترکہ کا ذمہ دار ہو اس کو چاہئے  
کہ مہر ہونہ چیز کو بیچنے اور اس سے اپنا قرض وصول کھینے کی اجازت مہر ہن کو دیدے۔ دوسری  
صورت میں مہر ہن قانونی چارہ جوئی سے مہر ہونہ چیز کو بیچ کر اپنا قرض وصول کرنے کی اجازت  
حاصل کر سکتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ولی، وارث یا عدالت کی اجازت کے بغیر بیچنے کا حق نہیں ہے۔  
**مہر ہن کی ذمہ داریاں اور اس کے حقوق** ۱۔ مہر ہن تنہا اپنی مرضی سے رہن کا معاملہ فسخ  
کر سکتا ہے۔

۲۔ مہر ہن مہر ہونہ چیز کا امین بھی ہے اور محافظ بھی اس پر اور اس کے گھر کے اذ اور شہی مہر ہن کی حفاظت ضروری ہے۔

۳۔ اس دیکھ بھال اور حفاظت کے سلسلے میں اگر کچھ خرچ کرنا ہو تو اسے بھی مہر ہن برداشت  
کرے گا، مثلاً مہر ہن غلہ رہن رکھا تو اس کے لئے مکان کی ضرورت ہوگی یا جانور رہن رکھے تو علاج اور  
دیکھ بھال میں ہونے والا خرچ، لیکن اگر یہ خرچ مہر ہونہ چیز کی بقا یا منافع سے متعلق ہو تو وہ راہن کے  
ذمہ ہوگا مثلاً مہر ہونہ جانوروں کا چارہ۔ مہر ہونہ کھیت کی سینچائی، مہر ہونہ بھلوں کی نگرانی اس قسم کا  
خرچ راہن کے ذمہ ہوگا مہر ہن یا تو راہن سے لیتا ہے یا اپنے پاس سے خرچ کے بعد میں راہن سے وصول کر لے۔



۴۔ مرتہن مہونہ چیز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا مثلاً اگر مکان ہے تو اس میں نہ رہ سکتا ہے نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ مہونہ کھیت کی پیداوار نہیں کھا سکتا۔ مہونہ جانور اگر دودھ کا ہے تو اس کا دودھ نہیں پی سکتا ہے۔ اگر سواری کا ہے تو اس پر سوار نہیں ہو سکتا اگر بار برداری کا ہے تو اس پر سامان نہیں لاد سکتا۔ نقد روپیہ یا سونا چاندی رہن ہے تو اس سے تجارت یا کاروبار نہیں کر سکتا، ہاں اگر راہن سے کبھی چیز کے استعمال کی اجازت لے لی ہو اور بخوشی دے دی ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہوگی لیکن رہن لیتے وقت اس قسم کی کوئی شرط لگانا مکروہ اور بااجازت استعمال حرام ہے۔ نقصان کی صورت میں ٹاوان ادا کرنا پڑے گا۔

۵۔ راہن اگر ختمی مہونہ کی بقا اور نگہداشت کا خرچ مرتہن کو نہیں دیتا، تو مرتہن ایسا کیا ہو خرچ نفع سے محسوب کرے گا۔

مرتہن مہونہ چیز سے فائدہ اٹھانا عام ذہنیت یہ ہے کہ ختمی مہونہ جس کے پاس رہن ہوگی وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ درحقیقت کوئی بھی فائدہ اٹھایا گیا تو وہ سراسر سود ہوگا۔ سود کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز سے اس کا عوض دے بغیر فائدہ اٹھایا جائے۔ مہونہ چیز سے فائدہ اٹھانا مرتہن کے لئے سود ہے۔ رہن کے کھیت کا غلیا رہن کے بارے میں کچھ اگر مرتہن استعمال کرے گا تو راہن کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا بلکہ اتنا نقصان ہوتا ہے جس طرح سود خدانے ایک سو روپیے کا سود ایک ہزار تک وصول کر لیتا ہے اسی طرح یہ مرتہن ایک سو قرض دے کر مہونہ چیز سے کئی سو کا فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے استعمال کی اجازت اگر راہن مرتہن کو دینا ہے تو یہ محض مجبوری کی اجازت ہے جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

۶۔ رہن کے زلمے میں منشاء مہونہ پر جو فائدہ حاصل ہو گیا اس میں بیشی ہوگی وہ یکیت راہن کی ہوگی مگر اس پر قبضہ مرتہن کا رہے گا یعنی اسے بھی مہونہ نصیب کیا جائے گا اور جب مہونہ چیز کی واپسی کا وقت آئے گا تو یہ زیادہ حاصل شدہ چیز بھی واپس کر دی جائے گی۔

۷۔ اگر راہن کچھ روپیہ ادا کرے اور کچھ باقی رکھے تو جب تک پورا روپیہ ادا نہ ہو جائے۔ مرتہن کو چیز واپس نہ کرنے کا اختیار ہے۔

۹۔ شے مہونہ میں دوران رہن اگر کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مرتہن پر ہوگی۔

اور راہن کو اختیار ہو گا کہ قرض ادا کرتے وقت بقدر نقصان روپیہ وضع کرے۔

۱۰۔ راہن اگر شی مر ہو نہ کو مرہن کی اجازت سے کسی دوسرے کے یہاں رہن رکھنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ اس صورت میں پسلا رہن باطل ہو جائے گا۔

۱۱۔ مرہن مٹی مر ہو نہ کو راہن کی اجازت اور مٹی کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر بغیر اجازت ایسا واقعہ ہو گیا تو اسے دباؤں میں سے ایکسپاٹ کرنا ہوگی۔ یا تو بیع کو منسوخ کرے یا راہن سے بیع کی اجازت حاصل کرے۔

۱۲۔ اگر رہن کی مدت ختم ہو جائے اور راہن رقم ادا کر کے اپنی چیز واپس نہ لے تو مرہن کو بیع یا اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہو گا اور جہاں اسلامی عدالت ہو، وہاں قاضی سے اجازت لے کر فروخت کرے گا۔

۱۳۔ اگر راہن موجود نہ ہو تو مرہن کو حکومت کی اجازت لینا پڑے گی بغیر اس کے وہ بیع نہیں کر سکتا۔ ۱۴۔ مرہن کی موت واقع ہو جائے تو اس کے ورثہ قائم مقام مرہن ہوں گے۔

رہن سے متعلق متفرق مسائل (۱) مشترک چیز کو رہن نہیں رکھا جاسکتا جب تک اس کی تقیم نہ ہو جائے۔

۲۔ بان کا پھل جو درخت پر موجود ہے یا کھیتی جو کھیت میں لگی ہے، ان کا رہن کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح محض درخت کا رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر درخت رہن کرنا ہے تو اس کی زمین بھی رہن ہونا چاہئے۔

۳۔ اسی طرح درخت کو بغیر پھل کے اور زمین کو بغیر کھیتی کے رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ چیزیں خود بخود رہن میں داخل ہوں گی۔ اس لئے ان کا طیلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

۴۔ امانت، عاریت، مضاربت اور شرکت کی چیزوں کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح درک یعنی استحقاق کے خوف سے رہن رکھنا جائز نہیں مثلاً فروخت کر لے والے کوئی چیز فروخت کی اور خریدنے والے نے قیمت ادا کر کے اس کو خرید لیا، پھر اُسے یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے، اس چیز کا مستحق کوئی اور نہ ہو جائے اور اس بنا پر وہ بالئ سے کوئی چیز رہن رکھنے کو کہتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے قیمت وصول کی جاسکے۔ یہ درک ہے، درک کی بنا پر کفالت تو ہو سکتی

ہے لیکن رہن ناجائز ہے۔

## امانت

انسان کو کبھی نہ کبھی ایسا موقع پیش آجائے کہ اسے اپنی چیز یا روپے پیسے کی حفاظت کے لئے دوسروں کی مدد درکار ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ جب اس سے مدد مانگی جائے تو وہ درپیش نہ کرے بلکہ خندہ پیشانی سے اس تکلیف کو گوارا کر لے کیونکہ ایسی ضرورت کبھی اس کو بھی پڑ سکتی ہے۔ شریعت میں اسے امانت اور ودیعت کہتے ہیں۔ دونوں میں تقوٰی اصطلاحی فرق ہے۔ ودیعت میں قصد و ارادہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ امانت قصد و ارادے کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور بغیر قصد و ارادے کے بھی۔ مثلاً: آپ راستے میں کوئی چیز بڑی پائیں تو یہ چیز آپ کے ہاتھ میں امانت ہوگی، اس کو ودیعت نہیں کہیں گے لیکن اگر ایسی ہی چیز کوئی آپ کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھوائے تو اسے ودیعت بھی کہہ سکتے ہیں، اور امانت بھی۔

غرض یہ کہ ہر ودیعت کو امانت کہہ سکتے ہیں مگر ہر امانت کو ودیعت نہیں کہہ سکتے ہیں۔ قرآن میں ودیعت اور امانت دونوں کے لئے امانت ہی کا جات لفظ استعمال ہوا ہے۔ حدیث میں دونوں لفظ ایک دوسرے کے مفہوم میں متعمل ہوتے ہیں۔ فقہائے دونوں لفظوں کو عام طور پر علیحدہ علیحدہ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

امانت کے بارے میں قرآن حدیث ارشاد کے جیسا کہ ذکر ہو چکا کسی کی چیز اگر بغیر قصد و ارادہ بھی ہاتھ میں آجائے تو وہ امانت ہوگی۔ اسی طرح اگر

آپ کوئی چیز مستعار لائیں، گمراہے پر لیں، بطور رہن رکھیں یا اس چیز کا آپ کو ذمہ دار یا دلی بنادیا جائے تو ان تمام صورتوں میں آپ اس چیز یا رقم کے امن ہی کہہ جائیں گے۔ آپ کو اس کی حفاظت اسی طرح کرنا ہے جس طرح اپنی چیز کی کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ اپنی چیز کی حفاظت تو الماری یا صندوق میں بند کر کے کریں اور دوسری کی چیز کھلی جگہ رکھ دیں، یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ امانت کے معنی ہیں: مانوں و محفوظ ہونا۔ اگر محفوظ نہ ہوں تو یہ خیانت ہوگی۔

کسی یتیم کی جائداد یا لوازش کا مال آپ کی ذمہ داری میں رکھا جائے تو خلیک ٹیک اس کی دیکھ بھال

کرنا آپ پر لازم ہے تاکہ جس کا جو حق ہے وہ اُسے پہنچ سکے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو خیانت کے مرتکب مفسد ہوئے گئے۔ اللہ کا حکم ہے :

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُوْذِيَ الْكُفْرَانَ إِلَىٰ آهْلِهِمْ (نساء-۵۸)

”اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ انہوں کو ان کے مالکوں اور حق داروں تک پہنچا دو۔“

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے : وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ (مومنوں) مومن وہ ہیں جو اپنے ذمے لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف خیانت کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ فرمایا : إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ۔ خدا تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

یہودیوں کے پاس میں فرمایا کہ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ اگر ایک خزانہ ان کے پاس امانت رکھ دیا تو وہ واپس کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ ایک دینار بھی ان کے پاس رکھ دو تو جب تک سرورِ کرم نہ ہو وہ واپس نہیں کر دیں گے۔ قرآن پاک نے امانت دہی مومن کی خصوصیت بتائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ۔ جس میں امانت داری نہیں اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ آپ نے خیانت کو منافق کی نشانی فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ منافق کی پہچان تین باتوں سے ہوتی ہے، ایک یہ کہ ”اذا ائتممت خانت“۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، آپ نے ہدایت فرمادی ہے کہ ”اِذَا اَلَمَّا نَفَقَ اِلَىٰ مِنَ الْاَيْمْنِ نَكَتَ وَلَا تَعْلَمُ مَنْ خَانَكَ“ جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور اگر تمہاری خیانت کوئی کر بھی لے تو تم اس کی خیانت نہ کرنے لگو۔ یعنی اگر خائن آدمی بھی تمہارے پاس کوئی امانت رکھے تو تم اُس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو، اگر اس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو اس کی یہ بات تمہیں اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے نہ روکے۔

امانت ایک اخلاقی فرض ہے، خلوص، ہمدردی اور حسن سلوک کا نام ہے۔ امانت کا حکم حقانہ کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ امانت رکھے۔ اگر کسی اتفاقی حادثے سے امانت ضائع ہو جائے تو امین پر اس کا ٹاٹاٹن عائد نہیں ہوگا، ٹاٹاٹن اسی صورت میں دینا پڑے گا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قصداً اُس سے غفلت برتی گئی اور اسے ضائع ہونے دیا گیا۔ مثلاً کہ

ظہور برائے میں پڑی چیز اس خیال سے اٹھالی کہ اس کے مالک کو پہنچائی جائے تو یہ چیز امانت ہوگی۔ اگر وہ جانتا تھا کہ یہ غلام شخص کی ہے، اب اگر وہ اتفاقی حادثے میں ضائع ہو جائے، تو اس پر کوئی عذر داری نہ ہوگی، لیکن اگر وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ چیز غلام شخص کی ہے تو یہ چیز نقطہ کھلائیگی۔

**نقطہ کا حکم** کسی نے کوئی پڑی ہوئی چیز پائی جس کے مالک کا علم نہیں تو وہ نقطہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے پاس امانت رکھ کر اعلان کرے کہ غلام جگہ پائی ہے جس کی عذر داری ہے۔ یہ اعلان برابر کرتا رہے۔ اگر ایک سال تک کوئی مالک نہ ملے تو بیت المال میں جمع کر دے۔ اگر مالک مل جائے تو فوراً اس کے حوالے کر دے، اگر ضائع کر دیا تو تاواضع دینا پڑے گا، اگر یہ کہ وہ قسم کھائے کہ میں نے قصداً ضائع نہیں کیا ہے۔ قسم لینے کے بعد تاواضع نہیں لگایا جائے گا۔

اگر اسلامی بیت المال نہ ہو جس میں جمع کیا جاسکے تو صدقہ کر دینا چاہئے، اپنے استعمال میں نہ لانا چاہئے، اگر وہ خود مفلس و حاجت مند ہے تو استعمال کر سکتا ہے۔

اگر ایک شخص کسی ادارے یا دفتر میں کسی کام پر مامور ہے امانت کا دائرہ کتنا وسیع ہے تو جتنی چیزیں اس کے چارج (قبضہ) میں دی گئی ہوں

مثلاً قلم، کاندہ، قلم، دوات، چھرا سی دیگر ہر سب اس کے ہاتھ میں امانت ہیں، انہیں اپنے ذاتی استعمال میں لانا نہیں چاہئے۔ اسی طرح جس وقت کی وہ تنخواہ پاتا ہے اس وقت میں اپنا ذاتی کام نہ کرنا چاہئے۔ جو وقت کام کے لئے مقرر ہے وہ ایک امانت ہے، اگر اپنا ذاتی کام کرے گا تو یہ خیانت ہوگی جس کا کاتاوان بھی لیا جاسکتا ہے۔ موقوفہ کام کرنے کے بجائے گپ لڑانا، تفریح کرنا یا وقت گزاری کرنا یہ سب وقت کی امانت میں خیانت ہے، اگر امانت کی اس ذمہ داری کو حکومت یا کسی ادارے کے کارکن اور ملازمین محسوس کر لیا کریں تو کم وقت میں زیادہ کام ہو۔ ہزاروں روپے کی بچت ہو مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاقی تقورات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

اور بیان کیا جا چکا ہے کہ امانت اور ودیعت دونوں لفظ بمعنی بھی ہیں ودیعت کی تعریف اور الگ مفہوم و حکم بھی رکھتے ہیں۔ ودیعت کی تعریف شریعت میں

یہ لکھی ہے: "إِحَالَةُ الْمَالِ عَلَى مَخَافَةِ مَا يَلِيهِ لِأَخْسَر" (اپنی کسی چیز یا مال کو حققت کی غرض سے دوسرے کے حوالے کرنا) مقصد یہ ہے کہ جو چیز ودیعت رکھی جائے وہ ودیعت رکھنے

والے کی ملک بھی ہو اور اپنے قصہ دارادے سے وہ کسی کے سپرد کر دے تب ودیعت کا رکھنا صحیح ہوگا۔  
**ودیعت کا حکم** جس کے پاس امانت و ودیعت رکھی جا رہی ہے، اگر وہ اس کو منظور کر لے تو  
 گویا دونوں میں معاہدہ ہو گیا کہ جب تک بھی وہ چیز اس کے پاس رکھی ہے۔  
 اس کی حفاظت اپنے مال کی طرح واجب ہوئی، اگر حفاظت میں کوتاہی کی اور وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس  
 کا تادان دینا پڑے گا۔

بچنے دن کے لئے وہ چیز امانت رکھوائی تھی اگر وہ دن گزر  
 معاہدہ و ودیعت ختم ہونے کی مدت جاتی یا امین اور مستودع (ودیعت رکھنے والے) میں  
 سے کوئی معاہدہ نسخ کر دے تو معاہدہ و ودیعت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں کو معاہدہ نسخ کر دینے کا ہر وقت  
 اختیار ہے۔

ودیعت یا امانت رکھنے کے عمل کو ایذاح۔ ودیعت رکھنے والے کو  
 چند شرعی اصطلاحیں مستودع یا مستودع اور جوامانت رکھ لے اسے امین یا  
 مستودع کہتے ہیں۔ (دال کو ذرا اور زیر کے ساتھ پڑھنے سے معنی بدلتے ہیں)

**ودیعت رکھنے کے طریقے** ایک طریقہ یہ ہے کہ مستودع صراحتہً کسی سے کہے کہ میرا یہ مال امانت  
 رکھ لیجئے اور دوسرا یہ کہہ دے، تو وہ امین بن گیا۔ دوسرا طریقہ  
 یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی کی دکان پر اپنی کوئی چیز رکھ دی، دکان دار نے رکھتے ہوئے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں  
 یا ایک شخص دوسرے شخص کے پاس پلیٹ فارم پر باریل اور بسس میں اپنا سامان رکھ کر یہ کہتے ہوئے  
 چلو گیا کہ ذرا میرا سامان دیکھتے رہیے گا اور دوسرا شخص کچھ بولا نہیں تو وہ چیز اس کی امانت میں آگئی جس  
 کی نگرانی اس پر لازم ہوگی، اگر اس نے نگرانی چھوڑ دی اور چیز چوری ہو گئی تو مستودع (سپرد کرنے والا)  
 تادان دینے کا حق رکھتا ہے۔ البتہ اگر دکاندار لے دکان پر سامان رکھنے سے منع کر دیا تھا یا "سیسرا  
 سامان دیکھتے رہئے گا" کے جواب میں اسی وقت یہ کہہ دیا تھا کہ میں دیکھ نہیں سکتا۔ تو اس پر کوئی  
 ذمہ داری نہیں۔

**ودیعت کیلئے شرطیں** ۱۔ وہی چیز بطور امانت رکھی جاسکے گی جس پر امین کا قبضہ ہو سکے، ہوا کے  
 پرندے، سلاب کی مچھلیاں یا کسی دوسرے شخص کے قبضے میں موجود شئی کو

امانت میں رکھنا صحیح نہیں ہے خواہ امین خاموش ہو جائے یا قبول کرے۔

۲۔ مودع اور امین دونوں کا مقل (یعنی عجب وار) ہونا ضروری ہے۔ ناجائز چٹے اور پائگل نہ کوئی چیز امانت رکھ سکے ہیں نہ رکھا سکتے ہیں۔

۳۔ درایت کی مدت میں اگر چیز سے کوئی فائدہ حاصل ہو تو وہ مودع کا ہوگا، شتو جانور و درایت میں رکھا، اگر اس نے بچو دیا یا اس کا اڈن کاٹا گیا یا دودھ دیا تو یہ سب مودع کا ہوگا، امین اگر بغیر اجازت ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا تو خیانت کا گناہ گار ہوگا اور تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

۱۔ امانت کی چیز کی حفاظت اپنی ذاتی چیز کی حفاظت کی طرح کرنا امین کی ذمہ داریاں چاہئے۔

۲۔ یہ حفاظت یا تو وہ خود کرے یا اگر کے ان افراد سے کر لے جن سے خونی یا دائمی رشتہ ہے اور وہ خائن بھی نہیں ہیں، مگر میں آئے جانے والے نوکر کو بھی حفاظت کا ذمہ داریاں جاسکتا ہے بشرطیکہ خیانت کا اندیشہ نہ ہو، اگر امانت ضائع ہو جائے گی تو تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ امین اگر امانت کو کسی غیر شخص کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو ایسا کزناد و صورتوں میں جائز ہے، (۱) امین نے مودع سے دوسرے شخص کی حفاظت میں دینے کی اجازت لے لی ہو یا (۲) وہ ایسا آدمی ہو جس کے یہاں خود اپنی چیزیں رکھ دیا کرتا ہو، ان دو صورتوں کے علاوہ اگر کسی دوسرے کے پاس چیز رکھی اور وہ ضائع ہو گئی، تو امین اول کو ہی تاوان دینا پڑے گا جبکہ ان دو صورتوں میں تاوان نہیں دینا پڑے گا۔ ۴۔ امانت رکھی ہوئی چیز کو امین نہ اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور نہ اسے اپنی چیز میں لاسکتا ہے۔

ایسا کرنا اسی وقت جائز ہوگا، اگر مودع اس کی اجازت دیدے۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے ۱۰ روپے امانت رکھوائے تو امین پر لازم ہے کہ بوقت واپسی وہی روپے لوٹا دے۔ اگر امین نے اس روپے کو اس خیال سے خرچ کر دیا یا تجارت میں لگا دیا کہ جب واپسی کا وقت آئے گا، اپنے روپوں میں سے سو روپے دے دے گا۔ ذیہ امانت میں خیانت ہوگی۔ امین گنہگار ہوگا۔ اسی طرح اگر کپڑا، زیور یا جوتا امانت رکھا تو اس کا پہننا گناہ ہے۔ امانت رکھوائی کو کسی چیز، پنگ یا برتن کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر مودع اجازت دیدے تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے :

۵۔ جہاں امین کو امانت سپرد کی گئی ہو اس کی واپسی اسی جگہ ہونا ضروری ہے، مودع اس کو دوسری جگہ کیلئے

مجبور نہیں کر سکتا۔ کسی نے کوئی چیز امانت میں رکھنے کے لئے اگر لکھنؤ میں دینی ہے تو دہلی میں اس کو مانگے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر امین نے کہہ دیا ہو کہ میں اسے دہلی میں رکھوں گا، تو پھر لکھنؤ میں مانگے کا حق نہیں ہے۔

۶۔ چند آدمیوں کو ایک چیز کا امین بنانا بھی صحیح ہے، اگر سب نے اقرار کر لیا تو سب اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ پور باری باری یا جس طرح بھی ممکن ہو امانت کی حفاظت کرنا ہوگی۔

**امانت کی نگرانی کی اجرت** امین کو اگر مامون شی کی دیکھ بھال کے لئے وقت یا محنت صرف کرنا پڑے تو کیا وہ اس کی اجرت لے سکتا

ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں اختلاف ہے کیونکہ بعض اجازت نہیں دیتے اور بعض کچھ شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں، مثلاً ایسا مال جسے چوروں سے بچانے کے لئے چوکیدار رکھنا پڑے یا اُسے رکھنے کے لئے بڑی جگہ کی ضرورت ہو، ان حالات میں امانت رکھنے والا اجرت لے سکتا ہے۔ بڑے گوداموں یا کوٹھ استوریج میں مال رکھوانا عام ہے۔ اس لئے حفاظت مال کی اجرت دینا بھی ضروری ہے اور شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے۔ مولا الاحکام کی یہ دفعہ اس رائے کی تائید کرتی ہے۔

إِذَا أَدَّعَى رَجُلًا مَالَهُ عِنْدَ آخَرَ أَعْطَاهُ أُجْرَةً عَلَى حِفْظِهِ فَضَاعَ الْمَالُ بِسَبَبِ التَّحَرُّكِ مِنْهُ كَالسَّرِقَةِ يَلْزَمُ الْمُسْتَوْدِعُ الضَّمَانَ  
”اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس امانت رکھا اور اس امانت کی دیکھ بھال کی اجرت بھی ادا کی ایسی حالت میں اگر وہ مال کسی ایسے سبب سے ضائع ہو گیا جس سے بچانا ممکن تھا، مثلاً چوری ہو گیا تو اس کو تا وہاں دینا پڑے گا۔“

آج کل بینک اور ڈاک خانے میں روپیہ، زیور اور دوسری قیمتی چیزیں امانت رکھنے کا رواج ہے، ایسا کرنا جائز ہے مگر خود اس سے سود لے کر روپیہ وغیرہ جمع کھا حرام ہے، جس کی گہراحت پہلے کی جا چکی ہے۔

**امانت کے مال سے تجارت** حنفی فقہاء کی تعزیمات اس بارے میں نہیں ہیں لیکن صحابہ کے دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امانت کے روپے سے تجارت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ قیوموں کے دایوں کو ان کے مال سے تجارت کرنے کی ترغیب



اس لئے دیا کرتے تھے، کہ زکوٰۃ دیتے دیتے ان کا مال ختم نہ ہو جائے۔ ہایہ میں ہے کہ یقیناً القاضی اموال السیئہ امی“ (قاضی کو چاہئے کہ دو تئیموں کے مال کو قرض میں لگا دیا کرے تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا امانت کے روپ سے تجارت کرنے کا عمل تھا۔

یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مودع کی اجازت کے بغیر امانت کا روپیہ تجارت میں لگانا صحیح نہیں ہے اجازت ہونی چاہئے۔ اس صورت میں روپیہ امین کے ہاتھ میں امانت تو ہو گا ہی مگر اس کی ایک حیثیت مفاز کی بھی ہو جائے گی اور اس روپے سے تجارت کرنے میں جو نفع حاصل ہو گا، اس میں مودع شریک سمجھا جائے گا، اگر کسی یتیم کا دینی ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ وہ سارا نفع خود سمیٹ لے بلکہ اس میں یتیم کا حصہ بھی لگائے۔

تاوان کے دو اہل ہونے کی صورتیں ۱۔ امانت ضائع ہو جانے میں اگر امین کی غفلت یا تساہل کو دخل نہ ہو تو امین پر ضائع ہونے کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اُس نے اگر تعریض یا تعدی کی، یعنی حفاظت میں تساہل کیا یا مودع کی ہدایت کے خلاف قدم اٹھایا یا مودع کی اجازت کے بغیر استعمال کر یا تو ان تمام صورتوں میں اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ اسی طرح جیب اس نے امانت کو رکھنے کی اجرت لے لی تو اب اس پر تاوان واجب ہو گیا۔ تاوان واجب ہونے اور نہ ہونے کی چند صورتیں لکھی جا رہی ہیں:-

۱۔ امانت کے روپے یا چیز کو استعمال کیا، پھر وہ چیز خراب ہو گئی یا ٹوٹ گئی یا روپیہ چوری ہو گیا تو تاوان دینا پڑے گا کیوں کہ استعمال کرنے کے نتیجے میں جو نقص بھی آئے گا، اس کا تاوان دینا ہی پڑے گا۔ ہاں اگر اتفاق سے یا نادانستہ استعمال کر لیا لیکن پھر نہ امانت ہوئی اور اس کو حفاظت سے رکھ لیا، پھر نقصان ہوا تو اس پر تاوان نہیں ہو گا، کیونکہ نہ تعدی ہوئی، نہ تعریض۔

۲۔ جو چیز کس یا تجوری میں رکھنے کی ہے، اُسے بے احتیاطی سے باہر رکھ دیا اور وہ ضائع یا خراب ہو گئی تو تاوان دینا ہو گا لیکن اگر گھر میں کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے اور اپنی قیمتی چیزیں بھی لوں ہی رہتی ہیں،

۳۔ امام شافعی تیم کے مال میں زکوٰۃ کے قائل ہیں، بخلاف امام ابو حنیفہ کے جن کے نزدیک تیم کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

تو پھر نقصان کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

۳۔ اگر غلطی سے قفل کھلا رہ گیا اور اس وجہ سے امانت کا مال حقدار کے ہاتھ سے چوری ہو گیا یا اس کو چوہے نے کتر یا یا کوئی اور نقصان پہنچ گیا تو سب صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ لیکن اگر خریدار دکان داری کی اجازت سے شیشے کا گلاس اٹھا کر دیکھے اور اس دوران وہ ٹوٹ جاتے تو اس کو تاوان نہیں دینا پڑے گا لیکن اگر بغیر اجازت کوئی چیز اٹھا کر دیکھے گا اور وہ ٹوٹ جاتی یا خراب ہو جاتی تو تاوان دینا پڑے گا۔

۵۔ اگر مودع نے ایسی شرط لگائی جس کا پورا کرنا ممکن تھا لیکن امین نے اس کے خلاف کیا تو تاوان دینا ہوگا، ہاں اگر اس شرط کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر تاوان نہیں دینا پڑے گا۔ مثلاً اسس نے کہا کہ تمہارے علاوہ گھر کا دوسرا کوئی آدمی امانت کی نگرانی نہ کرے تو یہ شرط لغو ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی شخص ہر وقت چیز کی نگرانی کرتا رہے۔

۶۔ ناگہانی حادثے کے نتیجے میں اگر امانت کی چیز ضائع ہو جائے تو امین پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے مثلاً: گھر میں آگ لگ گئی، ڈاکو پڑ گیا یا سیلاب میں مکان گر گیا۔

۷۔ مودع کو یہ شرط لگانے کا حق ہے کہ میری امانت اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہ رکھی جائے اس صورت میں اگر غلات درزی کی اور نقصان ہو گیا تو اس کی ذمہ داری امین پر ہوگی لیکن اگر ناگہانی حادثے میں دوسری جگہ امانت منتقل کر دی تاکہ وہ محفوظ رہے اور پھر ضائع ہو گئی، تو اس پر تاوان نہیں ہے۔

**ودیعت کی واپسی کا اختیار** جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا، امین اور مودع دونوں میں سے ہر ایک کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ امانت کا معاہدہ جب چاہیں فسخ کر دیں۔ اسی طرح جب امانت کی مدت ختم ہو تو معاہدہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ دونوں صورتوں میں امین کو امانت فوراً مودع کے حوالے کر دینا چاہئے۔

دونوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے، اس صورت میں بھی معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔ پھر مودع کے قوت نہ کو امانت واپس لے لینا یا امین کے درجہ کو واپس کر لینا چاہئے۔ اگر انہیں پھر امانت رکھنا ہے تو دوسرا معاہدہ کرنا ہوگا۔

**ودیعت کی واپسی سے انکار** مودع کسی وقت اپنی امانت واپس مانگے یا امانت رکھنے کی مدت ختم ہو جانے پر اس کی واپسی کا مطالبہ کرے تو فوراً واپس کر دینا چاہئے لیکن اگر اس نے کہا "کل لے جانا" اور کل تک وہ چیز ضائع ہو گئی، تو اس کی دوسو تیس ہیں، اگر مودع خوشی سے واپس چلا گیا تھلہ یعنی ایک دن کے لئے مزید اس کو ایندنا کر لوٹ گیا تھا تو چیز کے ضائع ہوجانے پر تاوان نہیں ہے لیکن دوسری صورت میں اگر مودع این کے مال مٹوئی گئی وجہ سے ناراض ہو کر امانت کو ناخوشی سے اس کے پاس چھوڑ کر لوٹ گیا تھا تو گو امانت کی ذمہ داری سر محمول ہونے کے بعد بھی این نے امانت کو قبضہ میں رکھا جس کی اسے اجازت نہ تھی تو اسے تاوان دینا پڑے گا۔

اگر مودع نے کسی دوسرے آدمی کو بھیجا کہ غلط امانت غلط شخص سے لے آؤ تو این کو اختیار ہے کہ وہ اسے دے یا نہ دے۔ دینے کی صورت میں اگر وہ دوسرا آدمی خیانت کر جائے تو ذمہ داری این پر ہوگی۔

**امانت رکھتے اور لیتے وقت گواہ کی ضرورت** بہتر ہے کہ امانت دیتے اور لیتے وقت دو آدمیوں کو گواہ بنالیا جائے۔ ایسے مواقع پر شاہد بنانے کی تاکید قرآن میں آئی ہے "چنانچہ نا بھوں اور یموں کے مال کی حوالگی کے وقت یہ حکم دیا گیا ہے، فَإِذَا قَضَيْتُمُ الْقَرْضَ الْاِیْمَةَ فَامْتَحِنُوْهُ ۚ فَاسْتَعِیْذُوا بِاللّٰهِ ۚ (سورہ ۵۷) یعنی جب ان کا مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنالو۔"

**تختہ میر** اگر متوفی نے کوئی تحریر یا یہی کھانا ایسا چھوڑا جس میں لکھا ہے کہ غلط شخص کا اتنا روپیہ یا غلط چیز میرے یہاں امانت ہے تو اس کے ورثہ کو تحقیق کے بعد وہ مال یا چیز واپس کر دینا چاہیئے اگر ورنہ کو خود علم ہو تو تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے۔

**تاوان ادا کرنا** امین پر تاوان واجب ہونے کی صورت میں ان امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے: ۱۔ اگر امانت نقد رقم نہیں بلکہ کوئی جنس ہے، جیسے گھڑی، برتن، میز، کرسی وغیرہ تو اسی طرح کی چیز تاوان میں ادا کرنا ہوگی۔ اگر نقد رقم یا سونا، چاندی یا این سے بنے ہوئے زیور ہوں تو اتنی ہی نقد رقم یا اتنی ہی قیمت کا زیور یا اس کی قیمت دینا ہوگی، اسی طرح اگر جنس میں کوئی ایسی چیز ہے

جس کا ملنا دشوار ہے تو کم قیمت بھی دی جاسکتی ہے مثلاً ویسٹرن گھڑی امانت تھی اور وہ ضائع ہو گئی، تو ایسی ہی گھڑی منگوا کر دینا چاہئے، اگر وہ بازار میں نہ ملے تو پھر اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ قیمت وہی دی جائے گی جو نادان واجب ہونے کے دن تھی، خواہ وہ دیتے وقت کسستی ہو جائے یا مہنگی۔

## عاریت

کم لوگ ایسے ہیں جن کو ضروریات زندگی کی ہر چیز ہر وقت حاصل ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں گے جنہیں چیزیں وقتی طور پر دوسروں سے مانگنا پڑتی ہیں، اس مانگنے کو شریعت میں عاریت کہتے ہیں۔

جس طرح کفالت کرنا، قرض دینا، امانت رکھنا اسلامی معاشرہ کا اخلاقی فرض ہے، اسی طرح اگر کوئی حاجت مند وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی چیز مانگے تو معاشرہ کے افراد کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ چیز بغیر کسی عذر اور معاوضے کے فراہم کر دیں، اگرچہ قانوناً کسی کو عاریت دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، معمولی اور روزمرہ استعمال کی چیز تو بے تاثر دینا چاہیے۔ قرآن نے ان لوگوں کی ذمہ داری کی ہے جو ماعون کو دینے میں غل کر رہے ہیں، چنانچہ ایک سورہ کا نام ہی الماعون ہے۔ اس سورت میں جن باتوں پر تنبیہ کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے :-

قَوْلِ الْمَغْفُونِ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُزَادُونَ ۝ وَيَتَّبِعُونَ

الْمَغْفُونِ ۝

(الماعون، آیت ۴ تا ۷)

خزانی ہوان لوگوں کی جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں، یہ لوگ صرف دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور روزمرہ کی برتنے والی معمولی چیزیں دینے میں تاثر کرتے ہیں۔

مقصود یہ کہ ایسی دکھاوے کی نماز سے کیا فائدہ جس سے نہ تودل میں خانی کی محبت پیدا ہو اور نہ مخلوق کی جس کو خالق سے محبت ہوگی وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرے گا۔ اس محبت کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی مخلوق کی ضرورت بے تاثر پوری کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہؓ نے چیز ماریتہ کی بھی ہے اور دینی بھی ہے۔

ماعون۔ ماعون میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے دینے میں کوئی بڑا نقصان یا حرج نہ ہو، مثلاً

کسی کے یہاں بہانہ آگئے۔ آپ سے چار پائی بالستر یا کھانا کھلانے کے لئے برتن مانگے، اسی طرح نمک دیا سلائی، چھری یا صابن پڑھنے کے لئے کتاب، پانی نکالنے کیلئے دیتی اگر مانگی تو بے تکلف دیدینا چاہیے۔ صحابہ کو انہی چیزوں کی زندگی نہایت سادہ تھی، ان کا طرز عمل یہی تھا، ان کے درمیان ماعون میں، جو چیزیں بنیادی جاتی تھیں ان میں سوئی، تاکا، ڈول رسی وغیرہ سب شامل تھے۔

کسی کو اپنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت بغیر معاوضہ دیدینا شریعت میں عاریت کی تعریف عاریت کہلاتا ہے۔ اس فعل کو اعادہ، عاریت مانگنے کو استعارہ، عاریت دینے والے کو میسر، عاریت لینے والے کو مستعیر اور جو چیز عاریت لی جاتے اسے مستعار کہتے ہیں۔

۱۔ پڑوسی یا دوسرے کسی آدمی سے کہا گیا کہ آپ دو دن کے لئے مجھے ایک چنگ عاریت کا حکم یا کسی دے دیجئے اور اس نے وہ چیز دے دی تو یہ عاریت ہوگی۔

۲۔ یہ مستعار چیز جب تک مستعیر کے یہاں رہے گی وہ امانت ہے ضمانت ہوگی یعنی اس کی حفاظت مستعیر پر اسی طرح لازم ہوگی جس طرح امانت کی۔ لیکن اگر اتفاق سے ٹوٹ پھوٹ گئی تو اس پر تادان عائد نہ ہوگا۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر ایسی چیزیں ہیں جن کا نقصان ہر شخص دیکھ سکتا ہے مثلاً جانور اور بڑی بڑی چیزیں تو مستعیر پر ضمانت ہوگی۔ امام شافعیؒ کے رائے میں قبضہ کے بعد مستعار چیز میں کسی طرح کا بھی نقصان ہوگا تو مستعیر ضامن قرار دیا جائے گا خواہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ کیونکہ حدیث نوری ہے ۳۔ عاریتہ مضمونۃ۔

۳۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اگر قصدِ اجتناب کو خراب کر دیا یا توڑ دیا یا غلط طریقے سے استعمال کیا اور وہ چیز خراب ہو گئی تو مستعیر کو تادان دینا پڑے گا۔ مثال کے طور پر مستعاری گئی چار پائی پر اتنے زیادہ آدمی بٹھارے کہ وہ ٹوٹ گئی۔ مستعار سائیکل کو ایسے خراب راستے پر چلایا کہ ٹوٹ پھٹ گیا۔ مستعار صحنی کی بیسٹ چھوٹے پتھر کے ہاتھ میں دیدی اور وہ ٹوٹ گئی۔ فرش یا داری پر دیا سلائی کی جلیق ہوئی سیلی یا سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا اڑا لیا اور فرش جل گیا تو اس کا تادان نقصان کے بقدر دینا پڑے گا لیکن اگر اتفاقاً فرسشن پر اکالڈن ٹوٹ گیا یا گلاس ہاتھ سے اتفاق سے یا پیر پھسل جانے سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا، ایسی صورت میں تادان نہیں ہے۔ غرض یہ کہ غلط استعمال سے یا قصدِ ارادے سے جو چیز خراب کی جائے گی تو اس کا تادان لیا جائے گا۔

۳۔ جتنے دن یا وقت کے لئے عاریت لی ہے اس کے بعد فوراً واپس کر دینا چاہئے، اگر دیر کی اور وہ چیز غائب ہو گئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو نقصان کی قیمت دینا ہوگی۔

۵۔ مستعار چیز کو اپنے ہی استعمال میں لانا چاہئے۔ بالکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نہ دینا چاہئے، اگر مالک کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے کو دی تو یہ گناہ بھی ہے اور نقصان ہو جانے کی صورت میں، معاوضہ بھی دینا ہوگا۔

۶۔ اگر میر نے اپنے طور پر کوئی قید نہ لگائی ہو کہ عاریت دی گئی چیز کو کس وقت تک کس جگہ پر اور کس طریقے پر استعمال کیا جائے تو مستعیر کو اختیار ہوگا کہ وہ جس وقت تک چاہے جس جگہ چاہے اور جس طرح چاہے پوری احتیاط کے ساتھ استعمال کرے، اب اگر ایسا نہ کوئی نقصان اس چیز کو ہو جائے تو مستعیر سے اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر بے احتیاطی سے یا جس طرح وہ چیز عام طور پر استعمال کی جاتی ہے اس کے خلاف استعمال کرنے سے نقصان پہنچا تو اجازت کے باوجود تاوان دینا پڑے گا۔ مثلاً سائیکل یا موٹر عاریت لی اور اسے بے احتیاطی سے چلایا کہ وہ ٹکرائی اور نقصان ہو گیا یا کسی دوسرے کو چوٹ لگ گئی، یا کوئی مالی نقصان پہنچ گیا تو نقصان کا تاوان مستعیر کو دینا ہوگا۔ یہ پادار کو ہنگام پر پکھانے کے بجائے بطور ذخیرہ استعمال کیا اور اس پر زیادہ تر لگا کر اس کی قیمت گھٹ گئی تو اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی اور تاوان دینا پڑے گا۔

اسی طرح مستعار چیز کسی دوسرے کو برتنے اور استعمال کرنے کو دینا۔ اگر میر نے اس سے منع نہ کیا ہو تو ایسی چیزیں دے دینے میں ہرج ہینس ہے جیسا کہ اگر دوسرے استعمال کریں تو چیزوں میں کوئی فرق نہ آ سکے جیسے مکان، برتن، گلاس، چمچے، تخت وغیرہ، لیکن ایسی چیز جس میں دوسرے کے استعمال سے فرق آ سکتا ہو، دینا جائز نہیں، مثلاً، گھڑی، منادیل، بین، موٹر سائیکل یا کوئی بھی سواری، کپڑا، اجوتہ، چتر وغیرہ، یہ چیزیں دوسروں کے پاس یا کہ خراب ہو سکتی ہیں، اس لئے دینا چاہئے۔ بلکہ خود ہی استعمال کرنا چاہئے، اگر دینے کے بعد خراب ہو گئی یا گم ہو گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ میر کی ہدایت کے خلاف استعمال کرے گا تو مستعیر کو نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

۸۔ کبھی عورت سے ایسی چیز مستعار مانگی جو اس کے شوہر کی ہے اور عورت نے شوہر سے پوچھے بغیر دیدی تو اگر وہ ایسی چیز ہے جو عموماً عورت ہی کے قبضے میں رہتی ہے جیسے گئی، تیل، نمک، شکر، برتن

زیرِ پانڈ وغیرہ اور وہ دی ہوئی چیز اتفاقاً ضائع ہو گئی تو نہ مستیغیر پر اور نہ عورت پر اس کا تاوان ڈالا جائے گا لیکن اگر ایسی چیز جس کا عورت سے تعلق نہیں ہو تا مثلاً جانور، مردانہ مکان کا فرنیچر یا سواری کی چیز تو ان کے ضائع ہونے کی صورت میں شوہر یعنی مالک کو اختیار ہو گا کہ وہ تاوان لے مستیغیر سے یا عورت سے۔

اختیار میں مذکور ہو چکی ہیں۔ ہدایت کے ضمن میں ان کا بھی معیر و مستیغیر کیلئے ضروری ہدایات

امادہ کیا جاتا ہے :-

۱۔ میر جب چاہے اپنی دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ مستیغیر کو بلا فائدہ واپس کر دینا چاہئے اگر مذکور کیا اور وہ چیز ضائع یا خراب ہو گئی تو مستیغیر کو تاوان دینا ہو گا۔

۲۔ میر نے دودن میں چیز واپس کرنے کو کہا لیکن مستیغیر نے کہا کہ چار دن میں واپس کر دوں گا۔ میر غاموش ہو گیا تو یہ رفاقت کی دلیل نہیں ہے۔ دو ہی دن میں واپس کرنا چاہئے۔

۳۔ میر یا مستیغیر کی موت سے عاریت کا معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔

۴۔ میر اور مستیغیر کا عاقل اور کچھ دار ہونا ضروری ہے۔ ناکچھ پتوں یا پانگلوں سے عاریت لینا یا ان کو دینا صحیح نہیں ہے۔

۵۔ مستعار چیز پر مستیغیر کا قبضہ ہونا ضروری ہے۔

۶۔ کوئی متعین چیز ہی مستعار دی جا سکتی ہے، چند سائیکلیں ایک جگہ ہوں تو یہ نہ کہے کہ ان میں سے ایک لے لو بلکہ متعین کر کے کہے کہ فلاں سائیکل لے لیا جا زت دے کہ جو چاہو لے لو۔

۷۔ میر مستیغیر سے چیز کی اجرت یا اس کا کوئی بدل نہیں لے سکتا۔

۸۔ عاریت لینے کے وقت سے واپسی کے وقت تک اگر کوئی خرچ مستعار چیز پر کرنا پڑے تو مستیغیر کو برداشت کرنا ہو گا مثلاً سائیکل میں ہوا بھروانے یا پنکھر درست کرانے کا خرچ، جانور کے چلنے کا خرچ، مکان کی مرمت کا خرچ۔

۹۔ مستعار کو نہ تو مستیغیر جع سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے نہ کراسے روے سکتا ہے البتہ کسی دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے۔ اب اگر چیز اتفاقاً ضائع ہو جائے تو تاوان عاقل نہ ہو گا لیکن اگر مستیغیر کی یا اس کے امین کی غلطی سے ضائع ہوئی تو تاوان دینا ہو گا۔

۱۰۔ عاریت کی مدت ختم ہوتے ہی چیز واپس کر دینا چاہئے، اگر مدت گزرنے کے بعد نقصان ہوا

تو مستقیمہ بر ذریعہ داری ہے۔

۱۱۔ عاریت کی چیز مستقیمہ کو بذات خود اپنے یا مقبض آدمی کے ذریعے واپس کرنا چاہئے۔ اگر کسی غیبیہ آدمی کے ہاتھ بیگی اور خالی ہو گئی یا خراب ہو گئی تو مستقیمہ کو تاوان دینا ہوگا۔

۱۲۔ عاریت کی چیز لے جانے اور واپس کرنے میں اگر بار برداری کے معارف ہوئے تو مستقیمہ کو برداشت کرنا ہوں گے۔

۱۳۔ اگر باغ لگانے یا مکان بنانے کے لئے کوئی زمین جاری تہ تی تو میر جب چاہے خالی کر سکتا ہے البتہ اگر کوئی مدت متعین کر دی ہے تب بھی خالی کرانے کا اختیار ہے مگر قبل از وقت خالی کرانے سے جو نقصان مستقیمہ کو ہوگا اس کا معاوضہ معیر ادا کرے گا۔ مثلاً باغ لگانے کے لئے زمین دس برس کے واسطے دی لیکن معیر کو پانچ ہی برس میں زمین کو خالی کرانے کی ضرورت پیش آگئی تو مستقیمہ کو اپنے درخت کاٹ کر زمین خالی کر دینا چاہئے۔ اب رہا نقصان کا معاوضہ تو اگر دس برس باغ رہتا تو درختوں کی قیمت پانچ سو روپے ہوتی اور جس وقت خالی کر رہا ہے تو درختوں کی قیمت دو سو روپے ہے، اس طرح تین سو روپے نقصان کے معیر مستقیمہ کو دے گا، اگر معیر درخت بھی لینا چاہے اور مستقیمہ راضی ہو تو درختوں کی جو قیمت ہو وہ پوری ادا کرنا ہوگی۔

۱۴۔ اگر کسی کو کیت جوتنے کے لئے دیا تو مدت مقرر ہو یا نہ ہو، جب تک فصل یک نہ جائے، زمین کو خالی نہیں کر سکتا۔

## ہبہ اور ہدیہ

صدقہ۔ ہیر اور ہبہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کے طریقے ہیں جن کی تریف کتاب وصفت میں دوائی گئی ہے۔ صدقہ کا بیان زکوٰۃ کے ضمن میں آچکا ہے۔ ہیر اور عیلہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اے آپس میں ہدیہ اور عیلہ بیجا کرو“ اس سے محبت بڑھتی اور لوگوں کی کدورت دور ہوتی ہے (ترمذی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، اس کو قبول کر لینا چاہئے اسی طرح معمولی عیلہ دینے میں بھی شرم نہ کرنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ ”اگر کوئی مجھے گوشت کا ایک ٹکڑا یا کھیر بھی بھیجے تو میں بخوشی قبول کروں گا“ (مسند احمد و ترمذی)۔



ایک شخص جب کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ بھیجے یا ہدیہ کو بے یا مدد دے تو زبان سے کوئی ہدیہ کا بدلہ بات ایسی نہ کہنا چاہیے، نہ ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جس سے اس کا جتنا یا اس کا اظہار محسوس ہو۔ قرآن اور حدیث میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ قرآن میں ہے، "کو احسان دھرنے والے یا دیکھوا کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی تھی ہوا اور مٹی سی بارش سے دھل جاتے، ایسا شخص نہ تو خدا پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن جو لوگ رحمت الہی کے سایہ سے دور ہوں گے، ان میں احسان جتانے والا بھی شامل ہے۔ غرض کہ مدد اور ہدیہ دیتے وقت نمود و نمائش یا احسان کرنے کا اظہار قطعاً نہ ہونا چاہئے۔ البتہ جس کو مدد یا ہدیہ دیا گیا اگر وہ بھی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق اس کے بدلے کوئی تحفہ یا ہدیہ دے تو مستحسن ہے لیکن اگر وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا تو کم سے کم اس کی تعریف اور اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اگر یہ بھی نہیں کیا تو احسان نامشہوری اور کفرانِ نعمت کیا (ابوداؤد و ترمذی)

غیر مسلم کو ہدیہ دینا اور لینا جس طرح معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہے جب تک کہ حلال و حرام کے حدود سے تجاوز نہ ہو، اسی طرح ہدیہ دینے اور لینے میں بھی مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کا ہدیہ قبول فرمایا ہر قرآن میں ارشاد ہے :-

لَا تَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الْبَيْتِ لَكُمْ فَعَالِي كُنْتُمْ فِي الدِّينِ وَلَكُمْ فَعَالِي كُنْتُمْ فِي الدِّينِ وَبَارَكُ لَكُمْ فَعَالِي كُنْتُمْ فِي الدِّينِ وَبَارَكُ لَكُمْ فَعَالِي كُنْتُمْ فِي الدِّينِ (متحدہ نکتہ - ۸)

”اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ جن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں نہ تو طوائفی کی، نہ تم کو گھر سے نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

ہدیہ ہدیہ اور عاریت میں فرق عاریت میں دی گئی کوئی چیز نقد ہو یا جنس مشروط ہو ایسی ہوتی ہے، مستغیر ایک مقیم مدت کے لئے اس کا امین ہوتا ہے لیکن بطور ہدیہ، ہدیہ یا مدد جو چیز دی جاتی ہے، اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوتا۔ اس کی ایک منتقل ہو جاتی ہے اب اس کا واپس لینا گناہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

جو شخص ہمدیہ یا صدقہ دیکر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی ہے جو کھانے کے بعد تے کر کے اور دوبارہ اس کو نگل لے۔ اس لئے آدمی کو خوب سوچ بچ کر دینا چاہئے کہ نہ تو بعد میں ندامت ہو اور نہ واپسی کی ضرورت لیکن اگر واقعی واپسی کی ضرورت پیش ہی آجائے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے یعنی ہمدیہ نسخ کیا جاسکتا ہے، قانونی تفصیل آگے بیان کی جاتے گی۔

**ہمدیہ ہمدیہ اور صدقہ میں فرق** اس اعتبار سے کہ آدمی اپنی کسی چیز کا مالک دوسرے آدمی کو ہمدیہ ہمدیہ اور صدقہ کے ذریعہ بنا دیتا ہے اور پھر اس کی واپسی کا اختیار اس کو نہیں رہتا یہ حکم تینوں صورتوں میں یکساں ہے لیکن چونکہ ہر ایک میں دینے کا جذبہ الگ الگ ہوتا ہے، اس لئے تمیزاً اس فرق ہے گویتھے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

ہمدیہ کی تعریف کسی کی ہمت افزائی اور محبت کے جذبے سے کوئی چیز دینا۔

صدقہ کی تعریف کسی کو محض ثواب کی خاطر کوئی چیز دینا۔

ہمدیہ کی تعریف نیز کسی معاوضے کے اپنا کوئی مال دوسرے کی ملکیت میں دیدینا۔ نعت میں ہمدیہ کے معنی دینے کے ہیں۔

صدقہ اور ہمدیہ ہمدیہ کی ہی کی دو قسمیں ہیں؛ صدقہ میں محض ثواب کی نیت ہوتی ہے اور دوسرا کوئی جذبہ نہیں ہوتا اگر ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ صدقہ نہیں کہلائے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمدیہ اور ہمدیہ میں کوئی ثواب نہیں ملتا۔ اجر ہر نیکی کا ملنا ہے، ہمدیہ اور ہمدیہ خالصتہً نذر ہو تو ان کا ثواب بھی ملے گا۔

**ہمدیہ کی اصطلاحات** ہمدیہ کرنے والے کو دہاب اور جس کو ہمدیہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہمدیہ کی جائے اُسے موہوب کہتے ہیں۔

۱۔ ہمدیہ کے لئے ایجاب و قبول اور قبضے کا ہونا ضروری ہے یعنی واہب ہمدیہ کے ارکان و شرائط بہ رضا و رغبت کوئی چیز دے اور موہوب غرضی سے قبول کر کے اُسے اپنے تفرق میں لے لے تو ہمدیہ ہو گیا اور وہ چیز واہب کی ملکیت کے بجائے موہوب کی ملکیت ہو گئی۔

۲۔ ایجاب و قبول میں ہمدیہ کا لفظ صراحتہً کہنا ضروری نہیں بلکہ حسن لفظ یا جس طرز عمل سے دی جاتی چیز لینے والے کی ملکیت ہو جاتی ہے وہ ایجاب و قبول سمجھا جائے گا مثلاً کسی نے کہا کہ میں اپنی یہ کتاب آپ کو ہمدیہ کر رہا ہوں اور آپ نے شکریہ ادا کر کے لے لی تو کتاب ہمدیہ ہو گئی یا آپ نے خاموشی سے لے لی تو بھی وہ

آپ کی ملکیت میں آگئی یا اپنے کسی دوست سے کوئی چیز بطور ہبہ یا ہدیہ مانگی اور اس نے بخوشی دیدی تو وہ چیز ہبہ ہو گئی مگر حتی الامکان اس طرح مانگنا نہیں چاہئے۔ حاریثہ مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ کسی نے کپڑا خرید اور بیوی سے کہا کہ اس میں سے اپنے لئے ایک جوڑا بنالو، یا زید بنو یا بیوی سے کہا، اے بہن لو، یہ ہبہ ہو گیا اور پھر عورت کی ملک ہو گئی، اب کسی ناراضگی کے وقت واپس لینا کتنا ہے۔  
۴۔ واپس کا مائل و بالغ ہونا ضروری ہے، کوئی نابالغ بچہ اگر کوئی چیز ہبہ کر دے تو والدین یا مرقی واپس لے سکتے ہیں۔

۵۔ ہبہ میں واپس کی مضامین ضروری ہے اور ضمانت کے بغیر زبردستی ہبہ کرنا اور باقوال کرنا امر لا کر کے حرام لینا صحیح نہیں بلکہ گناہ ہے۔

۶۔ واپس نے کسی چیز کو واضح الفاظ میں ہبہ کیا، مثلاً، یہ گھڑی میں آپ کو دیتا ہوں، آپ اسے لیے بیٹھے اب مومہوب لا، اسی وقت لے لیے بالبعد میں لے دو توئی جاتر میں لیکن اگر ہم الفاظ میں کہا کہ، میں یہ گھڑی آپ کو دیتا چاہتا ہوں یا دوں گا۔ یہ نہیں کہا کہ لیے بیٹھے تو اگر مومہوب لا، اسی وقت گھڑی قبضہ میں لے لے تو وہ اس کی ہو گئی، لیکن اگر اس وقت نہ لے اور پھر کسی وقت لینا چاہے تو درست نہ ہوگا، جب تک دوبارہ واپس سے اجازت نہ لی ہو۔

۷۔ خریدار اپنے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو ہبہ کر دینے کا حق رکھتا ہے۔

۸۔ ہبہ یا ہدیہ کی ہوئی چیز کو قبضہ میں دیدینا ضروری ہے، اگر وہ چیز دوسرے کے قبضہ میں ہے تو وہ اس کو اس کے قبضہ سے نکال کر مومہوب لا کے حوالے کرنا چاہئے۔

۹۔ مالا جس کے قبضہ میں تھا اسی کو وہ ہبہ کر دیا، تو ہبہ ہو گیا، واپس پر لازم نہیں کہ دوبارہ قبضہ دلائے۔

۱۰۔ کسی نے اپنا قرض یا مطالبہ ہبہ کر دیا اور قرض یا مدیون نے اسے قبول کر لیا تو اب مطالبہ کا حق واپس کو نہیں رہا۔

۱۱۔ مومہوب یعنی جو چیز ہبہ کی گئی اس پر قبضہ سے پہلے واپس یا مومہوب لا کا انتقال ہو جاتے تو ہبہ باطل ہو جائے گا کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ یعنی مومہوب لا کے قبضہ سے پہلے شہ واد ہبہ ہی کی ملکیت رہے گی اور اس کی موت کے بعد ورثہ مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح مومہوب لا اگر فوت ہو گیا تو اب قبضہ

کون کرے گا۔

۱۲۔ نبالہ بچے ہمہ نہیں کر سکے، مگر ان کو ہمہ کیا جاسکتا ہے۔

اگر باپ دادا اپنے لڑکے یا پوتے کو کوئی چیز دیں اور کہیں کہ یہ میں نے تم کو دی تو دے دینے بچوں کو ہمہ سے وہ چیز اس کی ملک ہوگئی، اب واپس لینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی بھائی یا بہن اپنے چھوٹے بھائی بہن کو کوئی چیز دے دے تو وہ اس کی ملک ہوگئی۔ مثلاً اس کا پکڑا ہوا، اس کے لئے کتاب اور قلم خریدنا تو یہ چیزیں اس کی ہو گئیں لیکن اگر خاص بچے کو نہیں دیں یا یہ کہہ دیا کہ سب لوگ استعمال کریں تو پھر وہ کسی کی ملک نہیں ہوں گی۔

۱۳۔ چھوٹے ناچکے بچوں کو جو کچھ عیدی یا انعام کے نام سے لوگ دیا کرتے ہیں تو مقصود ان کے ماں باپ کو دینا ہوتا ہے، چونکہ حیرت رقم ہوتی ہے اس لئے بچے کے ہاں سے دی جاتی ہے، تو ایسی چیزیں بچوں کے والدین کی ملک سمجھی جاتی ہیں لیکن اگر کسی نے صراحت کے ساتھ یہ کہا کہ میں اس بچے کو ہی دے رہا ہوں تو اگر پھر کھدا رہے، اور اس سنا سے لے لیا تو چیز اس کی ملک ہوگئی اور اگر نا سمجھ ہے تو اس کے باپ دادا یا ماں بی کی قبضہ کافی ہے لیکن انھیں یہ حق نہیں ہے کہ اس چیز کو اپنے استعمال میں لائیں یا اُسے کسی دوسرے بچے کو دیں۔

۱۴۔ اگر اپنی اولاد کو کوئی چیز ہمہ کرنا ہو تو سب کو برابر دینا چاہئے یعنی لڑکے اور لڑکیوں کو یکساں۔ یہ مسلک تینوں اماموں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ رحمہم اللہ کا ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی رائے میں ہمہ بھی وراثت کی طرح ہونا چاہئے یعنی لڑکیوں کا ایک ایک اور لڑکوں کے دو دو حصے۔

۱۵۔ ہمہ میں مدت کا تعین صحیح نہیں مثلاً یہ کہ ایک ماہ یا ایک سال کے لئے ہمہ کرنا جائز ہے۔  
۱۶۔ واہب اگر ہمہ کرتے وقت کسی عوض یا عائدے کی شرط لگا دے تو یہ صحیح ہے، مثلاً یہ کہا کہ ”یہ مکان تمہیں دیتا ہوں“ اس شرط کے ساتھ کہ میں بھی اس میں رہوں گا، یا اس کے بدلے میں تم میرے افغان قرض ادا کر دو، یا ”مکان زمین اس شرط پر ہمہ کرتا ہوں کہ تم میرے کھانے پکڑے کے کفیل رہو“ تو یہ ہمہ درست ہے۔ اب اگر واہب اس شرط ہمہ سے رجوع کرنا چاہے تو اس کا حق نہیں ہے جب تک وہ شرط پوری ہوتی رہے، البتہ اگر شرط پوری نہ ہو تو رجوع کر سکتا ہے۔

۱۷۔ ہمہ کی جانے والی چیز کا موجود ہونا ضروری ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ ”اس کی مدت میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ ہمہ کرتا ہوں“ یا مانع میں جو پھل آئیں گے یا اس جانور سے جو بچے پیدا ہوں گے انھیں ہمہ کرتا ہوں۔“

۱۸۔ واپس جو چیز برہ کرے وہ اس کی اپنی ملکیت ہونا ضروری ہے، دوسرے کی چیز کسی کو دیدنا ناجائز ہوگا۔  
 ۱۹۔ موبہ یعنی جو چیز برہ کی جاتے اس کی تعیین ضروری ہے، چند گھریاں، چند سائیکلیں یا چند جانور ہیں، ان میں سے ایک گھری یا ایک سائیکل یا ایک جانور برہ کرنا ہو تو اسے تعیین کر کے برہ کرنا چاہئے، یہ کہنا کہ ایک لے لیجئے، صحیح نہیں ہے، البتہ یہ کہنا کہ ان میں سے جو پسند ہو لے لیجئے اور موبہ لے لے اسی وقت پسند کر کے لے لیا تو برہ صحیح ہوگا لیکن اگر اس وقت نہیں لیا تو پھر اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔

برہ کر چکنے کے بعد اس چیز کا واپس لینا گناہ ہے اور دیانت و اخلاق کے خلاف بھی۔  
**برہ اور ہدیہ کی واپسی** لیکن اگر موبہ لے لے ہی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ واپس کو کسی چیز کی شدید ضرورت پڑ جائے اور وہ موبہ اسے کہہ کر اس کو بھی نہ لیجئے تو گویا واپس نے برہ سے رجوع کر لیا مگر قبضہ کے بعد برہ سے واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو موبہ لے کر خوشی سے واپس کر دیے یا اس کی حالت اس برہ کو فسخ قرار دے بشرطیکہ کوئی دوسرا قانونی مانع موجود نہ ہو۔

**کن صورتوں میں ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی** اگر ایسے شخص کو ہبہ کیا ہے جس سے خونی رشتہ ہے اور نکاح حرام ہے تو واپسی کا حق نہیں ہے مثلاً ماں باپ، پھوپھا، پھوپھی، چچا، بھائی، بہن، بھانجے، بیٹے، پوتے، نواسے یا بیٹی پوتی نواسی داد اور دای وغیرہ اب اگر کسی نے اپنے رضاعی بھائی بہن اور ساس سسر کو ہبہ کیا ہے تو اخلافاً واپس لینا میموبہ ہے، مگر قانوناً واپس کرنا سکتا ہے، کیونکہ ان سے نکاح تو حرام ہے مگر خون کا رشتہ نہیں ہے۔

۲۔ اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو کوئی چیز برہ کی تو قبضے کے بعد پھر واپسی کا حق نہیں ہے۔  
 ۳۔ اگر ہبہ کی ہوئی چیز میں موبہ لے لے ایسا افادہ کر دیا جو اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا مثلاً ہڈی کی تھکی اس پر عمارت بنوالی یا درخت لگا دیئے، جانور ہبہ کیا تھا، اس کو کھلا یا کر خوب ضرر نہ کر دیا، گھروں، دھڑے، تھے انہیں پسوایا تو یہ تمام افادے اصل چیز سے جدا نہیں کئے جاسکتے، لہذا واپسی کا حق جائنا رہا۔  
 لیکن اگر ایسی زیادتی ہے جو اصل سے جدا ہے تو اصل چیز کی واپسی ہو سکتی ہے اور زیادتی موبہ لے لے ہوئی، مثلاً بکری یا گائے برہ کی تھی اس نے بچے دیدئے تو واپس اگر اپنی دی ہوئی چیز واپس لینا چاہا تو کھائے یا بکری واپس لے گئے، بچے موبہ لے گئے ہوں گے۔

(۴) اگر موبہ لے لے موبہ کو فروخت کر دیا تو اب واپسی کا سوال نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) اسی طرح اگر ہمد کی ہوئی چیز موہوب لے کے پاس ضائع ہو گئی تو بھی واجب واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔  
 (۶) اگر واجب یا موہوب لے کر جانے تو کسی کے ورثہ نہ واپس لے سکے ہیں، نہ دے سکے ہیں۔  
 ہدیہ و صدقہ کی واپسی جو احکام ہمد کی واپسی کے ہیں وہی صدقہ اور ہدیہ کے ہیں۔  
**ضروری ہوتا ہے** پہلے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ ہدیہ یا صدقہ دے کر واپس لینا اخلاقاً مذموم اور گناہ ہے اگر موہوب لے کر بخوشی واپس کر دے تب ہی جائز ہوگا لیکن اگر موہوب لے کر احمی نہ ہو تو کسی غیر قانونی یا غیر اخلاقی طریقے سے واپس لینے کی کوشش کرنا دوسرے گناہ کا سبب ہوگا۔ ایک موہوب لے کر ناراضہندی کا دوسرے غلط طریقے پر واپسی کی کوشش کا، الایہ کہ کسی شدید نقصان سے تحفظ کے پیش نظر اسلامی عدالت معاہدہ کو فسخ کر دے۔

## اجارہ

فقہی کتابوں میں کتاب الاجارہ کے نام سے تین قسم کی اجرتوں کا ذکر اور اس کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔  
 ۱۔ وہ اجرت جو کرایہ کی صورت میں دی جاتی یا لی جاتی ہے۔  
 ۲۔ وہ اجرت جو پیشہ ور لوگوں جیسے سنار، لوہار، درزی، برہمنی، دھوبی وغیرہ کو دی جاتی ہے۔  
 ۳۔ وہ اجرت جو لازم یا مزدور کی حیثیت سے کسی کو دی جاتی یا کسی سے لی جاتی ہے۔  
 تینوں قسم کے مسائل ایک ہی باب سے متعلق ہیں لیکن چونکہ ان کی ہیئت میں معمولی فرق ہے، اس لئے ہر قسم کی اجرتوں کو الگ الگ بیان کیا جا رہا ہے۔

اپنی چیز کو کرایہ پر دینا یا دوسرے آدمی کی چیز کو کرایہ پر لینا جائز ہے۔  
**کرایہ پر لینا یا دینا** (۱) یہ دو باتیں ملے ہو جانے کے بعد کہ اس چیز کا کرایہ کتنا ہوگا اور وہ کتنے عرصے یا کس کام کے لئے کرایہ پر لی جا رہی ہے، کرایہ کا انعقاد مل میں آئے گا۔ کسی سواری کو کرایہ پر لیتے وقت یہ مراحت بھی کرنا ہوگی کہ سوار ہونے کے لئے لی جا رہی ہے، یا سامان ڈھونے کے لئے اور یہ کہ اُسے کہاں تک یا کتنے میل لے جانے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

(۲) اگر کرایہ اور مدت وغیرہ ملے ہین کی تو معاملہ کرایہ کا نہیں رہا عاریت کا ہو اس لئے عاریت کی قسم لے

کے مطابق معاملہ کرنا چاہئے۔

(۳) اگر کسی کمرے یا مکان کا کرایہ دس روپیہ ماہوار ملے ہو اور مدت نہیں ملے کی گئی تو معاملہ مرت ایک مہینے کے لئے سمجھا جائے گا، دوسرے مہینے پھر سے معاملہ کرنا چاہئے اور مالک مکان ایک ماہ کے کرایہ دار سے مکان خالی کر سکتا ہے اور اگر مالک مکان دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو کوئی اعتراض نہیں کیا تو دوسرے مہینے بھی اسی کرایہ پر رہ سکتا ہے گویا ہر ماہ مالک مکان کرایہ بھی بڑھا سکتا ہے اور اسے خالی بھی کر سکتا ہے لیکن اگر کرایہ دار نے سال دو سال یا اس سے زیادہ مدت مقرر کر کے مکان کو کرایہ پر لیا ہے تو پھر اس مدت تک مالک مکان کو نہ تو کرایہ بڑھانے کا حق ہے اور نہ اسے نکالنے کا۔

(۴) اگر مکان یا مکان کرایہ پر لینے کے بعد اسے استعمال نہیں کیا، پھر بھی قبضے کے دن سے کرایہ دینا پڑے گا اور جتنے دی قبضے میں رکھے گا اتنے دن کا کرایہ دینا ہوگا۔

(۵) اگر موٹر، بس، سائیکل یا رکشا کرایہ پر لی تو اس پر اسٹنڈی آدمی سوار ہو سکتے ہیں جتنے عام طور پر سوار ہوتے ہیں، مثلاً درگشا، برو آدمی، لیکن اگر خود مالک زیادہ آدمیوں کو بٹھالے تو اسے حق ہے۔

(۶) مشترک چیز خواہ وہ مکان ہو یا مکان یا کچھ اور وہ کرایہ پر نہیں دی جاسکتی۔

(۷) مکان کی آرائش و زیبائش کے لئے کوئی چیز کرایہ پر لینا ناجائز ہے، البتہ اگر کسی کام کے لئے چیز کرایہ پر لی گئی ہو اور ضمناً اس سے آرائش و زیبائش بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۸۔ کتاب کرایہ پر لینا یا دینا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ یہ عام اقداس کی چیز ہے اس لئے اسے کرایہ پر لینا صحیح نہیں ہے۔ حفاظت کے خیال سے صرف ضمانت لی جاسکتی ہے۔ باقی قیمتوں امام کرایہ پر دینے اور لینے کی اجازت دیتے ہیں۔ موقت و محل کے لحاظ سے کسی ایک راستے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۹۔ گائے، بھینس یا بکری کو اس لئے کرایہ پر دینا کہ ان کا دودھ کرایہ دار استعمال کرے، درست نہیں ہے، اسی طرح درخت کرایہ پر دینا کہ جب پھل آئیں تو کرایہ دار کھائے، درست نہیں ہے۔ ادھیار جانور کرائے پر دینا کہ جب پتے ہوں گے تو آدھے آدھے بانٹ لیں گے یا انڈے برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ وجود میں آنے سے پہلے کسی چیز کی نہ تو خرید و فروخت جائز ہے اور نہ کرائے پر دینا، البتہ گائے بکری وغیرہ کی چروائی ملے کر کے اجرت پر دیا جاسکتا ہے۔

کرایہ کا معاملہ ختم کر دینا کسی چیز کو کرایہ پر لینے یا دینے کا معاملہ سادہ سے ملے پڑتا ہے۔ اس لئے اسے نیز کسی مجبوری یا غدر کے توڑنا چاہئے مثلاً کرایہ پر دینے کے بعد کوئی دوسرا شخص زیادہ کرایہ پر لینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو اصل کرایہ دار کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔  
۲۔ کہیں جانے کے لئے کرایہ پر رکشیا یا موٹر منگائی۔ پھر ارادہ بدل گیا۔ ایسی صورت میں اسے واپس کر سکتے ہیں لیکن اگر رکشا والے کا وقت ضائع ہوا ہے یا موٹر کی میل سے چل کر آئی ہے تو وقت کی ہجرت اور پیٹرول کی قیمت دینا چاہئے۔

۳۔ کرایہ دار یا مالک میں سے کوئی مرنے لگا تو کرایہ کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ وارثوں کو یا معاہدہ کرنا ہر پیشگی کرایہ اس شرط پر لینا جائز نہیں کہ اگر کرایہ پر دیا تو وہ پیشگی رقم ضبط کر لی جائے گی۔ یہ مالک کی طرف سے زیادتی ہے۔ اسلامی حکومت میں یہ بھی جائز نہیں ہو گا کہ ریل کا ٹکٹ خرید لینے کے بعد اگر اس کی واپسی کی جائے تو اس کی قیمت کم لوٹائی جاسے۔

**کرایہ کے بعض ضروری مسائل**  
(۱) مدت کرایہ داری ختم ہونے کے بعد مالک کو خود اس چیز کو قبضے پر لینا چاہئے جو کرایہ پر دی تھی۔ کرایہ دار پر حوالگی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (۲) واپس لینے وقت جو کچھ اس پر خرچ ہو گا وہ مالک کو دینا ہو گا، برخلات کرایہ پر دیتے وقت بچانے کا خرچ جس کا بار لینے والے پر ہے۔

۳۔ مکان یا مکان کرایہ پر لی لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا، تو یہ جائز ہے۔  
۴۔ جو مکان یا مکان کرایہ پر دینا ملے ہو جائے، اسے فوراً کرایہ دار کے حوالے کر دینا چاہئے۔  
۵۔ مکان یا مکان میں ایسا کوئی کام نہ کیا جائے گا جس سے اس میں خرابی یا کمزوری آنے کا احتمال ہو مثلاً اگر کرایہ دار نے مکان میں اٹلیاں مینے کی چکی لگائی یا مکان میں بھٹی لگائی۔ دونوں کاموں سے مکان اور مکان کے خراب اور کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے کاموں کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر مکان میں جانور رکھا ضروری ہو تو اگر وہاں عام رواج ہو تو رکھا جاسکتا ہے، ورنہ اجازت لینا ضروری ہو گا۔

۶۔ کرائے کی مکان کی درست، مرمت کی ہستی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کی ذمہ داری مالک مکان پر آتی تھی، انہیں پورا کرنا ضروری ہے لیکن اگر کرایہ دار نے مکان کو مرمت طلب اور نادرست حالت میں پیا یا



پھر بھی وہ اس میں رہنے پر راضی ہو گیا تو وہ مالک کو مرمت کمانے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا لیکن اگر کرائے پر لیتے وقت اچھی حالت میں تھا، اب خراب ہو گیا یا مالک نے کرایہ پر دیتے وقت کہا تھا کہ میں مرمت کراؤں گا تو دونوں صورتوں میں اسے مرمت کرانا ہوگی۔

۷۔ اگر کرایہ دار مکان میں اپنی آسانی کے لئے کوئی چیز جو اسے مالک مکان کی اجازت سے وہ یہ کام کرتا ہے تو اس کا خرچ مالک مکان سے لے سکتا ہے ورنہ اس کے تمام معارف کرایہ دار کو برداشت کرنا پڑیں گے۔

۸۔ اگر کرائے دار کرائے کی زمین میں کوئی درخت لگائے یا کوئی چیز اپنے خرچ سے جو اسے تو مکان کو چھوڑتے وقت مالک درخت کو کٹوا اور بنی ہوئی چیز کو ڈھوا سکتا ہے اور اس کو قیمت دیکر خرید بھی سکتا ہے مگر اگر دار مالک کو قیمت دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۹۔ مکان کرایہ پر لینے کے بعد اس کی صفائی اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کی ذمہ داری مالک مکان پر نہیں رہے گی۔

۱۰۔ اگر کرایہ دار مکان کو خراب یا بہت گندہ کر دے تو مالک مکان کو اسے الگ کر دینے کا اختیار ہے۔

۱۱۔ اگر ایسی چیز جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے مثلاً فریج، رتن یا کپڑا وغیرہ کرایہ پر لائی جاتے لیکن استعمال نہ کی جاتے تو بیٹھنے دنوں وہ کرایہ دار کے پاس رہے گی اس کا کرایہ دینا ہوگا لیکن اگر کرایہ کا معاملہ ہوگا اور چیز لاتی نہیں گئی تھی کہ اس کی ضرورت ختم ہو گئی۔ اس صورت میں کرایہ تو نہیں دینا پڑے گا، لیکن فوراً اطلاع دینا ضروری ہے۔

(۱۲) اگر کرایہ دار نے خاص اپنے استعمال کے لئے چیز کرایہ پر لی ہے تو کسی دوسرے کو کرایہ پر یا عاریتہ دینا صحیح نہیں۔

۱۳۔ اگر کوئی سواری اس شرط پر لی کی کہ فلاں مقام تک پہنچا دے۔ اب اگر راستے میں وہ خراب ہو جاتے یا بگڑ جاتے تو مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقام تک پہنچاتے جس کا وعدہ کر لیا ہے۔ اگر اس کی درستی میں دیر ہو رہی ہے اور سوار ہونے والے انتظار نہیں کر سکتے ہوں تو جتنی مسافت وہ طے کر چکے ہوں، اس کا کرایہ ادا کرنے کے بعد دوسری سواری سے جا سکتے ہیں اور اگر پورا کرایہ دہا دکر چکے ہیں تو باقی ماندہ مسافت کا کرایہ واپس لے کر دوسری سواری سے جا سکتے ہیں۔ اسلامی شریعت کی رو سے یہی طریقہ صحیح ہے۔

۱۴۔ جس جگہ کانٹک یا ہسیے یا جس جگہ کے لئے سواری طے کی ہے، اگر اس سے زیادہ جانے گا تو اس کا تادان دینا پڑے گا۔

۱۵۔ اگر کسی شہر میں دو یا دو سے زیادہ اسٹیشن ہوں تو ایک کی تعیین ضروری ہے کیونکہ اگر پہلے اسٹیشن کا ٹکٹ لیا ہے اور بعد والے اسٹیشن پر راترا تو تادان اس کو ایہ کے بقدر دینا ہو گا جو پہلے اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک کا ہے۔ مزید جرماد از روئے شریعت غلط ہے۔

**ریل اور دوسری سواریوں کے احکام** کفالت کے بیان میں ذکر کیا چکا ہے کہ ریلوے اور جہازوں کی کمپنیاں جس کو جہاں تک کانٹک دے دیتی ہیں وہ اسے بحفاظت دہاں تک پہنچانے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی سامان تک لیا جائے تو اسے لے جانے اور جیت تک وہ اس اسٹیشن تک نہیں پہنچ جائے گا۔ اس کے ٹوٹے بھوٹ اور نقصان کی بھی ذمہ دار ہوتی ہیں کیونکہ ان کی تہیت کیفیل باجرت کی ہوتی ہے، اس لئے جن ضرر آئے پر اجرت دی جاتی ہے وہ پوری کرنا پڑتی ہیں یعنی، باقی ایسی ہیں جن کا ذکر کیا جاتے یا نہ کیا جاتے ٹھکے پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ ریلوے سے مال جہاں بھیجا جاتا ہے وہاں کے ریلوے اسٹیشن پر مال اتارنے کی ذمہ داری ٹھکے ریل کی ہوگی۔ اسی طرح بعض ذمہ دار مال کے مالک کی ہوا کرتی ہیں خواہ ان کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے مثلاً جانور (گائے، بھینس، بکری اور مرغی وغیرہ) کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری جب وہ ریل یا جہاز پر ہوں یا ٹھکی اور انڈوں کو سرد رکھنے کا انتظام مالک کی ذمہ داری ہے اور ریلوے یا جہاز ران کمپنی پر نہیں ہے۔ فرض مال کو حفاظت و سلامتی کے ساتھ پہنچانا ٹھکے ریل کا فرض ہے اور مال کی بقا کی ذمہ داری مالک پر ہے۔

۶۔ جس قسم کا اور جس قدر سامان لے جانے کی اجازت ٹھکے ریل نے دی ہو، اس کے خلاف یا اس مقدار سے زیادہ لے جانا درست نہیں ہے۔ چوری سے ال زیادہ لانا خواہ وہ مال گاڑی کا ڈیہ ہو، یا ٹرک یا ٹیلی فون یا تھر ہے

**اجیروں کی قسمیں** جیسا کہ ذکر کیا جا چکا، اجرت تین طرح سے ادا کی جاتی ہے یا لے جاتی ہے، ایک کہ ایک کے ذریعے جس کا بیان ہو چکا، اب باقی دو قسموں کا ذکر کیا جائے۔

دوسروں کا کام کر کے غرضی کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنا کام تلاش کرنے

دوسروں کے پاس جاتے ہیں۔ مثلاً مزدور، گھریلو ملازم، دفتر یا کارخانے کے کلرک، جب انہیں کام ملتا ہے تو اُسے پورا کمرے کا کام لینے والے اپنی محنت کی مزدوری وصول کرتے ہیں۔ دوسرے وہ پیشہ ور لوگ جو کوئی ہنر جانتے ہیں، ایسے لوگ خود کسی کے پاس نہیں جاتے اور کسی خاص آدمی کے ملازم ہوتے ہیں بلکہ دوسرے لوگ ان کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے آتے ہیں۔ جیسے گھڑی ساز، موچی، درزی، لہار، سنار، رنگر، نیر یا انہیں بلا کر اپنی ضرورت پوری کراتے ہیں۔ مثلاً کبلی، حجام، بھنستی، دھوبی، بہتر وغیرہ پہلی قسم کے لوگوں کو اجیر خواص اور دوسری قسم کے لوگوں کو اجیر مشترک کہا جاتا ہے۔

## اجیر مشترک

۱۔ اجیر مشترک کی حیثیت امین کی ہوتی ہے۔ یعنی جو چیزیں بنانے، درست کرنے، دھونے یا رنگنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ بطور امانت اجیر کے پاس ہوتی ہیں اور یہ امانت "امانت با ضمانت" ہوتی ہے۔ یعنی وہ امانت کی حفاظت کے لئے اجرت لیتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اس حیثیت سے بھی اہم ہے کہ وہ کسی ایک آدمی کی چیزوں کا امین نہیں ہوتا بلکہ بہت سے لوگوں کی چیزیں اس کے قبضے میں ہوتی ہیں، اگر اُسے ذمہ دار قرار نہ دیا جائے تو پھر ہر دانتی کر کے بہت سے لوگوں کی چیزیں ہربا کر سکتا ہے۔

(۲) چونکہ وہ امین ہونے کے ساتھ فاسق بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر اس کی غفلت سے کوئی چیز گم ہوگئی یا خراب ہوگئی تو اس کا تادان لیا جائے گا، مثلاً دھوبی نے کپڑا گم کر لیا یا نیا کپڑا پھاڑ لیا، یا گدھے نے چبا ڈالا۔ سنار نے زیور گم کر لیا یا جو چیز مرتے کے لئے دی گئی اس میں زیادہ خرابی پیدا کر دی۔ درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیا گیا، اس نے اتنا چھوڑا سی دیا کہ پہننے میں ٹیکسٹ ہوئی، رنگریز نے سبز کے بجائے زرد رنگ دیا تو ان تمام صورتوں میں تادان لیا جاسکتا ہے جس کی چیز خراب ہوئی ہے اسے قانونی طور پر تادان لینے کا حق ہے، اب اگر وہ تادان نہ لے تو یہ اس کا احسان ہوگا البتہ اگر کوئی ناگہانی آفت آگئی اور کوئی چیز اجیر مشترک کے پاس سے گم یا ضائع ہوگئی، تو تادان لینا درست نہیں ہے مثلاً گھر گر پڑا یا آگ لگ گئی یا چوری ہوگئی تو ان صورتوں میں تادان لینا درست نہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ وہ چیز گم یا ضائع نہیں ہوئی ہے تو پھر چور کا مالک مطالبہ کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر دھوبی کے گھر سے کپڑے کی ایک لادلی چوری ہوگئی تو نہیں سمجھا جائے گا کہ ہر گاہک کپڑا چوری ہو گیا۔ دھوبی کو یہ ثبوت دینا ہوگا کہ کس گاہک کا کپڑا چھینا

جوری ہو اسے ورنہ تاوان لیا جائے گا البتہ اگر گھر کا پورا اثاثہ جوری ہونا ثابت ہو جائے تو کوئی گاہک تاوان نہیں لے سکتا۔

**بعض اور شرطیں** ۱۔ کام دینے والے اور کام لینے والے دونوں کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے، نا سمجھ بچے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اجیر اور مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

۳۔ جو کام کرنا ہے اس کی پوری تفصیل بنانا ضروری ہے مثلاً کوئی زیور بنوانا ہے تو وضع اور وزن کے بارے میں پوری تفصیل سنار کو بتادی جائے۔ جو تاہونا ہے تو بیر کی ناپ اور اس کی بناوٹ (شو، پمپ یا نیوٹ وغیرہ) بتادی جائے۔

۴۔ چیز کی قیمت اور یہ کہ وہ نقد ادا ہوگی یا ادھار پہلے سے طے کر لینا چاہیے۔

**اجیر مشترک کی اجرت اور دوسرے مسائل** ۱۔ اجیر مشترک اپنا کام پورا کر لینے پر اجرت کا مستحق ہوتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ جب تک گھڑی ساز گھڑی کو ٹھیک نہ کر دے، موچی جوتہ تیار نہ کر دے، درزی کپڑا سی نہ دے اور دھوبی کپڑا دھو نہ دے تو قانوناً اجرت نہیں مانگ سکتا لیکن اگر آپ دیدیں تو آپ کو اس کی اجازت ہے۔

۲۔ ماہوار تنخواہ پر کام کرنے والا اجیر مہینہ پورا ہونے سے پہلے اجرت نہیں مانگ سکتا۔

۳۔ پیشہ ور اجیر کچھ رقم پیشگی اس شرط پر لے لیتے ہیں کہ اگر آپ وہ چیز نہ لیں گے تو وہ رقم واپس نہ ہوگی۔ یہ ناجائز ہے (صرف امام احمد بن حنبلؒ اس کو جائز کہتے ہیں)۔

۴۔ اجیر مشترک اگر کوئی وقت مقرر کر دے کہ میں یہ چیز فلاں وقت دوں گا تو اخلاقاً اسے اپنے وعدے کو ایفا کرنا چاہیے لیکن قانوناً وہ کام کا پابند ہے وقت کا نہیں۔ البتہ اگر اس نے جلدی دینے کے وعدے پر کچھ اجرت زیادہ لی ہے تو اُسے وقت پر دینا ضروری ہوگا۔

۵۔ اجیر مشترک کو جب تک اپنے کام کی مزدوری یا اجرت نہ مل جائے وہ اس چیز کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اس روکنے کی مدت میں اگر مال ضائع یا خراب ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اجیر پر نہیں ہے کیونکہ یہ مستاجر کی غلطی ہے کہ اس نے اجرت نہیں دی اور اس لئے اجیر مال کو روکنے پر

مجبور ہوا۔ یہ مسلک امام مالکؒ کا ہے مگر امام ابوحنیفہؒ اس کی دو قسمیں کرتے ہیں: ایک وہ پیشہ ور جن کا کام اصل چیز میں تبدیلی کرنا ہے جیسے درزی جو کپڑے کو کاٹ کر دیتا ہے، رنگر جو کپڑے کو رنگ کر اُس کی صورت بدل دیتا ہے اور دھوبی جو میلے کپڑے کو اُجلا کر دیتا ہے تو ایسے لوگوں کو یہ حق ہے کہ جب تک اُجرت نہ مل جائے وہ چیز مالک کے حوالے نہ کریں، دوسری قسم اُن پیشہ وروں کی ہے جن کے کام سے اصل چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جیسے سامان دھونے والے قلمی، سلاخ، ریل اور جہاز چلانے والی کمپنیاں۔ موٹر، ٹانگے اور رکشا چلانے والے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو یہ حق نہیں ہے کہ اُجرت ملنے تک اُس مال کو روک لیں جسے انھوں نے پہنچایا ہے۔ موجودہ زمانے میں اگر یہ حکم دیا جائے کہ اُجرت ادا ہونے تک مال کو روک نہ رکھا جائے تو لوگ قلیوں اور سامان لے جانے والی دوسری سواریوں کی مزدوری قصداً اُٹھاپ کر لیں گے اور خود غرض تا جردن کو بھی یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ اُن کا مال اُجرت ادا نہ ہونے کی وجہ سے روک لیا جائے گا لہذا وہ اپنا مال لے کر نکل جانے کے بعد اُجرت ادا کرنے کی فکر بھی نہیں کریں گے۔ اس لئے امام مالک اور دوسرے ائمہ کا مسلک ہی زیادہ مناسب ہے، صاحبین نے بھی اسی کو اختیار ہے۔

**اجیر مشترک اجیر خاص بھی ہو جاتا ہے** اجیر مشترک اُسی کو کہتے ہیں جو کسی ایک آدمی کا کام نہیں کرتا لیکن اگر اس کو کوئی ایک شخص کچھ دیر یا کچھ دن کے لئے اپنے کام پر لگا لے کہ اس عرصے میں دوسرا کوئی کام نہ کرے تو وہ اجیر خاص ہو جائے گا۔ اب اس پورے وقت میں وہ دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی بڑھی کو دن بھر کے لئے اپنے یہاں رکھا یا کسی سنار، درزی یا کسی اور پیشہ ور کو کچھ دن گھر پر بلا کر کام دیا تو وہ اُس پورے وقت میں اجیر خاص ہوگا۔ اسی طرح ایک یا دو گھنٹے کے لئے رکشا یا موٹر کسی منتین جگہ تک جانے اور آنے کے لئے مخصوص کر لی یا ریل کی کوئی سیٹ ریزو کرالی تو آپ کو حق ہے کہ اتنی دیر تک کسی اور کو سوار نہ ہونے دیں۔ (المجلد ۶۲)

**چند اصطلاحیں** فقہ کی کتابوں میں جو اصطلاحیں کتاب الاجارہ میں استعمال ہوئی ہیں اُن کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ اُجرت کے بارے میں اسلامی شریعت

کی ہدایات اور اجرت پر کام کرنے والوں کے مسائل کو بخوبی سمجھا جاسکے۔

۱۔ اجرت۔ جو چیز محنت کے بدلے میں دی جائے (۲) اجیر محنت کرنے والا (۳) مستاجر یا آجر۔ کام لینے والا (۴) اجرت مثل۔ وہ اجرت جو حکومت کسی کام کی مقرر کرے ان اصطلاحوں کو ہم اپنی روزمرہ کی زبان میں جس طرح ادا کرتے ہیں انہیں بھی دھیان میں رکھنا چاہیے۔  
 (۱) اجرت کے لئے لفظ مزدوری اور (۲) اجیر کے لئے لفظ مزدور عام طور پر بولا جاتا ہے۔  
 (۳) مستاجر یا آجر کے لئے ان کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے نام لئے جاتے ہیں مثلاً کارخانہ دار، فیکٹری کا مالک، ٹھیکیدار اور اگر حکومت خود اپنے کسی افسر کے ذریعہ اجیروں سے کام لے تو اسے سرکار کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے (۴) "اجرت مثل" کے لئے وہ مزدوری جو ملک کے عام کارکنوں میں مزدوروں کو کسی کام کے بدلے دی جاتی ہو بھی جاتی ہے۔

اسلامی شریعت کی ہدایات جب شروع شروع میں مدون ہوئیں تو اس وقت ایک طبقہ غلاموں کا بھی موجود تھا جس سے ذاتی ملازمت اور محنت مزدوری کا کام لیا جاتا تھا اس لئے ان کے سلسلے میں جو احکام اسلامی شریعت نے دیئے ہیں ان احکام کا موجودہ زمانے کے ذاتی ملازموں، اجیروں، مزدوروں اور تمام محنت کش افراد پر اطلاق ہوگا۔

یہ اسلامی ہدایات کی برکت ہی تھی جس پر عمل کرنے سے غلاموں کی تعداد بہ تدریج گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اب اس بدترین پیمانہہ طبقے کا وجود ہی باقی نہ رہا۔ گو اب غلاموں کے مسائل نہیں ہیں لیکن دنیا کی آبادی اگر ڈھائی ارب ہے تو اس میں ایک ارب آبادی مزدوروں اور محنت کشوں کی ہے۔ ہندوستان میں ایک طبقہ ہرکینوں کا ہے جن کو اونچے طبقے کے ہندوستانی اپنا غلام سمجھتے اور معاشی و معاشرتی حقوق میں بھی اپنے برابر لانا گوارا نہیں کرتے ہیں لہذا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ایک طبقہ موجود ہے جس کو معاشی و معاشرتی حیثیت سے اطمینان حاصل نہیں ہے، کہیں وہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں پس رہا ہے کہیں حکومت اور اونچے طبقے کی اجارہ داری نے اسے اپنے چنگل میں لے رکھا ہے۔

مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت  
 محنت کش طبقے کی معاشی اور معاشرتی  
 اجتنوں کا حل اسلامی شریعت کی

اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں میں موجود ہے اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہ معاشی مشکلات باقی رہیں گی اور نہ کوئی معاشرہ ظلم و تشدد کی راہ اختیار کر سکے گا۔  
 اُحمرت کے معاملے میں اسلامی شریعت نے اخلاقی اور قانونی دونوں طرح کی ہدایتیں دی ہیں۔

**اُحمرت کے بارے میں قرآنی ہدایات** قرآن میں دو دھ پلانے والی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی غیر عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلو اتے ہو تو چونکہ وہ اپنے جسم کا خون صرف کر کے تمہارے بچے کو دودھ پلاتی اور اُس کی پرورش کرتی ہے اس لئے تمہارا بھی فرض ہے کہ اپنی کمائی میں سے اُس کی ضروریات زندگی پر خرچ کرو۔ دونوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال ہونا چاہیے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ وِزْرًا شَيْئًا

(بقرہ - آیت ۲۳۳)

جس کا بچہ ہے اُس کے اوپر معروف (یعنی زمانے کے دستور) کے مطابق دودھ پلانے والیوں کا کھانا پکڑا ہے کسی شخص پر اُس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

لفظ معروف اور تکلیف کی تشریح آگے آ رہی ہے جہاں اُحمرت کو معاہدہ قرار دینے کا فائدہ بتایا گیا ہے، قرآن نے حضرت موسیٰ اور حضرت شعیبؑ کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں حضرت شعیبؑ متاجر اور حضرت موسیٰ اجیر ہیں۔ حضرت موسیٰ نبوت سے پہلے مدین کی طرف گزرے تو راستے میں ایک سمویں پر چرواہوں کی بھیڑ نظر آئی، انھوں نے دیکھا کہ وہاں دو لڑکیاں اپنے جانور لئے الگ کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ کو ان پر رحم آیا اور حال دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں وہ یہاں نہیں آسکتے، یہ چرواہے جب اپنے جانوروں کو پانی پلا چکیں گے تب ہم پانی بھریں گے اور اپنے جانوروں کو پلائیں گے۔ حضرت موسیٰ آگے بڑھے اور ڈول کھینچ کر اُن کے جانوروں کو پانی پلایا، یہ لڑکیاں حضرت شعیبؑ کی حقین، جانور لے کر جب گھر آئیں تب اس واقعہ کا ذکر اپنے داند سے کیا۔ حضرت شعیبؑ نبی تھے وہ کسی کی محنت خواہ وہ رضا کارانہ ہی کیوں نہ ہو ضائع کرنا گوارا نہ کر سکے اس لئے اُن کو بلوانے کے لئے ایک لڑکی کو بھیجا تاکہ احسان کا

بدلہ احسان سے دیں چنانچہ حضرت موسیٰ آئے اور حضرت شعیبؑ نے نہایت شفقت سے ان کا حال سنا۔ اثنائے گفتگو میں لوگوں نے کہا: یا جان! ان سے زیادہ قومی اور امین آدمی نہیں مل سکتا، اس لئے آپ ان کو مستقل طور پر اجیر رکھ لیجئے۔ امین کا لفظ خاص طور پر حضرت موسیٰ کی عفت و پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے جسے ان لوگوں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا دونوں صفتیں وہ ہیں جن کی بنا پر اجیر کی اجرت بڑھائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ نے بحیثیت متاجر حضرت موسیٰ سے اجرت کا معاملہ طے کیا جسے انھوں نے منظور کر لیا۔ حضرت شعیبؑ نے معاملہ کرتے وقت یہ بات واضح کر دی کہ :

وَمَا لِيْذُنْ اَنْشَىٰ عَلَيْنَا سَجْدَتِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۷﴾ (العنق ۲۷)

میں تم پر کوئی زیادتی کرنا نہیں چاہتا انشاء اللہ تم مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔  
چونکہ معاہدے میں دونوں فریق اپنی رضامندی اور شرائط پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں کہا کہ :

قَالَ ذٰلِكَ نَتَقِيْ وَبَيْنَنَا اِلَآهٌ اَلْحَكِيْمُ قَضَيْتُ فَلَاعْدُوْا نِ عَلٰى وَآلِهٰتِهِمْ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكَذٰلِكَ ﴿۲۸﴾

(العنق ۲۸)

یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی ہے کہ دونوں مدتوں میں سے جسے بھی میں پورا کر لوں گا اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور جو کچھ ہم طے کر رہے اس پر خدا گواہ ہے۔

آخری فقرے کا مقصد یہ ہے کہ ظلم و زیادتی سے باز رہنے اور معاہدہ بر قائم رہنے کے لئے محض منفعت ہی مدنظر نہ ہو بلکہ یہ تصور بھی ہو کہ یہ معاملہ خدا کے سامنے طے ہو رہا ہے جو ہر ڈھکی کھلی بات کا جاننے والا ہے۔

اس سیاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ملاحظہ ہوں۔ سب سے پہلے آپ نے یہ بتانے کے لئے کہ محنت مزدوری کوئی گری بڑی چیز نہیں۔ فرمایا کہ تمام انبیاءؑ نے بکریاں چرائی ہیں۔ صماہؑ نے پوچھا ”یا رسول اللہ! آپ نے بھی؟“ فرمایا ”ہاں میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا“ (بخاری)



مزدوروں کو اجرت دینے کا حکم آپ ﷺ نے ان الفاظ میں دیا ہے اَعْطُوا الْاَجِيرَ قَبْلَ  
 اَنْ يَتَجَمَّعَ عَوْقُهُ (اجیر کو اس کا پسینہ خشک سے پہلے اجرت دیدو) (ابن ماجہ)  
 اگر کسی نے مزدوری نہ دی یا کم دی یا مال مٹول کی اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت  
 کے دن جن تین آدمیوں کے غلامت میں مدعی ہوں گا ان میں سے  
 تَحْبِلُ "اَسْتَلْجَزَ اَجِيرًا فَاَسَدُو" ایک شخص ہے جو کسی کو مزدوری پر رکھے اور  
 فِي مِئْتِهِ وَلَمْ يُعْطِهِمْ اَجْرَهُ اس سے پورا کام لے مگر مزدوری پوری  
 نہ دے۔ (بخاری)

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف مزدوری کا نہ دینا نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ وقتی مزدوری  
 اس کام کی اسے ملنا چاہیے وہ نہ دی جائے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کم اجرت پر کام  
 کرایا جائے، شارحین حدیث اس کی تشریح میں فرماتے ہیں وَلَمْ يُعْطِهِمْ اَجْرَهُ وَاَفِيًا  
 (اور اس کو پوری اجرت نہ دی) غلاموں کے تعلق سے جو حدیثیں ہیں اور ان میں جو احکام مذکور  
 ہیں ان کا اطلاق موجودہ زمانے کے ذاتی ملازموں، اجیروں اور محنت کش مزدوروں پر ہوتا  
 ہے، ایک بار حضرت ابو ذرؓ نے کسی غلام پر سختی کی، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا اِهْمُ اِخْوَانُكُمْ  
 جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَهَنْ جَعَلَ اَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ  
 وَيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يَكْلَفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَاِنْ كَلَفْتَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيَعْنَهُ  
 عَلَيْهِ (یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو ندالے تمہارا ماتحت بنایا ہے تو جس کا بھائی اس کے ماتحت  
 ہو جائے اس کو اسے وہی کھلانا چاہیے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنانا چاہیے جو خود پہنتا ہے اور اس سے  
 ایسا کام نہ لینا چاہیے کہ وہ تھک کر چور ہو جائے، اگر زیادہ محنت کا کام لینا پڑ جائے تو اس کام میں  
 اس کی اعانت کرنا چاہیے) (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے کئی باتوں کا حکم ملتا ہے :

۱۔ یہ کہ ملازموں اور مزدوروں کو اپنا بھائی سمجھو۔

۲۔ اس کو اتنی مزدوری دو کہ جو معیار زندگی تمہارا ہے وہی وہ بھی قائم رکھ سکے۔

۳۔ ان پر طاقت سے زیادہ کام کرنے کا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ تھک کر چور ہو جائیں اور صحت خراب

ہو جائے۔

ائمہ حدیث نے حکم نمبر ۲ کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر مالک اپنے بخل کی وجہ سے خود موٹا جھوٹا کھاتا اور پہنتا ہے تو اسے یہ حق نہیں کہ اپنے ملازموں اور اجیروں کو ایسا کرنے پر مجبور کرے۔ (مرقاۃ) اور حکم نمبر ۳ میں خود یہ صراحت موجود ہے کہ اگر کبھی زیادہ کام لینے کی ضرورت پیش آجائے تو ملائیں کا ہاتھ بٹایا جائے۔

آپؐ نے فرمایا ”آدمی کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو وہ اسے روک لے یا ضائع کر دے“ (مسلم) ظاہر ہے کہ مزدور کی زندگی کا مدار اس کی پیشہ ورانہ کمائی پر ہوتا ہے اس لئے اگر اس کو اس کی ضرورت سے کم مزدوری دی گئی تو گویا اس کی مزدوری روک لی یا ضائع کر دی۔

آپؐ نے فرمایا ”اپنے ماتحتوں سے بدظنی سے پیش آنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا“ (ترمذی) آپؐ نے فرمایا ”اَلرُّمُؤْمَةُ صَكْرًا مَّةٌ اَوْلَادُكُمْ وَاَطْعُمُوهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ“ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ) یعنی ”اُن کی دیکھ بھال اس طرح کرو جیسے اپنی اولاد کی کرتے ہو اور جو تم کھاؤ اسی میں سے اُن کو بھی کھلاؤ“

ایک صحابی نے پوچھا ”اگر ملازم غلطی کرتا ہے تو کتنی بار اس کو معاف کیا جائے؟“ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ انھوں نے دوبارہ پوچھا پھر بھی آپؐ خاموش رہے۔ جب تیسری بار پوچھا تو فرمایا ”يَذُوْرُ سَبْعِينَ مَرَّةً“ (ابوداؤد) یعنی اگر روزانہ ستر بار بھی غلطی کرے تو معاف کر دو۔

آپؐ کو اس مظلوم طبقے کا اتنا خیال تھا کہ مرض وفات میں جو آخری نصیحتیں فرمائیں اُن میں سے ایک یہ تھی ”اَلصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ اَنْفُسَاكُمْ“ (ابوداؤد، مسند احمد) (یعنی نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال ضرور رکھنا) ان ارشادات نبویؐ کے تحت ائمہ حدیث نے صرف مسلمانوں ملازموں اور مزدوروں کو ہی نہیں بلکہ محنت کش جانوروں کو بھی شمار کیا ہے جن کے قانونی حقوق کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

## اجرت کا معاملہ مستاجر اور اجیر کے حقوق

قرآن و حدیث کی ہدایات کی روشنی میں فقہاء نے مسئلہ اجرت کی قانونی حیثیت اور مستاجر اور اجیر کے اختیارات و حقوق کی تعیین کر دی ہے جس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

**اجرت ایک معاہدہ** کام لینے اور اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے جو معاملہ اجیر و مستاجر یا مزدور اور مالک کے درمیان طے پاتا ہے اسے شریعت اسلامی

ایک معاہدہ قرار دیتی ہے جس طرح خرید و فروخت کا معاملہ بھی ایک معاہدہ کی صورت میں طے پاتا ہے یہاں اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے اور آجر اس کا معاوضہ اجرت یا مزدوری کے نام سے دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ دونوں اس پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں جس طرح بیع و شراعت میں بائع مال دیتا ہے اور مشتری اس کی قیمت ادا کرتا ہے۔ کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے بالکل اسی طرح اجیر و مستاجر کی حیثیت بھی برابر کی ہوتی ہے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا ہے اس لئے نہ تو اجیر یا مزدور کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی محنت ہی کو اصل چیز سمجھ کر مستاجر کو پریشان کرے اور نہ مستاجر کو یہ حق ہے کہ وہ سرمایہ کو اصل چیز سمجھ کر اجیر کو پریشان کرے یا حق تلفی کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور وہی معاملہ کریں جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔

**معاہدے کا فائدہ** اجرت کے معاملے کو معاہدہ قرار دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ معاشی اعتبار سے دونوں کا درجہ مساوی کر کے معاشرے میں

مزدور ہمیشہ طبقے کو اوپر اٹھایا جاسکے اور معاشرتی اعتبار سے اجیر کا مرتبہ وہی ہو جائے جو ایک مستاجر کا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دونوں فریق معاملہ کرتے وقت ایک دوسرے کی ضرورت اور

معاشی حالت کا پورا خیال رکھیں صرف اپنی غرض کے بندے نہ بنیں اگر کوئی فریق زیادتی کرے گا

تو حکومت مد اعلیٰ کرے گی، قرآن میں اُجرت کو ایک بنیادی شرط معروف کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، معروف کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اجرت اتنی زیادہ ہو کہ اُجرت دینے والے کی قدرت سے باہر ہو اور نہ اتنی کم ہو کہ اُجرت پانے والے کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔ یہ آیت ہم قرآنی ہدایات کے ذکر میں پہلے بیان کر چکے ہیں،

وَعَلَى الْمَوْلَاةِ رِزْقُهُنَّ وَكِفَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ وِزْرًا شَدِيدًا (البقرہ- ۲۳۳)

اور بچے والے پر قاعدے اور دستور کے مطابق اُن کا کھانا کپڑا ہے کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

حدیث میں ”ھُمْ اِخْوَانُکُمْ“ (یہ تمہارے بھائی ہیں) اور ”اَلْکَرْمُ وَھُمْ کَرَامَةُ اَوْلَادِکُمْ“ (ان سے تم اپنے لڑکوں کی طرح سلوک کرو) کے الفاظ نقل کئے جا چکے جس سے واضح ہے کہ ایسوں پر برطاعت سے زیادہ بار نہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ وہ عمل ہونا چاہئے جو ایک بھائی کا بھائی سے اور باپ کا اولاد سے ہوتا ہے اور یہی جہدِ بجا اُجرت طلب کرنے میں ایسے کا ہونا چاہئے۔ محض فائدہ اور خود غرضی دونوں میں رابطہ رکھنے اور اس کے ختم ہونے کا سبب نہ ہوں۔

قرآن میں جو لفظ معروف آیا ہے اس کی تشریح امام ابو بکر جصاص نے اس طرح کی ہے، ”کھانے، پہننے کی تعین مرد کی حالت کے پیش نظر ہوگی، اگر وہ خوش حال ہے تو حیثیت کے مطابق دودھ ملانے والی کو کھانا کپڑا دینا چاہیے اور اگر غریب ہے تو اس اعتبار سے اجرت ادا کرنا چاہیے۔“ ”لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا“ کی تشریح یوں کی ہے۔ ”اگر عورت زیادہ اُجرت مانگے تو اجرت مثل (یعنی جس اجرت پر عام طور پر دوسری عورتیں دودھ پلایا کرتی ہیں) اس سے زیادہ نہیں دی جائے گی اور اگر نیچے کا باپ اجرت مثل سے کم اجرت دے تو اسے پوری اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُجرت کے معاملے میں حکومت کو دخل دینے کا پورا حق ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اجرت مثل یا معروف اجرت کی تعین کون کسے گا اور تعین کے بعد اگر کوئی زیادتی ہو تو اسے دور کرنے کا اختیار کس کو ہو گا۔“

معروف یا اجرت مثل کا تعین کرنے وقت حکومت مزدوروں کی ضرورت کے ساتھ مستاجروں کے مالی فائدہ کو بھی دیکھ سکتی ہے، اگر ایک مہل ملک کو سال میں ایک لاکھ کا فائدہ ہوتا ہے، اور وہ پچاس ہزار اجرت میں تقسیم کرتا ہے، اگر مزدور مطمئن نہیں ہوتے یا ان کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو مزدور مزید اجرت

کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور اگر وہ نہ دے تو حکومت مداخلت کر کے اجرتیں بڑھا سکتی ہے کیونکہ جو اجرت وہ دے رہا ہے وہ محروم سے کم ہے اور بھائی چارے کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ ایک بھائی عیش و آرام کرے اور اس کے دوسرے بھائی جن کی محنت سے اس کی عیش و آرام حاصل ہوا، وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کو بھی پورا نہ کر سکیں۔ ارشدِ انجوی میں دونوں کو بھائی قرار دیا گیا ہے۔

(۳) معاہدے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس طرح خریدار کو یہ حق ہوتا ہے کہ چیز کو اچھی طرح دیکھ بھال اور غور و فکر کر کے لے اور بائع بھی سوچ سمجھ کر قیمت کا فیصلہ کرے، اسی طرح ایجر و مستاجر کو حق ہے کہ دونوں اجرت اور محنت کا اندازہ کر کے فیصلہ کریں مثلاً آج رات کے اجیر سے کہا کہ اتنے فٹ مٹی فلاں جگہ سے ڈھو کر میرے گھر پہنچانا ہو گی یا میرے کارخانے میں روزانہ آٹھ گھنٹے مشینیں چلانا ہو گی اور اس قدر اجرت ملے گی۔ ایجر نے منظور کر لیا۔ مگر جب مٹی کا مٹی شروع کی تو وہ بہت محنت نکلی اور محنت کے اعتبار سے اجرت کم مقرر ہوئی یا آٹھ گھنٹے روزانہ مشینیں چلانا طاقت سے زیادہ نکلا اور معلوم ہوا کہ صرف چھ گھنٹے روزانہ ہی مشینیں چلاتی جا سکتی ہے اور اجرت جو مقرر ہوئی تھی وہ چھ گھنٹے کی محنت ہی کی تھی تو ایجر کو مزید اجرت طلب کرنے کا حق ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس صورت میں اجرت محروم یا اجرت شل کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

(۴) چوتھا فائدہ معاہدہ کا یہ ہے کہ اگر کو جب معلوم ہو جائے کہ یہ کام ایجر سے نہ ہو سکے گا تو وہ اس سے دوسرا ہلکا کام لے اور اگر کوئی دوسرا کام نہیں ہے تو اس کو طیلہ کر سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اگر کوئی فریق یہ سمجھو کہ دوسرے فریق کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہے تو وہ حکومت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(۵) معاہدہ کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ انسانی حیثیت اگر ادا ہو جائے تو اس نے آجرا جیر کو اپنے سے کم درجہ کا انسان نہ سمجھے۔ یہی بھائی چارے کی ذہنیت اجرت کی ادائیگی میں ہونا چاہیے، ارشدِ انجوی بھی یہی ہے کہ تم ان کو دہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی سپناؤ جو تم پہنتے ہو۔ معاشرتی حیثیت سے بھی سوسائٹی میں برابر کا درجہ دیا جائے گا اپنی قوتِ بازو سے میشت حاصل کرنے کی بنا پر وہ معاشرتی حقوق سے محروم نہیں ہو گا جن کا ذکر احادیثِ رسول میں کیا گیا ہے مثلاً ان کے ساتھ کھانے میں مار نہ بھجو، ان کو سلام کرنے میں بیعت کر دے، ان کی خوشی و غم میں اسی طرح شریک رہو جس طرح وہ تمہاری خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں۔

ایک معاہدے کے بعد دوسرا معاہدہ یہ بتایا جا چکا کہ ایجر و مستاجر معاہدہ کرنے وقت کام اور اجرت کی تقیین معاہدہ کی نہیں ہونی لیکن اگر معاہدہ پہلی بار ہو چکے کے بعد بھی کام یا اجرت کے بارے میں کوئی اعتراض ہو اور دوسرا

معاہدہ کرنا چاہتے ہوں تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں پہلا معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔  
**معاہدہ فسخ ہو سکتا ہے** فسخ کرنے کا حق اس وقت پیدا ہوگا جب دونوں میں سے کسی کو ایسا عند پیش  
 آجائے جس میں مستاجر کام لینے سے اور مزدور کام کرنے سے معذور ہو جائے  
 ہذا میں ہے ۱۔

وتفسخ الاجارۃ بالاعذار۔

(اُجرت کا معاملہ عذرات کی بنا پر فسخ کیا جاسکتا ہے)

**اسٹرائک اور کارخانہ بندی** عذر کے معنی یہ ہیں کہ مزدور جب چاہیں کسی بہانے کام کرنا چھوڑ دیں۔ یعنی  
 اسٹرائک کر دیں۔ یا مالک اور کارخانہ دار جب چاہے اپنا پھانسیخہ مزدوروں پر بند  
 کر دے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والا معاہدہ کو ایسا نقصان برداشت کرنے کے بعد ہی پورا کر سکے۔  
 جو معاہدے کی اسپرٹ (روح) کے منافی ہو (ہو عجز العاقد عن المضي فی موجبہ الاتجمل ضرر  
 لم یستحق بہ) آگے لکھا ہے، ہذا اھو معنی العذر کہ عذر کے ہی معنی ہیں)

معاہدہ کیسے فسخ ہو؟ اس سوال کا جواب بغیر تفصیل میں گئے ہوئے نہیں دیا جاسکتا۔ صاحب ہدایہ نے  
 لکھا ہے کہ معاہدہ کی متبذع بغیر قانونی چارہ جوئی کے ممکن نہیں ہے۔ بعض ائمہ کی رائے پر معلوم ہوتی ہے کہ بغیر قانونی  
 چارہ جوئی کے ممکن ہے۔ ان دونوں رایوں کے درمیان ایک تیسری راہ بعض فقہانے یہ نکالی ہے کہ اگر عذر اس  
 قدر واضح ہو کہ ہر شخص اُسے محسوس کر سکے تو قانونی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر عذر ایسا ہے جسے  
 صرف اجیر اور مستاجر ہی سمجھ سکتے ہیں تو بغیر قانونی چارہ جوئی کے بغیر معاہدہ فسخ نہیں کیا جاسکتا مثلاً کوئی آسمانی یا زمینی  
 آفت آجڑی یا کارخانے میں آگ لگ گئی تو حکومت کو اطلاع دے بغیر بھی کارخانہ دار کام بند کر سکتا ہے اور مزدور  
 کو جواب دے سکتا ہے لیکن اگر کاروبار یا صنعت میں خسارہ ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے تو اس کا ثبوت حکومت  
 کے سامنے رکھا جائے گا اگر وہ اُسے مقبول سمجھے گی تو فسخ کر دے گی ورنہ نہیں۔

اسی طرح مزدور اگر بیمار پڑ گیا یا کسی حادثے کا شکار ہو کر کام کرنے سے معذور ہو گیا تو وہ کام چھوڑ سکتا ہے  
 لیکن اگر وہ کسی دوسری جگہ جانے یا کوئی دوسرا کام کرنے کا غرض کر چکا ہو یا اسے اجرت کم اور کام زیادہ ہو تو اس میں  
 تو اسٹرائک اور نہ کوئی غیر قانونی حرکت کرنا چاہئے بلکہ مستاجر کو فسخ معاہدہ پر راضی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے  
 اگر وہ راضی نہ ہو سکے تو حکومت کو اپنی معذریاں اور مطالبات پیش کر کے مناسب فیصلہ کرنے کی درخواست

کرنا چاہئے، وہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرے گی۔ مقصد یہ ہے کہ معاہدہ حقیقت پسندی کے ساتھ ہونا چاہئے اور صرف اپنی خود مرضی اور منفعت کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ دوسرے کے فائدے اور نقصان کو بھی دیکھ لینا چاہئے، پھر اگر کسی طرف سے کوئی زیادتی ہوگی تو حکومت مداخلت کرے گی۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حکومت کی طرف رجوع کرنے کا مطلب دیوانی میں دعویٰ دائر کرنا نہیں ہے جہاں ہیمنوں کچہری کی خاک چھانا پڑے بلکہ منصفی اداروں کی خراگانی ایک مخصوص اور مستقل محکمہ کرے گا جو ملک بھر کے مستاحروں اور اجیروں کے حقوق کا نگہبان ہوگا۔ آج راجہ ایسر کے، بین برائتوں روٹا ہوگا وہ چند گھنٹے یا چند دن میں طے کیا کرے گا۔

**معاہدہ اجرت کے صحیح بنیکی قانونی شرطیں**  
 سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اجیر دوستانہ دونوں مقل و موش رکھے ہوں۔ نادان پھول یا پاگل اور بے عقل بالغوں کے

درمیان اجرت کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ بالغ ہونا ضروری نہیں لیکن مقل ہونا لازم ہے۔ نادان پھول کے ولی اگر چاہیں تو ان کو اپنے کام میں شریک کر سکتے ہیں مگر وہ خود نہ اجیر ہو سکتے ہیں نہ مستاجر۔

۲۔ اجیر اور مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ ایسی رضامندی جس میں کسی دباؤ کا دخل نہ ہو، مثلاً: آج کی طرف سے اپنے سرمایہ کا دباؤ ڈال کر کم اجرت پر کام لینے کی کوشش یا ایسر کی جانب سے مظاہرہ یا اسٹر انک کی دھمکی دیکر زیادہ اجرت حاصل کرنے کی کوشش۔

۳۔ اجرت کا متعین و معلوم ہونا ضروری ہے یا روزانہ یا ماہانہ کیا اجرت دی جائے گی البتہ اگر اس کام کی اجرت عام طور پر متعین ہو یا جتنا کام آج رے رہا ہے اس کی قیمت پہلے سے مقرر ہے تو بغیر طے کئے ہوئے بھی معاملہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آج کو اتنی ہی اجرت دینا اور اجیر کو لینا ہوگی جو اس کام کے لئے عام مزدوروں کو دی جاتی ہے۔ اس میں مقام کا لحاظ بھی رکھا جائے گا، کیونکہ ایک کام کی مزدوری بڑے شہروں میں زیادہ اور چھوٹے شہروں میں کم بھی ہو سکتی ہے۔

۴۔ اجرت کے ساتھ کام کی نوعیت کا کام کرنے کی جگہ، کام کی مقدار یا اوقات کا بھی بتادینا چاہئے کیونکہ مقام اور کام کی نوعیت کی وجہ سے اجرت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔

کام کی مقدار بتا کر بھی اجرت طے کی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ اتنا کام کر لوگے تو اتنی اجرت ملے گی جیسا کہ عام طور پر پیشہ میں ہوتا ہے لیکن اگر اجرت کے قتلے میں کام زیادہ یا سفت ہوگا تو اتنے کام کی جو اجرت عام طور پر دی جاتی ہے، وہ دینا پڑے گی۔ اسی کو اجرت خصل کہا جاتا ہے۔ ماہوار تنخواہ پر بھی اجیر رکھا جا سکتا

ہے مگر اس میں بھی کام کی نوعیت اور مقام بنانا ضروری ہے۔

**معادہ اجرت کا فاسد ہونا** جو شرطیں بیان کی گئیں اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جائے گی تو معاہدہ فاسد سمجھا جائے گا اور فسخ ہو جائے گی کی صورت میں جتنے دن ایجر نے کام کیا ہے ان کی اجرت ملے گی۔

**اسلامی قانون اجرت** عام طور پر ایجر کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ مجھ سے اُسے زیادہ سو زیادہ اجرت وصول ہونا چاہئے خواہ اُسے فائدہ ہو یا نقصان اسی طرح مستاجر یہ سوچتا ہے کہ ایجر سے جب ہی تک اُسے سہ و کار ہے جب تک اُس کی محنت سے وہ فائدہ کماتا رہے لیکن جب اس کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت گزر جائے پھر اس سے کوئی تعلق نہیں جیسے ایک مشین بیکار ہونے کے بعد پھینک دی جاتی ہے، اسی طرح ایجر بھی پھینک دینے کے قابل ہے۔ مستاجر اپنے سہ و کار کو اصل بناد بنا کر محنت کو اس کا تابع قرار دے لیتا ہے اور فائدے کا اصل حقدار بھی وہ اپنے کو سمجھتا ہے، ایجر کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ اصل فائدہ محنت اور تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو سہ و کار بیکار ہو جاتا ہے۔

اسلامی قانون میں دونوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین کر دی گئی ہیں۔

**مستاجر کے حقوق اور ذمہ داریاں** مستاجر کو یہ حق ہے کہ کسی صنعتی، تجارتی، زراعتی یا اپنے خانگی اور ذاتی کام کے لئے روزانہ اجرت پر یا ماہانہ معاوضے پر ایجر سے ان شرائط پر کام لے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایجر خواہ ایک ہو یا دو، یا لاکھ دو لاکھ ہوں۔ ان شرائط کے خلاف اگر کام کئے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر کوئی قانونی طاقت منسلک نہ ہو تو آخرت میں مواخذہ ضرور ہوگا قرآن میں صاف مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجرت کے شرائط طے ہوتے وقت فرمایا: **وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُولُ وَكِیْلٌ** (ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا نگران خدا تعالیٰ ہے) حدیث میں ارشاد ہوا ہے: ۱۔

مَلِكُمْ سَاعٌ وَمَلِكْكُمْ مَسْكُوْلٌ عَنْ سَاعِيَّتِہِ

(تم میں سے ہر ایک دوسروں کا رکھوالا ہے اور ہر ایک سے اپنی نگرانی میں آتے ہوئے لوگوں



کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ۴)

۲۔ اخیر کی بے روزگاری اور اس کی مجبوری سے قاتلہ اٹھا کر کم اجرت بہ زیادہ کام لینے کی کوشش نہ اٹھائے۔ درست ہے نہ قانوناً۔ اسلامی حکومت اس میں مداخلت کر لے گی مجاز ہوگی خواہ وہ خود تحقیقات کر کے جان لے کہ مستاجر مزدوروں پر ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ خواہ مزدوروں کے توجہ دلانے پر اُسے معلوم ہو۔

۳۔ مستاجر کسی اجیر کو کام بگاڑنے یا دل لگا کر کام نہ کرنے کی وجہ سے الگ کر دے تو یہ حق اُسے ہے مگر الگ کرنے سے پہلے دو باتیں کرنا ہوں گی (۱) اُسے کوئی جسمانی عذر تو نہیں ہے، اگر ایسی بات ہے تو اس پر کوئی گرفت نہیں کی جانا چاہئے (۲) اس کی عدم دلچسپی کا سبب اجرت کی کمی تو نہیں ہے۔ اس حالت میں اجرت منسل کے مطابق اس کو اجرت ملنا چاہئے لیکن اگر مزدوروں یا توں میں سے کوئی باعہ نہ ہو تو مستاجر قانوناً اس سے پورا کام لینے کا حق رکھتا ہے اور قصداً کام بگاڑنے پر اس سے تاوان لے سکتا ہے۔

۴۔ اخیر کسی کسی دن کام نہ لینے پر اُس دن کی اجرت نہیں دی جائے گی، اگر اُسے روزانہ کی مزدوری پر رکھا گیا ہے لیکن اگر ماہوار تنخواہ پر رہے تو کام نہ لینے یا چھٹی کے دن کی تنخواہ اُسے ملے گی۔

۵۔ اجرت دینے کے لئے مستاجر کو وقت مقرر کرنا اور وقت پر اجرت ادا کر دینا ضروری ہے۔ اتفاقاً دیر ہو جائے تو قابل گرفت نہیں لیکن اگر عادتاً ایسا کرتا ہے تو حقاً توں اور اطلاق دونوں لحاظ سے جرم کا مرتکب ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینا۔

۶۔ مستاجر کی حیثیت راعی کی اور مزدوروں کی حیثیت رعیت کی سی ہوتی ہے۔ اوپر مذکور نقل کی جا چکی ہے کہ ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا لہذا اگر رعیت میں سے کوئی بیمار پڑ جائے تو اتفاقاً راعی اُس کے معالجے کا ذمہ دار ہو گا۔ قانوناً بھی بہ ذمہ دار اس پر ڈالی جا سکتی ہے۔ جس طرح ایک مضارب کام کے انہرجات کے علاوہ علاج کا خرچ بھی مضارب کے روپے سے لے سکتا ہے یعنی وہ پیسہ لگانے والے کے سر پر ہے۔ اسی طرح ایک مزدور جس کی حیثیت عملاً ایک مضارب کی سی ہے، اس کے علاج کی ذمہ داری بھی سر پر یہ لگانے والے پر ہونا چاہئے اور شرائط اجرت میں اس کی صراحت کر دینا بہت مناسب ہے۔

۷۔ مزدوروں سے عام طور پر متنا کام لیا جاتا ہے اُس سے زیادہ نہ لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے، حتیٰ کہ جانوروں کے بارے میں بھی یہ حکم دیا ہے

اسلامی حکومت نے باربرداری کی مدد بھی مقرر کی ہے۔ اسی طرح مزدوروں پر کام کا بار ڈالنے کی بھی مدد مقرر ہونا چاہیے۔

۸۔ مستاجر مزدوروں اور اجیروں کو کام پورا نہ کرنے پر ان کو وارننگ (آگاہی) نوڈ سے سزا ہے مگر اس سے زیادہ ان کے ساتھ بدزبانی کرنے یا زد و کوب کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر ایسا کرے گا تو حکومت اسے سزا بھی دے سکتی ہے اور جرمانہ بھی کر سکتی ہے۔

۱۔ جو معاہدہ اجیر و مستاجر کے مابین ہوا اجیر برائے اس کی جائیداد کے حقوق اور ذمہ داریاں لازم ہے۔ اس میں کوئی ایسا کرنا یا کام کو بگاڑنا خلاف قیاس جرم بھی ہے صرف قانونی ہی نہیں، اگر قانونی گرفت سے بچ بھی جائے تو قیامت کے مواخذے سے نہیں بچ سکتا۔ "ذَلِكْ يَنْبِئُوْكَ وَيَنْبِئُكَ" کے ساتھ "وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ" اجیر کی جانب سے اس بات کا اقرار ہے کہ معاہدہ جس طرح مستاجر کے کھلے اور چھپے ظلم کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کی کھلی ڈھکی کوتاہیوں اور غفلتوں کا بھی تذکرہ ہے۔

۲۔ اجیر مشترک (یعنی پیشہ ور) بڑی لوہار، سنار، دندی وغیرہ کی حیثیت امین یا ضمانت کی ہوتی ہو جبکہ اجیر خاص امین یا ضمانت ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی کہ جس طرح ایک امین امانت کی چیز کا ذمہ دار محاذ ہوتا ہے اور اگر حفاظت کے باوجود اتفاق سے ضمانت میں آتی ہوئی چیز ضائع یا خراب ہو جاتی تو امین سے تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر قصداً وہ چیز ضائع یا خراب کی جائے گی تو اس سے تاوان بھی لیا جائے گا۔ اسی طرح ہر اجیر و مزدور بھی مستاجر کی طرف سے کام کا اور ان چیزوں کا جو اس کے چارج میں دی جائیں امین ہوتا ہے لہذا کسی اتفاقی عذر کی وجہ سے کوئی کوتاہی کام میں ہو گئی یا کوئی چیز جو اس کے چارج میں تھی اتفاق سے لوٹ گئی یا اس میں نقص آگیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر قصداً اس نے کام میں کوتاہی کی یا جان بوجھ کر نقصان کیا تو اس کا تاوان لیا جائے گا۔ مثال کے طور پر مشین چلاتے ہوئے اس کا کوئی رزہ خراب ہو گیا یا لوٹ گیا یا اتفاقاً کوئی چیز ہاتھ سے چھوٹ گئی اور لوٹ گئی تو اس کا کوئی تاوان نہیں بنایا جائے گا۔ لیکن اگر قصداً مشین سیدھی چلانے کے بجائے الٹی چلا دی یا دیسا سلائی جلائی اور تیل نے آگ پکڑ لی یا قصداً گلاس یا مینی کا برتن توڑ دیا تو تاوان لیا جائے گا کیونکہ اجیر نے خود وہ صورت پیدا کر دی جس کی وجہ سے نقصان ہوا۔ اسی طرح اگر کسی دن اتفاق سے کوئی بچہ دغم پیش آگیا، طبیعت سست ہو گئی اور کام مقررہ

مقدار سے کم کیا تو اس سے باز پرس نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر عادتہً کام میں کمی کرتا ہے تو اس سے باز پرس کرنے کا اور اخراج کا حق بھی مستاجر کو ہے۔ اگر مستاجر کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کیا اور نقصان پہنچ گیا تو بھی تاوازی دینا ہو گا۔

۳۔ اجیر کو مقررہ وقت سے پہلے اجرت ملنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر آخر خود دیدے تو وہ اس کا حق رکھتا ہے لیکن اس صورت میں اجیر پر زد و داری ہوگی کہ جس مدت تک کی اجرت وہ لے چکا ہے اس مدت تک کام کرے البتہ اگر اجرت اجر شل سے کم ہو تو بقیہ دن کی اجرت (اجر شل کے اعتبار سے) باقی ہو، اس مدت تک کام کرنے کا ہی وہ پابند ہے۔ اور اسی کی اجرت اجیر کو ادا کرنا ہوگی۔

۴۔ جتنے دن یا جس قدر کام کے لئے اجرت کا معاہدہ کیا گیا ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے اجیر کو بغیر کسی عذر کے کام چھوڑنے کا حق نہیں ہے۔ عذر کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ البتہ اگر مستاجر ظلم کر رہا ہو تو وہ عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

**اسٹرائٹ** اگر مستاجر اجرت روکے تو اجیر کو کام بند کر دینے اور مطالبہ کرنے کا حق ہے یا نہیں ہے ان کو ان احکام کی روشنی میں دیکھنا چاہئے جو اجیر کو اجرت نہ ملنے کی صورت میں آجر کا مال یا چیز روک لینے کی اجازت کے بارے میں ائمہ فقہانے دیئے ہیں (ملاحظہ ہو) "اجیر شترک کی اجرت اور دوسرے مسائل" نمبر ۵) کام بند کر دینے یا اسٹرائٹ کرنے کا طریقہ پہلے رائج نہ تھا، اس لئے بالمراحت اس کا ذکر فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ جس طرح اجرت نہ ملنے یا کم ملنے کی صورت میں اجیر کو یہ حق ہے کہ وہ مال کو روک لے (تینوں ائمہ علاوہ امام ابوحنیفہ کے) اس باب میں متفق ہیں اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق صنعتی مزدوروں کو جن کے کام سے اصل چیز میں تبدیلی آجاتی ہے یہ حق پہنچتا ہے (تو اسی پر اسٹرائٹ کو تناس کو کرنا چاہئے) کیونکہ اس کا مقصد بھی مال کی تیاری کو روکنا ہے جو اجرت نہ ملنے یا صحیح اجرت نہ دی جانے کی پاداش میں کی جاتی ہے۔

۵۔ اگر مستاجر نے کسی کام کے بارے میں یہ قید نہیں لگائی کہ تم کو یہ کام کرنا ہے تو اجیر اپنے عوض دوسرے مزدور سے وہ کام کر داسکتا ہے لیکن اگر قید لگادی ہے تو اسی اجیر کو کرنا چاہئے۔ دوسرے سے اگر کام لے گا تو وہ صاف ہو جائے یا کام خراب ہو جائے اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ خواہ اتفاقی یا ہی نقصان داغ ہو ہو۔

کونسی اجرتیں جائز ہیں اور کون ناجائز تفہیم یا ٹریننگ دینے کی اجرت۔ اگر کسی تعلیمی ادارے یا منشی

کارخانے میں کام کھانے کی مدت اور اجرت مقرر ہے، تو منسلک کو داخل کرنے کے بعد مقررہ اجرت دینا پڑے گی۔ خواہ وہ منسلک لڑکا کام سیکھے یا نہ سیکھے۔ مثلاً اسکول میں ماہانہ فیس لی جاتی ہے وہ اس کو دینا پڑے گی۔ خواہ لڑکا اسکول جاتے یا نہ جاتے۔ اگر اجرت متعین ہو مگر مدت مقرر نہ ہو تو معاہدہ ابارہ صحیح نہ ہوگا۔ لڑکا جتنے دن کام سیکھے گا اتنے دن کی اجرت تعلیمی ادارے یا کارخانے دار کو دی جائے گی۔ ان دنوں کی کوئی اجرت نہیں ملے گی جن میں تعلیم نہیں حاصل کی۔ اگر تعلیم یا ٹریننگ کی مدت مقرر کر دی گئی ہو، مگر اجرت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہو تو اجرت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ عرف عام کے مطابق کیا جائے گا۔ اجرت کا مطالبہ جب ہی ہو سکتا ہے اگر عام طور پر اس کام کے کھانے کی اجرت لی جاتی ہو ورنہ مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ وہ ادارے یا محکمے جن میں حکومت یا پبلک کی طرف سے کسی ایک شخص کو مزدور بنادیا گیا ہو جیسے مدارس اور تعینات یا تحقیق کے ادارے۔ ان میں چھٹی یا بیماری کے زمانے کی اجرت بھی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ حکومت یا پبلک نے اس کی اجازت دے رکھی ہو۔

۳۔ کارخانہ دار یا سناج کی طرف سے جو رقم اجیروں کو بطور انعام علیہ بونس اور پراویڈنٹ فنڈ ملتی ہے اُسے اجرت میں کمی وقت بھی محسوب نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اجرت میں نقد رقم کو دیا جانا جاتے ہو جن میں کو۔ اسی طرح کھانے پکڑے پر کسی کو لازم نہ رکھا جائے گو نکان کی تعلیم میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اگر کسی ملک میں اس کا رواج ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن اس صورت میں دی گھانا پکڑا اجیر کو دیا جائے گا جیسا عام طور پر مستاجر خود کھانا پکڑتا ہے۔ مکاتب میں طالب علموں سے مٹھائی تقسیم کرانے کا رواج صحیح نہیں ہے البتہ اگر بطور اجرت استاد ہو تو صرف استاد کے لئے برابر ہے۔ تعلیم کرنے کے لئے درست نہیں ہے۔

۵۔ کسی سفارش پر اجرت لینا جائز نہیں، ۵۔

۶۔ اجرت دے کر کسی حافظے سے تراویح پڑھوانا بھی غلط عمل ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کے نماز تراویح ادا کی جائے۔

۷۔ لہو و لہب یا غیر طلال اور ناجائز چیزوں کی تیاری یا امت کی اجرت لینا ناجائز ہے جس طرح ہر غیر اسلامی کام پر اجرت لینا حرام ہے۔

یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اجیر و مستاجر کے حقوق کا تعین کر کے ان پر عملدرآمد کرائے اور پھر اجیروں کے بیکار یا مندور ہو جانے پر ان کے ضروریات زندگی پورے کئے جانے کا انتظام کرے۔

**محنت کش جانوروں کے حقوق** محنت مزدوری کے سلسلہ میں مختلف قسم کے جانوروں سے کام لیا جاتا ہے اور انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسلامی شریعت نے جہاں محنت کش انسانوں کے حقوق مقرر کئے ہیں وہاں ان بے زبان جانوروں کے حقوق بھی رکھے ہیں۔

قرآن کریم نے جانوروں کو بھی انسانوں کی طرح ایک امت کہا ہے :-

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا فِيْهِ حَقٌّ مِّمَّا يَكْتُمُونَ لِرَبِّكَ لَا تَعْلَمُهُ إِلَّا مَنْ إِيَّاهُ يَعْلَمُ وَلَا يَحِثُّ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْ يَسْتَلِمُهَا يَوْمَ يَكْفُتُ الْأَنْفُ مَا يَكْفُتُ إِلَّا مَنْ يَشَاءُ لِيُخْبِرَ أَهْلَ الْحَقِّ مَا كَانُوا يَكْفُمُونَ (۱۲)

”زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور ہوا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری طرف امت ہے۔“

خدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسان اور یہ جاندار دونوں برابر ہیں۔ خدا نے جانوروں کو انسان کا تابعدار بنانا واجب نہیں کیا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کی تکلیف و آرام کا خیال رکھے بغیر جس طرح وہ جتنا چاہے کام کرنا چاہے۔ یہ محض اخلاقی ہدایت ہی نہیں بلکہ قانونی دفعہ بھی ہے اس کی تائید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار کیا کرتا ہے اور لا وجہ اس کے گھوڑے بھی اڑتا ہے، اس کے بارے میں نبی علیہ السلام کا کوئی ارشاد آپ کو معلوم ہے، وہ بولے مجھے معلوم نہیں۔ اندر سے ایک خانوں بولیں: خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ نہاری جیسی ایک مخلوق ہے۔ پھر وہ آیت تلاوت کی جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا کی کسی مخلوق کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ سواری پر بیٹھتے وقت یہ بڑے کی تلقین کی گئی ہے :-

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ

(پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا تابعدار بنایا۔ ہم اس کو قبضے میں نہیں لاسکتے تھے)

یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ جانور جن پر ہمیں قابو بخشا گیا ہے، محض اللہ کا فضل ہے ورنہ ان کو قابو میں لانا انسانی بس سے باہر تھا۔ ان ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر ان جانوروں کے حقوق مقرر فرماتے ہیں جن سے ہم کام لیتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۱۔ جانوروں سے وحشی کام لیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک نقیل دے کر اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ ایک شخص بیل پر سوار ہو کر اس کو مارنے لگا تو بیل نے دم کو  
بھاگوں میں سواری کے لئے نہیں بیدار کیا گیا ہوں (بخاری باب استعمال البقر للحرث)

آپ نے فرمایا کہ سواری کے جانور کی بیٹھ کو منہ نہ بناؤ، خدا نے اسے صرف اس لئے تمہارا فرماں بردار  
بنایا ہے کہ جن مقامات تک تم مشقت سے پہنچ سکتے ہو، وہ آسانی سے پہنچا دے۔ منہ نہ بنانے کے دو  
مفہوم ہیں۔ (۱) جانور کی بیٹھ کو ٹکڑی یا پتھر سے بنا ہوا منہ نہ سمجھو کہ معنی دیر چاہو بیٹھ رہو (۲) ایک جاندار  
کو آرام کرنے اور خدا کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس سے کام لینے کے بعد اس کی غذا کا اور آرام کا سامان کر دو۔  
۲۔ جانوروں سے کام لینے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ بھوکے پیاسے اور نڈھال تو نہیں ہیں۔ ایک بار  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو ایسے اونٹ پر بیٹھا دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے بیٹھ گیا تھا۔ فرمایا:  
”بلے زبان جانوروں کے منہ میں خدا سے ڈرو“ ان پر سوار ہو تو اچھی حالت میں سوار ہو۔ ”فار کبواھا صالحاً“  
(ابوداؤد کتاب الجہاد) مطلب یہ کہ سوار ہونے سے پہلے اچھی طرح کھلا پلایا کرو اور یہ بھی دیکھ لیا کرو کہ بیمار  
تو نہیں ہیں۔ ایک انصاری اپنے اونٹ سے زیادہ کام لینے اور چارے کا خیال کم رکھتے تھے۔ آپ نے ان کو کھانے  
پر تنبیہ فرمائی:-

اَفَلَا تَتَّقِي اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِي مَلَكَ اللَّهُ اَيَاتِ اَنْتَ تَحْيِيهِ وَتَمُدُّ مَبْلَكَ  
”یہ اس جانور کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتے جس نے تم کو اس کا مالک بنایا اور تم اُسے بھوکا  
رکھتے ہو اور مشقت لیتے ہو۔“

حضرت انس بن مالک عام صحابہ کا سواہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:- ہم لوگ جب منزل پر اترتے تھے تو  
نماز پڑھنے سے پہلے اونٹوں کے کجاوے کو مل دیتے تھے۔ اس اسوے کی روشنی میں علامت حدیث نے لکھا  
ہے کہ اپنے کھانے پینے اور آرام سے پہلے جانوروں کے کھانے پینے اور آرام کا سامان کرنا چاہئے۔  
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے منہ پر مارنے اور انھیں دانے کی ممانعت فرمائی ہے اور ایسا کرنے  
والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

۴۔ جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ جانوروں کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا بھی آپ کو اسی طرح ممنوع تھا جس طرح انسان کو گالی دینا اور مادۃ  
نمون یا مردود کہہ دینا۔

جانوروں سے سلوک مذکورہ ہایات کی حیثیت محض اخلاقی ہی نہیں قانونی بھی ہے یعنی ان کی خلاف ورزی کرنے کی قانونی حیثیت والوں کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ حکومت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جانوروں کے مالکوں کو چارے کا اچھا انتظام کرنے اور جانوروں کو آرام پہنچانے کی ہدایات جاری کرے مگر ان پر کوئی جبر نہ کرے۔ مگر امام مالک امام شافعی اور امام احمد حنبل منفعت طور پر فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے جانور کو ٹھیک طرح سے چارہ نہیں دیا تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اسے مجبور کرے کہ وہ یا تو ٹھیک سے چارہ دے یا جانور کو بیچ دے ورنہ اسے ان تجویز علی نفقتہا آؤ بیعہا امام مالک اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جانور سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لیتا یا بوجھ لادتا ہے تو مالک اس کو اس فعل سے روک دینے کا حق رکھتا ہے۔  
(انہ یمنع من حملها مالا تطبیق)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنے جانور پر سوار جا رہا ہو اور وہ جانور کسی دوسرے کی چیز کا نقصان کر دے تو مالک کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔  
مثلاً کسی کا کھیت کھا لیا یا راستے میں کسی چیز کو توڑ ڈالا یا خراب کر دیا۔  
اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب جانور کے جسم اور اعضاء سے ہونے والے نقصان کی ذمہ داری مالک پر ہے تو پھر خود جانور پر جو زیادتی یا ظلم ہو گا جس سے اس کے جسم و جان کو نقصان پہنچے گا، اس کا ذمہ دار وہ کیوں نہ قرار دیا جائے۔

## زراعت

ذرائع معاش میں اہم اور بڑے ذریعے دو ہیں ایک تجارت دوسرا زراعت یہ دونوں مبارک پیشے ہیں اور قرآن و حدیث میں دونوں کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

امام نسائی مشہور حنفی عالم نے اس سوال پر زراعت زیادہ بہتر ہے یا تجارت بحث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و تحیُّد النَّاسِ مَنْ هُوَ أُنْفَعُ النَّاسِ (بہتر آدمی وہ ہے جو عام لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچائے) کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے کہ:

فَالَّذِي شَعْلَانٌ يَمَّا يَكُونُ لِنَفْسِهِ  
أَعْمَةً يَكُونُ أَفْضَلَ  
وہ کام جس کا فائدہ زیادہ عام ہو وہی افضل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ملک میں غلہ وافر ہو لیکن تجارت کا نظام درست نہ ہو تو تجارت کے کام کو صحیح منبج پر کرنا بہتر اور مقدم ہے لیکن اگر غلے کی کمی ہو تو سب سے ضروری کام زراعت کو فروغ دینا ہوگا۔

خداوند تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنْعَامِ ۚ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۚ وَالْعُجْبُ ذُو الْقَصْفِ ۚ وَالزَّيْتَانِ ۚ

(سورہ رومن - ۱۲)

خدا نے زمین مخلوق کے فائدے کے لئے بنائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے دھت

جن پر غلات ہوتا ہے اور بھوسے دار غلہ اور خوشبو دار پودے پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن میں اس طرح کی آیتیں بہت ہیں جن میں انسان کو خطاب کر کے یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا نے زمین کو تمہاری روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔

هُوَ الَّذِي مَخْلَعُ لَكُمْ الْغُرُوحَ ذُلُولًا فَأَنْشَأُوا فِي مَتْنِهَا وَحُلُولًا وَمِنْ بَنَاتِهِ

وہ اللہ جس نے زمین تمہارے لئے ایسی پست کر دی کہ تم اس کے اوپر چلو اور



اس کا اگایا ہوا رزق کھاؤ۔

ان آیات میں انسان کو زمین سے فائدہ اٹھانے اور اُس سے سامانِ رزق حاصل کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ زمین سے استفادہ کے اس عمل کو فقہانے مزارعت، مساقات اور مختارت کے اصطلاحی الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اس کا مصدر ”زرع“ ہے جو دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) زرعہ (یعنی بیج) ڈالنا۔ جس کا مطلب زمین میں بیج بونا ہے (۲) انبات (یعنی اگانا) اس معنی میں اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہی کی جاسکتی ہے، چنانچہ اس معنی میں کسی شخص کو زرعۃ کہنا حدیث میں منع فرمایا گیا ہے بلکہ حُرثت کہنا چاہیے جس کے معنی ہیں ”میں نے جو تلوایا“ قرآن میں کہا گیا ہے:

أَفْرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ إِنَّكُمْ تَزْرَعُونَهَا أَمْ عِنْدَ الزَّالِمِينَ ۖ (واقعہ آیت ۶۴)

تمہارا کیا خیال ہے جو کھیتی تم کرتے ہو کیا تم اُسے اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں۔  
اللہ تعالیٰ نے کھیتی کے کام یعنی بیج بونے کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا ہے رہا اُس کا اگانا تو بندے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے وہ صرف بیج ڈالتے ہیں اگانا ہرگز ان کے بس میں نہیں۔  
اُنراگ بھی اُسے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ تَشَاءُ لَجْعَلْنَاهُ حُطًا ۚ مَّا يَعْنِي هُمْ أَهْلًا لِّهُ بِرَبِّهِمْ رُبُلًا ۚ (کہہ کر رکھ دیں گے)

تاہم ”زرع“ کی نسبت انسان کی طرف ان معنوں میں جائز ہے کہ وہ زمین کو جوتے، اس میں بیج ڈالے اور عام ذرائع کے مطابق اُس کی دیکھ بھال کرے رہا اُس کا اگانا تو آج سائنس کا ایک معمولی طالب علم جانتا ہے کہ بظاہر دو آدمی زمین میں محنت کرتے جوتے بوتے کھا دیتے اور پانی پہنچاتے نظر آتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنی ایک خفیہ فوج یعنی چھوٹے چھوٹے نیٹوں (بیکٹیریا) کے ذریعے کئی آدمیوں کی طاقت پہنچاتا ہے تب پودے اگ پاتے ہیں اور ہم غلہ اور پھل حاصل کرتے ہیں اگر یہ خفیہ فوج کام چھوڑ دے تو ان کی ساری محنت کاٹ جائے چھریہ زمینی معدنیات کو لیے ہوئے سمندر کا کھاری پانی بھاپ میں تبدیل ہو کر بختی پر نہ برے تو خشک زمین پر کچھ نہ اُگے۔

اَلَا تَسْئَلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ اِلٰی الْاَرْضِ الْعِزِّزِ فَنُخْرِجُ مِنْهَا مَا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَلُمُوْهُ وَاَنْفُسُهُمْ

اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱﴾

(سجده۔ آیت۔ ۲۷)

ہم خشک زمین پر پانی برساتے پھر اس سے کھیتی اگاتے ہیں جس کو تمہارے جانور بھی کھاتے ہیں اور تم بھی کھاتے ہو کیا وہ یہ دیکھتے نہیں رہتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ خدا کی قوت تخلیق کا نتیجہ ہے تو ان تمام حدود کی پابندی انسان پر لازم ہو جاتی ہے جو خالق کی طرف سے عائد کی جائے۔

اِنَّا بَلَلْنَاهَا مَاعِلِ الْاَرْضِ ذِيْنَةُ لَهَا لَنَبْلُوَنَّهُمْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۲﴾ (ہفت۔ آیت۔ ۷)

ہم نے زمین پر پیدا ہونے والی چیزوں کو اُس کے لئے رونق کا سامان بنا دیا تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

قرآن نے اُن چیزوں کا ذکر کر کے جن کا وارث انسان بن جاتا ہے کہا ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اَمْرًا مِّنْ رَّبِّهِ يَزِدْهُ مَالًا مِّنْ رَّبِّهِ وَيُؤْتِ اَحْسَنَ لِمَا سَأَلَ ﴿۳﴾ (نساء۔ آیت۔ ۱۳)

جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اُس کے مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

زمین کی پیداوار کو کاٹتے وقت یہ حکم ہے کہ:

وَاَنْتُمْ حَقُّوْهُ حَقًّا مِّمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۴﴾ (انعام۔ آیت۔ ۱۴۱)

اس کا حق کٹائی کے دن دے دو اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

”حق“ میں ہر طرح کا وہ انسانی حق آگیا جو خدا نے انسان پر مقرر کر دیا ہے اور اسراف سے ممانعت میں وہ تمام زیادتیاں، حق تلفیاں بے احتیاطیاں آگئیں جو زمین کے سلسلہ میں آدمی کرتا ہے۔

ارشادات رسول میں حقوق کی پوری تفصیل اور وہ ہدایات ملتی ہیں جن سے زمین کو جائز طریقے سے استعمال میں لانے کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ شَيْئًا مِّنَ الْاَرْضِ فَلَمْ يَكُنْ لَهَا بَيْعًا وَلَا هَبًّا فَهُوَ سَاحِقٌ ﴿۵﴾ جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلم سے  
ظَلَمًا فَاِنَّهُ يَبْطُوْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿۶﴾ دباؤی اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں  
الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ ذَلْتَ كَاطِقٌ طَالَ كَا جَوْ اَسْ زَمِيْنٍ سَاتِ كَا بَوَجَلْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿۷﴾

ظلم سے کوئی زمین حاصل کرنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زبردستی کسی کی زمین کا مالک بن جانا، دھوکہ دے کر یا جھوٹے مقدمہ کے ذریعہ زمین کو اپنے نام کر لینا، مقروض پر دباؤ ڈال کر اُس کی زمین کم قیمت پر اپنے نام لکھوا لینا وغیرہ غرض حق تلفیوں کی تمام شکلیں ظلم میں داخل ہیں۔ کھیتی کرنے کے طریقے سے زمین اُس نے حاصل کی ہے یا وراثت میں ملی ہے اُس کو اپنے ہاتھ سے جوتے ہوئے، دوسری یہ کہ وہ کسی معذوری یا مشغولیت کے سبب خود یہ کام نہ کر سکے تو دوسروں سے مدد لے، اس کی تین صورتیں ہیں (۱) اپنا کھیتی کسی کو بٹائی پر دے یعنی زمین اور بیج وغیرہ اس کا ہوا و محنت بل پہل دوسرے شخص کے اور اس اشتراک سے جو کچھ پیدا ہو دونوں بانٹ لیں (۲) نقد لگان ملے کر کے زمین کسی کو دی جائے۔ زمین کا مالک مقررہ لگان وصول کرتا رہے اور لگان ادا کرنے والا پیداوار سے فائدہ اٹھاتا رہے (۳) زمین 'زیج' بل سبیل سب ایک آدمی کے ہوں۔ اور وہ آدمی دوسروں سے مزدوری پر کام لے۔ مزدوروں کو مزدوری دیتا رہے اور جو کچھ پیداوار ہو وہ خود لے۔

اپنے ہاتھ سے کھیتی کرنے کے فائدے  
غذا انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے ہاتھ سے کھیتی کر کے اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور ان کی ضرورت سے جو بیج جاتا ہے اُسے دوسرے بندگان خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، وہ انسانی زندگی کے لئے بڑی خدمت انجام دیتے ہیں تو جو شخص اپنی زمین پر جلد حد کی پابندی کرتے ہوئے کھیتی کرتا ہے یا باغ لگاتا ہے تو اپنے لئے حلال روزی کھاتا ہے اور دوسری مخلوق اگر اُس میں سے کچھ کھالے تو اس شخص کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، رسول اللہ نے فرمایا ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا  
أَوْ يَزْرعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ  
طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ  
إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔  
کوئی مسلمان جو درخت لگائے یا کھیتی کرے  
اگر اُس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ  
کچھ کھاپی لیتا ہے تو اس کے لئے یہ صدقہ  
ہو جائے گا۔

**اجارہ ارض** اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا یا اس میں یہ کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اُسے حق ہے کہ وہ نقد لگان مقرر کر کے اپنی زمین دوسروں کو دیدے، اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مزارع (کاشتکار) پوری پیداوار کا مالک ہوگا اس کو شریعت میں اجارہ ارض کہتے ہیں، یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

**مزارعت** اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا دوسرے لوگ زمین کو لگان پر نہیں لیتے تو دوسری صورت یہ ہے کہ بٹائی پر کھیتی کرنے کے لئے دیدے یعنی غلہ کی پیداوار میں آدھا حصہ مالک زمین کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش اس کو مزارعت کہتے ہیں۔ ایک دوسری اصطلاح میں متابہہ بھی اسی معنی میں ہے یعنی کھیتی باڑی کا معاہدہ جو پیداوار کے ایک حصے کی اجرت پر کیا جائے۔ مزارعت کا معاملہ اجرت اور کرایہ جیسا ہوتا ہے مگر نتیجے کے اعتبار سے یہ شرکت کا معاملہ ہے جس طرح اجرت اور کرایہ کے معاملہ میں کسی چیز کا فائدہ کچھ معاوضہ دے کر حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح مزارعت میں ایک مزارع (کاشتکار) کو مالک زمین کسی متوقع فائدے کے پیش نظر اپنی زمین حوالے کرتا ہے لیکن اس معاملے کے نتیجے میں جو پیداوار ہوتی ہے اس کی تقسیم ان ہی اصولوں پر ہوتی ہے جن پر شراکت کا رد ہا کے فائدے کی تقسیم ہوتی ہے اس لئے مزارعت کے معاملے میں اجرت اور شرکت دونوں کے شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے۔

**مزارعت کا خاص حکم** جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ مزارعت ابتداءً اجرت اور کرایہ کا معاملہ لیکن نتیجتاً شرکت کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس کا خاص اور امتیازی حکم یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصے کے اعتبار سے ہو یعنی پیداوار کا چوتھائی (¼) یا نصف (½) یا دو تہائی (⅔) فلاں کو ملے گا اور باقی فلاں کو۔ اس طرح نہ ہو کہ اتنے من پیداوار یا زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے وہ تمہاری ہوگی، دونوں صورتوں میں بٹاؤ فرق ہے، مقدار مقرر کر دینے کی صورت میں اگر بالفرض اتنا ہی غلہ پیدا ہوا جو مالک زمین نے اپنے لئے ملے کیا تھا تو وہ سراسر فائدے میں رہے گا اور کاشتکار بالکل خسارے میں لیکن اگر حصے کے اعتبار سے پیداوار تقسیم کی جائے گی تو کم یا بیش جتنا بھی پیدا ہوگا دونوں کو اپنے حصے کے مطابق ملے گا اگر فائدہ ہوگا تو ۵۰۰، ۱۰۰، ۲۰۰ کو اور نقصان ہوگا تو دونوں کو ہوگا اس

حکم کے صحیح ہونے کی بنیاد احادیث صحیحہ پر ہے، بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی سے حاصل شدہ نصف پہل یا پیداوار کے معاوضہ پر معاملہ کیا تھا۔

مزارعت کے ارکان و شرائط امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کے ارکان وہ امور ہیں جن سے مالک اور کاشتکار کے درمیان معاہدے کی تکمیل ہوتی ہے، یہ ارکان ہیں ایجاب و قبول۔ اگر زمین کا مالک کاشتکار سے کہے کہ میں یہ زمین تم کو دیتا ہوں اور تم پیداوار کے نصف یا تنہائی پر کام کرو اور کاشتکار کہے کہ مجھے منظور ہے تو معاہدے کی تکمیل ہوگئی، ظاہر ہے کہ مذکورہ الفاظ میں یہ امور شامل ہیں، کاشتکار کی محنت قابل زراعت زمین، آلات کشت و ریزی اور وہ بیج جو زمین میں ڈالا جائے۔ اسی لئے بعض اصحاب نے مزارعت کے ارکان کی تعداد چار بتائی ہے۔ زمین۔ کاشت کاری۔ بیج اور آلات کشت و ریزی، شرائط میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں اپنی مرضی سے معاملہ کر سکنے کے قابل ہوں یعنی نفع نقصان کا شعور رکھتے ہوں، فاجر العقل اور بے شعور نہ ہوں۔ باغ ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو زمین دی جائے وہ قابل کاشت ہو، اور یا بنجر زمین جس میں کاشت نہیں کی جاسکتی اس میں عقد مزارعت درست نہیں اور

(۲) جس رقبہ زمین کے بارے میں کھیتی کا معاہدہ ہوا ہے وہ معلوم ہو یعنی اس کے حدود و اربعہ بنادیکھے گئے ہوں ورنہ معاملہ درست نہ ہوگا، اسی طرح ایک خطہ زمین پر کاشتکار سے معاہدہ کرتے وقت اگر یہ کہا کہ اس قدر رقبہ پر گہہوں بونا اور اس قدر رقبہ پر چنایا کوئی اور چیز تب بھی معاملہ درست نہ ہوگا جب تک زمین کی حد بندی نہ کر دی جائے۔

تیسری نہ ط مالک اور کاشت کار دونوں کو یہ طے کرنا کہ کس کو پیداوار کا کتنا حصہ ملے گا اگر دونوں کے حصہ کا تذکرہ نہ ہو تو ایک حصہ کا نہ ذکر کر دیا جائے کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے لئے ایک خطہ اراضی میں سے کوئی حصہ مخصوص کر کے یہ کہے کہ اس کی پیداوار میری ہوگی۔ اور نہ وزن دہمانے کی مقدار مقرر کرنا جائز ہے۔

جو مٹی شرط یہ ہے کہ زمین۔ ہل میل اور بیج کے بارے میں ملے ہو نا چاہئے کہ کس کی کون سی چیز ہوگی۔

یعنی آیا (۱) مالک صرف زمین دے گا اور باقی تمام چیزیں ہل میل اور بیج اور محنت کا شکار کی ہوگی یا (۲) زمین ہل میل اور بیج سب چیزیں ایک شخص کی ہوں اور صرف محنت کا شکار کی ہوگی یا (۳) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل میل اور محنت دوسرے آدمی کی تینوں صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

یا (۴) زمین اور ہل میل ایک آدمی کے ہوں اور بیج اور محنت دوسرے کی۔

یا (۵) بیج اور ہل میل ایک کا ہو اور محنت اور زمین دوسرے کی۔

یا (۶) بیج ایک آدمی کا ہو اور تمام چیزیں دوسرے کی ہوں۔ آخری دووں صورتیں منفقہ طور پر ناجائز ہیں جبکہ جو مٹی صورت کہ امام ابو یوسفؒ جانتے تھے ہیں ان کی رائے اس لئے بھی ذمہ ہے کہ قاضی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے معاملات ان کے سامنے آتے۔ جتنے تھے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین پر کاشت کرنے کی مدت کا شکار کو بتادی جائے کہ اتنے مہینوں یا سال کے لئے ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ جو چیز ہونے کے لئے زمین دی جا رہی ہے وہ بتادی جائے یا ہزار غ بہ بتادے کہ گھبوں ہوئے گا یا ترکاری یا تنباکو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کو بونا اپنی زمین میں پسند نہ کرتا ہو اور بعد میں اختلاف واقع ہو پھر حصے کی تعبیر میں بھی جنس کی صراحت کر دینے سے مدد ملتی ہے۔ البتہ اگر مالک زمین یہ اجازت دیدے کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو مزاد کو اختیار ہے جو چیز چاہے ہوئے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ زمین کو خالی کر کے کا شکار کے حوالے کر دیا جائے۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ بٹانی پر دینے کے بعد طے شدہ حصہ کے مطابق پیسہ ادا میں شریک رہنا ہے۔

فصل کرنے کے بعد اگر کوئی فریق اس میں ترمیم کرنا چاہے گا تو قابل قبول نہ ہوگی۔

اجارہ ارض کی شرائط نقد لگان پر کھیت دینے کے لئے وہ تمام شرائط ملحوظ رہیں گے جو کسی چیز کے کرایہ پر دینے کے ہیں، اس کے علاوہ مزارعت کی پانچویں اور آٹھویں شرط کے علاوہ تمام شرطیں پائی جانی چاہئیں۔ مزارعت کی تیسری شرط مالک و مزارع کے پیداوار میں حصے سے متعلق ہے۔ اجارہ ارض میں حصے کے بجائے لگان طے ہوگا۔ لگان کا تعین زمین اور بوئی جانے والی چیز کی نوعیت پر منحصر ہے، اس لئے ان دونوں کا وضاحت سے ذکر ہونا چاہئے کہ کونسی زمین کس چیز کو بونے کے لئے کاشتکار کو لگان پر دی جا رہی ہے۔ محلی۔ باجرہ۔ تمباکو اور آلو کی کاشت میں فائدے کے لحاظ سے کافی فرق ہوتا ہے اس لئے بونے جانے والی چیز کی صراحت ضروری ہے تاکہ بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اگر مالک زمین مطلقاً اجازت دیدے کہ جو چاہو بوؤ تو کاشتکار کو اختیار ہے چاہے آلو بونے چاہے تمباکو یا زعفران۔ اسی طرح زمین یا کھیت کی صراحت بھی ضروری ہے تاکہ لگان قائم کرنے میں دھوکہ نہ ہو جو بعد کو اختلاف کا سبب بنے۔

۲۔ لگان پر زمین لینے والے کو یہ اختیار ہے کہ سال میں جتنی فصلیں چاہے بئے اور کاٹے۔ البتہ اگر مالک زمین بنے یہ قید لگا دی ہو کہ صرف ایک فصل بونے کے لئے زمین دی جا رہی ہے تو اسی صورت میں قانونی طور پر ایک سے زیادہ فصل کی کاشت کو روکنے کا حق ماحصل ہے مگر اخلاقاً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

کھجور کے درختوں، انگور کی بیلوں وغیرہ کی بہتری اور دیکھ بھال کے لئے اُس مساقات کی پیداوار کے مقررہ حصے کے معاوضہ میں کام کرنے کو مساقات کہتے ہیں۔ مساقات کے معنی اور تعریف سقائی کے معنی پانی دینے کے ہیں۔ مساقات میں نخل و شجر وغیرہ میں پانی دینے کے علاوہ اور دو باتیں

بھی شامل ہیں مثلاً درختوں کی صفائی اُن کی کاٹ چھانٹ اور دیکھ بھال۔ ان کاموں میں پانی دینا سب سے اہم کام ہے، اس لئے اس کی وجہ تسمیہ میں دو مری باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا باغ یا درخت کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ تم اس باغ یا درختوں کی پوری طرح خدمت کر دو انھیں پانی دو اور ہر طرح کے نقصان پہنچانے والے جانوروں

اور کٹروں وغیرہ سے محفوظ رکھو۔ پھر جو پھل ہوگا اُسے دونوں بانٹ لیں گے تو اس کو شریعت میں مساقات کہتے ہیں۔

**مساقات کے شرائط** مساقات کے شرائط اور مزارعت کے شرائط میں دو تین باتوں کی وجہ سے فرق واقع ہو جاتا ہے ان کے علاوہ شرائط یکساں ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ کہ مزارعت میں بونے اور غلہ پیدا ہونے کی شرط پر زمین دینا جائز ہے جبکہ مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درختوں میں جائز ہے۔ باغ یا درخت لگانے کی شرط پر مساقات کا معاملہ جائز نہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ مساقات کا معاملہ ہو جانے کے بعد بغیر غدر شدیدہ کے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ علیحدہ ہو جائے اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا تو قانوناً اُسے معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ بخلاف مزارعت کے جس میں مدت وہ فریق معاہدے سے الگ ہو سکتا ہے جس نے بیج دیا ہے۔ ایسے دوسرے فریق اگر الگ ہوگا تو اس وقت قانوناً معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ بیج دینے والے فریق کو اس سے اجازت ہے کہ علیحدہ ہونے سے خود اُس کے حصے کا نقصان ہوگا اس لئے قانون کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن دوسرا شخص اگر علیحدہ ہوتا ہے تو بیج والے کا نقصان ہے اس لئے نقصان کی تلافی کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔ یہی صورت مساقات میں ہے کہ ایک کے علیحدہ ہونے میں دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے یعنی ایک کی محنت ضائع ہوتی ہے اور دوسرے کا مال اس لئے دونوں کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ بلا وجہ کسی کو نقصان پہنچائے۔

**مزارعت مساقات اور اجارہ ارض کے بعض عمروری مسائل** ۱۔ کاشت کے لئے ارض

کی وضاحت نہیں کی گئی اور نہ مالک زمین نے مزارع کو یہ اجازت دی کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو یہ مزارعت یا اجارہ ارض کا معاملہ کا عدم سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر معاملہ منسوخ کرنے سے پہلے اس کی وضاحت ہوگئی تو معاملہ صحیح ہو جائے گا۔

۲۔ اگر رنگان پر زمین دی تو جس مدت کے لئے دی ہے اُس کے اندر رنگان بڑھانے کا اختیار نہ ہوگا خواہ کاشتکار کئی فصلیں بوئے اور کاٹے۔ مدت ختم ہونے کے بعد اگر چاہے تو



لگان بڑھا سکتا ہے۔

۳۔ جس مدت کے لئے زمین دی گئی ہے اگر اس مدت میں فصل تیار نہ ہو جائے تو فصل کٹنے تک مالک کو زمین خالی کرانے کا حق نہ ہوگا مگر جتنی مدت زیادہ کاشتکار کے پاس رہے گی اس کا لگان مزید دینا ہوگا جس کا اندازہ طے شدہ لگان کے مطابق کیا جائے گا۔

۴۔ مزارعت، مساقات یا اجارہ ارض میں اگر مالک زمین پر بھی کام کرنے کی شرط لگا دی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ محنت کاشتکار کی ہوگی وہ مالک زمین سے محنت نہیں لے سکتا ہاں اگر وہ خود کرے تو اس کو اختیار ہے۔

۵۔ فصل کی کٹائی، ڈھلائی اور دانوں سے بھوسا الگ کرنے کی ذمہ داری مالک زمین پر ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ کاشتکار سے اس کا تعلق ہے اس لئے اس کا ذکر کاشتکار کی ذمہ داریوں میں کرنا درست ہے۔

۶۔ غلہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر فریق اپنے حصہ کو خود اٹھالے جانے کا ذمہ دار ہے اگر مالک زمین دوسرے فریق سے یہ کام لے گا تو مزدوری دینا پڑے گی۔

۷۔ یہ شرط کیڑے کے بعد غلہ لینے کے بعد باقی غلہ تقسیم کیا جائے گا فاسد ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غلہ اتنا ہی پیدا ہو جتنا بیج ڈالا گیا ہے اس لئے دوسرا بالکل محروم رہ جائے گا یہ بات شرکاء کے اصول کے خلاف ہے۔

۸۔ مزارعت کے معاہدے میں دی گئی زمین کا کوئی حصہ کھیت کا مالک اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتا مثلاً یہ کہ تاکہ کھیت کے فلاں ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ میرا اور دوسرے ٹکڑے میں جو پیدا ہو وہ تمہارا۔ یا یہ کہ ہمارا اور جو تمہارے بالوں کی ہو تو تمہاریوں میں ہوگی ہماری اور باقی ترکاریاں تمہاری یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔

اسی طرح مساقات کے معاملے میں یہ کہنا کہ باغ کے فلاں درخت مثلاً خرہنت یا دھند کی کا پھل ہمارا ہوگا یا فلاں چیز کی فصل ہماری ہوگی باقی سب چیزوں کی فصل تمہاری تو بیڑا لگا دینے سے معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

۹۔ غلے کا بھوسا بھی دونوں فریقوں میں تقسیم ہوگا اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ کل بھوسا ہم

لیں گے یا غلہ ایک کا اور جھوسا دوسرے کا تو یہ معاہدہ صحیح نہیں ہوگا اور باطل قرار پائے گا البتہ اگر وہ شخص جس نے بیج دیا ہے جھوسہ لینے کی شرط لگا دے تو شرط صحیح ہوگی کیونکہ جھوسا ضمنی نتیجہ ہے بیج کا اس لئے فقہائے اجازت دی ہے کہ وہ یہ شرط لگا سکتا ہے لیکن اگر معاملہ کرتے وقت اس شرط کو پیش نہیں کیا گیا تھا تو پھر غلے کی تقسیم کے مطابق جھوسے کی تقسیم بھی ہوگی۔

۱۰۔ بفرض محال مزارعت کا معاملہ ہو چکنے کے بعد کچھ پیداوار نہیں ہوئی تو مزارع کو کچھ نہ ملے گا لیکن اگر مالک نے زمین بیج اور بل میں دے کر بطور اجیر کا شتکار سے کام لیا اور شرط یہ رکھی کہ جو پیداوار ہوگی اس میں اتنا حصہ تم کو دیں گے تو کچھ پیداوار نہ ہونے کی صورت میں اتنے دن کی مزدوری مالک کو دینا پڑے گی۔

۱۱۔ مزارعت کا معاہدہ ہو جانے کے بعد کا شتکار نے زمین پر محنت کی یعنی دو ایک بار بل چلا چکا گھاں وغیرہ صاف کر کے زمین کو کھاد دے چکا مگر ابھی تک اس نے بویا نہیں ہے تو مالک کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے اگر بالفرض وہ معاملہ فسخ کرتا ہے تو اتنے دن کی محنت کی مزدوری اس کو دینا پڑے گی اور اگر کا شتکار نے اس پر کچھ خرچ کیے تو وہ واپس کرنا پڑے گا۔ (ہدایہ)

۱۲۔ اگر مالک زمین نے اپنا کھیت جوت اور بو کر کسی کے سپرد کر دیا کہ وہ اس میں پانی چلائے اور نگرانی کرنے جو کچھ پیدا ہوگا اس کا جو حقائی اجڑا حصہ اسے ملے گا تو یہ صحیح ہے اسی طرح اگر کا شتکار کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا چاہے تو اگر بیج مالک زمین کا ہے تو اس کی اجازت اس سے لینا ضروری ہے لیکن اگر بیج کا شتکار کا ہے یا وہ اس شرط پر شریک کرے گا ہے کہ اپنے حصے سے اتنا غلہ اسے دیں گا تو ان دونوں صورتوں میں دوسرے کو شریک کر لینے کا حق ہے۔

۱۳۔ یہ قانون کہ اگر کا شتکار اتنے سال تک کسی زمین میں کام کرنا رہے تو زمین پر اس کا حق ہو جائے صحیح نہیں ہے۔ کسی کا کیت یا باغ وغیرہ کا شتکار اسے پاس کر لیا نہ لگا یا بانی پر کتنے دن بھی ہے اسلامی شریعت کی رو سے اس پر اس کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی ایسا کرے تو یہ عمل حرام ہوگا اور ظلم و غصب قرار دیا جائے گا۔

۱۴۔ جب کھیتی پاک کر لیا ہوگی مگر باغ کے پھلوں کا بڑھنا نہ ہو گیا ہو اور پکنے لگے ہوں اس وقت مزارعت یا مساقات پر دینا صحیح نہیں ہے۔ شدید ضرورت کے بغیر بنائی پر نہ دینا چاہیے۔

جب تک بالیاں بری ہوں۔ پھل کی گٹھلیاں سخت نہ ہوئی ہوں، نرم ہوں اُس وقت مزارعت یا مساقات پر کھیت یا باغ کو دینا صحیح ہوگا۔

۱۔ جو شرطیں اجارہ ارض، مزارعت اور مساقات مزارعت کا معاملہ فسخ ہو جانا کے صحیح ہونے کی بیان کی جا چکی ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جائے گی تو معاملہ فاسد اور فسخ سمجھا جائے گا۔

۲۔ اگر زمین کے مالک اور کاشت کرنے والے میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو مزارعت یا مساقات وغیرہ کا معاملہ خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ البتہ کھیتی تیار نہ ہوئی ہو یا باغ کے پھل کچے نہ ہوں اور مالک زمین کا انتقال ہو جائے تو کاشت کار کو یہ حق ہوگا کہ تیار ہونے تک وہ فصل کی دیکھ بھال کرے اور کٹنے کے بعد اپنا حصہ اس میں سے لے لے۔ مالک زمین کے وارثین کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح کاشتکار کے وارثوں کو یہ حق ہوگا کہ کاشتکار کی وفات پر کھیتی یا پھل تیار ہونے تک اس میں سے کچھ نہ لے لیں۔ البتہ اگر کاشتکار یا اس کے وارث کام کرنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا استملاق ختم ہو جائے گا۔

مالک یا مزارع معاملے کو فسخ کر سکتے ہیں مزارعت، مساقات اور اجارہ ارض تینوں معاملات ایسے ہیں کہ جب ایک دفعہ طے پا جائیں تو مزارع یا مالک کسی کو معاملہ فسخ نہ کرنا چاہا ہے جب تک کوئی شدید عذر نہ پیش آجائے جس کی چند ہی صورتیں ہو سکتی ہیں :

۱۔ مثال کے طور پر مالک زمین مقروض تھا۔ فوری قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی وہ اپنی زمین کو بٹائی پر یا باغ کو نگرانی کے لئے دے چکا ہے لیکن ابھی کھیت میں بیج نہیں پڑا۔ دریاغ میں پھل نہیں آیا تھا کہ زمین کو بیج کر قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو وہ معاملہ کو فسخ کر کے اپنی زمین بیج سکتا ہے لیکن اگر مزارع نے بیج ڈال دیا ہے یا باغ میں پھل آپکے ہیں نواب دو صورتیں ہیں اگر کھیتی یا پھل تیار ہو چکے ہوں تو کھیتی کاٹ کر اور پھل توڑ کر زمین کو یا باغ کو بیج سکتا ہے لیکن اگر کھیتی بچی نہیں ہے یا پھل زیادہ کچے ہیں تو اُس وقت تک

معاملہ فسخ کرنے اور بیچنے کا حق نہیں جب تک دونوں چیزیں پک نہ جائیں، قرض خواہوں کو کھیتی کینے اور پھل پک جانے کا انتظار کرنا پڑے گا، وہ نہ کریں گے تو تالاٹنا انہیں اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر مزارع اتنا شدید بیمار پڑ جائے کہ کھیتی کا کام نہ کر سکے یا باغ کی ٹکرائی نہ کر سکے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ معاملہ فسخ کر دے، اور اگر دوسرے شخص کے ذریعے کام لے کر معاملہ کو فسخ نہ کرے تو اس کا بھی اس کو حق ہے۔

۳۔ اگر مزارع کو کوئی زیادہ اچھا ذریعہ معاش مل رہا ہے جس کو اختیار کرنے کے لئے کھیتی باڑی چھوڑنا چاہتا ہے تو اس کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے بشرطیکہ یہ صورت اختیار کرنے پر وہ معاشی حیثیت سے مجبور ہو یعنی اس کی گزر بسر کھیتی باڑی سے نہ ہو پانی ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔  
(بدائع الصنائع)

فسخ ہونے کی صورت میں کس کو کیا ملے گا  
مزارعت و مساقات صحیح نہ ہونے کی جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے کوئی یک بھی پائی جائے گی تو معاملہ فسخ سمجھا جائے گا۔ اب اگر معاملہ فسخ اس وقت ہوا جب مزارعت کا کام شروع ہو چکا تھا یعنی غلہ بویا جا چکا تھا یا درخت میں سپنائی کرنے کے بعد بھوں یا پور آنا شروع ہو گیا تھا تو محنت کرنے والے کو دستور کے مطابق اتنے دن کی مزدوری ملے گی اور اگر بیج کا شکار نہ دیا ہے تو مالک زمین کو دستور کے مطابق لگان دینا پڑے گا۔ لیکن اگر ابھی کام شروع ہی نہیں ہوا تھا تو کسی کو کچھ نہ ملے گا۔

## ملکیت

کسی چیز کا مالک ہونے کی حیثیت کسی زمین جائیداد یا مال پر کسی آدمی کا مالکانہ حق تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے جب ان میں سے کسی ذریعے سے کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہو جائے تو پھر اس حق کو اس کی مرضی کے بغیر نہ تو

کوئی شخص یا حکومت سلب کر سکتی ہے نہ اُس کی مرضی کے خلاف تصرف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حکومت اُس وقت دخل دے سکتی ہے جب وہ جائیداد اور مال کو فضول خرچی میں ضائع کرے یا اُس میں سلیقے سے رکھنے اور برتنے کی صلاحیت نہ ہو یا اس کے ہاتھوں کسی دوسرے شخص یا معاشرے کو نقصان پہنچ رہا ہو۔

**کن صورتوں سے ملکیت قائم ہوتی ہے** ۱۔ عام طور پر تین صورتیں ہیں کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آنے کی:

- ۱۔ کوئی شخص اپنی ملکیت کو بے رضا و رغبت دوسرے آدمی کی طرف منتقل کر دے یا معاوضہ لے کر یعنی بطور ہبہ و انعام دیدے یا قیمت لے کر فروخت کر دے تو وہ دوسرا شخص اس چیز کا مالک ہو جائے گا اور اب پہلا شخص اُس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔
  - ۲۔ آدمی کوئی چیز وراثت میں پائے اس سے ملکیت بذریعہ وراثت قائم ہو جاتی ہے۔
  - ۳۔ آدمی اپنی محنت اور کوشش سے کوئی مباح چیز جس کا کوئی مالک نہ ہو حاصل کر لے تو اُس پر بھی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔
- پہلی صورت کا بیان ہو چکا ہے اور دوسری صورت کا بیان وراثت کے ضمن میں آیا ہے، تیسری صورت کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

**مباح چیزیں** اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں اُن میں سے جن چیزوں پر انسان نے محنت مشقت کر کے دست رس حاصل کر لیا ہے وہ بجا طور پر اُس کی ملک ہیں مگر اب بھی خدا کی بنائی ہوئی لاتعداد چیزیں ایسی ہیں جو پوری آبادی کا مشترک سرمایہ ہیں اور اُن کا استعمال ہر فرد کے لئے اس وقت مباح ہے جب تک کوئی اُن پر محنت یا سرمایہ صرف کر کے اُن کو اپنے قبضے میں نہ لے لے مثلاً پانی، ہوا، آگ، روشنی خود رو گھاس، جنگلات اور زمین کے پوشیدہ خزانے جنہیں رکاز کہا جاتا ہے آبادی سے دور بیکار بجز زمینیں جنہیں موات کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

**ان چیزوں پر کیسے اور کب ملکیت قائم ہوتی ہے** ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جن پر اسلام کسی کی ملکیت تسلیم نہیں

گزشتہ مسئلہ سمندر، دریا، ہوا، فضا اور روشنی انہیں ہر انسان استعمال کر سکتا ہے اگر یہ استعمال دوسروں کے نقصان کا سبب نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا استعمال دوسروں کے لئے نقصان دہ ہوگا تو پھر اس سے روکا جائے گا مثلاً سمندر میں ہر حکومت اپنا تجارتی بیج بکھیر سکتی ہے۔ بحری بیڑا رکھ سکتی ہے، فضا میں بھی ہر حکومت اپنا جہاز اڑا سکتی ہے۔

ہر شخص سورج اور چاند کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ خواہ وہ فائدہ کسی چولہا یا گرائڈ سے یا کسی اور طرح سے، لیکن سمندر میں جہاز رکھنے کا مقصد یا فضا میں ہوائی جہاز اڑانے کا مقصد اگر کسی ملک پر حملہ کرنا ہو تو اسلامی شریعت کے مطابق اسے ظلم اور نصب قرار دیا جائے گا اور اس عمل کو دوسرے انسانوں کے لئے مہیبت دینے دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص سورج کی کرنوں سے دھوپ چولہا یا گرائڈ سے تو اسے اس کا حق ہے لیکن اگر وہ کوئی ایسی چیز تیار کرنا ہے جو انسانی زندگی کے لئے مہلک ہو تو اسے مزور دیا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں بھی اگر اسلامی اقتدار قائم اور غالب ہوتا تو ایٹم بم اور بائیوٹروجن بم کے تجربوں پر رضہ دیا پابندی عائد کرتا۔

لیکن اگر اپنی محنت سے یا سرمایہ لگا کر کوئی شخص دریا کے پانی یا سورج کی روشنی کو اپنے قبضہ میں کر کے کوئی نہز نکال دے یا روشنی کو سیلوں میں محفوظ کر لے تو اس کی ملکیت ان چیزوں پر قائم ہو جائے گی کیونکہ اس نے محنت کر کے اور سرمایہ لگا کر انہیں بنایا ہے۔ اب وہ نہر سے اپنا شیشی کرنے پر آمادہ نہ کر سکتا ہے۔ سیس کو فروخت کر سکتا ہے۔ اسی طرح کی مباح چیز میں محنت و سرمایہ لگانے کے بعد ملکیت میں آجاتی ہیں۔ کچھ چیزوں کا الگ الگ ذکر کیا جا رہا ہے۔

پانی کے ذخائر کو چار درجعات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) سمندر، دریا، بڑے دریا، دیواروں کا پانی۔ اس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

پانی

(ب) جھیلیں، بڑے تالاب، ندی اور نالے۔ یہ بھی کسی کی ملکیت نہیں۔ اس لئے اس پانی کا بھی وہی حکم ہے جو بڑے دریاؤں کے پانی کا۔

(ج) وہ تالاب، حوض، پوکھری، نہر، کنوئیں جن کو حکومت نے یا کسی شخص نے سرمایہ لگا کر بنایا ہے ان کے پانی کا حکم یہ ہے کہ سرمایہ لگانے والے کی ملکیت تو مسلم ہے لیکن مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روک دے یا پانی پلانے کا کوئی گرایہ وصول کرے۔ غنی اگر مسلم نے

اس کی ممانعت فرمائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے۔  
 (برائے نام) البتہ اگر جانوروں کی کثرت آمدورفت سے تالاب یا حوض کے کنارے ٹوٹے ٹپکے ٹھیکے اور  
 انڈینے ہو کر وہ خراب ہو جائیں گے تو پانچویں عادت کی جاسکتی ہے کہ لوگ باری باری سے امتیاز کے ساتھ جانوروں کو  
 پانی پلانے کو لائیں۔ غلات و دہلی کی صورت میں بالکل روک دینے کا بھی حق ہے۔ جو لوگ ایسے آبی  
 ذخیروں سے کمیوں کی آپاشی کرنا چاہیں تو مالک کو حق ہے کہ یا تو وہ منع کر دے یا کرایہ لے کر انھیں پانی دے۔  
 اسی طرح خوب دیڑ، کنوئیں یا نہر سے آپاشی کے لئے جو چھوٹی نالیاں بنائی جاتی ہیں، ان کا پانی بھی  
 انسانوں اور جانوروں کے پینے کے لئے مباح ہے۔ کسی حکومت کے لئے یہ زیادہ مناسب نہیں کہ عوام کے  
 پیسوں سے بنائی ہوئی نہروں یا خوب دیوں کا پانی کا کرایہ لے۔ اسلامی حکومت زراعتی ٹیکس کو لیتی تھی مگر  
 آبیانہ لینے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

(۵) وہ پانی جو آدمی اپنے گھر سے یا بھشتی مشک میں بھر لیتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ وہ اس  
 پانی کو پینے کا بھی سکتا ہے۔ دوسروں کو پینے سے منع بھی کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے  
 بیتاب ہے اور پانی رکھے والا نہ دے تو اس سے زبردستی لیا جاسکتا ہے۔

دریا اور تالاب کی پھلیاں کسی کی ملکیت نہیں ہیں جس کا بھی چاہے انھیں پیر سکتا ہے۔  
**پانی میں شکار** اگر کسی نے دریا سے پھلیاں پکڑنے کے لئے کسی سے اجرت کا معاہدہ کیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔  
 پھلیاں جو وہ مزدور شکار کرے گا اسی کی ملکیت ہوں گی، شکار کی نہیں ہوں گی۔ اگر اس نے پھلیاں پکڑنے کا  
 جال اپنے پاس سے، یا یہ کہ تو اس کا کرایہ لے سکتا ہے مگر خدا کی اس نعمت پر اپنی ملکیت قائم نہیں کر سکتا۔  
 جب تک وہ اسے اپنی محنت سے حاصل نہ کرے۔ البتہ اگر کسی نے اپنے ذاتی تالاب یا حوض میں پھلیاں پالی ہوں  
 یا کسی تالاب میں پھلیاں لاکر ڈالی ہوں اور اس کی پرورش اور افزائش پر کچھ خرچ کیا ہو تو اگر اس تالاب یا  
 حوض میں پھلیاں اتنی زیادہ ہیں کہ کوئی کسی محنت کے انھیں پکڑا جاسکتا ہے تو وہ بلاشبہ اس کی ملکیت ہیں۔ وہ  
 انھیں تالاب یا حوض میں رہتے ہوئے بھی بیچ سکتا ہے لیکن اگر انھیں پکڑنے کے لئے شست لگانا پڑتی ہے،  
 یا ممال ڈالنا پڑتا ہے تو چونکہ پھلیاں اس کی ملکیت ہیں، اس لئے انھیں پکڑنے سے دوسروں کو منع کر سکتا ہے  
 اگر خود بیچنا چاہتا ہے تو پہلے ان کا شکار کرے پھر انھیں فروخت کرے۔

(۶) خود روگھاس خواہ وہ کسی شخص کی اپنی زمین پر ہو، کسی کو اس کے کاٹنے یا جانوروں کو

چسنے یا چرانے سے روک نہیں سکتا اور نہ اسے بچ سکتا ہے۔ اس کو ہر حال یہ حق ہے کہ اپنی زمین کے اہلٹ میں کسی کو نہ آئے دے لیکن اگر اس نے گھاس اُکاٹے پر خرچ کیا ہے یا محنت کی ہے تو پھر اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ دوسروں کو کاٹنے یا چرانے سے روک دے اور یہ بھی حق ہے کہ خود کاٹ کر یا خر دوڑی پر کٹوا کر یا بغیر کاٹے ہوئے بچ دے۔

(۳) خود دوسرے جنگلات :۔ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ ان سے ہر انسان کو لکڑی کاٹنے اور لیجانے کا حق ہے، البتہ اگر وہ جنگل کسی نے لگایا ہے یا کسی کی زمین پر لگا ہے تو وہ اسی شخص کی ملکیت متصور ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسے خود در جنگل سے جو نہ کسی نے لگایا ہو، نہ کسی شخص کی زمین پر ہو لکڑی کاٹے یا خر دوڑی دے کر کٹوائے تو وہ لکڑی اسی کی ہوگی، کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔

**رکاز اور کنسر** زمین میں پائی جانی والی وہ چیزیں جو کھدائی کے بعد ہی معلوم کی جاسکتی ہیں، رکاز کہلاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خود بخود زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں جیسے کوئلہ، پٹرول، البرک، گندھک، سونا، چاندی، لوہا، تانبا، پتیل اور نمک وغیرہ ان کو معدنیات کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ چیزیں جن کو کسی انسان نے زمین میں دفن کر دیا ہو انھیں کنسر (خزانہ) کہتے ہیں۔ معدنیات میں ایک تو وہ معدنیات شمار ہوتی ہیں جو آگ سے نرم کی جاسکتی ہیں جیسے لوہا، چاندی، سونا، تانبا وغیرہ دوسرے وہ چیزیں جو قطرنا۔ سیال ہوئے جیسے پٹرول اور تیل وغیرہ یا وہ جو سیال تو نہیں مگر آگ سے سیال بنائی جاسکتی ہیں، تو اگر کوئی شخص پہلی قسم کا معدن پا جائے یا دریافت کر لے تو اگر وہ ایسی زمین میں ہو جو اس کی ملک ہے تو اس معدن کا پانچواں (۱/۵) حصہ اسلامی حکومت لے لے گی اور باقی دیا، حصہ اس کا ہوگا لیکن اگر وہ زمین اس کی ملک نہ ہو تو پھر دوسری قسم میں یا تو اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہوگی تو اس صورت میں بھی ۱/۵ بیت المال کا اور باقی ۴/۵ دریافت کرنے والے کا حصہ ہوگا لیکن اگر وہ زمین عام لوگوں کی ملکیت ہو یعنی سب کا مفاد اس زمین سے وابستہ ہو تو پھر پورا معدن اسلامی حکومت کا ہوگا۔ اسی طرح اگر حکومت کسی ماہر طبقات الادمن کے ذریعے کوئی معدن دریافت کرے تو وہ اسلامی حکومت کی ملکیت ہوگا۔

کمزور کا حکم :۔ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اُسے کسی شخص نے، فنی کیا تھا تو اس کا حکم "لقد" کا ہوگا، اور اگر نہ معلوم ہو تو پھر ۱/۵ حکومت کا اور باقی ۴/۵ پانے والے کا حصہ ہے۔

**موات** موات کے لفظی معنی امیری ہوئی یا بیکار چیز کے ہیں اور شریعت میں اس زمین کو کہتے ہیں جو انبک



مردہ پڑی ہوئی ہے یعنی وہ آباد نہیں ہوئی۔ یا کسی آبادی کی گئی تھی مگر اب اُس کا کوئی مالک باقی نہیں ہے۔ وہ پرتی، بڑی ہوئی ہے۔ ایسی زمین کو جو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ یعنی جس نے کسی بے کار اور غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہوگی (ترمذی) ایک دوسرا ارشاد ہے: مَنْ عَمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهِيَ أَخْتُ رَبِّهَا (یعنی جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو، اسے جس نے آباد کیا وہی اُس کا حق دار ہے۔) (بخاری)

۱۔ وہ بیکار، بخر اور اوسر زمین موات قرار دی جائے گی۔ جو آبادی کے اندر نہ ہو اور نہ آبادی کے آس پاس ہو بلکہ آبادی

## موات کا مالک بننے کی شرطیں

سے تین چار فرلانگ دور ہو۔ آبادی کے اندر کی بیکار زمینیں مکان بنانے یا کسی اجتماعی کام کے لئے یا بطور چراگاہ استعمال کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ان پر کوئی بے اہل زنت قبضہ نہیں کر سکتا۔ آبادی سے قریب خالی زمینیں جو زراعت کے علاوہ اور کسی کام میں نہ آسکتی ہوں ان پر حکومت کی اجازت قبضہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ وہ بیکار پڑی ہوئی زمین جس کا کوئی مالک نہ پہلے تھا۔ اب ہے، یا کوئی مالک رہا ہو لیکن تین برس تک اس نے اُسے بغیر مزد و چھوڑ رکھا ہو تو حکومت اُسے حیر قرار دے کر کسی دوسرے کو دے دے گی۔

(حجرتِ تعریف آگے بیان کی گئی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَيْسَ لِمَنْ حَتَّ جُرْعًا ثَلَاثَ سَنِينَ حَقٌّ (یعنی تین سال تک زمین پر چھوڑ دینے والے کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔)

۳۔ حکومت سے اجازت لے کر ہی کسی بیکار زمین کو آباد کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص حکومت کی اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو وہ مالک نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا حَقَّ إِلَّا لِلَّهِ وَمُؤَلِّهِ يَئِي كَسِي بِيكَارِ زَمِينٍ كَأَنَّ مَرْتِ اللَّهِ وَأَنَّ اسَّكَ رَسُولُ كُوهِي يَئِي، (یعنی حکومت کو۔ زمانہ جاہلیت کے اس طریقے کو کہ جہاں بیکار زمین کو دیکھتے کہ اس میں زیرِ خرمی کے آثار پائے جاتے ہیں تو اُسے اپنے اور اپنے جائیدادوں کے لئے مخصوص کر لینے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسلامی حکومت میں اس طریقے کو منسوخ فرمایا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں کوئی آدمی امام (یعنی حکومت) کی اجازت کے بغیر کسی بے کار زمین کا مالک نہیں ہو سکتا مگر امام مالکؒ کے نزدیک

صحرائی اور بیابانی زمینیں باآبادی سے بہت دور کی زمینوں کو اگر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اپنے تصرف میں لے لے تو اس کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا کیونکہ ایک عام آدمی کیلئے حکومت کی اجازت حاصل کرنے میں کافی دشواری ہے امام مالکؒ

امام احمد منہج اور ضعیف مسلک کے دو امام (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) بھی اسے کی تائید کرتے ہیں۔  
 عام تمدنی اور انتظامی اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے مرتجح ہے لیکن ملک میں غلہ کی شدید ضرورت کے وقت ملک کی بیکار زمینوں کو قابل کاشت بنانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے تمدنی اور انتظامی حالات کا تعلقنا یہ ہونا ہے کہ بیکار زمینوں پر کاشت کرنے کی عام اجازت حکومت کی طرف سے دی جائے کہ جو جتنی زمین آباد کر کے غلہ پیدا کرے گا۔ اس زمین پر اس کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔  
 ۴۔ بیکار پر پڑی ہوئی زمین کا مالک بننے کے لئے جو غلہ شریعہ ہے کہ جس زمین کو آباد کرنا وہ چاہتا ہو، اس کی بھلائی اور زمین تولدے کا کام شروع کر دے پانی دینے کی نالیوں وغیرہ بنادے۔ یہ چار شرطیں اگر پائی جائیں گی تو غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا، ورنہ نہیں۔

**بعض دوسرے ضروری سائل** (۱) اگر کسی بیکار پڑی ہوئی زمین کے بارے میں حکومت کسی کو صرف یہ اجازت دے کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ مگر حق ملکیت قائم نہیں ہوگا تو اسے اس کا حق ہے (مجلد صفحہ ۱) لیکن ملکیت میں دیدینے کے بعد یہ حکومت بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں لے سکتی۔

۲۔ حکومت سے دس ایکڑ زمین کاشت کرنے کے لئے کسی نے لی، اس میں سے ۵ ایکڑ زمین جوت بولی اور ۵ ایکڑ چھوڑ دی تو اگر معذوری کے سبب ایسا کیا ہے تو ختم ورنہ تین برس کے بعد حکومت وہ پانچ ایکڑ کسی دوسرے کو دے سکتی ہے۔ اگر تمام زمین آباد کر دی اور بیچ میں بھڑکی سی جگہ چھوڑ دی ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں، وہ اس کی ملکیت میں رہے گی، حکومت دوسرے کو نہیں دے گی۔

۳۔ اگر کسی کی آباد کردہ زمین کے گرد دوسرے لوگوں نے زمینیں آباد کر لیں تو انھیں مقرر اتنا راستہ چھوڑنا پڑے گا جس سے پہلا آدمی اور اس کے جانور گزر سکیں۔

۴۔ اگر کسی نے زمین کے گرد چھار دیواری نہادی یا کھاتی کھودی یا لوہے کے تار سے گھیر لیا لیکن زمین کو چھوٹا کر دیا نہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے زمین کو آباد کر لیا، خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس نے صرف کانٹے دار گھاس یا جتنہ پیچر اور دھڑ لگا دئے یا رکھ دئے یا اس کی گھاس وغیرہ صاف کر دی یا کنوئیں کھود لیا اور تین برس تک کھیتی نہیں کی تو اس پر آباد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ حکومت وہ زمین کسی دوسرے شخص کو دے سکتی ہے یا اگر وہی بھر لینا چاہے اور حکومت کو یہ باور کرائے کہ وہ کسی معذوری کی وجہ سے آباد

نہ کر سکتا تھا تو اسی کو دے سکتی ہے۔

۵۔ جو کنواں اس نے غیر آباد زمین میں کھودا ہے وہ اسی کی ملکیت ہو گا۔ خواہ زمین اسی کی ملکیت نہ رہے۔ جس طرح مسلمان کسی زمین کو آباد کر کے اس کا مالک ہو جائے اسی طرح اگر غیر مسلم بھی کوئی غیر مسلم کا حکم زمین آباد کرے گا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

**آپ سانی کا انتظام** ۱۔ کبھی کو پانی دینے کے لئے کنواں کھودنا یا ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے ہو اور چند ملکیت والوں میں پہلے یا بعد میں آپ پاشی کرنے پر اختلاف واقع ہو جائے تو جس کا نقصان زیادہ ہو رہا ہو وہ پہلے آپ پاشی کرے گا۔ ندی یا تالاب میں مشین لگا کر بھی پانی لینے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے دوسروں کا نقصان نہ ہوتا ہو، اگر پانی ختم ہو جائے گا نہ لبیشہ ہو، مغرب اور کم آمدنی والے لوگوں کے لئے آپ پاشی کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو۔ یا اس سے دوسری اجتماعی ضرورتیں یا جانوروں کو پانی پلانے کی سہولت متاثر ہوتی ہو تو مشین لگا کر پانی نکالنے سے روکا جائے گا۔

۲۔ جہاں آپ پاشی کا انتظام نہ ہو یا ہوتا نہ کافی ہو تو حکومت پر اس کا انتظام کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اگر حکومت کے خزانے میں گنجائش نہ ہو تو عام پبلک سے رضا کارانہ اس کام کو کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے لیکن اس صورت میں حکومت ان سے پانی کا کریا بہ نہیں لے سکتی۔

۳۔ تالاب، نہر، کنویں جن سے آپ پاشی کی جاتی ہے، اگر پٹ جاتی یا خراب ہونا شروع ہو جائیں تو ان سے فائدہ اٹھانے والوں پر ذمہ داری ہے کہ سب مل کر انہیں درست کرائیں۔ حکومت بھی ان کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔ اگر حکومت خود مرمت کرائے گی تو وہ عام ملکیت ہو جائیگی۔ پھر ان سے فائدہ اٹھانے والوں کو یہ حق نہ ہو گا کہ کسی دوسرے کو فائدہ اٹھانے سے روک سکیں۔

**کنویں کے اطراف کی زمین** جس کی زمین میں کنواں کھودا گیا ہو اور کھودنے سے پہلے اس کی اجازت لی جا چکی ہو اور اس نے اس سے منہ نہ کیا ہو تو اس کے گرد آتی زمین کنویں کی ملکیت سمجھی جاتی گی جتنی اس سے کام لینے والوں کو ضرورت ہو تی ہے مثلاً، دیو یا جانوروں کے پانی پینے کے لئے تقریباً دس گز زمین کنویں کی کبھی باغیچے کی اور اگر اس سے کھیتوں کو بھی پانی دیا جاتا ہو تو حسب ضرورت انداز بھی کیا جاسکتا ہے۔

## حجر

نقص میں حجر کا معنی روک دینے یا بیکار کر دینے کے ہیں لیکن اسلامی شریعت میں یہ اصطلاح ملکیت میں تصرف کا حق روک دینے کے لئے استعمال ہوتی ہے جس کی اجازت قرآن اور حدیث سے ملتی ہے جن کو ملکیت میں تصرف کرنے سے روکا جاسکتا ہے، ان کے اصطلاحی نام یہ ہیں :-

صبی (نابالغ بچہ)، لجنون (پالگل جس کے حواس نہ ہوں)، معتوک (جو آنانک فہم ہو کہ اپنے فتنے نقصان کو نہ سمجھ سکے)، سفید (دولت کو بے سوچے سمجھے مٹ کرنے والا)، بیاباش، بد چلن، غفلت اور حماقت سے نقصان اٹھانے والا)

**نقص روکنے کا سبب** حجر دو سببوں سے کیا جاسکتا ہے (۱) تصرف کی صلاحیت نہ ہو (۲) صلاحیت ہو مگر استعمال غلط طریقے سے کیا جاتے جس کی وجہ سے کوئی تمدنی بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو تصرف سے روک دیا جائے گا۔

مثلاً کوئی نابالغ بچہ ہو، یا کوئی پالگل ہو یا عقل کی اتنی کمی ہو کہ معاملات کی اچھائی برائی کو سمجھ نہ پاتا ہو، ایسے تمام لوگوں کو جائداد اور مال میں تصرف سے روکا جائے گا۔

اسی طرح جو عاقل بالغ اور سمجھ دار ہونے کے باوجود دولت کو بے جا صرف کرنا ہو یا غفلت و حماقت کی وجہ سے ہمیشہ معاملات میں نقصان اٹھاتا ہو اسے بھی تصرف سے روکا جائے گا۔

**حجر کا حق کس کو ہے** ایسی اور مجنون کو اس کے مال اور جائداد میں تصرف سے روکنے کا حق سب سے پہلے اس کے ولی کو ہے، اس کے بعد جس کو مری اور وصی بنادیں، وہ مال اور جائداد

کی نگرانی کرے جب تک مری بالغ نہ ہو جائے اور مجنون صحیح الحواس نہ ہو جائے۔ جب وہ محسوس کریں کہ لڑکا بالغ ہو گیا ہے اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا ہے تو اس کا مال اور جائداد اس کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح مجنون کا پالگل بن دور ہو جائے تو اس کے مال اور جائداد کو بھی اس کے سپرد کر دیں۔ اگر کوئی ولی مری اور وصی نہ ہو تو پھر حکومت اپنی نگرانی میں جائداد اور مال و دولت کو لے گی اور ولی کی طرح نگرانی کرے گی اور ایسا انتظام کرے گی کہ ان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

۲۔ سفید (جو اپنی دولت کو بے جا صرف کرنا ہے) کو اپنی جائداد اور مال میں تصرف سے روکنے کا حق قانونی

طور پر ولی یا وصی کو نہیں ہے خواہ وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کا قانونی حق صرف حکومت کو ہے۔ ان دونوں کے علاوہ ایک اور قسم جن کا ذکر حدیث نبویؐ میں ہے وہ مقروض کے مال و جائداد کو بحر کرنا (رد کرنا) ہے۔ اگر کوئی مقروض صاحب مال و جائداد ہوتے ہوئے قرض خلو کا قرض ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ کی درخواست پر حکومت اس کی جائداد ڈاک خانے یا بینک کاروبار پر یا اسباب خانہ داری کو قرض کو کے اس کو مجبور کرے گی کہ وہ قرض ادا کر دے، اگر وہ ادا نہیں کرے گا تو حکومت اس کی جائداد یا سامان کو فروخت کر کے دائن (قرض خواہ) کا قرض ادا کرے گی۔

سیدہ و مسرت اور نابالغ بچوں کے بارے میں قرآن میں تفصیلی احکام موجود ہیں، ان کے ولی اور مربی لوگوں کو یہ ہدایات دی گئی ہیں:-

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَلَا تَزْنُوهُمْ فَيَنفَكُوا وَكَانُوا سَفَهَاءَ مُعْتَوْكًا ۝ (نساء، آیت ۵)

احد وہ مال جس کو اللہ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے کم نفعلوں کو نہ دو کہ وہ اسے ضائع کریں، ان کو کھانا پکڑا دیتے رہو اور ان سے اچھائی اور بھلائی کی باتیں کہتے رہو۔

وَالْيَتَامَىٰ الَّتِي شِئْتُمْ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ ذُكْرًا فَادْفِنُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَأْخُذْهَا إِسْرَافًا وَلَا بِدَارًا أَنْ يَكْفُرُوا ۚ (نساء، آیت ۱۶)

اور نابالغ یتیموں کو آواز نہ دے رہو یہاں تک کہ وہ جیسے نکاح کی عمر کو پہنچیں اور تم ان کو اہل ادین تک چلن محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور تم اپنی نگرانی کے دوران ان کے مال کو جلدی جلدی بے جا طریقے سے نہ کھاؤ کہ مبادا وہ بڑے ہو جائیں گے۔

ان آیات میں حسب ذیل باتوں کا حکم ملتا ہے:-

۱۔ کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق اسی وقت تک ہے، جب تک کہ وہ اس کو صحیح ذہن سے استعمال کرے، لیکن جب وہ جائیداد دوسے تاجر کو دے کر لے لے کر اس کے حقوق جو اس کی اپنی ملکیت پر تھے سب کھتے جائیں گے۔ مال اگرچہ ایک آدمی کا ہوتا ہے مگر خدا نے اُسے بہت سے آدمیوں کی زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، فغول خرچ کرنے والا اپنا مال ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مفاد بھی تباہ کر رہا ہے، لہذا یہ بات سب کے مفاد میں ہے کہ اُسے تصرف کے حق سے محروم کر دیا جائے البتہ اس کی بینہ لای ضرورت تھی ہر حال میں پوری کی جائیں۔

۲۔ یتیم نابالغ بچے جو اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان کا مال ان کے ہاتھ میں نہ دینا چاہیے بلکہ ان کے دلی اور مرنی کی نگرانی میں رہے اور جب ان میں رشد یعنی اچھے برے کی سمجھ اور تصرف کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اللہ کی بخشی ہوئی دولت برباد نہ ہو۔

۳۔ دلی اور مرنی کو بہرہ رایت دی گئی ہے کہ وہ ایک امین کی حیثیت سے مال و جائداد کا تحفظ اور اس کی نگرانی کریں اور اس سلسلہ میں انہیں جو خدمت سرانجام دینا طے اس کا مناسب معاوضہ بھی اس مال و جائداد سے لیں لیکن انہیں یہ ہرگز زیما نہیں کہ یتیم کو یتیم کا سرمایہ جس کے وہ امین اور محافظ بناتے گئے ہیں اس میں سے جلد سے جلد بیجا مصارف کرتے رہیں اور جب وہ سن رشد کو پہنچے تو اس کا سرمایہ تقریباً ختم ہو چکا ہو۔ اگر عدلانے ان کو خوشامالی عملاً کی ہے تو انہیں چاہیئے کہ یتیم کے مال سے کچھ بھی نہ لیں۔

**حجر کی کچھ اور صورتیں** کوئی مدرس بچوں کو غلط پڑھاتا ہو۔ کوئی عملِ اطلاق اپنے شاگردوں کے اخلاق و سداقت کے سہلے بگاڑتا ہو۔ کوئی دارالاشاعت فحش مواد شائع کرنا ہو۔ کوئی مفتی غلط

فتوے دیتا ہو۔ کوئی غیر سند یافتہ ڈاکٹر یا نیم حکیم صلب کھول کر لوگوں کی صحت برباد کرنا ہو۔ کوئی پیشہ ور دھوکے کا کاروبار کرنا ہو تو ایسے تمام لوگوں کو ان کے پیشے سے روک دیا جائے گا جس کا حق صرف اسلامی حکومت ہی دے ہے۔ عام لوگ حکومت تک شکایت پہنچا سکتے ہیں مگر قانون ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ حکومت بھی صرف پیشہ ما پر کیس کو روک دے گی، باقی معاملات پر پابندی نہیں لگائے گی۔

**حجر کا حکم دیتے وقت مجبور کی موجودگی** جس کسی کو تصرف سے روکا جاتے اس وقت اس کی موجودگی ضروری نہیں، مال اور جائداد کو صاحب مال کی عدم موجودگی میں بھی حجر کیا جاسکتا ہے البتہ اس کو اس کی اطلاع ضرور دی جائے گی۔

**حجر کے متعلق بعض ضروری مسائل** ۱۔ اگر کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہے تو حکومت اس کو تو اس شرعی کے مطابق سزا دے گی لیکن جائداد اور دوسرے اموال کو حجر نہیں کریگی۔ بہرہ اسی وقت ہوگا جب وہ اپنے مال کو غلط یا بیجا طریقوں سے ضائع کرنے لگے۔

۲۔ سمجھ لڑکے کا ولی مال پر تصرف کرنے کی اجازت اس کو نہیں دے گا اور اگر وہ کوئی تصرف کرتا ہے تو وہ باطل قرار پائے گا اور اس کے تصرف کرنے سے اگر کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس کا گناہ ولی پر ہوگا۔ اس کی بیع و شرا و فروخت اور خرید و کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر ولی نے اجازت بھی دے دی ہو تو وہ قانوناً معتبر نہ ہوگی۔

۳۔ بالائے لڑکا اگر کچھ دار ہو اور وہ ایسا معاملہ کرے جس میں نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو بلکہ فائدہ ہی متوقع ہو۔ تو ایسا معاملہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی نے اس کو تختہ کوئی چیز دی یا بہرہ کی اور اس نے اسے قبول کر لیا تو وہ چیز اس کی ملک ہو جائے گی لیکن اگر اس نے ایسا معاملہ کیا جس میں فائدے کی کوئی توقع ہی نہ تھی بلکہ نقصان ہی ہوا اندیشہ تھا تو اگر ولی نے معاملہ کرنے کی اجازت دے دی ہو تو بھی معاملہ باطل قرار پائے گا حتیٰ کہ اس کا بہرہ کرنا اور ہدیہ دینا بھی ناجائز ہے۔ وہ چیز فنا تو نا اہل پس لی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی سمجھ والا لڑکا جیسے نفع اور نقصان کی تیز ہے کوئی چیز ولی کی اجازت سے بچے یا خریدے تو صحیح ہے لیکن اگر ولی اجازت نہ دے تو باطل ہے۔

۴۔ بالغ ہو جانے کے بعد جیب ولی اس کی جائداد یا مال اس کے حوالے کرنا چاہے تو پہلے خود مال دے کر اس کی اہلیت کی جانچ کر لے جیب بہ تحریر اور جانچ ہو جائے کہ وہ کام کو بخوبی سمجھنے کے قابل ہوگا ہے تب ہی وہ اس کی ساری جائداد اور مال اس کے حوالے کرے۔

۵۔ کچھ دار نابالغ کو اس کی دولت و جائداد سپرد کر دینے کے بعد اگر ولی محسوس کرے کہ تصرف ٹھیک و منگ سے نہیں کر رہا ہے تو وہ دوبارہ حجر کر سکتا ہے لیکن بالغ ہو جانے کے بعد حکومت حجر کر سکتی ہے۔ ولی کو یہ حق نہیں رہتا۔

۶۔ اجازت مرأثاً الفلک سے دی جاتی ہے لیکن کبھی طر تو محل سے بھی اجازت منہوم ہوتی ہے۔ ایک ہوشیار نابالغ لڑکے کو اس کا ولی خرید و فروخت کرنے دیکھے اور کوئی روک ٹوک نہ کرے تو یہ اجازت بھی جائزگی اور لڑکے کا تصرف کرنا صحیح مانا جاتا ہے۔

بالغ ہونے کی عمر لڑکے ۱۲ بارہ برس کی عمر سے ۱۴ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں ۹ برس سے تیرہ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتی ہیں، علامات بلوغ ظاہر ہوں یا نہ ہوں۔ پندرہ برس کی عمر ہونے پر لازمی بالغ قرار دیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ولایت کا حق دار باپ ہے اس کے بعد وہ جسے باپ حجر کے سلسلے میں ولی کس کو قرار دیا جائے گا نے اپنی زندگی میں وصی مقرر کر دیا ہو یعنی لڑکے کا مرنے اور مرنے والے کے بعد باپ کی وفات ہو گئی ہو لیکن اس کا مقرر کردہ وصی موجود ہو تو وہ جس کو لڑکے کا مرنے مقرر کر دے

اب وہ دلی ہو جائے گا۔ باپ یا باپ کے مقرر کردہ دمی دونوں کے انتقال کی صورت میں دادا اگر زندہ ہے، ولی ہوگا۔ اور اسے بھی باپ کی طرح اپنی زندگی میں دوسرے کو ولی مقرر کر دینے کا حق ہے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر حکومت اس کی ولی ہوگی۔ رہے دوسرے اعزہ واقربا، تو جہر میں وہ ولی نہیں ہو سکتے۔ البتہ باپ دادا یا حکومت ان میں سے کسی کو نگران بنادیں تو انہیں ولی کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

**سفید اور مدیون کی حیثیت** جب سفید اور مدیون کو اپنی جائداد اور مال میں تصرف سے روکا جائے گا تو ان کا معاملہ نابالغ کے ساتھ معاملے سے مختلف نہیں ہوگا۔

سوائے اس کے کہ ان کی ولایت کا حق بجز حکومت کے اور کسی کو نہ ہوگا۔

۲۔ حکومت ان کا اور ان کے بال بچوں کا خرچ ان کی جائداد یا مال سے پورا کرے گی۔

۳۔ جن دوسرے لوگوں کے حقوق ان پر ہوں گے وہ بھی ان کی جائداد یا مال سے پورے کئے جائیں گے۔

۴۔ مدیون کا وہی مال یا جائداد قرق کی جائے گی جو جہر کے وقت موجود ہوگی۔ اس کے بعد جو کچھ کہاتے گا اس میں حکومت کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔

۵۔ مدیون کی جائداد اور مال جس پر تصرف روک دیا گیا ہے اگر اس کے علاوہ مدیون کے پاس کوئی ذریعہ معاش اور نہیں ہے تو اسی سے اس کے بال بچوں کا خرچ پورا کیا جائیگا۔

۶۔ سفید جسے اپنی جائداد میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے، اگر کوئی قرض لے لے تو وہ بھی اس کی جائداد سے ادا کیا جائے گا البتہ اگر کسی فضول خرچ کے واسطے قرض لیا ہو تو حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہوگی۔



## شفعہ

شفعہ کے معنی اور تعریف  
شفعہ کے معنی ملانے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں کسی شخص کی خریدی ہوئی جائیداد کو اپنی جائیداد سے ملائے کو کہتے ہیں جس کا حق پڑوسی کو ہوتا ہے۔

متعلقہ اصطلاحیں  
۱۔ شفیع (شفعہ کرنے والا) (۲) مشفوع (جس زمین یا مکان کا شفیع کیا جائے) (۳) مشفوع بہ (شفیع کی اپنی زمین یا مکان یا ان کا حصہ جو مشفوع سے ملحق ہو) (۴) جار (پڑوسی) (۵) جارِ ملاحق (وہ پڑوسی جس کا مکان بالکل ملا ہوا ہو)۔

شفعہ کا حق  
کوئی شخص اپنی جائیداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاسکتی مثلاً: زمین یا مکان بیچنا چاہتا ہے تو اُس کی زمین یا مکان تو کسی بڑی زمین اور مکان کا حصہ ہو گا یا اُس کے ملحق دوسروں کی زمین اور مکان ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں اُس کے تعلقات دوسرے حصہ داروں اور پڑوسیوں سے ہوں گے یعنی آپس میں ایک دوسرے کے نفع نقصان اور تکلیف و آرام کا خیال رکھتے ہوں گے جیسا کہ ایک صالح معاشرے میں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی اجنبی شخص اُس بیچنے والے شخص کے حصہ زمین یا مکان کو خریدتا ہے تو ہو سکتا ہے اُس سے پڑوسیوں کے تعلقات استوار نہ رہیں یا اُس کا مزاج اُن لوگوں سے مختلف ہو جس سے دونوں کو تکلیف ہو یا معاشرے میں کسی قسم کا بگاڑ رونما ہو اس مصلحت کے پیش نظر شریعت نے شفیع کا قانون نافذ کرنے کی اجازت دی ہے یعنی یہ بائع جتنی قیمت میں یہ جائیداد بیچ رہا ہے اگر شفیع چاہے تو اتنی ہی قیمت پر وہ جائیداد لے سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مشترک جائیدادوں میں شفیع کا فیصلہ فرمایا ایک حدیث میں ہے:

قَفَعِي بِالشَّفْعَةِ فِي كُلِّ شَرْكَتٍ  
لَمْ تَقْسَمْ رُبْعَةً اَوْ حَالِطًا  
لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّيْلَعَ حَتَّى  
يُؤْذَنَ شَرِيكِهِ فَاِنْ شَاءَ  
اَخَذَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِنْ  
بَاعَهُ وَلَمْ يُوْذَ تَصَفَّحْ  
اِحق به (مشکوٰۃ)

ہر شریک جائیداد میں خواہ مکان ہو یا باغ اور زمین  
ہو آپ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ جائز  
نہیں ہے کہ اُسے بیچ دے تا وہ شریک دوسرے  
شریک سے اجازت نہ لے۔ اگر شریک چاہے  
تو خود خرید لے ورنہ چھوڑ دے اگر شریک  
کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا تو شریک  
ریادہ حقدار ہے۔

۱۔ وہ شخص جو فروخت ہونے والی جائیداد میں حصہ دار ہو۔  
۲۔ وہ شخص جس کی زمین یا مکان اور فروخت ہونے والی زمین یا  
مکان میں کسی نوع کی شرکت ہو مثلاً دونوں اشخاص کی زمینوں کو ایک ہی کنویں سے پانی دیا جاتا ہو  
یا دونوں کے مکانوں کا ایک ہی راستہ ہو۔ (۳) وہ پڑوسی جس کی زمین فروخت کرنے والے کی  
زمین سے یا جس کا مکان فروخت کرنے والے کے مکان سے ملا ہوا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک  
ان سب کو شفعہ کی اجازت ہے مگر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پہلے دو  
شخصوں کو اجازت ہے تیسرے شخص یعنی پڑوسی کو نہیں ہے۔

پہلا حقدار شفعہ کرنے کا وہ شخص ہے جو فروخت ہونے والی جائیداد  
میں حصہ دار ہو۔ دوسرا حقدار وہ شخص ہے جو جائیداد سے نفع  
اٹھانے میں اشتراک رکھتا ہو تیسرا حقدار وہ پڑوسی ہے جس کا مکان یا زمین ملی ہوئی ہے یعنی  
پڑوسی۔ اُس پڑوسی کو فاقیت حاصل ہوگی جو نفع اٹھانے میں مشترک ہو جیسے دونوں کے مکانوں  
کا راستہ ایک ہو یا دونوں زمینوں کو ایک ہی ذریعے سے پانی پہنچتا ہو۔

(نوٹ) دو منزلہ مکان جس میں اوپر کی منزل کسی ایک شخص کی ہو اور دوسری منزل کسی دوسرے  
کی تو دونوں ایک دوسرے کے جارِ ملاحق ہیں۔

۲۔ اگر دو پڑوسیوں کے مکانوں کی ایک دیوار مشترک ہو تو دونوں مکان میں شریک سمجھے  
جائیں گے یعنی پہلے ان ہی کو شفعہ کا حق ہوگا لیکن اگر کسی پڑوسی نے پڑوسی کی دیوار پر بلی یا کڑی

رکھ لی یا اُس پر سلیب لگا لیا اور بڑوسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس سے وہ شریک نہیں بلکہ بڑوسی ہی سمجھا جائے گا۔

۳۔ اگر کسی زمین یا مکان کے دو یا زیادہ شفیع ہوں اور سب کے حصے برابر نہ ہوں تو بھی حق شفعہ کے لئے سب برابر ہوں گے۔ مثلاً تین شریک ہوں جن میں ایک کا آدھا حصہ ہو اور باقی آدھے میں دو آدمی ہوں جن میں سے ایک کا تیسرا اور ایک کا چھٹا حصہ ہو تو اگر آدھے حصے والا اپنا حصہ بیچتا ہے تو ان دونوں کو برابر کے شفعہ کا حق ہوگا اور دونوں اُسے حق شفعہ سے لے کر برابر تقسیم کر لیں گے قیمت بھی دونوں کو برابر دینا ہوگی۔ حصے کی کمی بیشی کا کوئی اثر حق شفعہ پر نہیں پڑے گا۔

شفعہ کے شرائط اور ضروری مسائل جیسے ہی شفیع کو اطلاع ملے کہ شرکت کی یا عوار کی زمین چچی یا ہبہ کی گئی ہے اُسی وقت اُسے اعلان کر دینا چاہیے کہ میں شفعہ کا حق استعمال کروں گا یا ایسا طر ز عمل جس سے اُس کی ناراضگی یا شفعہ میں لینے کا رجحان واضح ہو اختیار کرنا چاہیے۔ اگر وہ یہ سُن کر خاموش رہا تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہے گا۔

۲۔ جائیداد فروخت کرنے یا ہبہ کرنے سے پہلے محض ارادہ معلوم ہونے پر شفعہ کا حق قائم نہیں ہوتا۔ جس جائیداد کے بیچنے یا ہبہ کرنے میں شفیع کی رضامندی شامل ہو اُس میں اُس کو شفعہ کا حق نہیں ہے مثلاً اُس نے خود بیچنے کا مشورہ دیا یا بیع کا علم ہونے پر کہا کہ ”اچھا ہوا“ تو پھر اُس کو شفعہ کا حق نہیں رہا۔

۴۔ صرف غیر منقولہ جائیداد مثلاً باغ، زمین اور مکان وغیرہ میں ہی شفعہ ہو سکتا ہے۔ منقولہ اموال یا وقت اور حکومت کی جائیداد میں شفعہ کا حق نہ ہوگا۔

۵۔ اگر جائیداد خریدنے والے سے شفیع نے یہ کہا کہ تم اتنی رقم دو تو میں حق شفعہ سے باز آ جاؤں تو اس کہنے سے شفعہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور حق کا دباؤ ڈال کر وہ یہ لینا رشوت کی طرح حرام ہے۔

۶۔ کسی مکان کا خریدنے والا شفیع کو گمراہ کرنے کے لئے کہے کہ میں نے یہ مکان دس ہزار

میں خریدا ہے۔ شیخ نے رقم کی زیادتی کی وجہ سے شفعہ نہیں کیا لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا کہ وہ مکان کم قیمت میں بکا ہے تو اسے دوبارہ شفعہ کرنے کا حق ہوگا۔

۷۔ لیکن اگر اس عرصے میں خریدار نے بیع میں کوئی اضافہ کر دیا مثلاً زمین میں کوئی عمارت بنالی یا بنی ہوئی عمارت میں توسیع کر دی یا درخت لگالیے تو شیخ یا تو تمام کی قیمت دے کر اس جائیداد کو لے لے یا اپنے حق سے باز آجائے۔

۸۔ شیخ نے جس مکان یا باغ کا شفعہ کیا ہے اس کی پوری قیمت ادا کرنا ہوگی خواہ مکان شفعہ کرنے کے بعد گر گیا ہو یا باغ کے درخت سوکھ گئے ہوں بشرطیکہ خریدنے والے نے قصداً مکان گرایا نہ ہوا اور باغ کے درختوں کو جان بوجھ کر نقصان نہ پہنچایا ہو۔

۹۔ اگر شفعہ کا دعویٰ کرنے کے بعد فیصلہ ہونے سے پہلے شیخ کا انتقال ہو جائے تو شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا، وارثوں کو یہ حق منتقل نہ ہوگا۔

۱۰۔ شیخ نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے لیکن اس کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے تو اس تاخیر سے اس کا حق متاثر نہیں ہوگا۔ شیخ مشغوع کو دو طرح سے حاصل کر سکتا ہے:

۱۔ اسلامی حکومت کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کر کے۔

۲۔ خریدار کو قیمت ادا کر کے اگر وہ اس پر راضی ہو جائے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا حق دفع ضرر کے  
**مسلم اور غیر مسلم کا حق برابر ہے** لئے ہے اس میں مسلم، غیر مسلم، باغی، عادل سب  
 برابر ہیں۔ اس لئے شفعہ کا استحقاق بھی برابر سب کو حاصل ہے۔

## غصب

کسی کی کوئی چیز اس کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر اور بلا استحقاق زبردستی لے لینا غصب کہلاتا ہے اور یہ بڑا گناہ ہے قرآن اور حدیث میں اس کی سخت مذمت فرمائی گئی ہے یہاں تک کہ بیوی کو شوہر کی چیز اور شوہر کو بیوی کی چیز باپ کو بیٹے کی چیز اور بیٹے کو باپ کی چیز

بھی بے اجازت لینا اور استعمال کرنا صحیح نہیں ہے ایسا کرنے والے کو غاصب کہا جائے گا۔ اس کی سزا اس کو دنیا میں بھی دی جاسکتی ہے اور آخرت میں اس کو عذاب کی وعید ہے۔ ”غصب“ ظلم کی بدترین قسم ہے، قرآن میں ناحق اور بلا ضرورت کسی کا مال کھانے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑ رہے ہیں یعنی اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا رہے ہیں۔ قرآن نے یہاں ظلم کا لفظ استعمال کیا ہے جو ہر طرح کی زیادتی، زبردستی، حق تلفی اور غصب یکساں استعمال ہوتا ہے۔ غصب تو ظلم اس حیثیت سے بھی ہے کہ غاصب یا تو کسی کمزور کا یا کسی نابالغ یتیم کا مال ناروا طریقے سے کھاتا ہے اگر کمزور کو طاقت حاصل ہوتی اور یتیم اگر بالغ ہوتا تو اپنی دولت کو اس طرح ہرگز برباد کرنے کی اجازت نہ دیتا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں اس کی مذمت کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غصب ایک بدترین ظلم ہے، آپؐ نے تاکید اور تنبیہ کے انداز میں فرمایا (عالمی بی بی آرٹھی) اَلَا لَا تَغْلِبُوْا اَیُّوْا اَلَا لَا یَجِدُ ہوشیار! خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا۔ ہوشیار! خبردار کسی مالِ امْرِءٍ الْاَیُّطِیْبِیْبِ نَفْسِیْہ۔ آدمی کا مال اُس کی مرضی کے بغیر لینا حرام ہے آپؐ نے فرمایا کہ بلا اجازت کسی کی چیز نہ تو سنجیدگی سے لینا درست ہے نہ مذاق اور تفریح کے انداز سے۔

لَا یَاْخُذْنَ اَحَدٌ کُمْ مَتَاعٌ تم میں سے ہرگز کوئی اپنے بھائی کا مال نہ تو اُخِذُوْا جَاۡدًا وَلَا اَعْمٰی۔ سنجیدگی سے لے اور نہ ہنسی میں۔ آپؐ نے فرمایا کسی کی چھتری بھی بغیر اجازت نہ اٹھانا چاہیے، آپؐ نے فرمایا کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کا دودھ دینے والا جانور پاجا سکے اور بغیر اجازت اس کا دودھ دہ لے لے آپؐ نے ایک تفصیل دے کر فرمایا کہ تمہارے کھانے پینے کی کوئی چیز کسی برتن میں ہو کیا تم پسند کرو گے کہ اس کو توڑ دیا جائے اور وہ چیز گر جائے تو جس طرح تم یہ گوارا نہیں کرو گے کہ تمہارے کھانے پینے کی چیز کوئی اس طرح برباد کر دے۔ جانور بھی غذا کے برتن کی طرح ہیں، ان کو مالک کی اجازت بغیر خالی کر لینا درست نہیں ہے۔ (مسلم)

آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک بالشت زمین پر بھی کسی کی ناحق دبا لے تو قیامت کے دن

اس کی سات گویا زمین کا بوجھل طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کر لے تو اُس کو اُس کھیتی کا حاصل نہیں دیا جائے البتہ اُس کی محنت کی مزدوری دیدی جائے۔ اسلامی قانون میں اسی پر عمل ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت میں کسی کا حق مارنے والے سے کہا جائے گا کہ وہ غصب کی ہوئی چیز واپس کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا لہذا اُس کی نیکی کا کچھ حصہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کی چیز غصب کی گئی ہوگی۔ اگر اُس کے اعمال نامے میں کوئی نیکی نہ ہوگی تو حقداروں کے گناہوں کا کچھ بوجھ اس پر ڈال دیا جائے گا اور جس کے ساتھ نیلاقی کی گئی تھی اس کو اجر ملے گا بشرطیکہ اس نے بھی ظلم کے بدلے میں ظلم اور غصب کے جواب میں غصب نہ کیا ہو نہ تو بخدا آخرت کا عذاب، دنیا میں غصب اور ظلم کی سزا کی تفصیل آگے ذکر کی جا رہی ہے۔

۱۔ غاصب۔ غصب کرنے والا (۲) مغضوب۔ وہ چیز جو غاصب نے غصب کی۔  
۳۔ مغضوب منہ۔ وہ شخص جس کا مال غصب کیا گیا۔

اصطلاحات

غصب کی شرعی تعریف کسی حلال مال کو اُس کے جائز مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح لینا کہ وہ مغضوب منہ (یعنی اصل مالک کے قبضہ سے نکل کر غاصب کے قبضہ میں آجائے۔

غصب کا حکم جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کسی کی چیز اُس کی اجازت کے بغیر لینا سخت گناہ ہے، اگر لینے والے نے قصد ایسا کیا ہے، اور اگر غلطی سے یا دھوکہ کھا کر اپنی چیز تصور کرتے ہوئے کسی کی کوئی چیز لے لی تو گناہ تو نہیں ہوگا صرف وہ چیز واپس کرنا ہوگی۔ غلطی اور چوک کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے اگر صدق دل سے استغفار کیا جائے شریعت کے مطابق دونوں صورتوں میں مغضوب چیز مغضوب منہ کو واپس کرنا ہوگی بیا اُس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۲۔ غاصب کے پاس مغضوب جوں کا توں موجود ہو تو بعینہ وہی اُس سے واپس لیا جائے گا لیکن اگر اُسے خرچ کر دیا یا ضائع کر دیا تو اگر وہ چیز ایسی تھی جس کے مثل مل سکتی ہے تو خرید کر واپس کرنا ہوگی لیکن اگر نہیں مل سکتی یا بالکل اسی طرح کی نہیں ملتی تو پھر اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

۳۔ منصوب مال کی قیمت غاصب واپس کر دے اور منصوب منہ قبول نہ کرے تو حکومت اس کو لینہ مجبور کرے گی۔

۴۔ منصوب چیزیں خرابی یا کمی آنے کی وجہ سے اگر معمولی خرابی ہے تو وہ چیز واپس کرنے کے ساتھ خرابی کے بقدر تاوان بھی دینا پڑے گا لیکن اگر زیادہ خرابی آئی ہے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چیز واپس لے اور نقصان کے بقدر اس کا تاوان لے لے۔ یا چیز واپس نہ لے بلکہ پوری قیمت وصول کر لے۔

۵۔ اگر غاصب نے منصوب چیز میں ایسی تبدیلی کر دی کہ اس کی نوعیت یا نام بدل گیا جیسے گیہوں غصب کر کے اس کا آٹا بنا دیا یا بکری غصب کر کے ذبح کر ڈالا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز غاصب کی ملکیت بن گئی تو اس کو چیز کی پوری قیمت دینا پڑے گی اور جب تک قیمت ادا نہیں کر دے گا اس کو استعمال کا حق نہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے کپڑا غصب کیا اور اسے رنگوایا تو مالک کو کپڑا لینے یا پوری قیمت لینے یعنی دونوں باتوں کا حق ہوگا، پیرا لینے کی صورت میں رنگائی کی قیمت مالک کو دینا پڑے گی، اسی طرح اگر کسی نے سونا یا چاندی غصب کر کے اس کا زیور بنوایا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہی چیز مالک کو واپس کر دینے کا حکم دیتے ہیں مگر صاحبین کے نزدیک زیور نہیں بلکہ سونے یا چاندی کی قیمت دلائی جائے گی۔

۶۔ منصوب چیز میں جو خود بخود زیادتی ہوگی وہ سب مالک (یعنی منصوب منہ) کی ہوگی مثلاً: جانور نے بچہ دیا یا باغ میں پھل آگیا تو یہ سب مالک کا حق ہے، اگر غاصب اسے فروخت یا ضائع کرے گا تو تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ اگر غاصب نے غصب کرنے کے بعد اس میں خود کچھ اضافہ کر دیا مثلاً زمین کو غصب کر کے مکان بنالیا یا اس میں درخت لگالیے تو اسے مکم دیا جائے گا کہ اپنی تعمیر کو ڈھادے درختوں کو کاٹ لے جائے لیکن اگر مکان کو گرانے یا درختوں کو کاٹنے سے زمین کو کوئی نقصان ہوتا ہو تو مالک اگر اس کی قیمت دے کر خود لے لے تو یہ بات اخلاقاً زیادہ مستحسن ہے بہ نسبت اس کے کہ قانوناً غاصب پر زیادتی کی جائے۔

# اتلاف مال

کسی کا نقصان کر دینا یا قصد کسی نقصان کا سبب بننا بھی بڑا گناہ ہے۔ جان کا تلف کرنا تو سب سے عظیم گناہ ہے، اُس کے احکام بھی بہت سخت ہیں، یہاں صرف مال کو تلف کرنے کے بارے میں احکام کا ذکر مقصود ہے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کا برتن توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تادان دوا دیا۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی کی چیز قصد آیا بغیر قصد کے ضائع کرتا ہے تو اس کا تادان دینا پڑے گا۔ قصد اہیں گناہ بھی ہوگا اور تادان بھی دینا پڑے گا جبکہ بلا قصد ضائع کرنے میں گناہ تو نہیں ہوگا مگر تادان لیا جائے گا۔

کسی چیز کو ضائع کرنے یا نقصان پہنچانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ براہ راست کوئی چیز ضائع کر دی یا اُس کو نقصان پہنچا دیا، دوسرے یہ کہ کوئی فعل نقصان کا یا ضائع کرنے کا سبب بنا مثلاً کسی نے ایک چیز زمین پر پرتک دی اور وہ ٹوٹ گئی یا قصد ایسی جگہ رکھ دی یا کسی نے سمجھنے کے ہاتھ دے دی کہ گر کر ٹوٹ گئی۔ تو پہلی صورت براہ راست نقصان کی ہوتی جبکہ دوسری صورت میں وہ نقصان کا سبب بنا۔ دونوں صورتوں میں تادان دینا لازم ہوگا۔ پہلی صورت میں تو نقصان پہنچانے والا اول و آخر ایک ہی شخص ہے لیکن دوسری صورت میں ایک دوسرا شخص بھی نقصان رسائی کا مرتکب ہوا تو پہلے شخص پر اُس کی ذمہ داری نہیں رہے گی مثلاً کسی نے راستے میں کنواں کھود لیا اب اگر کوئی آدمی اس میں خود گر گیا تو اس کا خوں بہا کنواں کھودنے والے کو دینا پڑے گا لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی کسی آدمی یا جانور کو کنویں میں گرا دے تو اس کی ذمہ داری گرانے والے پر ہوگی کنواں کھودنے والے پر نہیں ہوگی۔

براہ راست نقصان کرنے والے کو تادان دینا پڑے گا خواہ قصد کیا ہو یا بغیر قصد کے مثلاً کسی نے کوئی چیز مستحار لی یا بطور کرایہ لی یا بطور امانت رکھی اور اُس نے اُس کو قصد توڑ دیا یا غلط طریقے پر استعمال کیا اور



اس کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کی تو اس کو نقصان کا جرمانہ دینا پڑے گا جیسے کسی نے سائیکل لی اور خراب راستے پر یا مجمع میں تیز چلائی اور کوئی پرزہ ٹوٹ گیا یا کسی سے لڑائی تو اس کو اس کا جرمانہ دینا پڑے گا یا کسی سے کتاب عاریت لی اور اُسے ایسی جگہ رکھ دیا کہ چوہے نے اُس کا کچھ حصکھاٹ دیا یا کسی بچے نے اُسے پھاڑ دیا تو اُس کو نقصان کے بقدر تاوان دینا پڑے گا اور اگر وہ بالکل بیکار ہو گئی تو پوری قیمت دینا پڑے گی۔

۴۔ کوئی پھسل کر گر پڑا اور ہاتھ میں دوسرے کی کوئی چیز تھی جو ٹوٹ گئی یا کسی چیز کے اوپر گر پڑا اور وہ چیز ٹوٹ گئی تو دونوں صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز اپنی کچھ کر توڑی یا ضائع کر دی یا خرچ ہونے والی چیز کو خرچ کر دیا تو اس کا بھی تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ ایک شخص نے کسی کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور وہ پھٹ گیا تو پوری قیمت دینا پڑے گی۔ لیکن اگر اُس نے دوسرے آدمی کا دامن پکڑا اور دوسرے نے جھٹکا دیکر چھڑایا اور کپڑا پھٹ گیا تو نصف قیمت دینا پڑے گی کیونکہ دونوں کے فعل سے کپڑا پھٹا اس لئے ذمہ داری آدھی آدھی ڈالی جائے گی۔

۵۔ اگر کسی کا بچہ کسی شخص کی چیز کا نقصان کر دے تو تاوان اُس کے وارث سے نہیں لیا جاسکتا البتہ اس بچے کے نام کوئی مال یا جائیداد ہے تو اس سے اس کی قیمت ادا کی جائے گی یا اس وقت تک انتظار کیا جائے گا جب وہ ادائیگی کے قابل ہو جائے۔ یہ قانونی حکم ہے۔ لیکن اخلاقاً بچے کا باپ جو اس کے تمام مصارف کا کفیل ہے قیمت ادا کر سکتا ہے۔

۶۔ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے مکان کا کوئی حصہ گرا دیا یا کوئی درخت کاٹ دیا یا درخت کا پھل توڑ کر گرا دیا تو نقصان کرنے والے کو تاوان دینا پڑے گا۔ مکان جو گرا دیا اُس کے ملے کی قیمت (اگر اُس کی کوئی قیمت ہے) وضع کر کے بقیہ کا تاوان مالک مکان کو ادا کیا جائے گا۔ مالک مکان کو اختیار ہے کہ ملے مکان ڈھانے والے کو دیدے اور پورے نقصان کا معاوضہ لے لے۔ اسی طرح درخت کی لکڑی اور پھل کی قیمت وضع کر کے تاوان لے یا پوری قیمت دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

۷۔ اگر گاؤں یا محلہ میں آگ لگ جائے اور لوگ اس خیال سے کہ دوسرے مکانوں تک نہ

پہنچے پاس کامکان گرا دیں اور پیٹ پیٹ کر آگ کو دبا دیں تو مکان گرانے یا آگ بجھانے میں کوئی چیز ٹوٹ گئی تو اس کا تاوان ان لوگوں کو دینا پڑے گا جن لوگوں نے نقصان کیا ہے۔ البتہ اگر حکومت کے ذمہ داروں کے حکم سے مکان گرایا گیا یا اس کو نقصان پہنچایا گیا ہے تو گرانے والوں سے کوئی تاوان نہیں لیا جاسکتا اس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

۸۔ اگر زید نے عمر کی کسی چیز یا مال کا نقصان کیا ہے تو عمر اس سے تاوان لے سکتا ہے لیکن شریعت نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ زید کی کسی چیز یا مال کا نقصان کرے اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا اور زید کی چیز کے نقصان کا معاوضہ بھی دینا پڑے گا نقصان کے بدلے میں نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ صرف تاوان ہی بدلہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ دونوں کو ایک دوسرے کے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

۹۔ اگر خازن نے طارق سے نقصان کرنے پر تاوان ہے محض حکم دینے پر نہیں ہے کہا کہ زید کی فلاں چیز توڑ دیا پھینک دیا کسی اور طرح کا نقصان پہنچاؤ تو سزا اور تاوان نقصان کرنے والے پر ہے حکم دینے والے پر نہیں۔ البتہ اگر یہ حکم اسلامی حکومت کا ذمہ دار دے یا ایسا کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں کرنے والے پر ذمہ داری نہیں ہے۔

نقصان کا سبب بنتا **أَلَمْ سَبَبٌ لَا يُضْمَرُ إِلَّا بِالتَّعَمُّدِ** کسی نقصان کا سبب بننے والا قصد و ارادے سے ہی ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ تشریحات یہ ہیں۔

۱۔ کسی نے کسی شخص کے کمرے یا کس کا قفل کھول دیا اور اس سب سے کوئی چیز چوری ہو گئی تو اس کا تاوان کمرے یا کس کا قفل کھولنے والے پر ہوگا اسی طرح کسی نے کسی کی کھیتی یا باغ میں پانی جانے نہیں دیا جس سے کھیتی یا باغوں کو نقصان ہو گیا یا اپنے کھیت کا زیادہ پانی دوسرے کے کھیت میں کاٹ دیا جس سے اُس کی زراعت ضائع ہو گئی تو پانی کے روکنے والے اور کاٹ دینے والے سے اُس کا تاوان لیا جائے کیونکہ ان تمام صورتوں میں

قصداً نقصان پہنچایا گیا۔

۲۔ کوئی شخص راستے میں جا رہا ہے کوئی جانور اُسے دیکھ کر بھڑکا اور سٹی تڑا کر بھاگ گیا اور وہ گم ہو گیا تو اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے البتہ اگر اُس نے بھڑکا دیا تھا یا چھری دکھا کر ڈرایا تھا تو اُسے اُس کی قیمت دینا پڑے گی۔ کسی نے شکار کرنے کے لئے بندوق چلائی اور آواز سے ڈر کر کوئی بچہ گر پڑا اور اُسے موت آگئی یا کوئی جانور سٹی تڑا کر بھاگا اور گم ہو گیا تو بندوق چلانے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اُس نے قصداً ڈرانے ہی کے لئے بندوق چھوڑی تھی تو وہ ذمہ دار ہوگا۔

۳۔ اگر کسی نے عام راستے پر کوئی کنواں حکومت کے حکم سے کھودا اور کوئی گر گیا تو اس پر اس کا خوں بہا نہیں ہے بلکہ حکومت پر ہے لیکن اگر خود اُس نے اپنی طبیعت سے ایسا کیا ہے تو اُس کو خوں بہا دینا پڑے گا۔ اگر اُس نے اپنی ذاتی زمین میں کوئی کنواں کھودا اور کوئی آدمی گر کر مر گیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

مزدوروں اور پیشہ دروں کے نقصان کرنے اور تاوان لئے جانے کا بیان اجارہ کے باب میں آچکا ہے۔

جانوروں سے نقصان ہونے کا تاوان  
۱۔ اگر کسی کا جانور رات میں یا دن میں اتفاق سے کھل گیا اور اُس نے کسی کا کھیت

کھا لیا تو اس نقصان کا تاوان جانور کے مالک سے نہیں لیا جاسکتا؛ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:  
الْعَجْمَاءُ جُرْحَهَا جُبَا سَاءُ۔  
جانور کے نقصان کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

لیکن اگر قصداً اُس نے کھول دیا یا کھل جانے کا علم ہوا اور اُس نے باندھنے کی کوشش نہیں کی، یا چرواہا ساتھ تھا مگر اس کے باوجود کھیت میں جانور پڑ گیا تو ان تمام صورتوں میں خواہ رات ہو یا دن تاوان نیا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے جانور عام راستے سے لے جا رہا ہے اور جانوروں نے کسی کا کھیت جری لیا یا کھل دیا یا اُس میں گھس گئے اور بہت سے پودے ضائع ہو گئے تو اُس کو تاوان دینا پڑے گا۔ البتہ اگر جانور نے پیر جھاڑا، دولتی چلائی یا دم ہلائی اور اس سے کوئی نقصان

ہو گیا تو تاوان نہیں ہو گا کیونکہ یہ حیوان کی فطرت ہے جس سے مالک اُس کو باز نہیں رکھ سکتا۔  
۳۔ سواری کے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے جو عام جانوروں کا ہے۔ لیکن اگر راستے میں کوئی گھوڑے یا اونٹ پر سوار جارہا ہو اور کسی نے اُسے بھڑکادیا اور وہ بھاگ پڑا تو جتنا نقصان ہو گا اُس کا تاوان بھڑکانے والے کے ذمہ ہو گا سوار پر نہیں ہو گا۔ اگر بھڑکانے والے کو جانور کی دولتی لگے اور وہ مر جائے تو اس کا خون بہا بھی مالک سے نہیں دلایا جائے گا کیونکہ مرنے والے نے خود جانور کو چھیڑا تھا۔

۴۔ اگر دو چرواہے جانوروں کے ساتھ ہوں ایک ان کے آگے (قائد) اور دوسرا ان کے پیچھے (سائق) تو جانوروں سے جو نقصان ہو گا اُس کا تاوان ان دونوں چرواہوں سے لیا جائے گا۔ وہ بے جان سواریاں جو ڈرائیور بے جان سواریوں سے نقصان پہنچنے کا تاوان (چلانے والے) کے ذریعہ چلائی جاتی ہیں خواہ قصد اُن سے نقصان پہنچے یا بغیر قصد کے اس کا تاوان ڈرائیور سے لیا جائے گا جیسا کہ سائق اور قائد کے بارے میں ابھی بیان کیا گیا۔ لایہ کہ کوئی خود سواری کے آگے آجائے یا کوئی چیز ڈال دے تو پھر ڈرائیور کی ذمہ داری نہیں ہے۔

## وکالت

بہت سے کام ایسے پیش آجاتے ہیں جن کو آدمی خود انجام نہیں دیتا بلکہ دوسرے لوگوں سے انجام دلاتا ہے کسی کام کے انجام دینے یا نہ دے سکنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی کام کی آدمی کو ضرورت تو ہوتی ہے لیکن اس کو پورا کرنے کی خود اُس میں صلاحیت نہیں ہوتی کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کام میں مشغول ہوتا ہے اور کوئی دوسرا کام پیش آجاتا ہے اس لئے دوسرے سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے یا یہ کہ وہ کام اتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے دوسروں کو خریدا کرنا پڑتا ہے غرض یہ کہ جو کام آدمی خود کر لیتا ہے یا کر سکتا ہے اُس کو دوسروں سے بھی کر سکتا ہے خیریت میں

اس کی اجازت ہے اور اسی کو وکالت کہتے ہیں۔

**وکالت کے معنی اور اس کی ضرورت**  
وکالت کے معنی حفاظت، ذمہ داری اور کار سازی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت وکیل بھی ہے کیونکہ وہ تمام کاموں کا نگراں، محافظ اور کار ساز ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا وکیل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا محافظ یا اُس کے بجائے اُس کا ذمہ دار ہے، اسی سے لفظ وکیل ہے جس کے معنی کسی کو نگراں مقرر کر لے یا کسی کو کام کا ذمہ دار بنانے کے ہیں۔

جو شخص کسی دوسرے کو اپنا کام پر دکرنا یا ذمہ دار بنانا ہے اُسے موکل اور جو یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اُسے وکیل اور جس کام کے لئے وکیل بنا اُسے موکل فیہ یا موکل بہ کہتے ہیں مثال کے طور پر احمد کو ایک گھڑی خریدنا ہے لیکن اُسے گھڑی کی اچھائی بُرائی کی شناخت نہیں ہے اس لئے وہ ایک گھڑی کی پہچان رکھنے والے شخص خالد سے کہتا ہے کہ آپ میرے لئے ایک گھڑی اتنے روپے میں خرید دیجئے۔ خالد اس بات کو قبول کر لیتا ہے تو احمد موکل ہوا اور خالد وکیل اور گھڑی ”موکل بہ“ ہوئی۔ اسی طرح ایسے تمام کاموں کے لئے آدمی کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے جیسے وہ خود انعام دینے کا حق تو رکھتا ہے لیکن کسی وجہ سے نہیں دے پاتا۔ ایسے موقعوں پر وکالت کا ذریعہ اختیار کر لے کی شریعت نے اجازت دی ہے جو اجماع سے ثابت ہے، المیہ فقہ میں کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے، قرآن سے اس کا جواز سورہ کہف کی اس آیت میں ہے:

فَاتَّبِعُوا أَحَدًا كَلِمَةً يَدْعُوهُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرُوا فِيهَا أَرَأَيْتُمْ لَكُلِّ مَلَأَةٍ بِكُلِّ مَدِينَةٍ

(سورہ کہف، آیت ۱۹)

يُنْذِرُهُ

اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دے کر شہر میں بھیجو اور وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں ملتا ہے وہاں سے وہ کچھ کھانے کے لئے لائے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بہت سے کاموں کے لئے دوسروں کو وکیل بنایا ہے، مثلاً آپ نے حضرت حکیم بن تزام کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے فرمایا اور وہ

خرید کر لائے اور آپؐ نے حضرت ابو رافع کو ام المؤمنین حضرت سمیونہؓ سے نکاح کے لئے اپنا وکیل بنا کر بھیجا، اُس وقت آپؐ مدینہ میں تھے اور حضرت سمیونہؓ بنت حارث مکہ میں تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خرید و فروخت، مضاربت، شرکت، رہن، صلح، اپنے دعوے کی پیروی نکاح وغیرہ کاموں میں اپنا وکیل بنانے کی شریعت اسلامی میں اجازت ہے۔

**وکالت کی فقہی تعریف اور وکیل کی حیثیت** وکالت کا لفظ عربی ہمارے زبان میں اس پیشے کے لئے بولا جاتا

ہے جس کے ذریعہ حق یا ناحق پہنچ یا جھوٹ اپنا دعویٰ منوانے کی کوشش کی جاتی ہے اور وکیل وہ کہلاتا ہے جو غیر اسلامی قانون کے ذریعے غیر اسلامی عدالت کے سامنے ایسے مقدمات کی پیروی اور نمائندگی کرتا ہے لیکن اسلامی شریعت میں وکالت کا مفہوم اس سے بہت بلند ہے۔ وکیل حق و ناحق کی تمیز کے بغیر پیسہ کمانے والے کو نہیں کہتے۔ جو جائز ذمہ داری کسی انسان کے سپرد کی جاتی ہے اس کے لئے شریعت میں امانت کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی وہ اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک امین اپنی امانت کو ادا کرتا ہے۔ وکالت بھی ایک ذمہ داری ہے اور اسے اسی طریقے سے پورا کرنا ہے جس طرح ایک امین امانت کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے، وکالت کی تعریف فقہانے یہ کی ہے تَقْوِيْنُ أَحَدِ أَمْرَةٍ لِأَخْرَاجِهَا مَقَامَةً كَمَا كُنَتْ مَقَامَةً کسی کو اپنا کام دوسرے کو سپرد کرنا اور اُسے اپنا قائم مقام بنادینا۔

کسی سے بھی معاملہ کرنے کے لئے دو چیزیں بنیادی طور پر ضروری ہیں: تراضی یعنی معاملہ کرنے والوں کی رضامندی اور معاملہ کا حرام، باطل اور ناحق نہ ہونا۔ ظاہر ہے کہ کسی غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا اور غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ چاہنا اسلامی شریعت کے نزدیک باطل ہے اور باطل پر رضامند ہونا جرم ہے۔ وکالت کے پیشے کی یہ محدود نقطہ اور غیر ذمہ دارانہ حیثیت اسلامی شریعت میں مقبول نہیں ہے بلکہ وکالت کا مفہوم امانت اور حق کی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔

**وکالت دو قسم کی ہوتی ہے** (۱) وکالت با اجرت اور (۲) وکالت بے اجرت دونوں کے احکام یکساں ہیں صرف ایک معاملے میں وکیل بے اجرت

کی ذمہ داری وکیل بااجرت سے کم ہو جاتی ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اجرت لے کر یا کمیشن پر کام کرنے والا وکیل بااجرت کہلاتا ہے، اسی طرح حکومت کے تمام ملازم اپنی حکومت کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں وہ حکومت کے وکیل بااجرت ہوتے ہیں اسی طرح اگر آپ اپنے ذاتی ملازم سے کام لیں یا کوئی کمیشن ایجنٹ مقرر کر دیں تو دونوں آپ کے وکیل قرار پائیں گے یعنی انھیں آپ کی ہدایت کے مطابق کام کرنا ہوگا۔

**وکالت کے ارکان و شرائط** ۱۔ دوسرے تمام معاملات کی طرح وکالت میں بھی موکل اور وکیل آپس میں معاہدہ کرتے ہیں اس لئے

دونوں کا ایجاب و قبول ضروری ہے زبانی یا تحریری۔ مثلاً: آپ نے کسی سے کہا یا کسی کو لکھا کہ میرا فلاں کام آپ کر دیجئے اور اُس نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ میں آپ کا فلاں کام کروں گا تو ایجاب و قبول ہو گیا۔ یا اُس نے کوئی جواب زبانی یا تحریری تو نہیں دیا مگر آپ کا کام کرنا شروع کر دیا تو اب وہ وکیل ہو گیا۔ اگر وہ زبانی یا تحریری طور پر آپ کے کہنے یا لکھنے کو رد کر دے تو اُس کو اُس کا حق ہے۔

۲۔ ایجاب و قبول کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل موکل کی رائے اور مرضی کے مطابق کام کرے کیونکہ اگر وہ آپ کی مرضی اور رائے سے مختلف کوئی کام کرے گا تو اُس کی ذمہ داری اُسی پر ہوگی مثلاً آپ نے اپنے ملازم سے ایک بھٹان چھانٹیں کالانے کو کہا اور وہ مارکین خرید لایا یا آپ نے منفعے منگوائے اور وہ کشمش لے آیا۔ آپ نے کہا آدھ سیر سیدب لے آؤ اور وہ ایک سیر ناسپاتی لے آیا وغیرہ وغیرہ تو آپ یہ چیزیں واپس کر سکتے ہیں اور اگر دکاندار واپس نہ لے اور آپ بھی رکھنا نہ چاہیں تو ملازم یا نو اُسے بیچ دے یا اپنے استعمال میں لائے آپ اُس سے اپنے دام وصول کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر حکومت کے ملازمین اور اہلکار اگر حکومت کے منشاء کے خلاف کام کریں جس سے کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اس ملازم کا رکن بر ہوگی البتہ اگر آپ نے وزن نہیں بنایا اور کہا گوشت لا دو یا کپڑے کی قسم نہیں بتائی اور کہا دس گز کپڑا لے آؤ تو وہ جتنا بھی گوشت اور جیسا بھی کپڑا لائے گا اُسے لینا پڑے گا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ موکل اور وکیل دونوں صاحب عقل و تیز ہوں نا سمجھ بچے یا پاگل نہ کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں نہ خود وکیل بن سکتے ہیں۔

۴۔ وکیل چونکہ ایک امین اور موکل کے نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جو کام اسے سپرد کیا گیا ہے اس کی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں ہے موکل کی طرف ہونا چاہئے۔ البتہ خرید و فروخت کرایہ پر دینا یا لینا، مزدوروں کا تقرر کرنا اس شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جن معاملات میں اپنی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے ان میں مطالبہ موکل سے ہوگا وکیل سے نہیں مثلاً اگر کسی نے کسی کا نکاح بحیثیت وکیل کر دیا تو عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں موکل سے کرے گی کسی مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہو تو اس کا جو جرمانہ ہوگا یا جو جائداد اور مال ادا کرنا ہوگا وہ سب موکل ادا کرے گا وکیل سے کوئی مطلب نہیں۔ جن معاملات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی اجازت وکیل کو نہیں ہے اگر ان کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے تو اس کی دکالت صحیح نہیں ہے۔ جن معاملات میں اس کو اپنی طرف نسبت کرنے کی اجازت ہے اس کام سے جتنے مطالبات متعلق ہوں گے اس کا ذمہ دار وہی ہوگا مثلاً آپ کے ملازم نے کوئی چیز اُدھار خریدی اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کے لئے خرید رہا ہے تو اب دکاندار اسی سے مطالبہ کرے گا موکل سے نہیں کر سکتا لیکن اگر ملازم نے یہ کہہ کر کوئی چیز اُدھار خریدی یا بیچی کہ یہ فلاں صاحب کی ہے یا فلاں صاحب کے لئے ہے تو پھر اس کے اوپر ذمہ داری نہیں ہے اس کی حیثیت ایک قاصد اور پیامبر کی ہوگی۔ لہذا اگر کسی نے کسی کو اپنے کاروباری امور کا وکیل بنا دیا پھر اگر وکیل موکل کی کوئی چیز ہبہ کرے یا اس کے لئے ہبہ دہیہ قبول کرے یا اس کے لئے کوئی چیز عاریۃ لے یا دے یا کسی معاملے میں شرکت کرے یا بطور مضاربہ روپیہ لے یا اس کے نابالغ بچے یا لڑکی کا نکاح کرے یا اس کے مقدمے کی پیروی کرے تو وکیل کو معاملہ کرنے والوں سے واضح کو ذیہنا ضروری ہے کہ میں فلاں کی طرف سے بحیثیت وکیل کام کر رہا ہوں۔ لیکن اگر خرید و فروخت یا اجارہ و کرایہ کا وکیل بنایا گیا ہے تو موکل کا نام لئے بغیر بھی وہ خرید و فروخت کر سکتا ہے اور کوئی چیز کرایہ پر لے یا دے سکتا ہے۔

۵۔ وکیل نے موکل کے لئے کوئی چیز خریدی یا کسی سے اس کا قرض وصول کیا لاتے ہوئے راستے میں چیز ہاتھ سے گر کے ٹوٹ گئی یا روپیہ کہیں کھو گیا تو اگر اس میں قصد و ارادہ نہ ہو تو ہی اور غفلت کا دخل نہیں ہے تو اس کا تادان نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس کی حیثیت امین کی ہے اور امانت گم ہو جانے پر تادان نہیں ہے لیکن یہ بات ثابت ہونے پر کہ چیز صرف غفلت اور لاپرواہی



سے ضائع ہوئی ہے یا قصداً ایسا کیا گیا ہے تو اس پر ذمہ داری ہوگی۔

۷۔ وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ جس چیز کو موکل نے اپنے لئے خریدنے کو کہا ہو اُسے وہ خود خرید لئے البتہ اگر موکل نے یہ بتا دیا تھا کہ فلاں قیمت سے زیادہ قیمت نہ دی جائے اور اُس قیمت پر وہ چیز نہیں مل رہی ہے تو اُسے حق ہے کہ زیادہ قیمت پر اپنے لئے خرید لے لیکن قیمت کا ذکر اگر نہیں کیا تھا تو پھر وہ چیز اُس کو اپنے لئے کسی قیمت پر خریدنے کا حق نہیں ہے۔

۷۔ اگر موکل نے وکیل کو کسی معاملے میں اپنی طرف سے کام کرنے کو کہا اور کوئی قید نہیں لگائی تو وہ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہے معاملہ کو سرانجام دے سکتا ہے لیکن یہ اختیار اس کو معروف طریقوں اور رواج عام کے خلاف جانے کی اجازت کسی حال میں نہیں دے سکتا۔

۸۔ مقدمہ خواہ وہ دیوانی معاملے سے متعلق ہو یا فوجداری سے غیر اسلامی عدالت میں غیر اسلامی قانون کے مطابق کسی مسلمان کو لے جانے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ غیر اسلامی قانون کی توجیہ کے لئے کسی مسلمان کو وکیل بننا چاہیے، قرآن میں اُن لوگوں کو ظالم، فاسق بلکہ کافر تک کہا گیا ہے جو غیر اسلامی قانون کے مطابق معاملے کا فیصلہ کرائیں یا ایسی عدالت میں لے جائیں جو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرتی ہو۔

۹۔ اگر کسی معاملے میں دو آدمیوں کو وکیل بنانا ہو تو دونوں کو موجود رہنا چاہیے۔

۱۰۔ وکیل کو بطور خود کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا حق نہیں ہے جب تک موکل کی مرضی نہ معلوم ہو۔ آپ نے کوئی چیز اپنے ملازم سے منگائی، اُس نے پیسہ کسی دوسرے کو دیدیا اور کہہ دیا کہ فلاں چیز لیئے آنا۔ آپ کو یہ حق ہے کہ دوسرے کی لائی ہوئی چیز کو لیں یا واپس کر دیں۔

۱۱۔ کوئی جنس یا کوئی چیز لانے کے لئے کسی شخص کو وکیل بنایا تو اُسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ چیز اپنے پاس سے آپ کو دیدے۔ اگر چیز اُس کے پاس ہے اور وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے تو اُسے بتا دینا چاہئے کہ یہ چیز میرے پاس ہے اگر اجازت ہو تو میں ہی دیدوں۔

**وکیل کی برطرفی**  
۱۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے یا بعد میں موکل کو حق ہے کہ وکیل کو علیحدہ کر دے لیکن اگر وکیل نے کام ادا ہو کر کیا ہے تو علیحدگی کا حق نہیں ہے اگر اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہوتا ہو۔ اسی طرح کام کرنے سے پہلے وکیل

کو بھی علیحدہ ہو جانے کا حق ہے لیکن کام ادا ہو کر نہ کرنے کی صورت میں اُسے بھی علیحدگی کا حق نہیں ہے اگر اس کے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہوتا ہو۔ لیکن اگر کوئی حق وابستہ نہ ہو اور نہ کسی کو کچھ نقصان ہوتا ہو تو پھر وکیل کے علیحدہ ہو جانے یا موکل کے علیحدہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔  
۲۔ وکیل کو علیحدہ کرنے کی اطلاع خواہ زبانی دی جائے یا تحریری یا کسی آدمی کے ذریعے یہ تمام صورتیں صحیح ہیں، اسی طرح وکیل موکل کو اپنی معذوری کی اطلاع زبانی، تحریری یا کسی آدمی کے ذریعہ دیدے تو یہ بھی صحیح ہے یعنی وکالت سے علیحدگی ہو جائے گی۔

## وقف

**وقف کے لغوی اور اصطلاحی معنی** وقف کے معنی نعت میں روک لینے کا نام و ساکن کر دینے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں اپنی کوئی چیز یا اُس کا فائدہ کسی ایک مقصد یا کارِ خیر کے لئے خاص کر دینے کو وقف کہتے ہیں۔ جس طرح صدقہ کر دینے سے وہ چیز آپ کی نہیں رہتی لیکن اُس کا ثواب آپ کو ملتا رہتا ہے اسی طرح کسی چیز کو نیک کام کے لئے وقف کر دینے سے بھی وہ چیز واقف کی ملکیت نہیں رہتی بلکہ جس اچھے کام کے لئے ثواب کی نیت سے وقف کیا ہے اُس کا ثواب اُس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اس طرح صدقے سے بھی زیادہ اجر اُس کو ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موت کے بعد ان کے تمام اعمال اُس سے منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔ **صَدَقَةٌ** **حَاجَرِيَّةٌ** **اَوْ عَلِمَةٌ يَنْتَفَعُ** **اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْهُ** (۱) صدقہ جاریہ یا (۲) علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں یا (۳) نیک اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے، صدقہ جاریہ سے مراد اپنی چیز کو خیر اور بھلائی کے کاموں پر خرچ ہونے کے لئے وقف کر دینا ہے کیونکہ اُس کا ثواب جاری رہتا ہے جب تک وہ نیک کام انجام پاتا رہے اور لوگ اُس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ علم سے فائدہ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ علم دین لوگوں کو پڑھایا اور انھوں نے دوسروں کو

کو بڑھایا یا کوئی کتاب اسی جذبے سے لکھی کہ لوگ اُسے پڑھتے اور دین کا علم حاصل کرتے رہیں۔  
تو جب تک اس کتاب اور علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے گا اُس کا ثواب ملتا رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جب مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بیٹھے بانی کی بڑی کچی سختی 'شہر کے جس حصے میں آپؐ اور مہاجرین آباد تھے اُس میں صرف ایک کنواں (بیرومہ) تھا جو ایک شخص کی ملکیت تھا جس کا بانی وہ بہ قیمت درنا تھا آپؐ لے اُس سے کہا کہ "تم اس کو عام لوگوں کی رفاہ کے لئے وقف کر دو خدا اس کا بدلہ جنت میں دے گا" اُس نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرے اور میرے اہل و عیال کی پرورش کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے خدا اس کا اجر جنت میں عطا کرے گا، یہ ارشاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انھوں نے ۳۵ ہزار درہم دے کر کنواں اُس کے مالک سے خرید لیا اور اس حضرت کی خدمت میں آکر اس کی خبر دیدی آپؐ نے فرمایا جَعَلَتْهَا لِلْمُسْلِمِينَ میں نے اس کو عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ (المتفق)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک باغ صدقہ کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باغ کو اپنے قبضے میں رکھو اور اس کا پھل غرباء، مساکین اور محتاجوں کے لئے مخصوص کر دو چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب نہ تو یہ باغ بیجا جاسکتا ہے نہ کوئی اسے بحق وراثت لے سکتا ہے۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باغ کا شکر ارا، حضرت عمرؓ کو بنایا لیکن اس کا فائدہ رفاہ عام کے لئے مخصوص کر دیا۔

آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک گھوڑا خدا کی راہ میں ایمان و احتساب کے ساتھ وقف کرتا ہے تو گھوڑے کا کھانا پینا اُس کا بول و براز اور ہر چیز اس کے حق میں نیکی ہے۔ (بخاری)  
جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی لَمْ يَتَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ اُنْزِلَ اُس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو تو حضرت ابو طلحہ انصاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیڑ خاکی زمین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے میں چاہتا ہوں اسے فی سبیل اللہ وقف کر دوں! آپؐ نے فرمایا تمہارے قبیلے میں

جو نادار لوگ ہیں اُن کے لئے اس کو وقف کر دینا پنجہ اُنھوں نے حضرت حسان بن ثابتؓ، ابی بن کعب اور بعض دوسرے غریب اہل خانہ ان کے لئے وہ زمین وقف کر دی۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ ارشادات نبوی سے کئی امتیں معلوم ہوئیں جن کو بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک شخص صدقہ دیدینے کا ثواب محدود ہوتا ہے لیکن رفاه عام کے لئے اپنی چیز کو وقف کر دینا یا رفاه عام کے لئے کوئی چیز بھڑکایا یا کام کر کے جس کا فائدہ دو چار افراد کو نہیں بلکہ بے شمار افراد کو پہنچے چھوڑ جانا بڑے اجر کا سبب ہے اس کا ثواب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ چیز قائم رہتی ہے مثلاً کسی نے مدرسہ قائم کیا کتاب خانہ کھول دیا تو جب تک لوگ ان اداروں سے فیض پاتے رہیں گے ان کے بانیوں کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ اجر و ثواب کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں ایک یہ کہ خالص رضائے الہی کی طلب ہو، نام و نمود اور شہرت کی خواہش اصل مقصود نہ ہو، ویسے یہ چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں تو انھیں محض اللہ کا فضل سمجھا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ موقوفہ چیز صحیح معنی میں فائدہ بخش ہو یعنی انسان کی مادی و دنیوی ضرورت کو اس طرح پوری کرتی ہو کہ اخلاق و کردار میں بگاڑ نہ آنے پائے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی تو وہ چیز جب تک رہے گی ثواب کے بجائے گناہ کا اضافہ واقف کے نامہ اعمال میں ہوتا رہے گا۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص اچھا طریقہ رائج کر جائے گا تو جو لوگ اس پر چلیں گے ان کا ثواب اُس کو ملتا رہے گا اور جو لوگ بُری راہ دکھائیں گے ان کی گردن پر اُن لوگوں کا عذاب بھی ڈال دیا جائے گا، اگر آپ نے شفا خانہ بنانے کے بجائے سینما ہاؤس بنا کر وقف کر دیا۔ تعلیم گاہ بنائی لیکن مشرکانہ و ملحدانہ تعلیم کا دروازہ بھی کھلا رکھا تو جتنا عذاب سینما دیکھنے والوں اور طالب علموں کے مشرکانہ و ملحدانہ خیالات سے اُن پر ہوگا اُسی کے بقدر عذاب آپ کی گردن پر بھی ہوگا۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی جو چیز صدقہ کر کے یا وقف کر کے دیتا ہے وہ ایسی چیز ہو جس سے اُس کا دلی لگاؤ اور محبت بھی ہو۔ اگر آپ کے پاس کئی مکان ہیں اور ایک مکان وقف کرنا چاہتے ہیں یا کئی زمینیں ہیں اور ان میں سے ایک کو وقف کرنا چاہتے ہیں تو وہ مکان اور وہ زمین وقف کیجئے جو آپ کے نزدیک سب سے عمدہ اور پسندیدہ ہو کیونکہ اللہ کی رضا گھٹیا اور ردی چیز سے حاصل نہیں کی جاسکتی اور نہ اس کا ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ کا ایک ہی بچہ ہے اور اُس سے آپ کو شدید محبت ہے تو آپ کی دینداری اور اسلامی جس کا تقاضا ہے کہ اُس کو غیر دینی اور اخلاق کو بگاڑنے والی تعلیم نہ دلائیں بلکہ دینی اور خدا پرستانہ تعلیم دلائیں ایسے ہی بچے کی دُعا اور اُس کا عمل آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہو سکے گا، غلط تعلیم و تربیت پا کر جو لڑکا جوان ہو گا وہ نہ تو صالح اعمال والا ہو گا کہ اُس کے نیک اعمال کا ثواب آپ کو ملے اور نہ وہ آپ کے حق میں دُعا کر سکے گا۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ جو چیز آپ وقف کریں اُس کی نگرانی ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیے جو امانت داری سے اُس رفاہی کام میں خرچ کریں جس کے لئے آپ نے وقف کیا ہے جو شخص خود نگرانی کا خواہاں ہو اُسے یہ امانت نہ سونپی جائے اور نہ فاسق کو اس کام پر رکھا جائے جو اسلامی احکام کا پابند نہ ہو۔ یہ دونوں باتیں یا ایک بھی جس کسی میں پائی جائے اس کو متولی بنانا صحیح نہ ہو گا۔

**وقف کا حکم** آدمی جب اپنی زبان سے کہہ دے کہ فلاں چیز میں نے وقف کر دی تو اب وقف ہو گئی اُس نے کوئی زمین قبرستان کے لئے دیدی اور اُس میں کسی میت کو دفن کر دیا گیا تو یہ زمین وقف ہو گئی، وقف دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اُس کو خدا کے لئے وقف کر دے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے، دوسری صورت یہ کہ وہ یہ شرط لگا دے کہ میں اپنی زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھاؤں گا اور میرے بعد یہ عام مسلمانوں کی رفاہ کے لئے ہو گا یا میرے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصے سے فائدہ اٹھائے گی باقی رفاہ عام کے لئے ہو گا تو دونوں صورتوں میں موقوف پر واقف کا کوئی حق نہیں رہتا۔ وہ لحد کی ہو گئی اب نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے نہ اُس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے، البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لئے جس قدر اور جس عرصے تک فائدہ اٹھانے کی قید لگا دی ہے تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ (ہدایہ)

**ضروری مسائل** ۱۔ اگر وقف کی چیز خراب ہو رہی ہو تو اس کے متولی کا فرض ہے کہ وہ اس کو درست کرائے اگر اس کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہ ہو یا وہ

ایسی چیز ہو جس سے کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو تو اسنادی حکومت کا اور اگر حکومت غیر اسلامی ہو تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو درست کرالیں۔

۲۔ اگر کسی نے مسجد بنادی تو اب اس کی کوئی چیز مسجد بنانے والا یا کوئی اور شخص اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاسکتا حتیٰ کہ اینٹ، گار، لوٹا اور چٹائی بھی اپنے ذاتی استعمال میں لانا ممنوع ہے۔ اگر اس کی کوئی چیز بیکار ہو جائے یا سڑکھ جائے تو اُسے بیچ کر پھر مسجد کے کام میں لگا دینا چاہیے۔

۳۔ مسجد یا مدرسہ بنا کر وقف کر دینے والا اگر اُن کے دروازے کے ساتھ یا بغل میں کچھ دکانیں اس خیال سے بنوائے کہ ان کے کرایہ سے وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کر لے گا تو یہ جائز ہے اُن دکانوں کو موقوفہ مسجد یا مدرسہ کے قریب یا ان کے نیچے ہونے کی وجہ سے وقف نہیں سمجھا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اجازت بھی دی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد بنا کر اس کے اوپر کے حصے میں اپنے رہنے کے کوئی عمارت بنوائے تو یہ جائز ہے البتہ اُس کو پیشاب پانخانے کے لئے ایسا انتظام کرنا ضروری ہوگا کہ مسجد کا احترام پوری طرح برقرار رہے۔

## وصیت

وصیت کی تعریف از روئے لغت اس لفظ کا استعمال تین معنوں میں ہوتا ہے :-  
 (۱) کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا یعنی اس کو مال کا مالک بنادینا  
 (۲) کسی سے اپنے لڑکے کے بارے میں وصیت کرنا یعنی لڑکے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کو کہنا  
 (۳) کسی کو نماز کی وصیت کرنا یعنی نماز کا حکم دینا۔

فقہاء کی اصطلاح میں وصیت نام ہے اپنی چیز کا دوسرے کو مالک بنانا جب وصیت کرنے والے کی وفات ہو جائے لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ وصیت کرتے وقت ”میرے مرنے کے بعد“ بھی کہا جائے اگر صرف یہ کہا کہ ”میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں“ تب بھی درست ہے یا اگر وصیت کا لفظ صراحتاً نہ کہا بلکہ ایسی بات کہی جو وصیت پر دلالت کرتی ہو تب بھی وصیت صحیح ہوگی خلا یہ کہا کہ ”میرے مال کے ایک تہائی حصے میں سے ایک ہزار روپے فلاں شخص

کے لئے ہیں، تو یہ وصیت ہی متصور ہوگی کیونکہ ایک تہائی حصہ وصیت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔  
**وصیت کا ثبوت** اس کا حکم شرعی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں  
 ارشاد خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحَقَّ وَاحِدُكُمْ الْمَوْتَ أَنْ تَرِثَ خَيْرُ الْأَوْصِيَّةِ (البقرہ، ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی کی موت قریب آئے اور تر کہ میں مال چھوڑنا ہے تو اس کی بابت  
 وصیت کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

ما حق امرئ مسلم له شيء يوصي فيه يبيت ليلتين الا وصيته مكتوبه عندہ۔  
 یعنی یہ امر احتیاط اور صحت سے بعید ہے کہ ایک مسلمان کے پاس قابل وصیت مال ہو اور دو راتوں میں بھی وصیت لکھ کر اپنے پاس نہ رکھے۔

دو راتوں سے مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد یہ کام کر لیا جائے۔

وصیت کے اجزائے لازم یہ ہیں :-

**وصیت کے ارکان اور شرائط** (۱) موصی (وصیت کرنے والا) (۲) موصی لہ (جس

کے حق میں وصیت کی جائے) (۳) موصی بہ (جس کی بابت وصیت کی جائے) اور (۴) الفاظ وصیت۔  
 وصیت کسی شے کی بابت ہو یا کسی شے کی منفعت کی بابت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔  
 فقہائے احناف کا یہی مسلک ہے، مالکی فقہاء وصیت کو ایک عقد یعنی معاملہ قرار دیتے ہیں جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے یا متوفی کے اس مال میں متوفی کی نیابت کسی شخص کو حاصل ہو جاتی ہے پس وصیت کرنے والا یا تو اپنی موت کے بعد کسی کو اپنا نائب (قائم مقام) بناتا ہے یا مال کی بابت وصیت کرتا ہے۔

وصیت کا صرف ایک رکن ہے ایجاب و قبول جیسا کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔

ایجاب یہ ہے کہ ایک شخص کہے میں فلاں کے حق میں یہ وصیت کرتا ہوں یا میری یہ وصیت

فلاس شخص کے لئے ہے یا میں نے فلاں شخص کو اپنی موت کے بعد اپنے مال کے ایک تہائی کا حقدار بنادیا؟ اسی طرح کے اور الفاظ جو وصیت کے معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں وصیت کی قبولیت موصی کی وفات کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وصیت میں تملیک موت پر موقوف رہتی ہے، قبولیت یا تو صراحتاً ہوگی یعنی زبان سے کہے کہ میں نے وصیت کو قبول کر لیا یا دلالتاً یعنی موصی لہ کا طرز عمل لفظاً قبول کرنے کے بجائے متصور ہو۔ اگر موصی لہ یا وصی نے عملاً وصیت کو پورا کر دیا تو اسے قبول کرنا تسلیم کیا جائے گا۔

وصیت کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو یعنی دوسرے کو مال کا حق دے سکے ایسا شخص وہ ہو سکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں :

ایک یہ کہ وہ بالغ ہو کم عمر بچے کی وصیت صحیح نہ ہوگی خواہ وہ صاحب شعور ہو یا نہ ہوتا ہم ایک امر ایسا ہے کہ اس بارے میں باشعور بچے کی وصیت درست مانی جائے گی وہ ہے تجزیہ و تکفین کے بارے میں وصیت، روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صغیر سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی تھی وہ روایت اسی پر محمول ہے۔

دوسری بات یہ کہ وصیت کرنے والا بالغ ہونے کے ساتھ ذی عقل بھی ہو کسی مجنون کا وصیت کرنا درست نہیں۔ اگر اُس کا جنون جاتا رہے اور اچھا بھلا ہو کر اُس کی وفات ہوئی ہو تو بھی اُنکی وصیت پر عمل نہیں ہوگا کیوں کہ اُس وقت وہ وصیت کرنے کا اہل نہ تھا۔ اگر جنون دور ہونے کے بعد وصیت کی اور پھر جنون طاری ہو گیا اور مستقل چھ مہینے تک یہی حالت رہی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ورنہ باطل نہ ہوگی۔ صحت مند کی حالت میں وصیت کرنے کے بعد دوسو سوں کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ حواس جاتے رہے اور اسی حالت میں موت واقع ہوگئی تب بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے پر اتنا قرض نہ ہو جو اُس کے تمام مالی سرمایہ کے برابر ہو ایسی صورت میں وصیت کرنا درست نہیں۔ قرض کی ادائیگی وصیت کو پورا کرنے پر مقدم ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا نہ تو وصیت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو نہ اُسے کسی



فریب میں ڈال گیا ہو، بلکہ پوری سنجیدگی اور آزادی رائے کے ساتھ وصیت کی جائے جس میں تمسخر کو دخل نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا غلام نہ ہو اور مکاتب بھی نہ ہو۔ یہ شرط زمانہ ماضی میں مفید تھی جب غلاموں کا ایک طبقہ پایا جاتا تھا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی زبان بند نہ ہو۔ یعنی اگر ایسا مرض زبان کو لاحق ہو گیا کہ بولی نہیں سکتا تو جب تک زبان ٹھیک نہ ہو جائے وصیت درست نہ ہوگی۔ گونا گویا آدمی جو بولنے سے معذور ہو اور خاص اشارہ دل سے اپنا مطلب ادا کر سکتا ہو تو اس کے اشارے بولنے کے قائم مقام متصور ہوں گے۔

وصیت کنندہ کے لئے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے لہذا کافر مسلمان کے حق میں وصیت کرے تو درست ہے بشرطیکہ وصیت ایسی چیز کی بابت نہ ہو جو مسلمان پر حرام ہے جیسے شراب، بھجوا، سور وغیرہ۔

**موصیٰ لہ سے تعلق رکھنے والی شرطیں** ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا وارث نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے بھائی کے حق میں وصیت کی جو بیٹے کی موجودگی کے باعث وارث نہ تھا تو یہ وصیت درست ہوگی اب اگر وہ بیٹا باپ سے پہلے مر گیا اور بھائی وارث ہو گیا تو وصیت باطل متصور ہوگی تاہم اگر دوسرے ورثاء کسی کے حق میں وصیت کی اجازت دیدیں (بشرطیکہ ہر وارث عاقل، بالغ اور صحت مند ہو) تو وہ وصیت لاگو ہوگی۔ لیکن اگر بھائی کے حق میں وصیت کی اور وہ اس کا وارث بھی تھا تو اگر موصیٰ کی موت کے وقت تک وہ وارث ہی ہے تو وصیت پر عملدرآمد نہیں ہوگا لیکن اگر موت کے وقت وہ وارث نہیں رہا مثلاً وصیت کرنے والے کا بیٹا پیدا ہو گیا جس نے چچا کو وراثت سے محروم کر دیا تو وصیت کا نفاذ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہ مالک ہونے کا اہل ہو۔ جو مالک بننے کا اہل نہ ہو اس کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ اگر یوں کہا کہ میں اس بھوسے کی وصیت فلاں شخص کے

کے جانوروں کے حق میں کرتا ہوں اس کے معنی یہ ہوئے کہ اُس نے جانوروں کو بھوسے کا مالک بنادیا تو یہ درست نہیں۔ اگر یوں کہا جاتا کہ میں اس بھوسے کی بابت وصیت کرتا ہوں کہ نملان شخص کے مویشیوں کو کھلایا جائے تو یہ وصیت درست ہوتی اس طرح کی وصیتوں میں قبولیت ضروری نہیں جس طرح فقروں اور مسکینوں کے حق میں وصیت کرنے کی صورت میں ضروری نہیں ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہو یا موجودگی متوقع ہو لہذا بیٹ کے بچے کے حق میں وصیت کرنا درست ہے جس طرح اُس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے اس کا نام و نشان معلوم ہو یا نام۔ یہ کہ وہ ایک مسکین یا فقیر ہے، ایک شرط یہ ہے کہ موصی لہ نے وصیت کرنے والے کو عدا یا غلطاً قتل نہ کیا ہو مثلاً موصی نے جس کے حق میں وصیت کی اُسی کے ہاتھوں اُس نے زخم کھایا اور ہلاک ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی لیکن اگر موصی لہ بچہ یا مجنون ہے تو باطل نہیں ہوگی۔ موصی لہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے کسی ذمی کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ دارالحرپ میں نہ ہو۔ مرتد کے حق میں مسلمان کا وصیت کرنا درست نہیں ہے۔

اگر موصی لہ وصیت قبول کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو اُس کے وارث اُس کے بجائے قبول کریں۔

موصیٰ یعنی مال وصیت کے متعلق بھی چند شرطیں ہیں ۱) مال کی وصیت ایسی چیز ہو جو ملکیت میں

آسکتی ہو خواہ مال ہو یا منفعت (مال میں جائیداد بجانور، ردیہ اور قیمتی اشیاء شمار ہوتی ہیں اور منفعت میں کرایہ داری کے ذریعہ استفادہ یا مکان اور جانوروں کو استعمال کا حق شامل ہے۔

۲) ایسی چیز جو سرمدست موجود نہیں لیکن موجود ہونے کی توقع ہے جیسے باغ کے پھل کی بابت کسی شخص کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے۔

۳) جس شے کی بابت وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا صرف ایک تہائی مال ہو، ایک تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ تمام ورثاء بالغ ہوں اور وہ اس بات کی اجازت دیدیں لیکن یہ اجازت وصیت کنندہ کی وفات

بعد مفید ہو سکے گی اگر زندگی میں اجازت دے بھی دی تو انہیں اس سے رجوع کا حق ہوگا۔  
اگر ایک شخص نے اپنے تمام مال کے بارے میں کسی کے لئے وصیت کی اور اُس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اُس کی وصیت بدر عمل ہوگا، اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی کے نام یا بیوی نے شوہر کے نام اپنے سارے مال کی وصیت کی اور ان دونوں کا کوئی وارث نہیں ہو تو وصیت درست ہوگی۔

**عمل وصیت کی شرعی حیثیت** عمل وصیت کی شرعی حیثیت حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ کبھی تو وصیت واجب ہوتی ہے کبھی مستحب اور کبھی حرام ہو جاتی ہے۔ فقہائے احناف نے وصیت کی چار قسمیں بیان کی ہیں، (۱) واجب (۲) مستحب (۳) مباح اور (۴) مکروہ اور امام شافعیؒ کے مسلک میں پانچویں قسم بھی ہے یعنی ”وصیت حرام“

وصیت واجب وہ ہے جو معتد داروں کو حقوق کی ادائیگی کے لئے کی جائے اس میں امانتوں اور قرضوں کی واپسی شامل ہے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو جس کا بار اُس کے اوپر رہ جائے اور وہ گناہ گار ہو۔

وصیت مستحب وہ ہے جو حقوق اللہ کی ادائیگی مثلاً کفارہ، زکوٰۃ، روزہ، نماز کا فدیہ الحج اور امور مستوجب ثواب کے لئے کی جائے جیسے فقروں مسکینوں کے حق میں یا کسی دیندار صالح کے حق میں جو وارث نہ ہو۔

وصیت مباح وہ وصیت ہے جو خوش حال رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اِذَا خَضَعْتُمْ لَكُمْ الْمَوْتِ اِنْ تَوَلَّوْا خَيْرًا مِّنْ وَصِيَّةٍ بِالَّذِيْنَ وَالِالَّذِيْنَ بِالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا

(البقرہ، آیت ۱۸۰)

عَلَى الشَّقِيْقِيْنَ

یعنی ”جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور تم کے میں مال ہو تو تم پر لازم ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں نیک سلوک کی وصیت کر جاؤ یہ خدا سے ڈرنے والوں پر ضروری ہے“

یہ وہ حکم تھا جو آیت میراث کے نازل ہونے اور حقوق وراثت کا نظام مقرر ہونے سے پہلے ماں باپ اور قرابت داروں کو مال متروکہ سے دینے کے لئے تھا جو وراثت کے احکام نازل ہونے کے بعد ختم ہو گیا لیکن وصیت کا مستحب ہونا بہر حال باقی ہے اور شریعت نے اسے اپنے کے اندر محدود کر دیا ہے اس طرح وراثت کا حصہ بھی محفوظ ہو گیا اور کار خیر میں امداد کا حق بھی باقی رہا۔

وصیت مکروہ وہ وصیت ہے جو فاسقوں، گناہ کا کام کرنے والوں، گمراہی اور بُری باتوں میں پڑے ہوئے لوگوں کے حق میں کی جائے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک نہائی مال سے زیادہ کے لئے یا کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا بھی مکروہ ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر مال تھوڑا ہو اور اس کا وارث موجود ہو تو بھی وصیت کرنا مکروہ ہے۔

وصیت حرام۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی سرکش فساد کے حق میں وصیت کرنا ہے کیونکہ ایسا شخص ترکہ سے حصہ پا کر فساد ہی پھیلائے گا، مالکی فقہاء کے نزدیک وصیت حرام وہ ہے جو کسی امر حرام کے لئے کی جائے مثلاً بیت پر نوحہ دہا تم کے لئے وصیت کرنا وغیرہ۔

حج کرانے اور قرآن خوانی کے لئے وصیت اگر کسی شخص پر حج واجب ہے تو مستحب یہ ہے کہ اپنی طرف سے حج (یا حج بدل) کی وصیت کر جائے۔ وصیت کو پورا کرنے کے لئے ایک ثلث سے زیادہ مال ورنہ کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ اگر سفر کا آغاز گھر سے کرنے کے لئے مال کافی نہ ہو تو جس جگہ سے سفر کرنے کے لئے مال ملے گی ہو وہیں سے کسی آدمی کے ذریعے حج کر دیا جائے۔ پیدل چل کر حج بدل کرنا درست نہیں۔ حج اُسی شخص پر واجب ہوتا ہے جسے سواری پر جا کر حج کرنے کا مقدور ہو یہی حکم اس کے قائم مقام کے لئے بھی ہے۔

قبور پر یا مقررہ مقامات پر قرآن خوانی کی بابت وصیت کرنا فقہائے احناف کے نزدیک ایسی وصیت ہے جس پر عمل کرنا فضول ہے لیکن اگر ایسی وصیت کسی ناسخ شخص کے مس میں ہو مثلاً یہ کہ میں اپنے مال میں سے اس قدر مال کی بابت فلاں قاری کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ میری قبر پر قرآن پڑھنے کے لئے دیا جائے تو اصواب نے اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ بطور حسن

سلوک کے متصور ہوگا۔ قرآن پڑھنے کی اجرت، کے طور پر نہ ہوگا۔

اگر کسی نے وصیت کی کہ موت کے بعد اُس کو کسی خاص مقام پر لے جا کر دفن کیا جائے تو اس وصیت پر بھی عمل کرنا ضروری نہیں، وصی نے اگر میت کو دوسری جگہ لے جانے کا بندوبست کیا تو اُس کے مصارف کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی، البتہ اگر موتی کے درنار اُس کے چھوٹے ہوئے مال سے خرچ کرنے کی اجازت دیدیں تو ایسا کرنا صحیح ہوگا۔

اگر قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کی گئی تو وہ متفقہ طور پر باطل ہوگی کیونکہ اس کی مخالفت ارشاد رسولؐ سے ثابت ہے، ہاں اگر یہ وصیت ہے کہ قبر پر مٹی یا چوٹے وغیرہ کا پوچا پھیر دیا جائے تو اگر مقصود قبر کو وحشی جانوروں سے محفوظ رکھنا یا قبر کو خراب ہونے نہ دینا ہے تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

جو چیزیں شریعت میں ناجائز یا مکروہ یا غیر ضروری فضول خرچی کی ہیں مثلاً کسی نے وصیت کی کہ مجھے قیمتی کپڑے کا یا ٹیری کاٹ کا کفن دیا جائے، میری قبر چتہ بنائی جائے۔ یا خوب دھوم دھام سے جہلم یا تہجہ کیا جائے تو یہ وصیتیں پوری نہیں کی جائیں گی کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا یا درنار کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ اسی طرح اگر قرض ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے تو وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہنچانے والی وصیتیں جس طرح ناجائز وصیتیں کرنا گناہ ہے اسی طرح جس وصیت سے کسی وارث کی حق تلفی ہوتی ہو یا نقصان پہنچنا ہو وہ بھی گناہ ہے، قرآن میں وصیت اور قرض کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُؤْصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ

(میراث کی تقسیم، وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے، یہ وصیت اور

قرض وراثت کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کفن مرد و عورت ایسے ہوتے ہیں کہ پوری عمر ساتھ ہوں تک خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں اور جب موت کا وقت قریب آ جاتا ہے تو اپنی وصیت کے ذریعے ورثہ کو نقصان پہنچا جاتے ہیں یا مستحقین کو وصیت نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق بن جاتے ہیں" (ابوداؤد)۔

نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً :

- ۱۔ اکثر ثلث مال سے زیادہ وصیت کرنے کا نتیجہ ورثہ کی حق تلفی ہو جاتا ہے۔
- ۲۔ وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ کہنا کہ میرے ذمہ فلاں کا اس قرض ہے یا اتنی رقم امانت ہے وہ اگر دی جائے حال نہ کہ واقعتہ ایسا نہ ہو تو یہ وصیت گناہ ہے۔
- ۳۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کو قرض دیا یا اپنی کوئی قیمتی چیز کسی کے یہاں امانت رکھوائی لیکن اقرار یہ کر لیا کہ میں قرض یا امانت پاچکا ہوں تو وہ سخت گنہگار ہو گا کیونکہ وہ مستحقین کا حق مار کر غیر مستحق کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

**وصیت سے رجوع کر لینا** موصی جب تک زندہ ہے اس کو اپنی وصیت سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے مثلاً کسی نے ایک مکان کسی کو دینے کی وصیت کی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اُس نے کہا کہ میں اس سے رجوع کرنا ہوں تو اُسے اس کا حق ہے۔ اگر زبان سے نہیں کہا مگر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا تو بھی وصیت کا عدم ہو جائے گی۔ مثلاً اپنی کوئی زمین کسی کو دینے کی وصیت کی پھر اُس میں مکان بنوایا یا اُسے فروخت کر دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا۔

**وصی کا بیان** وصی مجاز وہ ہے جس کو ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنا نائب بنایا ہو کہ وہ اس کے مال میں تصرف کرے اور اس کے مکرر و نامحکوم وارثوں کی بہتری کا خیال رکھے۔ وصی۔ وصیت کرنے والی کی زندگی میں ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے لیکن اُس کی موت کے بعد عینکدہ ہونے کا حق نہیں ہے۔

وصی کے بارے میں جو احکام ہیں اُن کا ذکر "جزء" کے بیان میں بھی کیا گیا ہے یہاں کچھ

اور مسائل بیان کئے جاتے ہیں جس شخص کو وصی بنایا جائے اُس کے لئے چند شرائط ہیں۔

۱۔ بالغ ہونا۔ اگر کسی نے ایک بچے کو اپنے بعد وصی مقرر کیا تو وہ بالغ ہونے پر وصی مانا جائے گا جب تک وہ بچہ ہے حاکم شرع پر لازم ہوگا کہ اس کے بجائے کسی اور کو وصی بنائے اور اسے برطرف کر دے۔ حاکم کے نابالغ وصی کو برطرف کرنے سے پہلے اگر اس نے مال میں کوئی تصرف کر لیا تو اُسے درست مانا جائے گا کیونکہ بلوغ کی شرط وصی بننے رہنے کے لیے ہے، وصیت کے درست ہونے کی شرط نہیں ہے، لہذا اگر ہٹائے جانے سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو بدستور وہ وصی رہے گا۔

۲۔ مسلمان ہونا۔ اگر اُس نے کسی کافر کو وصی بنایا تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کی بجائے کسی مسلمان کو وصی بنادے لیکن ہٹائے جانے سے پہلے اس نے مال میں کچھ تصرف کیا تو وہ صحیح تسلیم کیا جائے گا کیونکہ وصیت اس کے حق میں بھی درست تھی یا اگر وہ مسلمان ہو گیا تو وصی کے منصب پر مقرر رہے گا۔

۳۔ عادل (نیکو کار) ہونا۔ کسی بدکار کو وصی بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی نابالغ کو وصی بنانا اُس کو وصی کے فرائض سے ہٹانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مالی معاملات میں بدنام ہو، اگر وہ مالی امور میں بے ضرر ہو تو اُسے برطرف کرنا درست نہیں۔

۴۔ دیانت دار ہونا۔ اگر اس کی بددیانتی ثابت ہو جائے تو حاکم شرع پر لازم ہے کہ اُسے وصی کے فرائض سے برطرف کر دے۔

۵۔ امور وصیت انجام دینے کی قابلیت ہونا۔ اگر وہ بعض امور انجام نہ دے سکتا ہو تو حاکم شرع اُس کے ساتھ کسی اور شخص کو لگائے گا جو ان کاموں کا انجام دے سکے یا اگر وہ بالکل کام سے عاجز نہ ثابت ہو تو کسی اور کو وصی بنادے گا لیکن محض شکایت پر اُس واثق کو توڑا نہیں جائے گا جو وصیت کرنے والے کو اپنے وصی پر تھا۔

**دواشخاص کو وصی مقرر کرنا** اگر دو شخصوں کو وصی بنایا جائے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وصیت کنندہ نے یہ تصریح کر دی ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بطور خود تصرف کا حق

ہو گا تو دونوں کا منفرد تصرف صحیح مانا جائے گا۔ چند امور ایسے ہیں جنہیں دونوں وصیوں میں سے ہر ایک بغیر اختلاف فقہاء کیلئے انجام دے سکتا ہے جیسے وصیت کنندہ کی وفات کے بعد اُس کی تجہیز و تکفین۔ حقوق کے بارے میں دعویٰ۔ بچے کی ابتدائی ضروریات کو فراہم کرنا۔ امانت کو واپس کرنا۔ وصیت کو پورا کرنا۔ ایسی اشیاء کو فروخت کر دینا جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ جو مال تلف ہو رہا ہو اُس کو محفوظ رکھنے کا بندوبست کرنا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وصی مسلمان اگر مرد ہو جائے تو اُسے فرائض سے برطرف کر دیا جائے گا یا تصرف کی قابلیت رکھتا ہو لیکن بعد میں معذور ہو جائے تو بھی برطرف کر دیا جائے گا۔

---





# ایمان افروز معلومات اخرا، نئی مطبوعات

- اسلام کا نوین داری قانون حصہ دوم ————— عبد القادر عودہ شہید
- توحید اور شرک ————— ترجمہ ساجد الرحمن صدیقی
- جیسا ہے ؟ ————— سید حامد علی
- یہودیت، قرآن کی روشنی میں ————— عبد الکریم پاکچہ
- درس قرآن (منتوب آیات کی تشریح) ————— محمد یوسف اصلاحی
- تفسیر سورہ یس ————— " " "
- تفہیم الحدیث ————— " " "
- اسلام، پیرونی رسول ————— " " "
- اسلامی توحید ————— " " "
- حج اور اس کے مسائل ————— " " "
- حضرت ابن مبارکؒ ————— " " "
- رسول کریمؐ کی جنگی اسکیم ————— عبد الباقی ایم لے
- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ————— ثروت صولت
- مشرقی ترکستان ————— " " "
- مولانا مودودیؒ کے انٹرویو ————— حصہ دوم ————— ابو طارق ایم لے
- خواتین اور دینی مسائل ————— سید ابوالاعلیٰ مودودی
- مجاہد خواتین ————— سعید اختر یوسفی
- خواتین اور اسلام ————— متین طارق
- اسلام اور رواداری ————— " " "
- اسلام کی دعوت ————— سید جلال الدین عمری
- اسلام میں عورت کے حقوق ————— " " "
- قرآن اور سائنس ————— سید قطب شہید
- مسلمان سائنسدان اور ان کی خدمات ————— ابراہیم عمادی



اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# خواتین اور بچوں کے لیے سبق آموز، کردار سازی کتابیں

- |  |   |
|--|---|
| ● ہادی اعظم — اول دردم — ابو خاندیم ہے         | ● سجادین — اول دوم — فضل حسین ہے اہل لی       |
| ● رسول اکرمؐ کی پیشین گوئیاں — مائیں خیر آبادی | ● سوم بیہوش — محمد یوسف اسلامی                |
| ● حضرت خدیجہؓ الکبریٰ                          | ● روشن ستارے                                  |
| ● حضرت عائشہؓ صدیقہ                            | ● رسول اللہؐ کے پیارے ساتھی — مائیں خیر آبادی |
| ● حضرت عمرؓ ثانیؓ                              | ● مجاہد خواتین — سعید اختر یوسفی              |
| ● بڑوں کی مائیں                                | ● شہسوارانِ وقتہین کی جانبازی — اہم و مید     |
| ● بڑوں کا بچپن                                 | ● ہمارے نغمے اول دوم — فضل حسین ہے اہل لی     |
| ● بنت اسلام                                    | (بچوں کے لئے نغمیں)                           |
| ● مرحلے (سچے واقعات)                           | ● گریبانِ نغمیں — متین طارق                   |
| ● دانا حکیم                                    | ● اچھی نغمیں — اول دردم — مائیں خیر آبادی     |
| ● سچے افسانے                                   | ● طفلسان                                      |
| ● پھول کی پتی (اصلاحی ناول)                    | ● ابن بطوطہ کا بیٹا                           |
| ● شہزادہ قود                                   | ● طویلے کی بلا                                |
| ● ولی کا سایہ                                  | ● مرود بادشاہ                                 |
| ● گریبان کا وعظ                                | ● ہمان رکچہ                                   |
| ● مرد نادان                                    | ● بے وقوف کی تلاش                             |
| ● بمبوئے بچیا                                  | (منصوم کہانیاں)                               |

اسے الیمک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ